إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ②

"جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ جس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔" (سورۃ الواقعۃ)

مجلہ

الواقعۃ

کراچی

۲۰-۲۱ محرم-صفر ۱۴۳۵ھ-نومبر-دسمبر ۲۰۱۳ء

اشاعت خصوصی برائے

القرآن الكريم

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مجلہ الواقعۃ کراچی

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾

"جب قیامت قائم ہو جائے گی،
جس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔"

سلسلہ نمبر 20-21
محرم و صفر 1435ھ/ نومبر و دسمبر 2013ء

اشاعت خصوصی
برائے
قرآن کریم

مدیر
محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

ادارتی معاونین
ابو عمار سلیم
محمد ثاقب صدیقی
محمد ساجد صدیقی

اراکین مشاورت
محمد اسماعیل شیرازی
ایچ ایم شفیق سعید

قیمت شمارہ خاص
=/400
سالانہ زر تعاون
=/400
(بمع ڈاک خرچ)
(خصوصی شماروں کی قیمت اس میں شامل نہیں)

رابطہ برائے تار و مراسلہ

مکتبہ دار الاحسن
مبارک پرائڈ، متصل مسجد عائشہ، یٰسین آباد، بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی
برائے رابطہ: 0333-3738795, 0300-2277551
Email: mujalla.alwaqia@gmail.com
ویب ایڈریس
alwaqiamagzine.wordpress.com
al-waqia.blogspot.com

ادارے کا مضمون نگار کی آراء سے اتفاق ضروری نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

"الواقعۃ" کی اس اشاعتِ خاص کا انتساب
ہر اس شخص کے نام
جو قرآن کریم سے محبت رکھتا ہے۔

دعائے خصوصی

وہ تمام احباب جنہوں نے الواقعۃ کی اشاعت خاص برائے قرآن کریم کے سلسلے میں ہماری دامے، درمے و سخنے کسی بھی نوع کی مدد کی اور ہمیں ولولہ تازہ عطا کیا۔ ان کے لیے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت قرآن کریم سے ان کی اس محبت کو قبول فرمائے اور روز حشر ان کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔

آمین یا رب العالمین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

اداریہ	نزول قرآن کا اصل مقصد	محمد تنزیل الصدیقی الحسینی	5
حکمت قرآن	المغراف فی تفسیر سورۃ ق	مولانا شاہ عین الحق پھلواروی	7

مضامین خصوصی برائے قرآن کریم

تعارف

1	تنزیل قرآن	مولانا اشہد رفیق ندوی	9
2	قرآن کا رسم الخط اور اس کا ارتقاء	ڈاکٹر نثار احمد	17
3	قرآنی آیات کی صحیح تعداد	محمد ثاقب صدیقی	21

اصول و منہج

4	مقدمہ تفسیر المنار	علامہ سید رشید رضا مصری / مولانا محمد زکریا خاور	23
5	حجت ابراہیمی	مولانا ابوالکلام آزاد	31
6	تفسیر قرآن میں بعض لغزشیں	حسن البنا شہید / محمد رضی الاسلام ندوی	49

مضامین

7	اسلوب قرآن	مولانا سید زوار حسین شاہ	55
8	قرآن کریم اور خشیت الٰہی	پروفیسر سعود عالم قاسمی	58
9	ارض حرم اور اس کے احکام و مصالح	علامہ سید سلیمان ندوی	62
10	قرآن کریم ۔ بنی نوع انسان پر اللہ کا عظیم احسان	محمد ساجد اقبال	68
11	انسانی وحدت کا قرآنی تصور	راحیل گوہر	72

جہات

12	قرآن کے اسالیب دعوت و استدلال	مولانا محمد حنیف ندوی	75
13	قرآن پاک کا تاریخی اعجاز	علامہ سید سلیمان ندوی	91
14	قرآن میں غیر عربی الفاظ	حماد ظفر سلفی	93
15	قوموں کا عروج و زوال	پروفیسر طیب شاہین لودھی	98
16	قرآن کا فلسفہ تاریخ	پروفیسر عبد المغنی	108
17	قرآن اور تاریخ	ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر	118
18	معیشت کی بنیادیں	ڈاکٹر محمود احمد غازی	123
19	فلکیات و ارضیات کے مظاہر	محمد ثاقب صدیقی	141
20	قرآن کا تصور عدل	محمد عمر اسلم اصلاحی	149

مناہج تفسیر

21	تفسیر کی ضرورت ، ابتدا اور تدوین	ڈاکٹر فضل الرحمٰن	161
22	تفسیر بالماثور	مولانا محمد یسین شاد	180
23	امام شافعی کا تفسیری خزینہ	محمد تنزیل الصدیقی الحسینی	182
24	زمخشری کا عقلی طرز تفسیر	ڈاکٹر فضل الرحمٰن	186
25	شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور فن تفسیر	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	198
26	سرسید احمد خاں اور ان کی تفسیر القرآن	محمد عارف اعظمی عمری	204
27	نواب صدیق حسن خاں کی تفسیری خدمات	ڈاکٹر عبد الرزاق گوندل	209
28	تفسیر حقانی کا لسانی و ادبی مطالعہ	ڈاکٹر محمد سلیم خالد	216
29	مولانا ثناء اللہ امرتسری اور تفسیر القرآن بالقرآن	محمد تنزیل الصدیقی الحسینی	229
30	مولانا آزاد کی تفسیر قرآن مجید کے امتیازات	پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی	233
31	تفسیر ماجدی اور سائنس	حافظ [illegible] الصدیق دریابادی	240

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

	مباحث	ندوی	
32	اضواء البیان اور اسکے مؤلف	ڈاکٹر سہیل حسن	246

تراجم

33	ترجمہ قرآن کریم کے مسائل اور ان کا حل	ڈاکٹر محمد سلیم	251
34	مقدمہ "فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن" کا تجزیاتی مطالعہ	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	263
35	پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں	بابائے اردو مولوی عبدالحق	268
36	قرآن پاک کے سندھی تراجم	محمد خان محمدی السندی	285
37	قرآن مجید کے سرائیکی تراجم پر ایک نظر	مولانا حمید اللہ خان عزیز	300
38	مولانا فتح محمد جالندھری بہ حیثیت مترجم قرآن	محمد سلیم اسماعیل	324

قرآن اور جدید اسلوب فکر

39	پرویز صاحب کا فہم قرآن	جاوید احمد غامدی / شکیل عثمانی	328
40	تفسیر قرآن کا سلوب جدید اور خیر وشر کا معرکہ ازلی	محمد تنزیل الصدیقی الحسینی	339
41	تلاوت قرآن اور تشکیل معنویت	مولانا ابو موحد عبیدالرحمٰن	352

قرآن اور ادیانِ باطلہ

42	قرآن مجید کا چیلنج	مولانا محمد اقبال کیلانی	366
43	قرآنی زبان کے خلاف دشمنوں کی سازشیں	الاستاذ محمد احمد جمال / مولانا حسن مثنیٰ ندوی	377
44	یہودیوں کی ذلت اور حکومت ، قرآن کریم کی روشنی میں	منشی عبدالرحمٰن خان	383
45	برصغیر کے پہلے مسیحی اردو ترجمہ قرآن کا تعارفی جائزہ	ڈاکٹر ساجد اسد اللہ	394

حقوق

46	وما یذکر الا اولوا الالباب	ابوالحسن	402
47	صاحب قرآن ﷺ کی فریاد	ابو عمار سلیم	421
48	قرآن کریم کا تقاضا اور ہمارا اجتماعی رویہ	محمد اسماعیل شیرازی	425

حصہ انگریزی

49	Description of Secret Societies in Holy Quran	Khurram Salim	427
50	Why Should we study the glorious Quran?	Mohammad Tanzeel al-Siddiqi al-Husaini / Ambreen Siddiqui	442

"الواقعة"

محض ایک مجلہ نہیں ، بلکہ ایک علمی و فکری تحریک ہے اس کے دائرہ اشاعت کو بڑھانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔

(ادارہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

نزول قرآن کا اصل مقصد

گزشتہ الہامی مذاہب اور اسلام میں ایک مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ ان کی الہامی کتب صرف ان کے لیے تھیں اور ان کی کتب کی تعلیمات کا دائرہ اثر و نفوذ صرف ان تک ہی محدود تھا جبکہ اسلام نے جو کتاب دنیا کو دی وہ صرف مسلمانوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ انسانیت کی کتاب ہے۔ اس کا دائرہ اثر و نفوذ صرف مسلمانوں سے متعلق نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت پر محتوی ہے۔ اس کی اثر پذیری غیر فانی اور ابدی ہے۔ اس کے الہامی خزینوں میں کبھی کمی نہ آئے گی اور دنیا خواہ کسی بھی دور سے گزرے اس کتاب مقدس کے رموز و اسرار ہر دور میں فکر کے نئے نئے گوشے عطا کرتے رہیں گے۔ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو عروج و کامرانی بھی عطا کرے گی اور پس پشت ڈال دینے والوں کو ذلت و مسکنت سے ہمکنار بھی کرے گی۔ اب قوموں کا عروج و زوال اسی کی تعلیمات پر مبنی ہوگا۔

مسلمان اس کتاب کے امین ہیں۔ ان کا فریضہ ہے کہ وہ اس کتاب کی مدد سے انسانیت کے رہبر بنیں اور دنیا کی امامت کے منصب پر فائز ہوں۔ لیکن آج صورتحال اس کے برعکس ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ارب مسلمان دنیا میں ذلت و پستی کی علامت بنے ہوئے ہیں۔ ہر اس برائی جس سے قرآن نے منع کیا تھا ہم نے اسے اختیار کر لیا، اور جس ہستی کو قرآن نے اسوہ حسنہ بنا کر پیش کیا تھا ہم نے اس ہستی کے سوا سب کی پیروی کر لی۔ مسلمانوں کی تمام تر زبوں حالی اسی ترک کا نتیجہ ہے اور جب تک ہم اس ترک سے رجوع نہ کر لیں گے تب تک فلاح و سعادت کی راہ ہم پر نہیں کھل سکتی۔

اس الہامی کتاب کی حیرت انگیز تاثیر یہ ہے کہ یہ کتاب عوام و خواص دونوں کو یکساں طور پر مستفید کرتی ہے۔ اگر ہدایت و کامرانی کا اخذ کرنا خواصِ علم کے لیے آسان ہے تو اس کی مدد سے کسب ہدایت کا حصول عوام کے لیے بھی اتنا ہی سہل۔ لیکن قرآنِ کریم نے عوام ہوں یا خواص، کسب ہدایت کے لیے اخلاص و تقویٰ کو شرطِ لازم قرار دیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتابِ ہدایت ہے اس کا اصل کام گم گشتگانِ راہ کو منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے اور فکر کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو راہِ راست پر لانا ہے۔ بس وہ سینہ چاہیئے جو "شرح صدر" کی آرزو رکھتا ہو، وہ دل چاہیئے جو کسب ہدایت کے لیے مچلتا ہو۔ کیونکہ اللہ کسی ایسے فرد کو گمراہ نہیں کرتا جس کے دماغ میں انکار و جحود کا سودا نہ ہو۔

يُضِلُّ بِهِۦ كَثِيرًا وَيَهْدِى بِهِۦ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِۦٓ إِلَّا ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾ (البقرۃ:26)

"وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے صرف انہیں کو گمراہ کرتا ہے جو فاسق ہیں۔"

اور یہ بھی کہ

وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾ (الاسراء:82)

"اور ہم قرآن سے جو نازل کرتے ہیں وہ ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے یہ ان کے خسارے میں ہی اضافہ کرتی ہے۔"

افسوس، صد افسوس، شفا اور رحمت کے اس عطیہ الٰہی کی ہم نے قدر نہ کی۔

الواقعۃ کا قرآن نمبر درحقیقت اسی بھولے ہوئے سبق کی محض ایک یاد دہانی ہے۔ ایک تازیانہ حق ہے۔ ایک جائزہ ہے ان کوتاہیوں کا جو ہم سے سرزد ہوئیں۔ قرآن کے تعلق سے ہمیں چند امور کا ادراک کرنا چاہیئے:

- ہماری پہلی وفاداری قرآن کریم کے ساتھ ہونی چاہیئے نہ کہ اپنے اپنے طبقہ فکر کے مفسرین کرام کے ساتھ۔
- ہمیں بخوبی جان لینا چاہیئے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان خواہ کتنا ہی وسیع العلم کیوں نہ ہو، نہ قرآن حکیم کا کامل ترجمہ کر سکتا ہے اور نہ ہی مکمل تفسیر۔ قرآن زبان الوہیت سے مخاطب ہوتا ہے ناممکن ہے کہ انسانی ذہن اس کے مالہ و ماعلیہ کا ادراک کر سکے۔ جو چیز حتمی ہو سکتی ہے وہ نبوی ارشادات ہیں۔ اس کے علاوہ ہر کسی کے قول میں احتمال خطا و صواب ممکن ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ہمیں اسلاف کی جانب سے کی گئی تفسیری کاوشوں کی قدر کرنے چاہیئے اور بلاوجہ انہیں نشانہ تنقید نہیں بنانا چاہیئے جیسا کہ آج کل منکرین حدیث و متجددین کا شعار ہے، لیکن وہ مفسرین کرام نصوص شرعیہ کی تشریح کرنے والے تھے خود ان کے اقوال نص قطعی کی حیثیت نہیں رکھتے۔
- قرآن علم و حکمت کا ایسا خزینہ ہے کہ جس کی وسعت لا محدود اور فیض و ہدایت کا وہ بحر ہے جو ناپیدا کنار ہے۔ جب ہم ہر کس و ناکس کو مفسر قرآن کہتے ہیں تو گستاخی معاف یہ اس کے حق میں تو عزت افزائی ہے لیکن قرآن کی عین حق تلفی۔ بہتر ہے کہ خادم قرآن کی اصطلاح استعمال کی جائے۔
- گزشتہ دو صدیوں میں تحریر ہونے والا ہمارا بیشتر تفسیری ذخیرہ محض نقل و اخذ پر مبنی ہے نہ کہ فکر و تدبر پر۔ جبکہ قرآن ہر دور کے نئے نئے تقاضوں کے عین مطابق حکمت و عرفان کے خزانے عطا کرتا ہے۔ اگر ہم اس خزانے کی قدر کرتے تو آج دنیا میں اس قدر پستی کا شکار نہ ہوتے۔
- بدقسمتی سے ہمارے یہاں گزشتہ 2 دہائیوں میں جتنے مفکرین و مفسرین قرآن پیدا ہوئے ہیں اتنے تو گزشتہ چودہ صدیوں میں بھی نہیں ہوئے تھے۔ ان میں سے بیشتر کا طریقہ تفسیر یہ رہا ہے کہ وہ قرآن کو اپنے تصورات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور قرآن کی تاویل کا ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے صاف الفاظ میں تحریف کہا جا سکتا ہے۔ اس انداز فکر کی تردید بھی قرآن ہی سے کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ قرآن اگر کتاب ہدایت ہے جو سینوں کے لیے شفا ہے تو فرقانِ حق و باطل بھی ہے جو فکر و نظر کی تمام پراگندگیاں دور کر دیتی ہے۔
- اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ایسے تفسیری اصول و ضوابط قرآن سے اخذ کیے جائیں جو غیر قرآنی اندازِ تفسیر کے سقم کو واضح کریں۔ راسخین فی العلم کے لیے خدمتِ قرآنی کا یہ انتہائی اہم پہلو ہے جس کی طرف ان کی سبقتِ ذہنی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔
- آج لوگ قرآن سے نہیں اپنے اپنے مسلک کے مفسرین قرآن سے استفادہ کرتے اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ جب ہم قرآن سے استفادہ کریں گے اور قرآن کی دعوت دیں گے تب ہی انقلاب آئے گا۔ وگرنہ اکیڈمیاں بنائیں جا سکتی ہیں اور جماعتوں کی تشکیل کی جا سکتی مگر قرآنی انقلاب کا حصول نہیں ہو سکتا۔
- قرآن کی تفسیر قرآن سے، یقیناً سب سے افضل طریقہ تفسیر ہے مگر قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ بھی نظر انداز کر دی جائیں، عین ضلالت و گمراہی ہے۔ جن لوگوں نے بھی احادیث نبوی ﷺ کی ضد میں قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے کرنے کا دعویٰ کیا وہ اپنی تفسیر میں لغت کے سہارے لیتے نظر آئے، سائنس اور ٹیکنالوجی کو بطور دلیل پیش کرتے رہے اور ان کی ناقص عقل ان کی رہبر بنی۔ تفسیر القرآن بالقرآن کے لیے فکر و نظر کی جس گہرائی اور تقویٰ و طہارت کی جیسے صداقت مطلوب تھی اس سے وہ محروم تھے۔

الواقعۃ جس اندازِ تفسیر کا داعی ہے وہ حدیث نبوی ﷺ، آثار صحابہ و تابعین اور فہم سلف پر مبنی ہے۔ خذ ما صفا و دع ما کدر کے تحت حکمت کے موتیوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش ہے۔ ہماری پختہ بلا مشروط وفاداری اللہ، رسول اور قرآن کے ساتھ ہے۔ ہمارا مقصد مردہ لفظوں سے قرطاسِ ابیض کو سیاہ کرنے کی سعی لاحاصل نہیں بلکہ قرآن حکیم کو مسلمانوں کی فکری و عملی کتاب بنانے کی جہد و سعی ہے تاکہ مسلمان ایک بار پھر تقدیرِ امم کے مالک بنیں۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت بادِ صرصر کے جھونکوں کو حکم دیں کہ وہ اس پیغام کو آگے پہنچائیں۔ درختوں کی شاخیں ہمکلامی کریں اور پتھروں کو گویائی عطا ہو تاکہ فرقہ پرستی کے اس جہنم کدے میں کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بھی سن لے کہ یہی نزول قرآن کا اصل مقصد ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمت قرآن   قسط : (16)

المغراف فی تفسیر سورہ ق

مولانا شاہ عین الحق پھلواروی
تسہیل وحواشی
محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

کوئی بادشاہ یا حاکم یا بزرگ سے بزرگ یہ نہیں جانتا کہ ہمارے ماننے والے کے جی میں کیا کیا کھٹکتا رہتا ہے ۔ وہ لوگ صرف ظاہری انقیاد [تابع داری] اور فرمانبرداری دیکھتے ہیں ، دلی خیالات سے انہیں کچھ بحث نہیں ہوا کرتی ، اور میرا علم ظاہر اور باطن دونوں کو محیط ہے ۔ اس لیے کہ میرا قرب سارے قریبوں سے زیادہ ہے رہے وہ فرشتے جو اعمال اور اقوال کو با ضابطہ قلم بند کرنے کے لیے متعین ہیں ان کا علم اگرچہ بہت وسیع ہے کیونکہ انسان پر ایسا وقت آ سکتا ہے کہ بلکہ آتا رہتا ہے کہ جس میں اس کے ساتھ کوئی متنفس نہ ہو جو دیکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے یا کیا کہہ رہا ہے ، مگر ان دونوں فرشتوں سے جو اس کے عمل و قول لکھنے پر مقرر ہیں ، انسان ایک لحہ تنہا نہیں رہ سکتا ، جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے :

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾ (الانفطار : 10-12)

" بے شک بزرگ لکھنے والے فرشتے محافظ مقرر ہیں (اور بے سمجھے بوجھے یا کسی کے کہنے سننے سے انکل پچو نہیں لکھ لیتے بلکہ) جانتے ہیں جو کچھ تم کیا کرتے ہو ۔"

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ (ق:18)

" آدمی ایک بات بھی منہ سے نہیں نکالتا ، مگر یہ کہ اس کے پاس نگہبان تیار رہتا ہے ۔"

باوجود اس کے بھی دل کی کھٹک پر واقفیت ان کی بالکل نہیں ہے وہ صرف ہمارا کام ہے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ (ق : 16) " اور میں اس کی رگ جان سے زیادہ نزدیک ہوں ۔"

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ (ق:17)

" جس وقت لیتے رہتے ہیں (انسان کے منہ سے) دو لینے والے داہنے بائیں بیٹھے ۔"

حاصل یہ کہ جس وقت ان کو اطلاع ہوتی ہے، اور بات کو انسان کی زبان سے سن کر ضبط کرتے ہیں ۔ اس وقت بھی میں ان کی اس خدمت سے اور انسان کے دلی خیالات اور ظاہری حرکات سے غافل نہیں رہتا ۔ پس میرے خوف سے طہارت ظاہری اور باطنی دونوں کو اہتمام کے ساتھ بجا لانا چاہیے اور میری مجالست کے لیے اعلیٰ اور احسن اخلاق سے آراستہ و پیراستہ رہنا چاہیے اور یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لکھنے والے کچھ کا کچھ لکھ دیتے ہوں ، اس لیے کہ وہ کرام یعنی بزرگ ذات ہیں جن کی طرف خیانت کی نسبت کرنا محال ہے ،اور دوسرے یہ کہ میں مثل اہل دنیا کے نہیں ہوں کہ کسی کو جب کوئی کام سپرد کر دیا تو خود اس سے غافل ہوئے اور اس نے جو چاہا لکھ پڑھ کر رپورٹ کر دی اور وہی سمجھ لیا گیا ، بلکہ ان کی خدمت کو میں خود جانتا رہتا ہوں اور ان کا سارا کام میرے رو برو ہے نہ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ لکھنے میں غفلت و سہو کرتے ہوں اور دیر تک نہ لکھتے ہوں ۔ جب بہت سے اعمال و اقوال متجمع ہوئے تو لکھ ڈالا ، اور اس میں ممکن ہے بھول چوک ہو جائے ۔ اس لیے کہ

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ (ق:18)

" نہیں نکالتا منہ سے کوئی بات ، مگر اس کے پاس نگہبان (اس کلمہ) کا حاضر رہتا ہے ۔"

دیر نہیں ہوتی ہے ، نہ وہ کہیں غائب ہوتے ہیں کہ کمی و بیشی یا تغیر تبدل ہو جائے ۔

مومن کو چاہیے کہ زبان سے جو کچھ نکالے ، سوچ لے کہ اس کے نکالنے میں مجھے ثواب ہو گا یا عذاب ۔ حضرت نے زبان کے روکنے کی بہت تاکید فرمائی ہے اور وعید کی خبر کر دی ہے :

"عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فليقل خيرا او ليصمت ۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رواہ البخاري

" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا، اس کو چاہیے کہ بولے تو بھلی کہے یا چپ رہے۔"

" عن عبد اللّٰه بن عمرو عن النبي ﷺ قال اربع من كن فيه كان منافقا او كانت فيه خصلة من اربعة كانت فيه خصلة من النفاق حتي يدعها اذا حدث كذب و اذا وعد اخلف و اذا عاهد غدر و اذا خاصم فجر۔"رواه البخاري[1]

" عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ منافق ہے، اور جس میں چاروں میں سے ایک ہو تو بھی اس قدر نفاق اس میں ضرور ہے۔ جب بولے تو جھوٹ بات۔ وعدہ کر کے پورا نہ کرے۔ عہد کر کے توڑ ڈالے جھگڑا کرے تو گالی بکے۔"

سوال

آسمان و زمین کے پہاڑ اور باغ وغیرہ کی خلقت کے ذکر کے ساتھ ان کی زینت و بہجت [خوشی / سرور] و برکت و بسوق و طلوع کا بھی ذکر فرمایا اور انسان کی صرف خلقت ہی کا ذکر کیا۔ حالانکہ انسان من حیث حسن و تناسب وغیرہ کے تمام مخلوقات سے فائق ہے، اس میں کیا بھید ہے؟

جواب

1- آسمان و زمین اور ان میں کی چیزیں بمنزلہ مقدمات خلقت انسان کے ہیں اور جس کے مقدمات اس درجے کے مزین و آراستہ ہوں گے اس کا نتیجہ ہر عاقل کے نزدیک ضرور نہایت مزین ہوگا۔

2- اس مقام مین چونکہ انسان کے اخلاق کی آرائش و خوبی سے بحث منظور ہے جو اہم المہمات ہے نہ کہ حسن ظاہری سے اس لیے ساری چیزوں کو مع ان کے حسن ظاہری کے بیان فرمایا اور انسان کی صرف خلقت اور اخلاق کا۔

3- نا فرمان انسان کی تہدید [ڈرانا] و تخویف [خوفزدہ کرنا / دھمکی دینا] و اصلاح کا مقام ہے نہ تحسین و تزیین کا۔

نیت میں شرک

"یہ ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس سے لوگ شاذونادر ہی پار ہوتے ہیں۔ وہ شخص جو اپنے اعمال سے ماسواء اللہ کی رضا جوئی و خوشنودی کا طالب ہو اور تقرب الٰہی کے علاوہ کسی اور کے تقرب کا خواہاں ہو اور ما سوا اللہ سے صلہ و جزا کا متمنی ہو چنانچہ اس نے اپنی نیت و ارادے میں غیر اللہ کو شریک کر لیا۔"

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ
کی کتاب "گناہ کی تاثیر"
مترجم مولانا ہدایت اللہ ندوی سے
ایک اقتباس

[1] کتاب المظالم والغضب، نیز کتاب الایمان میں بھی معمولی سے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا شہد رفیق ندوی

تنزیل قرآن

تاریخ قرآن کا ایک بہت اہم باب نزول قرآن کی تاریخ ہے، قرآنیات کے ماہرین نے اس باب کے ایک ایک جزء پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی صداقت و حفاظت کا معاملہ اس بات پر منحصر ہے کہ اس کے نزول کی تاریخ و کیفیت روز روشن کی طرح واضح ہو۔ دیگر آسمانی کتابیں اسی وجہ سے شکوک کے گرداب میں آگئیں کہ ان کے نزول و تدوین کی کوئی تاریخ دستیاب نہیں ہے۔ زیر نظر مضمون میں نزول قرآن کی تاریخ کو سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آغاز نزول

قرآن مجید حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ سب سے پہلی وحی غار حرا میں 8 ربیع الاول 13 قبل ہجرت کو آئی، اس وقت آپ وہاں عبادت میں مصروف تھے، حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کہا اقرا (پڑھو!) حضور نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے آپ کو بھینچا اور کہا پڑھو! اس طرح انہوں نے تین بار کیا اور تیسری مرتبہ سورۃ العلق کی ابتدائی تین آیات پڑھائیں۔[1]

یہ رب ذو الجلال کی طرف سے حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی، آج سے آپ کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس واقعہ سے آپ بے حد گھبرائے، حیران و پریشان گھر لوٹے اور اپنی اہلیہ حضرت خدیجہ کو حال سنایا اور فرمایا کہ مجھے چادر اوڑھادو، حضرت خدیجہ نے ڈھارس بندھائی کہ اللہ تعالیٰ آپ جیسے مہمان نواز، غریب پرور اور ضعفاء و مساکین کے ہمدرد و غمگسار کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

پہلی وحی نازل ہونے کے بعد پھر یہ سلسلہ ایک عرصہ کے لیے منقطع ہو گیا، آپ کی تڑپ بڑھی، بڑھتی گئی، یہاں تک کہ آپ بسا اوقات بے حال ہو جاتے، پہاڑوں کی طرف چلے جاتے، دیر تک عبادت میں مصروف رہتے، روایتوں کے مطابق تقریبا پونے تین سال بے چینی کے عالم میں گزارے[2] اچانک وہی فرشتہ آپ کو ایک دن آسمان میں نظر آیا، آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، فرشتہ نازل ہوا اور سورہ مدثر کی ابتدائی آیات سنائیں، اس طویل وقفہ کے بعد جسے " فترة الوحي " کہتے ہیں، وحی کا آغاز ہوا تو پھر مسلسل جاری رہا، آپ کی وفات سے 82 روز قبل 9 ذی الحجہ 10ھ بوقت عصر عرفات کے میدان میں آیت اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا (المائدہ:3) کے نزول کے ساتھ مکمل ہوا، آخری وحی کے سلسلے میں اختلاف ہے مگر زیادہ تر علماء نے مذکورہ آیت کو ہی آخری وحی تسلیم کیا ہے۔[3]

کیفیت نزول

نزول وحی کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آیات لے کر آتے، رسول اکرم ﷺ کو پڑھ کر سناتے، آپ اسے اچھی طرح یاد کر لیتے اور صحابہ کرام کو باخبر کر دیتے کہ حضرت جبرئیل یہ آیات لے کر تشریف لائے تھے، آمد وحی کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جب ضرورت ہوتی فرستادہ الٰہی حاضر ہو جاتا، آپ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں، میدان جنگ میں ہوں یا بستر استراحت پر، عبادت میں مشغول ہوں یا دعوت و تذکیر کر رہے ہوں، کسی وقت بھی یہ سلسلہ شروع ہو جاتا، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لمحہ آپ کے لیے بہت مشکل ہوتا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ " جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا، چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔"[4]

ایک مرتبہ آں حضور ﷺ کے زانو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر تھے کہ وحی نازل ہوئی حضرت زید پر اس قدر بوجھ پڑا کہ انہیں محسوس ہوا کہ ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی[5]۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ اونٹنی پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، اونٹنی نے اس قدر بوجھ محسوس کیا کہ اس سے چلا نہ گیا اور راستے ہی میں بیٹھ گئی۔[6]

---

1 صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب کیف بداء الوحی

2 فترة الوحی کی مدت میں اختلاف ہے، چند روز، چند ہفتے، چند ماہ اور چند سال تک کی روایات پائی جاتی ہیں، تفصیلات کے لیے دیکھیے: صبحی صالح، مباحث علوم القرآن، دار العلم للملایین بیروت 1958ء، ص 36.

3 حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے متعدد روایات منقول ہیں کہ آخری وحی سورہ بقرہ کی آیت 282 ہے، حضرت عمر بقرہ 278 کو آخری آیت مانتے ہیں، حضرت براء بن عازب نساء 176 کے قائل ہیں جبکہ حضرت ابن ابی کعب توبہ 128 - 129 کو آخری وحی بتاتے ہیں، دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن، دار ابن کثیر، بیروت 1987ء (تحقیق مصطفی دیب البغا): 1 / 86 - 88

4 بخاری، کتاب الوحی، باب کیف بداء الوحی

5 ابن القیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مطبع میمنیہ مصر ج 1 ص 18-19

6 حوالہ مذکور: 191

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب نزول

قرآن مجید آج جس ترتیب کے ساتھ پڑھا اور لکھا جاتا ہے ۔ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے (توقیفی ہے) مگر یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا ہے ، یہ بات اوپر گزر چکی ہے کہ سب سے پہلی وحی سورہ العلق ہے جو سب سے آخری پارہ میں ہے اور سب سے آخر میں سورہ المائدہ کی تیسری آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ نازل ہوئی جو ساتویں پارہ میں ہے ۔ پورا قرآن جستہ جستہ 23 برس کی مدت میں نازل ہوا ۔ کبھی چند آیتیں نازل ہو جاتیں ، تو کبھی پوری سورہ کا نزول ہو جاتا ۔ دو وحیوں کے درمیان کبھی طویل وقفہ ہوتا ، تو کبھی ہفتے میں کئی کئی بار وحی آ جاتی ۔ ایسا بھی ہوتا کہ متعدد سورتوں کا نزول ایک ساتھ شروع ہو جاتا ، ان میں کوئی فوراً پوری ہوجاتی اور کسی کی تکمیل میں برسوں کا وقت لگ جاتا ، آیات یا سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کاتبین وحی کو بلا کر فوراً اسے قلم بند کروا دیتے اور نو آمدہ وحی کے مرقع و محل کی تعیین بھی فرما دیتے کہ انہیں ترتیب میں کس مقام پر رکھا جائے۔

" حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان حالات پر پوری نگاہ رکھے ہوتے ۔ انہیں اچھی طرح یہ بات معلوم رہتی تھی کہ کون آیت یا سورت نازل ہوئی ۔ اس کا پس منظر کیا ہے ، حضور ﷺ نے نزولی ترتیب کے بر عکس انہیں کہاں رکھنے کا حکم دیا ہے اور کس طرح پڑھنے کی تلقین کی ہے ۔ یہاں تک کہ کچھ حضرات کے پاس یہ ریکارڈ بھی موجود تھا کہ کون کون سی آیات سفر میں نازل ہوئیں ، کون سی حالت قیام ، کون [illegible] میں نازل ہوئیں اور کون [illegible] مکہ و مدینہ میں نازل ہونے والی آیات اور سورتوں کی تو آج بھی الگ شناخت قائم ہے ۔ حضرات صحابہ کرام کے احوال و آثار کا قیمتی سرمایہ محفوظ ہے ، اس میں اس سلسلے کا کافی مواد موجود ہے۔[7]

قرآن مجید کی تاریخ مرتب کرنے والے حضرات ان شواہد کی روشنی میں تقریباً پورے قرآن کی نزولی ترتیب کو متعین کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اسے متعلقہ مآخذ میں محفوظ کر دیا ہے۔[8]

ماضی قریب میں بعض مستشرقین نے بھی نزولی ترتیب متعین کرنے کی کوشش کی ہے ۔ سب سے پہلے جرمن مستشرق نولڈیکے (Noldeke) نے اس کام کا آغاز کیا ، اس کے بعد یہ بہت سے مغربی مصنفین کی دلچسپی کا موضوع بنا رہا ، جے ایم راڈویل (J.M.Rodwell) نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ نلڈیکے کی متعین کردہ ترتیب پر شائع کیا ہے ، اس سے پہلے ہرشفلیڈ (Hirschfeld) نے نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں تک کی تاریخی ترتیب متعین کرنے کی کوشش کی ۔ مگر نزولی ترتیب کی اہمیت صرف اسی قدر ہے کہ اس سے آیات اور سورتوں کا پس منظر معلوم کرنے کے لیے ایک حد تک مدد ملتی ہے ۔ بالخصوص آیات کے اسباب نزول اور نسخ حکم معلوم کرنے کے لیے ترتیب نزول یا وقت نزول کی واقفیت مددگار ثابت ہوتی ہے۔

ترتیب قرآن کا مسئلہ بعض نا قابل اعتبار روایات کی وجہ سے کچھ عرصہ متنازعہ رہا ہے ۔ اسی وجہ سے مستشرقین کو بھی ریشہ دوانی کا موقع ہاتھ آ گیا ۔ مگر محققین کی کاوشوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور مضمون کی طرح آیات اور سورتوں کی ترتیب توقیفی یعنی منجانب اللہ ہے ۔ فرستادہ الٰہی قرآن کے القاء کے ساتھ اس بات کی تلقین بھی کرتے کہ آیات اور سورتوں کو کس مقام پر رکھا جائے ۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام کو نو آمدہ وحی کی اطلاع کے ساتھ اس کے مقام و محل کی تعیین بھی فرما دیتے تھے ۔ اسی وجہ سے سدا اسی ترتیب پر قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ۔ نمازوں میں بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا جاتا اور آخر سال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اور آنحضور ﷺ کے درمیان اسی ترتیب پورے قرآن مجید کا دورہ ہوا[9]۔ نزولی ترتیب یا کسی نئی ترتیب کی تلاش میں مستشرقین کو اس وجہ سے دلچسپی ہوئی کہ اس بہانے وہ ثابت کر سکیں (نعوذ باللہ) قرآن مجید کی جو ترتیب رائج و متداول ہے ۔ وہ خیالی ہے ، صحیح ترتیب اب انہوں نے دریافت کی ہے ۔ گویا امت مسلمہ گزشتہ 14 صدیوں سے قرآن مجید کی صحیح ترتیب سے بھی واقف نہ تھی۔[10]

تدریجی نزول۔ مسائل اور حکمتیں

پورا قرآن یکبارگی نازل ہونے کے بجائے جستہ جستہ نازل ہوا ۔ قرآن کا ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ دیگر آسمانی کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ساتھ کیوں نازل نہیں ہو جاتا ۔ اس کا جواب خود قرآن نے یہ دیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ

---

7 تفصیلات کے لیے دیکھیے : الاتقان فی علوم القرآن کے مباحث : معرفۃ المکی و المدنی ، معرفۃ الحضری و الشاتی ، معرفۃ النہاری و اللیلی اور معرفۃ الصیفی و الشاتی ، الاتقان [illegible] ۔ مولانا تقی عثمانی نے اپنی کتاب علوم القرآن میں اس بحث کو مزید منقح کیا ہے ، علوم القرآن ، مکتبہ دار العلوم کراچی 1404ھ ، ص 59-67

8 سیوطی ، الاتقان : 1 / 12

9 قرآن مجید میں سورتوں کی ترتیب اور اجتہاد صحابہ ، [illegible] ، تحقیقات اسلامی علی گڑھ [illegible] جولائی ۔ ستمبر 88ء ، ص 38 - 56 [illegible] 2 اپریل جون 89ء ص 37-55

10 مستشرقین کی ریشہ دوانیوں سے مزید واقفیت کے لیے دیکھیے ، محمد تقی عثمانی ، علوم القرآن : 69-72

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَرَتَّلْنَٰهُ تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ (الفرقان: 32-33)

" منکرین کہتے ہیں اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا ، ہاں ایسا اس لیے کیا گیا کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہیں ذہن نشین کراتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے (اور اس میں مصلحت بھی ہے کہ) کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے کر آئے اس کا ٹھیک جواب بر وقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقہ سے بات کھول دی ۔"

اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے تدریجی نزول میں گوناگوں حکمتیں اور فائدے ہیں ، اس موضوع پر علماء نے بہت مفید علمی و تحقیقی بحثیں کی ہیں ، اور صحیح بات یہ ہے کہ اس کا کوئی گوشہ نامکمل نہیں چھوڑا ہے ، مصر کے مشہور عالم دین اور محقق شیخ محمد عبد العظیم زرقانی نے اپنی کتاب " مناہل العرفان فی علوم القرآن " میں تمام مباحث کو اچھی طرح سے سمیٹ لیا ہے اور اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ سر دست اس بحث پر اضافہ کرنا کچھ ممکن نہیں ، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کی تحقیقات کا خلاصہ پیش کر دیا جائے ۔

پہلی حکمت : قلب نبوی کی تقویت

(الف) وحی کے بار بار آنے سے رسول اللہ ﷺ کے دل و دماغ میں ہر لمحہ یہ یقین موجود رہتا کہ آپ پر کتاب اللہ کے نزول کا [illegible] آپ کے ساتھ ہیں ، [illegible] آیات ہیں جن میں آپ کو ڈھارس بندھائی گئی ہے ۔

(ب) اس تدریجی نزول میں یہ آسانی تھی کہ نبی اکرم ﷺ بھی اچھی طرح قرآن کو یاد کر لیتے اور اچھی طرح احکام الٰہی اور قرآنی حکمتوں کو ذہن نشین کر لیتے اور اپنی امت تک اس امانت کو منتقل فرما دیتے ۔

(ج) جس وقت قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا وہ بجائے خود ایک جدید معجزہ ہوتا اور ہر بار گویا معاندین کو یہ چیلنج ہوتا کہ اس کے مثل آیات پیش کرو اور ہر بار یہ مشاہدہ ہوتا کہ مخالفین اس کا مثل پیش کرنے سے عاجز رہتے اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہوتی ۔ کئی بار قرآن مجید نے معاندین کو الگ الگ اسلوب میں چیلنج کیا کہ اگر تمہیں اس کی حقانیت پر یقین نہیں ہے تو اس کا مثل لا دو ، چند سورتیں یا ایک ہی سورہ لادو ۔[11]

(د) دشمنوں کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کو وہ کسی طرح زک دیں ، تدریجی نزول کا یہ فائدہ تھا کہ اس سے آپ کو صبر و ثبات قوت اور مقابلہ آرائی کا حوصلہ ملتا ۔

دوسری حکمت : امت مسلمہ کی تربیت

تدریجی نزول کی دوسری حکمت یہ تھی کہ دنیا میں جو امت مسلمہ ابھر رہی تھی اس کی علمی اور عملی تربیت میں تدریجی رفتار اختیار کی جائے ۔ یہ حکمت بھی اپنے اندر متعدد گوشے رکھتی ہے ۔

(الف) امت کے لیے قرآن کا حفظ اور فہم آسان تر ہو جائے ۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام بڑی آسانی سے نئی منازل شدہ وحی کو حفظ کر لیتے اور اس کے احکام کو جاری و ساری کر لیتے ۔

(ب) باطل قیدوں اور بری عادتوں کو چھڑانے کے لیے تدریج بہترین حکمت عملی ہے ۔ اس طریقہ نزول کے ذریعہ اسلام جب ایک باطل کو مٹانے میں کامیاب [illegible] کی طرف متوجہ ہوتا اور ایک ایک کر کے اس نے ہر باطل کی جڑ کاٹ دی اور امت بخوشی ہر اصلاح قبول کرتی گئی ۔ اس سلسلہ میں حرمت خمر کی مثال بہت نمایاں ہے ۔ جیسا کہ معلوم ہے اس کی حرمت کا حکم تین الگ الگ مرحلوں میں نازل ہوا چنانچہ آخری حکم کے وقت لوگ اتنا تیار ہو چکے تھے کہ آیت نازل ہوتے ہی شراب کے برتنوں کو توڑ ڈالا اور ذخیرہ شدہ شراب کو بہا دیا۔[12]

(ج) مشکل حالات میں مومنین کے دلوں کو جمائے رکھنے اور ان کو صبر و یقین کی عزیمت سے مسلح کرنے میں تدریجی نزول بہت مفید ثابت ہوتا ۔

تیسری حکمت : نئے مسائل میں رہنمائی

جب کوئی جدید مسئلہ در پیش ہوتا تو اس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازہ ہدایتیں آ جاتیں ۔ یہ حکمت بھی اپنے اندر گوناگوں گوشے رکھتی ہے :

(الف) رسول اللہ ﷺ سے اکثر سوالات ہوتے رہتے ، یہ کبھی آپ کی رسالت کا امتحان لینے کی غرض سے ہوتے اور کبھی احکام الٰہی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ۔ بر وقت جواب پا کر سائل بھی مطمئن ہو جاتا اور آں حضرت ﷺ کو بھی تسلی ہو جاتی ۔ ایک مرتبہ آپ کی آزمائش کے لیے مشرکین نے روح کے بارے میں سوال کیا ، سوال کا بر محل جواب فوراً وحی کے ذریعہ آ گیا ۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾

(الاسراء : 85)

" یہ لوگ تم سے روح سے متعلق پوچھتے ہیں ۔ کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے مگر تم لوگوں نے [illegible] علم ہی بہرہ پایا ہے ۔"[13]

---

[11] البقرۃ : 23 ، یونس : 38 ، ھود : 13 - 14 ، 23 ، الاسراء : 88 ، القصص : 49 ، الطور : [illegible]

[12] البقرۃ : 219 ، النساء : 43 ، المائدہ : 90 - 91

[13] الکہف : 83 ، البقرۃ : 221

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) مسلمانوں سے بسا اوقات غلطیاں ہو جاتیں، اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ پر یہ خصوصی احسان تھا کہ بر وقت تنبیہ و رہنمائی کے لیے قرآن مجید کو بتدریج نازل کیا اور جیسا جیسا موقع آیا تازہ ہدایات جاری فرمائیں۔[14]

(ج) منافقین کی سر گرمیوں سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو برابر مطلع کرتے رہنا وہ آستین کے ان سانپوں کے شر سے اپنے آپ کو بچاتے رہیں۔[15]

چوتھی حکمت: کلام الٰہی ہونے کی دلیل

تدریجی نزول میں ایک بڑی حکمت یہ بھی تھی کہ یہ طریقہ نزول بجائے خود اعجاز کلام کی ایک بہت بڑی دلیل ہے، 23 برس کی مدت میں مختلف عوامل و اسباب کے تحت نازل ہونے والا یہ کلام پوری طرح مربوط و منظم ہے۔ ہر جز بے انتہا کشش اور تاثیر سے بھرا ہوا ہے، اور اس کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے کہ اول سے آخر تک جیسے یکساں اور انمول نگینے سجے ہوئے ہوں اور ربط و اتصال اور نظم و ترتیب کا یہ عالم ہے کہ ابتداء سے انتہا تک نہایت مضبوطی سے ہر جز ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، انسان کے کلام میں ایسی یکسانیت ہم آہنگی، اور نظم و ربط پیدا کرنا کبھی بھی ممکن نہیں۔[16]

ذریعہ نزول۔وحی الٰہی

جیسا کہ اوپر ذکر آیا قرآن مجید بذریعہ وحی رسول پاک ﷺ پر نازل ہوا، بندہ اور خدا کے درمیان ہمیشہ سے یہی رابطے کا ذریعہ رہا ہے۔ اس کی تفصیلات کے ذکر کے بغیر نزول قرآن کی تاریخ نا مکمل رہے گی۔

لغوی تحقیق

وحی اور ایحاء اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا۔ وغیرہ کے معنیٰ میں استعمال کی نظر کلام عرب میں موجود ہے۔ اشارہ کرنے کے معنیٰ میں ایک شاعر کہتا ہے:

تري عينها عيني تعرف وحيها
تعرف عيني ما به الوحي يرجع

اور لکھنے کے معنیٰ عجاج کا شعر ہے:

حتى نحاهم جدنا والناحي
لقد كان وحاة الواحي[17]

خط اور کتابت کے معنیٰ میں لبید نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے:

فمدافع الريان عري رسمها
خلقا كما ضمن الوحي سلامها[18]

پیغام دینے مفہوم میں عجاج کے ایک شعر میں یہ لفظ آتا ہے:

وحي لها القرار فاستقرت
وسدها بالراسيات الثبت[19]

اور چپکے سے بات کرنے کا مفہوم ابو ذؤیب کے کلام سے مترشح ہوتا ہے:

فقال لها وقد وحت اليه
الا الله امك ما تخيف[20]

قرآن مجید میں بھی وحی متعدد معنیٰ میں وارد ہوا ہے۔ اشارہ کرنے کے معنیٰ میں حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے:

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنَ ٱلْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰٓ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا۟ بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿١١﴾ (مریم: 11)

" پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہا کرو۔"

یہیں سے یہ لفظ القاء کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا۔

حضرت موسیٰ کے قصہ میں ارشاد ہے:

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ أَنْ أَرْضِعِيهِ (القصص: 7)

" اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔"

القاء شیطان کے مفہوم میں قرآن مجید کی یہ آیت وارد ہوئی ہے:

وَإِنَّ ٱلشَّيَـٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَـٰدِلُوكُمْ (الانعام: 121)

" شیطان اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القاء کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔"

فطری اور جبلی رہنمائی کے معنیٰ میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، فرمایا:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحْلِ أَنِ ٱتَّخِذِى مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا (النحل: 65)

" اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا لے۔"

مذکورہ بالا تمام معانی میں لطیف اور مخفی اشارہ کا مفہوم شامل ہے کیونکہ یہی اس لفظ کا اصل بنیادی معنیٰ ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ایسے لطیف اور مخفی طریقوں سے تعلیم دیتا ہے

---

14 دوسرے واقعات کے لیے دیکھئے آل عمران 121، التوبہ 25

15 حادثہ افک منافقین کی سازشوں کی وجہ سے پیش آیا مگر غلطی سے بعض مسلمان بھی اس سازش کا شکار ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت، مہم میں سر گرم ہو گئے یہ حادثہ خاندان نبوی اور پوری مسلم سوسائٹی کے لیے بڑی اذیت کا باعث تھا۔ سورہ نور کی آیات 11 – 26 میں اس سازش کا پردہ فاش کیا گیا اور حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا اعلان کیا گیا۔ نیز دیکھئے البقرہ: 208، الفرقان 33:

16 عبد العظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب الدینیہ، بدون تاریخ، 46 – 55،

اردو ترجمہ ماخوذ از تاریخ افکار علوم اسلامی مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی 1983ء، 103 – 116

17 ابن منظور لسان العرب، مادہ وحی

18 ابن منظور لسان العرب، مادہ وحی

19 ابن منظور لسان العرب، مادہ وحی

20 ابن منظور لسان العرب، مادہ وحی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ معلم دکھائی نہیں دیتا، اس لیے اسے وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اصطلاحی مفہوم

اسلامی اصطلاح میں یہ اس وحی غیبی کا نام ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و کرم اور فضل و عنایت سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔اس حصول علم میں کسی نبی یا رسول کے اپنی غور و فکر اور کوشش و محنت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وحی نبوت اپنی خصوصیات کے لحاظ سے دوسری اقسام کی وحی سے مختلف ہوتا ہے، نبی کو پورا یقین اور شعور حاصل ہوتا کہ وحی اللہ کی جانب سے ہے، یہ وحی علم و ہدایت پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید میں لفظ وحی صرف انبیاء کے لیے استعمال ہوا ہے۔ البتہ لفظ القاء و الہام نیز ایحاء کے دوسرے مشتقات غیر انبیاء بلکہ غیر جاندار اشیاء کے لیے بھی آئے ہیں، وحی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ و تجربہ صرف انبیاء کرام کو ہوتا ہے، اس لیے عام آدمی کے لیے اس کی حقیقت و کیفیت کا ادراک کرنا ممکن نہیں۔ البتہ اس کی اقسام اور کیفیات کے سلسلہ میں جو معلومات خود قرآن و حدیث نے فراہم کی ہیں بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے۔[21]

وحی کے طریقے

قرآن مجید میں وحی کے تین طریقے بتائے گئے ہیں (1) وحی قلبی (2) وحی بواسطہ حجاب (3) اور وحی بذریعہ پیغامبر۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ (الشوریٰ:51)

"کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے اس کی بات یا تو وحی کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغامبر (فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے مزید تشریح فرماتے ہوئے احادیث میں نزول وحی کے کئی دوسرے طریقے اور صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ ایک جلیل القدر صحابی حضرت حارث بن ہشام نے آں حضرت ﷺ سے پوچھا آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا:

"احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشدہ علی فیفصم وقد وعیت ما قال واحیانا یتمثل لی الملک رجلاً"[22]

"کبھی تو مجھے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صفت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے پھر وہ پیغام جب یاد کر لیتا تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آتا ہے۔"

قرآن و حدیث دونوں کی بیان کردہ صورتوں کو جمع کر دیا جائے تو وحی کی کل چھ قسمیں ہوتی ہیں۔

(1) رویائے صادقہ

یعنی سچے خواب، حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق آپ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔[23] آپ جو خواب دیکھتے سپیدہ صبح کی طرح حقیقت بن کر نظر آ جاتا، ابن حجر نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عالم بیداری میں نازل ہونے والی وحی کی تربیت دینا چاہتا تھا۔[24]

(2) نفث فی الروع

دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتے آپ کے قلب پر بغیر نظر آئے کوئی بات ڈال دیتے جیسا کہ خود آں حضرت ﷺ نے فرمایا: روح القدس نے میرے قلب میں یہ بات ڈال دی کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے رزق کی تکمیل نہیں کرے گا۔[25]

(3) صلصلة الجرس

تیسری صورت یہ تھی کہ آپ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی جیسی گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔[26]

مولانا انور شاہ کشمیری نے لکھا ہے کہ "چونکہ وحی کی آواز کے لیے کوئی جہت و سمت نہیں ہوتی تھی اور وہ آواز گھنٹی کی طرح مسلسل اور لگاتار ہوتی تھی اور ہر طرف سے اور ہر جہت سے سنی جا سکتی تھی، اسی وجہ سے آں حضرت ﷺ نے وحی کی آواز کو گھنٹی کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔[27]

(4) فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا

وحی کا چوتھا طریقہ یہ تھا کہ فرشتہ انسان کی شکل و صورت میں نمودار ہو کر آپ سے بات کرتا، یہاں تک کہ وہ بات مکمل طور پر یاد ہو جاتی۔ چنانچہ حضرت عمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید اور بال بہت سیاہ تھے۔ اس پر کوئی علامت سفر بھی نہ تھی اور ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی انہیں نہیں جانتا تھا، یہ شخص آں حضرت ﷺ کے پاس آ کر اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے حضور ﷺ کے گھٹنے پر ٹیک لیے اور اپنے دونوں ہاتھ آپ کے زانو پر رکھ دیے۔ پھر اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور علامات

---

[21] اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور 21/ 613 - 615

[22] بخاری کتاب الوحی، باب کیف بداء الوحی

[23] حوالہ مذکور

[24] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری: 1/ 18

[25] الاتقان: 1/ 46 و مستدرک حاکم، کتاب البیوع: 2/ 2

[26] بخاری کتاب الوحی، باب کیف بداء الوحی

[27] فیض الباری، قاہرہ 1357ھ: 1/ 19 - 20

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیامت سے متعلق آپ سے چند سوالات کیے ، آپ ان سوالات کے جوابات دیتے جاتے اور سائل ہر جواب پر " آپ نے سچ فرمایا" کہتا جاتا تھا ، حضرت عمر فرماتے ہیں ہمیں اس پر تعجب ہوتا تھا کہ یہ شخص سوال کرتا ہے اور جواب ملنے پر تصدیق بھی کرتا جاتا ہے گویا ان سوالات کے جوابات کا اسے پہلے سے ہی علم تھا ، سوال و جواب ختم ہونے پر یہ شخص واپس چلا گیا تو آں حضرت ﷺ نے دریافت فرمایا: تم جانتے ہو یہ کون شخص تھا ، انہوں نے جواب دیا ، اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں " آپ نے فرمایا یہ جبرئیل تھے جو تم کو دین سکھانے آئے تھے ۔[28]

ام المومنین حضرت عائشہ[29] اور ام سلمہ نے بھی فرشتہ کو انسانی شکل میں دیکھا اور اس سے متعلق واقعات بیان کیے۔

(5) فرشتہ کا اپنی اصلی شکل میں آنا

کبھی کبھی فرشتہ اپنی اصلی شکل میں آتا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام آپ کو پہنچاتا تھا ، حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل کو اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔

(6) براہ راست گفتگو

فرشتے کے توسط کے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے گفتگو کرتا ہے جیسا کہ معراج کے موقع پر پیش آیا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں تک پیغام رسانی کا سلسلہ روز ازل سے جاری ہے حضرات انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ و تنفیذ کے لیے مبعوث ہوتے رہے ہیں ، سب کے پاس احکام و ہدایت مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ہی آتے رہے ہیں ، آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ چونکہ پوری دنیا کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کی شریعت قیامت تک انسانوں کے لیے تھی اس لیے دربار الٰہی سے آپ پر نازل ہونے والی وحی کی حفاظت و بقاء کا خصوصی اہتمام بھی ہوتا تھا ، چنانچہ قرآن مجید میں متعدد آیات موجود ہیں جن میں نزول وحی کے وقت نگرانی اور نزول کے بعد اس کے دائمی تحفظ کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے ، دربار الٰہی کے اس خصوصی اہتمام کا ذکر سورہ جن میں خود جنوں کی زبان سے اس طرح آیا ہے کہ اب وہاں ایسا زبردست پہرہ ہے کہ کوئی پر نہیں مار سکتا۔

وَأَنَّا لَمَسْنَا ٱلسَّمَآءَ فَوَجَدْنَٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ﴿٨﴾ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَٰعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ ٱلْـَٔانَ يَجِدْ لَهُۥ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾ وَأَنَّا لَا نَدْرِىٓ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِى ٱلْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾ (الجن : 8 – 10)

" اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہریداروں سے پٹا پڑا ہے اور شہابوں کی بارش ہو رہی ہے اور یہ کہ پہلے ہم سن گن لینے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تھے مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے گھات میں ایک شہاب ثاقب لگا ہوا پاتا ہے اور یہ کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی بڑا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب انہیں راہ راست دکھانا چاہتا ہے۔"

آں حضرت ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کوشش کرتے کہ جلد از جلد دہرا کر اسے یاد کر لیں ۔ اس سلسلہ میں دربار الٰہی سے ہدایت آئی کہ جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اس کی حفاظت کا بند بست کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾ (القیامہ : 17)

" (اے نبی !) اس وحی کو جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔"

وحی کی قسمیں

آں حضرت ﷺ پر جو وحی نازل ہوتی اس کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک تو قرآنی آیات جن کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ایک جو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لیے اس طرح محفوظ کر دیے گئے ہیں ، ان میں ذرہ برابر تبدیلی ممکن نہیں ہے ۔ اس وحی کو اصطلاح میں " وحی متلو " کہا جاتا ہے دوسری قسم اس وحی کی ہے جو قرآن مجید کا جز نہیں ہے لیکن اس کے ذریعہ آپ کو بہت سے احکام عطا فرمائے گئے ہیں اس وحی کو غیر متلو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں اسلام کے اصولی عقائد اور بنیادی تعلیمات کی تشریح پر اکتفاء کیا گیا ہے ۔ ان تعلیمات کی تفصیل اور جزئی مسائل آپ ﷺ کو زیادہ تر وحی غیر متلو کے ذریعہ عطا کیے گئے ہیں ۔ یہ وحی غیر متلو صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔[30]

قرآن اور وحی

قرآن مجید کا ہر لفظ بلکہ ہر حرف وحی الٰہی ہے اور جیسا کچھ نازل ہوا پورا کا پورا محفوظ ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا اعجاز ہے اور اس کا یہ سب سے نمایاں وصف جو دوسری کتابوں سے ممتاز کرتا ہے اس کا دعویٰ خود قرآن مجید نے بار بار کیا ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْقُرْءَانَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾ (الدھر : 23)

" اے نبی ہم نے تم پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔"

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٩﴾ (الحجر : 9)

---

28 صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، باب اول

29 صحیح بخاری ، کتاب الوحی باب کیف بداء ، الوحی : 1 / 18 - 19

30 محمد تقی عثمانی ، علوم القرآن ص 40 - 41

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"رہا یہ ذکر ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔"

وَالَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ ٱلْكِتَٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُۥ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ (الانعام: 114)

"اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے لہٰذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔"

جن لوگوں کو قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شبہ تھا ان کو قرآن نے بار بار چیلنج کیا کہ اگر یہ خدائی کلام نہیں ہے تو اس جیسی دس سورتیں تین سورتیں یا کم از کم ایک ہی سورہ لا دو لیکن عرب کے اہل زبان جن کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا اور جو اپنے مقابلہ میں دوسروں کو گونگا سمجھتے تھے ایسی چند آیات بھی نہ لا سکے ، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن نے ہمیشہ کے لیے یہ آخری فیصلہ سنا دیا۔

يَأْتُوا۟ بِمِثْلِ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِۦ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ (الاسراء: 88)

"کہہ دو اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔"

نزول قرآن کے زمانہ میں مشرکین لوگوں کو یہ کہہ کر بہکایا کرتے تھے کہ قرآن نرا جھوٹ ہے محمد ﷺ نے دوسری قوموں سے مل کر اسے گھڑ لیا ہے۔

وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ إِفْكٌ ٱفْتَرَىٰهُ وَأَعَانَهُۥ عَلَيْهِ قَوْمٌ ءَاخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَآءُو ظُلْمًا وَزُورًا ﴿٤﴾ (الفرقان: 4)

"کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔"

بعض لوگ اس غیر معقول بات دہرانے میں اب بھی دریغ نہیں کرتے ، " محمد ﷺ کے ذہن میں یہ خیال قیام مکہ کے دوران ہی آیا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی آسمانی کتابوں کی طرح عربی میں ایک نئی کتاب تصنیف کریں " جبکہ اس کا منہ توڑ جواب قرآن نے اسی وقت دے دیا تھا۔"

قُلْ أَنزَلَهُ ٱلَّذِى يَعْلَمُ ٱلسِّرَّ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٦﴾ (الفرقان: 6)

"اے نبی ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے جو اس زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے ، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔"

ایک جگہ صراحت کے ساتھ یہ بھی قرآن نے کہا ہے کہ :

وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ (النجم: 3 - 4)

"وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔"

دوسری جگہ اس سے بھی سخت الفاظ میں کہا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ ٱلْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِٱلْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ ٱلْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَٰجِزِينَ ﴿٤٧﴾ (الحاقۃ: 44 - 47)

"اگر اس (نبی) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔"

جہاں تک قرآن مجید کے گھڑنے یا بعض واقف کاروں کی مدد سے تیار کرنے کا الزام ہے یہ بدیہی طور پر ایک لغو اور غیر منطقی الزام ہے ، قرآن کریم اور نبی ﷺ کی پوری تاریخ سورج کی طرح روشن ہے اس بات سے ہر شخص واقف ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے ، یہاں تک کہ نبی ہونے کے بعد جب بھی معاہدہ[31] یا مراسلت[32] کی ضرورت پیش آئی تو کسی ساتھی سے مدد لینی پڑی ، چنانچہ ان کے لیے ایسی عظیم الشان کتاب تصنیف کر دینا جو رہتی دنیا تک کے لیے چیلنج بن جاتی کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا۔ پھر یہ بھی مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ پوری زندگی میں آپ نے کسی عالم ، راہب ، پادری سے علمی استفادہ نہیں کیا ، صرف ایک غیر معتبر واقعہ بحیرہ راہب سے ملاقات کا پایا جاتا ہے جو آپ کے بچپن سے متعلق ہے جب آپ کی عمر صرف بارہ سال کی تھی اگر اس واقعہ کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اتنی مختصر ملاقات میں قرآن جیسی " تخلیق " پیش کر دینا اس نوعیت کا کوئی استفادہ عقلاً محال ہے۔

بعض فلاسفہ اور سائنس دانوں کی سمجھ میں یہ بات ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض مخصوص بندوں پر اپنا کلام اتارتا ہے اور اس کے ذریعہ تمام انسانوں کو اپنی مرضی سے باخبر کرتا ہے ، چونکہ اللہ اور رسول کے درمیان کوئی " تار " نظر نہیں آتا جس پر خدا کا پیغام سفر کر کے انسانوں تک پہنچتا ہے ۔ اس لیے بہت سے لوگ دعویٰ کے صحیح ہونے سے انکار کر دیتے ہیں ، حالانکہ

---

31 صلح حدیبیہ کا مشہور معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا۔

32 دیکھئے وثائق دراسات کے موضوع پر ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی و الخلافۃ الراشدۃ ، قاہرہ 1941ء ، کتاب کا اردو ترجمہ سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا خلافت راشدہ مجلس ترقی ادب لاہور سے 1960ء میں شائع ہوا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیٹلائٹ سسٹم کے اس دور میں اسے ایک حقیقت تسلیم کرنا اب مشکل نہیں ہے۔ اس موقع پر ایک نظر سائنسی ایجادات پر ڈالنا مناسب ہوگا کہ انسان نے ایسے بے شمار آلات ایجاد کر لیے ہیں جن سے وہ ایک مکھی کے چلنے کی آواز میلوں دور سے سن سکتا ہے، جیسے وہ اس کے کان کے پردے پر رینگ رہی ہو، حتیٰ کہ وہ کائناتی شعاعوں (Cosmic Rays) کے تصادم تک کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔ یہ آلات اس دعوے کو بھی ثابت کرتے کہ اخذ و سماعت کی ایسی صورتیں بھی ممکن ہیں جو معمولی حواس کے ذریعہ ایک شخص کے لیے ناممکن اور ناقابل قیاس ہوں۔

وحی اور کشف و الہام

وحی کی طرح کشف و الہام بھی ایک غیر سلکی ذریعہ معلومات ہے، یہ نبی و غیر نبی کسی کو بھی حاصل ہو سکتا ہے، نبی کے لیے "نفث فی الروع" کا جو طریقہ اوپر بیان ہوا یہ اسی قبیل کی چیز ہے، تاہم دونوں میں واضح فرق ہے کہ انبیاء کا ذریعہ معلومات خواہ وہ خواب ہی کیوں نہ ہو سو فیصد یقینی ہوتا ہے، جبکہ غیر انبیاء کے کشف و الہام میں قطعیت نہیں ہوتی، اس لیے اس کا دینی امور میں کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا، اور اگر کسی نے کشف و الہام کے حوالے سے ایسی بات بیان کیں جو قرآن وسنت کے معروف احکام سے متصادم ہو تو اس کی تردید واجب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے کشف و الہام کی الگ الگ تعریفیں کی ہیں۔ ان کے مطابق کشف کا تعلق حسیات سے ہے۔ اس میں کوئی چیز یا واقعہ آنکھوں سے نظر آ جاتا ہے اور الہام کا تعلق وجہ اثبات سے ہے اس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی، صرف دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے اس لیے عموماً الہام کشف کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہوتا ہے۔[33]

کتاب وسنت کا ربط و تعلق

" ابن قیم کی رائے میں حدیث نبوی کسی صورت میں قرآن کی معارض نہیں وہ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے ہم خیال ہیں۔ ابن قیم لکھتے ہیں کتاب وسنت کا باہم تعلق تین قسم کا ہے:

اوّل:

پہلی قسم یہ ہے کہ سنت ہر لحاظ سے قرآن کے موافق ہو۔ گویا حکم واحد پر قرآن حدیث کا جمع ہونا توارد ادلہ کے باب میں سے ہوگا۔

دوم:

دوسرا یہ کہ سنت قرآن کی تبیین وتشریح ہو۔

سوم:

تیسرا یہ کہ سنت سے ایسے حکم کا وجوب معلوم ہوتا ہو جس سے قرآن خاموش ہے یا اس چیز کی حرمت ثابت ہوتی ہو۔ جسے قرآن نے حرام قرار نہیں دیا۔ ان تین اقسام کے علاوہ چوتھی قسم کوئی نہیں۔ پس سنت کے معارض قرآن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو سنت زائد علی القرآن ہوگی وہ مستقل طور سے آنحضور ﷺ کی جانب سے مشروع ہے لہٰذا وہ واجب الاطاعت ہوگی اور اس کی نافرمانی کسی طرح روا نہیں۔ "

حیات حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ
مؤلفہ عبد العظیم عبد السلام شرف الدین
صفحہ 323 سے ماخوذ

---

[33] فیض الباری: 1 / 19

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر نثار احمد

قرآن کا رسم الخط اور اس کا ارتقاء

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا رسم الخط عربی سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خط کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ایجاد کیا تھا اور نبطی، حمیری، حِیری، کوفی وغیرہ در اصل اس کی مختلف شاخیں اور اصلاح یافتہ شکلیں ہیں۔ اس بیان کے مطابق حضرت اسمٰعیل کے پڑپوتے نبطا بن حمل نے خط عربی میں اصلاح کر کے جس خط کو باقی رکھا اس کا نام نبطی ہوا۔ اہل سین نے اصلاح کی وہ جزم کہلایا۔ جزم کو اہلِ سبا نے مزید ترقی دی تو وہ مسند حمیری بن گیا۔ اس میں بنی ہاشم کے ایک فرد قیرا بن موز نے اصلاح کی اس لیے وہ "قیرا موز" مشہور ہوا۔ بعد میں اہل عراق نے اس میں اصلاح کر کے خط کوفی بنایا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عربی خط کا سلسلہ نسب فنیقی رسم الخط سے جا کر ملتا ہے۔ جب فنیقی خط کا زوال ہوا تو غلبہ آرامی خط کو ہوا۔ آرامی خط میں غالباً حروف کو سب سے پہلے ملا کر لکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ عبرانی، نبطی، سریانی، یونانی اور عربی اس آرامی خط کی بیٹیاں ہیں۔

کتبات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عربوں نے تیسری صدی عیسوی میں نبطی رسم الخط کو اختیار کر لیا تھا اور چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں اس میں تغیر و تبدل کر کے بڑی حد تک انفرادیت پیدا کر لی تھی۔ ماہرین السنہ اور مؤرخین کے بیان کے مطابق ظہور اسلام کے وقت عرب میں خط حمیری یعنی خط انباری[1] رائج تھا جسے اہل مکہ نے اہل حِیرہ و انبار سے سیکھا تھا اور ہمارے نزدیک غالباً اسی کو کوفی کہا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ماہرین انباری یا حِیری کے بجائے یہ کہتے ہیں ظہور اسلام کے وقت وہاں خط کوفی رائج تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ 56ء میں نبی ﷺ نے جو تبلیغی خطوط مختلف حکمرانوں کو ارسال فرمائے تھے ان میں سے بعض کے جو عکس اس وقت تک دستیاب ہو چکے ہیں وہ واضح طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ خطوط صریحاً خط کوفی میں لکھے گئے تھے۔ اس کے علاوہ حِیرہ، انبار اور کوفہ[2] (جو بعد کو آباد ہوا) تینوں مقامات عراق میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع ہیں اور کیا عجب کہ ان تینوں مقام پر ایک ہی خط متداول رہا ہو اور جسے جگہ کی مناسبت سے مختلف نام دے دیئے گئے ہوں۔

جہاں تک مکہ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں مؤرخین کا اجماع ہے کہ مکّہ میں سب سے پہلے خط کا تعارف حرب بن امیہ کے ذریعہ ہوا۔ حرب بن امیہ نے خط کو اپنے سفر تجارت کے دوران مختلف لوگوں سے حاصل کیا تھا۔ جن میں بشر بن عبد الملک خاص ہے، پھر اس کے بعد قریش مکّہ کے بہت سے لوگوں نے اس کو سیکھ لیا۔

جہاں تک مدینہ کا تعلق ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں ماسکہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی تھا جو بچوں کو پڑھنا سکھایا کرتا تھا۔ چنانچہ وہاں جب حضور ﷺ پہنچے تو کچھ لوگ اس فن سے متعارف تھے انہی میں حضرت زید بن ثابت بھی تھے جو عربی اور سریانی دونوں زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ پھر حضور ﷺ کی تحریص و ترغیب پر تھوڑی ہی مدت میں مدینہ میں کثرت سے لوگوں نے فن کتابت سیکھ لیا تھا اور اس کی مزید اشاعت ہوگئی۔

مکہ اور مدینہ میں خط کی ان تفصیلات کے معلوم ہو جانے کے بعد غالب گمان یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی کتابت بھی اسی خط میں کرائی ہو گی جسے بعد میں خط کوفی سے موسوم کیا گیا۔ اس وقت ممکن ہے کہ اسے خط عربی یا خط حجازی یا حِیری کہا جاتا ہو۔ اس بات کے ثبوت میں ہمارے پاس نہ تو ایسے مضبوط دلائل ہیں جن کی روشنی میں ہم کوئی بات قطعی طور پر کہہ سکیں اور نہ آپ ﷺ کی زیر نگرانی کتابت شدہ قرآن کے اوراق وغیرہ کا کوئی عکس اب تک ہمیں حاصل ہوا ہے۔ البتہ بعض ایسے قرائن ضرور پائے جاتے ہیں جن کے پیش نظر مندرجہ بالا نظریہ پیش کیا گیا:

1. چونکہ اس وقت وہی خط وہاں متداول اور مروج تھا اور صحابہ نے اسی کو سیکھا تھا اس لیے اس خط میں قرآن کی کتابت بھی ہوئی ہوگی۔
2. آپ ﷺ کے جن نامہ ہائے مبارک کے عکس ہم تک پہنچے ہیں وہ صاف طور پر اس خط میں ہیں جس کو خط کوفی کہا جاتا ہے۔
3. کاتبانِ وحی صحابہ کرام تھے اور ظاہر ہے کہ صحابہ میں سے اکثر کے متعلق یہ تصریح ملتی

---

[1] حِیرہ اور انبار، عراق کے دو مشہور مقامات تھے۔

[2] واضح رہے کہ جب کوفہ آباد ہوا تو حِیرہ، انبار کے لوگ بڑی تعداد میں کوفہ منتقل ہو گئے اور اس فن کو وہاں پھیلایا۔

KitaboSunnat.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انہوں نے یہ خط سیکھا تھا ۔ مثال کے طور پر حضرت عمر ، حضرت علی اور حضرت حسن وغیرہ کے لکھے ہوئے مصاحف کے جو عکس ہمیں ملتے ہیں وہ صاف خط کوفی میں ہیں ۔ البتہ حروف و اشکال ، ادغام و اظہار میں فرق تھوڑا بہت بد خطی یا خوش خطی کی بنا پر ہو سکتا ہے جو بالکل فطری ہے۔

4 عام روایات کے بموجب حضرت عثمان نے اپنے عہد مبارک میں لغت قریش (جس میں حضور ﷺ پر نازل ہوا تھا) کے مطابق تحریر کرایا تھا ، اس سلسلہ میں خاص بات یہ ہے کہ آپ نے اسے جس رسم الخط میں تحریر کرایا تھا ، اس کی پیروی آج بھی کی جا رہی ہے اور اس کے خلاف جائز نہیں ہے ۔ اس بنا پر امت کے ایک بڑے گروہ بلکہ سواد اعظم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کا رسم الخط توقیفی ہے ۔ یعنی وہی ہے جس کے مطابق حضرت عثمان نے تدوین کرائی اور جس میں حضور ﷺ نے بھی تحریر کرایا تھا ۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت کے متعلق مندرجہ ذیل قول سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانے میں کتابت اسی رسم الخط میں ہوئی تھی۔

پس انہوں (حضرت زید بن ثابت) نے مصاحف (قرآن) کو (بعہد خلافت سوم) اسی رسم الخط میں لکھا جو آخری عرصہ میں اللہ تعالی کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے حضور علیہ الصلوۃ و السلام تک پہنچا تھا۔

بہر طور اس بیان سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عہد عثمان میں جس طرح قرآن کو لکھا گیا تھا امت مسلمہ آج تک اس کو باقی رکھے ہوئے ہے ۔ مزید برآں حضرت عثمان سے پہلے بھی اس کے علاوہ کوئی اور رسم الخط نہ تھا۔

حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابو بکر کے عہد مبارک میں قرآن کو مدوّن کیا گیا اور صحابہ کی ایک پوری مجلس نے حد درجہ احتیاط اور وافر شہادتوں کے موصول ہونے کے بعد اس کام کو انجام دیا ۔ افسوس ہے کہ ہم تک آپ ﷺ کے دور کے مرتب کردہ نسخہ قرآن کا کوئی نمونہ نہیں پہنچا لیکن اوپر جو بیان آ چکا ہے اس کی روشنی میں اس کا رسم الخط وہی ہو گا جسے بعد میں حضرت عثمان نے اختیار کیا[3] ۔ حضرت عمر کے دور میں اس میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی ، البتہ تعلیم و تبلیغ کا خاص اہتمام ہوا ۔

حضرت عثمان کے دور خلافت (24 تا 34) میں قرآن کو لغت قریش کے مطابق لکھا گیا اور اس کی نقول تمام قلم روئے سلطنت میں ارسال کر دی گئیں ۔ قرآن کا یہ " معیاری نسخہ " جو حضرت عثمان کے حکم سے بقول ابن اثیر 30ھ میں تیار ہوا " مصحف امام " کہلاتا ہے ۔ یہ مصحف جس خط میں تحریر کیا گیا تھا اس کے بارے میں اب کوئی اشتباہ موجود نہیں ہے کہ وہ خط کوفی میں تھا جیسا کہ اس کے عکسی نمونے سے ظاہر ہے۔

" مصحف امام " اور حضرت عثمان کے دور کے دوسرے مصاحف بلا نقط تھے اور اس پر تقریباً تمام علما کا اجماع ہے کہ آج کل معرّیٰ حروف کے علاوہ جو زیادات دکھائی دیتے ہیں وہ اس زمانے میں موجود نہ تھے بلکہ ان کا شمار تفصیل اور محذوف کی توضیح کے قبیل سے تھا بلکہ سلف میں سے اکثر مصاحف پر نقاط یا دوسری علامات و نشانات لگانا مکروہ سمجھتے تھے بلکہ اس کو ایک طرح کی بدعت خیال کرتے تھے ۔ یہ مسلک بڑا واضح تھا ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کے بارے میں ہے کہ وہ مصاحف میں نقطہ لگانے کو مکروہ سمجھتے تھے ۔ یہی خیال ابن مسعود ، قتادہ ، حسن بصری اور ابن سیرین کا تھا اس کے بر خلاف بعض حضرات قرآن میں نقاط و علامات کو جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ۔ یہ تو اس دور کے (حروف) لیے نور ہیں اور بعض حضرات نے کچھ بین بین نقطہ نظر اختیار کیا تھا ۔ وہ کم پڑھے لکھے لوگوں یا بچوں کے لیے ایسے مصاحف کو جائز سمجھتے تھے جن پر نقاط اور علامات لگا دی جائیں لیکن بالغوں اور دوسرے اہل عرب کے لیے اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ نقاط و علامات والا قرآن استعمال کریں بعض اصحاب ایسے بھی تھے جو نہ صرف قرآن میں نقاط و علامات جائز سمجھتے تھے بلکہ اس کام کو علی الاعلان کرتے بھی تھے ۔ مثلاً امام کسائی۔

قرآن میں نقاط و اعراب اور اشکال و علامات کا رواج حضرت عثمان کے بعد ہوا ۔ اس کے دو اسباب تھے :

1 حضرت عمر کے زمانے میں عموماً اور حضرت عثمان کے زمانے میں خصوصاً ریاست اسلامی

---

[3] اس معاملے میں اس وقت کا تعامل کافی ہے ۔ ایک خط رائج تھا جس میں قرآن مجید حضور ﷺ کے سامنے متین لوگوں نے لکھا ، پھر ان ہی لوگوں میں سے چند نے حضرت ابو بکر کے زمانے میں حضور ﷺ کے عہد کے اس نوشتہ کو یکجا نقل کیا اور کسی ایک شخص نے بھی اس وقت یہ سوال نہیں اٹھایا کہ خط اور خط میں فرق ہے ۔ در اصل ایک ہی رائج الوقت خط تھا جس میں حضور ﷺ کے وقت بھی لکھا گیا اور بعد میں حضرت ابو بکر کے زمانے میں بھی اسی خط میں جمع قرآن کا کارنامہ سر انجام دیا گیا ۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ امر بھی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے کے نوشتہ قرآن کے اوراق منتشر تھے اور انہیں ایک مجلد میں کرنے کا منجملہ اور دوسری وجوہات کے اس لیے بھی اہتمام نہ کیا گیا کہ ان کے ضائع ہونے یا ان کے رسم الخط کے تبدیل ہو جانے کا کسی " خطرہ " نہ تھا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت وسعت اختیار کر گئی تھی ۔ مختلف ممالک اور دیار امصار کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے ۔ فتوحات اور اموال غنیمت کی کثرت سے مال و دولت کی فراوانی سے لوگوں کے معیار زندگی پر اثر پڑا۔ کسی حد تک تعیش نے رنگ دکھایا اور دوسری طرف عرب کے مسلمانوں سے عجم کی نئی نئی اقوام کا اختلاط ہوا جن کی مادری زبان عربی نہ تھی ۔ الفاظ اور حروف کے صحیح تلفظ کی قدرت عموماً ان میں نہیں پائی جاتی تھی بلکہ خود عرب میں بھی لب و لہجہ کا اختلاف پایا جاتا تھا ۔ اس صورت حال میں ضرورت محسوس کی گئی کہ مصحف پر نقاط و اعراب لگا دیئے جائیں تا کہ لوگ قرآن پاک کو صحیح طریقہ سے پڑھ سکیں ۔ علاوہ ازیں زبانوں اور لہجوں کے اختلاف کے باوجود ایک وحدت کا رنگ پیدا کیا جاسکے۔

2 عرب میں فن کتابت کا آغاز ہوئے اب کافی عرصہ ہو چکا تھا اور صحابہ کرام خصوصاً اس فن میں مہارت پیدا کر کے اس قابل ہو گئے تھے کہ اس فن کو مزید ترقی دیں ، کتابت میں جدت پیدا کریں اور نت نئے تجربات کر کے اس میں حسن و نکھار پیدا کریں ۔ ان مساعی سے نتیجہ صرف یہی نہ نکلا کہ خط میں پختگی اور حسن پیدا ہو گیا بلکہ اس دور میں حروف و الفاظ متعین شکل اختیار کر گئے اور وہ اشتباہ و التباس جو محض رسم الخط کی وجہ سے پیدا ہو جاتا تھا وہ دور ہو گیا۔

اب اس مرحلہ پر یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ مصاحف میں نقاط اور اعراب لگانے کا کام سب سے پہلے کس زمانے میں ہوا اور کس نے یہ انجام دیا۔ اس سلسلہ میں مختلف روایات ہیں ۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ صحابی ہی تھے جنہوں نے مصاحف میں نقاط کا اضافہ کیا ۔ تخمیس[4] اور تعشیر[5] کی ۔ البتہ نقاط لگانے کا کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کیا گیا اور نہ کسی با قاعدہ نظام کی تشکیل ہوئی ۔ صحابہ کے بعد تابعین کرام نے آ کر اس کا اہتمام کیا ، ایک نظام بنایا اور نقاط و اعراب لگانے کے اصول و قواعد وضع کیے ۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس کام کو صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین وغیرہ نے انجام دیا ۔ اس سلسلہ میں سر فہرست نام ابو الاسود دوئلی کا آتا ہے ۔ بعض روایات میں اس کا سہرا یحییٰ ابن الامیر کے سر باندھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ وہ پہلا شخص نصر بن عاصم الیثی تھا ۔ بہر صورت سہرا خواہ کسی کے سر باندھا جائے ، یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان تمام اصحاب نے قرآن کی بہترین خدمات سر انجام دیں اور رسم الخط کی تزئین اور تحسین کے لیے سب سے پہلے قدم بڑھایا ۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس اوّلین مرحلہ میں نقاط کا وجود تو ہے مگر وہ حرکات و اعراب کے قائم مقام ہیں اور ان کی حیثیت ان نقاط کی نہیں ہے جس سے ہم آج واقف ہیں۔

حرکات کے عوض نقاط کی اس ایجاد کے باوجود رسم الخط میں بہت سی پیچیدگیاں باقی تھیں ۔ بہت سے ہم شکل حروف کے درمیان امتیاز مشکل تھا ۔ ب ، ت ، ث ، ج ، ح ، خ ، د ، ذ ، ر ، ز ، س ، ش ، ع ، غ وغیرہ کی ہر کس و ناکس کے لیے صحیح تلفظ اور ادائیگی ایک مسئلہ تھا ۔ الفاظ کو ملانے اور جوڑنے کا کوئی خاص نظام نہ تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ کون سی سطر کہاں ختم ہوتی ہے اور کہاں سے شروع ہوتی ہے ۔ اسی طرح جملوں میں وقف و امتیاز کی علامتیں مفقود تھیں ۔ چنانچہ دوسرے مرحلہ میں رسم الخط کی اصلاح میں ان مشکلات کو دور کرنے کی بڑی حد تک کوششیں کی گئیں ۔ ہم اگر مشہور روایت کو قبول کرلیں تو پہلے مرحلہ میں حرکات کے عوض نقاط کی ایجاد ابو الاسود دوئلی نے حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت میں کی تھی ، اب دوسرا قدم عبد الملک بن مروان کے دور میں اٹھایا گیا ۔ اس سلسلہ میں حجاج بن یوسف کی خدمات قابل ذکر ہیں جس نے غالباً 65ھ میں یحییٰ ابن العمیر اور نصر بن عاصم کو اس غرض سے طلب کیا۔ ان میں سے نصر بن عاصم کے بارے میں یہ وضاحت صاف ملتی ہے انہوں نے حجاج کی منشا کے مطابق ایک طرف تو باقاعدہ نقطے وضع کیے جن کے ذریعہ ہم شکل حروف میں امتیاز قائم ہو گیا ۔ مثلاً "د" پر کوئی نقطہ نہیں دیا ، "ذ" پر ایک نقطہ دے دیا گیا۔ اس کی وجہ سے حروف کے ما بین التباس و اشتباہ بالکل رفع ہو گیا ۔ دوسری طرف حروف کے اصل نقاط اور پہلے کے اعراب کے قائم مقام نقاط میں بھی امتیاز کے لیے انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ حروف اصلیہ پر سیاہ نقطے لگائے جائیں اور اعراب کے لیے قرمزی یا سرخ رنگ کے نقطے لگائے جائیں ۔

رسم الخط کی اس اصلاح کو کچھ لوگوں نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور اس کو مکروہ قرار دیا مگر سواد اعظم کو اس سے بڑا فائدہ پہنچا ۔ الفاظ کا تلفظ اور ہجے آسان ہو گئے ۔ قرات قرآن صحیح ہونے لگی اور تشابہ الفاظ و حروف کے درمیان پہلے جو پیچیدگی واقع ہو جاتی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا اور اعراب اور نقاط لگانے کے جو اصول و قواعد بن گئے ان کی وجہ سے آئندہ آنے والے مصلحین کا کام بہت سہل ہو گیا۔

4 ہر پانچ آیتوں کے بعد نشان
5 ہر دس آیتوں کے بعد نشان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان اور اس کے جانشین ولید نے مصاحف کی کتابت کے لیے خالد بن ابی ہیاج کو مقرر کیا جو اپنے خط کی خوبصورتی میں بہت مشہور تھا اور جس نے مسجد نبوی کی محراب میں خطاطی و نقاشی کی تھی۔

امتدادِ زمانہ کے ساتھ رسم الخط قرآن پر لوگوں کی عنایات میں بھی اضافہ ہوا۔ رسم الخط کو زیادہ سے زیادہ آسان، عام فہم اور حسین بنانے کی کوششیں جاری رہیں یہاں تک کہ بنو عباس کے زمانے میں ایک شخص خلیل بن احمد نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس نے اعراب کی خاص شکلیں وضع کیں جس کے بعد اعراب کے لیے قرمزی رنگ کے لفظوں کو ختم کر دیا گیا، لفظوں کی حسین اور صحیح شکلیں متعین کیں (ابتدا میں گول اور بھرے نقطے لگائے جاتے تھے) اور کتابت میں اصول و ضوابط کو منضبط کیا۔ خلیل کی ان اصلاحات کے بعد گویا رسم الخط اپنے کمال کو پہنچ گیا اور جودت اور حسن کا نمونہ اور مثال بن گیا۔ لوگوں میں ایک تحریک پیدا ہوئی کہ الفاظ اور حروف اور بحیثیت مجموعی رسم الخط کو کس طرح حسین سے حسین تر بنایا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے آپس میں مسابقت ہونے لگی۔

خط کی تاریخ میں "ابن مقلہ" سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے رسم الخط میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ خطوط کو نیا لباس عطا کیا اور اس کو تمام و کمال کی آخری منزل پر پہنچا دیا۔ اس کا غلغلہ تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے شروع میں بلند ہوا۔ یہ بڑا فاضل ادیب اور اپنے عہد کا با کمال خطاط تھا۔ کوئی اس فن میں اس کا مد مقابل نہ تھا۔ اس نے قدیم اور مروج خطوط کو سامنے رکھتے ہوئے چھ خط ایجاد کیے جن میں سے "نسخ" خاص ہے۔ ان میں سے ہر خط کا وار و مدار "سطح" اور "قدر" پر رکھا اور پہلی مرتبہ خطاطی کے اصول و قواعد اور حروف کے ناپ مقرر کیے تا کہ ہر خط میں امتیاز اور خفی اور جلی قلم میں یکسانی برقرار رہے۔

خط نسخ کو 310ھ میں ایجاد کیا گیا۔ یہ خط قرآن مجید لکھنے کے لیے مخصوص ہوا۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک قرآن مجید کا رسم الخط کوفی تھا بلکہ اس کی سادگی کی بنا پر عام طور پر مستعمل تھا مگر خط نسخ کے آگے اس کا چراغ مزیادہ دیر تک نہ جل سکا اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں اس کی جگہ نسخ نے لے لی۔ رفتہ رفتہ کوفی خط متروک ہوتا گیا اور آخر کو منسوخ خطوط میں شمار ہونے لگا۔ خطِ نسخ دوسرے خطوط کے مقابلہ میں سادہ، واضح اور آسان ہے اس لیے عام طور پر مروج ہو گیا۔ ہر شخص نے اس کو سیکھا اور استعمال کیا۔ اس کی ایجاد کے بعد تمام پچھلے خطوط منسوخ ہو گئے اس لیے یہ نسخ اسم بامسمیٰ ہو گیا۔

پھر یہ خط اتنا حسین، دیدہ زیب، مکمل اور آسان تھا کہ فی الحقیقت مصاحف کی شان دو بالا ہو گئی اور اس میں کتابت کے بعد اس کا جمال پوری طرح ظاہر ہوا۔ مزید بر آں یہ خط آپ خود کفیل اور جامع تھا کہ سب نقاط، حرکتیں، علامتیں وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ اس نے قرات قرآن کو بہت آسان اور درست کر دیا اور وہ ساری اصولی اور بنیادی ضرورتیں جو اس سلسلہ میں ابتدائے کتابت میں محسوس کی جاتی تھیں اس کے ذریعہ پوری ہو گئیں اور آج تک یہ خط اپنی اسی شان سے کام انجام دے رہا ہے۔

پھر ساتویں صدی ہجری میں ایک اور نیا خط نسخ اور نستعلیق دونوں کی آمیزش سے تیار ہوا۔ اس کی ایجاد کا سہرا امیر علی تبریزی کے سر ہے۔ نسخ اور نستعلیق کا لفظ رفتہ رفتہ مل کر "نستعلیق" ہو گیا۔ اس خط کے لیے امیر علی تبریزی نے قواعد و ضوابط بھی مرتب کیے اور نظم میں انہیں تالیف کر دیا۔ یہ خط بھی بے انتہا مقبول ہوا اور عموماً اختیار کر لیا گیا۔

کتاب وسنت کے فہم کا مصدر "سلف صالحین"

"اے سعادت مند! ہم پر اور تم پر ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق اس طور کہ علماء اہل حق نے کتاب وسنت سے سمجھا اور اخذ کیا ہے صحیح کریں، کیونکہ ہمارا تمہارا سمجھنا اگر ان حضرات کی رائے کے مطابق نہ ہو تو قابل اعتبار نہیں اس لیے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل خیالات کی بنیاد قرآن وحدیث ہی پر رکھتا ہے اور وہیں سے ان کو اخذ کرتا ہے حالانکہ ان سے کوئی یقین حاصل نہیں ہوتا۔"

"مکلفین پر اولین فرض یہ ہے کہ وہ حضرات اہل سنت وجماعت کی رائے کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ نجات اخروی انہی کے اتباع سے وابستہ ہے اور فرقہ ناجیہ وہی ہیں اور ان کے پیرو کیونکہ وہی آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے طریقہ پر ہیں۔ اور کتاب وسنت سے علوم مستفاد ہیں ان میں سے وہی معتبر ہیں جن کو ان بزرگوں نے وہاں سے سمجھا اور اخذ کیا ہے ورنہ ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کی بنیاد کتاب وسنت ہی پر رکھتا ہے، پس قرآن وحدیث سے جو شخص جو معنی سمجھے وہ سب معتبر ہی نہیں ہیں۔"

(مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے ماخوذ، ملاحظہ ہو "الفرقان" لکھنؤ "مجدد الف ثانی نمبر" 1368ھ صفحہ 112 - 113)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد ثاقب صدیقی

قرآنی آیات کی صحیح تعداد

اللہ رب العزت نے انسانوں کی بھلائی اور رہنمائی کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا۔ قرآن مجید کو نبی ﷺ نے زندہ معجزہ کہا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایسے معجزے عطا کیے گئے ہیں جو اسی جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی عطا کیے گئے اور لوگ ان پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ وحی الٰہی یعنی قرآن مجید ہے کہ اور کوئی نبی اس معجزہ میں میرا شریک نہیں کہ اس جیسا معجزہ اسے ملا ہو اور مجھے امید ہے کہ میری پیروی کرنے والوں کی تعداد دوسرے انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سے قیامت کے دن زیادہ ہو گی۔[1]

معجزہ اُسی کو کہا جاتا ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہو، جہاں سلیم الطبع لوگ اس آخری آسمانی کتاب ہدایت سے معجزات کا اثر قبول کرتے رہے، وہیں شقی القلب لوگوں نے اس کتاب ہدایت کو پرانے قصوں کی کتاب (اذا تتلى عليه ايتنا قال اساطير الاولين ، المطففين 13) بھی کہا۔ ایک طرف عقل پرستوں نے اس کو خلاف عقل کہا تو دوسری طرف اس کتاب کی ہدایات کو اپنی عقل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی، جبکہ یہ بھول گئے کہ یہ کتاب ٹونے ٹوٹکوں یا حساب کتاب کی نہیں بلکہ اللہ کی طرف رہنمائی کے لیے نازل کی گئی ہے، بقول ڈاکٹر ذاکر نائیک : "یہ (قرآن مجید) science (سائنس) کی نہیں بلکہ signs (علامات، آیات) کی کتاب ہے۔"

یقیناً اس کتاب میں اور بہت سی علامتوں کے ساتھ ساتھ ریاضی کے حوالے سے بھی بہت سارے معجزات تلاش کرنے والوں کو مل جائیں گے، جیسا کہ زمین میں خشکی و تری کی نسبت، جنت و جہنم کا ذکر وغیرہ[2]۔ اسی طرح ایک مشہور عام ریاضیات قرآن مجید کی آیات کی تعداد کے لحاظ سے بھی ہے جو کہ ہمارے یہاں کے بہت سے مصحف کے آخر میں بھی درج کی جاتی ہے وہ تعداد 6666 آیات بتائی جاتی ہے، جبکہ یہ تعداد غلط ہے، نہ جانے کس زمانے میں یہ ہندسہ ہماری تاریخ کا حصہ بنا اور کن لوگوں نے بنایا،

- لیکن اس ہندسہ کی ایک دوسری اہمیت یہ ہے کہ 666 کا یہ ہندسہ دجال کا کوئی خاص عدد بھی ہے[3]۔ اور اس عدد کا ہماری روایات یا تاریخ کا حصہ بن جانا کسی سازش سے کم نہیں، ذیل میں تمام سورتوں کے نام اور ان کی تعداد دی جا رہی ہے ان تمام کا کل 6236 بنتا ہے اگر ہر سورۃ کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تعداد کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد 6348 بنتی ہے۔ (نوٹ: سورہ فاتحہ کے آغاز میں بسم اللہ کو بعض علماء سورہ فاتحہ کا حصہ اور بعض نہیں سمجھتے اور سورہ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی۔)

نمبر	سورت	آیات	رکوع
1	الفاتحہ	7	1
2	البقرۃ	286	40
3	آل عمران	200	20
4	النساء	176	24
5	المائدہ	120	16
6	الانعام	165	20
7	الاعراف	206	24
8	الانفال	75	10
9	التوبۃ	129	16
10	یونس	109	11
11	ھود	123	10
12	یوسف	111	12
13	الرعد	43	6
14	ابراھیم	52	7
15	الحجر	99	6
16	النحل	128	16
17	بنی اسرآئیل	111	12
18	الکھف	110	12
19	مریم	98	6
20	طٰہٰ	135	8
21	الانبیآء	112	7
22	الحج	78	10
23	المومنون	118	6
24	النور	64	9
25	الفرقان	77	6
26	الشعرآء	227	11
27	النمل	93	7
28	القصص	88	9
29	العنکبوت	69	7
30	الروم	60	6
31	لقمان	34	4
32	السجدۃ	30	3
33	الاحزاب	73	9
34	سبا	54	6
35	فاطر	45	5
36	یٰس	83	5
37	صٰفّٰت	182	5
38	صٓ	88	5
39	الزمر	75	8
40	المومن	85	9
41	حم السجدۃ	54	6
42	الشوریٰ	53	5

[1] صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 385 ایمان کا بیان

[2] بحوالہ غیر مطبوعہ مقالہ از قلم محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

[3] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

43	الزخرف	89	7
44	الدخان	59	3
45	الجاثیۃ	37	4
46	الاحقاف	35	4
47	محمد	38	4
48	الفتح	29	4
49	الحجرات	18	2
50	ق	45	3
51	الذاریٰت	60	3
52	الطور	49	2
53	النجم	62	3
54	القمر	55	3
55	الرحمٰن	78	3
56	الواقعۃ	96	3
57	الحدید	29	4
58	المجادلۃ	22	3
59	الحشر	24	3
60	الممتحنۃ	13	2
61	الصف	14	2
62	الجمعۃ	11	2
63	المنفقون	11	2
64	التغابن	18	2
65	الطلاق	12	2
66	التحریم	12	2
67	الملک	30	2
68	القلم	52	2
69	الحاقۃ	52	2
70	المعارج	44	2
71	نوح	28	2
72	الجن	28	2
73	المزمل	20	2
74	المدثر	56	2
75	القیمۃ	40	2
76	الدھر	31	2
77	المرسلت	50	2
78	النبا	40	2
79	النزعت	46	2
80	عبس	42	1
81	التکویر	29	1
82	الانفطار	19	1
83	المطففین	36	1
84	الانشقاق	25	1
85	البروج	22	1
86	الطارق	17	1
87	الاعلیٰ	19	1

88	الغاشیۃ	26	1
89	الفجر	30	1
90	البلد	20	1
91	الشمس	15	1
92	الیل	21	1
93	الضحیٰ	11	1
94	الم نشرح	8	1
95	التین	8	1
96	العلق	19	1
97	القدر	5	1
98	البینۃ	8	1
99	الزلزال	8	1
100	العدیٰت	11	1
101	القارعۃ	11	1
102	التکاثر	8	1
103	العصر	3	1
104	الھمزۃ	9	1
105	الفیل	5	1
106	القریش	4	1
107	الماعون	7	1
108	الکوثر	3	1
109	الکفرون	6	1
110	النصر	3	1
111	اللھب	5	1
112	الاخلاص	4	1
113	الفلق	5	1
114	الناس	6	1
	میزان	6236	558

اگر بعض علماء کے مطابق ابتدائے سورت بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بھی آیت مانے تو یہ تعداد 6348 بنتی ہے ۔ 6666 کا ہندسہ بالکل غلط ہے اس کا قرآن کریم سے کوئی تعلق ہے ۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جو کثرت استعمال کی وجہ سے رائج ہوگئی ہے ، اس غلطی کا شکار عوام ہی نہیں بلکہ خوص بھی ہیں ۔ اس کی تصحیح ضروری ہے ۔

قرآنی ہندسوں کے حوالوں سے اور بھی کئی قسم کی تحقیقات ملتی ہیں ۔ مصر کے ایک محقق سالم رشاد خلیفہ نے 19 کے ہندسے سے متعلق قرآنی انکشافات کیے تھے ۔

لیکن بعد میں خود گمراہی کا شکار ہوا ۔ اس نے خود اپنی نبوت کا دعویٰ کرنے کی بھی کوشش کی ہے ۔ یہ ہندسے اسرار الٰہی میں سے ایک اسرار ہیں ۔ محض ہندسوں کی کھینچا تانی سے کچھ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے ۔ لوگ اس امر کو بھی بھول جاتے ہیں کہ علوم ابجد کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اس مقدس بنانے کے لیے جن مقدس ہستیوں کے نام سے جوڑ دیے گئے ہیں ان تک اس کی سند نہیں پہنچتی ۔ آج ہمارے ہاں شرک و بدعت کا جو طومار ہے اس میں ہندسوں کی یہی کار فرمائی جلوہ گر ہے ۔

یہ بخوبی جان لینا چاہیے کہ کوئی بھی ہندسہ کسی بھی قرآنی حرف کا متبادل نہیں ہو سکتا اس لیے یہ گمان کرنا کہ کسی نقش میں کوئی روحانی تاثیر پیدا ہو جائے گی جو ہمارے بگڑے کاموں کو حل کر دے محض زعم باطل ہے ۔

ہندسوں کے حوالے سے ایسی تحقیق جو قرآنی نص کے مطابق ہو اور معتبر ذریعہ علم سے حاصل کیا گیا ہو قابل غور ہو سکتی ہے ۔ ورنہ محض خواہشات نفس کے لیے کی گئی تحقیقات کا قرآن کریم متحمل نہیں ہو سکتا ۔

ہندسوں کے ذریعے نقش بنانے کا کوئی ثبوت نہ نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام و ائمہ سلف ہی سے اس کا انتساب کیا جا سکتا ہے ۔ اس کے بعد اس کے کھلی گمراہی ہونے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے ۔ اگر کوئی محقق تحقیق کرے تو کچھ بعید نہیں کہ اس کے پس پردہ اسلام دشمن سازشیں بے نقاب ہوں ۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اس شیطانی فریب سے محفوظ رکھے اور قرآن و حدیث کی صحیح تعلیمات سے آگاہ فرمائے ۔ آمین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ سید رشید رضا مصری

ترجمہ: مولانا محمد زکریا صاحب حناور
جامعہ دار السلام، عمر آباد، مدراس

مقدمہ تفسیر "المنار"

قرآن مجید کی تفسیر کرنا کوئی سہل کام نہیں ہے۔ یہ چیزیں بعض اوقات بہت ہی دشوار گزار اور مشکل بن جاتی ہے۔ پھر بھی ہر دشوار چیز قابل ترک نہیں ہوتی۔ اس لیے لوگوں کو اس کے حاصل کرنے سے باز رہ جانا بھی نہیں چاہیے۔ اس کی دشواری کے کئی وجوہ ہیں، جن میں سے اہم ترین سبب قرآن مجید کا کلام آسمانی ہونا ہے، جو اس رب کائنات کی جانب سے ہے جس کی کنہ تک (انسانی اذہان کی) رسائی کسی کے بس کی بات نہیں، یہ ایک نبی کامل کے قلب اقدس پر نازل ہوا ہے، اور ان بلند پایہ معارف اعلیٰ مطالب کو شامل ہے جن کو پاک باطن اور فہیم شخصیتوں کے علاوہ اور کوئی نہیں پا سکا ہے۔ اس کے طالب پر رعب و جلال کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو حضرت باری تعالیٰ سے مترشح ہوتی رہتی ہے، اور یہ ہیبت و جلال بسا اوقات اس کے اور اس کے مقصود کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو ہم پر آسان کر دیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ ہم آیات الٰہی میں فکر و تدبر کریں۔ یہ اس لیے کہ قرآن نور ہدایت ہے اور لوگوں کے لیے شرائع اور احکام کو واضح طور پر بیان کرنے والا بنا کر اتارا گیا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب لوگ اس کی آیات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

تفسیر قرآن کے متداول طریقے

تفسیر قرآن کے متعدد پہلو یا طریقے ہیں

پہلا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے طرز اور اسلوب بیان، اس کے معنی اور اس کی گوناگوں انواع بلاغت پر غور کیا جائے تاکہ اس کلام کی بلندی اور دوسرے کلام سے اس کا ممتاز اور ارفع ہونا واضح ہو سکے۔ علامہ زمخشری نے یہی مسلک اختیار کیا ہے؛ لیکن انہوں نے کچھ دوسرے مقاصد کی طرف بھی توجہ دی ہے، بعض دوسرے حضرات نے بھی ان کے مسلک کی پیروی کی ہے۔

دوسرا طریقہ "اعراب کا ہے" چنانچہ بعض لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی اور وجوہ اعراب اور الفاظ کے احتمالات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

تیسرا طریقہ "واقعات اور قصص کا تتبع ہے" چنانچہ بعض اس راہ پر چل پڑے اور قصص قرآنی میں کتب تاریخ اور اسرائیلی روایات سے جو چاہا بڑھا دیا اور توراۃ، انجیل اور اہل کتاب کی معتبر کتب پر کوئی اعتماد نہیں، بلکہ جو کچھ انہوں نے اہل کتاب سے سنا تھا، اچھے اور برے کی تمیز عقل و نقل کی مخالف باتوں کی تنقیح کیے بغیر ہو بہو قبول کر لیا اور جوں کا توں نقل کر دیا۔

چوتھا طریقہ "غرائب قرآن ہے۔"

پانچواں طریقہ "عبادات اور معاملات کے احکام شرعیہ کا جاننا اور ان سے مسائل کا استنباط ہے" چنانچہ بعض لوگوں نے صرف احکام کی آیات جمع کر کے ان کی تفسیر کی ہے، اس فن میں جنہیں شہرت و دوام حاصل ہوئی وہ ابوبکر بن عربی ہیں، جن مفسرین پر فقہ کا غلبہ تھا انہوں نے بہ نسبت دوسری آیات کے عبادات اور معاملات کے احکام کی آیات پر زیادہ توجہ مبذول کی۔

چھٹا طریقہ "بنیادی عقائد، گمراہوں سے مقابلہ اور اختلاف رکھنے والوں سے بحث و تکرار ہے" چنانچہ امام رازی نے اس کی طرف خاص توجہ منعطف کی ہے۔

ساتواں طریقہ "پند و نصائح اور اخلاق ہے" جو لوگ اس کے دلدادہ تھے انہوں نے قرآن مجید کے ساتھ بعض صوفیاء اور عابدین کی حکایات کو بھی شامل کر دیا، اور اس سلسلہ میں بعض مقامات میں ان فضائل و آداب کے حدود سے آگے نکل گئے جن پر قرآن نے زور دیا ہے۔

آٹھواں طریقہ "وہ طرز ہے جس کو اشارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے" اس کی بناء پر باطنیہ کے کلام کے بارے میں لوگوں کو دھوکا ہو گیا کہ وہ صوفیائے عظام کا کلام ہے۔ اس نوع میں وہ تفسیر ہے، جو محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ در حقیقت وہ مشہور باطنی علامہ قاشانی کی تفسیر ہے، اس میں ایسے گمراہ کن خیالات کا ذکر کیا گیا ہے جس سے خدا کا دین حنیف، اور اس کی کتاب مبین منزہ اور بری ہے۔

مذکورہ بالا بیانات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ ان مقاصد میں سے کسی خاص مقصد پر زور دینا بہتیرے لوگوں کو کتاب الٰہی کے مقصد اصلی سے پھیر کر ایسی راہوں پر ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے حقیقی معنی ہی بھلا دیے جاتے ہیں؛ اسی لیے ہم نے تفسیر سے وہ "معنی" مراد لیا ہے جس کا ذکر آ چکا ہے یعنی قرآن مجید کو اس حیثیت سے سمجھنا کہ وہ ایک دین ہے اور دنیا والوں کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منجانب اللہ ایک ایسی " ہدایت بالغہ " ہے جس میں ایک طرف ان حقائق و معارف کا ذکر ملتا ہے جس کے ذریعہ لوگوں کی دنیوی و اخروی زندگی سدھر اور سنور سکتی ہے تو دوسری طرف انہیں اخروی زندگی کی سعادت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس ضمن میں بلاشبہ اس حد تک وجوہ بلاغت کا بیان بھی کیا جائے گا جس حد تک معنیٰ کی گنجائش نکل سکے ، اور اعراب کی تحقیق بھی اس طریقہ پر کی جائے گی ، جو قرآن کی فصاحت و بلاغت کے شایان شان ہے ، مگر یہ باتیں بقدر حاجت ہوں گی ۔ مثلاً وہ مسائل جن کو مفسرین نے مشکلات قرآنیہ میں شمار کیا ہے ، اسی طرح بعض اوقات ہم بھی نحوی اصطلاحات کی تصریح کیے بغیر اعراب کی طرف اشارہ کر دیں گے ، جیسا کہ ہم نے بلاغت کے نکات اور بنیادی قوانین کے بیان میں طریقہ اختیار کیا ہے ، تاکہ یہ اصطلاحات قاری کو قرآن کے اصلی معنیٰ سے نہ پھیر دیں اور وہ عبرت حاصل کرنے سے قاصر رہ جائے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ہو سکتا ہے کہ دور حاضر کے بعض لوگ کہیں کہ اب قرآن مجید (کے معارف و حقائق اسرار و رموز) میں غور و فکر اور اس کی تشریح کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہی ؟ جبکہ سلف صالحین کتاب وسنت کے مضامین (و بیانات) میں تدبر و تفکر کرنے کے بعد ان سے احکام مستنبط کر چکے ، اس لیے اب ہمارا یہ کام ہے کہ ہم ان کی تصنیفات کا بنظر غائر مطالعہ کر کے اس پر اکتفاء کریں ؟ چنانچہ بعض احباب نے (واقعتا) ایسا ہی خیال کیا ہے ، اگر اس خیال کو ہم صحیح تسلیم بھی کرلیں تو تفسیر کی طلب بیکار سی چیز بن کر رہ جائے گی جس میں تضیع اوقات اور بے محل دقیقہ سنجیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ، اس دعویٰ سے اگرچہ فقہ کی شان بڑھ جاتی ہے لیکن یہ چیز نبی اکرم ﷺ سے لے کر آخری فرد مومن تک اجماع امت کے خلاف ہے ، میں نہیں سمجھتا کہ یہ بات کسی مسلمان کے دل میں کیسے کھٹک سکتی ہے۔

عملی احکام جو اصطلاح میں فقہ کے نام سے مشہور ہیں ، قرآن مجید کا تھوڑا سا حصہ ہیں ، اس میں تزکیہ نفوس کے ساتھ ایک ایسی چیز کی طرف انسانیت کو دعوت دی ہے ، جس میں اس کی سعادت دنیوی و اخروی مضمر ہے ، اور جو انسان کو جہالت کی پستی سے علم و معرفت کی بلندی تک پہنچاتا اور ایک اجتماعی طریقہ زندگی کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے ، اور جس کا اللہ رب العزت اور یوم آخرت پر یقین کامل ہے ، وہ کبھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا اور وہ تمام چیزیں اس میں شامل ہیں جو اس بات کی مستحق ہیں کہ انہیں حقیقی فقہ میں داخل کر لیا جائے ، اور یہ رشد و ہدایت بجز قرآن حکیم کے اور کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی ، جو کتابیں قرآن مجید سے ماخوذ ہیں جیسے احیاء العلوم ، ان میں بھی تزکیہ نفوس کا بہت بڑا حصہ ہے ، مگر قرآن مجید کے رعب و جلال کی کیفیت ان ہی نفوس قدسیہ پر طاری ہوتی ہے جو اسے سمجھتے ہیں ، اور کسی تاثیر و جاذبیت کا اثر انہی پر ہوتا ہے جو اس کی کماحقہ تلاوت کرتے ہیں ، اور اس میں کوئی کلام قرآن مجید کا شریک و سہیم نہیں ہے ، اور اس کے بہتیرے اسرار و رموز ایسے ہیں جو راز ہی رہیں گے ، جنہیں کوئی عالم دین اور امام وقت بے نقاب نہ کر سکا۔ ائمہ دین نے سچ کہا ہے

" ان القرآن سيبقي حجة علي كل فرد من افراد البشر الي يوم القيامة ۔"

" قرآن مجید نوع انسانی کے ہر فرد پر قیامت تک بطور حجت باقی رہے گا۔"

اس کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے :

" و القرآن حجة لك او عليك ۔"

" قرآن تمہارے لیے حجت ہے یا تم پر حجت ہے۔"

یہ چیز اسی وقت معقول ہو سکتی ہے جب تک قرآن مجید سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے احکام اور حکمتوں تک ٹھیک ٹھیک رسائی حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان لوگوں کو اپنا مخاطب بنایا ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے ، اور یہ کوئی ان کی ذاتی خصوصیات کی بناء پر نہیں بلکہ نوع انسانی کے افراد ہونے کی حیثیت سے تھا ، جن کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کا نزول ہوا ، جیسا کہ ارشاد باری ہے :

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ

" اے لوگو ! اپنے پروردگار سے ڈرو۔"

کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے صرف اس پر راضی ہو جائے گا کہ ہم خود قرآن کو نہ سمجھیں اور کسی ایسے غور کرنے والے کی بات پر اکتفاء کرلیں جس کی اتباع واجب ہونے کی کوئی وحی اللہ کے پاس سے نہیں آئی نہ اجمالاً نہ تفصیلاً ایسا ہرگز نہیں ہے ، قرآن مجید کی آیات کا مقدور بھر سمجھنا ہم میں سے ہر فرد پر واجب ہے ، اس میں عالم و جاہل کا کوئی سوال اور امتیاز نہیں ایک عام آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ اس کے ظاہری معنی و مطلب کیا ہیں ، اور جن لوگوں کے اوصاف اس میں بتلائے گئے ہیں ان کے لیے فلاح اور کامیابی ہے ، اوصاف کے متعلق اس قدر جان لینا کافی ہے کہ خشوع کسے کہتے ہیں ؟ لغو اور بیہودہ چیزوں سے اعراض کیا ہے ؟ جس چیز میں دنیوی و اخروی فائدہ ہو اس کی جانب متوجہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے ؟ مثلاً زکوۃ میں مال خرچ کرنے ، ایفائے عہد ، عفت و پاکدامنی وغیرہ کے کیا معنی ہیں ؟ جو شخص ان اوصاف کو چھوڑ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر اس کے متضاد اوصاف اختیار کر لے گا تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان حدود متعینہ سے آگے بڑھنے اور اس کے غضب کا مستحق بننے کی کوشش کرتا ہے۔غرض ان معنی کا سمجھنا ہر طبقے اور ہر زبان کے آدمی کے لیے بالکل آسان ہے ، اور قرآن مجید سے اس قدر اخذ کرنا جو خیر کی طرف لے جائے اور شر سے بچائے بہت سہل ہے ، اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہماری ہدایت ہی کے لیے نازل فرمایا ہے ، وہ ہمارے ہر قسم کے صنف کو بخوبی جانتا ہے ، اس کے علاوہ تفسیر کا ایک اور درجہ بھی ہے جو اس درجہ سے بالا ہے ، مگر وہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مراتب تفسیر

تفسیر کے کئی مراتب ہیں ، ان میں سے ادنیٰ درجہ وہ اجمالی بیان ہے جو اللہ کی عظمت اور اس کی تنزیہ کو ہمارے دلوں میں جاگزیں کر دے ، اور نفس کو برائی سے روک کر بھلائی کی راہ پر لگا دے۔یہ درجہ ہر شخص کے لیے آسان ہے ، جیسا کہ ارشاد ہے :

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القمر)

" اور تحقیق ہم نے قرآن مجید کو سہل کر دیا تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔کیا کوئی ہے اس سے نصیحت حاصل کرنے والا ؟ "

رہا تفسیر کا درجہ علیا تو اس کے حصول کے لیے چند امور ضروری ہیں۔

امر اول : ان میں سے پہلا امر یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو الفاظ منفردہ استعمال کیے گئے ہیں ان کی حقیقت دریافت کی جائے یعنی مفسر اہل زبان کے استعمالات کی تحقیق کرے ، لیکن اس میں کسی شخص کے قول اور فہم پر اکتفاء نہ کر لے۔کیونکہ بہتیرے الفاظ نزول کے وقت جن معنی میں استعمال کیے جاتے تھے ، بعد میں دوسرے معنی میں مستعمل ہونے لگے ، جیسا کہ ارشاد ہے :

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (الاعراف)

" کیا انتظار کرتے ہیں وہ کسی چیز کا اس کی تاویل کے سوا ، جس دن اس کی تاویل آجائے گی تو وہ لوگ کہیں گے جو اسے بھلا بیٹھے تھے کہ یقیناً ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔"

یہ تاویل کیا ہے ؟ ہر وہ آدمی جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اصطلاحات کی تحقیق اور چھان بین کرے ، جو ملت کے درمیان رائج ہوگئی ہیں ، تاکہ اس کے اور کتاب اللہ کے مستعملات کے درمیان فرق کیا جا سکے۔بعض اوقات مفسرین ، قرآن مجید کے کلمات کی تفسیر ان اصطلاحات سے کرتے ہیں جو قرون ثلاثہ کے بعد ملت میں رائج ہو گئے تھے۔اس لیے ایک محقق پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مفردات قرآنیہ کی تفسیر ان معانی کی روشنی میں کرے جو زمانہ نزول میں سمجھے جاتے تھے ۔

اس کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان الفاظ کو نفس قرآن ہی سے سمجھا جائے ، اس کی صورت یہ ہے کہ جہاں تک تکرار آئی ہے ان مقامات کو جمع کر کے غور کیا جائے ، جیسا کہ لفظ " ہدایت " اور یہ ثابت کیا جائے کہ کس طرح اس کے معنی پورے مضمون کے مطابق ہوتے ہیں ، اس طرح اس کے مختلف معنی میں سے مطلوب معنی کو پہنچانا جا سکتا ہے ، اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ

" ان القرآن یفسر بعضه بعضاً "

" قرآن کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے۔"

لفظ کے حقیقی معنی پر سب سے اچھا اور عمدہ قرینہ یہ ہے کہ وہ سیاق و سباق اور پورے مضمون سے ہم آہنگ اور اس بنیادی مقصد کے مطابق ہو جس کے لیے کتاب عزیز بحیثیت مجموعی ہمارے پاس آئی ہے۔

امر دوم : " اسلوب اور انداز بیان کا علم ہے " قاری کو ان اسالیب کا اتنا معتدبہ حصہ معلوم ہونا چاہیے ، جن سے وہ ان بلند اسالیب کا ادراک کر سکے اور یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ بلیغ کلام کی مہارت اور ممارست رکھتا ہو ، اور اس میں اتنی استعداد و فطانت ہو کہ وہ اس کے نکات و محاسن کو سمجھ سکے اور متکلم کی مراد سے پوری آگاہی حاصل کر سکے۔گو کلام ربانی کو پوری طرح سمجھنا ممکن نہیں ہے ، پھر بھی ہم بساط بھر سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔اس کے لیے علم اسالیب اور علم بیان و معنی کے جاننے کی ضرورت ہے ، لیکن ان علوم کا جان لینا ، اس کے مسائل کا سمجھ لینا ، اور اس کے احکام کا یاد رکھ لینا قرآن فہمی کے لیے فائدہ نہیں دیتا ، عربی کتب سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عربی کے قواعد و ضوابط منضبط ہونے سے قبل عرب تو قواعد کے مطابق ٹھیک ٹھیک بولتے تھے ، مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بات چیت فطری تھی ، ایسا نہیں ہے ، بلکہ یہ وہ ملکہ ہے جو سماع و محاکات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ جب عرب عجمیوں کے ساتھ گھل مل گئے تو وہ بھی سخت قسم کے عجمی بن گئے ، اگر یہ چیز ان کے لیے طبعی اور فطری ہوتی تو ہجرت کے پچاس سال بعد ہی وہ اپنی اصلی زبان کیوں کھو دیتے۔

امر سوم : " احوال بشر کا علم ہے "

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا ، اس کو اپنی آخری کتاب قرار دیا اور اس میں وہ چیزیں بیان فرمائیں جو دوسری کتب سماویہ میں نہیں تھیں ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید میں زیادہ تر مخلوق کے حالات ، ان کے طبع نوع انسانی کے بارے میں سنت الہیہ ، امتوں کے پر نصح واقعات ، ان کی سیرتیں ، جو سنت الہیہ کے عین مطابق تھیں ، بیان کی گئی ہیں۔ اس لیے قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ انسان کے مختلف حالات ، ضعف و قوت ، ذلت و عزت ، علم و جہالت اور ایمان و کفر کا مطالعہ ان کے زمانوں اور ان کے اختلافات کے وجوہ کے ساتھ کرے ، عالم سفلی و عالم علوی کے حالات سے بھی واقفیت ضروری ہے ، جس کے لیے بہتیرے فنون کی ضرورت پیش آتی ہے ، ان میں سے اہم ترین فن ، فن تاریخ اور اس کے اقسام ہیں۔

استاذ محترم (علامہ عبدہ) نے فرمایا کہ کوئی ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے اس قول کی :

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ

"ابتداء میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے۔ (پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا ، اور ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے) پس اللہ نے بعد دیگرے انبیاء کو مبعوث فرماتا رہا ، (وہ نیک عملی کے نتائج کی) بشارت دیتے اور (بد عملی کے نتائج سے) ڈراتے۔"

کی تفسیر کیسے کر سکتا ہے ، جو انسان کے حالات سے نا واقف ہے کہ کس طرح وہ سب ایک تھے ، پھر جدا جدا ہو گئے اور پھر اس وحدت کے کیا معنی ہیں ؟ اور یہ وحدت ان کے لیے نفع بخش تھی یا نقصان دہ ، اور ان میں نبیوں کی بعثت کے کیا نتائج نکلے ؟

قرآن مجید کا بیان امم سابقہ ، سنت الہیہ ، آسمان و زمین میں پھیلی ہوئی نشانیوں ، اور آفاق و انفس کے بارے میں مجمل ہے ، اور یہ اجمال اس مقدس ہستی کی طرف سے ہے جس کا علم تمام اشیاء پر محیط ہے ، اور جو ہمیں کائنات ارضی و سماوی میں تدبر و تفکر ، اور سیر و سیاحت کرنے کا حکم دیتا ہے ، تاکہ ہم اس کے اجمال کو تفصیلی طور پر سمجھ سکیں جس سے ہمارے ارتقاء و کمال میں زیادتی پیدا ہوگی۔ اگر ہماری نظر ظواہر کائنات ہی میں الجھ کر رہ جائے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص کسی کتاب کی قدر و قیمت اور وزن کا معیار اس کے علم و معارف کے بجائے محض اس کی جلد کی رنگینی کو قرار دیتا ہے ۔

امر چہارم : " اس بات کا جاننا ہے کہ قرآن مجید کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کس طرح ہوئی۔" اس کے لیے جو تفسیر کے اس فرض کو ادا کرنا چاہتا ہے ، یہ ضروری ہے کہ وہ عہد نبوت میں عرب اور دوسرے ممالک کے باشندوں کے حالات سے پوری واقفیت پیدا کر لے ۔ اس لیے کہ قرآن مجید کہتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل لوگ شقاوت و ضلالت کے گڑھے میں پڑے گمراہ رہے تھے محمد ﷺ کو ان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید دے کر مبعوث فرمایا گیا ، قرآن مجید کی ان آیات میں جن لوگوں کی بری عادات کا ذکر آیا ہے ۔ جب تک ایک مفسر کو ٹھیک ٹھیک یا اس سے لگ بھگ ان کے حالات کا علم نہ ہو ، وہ کیسے ان آیات کو سمجھ سکتا ہے ؟ علمائے قرآن ، داعیان مذہب اور اس کی جانب سے مدافعت کرنے والوں کا محض دوسروں کی تقلید میں یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ لوگ باطل پر تھے ، اور قرآن نے بہر حال ان کے خرافات و باطل کو مٹا دیا اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا :

" ان جهل الناس باحوال الجاهلية هو الذي يخشي ان ينقض عري الاسلام عروة عروة "

" جاہلیت کے احوال سے بے خبری اور لا علمی سے مجھے اندیشہ ہے کہ اسلام کا شیرازہ کہیں بکھر نہ جائے۔"

اس کا مقصد یہ تھا کہ جس آدمی کی پرورش اسلامی ماحول میں ہوئی ہو ، جب تک وہ نزول قرآن سے قبل کے حالات کا علم نہ رکھتا ہو ، قرآن مجید کی ہدایت اور عنایت باری تعالیٰ کی تاثیر معلوم کرنے سے محروم رہے گا کہ ان لوگوں کے حالات میں اللہ تعالیٰ نے کیا تغیر و انقلاب پیدا کیا ، اور ظلمات سے نور و ہدایت کی طرف ان کی کس طرح رہنمائی فرمائی وغیرہ۔ جو شخص اپنی نادانی کی بناء پر یہ گمان کرتا ہو کہ اسلام ایک " امر عادی ہے " مثلاً جو لوگ پاکیزہ اور صاف ستھرے ماحول میں تربیت پاتے ہیں ، وہ طہارت اور مسواک کے مسائل پر جو زور دیا گیا ہے ، اس کو لغویات کی قبیل سے شمار کرتے ہیں ، اس لیے کہ یہ چیزیں ان کے یہاں ضروریات زندگی میں داخل ہیں ، لیکن اگر وہ انسانوں کے اور طبقات کا جائزہ لیتے تو یقیناً ان لغو کہنے والوں پر ان کی حکمت منکشف ہو جاتی کہ ان آداب کی تاثیر کیا ہے ؟ اور یہ تاثیر کہاں سے آئی ہے ؟

امر پنجم : یہ ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت طیبہ اور ان کے حالات سے واقفیت حاصل ہونی چاہیے ، جو علماً عملاً اس پر عامل تھے اور یہ کہ ان کا دین و دنیا کے معاملات میں کیا رویہ تھا ؟

تفسیر کی دو قسمیں

جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تفسیر کی دو قسمیں ہیں :

1) ایک وہ تفسیر جو اللہ اور اس کی کتاب عزیز کے اسرار و حکم اور رموز و غوامض سے دور کر دیتی ہے جس کا تمام تر مقصود الفاظ جملوں کی ترکیب اور ان فنی نکتوں کا حل ہوتا ہے جو ان اشارات اور عبادات میں مضمر ہوتے ہیں۔ اس قسم کی تفسیروں کو تفسیر کا نام دینا کسی طرح صحیح نہیں ہے ، ان کو صرف و نحو اور معانی و بلاغت کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشق البتہ کہا جا سکتا ہے۔

2) دوسری وہ تفسیر جس کا فرض کفایہ کی حیثیت سے جاننا سب پر واجب ہے، یہ ان تمام امور کی جامع ہوتی ہے۔اس میں مفسر کلام الٰہی کی مراد کو پہنچنے کی سعی کرتا ہے اور احکام شرعیہ کے اسرار و حکم کو اس پیرایہ میں بیان کرتا ہے جو روح کو اپنی طرف کھینچتا، عمل پر ابھارتا اور کلام کی حقیقی روشنی میں چلنے پر آمادہ کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قول هدى و رحمة (قرآن سراپا ہدایت و رحمت ہے) پورا ہوتا ہے۔

علماء کی اصطلاح میں تفسیر و تاویل کے جو معنی ہیں علامہ عبدہ نے اس پر بحث کی ہے، اور فہم قرآن اور تفسیر قرآن کی عظمت و اہمیت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس وقت عراق سے لے کر مراکش تک جتنے لوگ عربی بولنے والے ہیں، وہ اپنی زبان کے لحاظ سے ان عجمی اقوام کی طرح ہیں جو عربوں میں مل گئے تھے، اس لیے ان کے کلام میں زبان عربی کے مفردات کثرت سے پائے جاتے ہیں، ان قوموں کے لیے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو ابتدائے اسلام کے وقت خصوصاً جو تیسری صدی ہجری میں تھے، جب مسلمانوں نے قرآن مجید کی تفسیر کی ضرورت محسوس کی اور کام کو شروع کیا، تفسیر کی زیادہ ضرورت ہے، اگر ہم اسی طرح تفسیر میں رجعت قہقری کرتے رہے تو ہماری آئندہ نسلیں ہم سے بھی زیادہ اس کی محتاج ہوں گی، لیکن اگر ہماری زبان اور ہمارے دین کی زندگی اور اصلاح و ترقی کا سامان ہو جائے تو شاید بعد میں آنے والے تفسیر میں ہم سے بہتر ہو جائیں۔

تفسیر کا معیار کیا ہونا چاہیے اور تفسیر سے ہماری مدعا کیا ہے؟

آج سے چند صدی پیشتر سے تفسیر کے معنی مفسرین کے ان اقوال کے جاننے کا نام رکھا گیا ہے جن سے تفسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں، حالانکہ ان کے اقوال میں ایسے اختلافات بکثرت ہیں جن سے اللہ کی کتاب منزہ اور بری ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ (النساء)

" اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی غیر کے پاس سے آیا ہوتا تو اس میں اختلافات کی بھر مار ہوتی۔"

تفسیر کی کتابوں کا اہتمام کرنے والے کاش تفسیر کا ایسا مقصود متعین کر لیتے جو معنی قرآن کے سمجھنے میں مرکزی حیثیت رکھتا اور پھر اس کی نشر و اشاعت کرتے، لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ ان کے پیش نظر تو تفسیر کا فنی پہلو تھا، جس میں انہوں نے اپنے کمال فن کا مظاہرہ کر کے ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کی، اور اس فخر و مباہات میں کچھ اس طرح کھو گئے کہ نئی نئی تاویلات اور مقصد نزول سے دور کرنے والے عجائب سے بھی محفوظ نہ رہ سکے۔اللہ رب العزت ہم سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ ان عجائبات کے بارے میں فلاں نے کیا کہا اور کیا سمجھا تھا؟ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ ہم نے اس کتاب کو جو ہماری ہدایت و سعادت کے لیے نازل فرمائی گئی تھی کہاں تک سمجھا؟ وہ اپنے نبی کی سنت کے متعلق بھی پوچھے گا جس نے اس کی کتاب عزیز کی وضاحت و صراحت فرمائی، جیسا کہ اس کا خود فرمان ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل)

" اور ہم نے تجھ پر " الذکر " (یعنی قرآن) نازل کیا تاکہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے اس کو ان پر واضح کر دے نیز اس لیے کہ غور و فکر کریں!۔"

یہ سوال بھی ہم سے ہوگا کہ تم کو ہمارا پیغام پہنچا؟ تم نے کبھی غور بھی کیا؟ کیا تم ان چیزوں کو سمجھ گئے تھے جن کا تمہیں حکم دیا گیا، یا جن سے منع کیا گیا تھا؟ کیا تم نے قرآن کی ہدایت کے مطابق عمل کیا؟ کیا نبی ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کی پیروی کی؟ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ان سوالات کے انتظار میں قرآن اور اس کی ہدایت سے اعراض کر رہے ہیں۔ہماری اس فریب خوردگی اور سہل انگاری پر جتنا تعجب بھی کیا جائے کم ہے۔

ہم قرآن مجید کو ویسے ہی جانتے ہیں، جیسے کہ اللہ کے بارہ میں ہماری معرفت ہے، ہماری اولاد کو خدا تعالیٰ کی معرفت لفظ اللہ سے کرائی جاتی ہے، جس کو عام طور سے ہم جھوٹی قسموں میں استعمال کرتے ہیں ہمارا بچہ جس ماحول میں رہتا ہے، اس کی زبان سے قرآن مجید کے متعلق سنتا ہے کہ یہ وہ کلام ربانی ہے لیکن اس کے معنی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ قرآن کی تعظیم کے متعلق اتنا ہی علم رکھتا ہے جتنا کہ اس کے ماحول میں عام طور سے پایا جاتا ہے، اور یہ تعظیم دو طرح کی ہوتی ہے۔

تعظیم قرآن کے دو پہلو

پہلی صورت، یہ اعتقاد کہ اگر فلاں آیت زعفران کے پانی سے لکھ کر فلاں مریض کو پلا دی جائے تو اسے شفاء ہو جائے گی، یا یہ عقیدہ کہ جس کے پاس قرآن مجید ہوگا جن یا شیاطین اس کے قریب تک نہیں پھٹکیں گے، اور فلاں فلاں معاملہ میں برکت ہوگی، اور اس قبیل کے خرافات خواص سے زیادہ عوام میں مشہور ہیں، اس کی ظاہری تعظیم و تکریم میں لوگوں نے حد درجہ غلو سے کام لیا ہے، مگر افسوس اس کا ہے کہ اس عقیدہ و احترام کے باوجود قرآن مجید کو وہ مقام بلند نصیب نہ ہو سکا جو بعض مزاروں کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہے ، وہ تمام تعویذ گنڈے ، عملیات اور طلسمات وغیرہ جو بت پرستوں سے لیے گئے ہیں اور عجمی کلمات پر مشتمل ہیں ، اسی قبیل سے ہیں ، اگر قرآن کی روشنی میں اس تعظیم کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس سے قرآن کے ذریعے اللہ کی عبادت نہیں ہوتی البتہ نفس قرآن کومعبود بنا لیا جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی خوش الحان قاری جو قرآن کے ساتھ گانے سے واقف ہو اگر قرآن کی تلاوت ترنم کے ساتھ کرے تو سامعین پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا ہے ، اور اس کی بڑی داد دی جاتی ہے ، حالانکہ اس ہنگامہ نشاط و لذت کا سبب قاری کی خوش آوازی اور نغمگی ہوتا ہے ، اور اس سے بھی قوی تر سبب یہ ہوتا ہے کہ سامع قرآن کے سمجھنے سے معذور ہوتا ہے ، اس سے ہمارا مقصد وہ فہم قرآن ہے جو ذوق سلیم کا نتیجہ ہے ، یہ ذوق قرآن کے گوناگوں اسالیب کو جذب کرتا ہے ، اس کے وعظ و ارشاد کے اثر میں اس طرح غرق ہو جاتا ہے کہ بجز قرآن کے کسی چیز کا احساس و شعور تک نہیں رہتا ، وہ فہم مراد نہیں جو اندھی عقیدت میں کتابوں سے اخذ کی گئی ہو اور جو سلاست ذوق اور شعور و وجدان کی لطافت سے عاری ہو ، حالانکہ فہم و تدبر اور حکمت و تاثیر میں یہی امور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کل کی جاہلیت قبل اسلام کی جاہلیت سے زیادہ سخت ہے زمانہ نبوت میں کم از کم ایسے لوگ تھے جن کے متعلق ارشاد ربانی ہے :

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ (البقرۃ)

" وہ آنحضور ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حق کی پہچان بذات خود ایک بڑا فضل و شرف ہے ، جس کا حامل اگر چہ انکار کی بناء پر سخت گناہ گار ہوتا ہے تاہم اس کا نفس ہمیشہ اس کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ کسی نہ کسی وقت دل کی گرہ کھل جاتی ہے ، اور اس کا اصرارِ باطل ،اقرارِ حق سے بدل جاتا ہے۔

ایک عرب دوشیزہ کی ذہانت اور اس کا ذوق قرآنی

قدیم جاہلیت میں اگر ایک بکری چرانے والا بدو قرآن مجید کی آیت کو سن لیتا تو اپنے رقیق احساس اور لطیف شعور کی بناء پر سجدہ ریز ہو جاتا تھا کیا آج بڑے سے بڑے متعلم سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے ؟ عرب کے متعلق یہ معلوم ہوگا کہ قرآن کی مقناطیسی کشش کس طرح انہیں اسلام کی طرف کھینچ کر لاتی تھی ، یہ صرف ان کی فہم کی باریکی اور لطافت تھی جو حق کی طرف کھینچنے کا باعث تھی ۔ علامہ عبدہ نے اس سلسلہ میں ایک اعرابی دوشیزہ کے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس نے اپنی ذہانت سے آگے آنے والی آیت کے متعلق یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ آیت دو امر دو نہی اور دو بشارتوں پر مشتمل ہے۔ اصمعی جو عربی لغت و ادب کا ماہر اور امام ہے کہتا تھا کہ میں نے ایک بدوی دوشیزہ کی زبان سے یہ اشعار :

استغفر الله لذنبي كله
میں اللہ سے اپنے سارے گناہوں کی بخشش طلب کرتی ہوں ۔

قتلت انسانا بغير حله
میں نے ایک ناحق انسان کو قتل کر دیا ہے۔

مثل غزال ناعم في دله
اس آہو کی طرح جو اپنے نازوادا میں پوری نزاکت رکھتی ہے ۔

و انتصف الليل و لم اصله
رات آدھی ہو چکی اور میں نے ابھی اس رات کی نماز نہیں پڑھی ۔

سن کر اس سے کہا کہ تیرے اشعار کس قدر بلیغ اور اونچے ہیں ۔ دوشیزہ نے جواب دیا تمہارا بھلا ہو کیا تم ان اشعار کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مقابلہ میں فصیح شمار کرتے ہو :

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧﴾ (القصص)

" ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا ، پھر جب تجھے اس کی نسبت اندیشہ ہو تو دریا میں ڈال دینا اور نہ اندیشہ کرنا اور نہ غمگین ہونا ہم ضرور اس کو پھر تیرے ہی پاس واپس لوٹا دیں گے اور اس کو پیغمبر بنا دیں گے۔"

مقام غور یہ ہے کہ ایک ہی آیات میں دو امر ، دو نہی ، اور دو بشارتیں جمع کر دی گئی ہیں ۔ اسی ذوق قرآنی سے ہم اعجاز قرآن کی سرحد تک پہنچ سکتے ہیں۔

اسلام کی بقا قرآن کی حفاظت کے بغیر ممکن نہیں

صدرِ اول کے علماء نے جب دیکھا کہ قرآن مجید کی تاثیر سے لوگوں کے دل اسلام کی جانب کھنچے چلے آئے ہیں ، اور خود اسلام کی حفاظت قرآن کے بغیر ممکن نہیں اور ان عجمیوں نے بھی جو عربوں کے ساتھ مخلوط ہوگئے تھے ، اس ضرورت کو محسوس کیا ، اس طرح عربی زبان کی حفاظت کے لیے امت اسلامیہ یکزبان ہو کر کمربستہ ہوگئی ، کتابیں تصنیف ہوئیں اور نئے علوم و فنون کی بنیاد رکھی گئی ، اس میں شک نہیں کہ کسی قوم کا اپنی دینی زبان و ادب کے احیاء اور اس کی نشر و اشاعت میں منہمک اور سرگرم ہو جانا بذات خود ایک فضیلت اور اس کے لوازم حیات میں داخل ہے اور یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ زبان کے مٹ جانے کے بعد کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوم زندہ نہیں رہ سکتی لیکن سلف صالحین کی تمام سعی و عمل کا تنہا یہی مقصد نہیں تھا جس کی بدولت اس زبان کے مفردات ، اسالیب اور آداب تک محفوظ ہو گئے ، بلکہ اس طویل اور عظیم الشان جد و جہد میں دراصل قرآن کی حفاظت کا جذبہ کار فرما تھا۔

علامہ اسفرائنی نے اسلامی فرقوں کے بیان میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے ، جس کے آخر میں اہل سنت اور ان کے فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عربی زبان و ادب میں ان کا کمال اور مہارت انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے لیکن آج نہ وہ فضل و کمال رہا اور نہ فہم قرآن میں اس کی کوئی جھلک دکھائی دیتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن مجید سے فروتر کسی کلام بلیغ کو بھی پوری طرح سمجھنے والے نہیں رہے ، اسی لیے ہم نے تفسیر کے مجملہ ضروریات کے عربیت کے ذوق کو بھی شمار کیا ہے۔

قرآن مجید یقیناً دین حق پر حجت بالغہ ہے ، اور اسی کے فہم صحیح پر اسلام کا دار و مدار ہے۔ اور خود اس کا بقا عربیت کی زندگی پر موقوف رہا ، بعض عجمی ملکوں میں اگر قرآن سمجھا جا رہا ہے تو یہ وہاں کے بعض علمائے کرام کا فیض ہے ، جو تفسیر کا اتنا علم رکھتے ہیں کہ وہ قرآن پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دے سکتے ہیں۔ اور عوام کا اعتماد بھی ان کو حاصل ہے ، یا ان ملکوں پر باطل ادیان کے مبلغین نے کوئی توجہ نہیں کی ، اسلام کی ساتھ تقلیدی اور موروثی عقیدت بھی اس کا ایک سبب ہو سکتی ہے ، بہر حال عرب و عجم دونوں کے علماء اس بات پر متفق ہو گئے کہ عربی زبان کی ترقی و ترویج اور حفاظت ضروری ہے ، اور جب تک یہ زندہ تھی تو ہمارا علم اور دین دونوں اوج کمال پر تھے ۔

وحدت قوم وحدت زبان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی

جو شخص بھی اسلام قبول کرتا ہے ، وہ بلاشبہ محسوس کرتا تھا کہ تمام مسلمانوں کا بھائی بن گیا، اور اس کی قومیت عربی یا ایرانی ، قبطی یا ترکی نہیں بلکہ صرف اسلامی ہے ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ (الانبیاء)

" اور یہ دیکھو کہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور تم سب کا پروردگار میں ہی ہوں لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔"

یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کی وحدت اسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جب اس کی زبان ایک ہو اور دنیا کے مختلف مسلمانوں کو ایک رشتہ میں منسلک کرنے والی اس دین حنیف کی زبان ہو سکتی ہے ، جس کی بدولت وہ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے ، اور یہ دینی زبان بجز عربی کے اور کیا ہو سکتی ہے ؟ نسل و وطن کے لحاظ سے نوع انسانی کی جو مختلف جنسیں یا باصطلاح منطق اصناف قائم کر لیے گئے ہیں ، ان کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عربی کسی مخصوص قوم یا ملک کی زبان نہیں ہے ، یہی وجہ تھی کہ عجمی مسلمانوں نے اس کی خدمت و حفاظت میں عربوں کے دوش بدوش کام کیا ، اور اس جذبہ کے ساتھ کہ یہ ان ہی کی زبان ہے اس لیے کہ وہ ان کے قرآن کی زبان تھی۔ جس کے بغیر حجت پوری نہیں ہو سکتی تھی ، اور اس تصور کے ساتھ کہ بلا کسی فرق و امتیاز کے عربوں کی طرح وہ بھی قرآن کی امت میں داخل و شامل ہیں ، جیسا کہ ارشاد باری ہے :

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ (الحجرات)

" اے لوگو ! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ، اور مختلف قومیں اور خاندان بنایا ہے ، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو ، اللہ کے نزدیک وہی بزرگ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے ۔"

بیہقی اور ابن مردویہ میں حضرت جابر کی ایک حدیث آئی ہے کہ نبی ﷺ نے وسط ایام تشریق میں ایک وداعی خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ

" یا ایها الناس الا ان ربکم واحد ، لا فضل لعربي علی عجمي ، و لا لعجمي علی عربي ، و لا لاسود علی احمر ، و لا لاحمر علی اسود الا بالتقوی " ان اکرمکم عند الله اتقکم " . ا لا هل بلغت ؟ قالوا بلی یا رسول الله (ﷺ) . قال فیبلغ الشاهد الغائب ۔"

" اے لوگو ! آگاہ ہو جاؤ یقیناً تمہارا ایک ہی رب ہے ، تم میں سے آج کسی عربی کو عجمی پر ، کسی عجمی کو عربی پر، کسی اسود کو احمر پر اور کسی احمر کو اسود پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں ہے ، کیونکہ اللہ کے پاس تم میں سے وہی بزرگ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے آگاہ ہو جاؤ ، کیا میں نے یہ پیغام تم تک پہنچا دیا ؟ تمام صحابہ نے یک زبان ہو کر کہا " ہاں " اے اللہ کے رسول ﷺ ، پھر آپ نے ارشاد فرمایا چاہیے کہ تم میں کا حاضر غائب تک ہمارا یہ پیغام پہنچا دے۔"

نسلی عصبیت کا ظہور اور اس کے نتائج

اس کے بعد جب عربی زبان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علم و حکمت اور دین و شریعت پر ضعف طاری ہوا تو نسلی عصبیت کا ظہور ہوا جسے اسلام نے حرام قرار دے کر سختی سے منع کر دیا تھا یہاں تک کہ ماضی قریب میں عجمیت کے بعض ایسے داعی نکل آئے ، جنہوں نے اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی زبان میں قرآن کا ترجمہ کر کے عربی قرآن سے بے نیاز ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں محض اس زعم باطل میں کہ دین اسلام کسی زبان کا پابند نہیں ، بعضوں نے تو عربی زبان کی دشمنی میں اذان ، نماز ، اور خطبہ بھی اپنی ہی زبان میں جاری کرنے کی تلقین کی حالانکہ آج تک امت اسلامیہ کا اجتماعی تعامل اس حقیقت پر گواہ ہے کہ شعار اسلامی کے نقش و نگار زبان عربی کے موقلم سے تیار ہوئے ہیں ، جو اسلام کی مکمل ترجمان اور مخصوص زبان ہے ، عربی مبین سے اس دوری اور علم دین کی کمزوری کا انجام یہ ہوا کہ جاوا ، سماترا وغیرہ بعض ملکوں میں دین کے رمز شناس اور عربیت کا صحیح ذوق رکھنے والے علماء کا قحط ہو گیا ، عیسائی مشنریوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر قرآن میں مختلف قسم کے شبہات پیدا کر کے مسلمانوں میں ایک مستقل فتنہ کھڑا کر دیا ، ان کا جواب دینے کے لیے قرآن کی زبان میں مہارت کی ضرورت تھی ، جو بد قسمتی سے عجمیت کی زد میں آ گئی تھی ، اس لیے مسلمانوں میں ارتداد کی وبا پھیل گئی ، بعض ملکوں میں عجمیت پرستی کے نتیجہ میں ایسے نام نہاد مسلمان پیدا ہوئے جو اپنے بت پرست اور آتش پرست اسلاف حتیٰ کہ فرعون پر فخر کرنے لگے ، حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی تمام کتابوں میں اس ملعون پر لعنت بھیجی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہتیری آیتوں میں کلام مجید میں تفکر و تدبر ، اس سے عبرت و بصیرت اور ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے اور اس کی آیتوں اور دعاؤں کو نمازوں میں پڑھنے کی بار بار تلقین کی ہے ، ظاہر ہے اس حکم کی تعمیل فصیح عربی جانے بغیر نہیں ہو سکتی ، اور جو شئے کسی فرض کے لیے ناگزیر ہو تو بھی یقیناً فرض ہونی چاہیے ، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو معجزہ بنا کر اتارا ہے ۔ اس حجت کے اتمام کے لیے بھی اس کا سمجھنا ضروری ہے ، اس لیے اس زبان کا علم و معرفت دین اسلام کی بنیادی ضروریات میں داخل ہے۔

سلطنت اسلامیہ کے زوال کا سبب ہدایت قرآنی سے اعراض تھا

یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے ضعف اور ان کی عظیم الشان سلطنت کے زوال کا اصلی سبب قرآن مجید کی ہدایت سے ان کا اعراض تھا ، اور یہ کھوئی ہوئی شان و شوکت ، اور سیاست و عظمت نہیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ قرآن کی ہدایت کی طرف دوبارہ رجوع کریں ، اور اس کا دامن مضبوطی سے تھام لیں ، اور یہ مرحلہ اسی وقت طے ہو گا جب مسلمان متفق ہو کر قرآن کی زبان کو زندہ کرنے کا عزم بالجزم کرلیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی دعوت زبان عربی کی بھی دعوت ہے ، اس سلسلہ میں حسب ذیل آیات غور طلب ہیں :

یَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسْتَجِيبُواْ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَٱتَّقُواْ فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمْ خَآصَّةً ۖ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَٱذْكُرُوٓاْ إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِى ٱلْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ ٱلنَّاسُ فَـَٔاوَىٰكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِۦ وَرَزَقَكُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾ (الحجرات)

" مسلمانو ! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جبکہ وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں (روحانی موت کی حالت سے نکال کر) زندہ کر دے اور جان لو کہ (بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ) اللہ (اپنے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب کے ذریعہ) انسان اور اس کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور جان لو کہ (آخر کار) اسی کے حضور جمع ہو جاؤ گے۔ اور اس فتنے سے بچتے رہو جو اگر اٹھا تو اس کی زد صرف ان ہی پر نہیں پڑے گی جو تم میں ظلم کرنے والے ہیں ، بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے اور جان لو کہ اللہ بد عملیوں کی سزا دینے میں بہت سخت ہے اور وہ وقت یاد کرو جب (مکہ میں) تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے ، تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں ، پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) ٹھکانا دیا اپنی مددگاری سے قوت بخشی اور اچھی چیزیں دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا تاکہ تم شکر گزار رہو ۔

جیسا کہ لعلکم تشکرون سے ظاہر ہے کہ شکر نعمت میں اضافہ کرتا ہے اس لیے ناشکری زوال نعمت کا باعث ہو گی ، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے آغاز میں ہمیں ہدایت کی ہے کہ انعام یافتہ شکر گزاروں کی راہ چلنے کی توفیق کی دعا مانگیں۔

قرآن میں کوئی بات عقل کے مخالف نہیں

" یہ ٹھیک ہے کہ بہت سے لوگوں کے لیے نصوص، بعض اوقات مشکل ہو جاتی ہیں اور وہ انہیں نہیں سمجھتے، لیکن یہ اشکال نسبتی ہوتا ہے، یہ ان کے لیے مشکل اس لیے ہوتی ہے کہ وہ ان کے معانی سمجھنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسی بات ہو ہی نہیں سکتی جو صریح عقل وحس کی مخالف ہو یا قرآن ہی میں اس کے معنی موجود نہ ہوں۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے سینوں کے لیے شفا اور لوگوں کے لیے بیان بنا کر نازل فرمایا ہے۔ سو یہ نہیں ہو سکتا، کہ وہ اس کے خلاف ہو۔ لیکن کبھی کبھی بعض مقامات اور زمانوں میں آثار رسالت پوشیدہ رہتے ہیں اور لوگوں کو اس بات کی پہنچان نہیں ہو سکتی کہ رسول اللہ ﷺ کیا چیز لائے ہیں، یا تو وہ الفاظ ہی کو نہیں پہچان سکتے یا اگر الفاظ معلوم کر لیں تو ان کے معانی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ خفائے نور نبوت کے باعث جاہلیت میں رہتے ہیں اور یہیں سے شرک اور تفرقہ کا آغاز ہوتا ہے۔" (امام ابن تیمیہ کی "تفسیر سورہ اخلاص" سے ماخوذ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابوالکلام آزاد

حجت ابراہیمی

آیۂ کریمہ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریق

ایک استفسار

(از جناب مولوی محمد عبد الحق صاحب سکندر آبادی)

جیسا کہ جناب کو معلوم ہے، میں گزشتہ سال سے ایک سلسلہ رسائل کی ترتیب میں مشغول ہوں جن کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطالب حکیمانہ ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں کہ آج کل کی مذہب سے برگشتہ طبیعتیں ان سے تشفی حاصل کر سکیں۔ ایک ہمدرد رئیس ملت دکن نے ان کے انگریزی زبان میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرانے کا بھی انتظام کر دیا ہے، اور امید ہے کہ چند ماہ کے اندر ان کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا ...... اس سلسلہ میں قرآن مجید کے متعدد مقامات ہیں جو ایک عرصہ سے میرے سامنے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جیسا تشفی بخش حل ان کا ہونا چاہیے اس وقت تک نہیں ہو سکا ہے، اور جب تک خود اپنی طبیعت مطمئن نہ ہو جائے، دوسروں کے سامنے قدم اٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا ہوں۔ یہ عرض کرنا ضروری نہیں کہ قرآن مجید کے فہم و مطالعہ کا جس قدر بھی خاکسار ذوق پیدا کر سکا ہے، وہ سب جناب کے طفیل ہے اور جناب ہی کی تحریرات کے شغف کا نتیجہ ہے۔ اس لیے ان مشکلات میں بھی جناب ہی سے دستگیری کی امید ہے۔ اگرچہ وہ مقامات ایک سے زیادہ ہیں۔ مگر بہر دست میں جراءت نہیں کر سکتا کہ جناب کا زیادہ وقت لوں۔ صرف ایک مقام کی نسبت اپنا اطمینان چاہتا ہوں جس کے خاطر خواہ حل نہ ہونے کی وجہ سے خاکسار کی زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا ہے۔ سورہ البقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کے مناظرہ کا ذکر ہے جس کی نسبت ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ وہ نمرود تھا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ فِي رَبِّهِۦٓ أَنْ ءَاتٰىهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِۦ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠ أُحْيِۦ وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرٰهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

مضمون اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ یعنی زندگی اور موت اسی کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ اگر کوئی دوسری ہستی خدائی کی مدعی ہے، تو اسے چاہیے کہ یہ قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے۔ نمرود نے اس کے جواب میں کہا۔ اگر یہی وصف خدائی کا ہے تو یہ مجھ میں بھی ہے۔ میں بھی جلاتا ہوں مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے سن کر فرمایا کہ خدا پورب سے سورج نکالتا ہے۔ تو پچھم سے نکال دے۔ اس پر نمرود مبہوت ہو کر رہ گیا۔

یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ہے جس میں نمرود کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور ابراہیم علیہ السلام اس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

اب اس آیت کی تفسیر میں چند در چند مشکلات حائل ہیں:

(1) اول یہ کہ جب نمرود خدا ہونے کا مدعی تھا، تو ظاہر ہے کہ دلیل پیش کرنا اس کے ذمہ تھا نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذمے، جن کی حیثیت منکر کی تھی یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کوئی دلیل نہیں مانگتے۔ بلکہ خود اپنے پروردگار کی پروردگاری کی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ الَّذِي يُحْيِۦ وَيُمِيتُ اور وہ اس سے معارضہ کرنے لگتا ہے۔

(2) پھر جب انہوں نے ایک ایسی دلیل بیان فرما دی تھی جس سے بڑھ کر واضح اور قاطع دلیل نہیں ہو سکتی، تو چاہیے تھا کہ نمرود کے جاہلانہ اور طفلانہ معارضہ کی قلعی کھول دیتے کیونکہ وہ اپنے جہل و بلادت سے زندگی بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجھ ہی نہ سکا تھا جو موٹی سے موٹی انسانی عقل کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ بول اٹھا کہ یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ ضروری تھا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے، موت اور حیات بخشنے سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ ان دکھی ذات تمام جانداروں کو نیستی سے ہستی بخشتی ہے، اور پھر ایک خاص وقت پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فنا کر دیتی ہے ، اسی طرح تو بھی ایک چھوٹا سے چھوٹا کیڑا بنا دیکھ ۔ لیکن آپ یہ نہیں کہتے ، بلکہ فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسری دلیل پیش کر دیتے ہیں ۔ یعنی سورج کو اس کی معمولی سمت کی جگہ سے دوسری سمت سے نکال دینے کی فرمائش کرتے ہیں ، اس سے لازم آتا ہے کہ گویا آپ نے اپنی پہلی دلیل کی کمزوری مان لی اور (نعوذ باللہ) نمرود کے معارضہ سے لاچار ہو گئے ۔ اس لیے اسے چھوڑ کر دوسری نئی دلیل کا سہارا لیا ۔ ایک معمولی مناظر کے لیے بھی یہ بات دلیل عجز ہے ، چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کے لیے۔

(3) پھر دوسری دلیل جو پیش کی گئی ، اس پر بھی شبہات وارد ہوتے ہیں ۔ قرآن مجید ناطق ہے کہ پہلی دلیل سے نہیں مگر دوسری دلیل سے نمرود لا جواب ہو کر رہ گیا ۔ مگر اعتراض ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی شوخ چشمی کا یہ حال تھا کہ موت و حیات کے وصف الٰہی تک کا بیان اسے چپ نہ کرا سکا ، وہ اس دوسری دلیل سے کس طرح لا جواب ہو گیا ؟ اگر کہا جائے اس لیے کہ وہ پچھم کی طرف سے سورج نکالنے پر قادر نہ تھا تو جواب یہ ہے کہ وہ موت و حیات بخشنے پر بھی تو قادر نہ تھا ؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب ٹھہرا کر اس نے معارضہ کر دیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ترک دلیل پر مجبور ہو گئے تھے ، اس طرح اس کا بھی کر دے سکتا تھا ۔ کہہ دیتا کہ میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔

(4) علاوہ بریں دلیل کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی بات ہوتی ہے کہ اس اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دلیل ایسی معلوم نہیں ہوتی ۔ اس کا اثبات اس مقدمہ کے اثبات پر موقوف ہے کہ " خدا وہی ہو سکتا ہے جو سورج کو جس طرف سے چاہے نکالے " لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسی دوسری سمت نکلنا کوئی دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے ۔ نمرود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہی دلیل ہے تو تمہارا پروردگار پورب کی جگہ پچھم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے ۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاہتے کہ نظام شمسی کا پورا کارخانہ درہم برہم کر کے سورج دوسری سمت سے نکلتا ہوا دکھائے ؟

(5) علاوہ بریں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے رجوع کر کے دوسری دلیل پیش کی تو ضروری تھا کہ یہ زیادہ واضح و قطعی ہوتی ۔ ان کی پہلی دلیل یہ تھی کہ موت و حیات کی باگ اللہ کے ہاتھ ہے ۔ دوسری یہ کہ اجرام سماوی اسی کے حکم و مشیت سے کام کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ دوسری دلیل پہلی سے زیادہ وزنی نہیں کہی جا سکتی ۔ اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہی معاملہ خصم کو ساکت نہ کر سکا ، تو اجرام سماوی کا معاملہ کیا مفید اثبات ہو سکتا ہے ؟

میں نے بڑے ہی شوق سے حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر دیکھی تھی کیونکہ وہ قرآن مجید کے مقامات کو عقلی مباحث سے صاف کرنا چاہتے ہیں ۔ مگر میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر مایوسی ہوئی ؟ لطف یہ ہے کہ انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ یہ تمام شبہات خود ہی لکھے ہیں ، لیکن جواب کا جو کچھ حال ہے ، اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ اس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو اور زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا ہوں ۔

پہلے شبہ پر تو انہوں نے بالکل توجہ نہیں کی ہے ۔ دوسرے شبہ کے دو جواب دیے ہیں ۔ ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ہے ، اس میں کوئی حرج نہیں ، کیونکہ دوسری دلیل پہلی دلیل سے واضح ہے ۔ اسے عام مفسرین کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ دوسرا جواب " محققین " کا جواب قرار دیا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ " یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا ۔ بلکہ ایک ہی دلیل کی مزید وضاحت کرنی تھی " : " و ھو انا نری حدوث اشیاء لا یقدر الخلق علی احداثھا . لہ امثلۃ . منھا الاحیاء و الاماتۃ . و منھا السحاب و الرعد و البرق . و منھا حرکات الافلاک و الکواکب . و المستدل لا یجوز لہ ان ینتقل من دلیل الی دلیل کفر ، لکن اذا ذکر لا یضاح کلام مثالا فلہ ان ینتقل من ذلک المثال الی مثال آخر . فکان ما فعلہ ابراھیم من باب ما یکون الدلیل واحداً . الا انہ یقع الانتقال عند ایضاحہ من مثال آخر . و ھذا الوجہ احسن و الیق بکلام اھل التحقیق ۔"

اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں : " لما احتج ابراھیم بالاحیاء الاماتۃ . اورد الخصم علیہ سوالا لا یلیق بالعقلاء . و ھو انک اذا دعیت الاحیاء و الاماتۃ لا بواسطۃ ، فذلک لا تجد الی اثباتہ سبیلا . و ان دعیت حصولھا بواسطۃ حرکات الافلاک . فنظیرہ او ما یقرب منہ حاصل للبشر ۔ فاجاب ابراھیم بان الاحیاء و الاماتۃ و ان حصلا بواسطۃ حرکات الافلاک . لکن تلک الحرکات حصلت من اللہ تعالی و ذلک لا یقدح فی کون الاحیاء و الاماتۃ من اللہ . بخلاف الخلق فانہ لا قدرۃ لھم علی تحریکات الافلاک ۔"

خلاصہ اس تقریر کا یہ ہے کہ پہلی دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے کہا ، خدا کی صفت جلانے اور مارنے کی کیسی ہے ؟ وہ بلا واسطہ جلاتا اور مارتا ہے ، یا افلاک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلی بات ہے تو اس کا اثبات ممکن نہیں اور اگر دوسری بات ہے تو یہ انسان کو بھی حاصل ہے ۔ یعنی وسائط کے ذریعے موت و حیات وجود میں آ سکتی ہے ۔ مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطہ سے زندہ انسان پیدا ہو سکتا ہے، اور قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جا سکتا ہے ۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اپنی دلیل کی مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ احیاء اور اماتت اگرچہ افلاک کی حرکات کے واسطے سے ظہور میں آتی ہے لیکن افلاک کی حرکت بھی تو خدا ہی کے حکم و مشیت سے ہے ۔ اس کے سوا کون ہے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اس کے سوا کوئی دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا تو ثابت ہو گیا کہ احیاء اور اماتت بھی نہیں کر سکتا۔

میں حیران ہوں کہ اس امام جلیل القدر کی اس تقریر کی نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبہہ دور ہوا ہے یا اور زیادہ مضبوط ہو گیا ہے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا، کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟ قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ "انا احي و اميت" پھر یہ کہنا کہ یہ دوسری دلیل کی مزید توضیح ہے ۔ نئی دلیل نہیں ہے ، کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا ۔ افلاک کی حرکت کو بھلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یہ استدلال پہلی دلیل کے ساتھ مربوط ہو سکتا ہے ؟ پہلی دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کی صفت سے تھا۔ دوسری میں سورج کے طلوع و غروب کی جہت سے ۔ اس میں اور موت و حیات کی طاقت و تصرف میں کوئی علاقہ نہیں ۔ تعجب ہے کہ کیونکر امام موصوف ایسی کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذہب قرار دیتے ہیں اور وثوق کے ساتھ قرار دیتے ہیں۔

پھر مفسرین کا یہ عام مذہب بھی کہ دوسری دلیل پہلی سے اوضح ہے، تشفی پیدا کرنے سے قاصر ہے ۔ صاف بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلی دلیل ہی زیادہ واضح اور قطعی تھی ۔

تیسرے شبہہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا کہ نمرود دوسری دلیل کا معارضہ نہیں کر سکا ۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے خدا نے اس وقت اس کے حواس مختل کر دیئے ہوں ۔ وہ اس قابل ہی نہ رہا کہ اعتراض کرے ۔ سوال یہ ہے کہ اگر معترض اور مشکک کو اسی طرح حواس باختہ کر کے چپ کرا دینا تھا، تو پھر اس مناظرہ کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ پہلے ہی سے مخبوط الحواس بنا دیا ہوتا تاکہ وہ اعتراض ہی نہ کر سکتا۔ علاوہ بریں اگر خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جو معترضین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے ہیں، ان کے حواس سلب کر لیا کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں ہوتے، اس لیے غریب معترضین مخبوط الحواس کر کے چپ کرا دیے جاتے ہیں۔ کیا ایسے جوابوں سے قرآن مجید کے معارف روشنی میں آ سکتے ہیں؟ خصوصاً اس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے ہیں کہ " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کی جائے، اور اس پر وہ نافہمی سے اعتراض کر دے، تو مستدل کا فرض ہے کہ اس کے اعتراض کی خامی ظاہر کر دے اور بغیر اس کے آگے نہ بڑھے، اور جب ایک معمولی مناظر کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے، تو ظاہر ہے کہ ایک نبی اولوا العزم کے لیے کیوں ضروری نہ ہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادی صداقت کے پیش کیا جا رہا ہے ؟ " تاہم وہ اس قوت کے ساتھ اعتراض وارد کر کے، اس کا کوئی کمزور سے کمزور جواب بھی نہیں دیتے، اور صرف یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ " محققین کی تفسیر پر شبہات وارد نہیں ہو سکتے " حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے، خواہ نئی مثال، ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی خامی واضح کر دی جائے ۔ پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے، اسی طرح اس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف "محققین" کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔

مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہو گی ۔ چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی ۔ لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی وہی امام رازی والی تفسیر بجنسہٖ پائی۔ ان شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تفسیر نیشا پوری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر علامہ ابن سعود، تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں، مگر ان سب میں بھی یا تو ہی تفسیر کبیر والا جواب نقل کر دیا ہے، یا وہ باتیں لکھ دی ہیں جنہیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے ۔ یا پھر سرے سے کسی طرح کی کاوش ہی نہیں کی گئی ہے۔

جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا، تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قرآن کی وہ تمام مشکلات حل کر دے سکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے ۔ اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ سے دستگیری کا طالب ہے اور امید قوی رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہو گا ۔

مجھ سے میرے حیدر آباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر "خلیل نمبر" کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے ۔ میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوایا اور دیکھا ۔ واقعی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون " مناظرہ خلیل و نمرود " کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہی تفسیر کبیر کی پوری بحث اردو میں نقل کر دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے۔

جواب

1- قرآن حکیم کا مطالعہ و تدبر میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی ہیں، وہ اس وقت تک پیش آتی رہیں گی جب تک کہ اس بارے میں چند بنیادی اصول واضح نہیں ہو جائیں گے۔ یہ موقعہ تفصیل و اطناب کا نہیں ہے۔ مختصراً یوں سمجھیے کہ صدر اول کے بعد سے قرآن حکیم کے فہم و تدبر کی راہیں دو ہو گئی ہیں۔ ایک "قرآنی" ہے، دوسری "غیر قرآنی"۔ قرآن کے فہم و تدبر کے لیے غیر قرآنی طریقہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے اس پر آپ کو تعجب ہو۔ اس میں شک نہیں یہ معاملہ فکر انسانی کے عجائبات تصرفات میں سے ہے۔ مگر ایسے تصرفات اس کثرت سے ہو چکے ہیں کہ انہیں عجیب سمجھتے ہوئے بھی ہمیں متعجب نہیں ہونا چاہیے۔

"قرآنی" طریقہ سے مقصود قرآن کے مطالعہ و فہم کا وہ طریقہ ہے جو تمام تر قرآن پر مبنی تھا۔ قرآن سے باہر کے اثرات کو اس میں دخل نہ تھا۔ عربی لغت کے صاف اور معروف معنی، عربی بول چال کے بے تکلف اور سادہ محاورات، صدر اول کا بے لاگ ذوق و فہم، اور انبیاء کرام کا فطری اور غیر صناعی اسلوب بیان، اس طریقہ کی خصوصیات تھیں۔ سلف امت کا طریق تفسیر یہی تھا۔

"غیر قرآنی" طریقہ سے مقصود وہ تمام طریقے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ مفسر قرآن کے ذوق و فکر سے پیدا ہوئے۔ یہ علوم وضعیہ کی اشاعت، ایرانی، رومی اور ہندی تمدن کے اقتباس اور عجمی اقوام کے اختلاط کا قدرتی نتیجہ تھا۔ مفسرین کے گروہ نے قرآن کے مطالب اسی شکل و نوعیت میں دیکھے، جیسی شکل و نوعت کی فکری حالت ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ قرآن کے الفاظ، تراکیب، اسلوب بیان، دلائل و براہین، مواعظ و حکم، سب نے ایک دوسری ہی طرح کی نوعیت پیدا کر لی۔ قرآن کی تعلیم و بیان کی تمام تر بنیاد فطریہ اور فطریہ کی سادگی پر تھی۔ علوم و فنون کی تمام تر بنیاد وضعیہ اور وضعیہ کے تعمق اور کاوش پر ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیہ کا انہماک بڑھتا گیا، فطریہ کے فہم و ذوق کی استعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا، جب لوگوں کے دماغ اس درجہ وضعیہ اور وضعی طریق بحث کے عادی ہو گئے کہ کسی اہم اور عظیم بات کو اس کی سادہ اور سہل صورت میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ذہن کی کاوش پسندی جو علوم وضعیہ کے اشتغال کا لازمی نتیجہ ہے، آسان اور سہل مطالب کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ صورتحال صرف قرآن ہی کو پیش نہیں آئی، بلکہ مختلف صورتوں اور حالتوں میں تمام صحف سماوی کو پیش آ چکی ہے، اور مجملہ ان اسباب کے ہے جو ہمیشہ کتب و ادیان کی تحریف کا باعث ہوتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ داعی قرآن (ﷺ) نے اسے "تعمق" اور "تنطع" سے تعبیر کیا، اور فرمایا کہ ہلاکت کی راہوں میں سے ایک راہ یہ بھی ہے جیسا کہ متعدد موقوفات میں وارد ہے۔ یہ موقع تشریح کا نہیں۔ اگر آپ دقت نظر سے کام لیں گے تو ان چند جملوں کے اندر اصولِ تفسیر کی ایک اصل عظیم آپ کے سامنے آ جائے گی۔ یہ اصل عظیم نہ صرف تفسیر قرآن میں، بلکہ علم و نظر کے بے شمار گوشوں میں آپ کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ ذہن انسانی "وضعیہ" میں جس قدر کاوش پسند ہوتا گیا ہے، اتنا ہی "فطریہ" سے دور ہوتا گیا ہے۔

بہر حال یہ دوسرا "غیر قرآنی" طریقہ ان تمام طریقوں پر مشتمل ہے جو صدر اول کے بعد پیدا ہوئے متکلمین مفسرین کا طریق تفسیر کم و بیش یہی ہے۔ کوئی اس طریقہ میں ایک خاص حد تک گیا ہے، کوئی بہت زیادہ دور تک۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی راہ کے شہسوار ہیں۔ ان کے بعد اکثر مفسرین نے دانستہ یا نا دانستہ انہی کا نقش قدم اختیار کر لیا ہے۔ قاضی ابن رشد کی کشف الادلہ اور فصل المقال اور شیخ الرئیس کی بعض مختصر تفسیریں، امام رازی اور مفسرین متکلمین سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے ہم معلوم کر لے سکتے ہیں کہ متکلمین اشاعرہ، فلاسفہ، اسلام اور معتزلہ سے کتنا ہی انکار کرتے ہوں، لیکن وہ خود بھی اسی طریقہ کی پیداوار تھے۔ بہتر قسم کی نہیں۔ ناقص اور کمزور قسم کی پیداوار۔

ایک سخت بنیادی غلطی جو اس طریقہ کی مقبولیت کا باعث ہوئی، متاخرین کا یہ خیال تھا کہ وقت کی علمی ضرورتوں کے لیے سلف کا طریقہ سود مند نہیں ہے۔ یہ بات ضرب المثال کی طرح ان کی زبانوں پر جاری ہو گئی تھی کہ "سلف کا طریقہ ایمان کے لیے بہتر ہے مگر استدلال کے لیے مفید نہیں" حالانکہ اگر ایمان کو جہل سے نہیں بلکہ علم و بصیرت سے پیدا ہونا چاہیے، تو جو طریقہ ایمان و یقین کے لیے سود مند ہو گا، وہ استدلال و برہان کے لیے کیوں غیر مفید ہو؟ جہاں تک نام نہاد علمی ضروریات کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کے طریقہ سے بڑھ کر کمزور اور نا مراد طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا وہ "استدلال" کو فنون وضعیہ کے "استدلال" سے باہر نہیں دیکھ سکے، اور وجدان و طبعیت کی حقیقی شہادتوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ آپ نے اپنے استفسار میں جا بجا لکھا ہے کہ "امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ موجودہ زمانے میں سود مند نہیں" لیکن میں کہتا ہوں اس تقید کی کیا ضرورت ہے؟ یہ طریقہ تو کسی زمانے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی سود مند نہ تھا۔ کیا یہ طریقہ اس زمانے میں سود مند تھا جب امام صاحب نے تفسیر لکھی ہے ؟ اس کا حال خود انہی سے پوچھ لینا چاہیے ۔ ان سے بہتر ان کی نارسائیوں کے لیے کوئی شاہد نہیں ہو سکتا ۔ تفسیر اور اساس التقدیس وغیرہ ان کے ابتدائی اور درمیانی عہد کی کوہ کندنیوں میں سے ہیں ۔ آخری عہد کی مصنفات میں سے ایک رسالہ مباحث ذات و صفات میں ہے اس کے دیباچہ میں مشکلات مباحث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" لقد تاملت الطرق الکلامیة والمناهج الفلسفیة، فما رایتها تشفي غلیلاً، ولا یروي غلیلاً، ورایت اقرب الطرق، طریقة القرآن. اقرا في الاثبات، الرحمٰن علی العرش استوی. واقرا في النفي، لیس کمثله شيء۔ ومن جرب مثل تجربتي عرف مثل معرفتي۔"

یعنی میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں پر غور کیا ، لیکن معلوم ہوا کہ مشکلات راہ کے لیے کچھ سود مند نہیں ہیں ۔ سب سے بہتر طریقہ قرآن ہی کا طریقہ ہے !

فن المحبة مادق بیانه
متحیر فیه امام الرازي!

امام صاحب کا یہ اعتراف بعینہ وہی اعتراف ہے جو موجودہ اور قدیم عہد کے تمام حکماء کی زبانوں پر بھی طاری ہو چکا ہے ۔ یہ مذہبی مباحث کی راہ سے اس کوچہ میں آئے تھے ، اس لیے الاہیات کی اصطلاحوں میں اعتراف عجز کر رہے ہیں ۔ لیکن لامارک ، ہیگل اور اسپنسر براہ راست حقائق کائنات کی جستجو میں نکلے تھے ، اس لیے وہ ان مصطلحات کی جگہ دوسری طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ، لیکن اعتراف عجز کی ایک ہی طرح کی روح دونوں کے اندر بول رہی ہے ۔ لامارک کے اس قول میں کہ " ہمارا سارا علم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جہل کا اقرار کریں " یا اسپنسر کے اس اعتراف میں کہ " اصلیت اور حقیقت کے ان تمام سوالوں کے جواب میں ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کچھ نہیں جانتے " اور امام رازی کے اس اعتراف میں کیا فرق ہے کہ

نهایة اقدام العقول عقال
واکثر سعي العالمین ضلال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا
سوی ان جمعنا فیه قیل وقالوا!

بہر حال جب تک قرآن حکیم کی تفسیر خالص قرآنی طریقہ پر نہیں کی جائے گی مشکلات کی راہ حل نہیں ہو سکتیں ۔

2- ایک اہم اور بنیادی کام اس باب میں یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ ، تراکیب اور اسلوب بیان کو تمام وضعی اور خارجی عوارض سے پاک کر کے ان کی اصلی صورت و نوعیت میں نمایاں کر دیا جائے ۔ جونہی یہ اصلیت نمایاں ہوں گی ، تمام اشکال خود بخود دور ہو جائیں گے ۔

قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا ۔ اس لیے الفاظ عربی کے الفاظ تھے ۔ وہ انہی معنی کے لیے استعمال کیے گئے تھے ، جن معنی کے لیے عربی لغت میں مستعمل تھے ۔ قرآن نے خود جا بجا اپنے عربی زبان میں ہونے ، نہایت کھلے اور دلنشین ہونے ، اور مطالب کے سہل اور زود فہم ہونے کا ذکر کیا ہے ۔ مثلاً سورہ مریم میں کہا کہ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ ٱلْمُتَّقِينَ ہم نے قرآن تمہاری زبان میں سہل کر دیا تا کہ متقی طبعیتوں کے لیے اس میں ہدایت کی بشارت ہو ۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ عظیم اور ابتدائی وصف باقی نہیں رہتا ، اگر ایک لمحے کے لیے بھی یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کے الفاظ ان عام و معروف معنی کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم بھی رکھتے تھے جو عرب جاہلیت کی لغت میں نہیں سمجھے جاتے تھے ۔ صدر اول میں چونکہ مسلمانوں کا ذوق خارجی اثرات سے متاثر نہیں ہوا تھا ، اس لیے قرآن کے تمام الفاظ اپنے لغوی معنی میں قائم رہے ۔ بلا شبہ اس عہد میں بھی ہر انسان جو قرآن کا علم رکھتا تھا ، الفاظ قرآنی کے مجازات سے واقف تھا ۔ لیکن یہ زبان اور بول چال کے ویسے ہی صاف اور سادہ مجازات تھے ، جو دنیا کی ہر زبان میں ہوتے ہیں ، اور جن کے معلوم کرنے کے لیے کبھی کسی اہل زبان کو کسی فلسفیانہ فن بلاغت و بیان کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن کعب جب بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ اور إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ تھے ، تو بغیر اس کے کہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیوں سے آشنا ہوں اور ید و علو کے نفی و اثبات کی بحثوں میں الجھیں ، اس کا وہ سیدھا سادھا مطلب سمجھ لیتے تھے جو ہر غیر متکلف عربی داں سمجھ لے گا۔

لیکن آگے چل کر جب علوم دخیلہ کی (یعنی ان علوم و فنون کی جو باہر سے عربی زبان میں منتقل ہوئے) اشاعت ہوئی اور وضعی علوم کی اصطلاحات اور نظری مباحث کی منطقی تعریفات و حدود کا لوگوں میں مذاق پیدا ہو گیا ، تو ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی پیدا ہو گئی جنہوں نے قرآن کو آہستہ آہستہ منطقی و فلسفی جامہ پہنانا شروع کر دیا ، اور بہ تدریج اس کے الفاظ عربی لغت سے ہٹ کر منطقی تعریفات و حدود کی نوعیت اختیار کرنے لگے ۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد ان الفاظ کے لیے وہی معنی سمجھے جانے لگے ، جو علوم وضعیہ میں ان کے لیے قرار پا چکے تھے۔

3- یہ تبدیلی الفاظ و مطالب ، دونوں میں ہوئی ۔ مطالب میں بنیادی چیز قرآن کا اسلوب بیان و استدلال ہے ۔ ایک عظیم اور اصولی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ وہ قرآن کے فطری اور وجدانی اسلوب بیان کی اہمیت معلوم نہ کر سکے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونانی فلسفہ کے اشتغال نے ان میں منطقی استدلال کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔ انہوں نے کوشش کی کہ جہاں کہیں قرآن حکیم میں استدلال اور اثبات مدعا کے قسم کا کوئی بیان ہے، اسے کھینچ تان کر منطقی استدلال کی شکل دے دیں۔

حالانکہ انبیاء کرام کے علوم کی راہ وضعی و منطقی طریق استعمال کی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ انبیاء کرام کا خطاب علوم سے نہیں بلکہ قلوب سے ہوتا ہے۔ وہ علماء کے لیے بحث و نظر کا سامان پیدا کرنے نہیں آتے۔ بلکہ عامۃ الناس کے لیے ہدایت و سعادت کی راہیں کھول دینے کے لیے آتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اشیاء کی حقیقت کا سراغ لگائیں وہ اس لیے آتے ہیں کہ اعمال اور ان کے نتائج کی حقیقت دنیا پر واضح کر دیں۔ پس وہ اپنی تعلیم و ہدایت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے، جسے کسی طرح بھی مشابہت منطقی طریق بحث و استدلال سے ہو۔ ان کا طریقہ سیدھا سادھا فطری طریقہ ہوتا ہے، جس کے لیے نہ تو انسان کے بنائے ہوئے علوم و فنون کی تحصیل ضروری ہوتی ہے، نہ پیچیدہ اور دقیق مقدمات ترتیب دینے پڑتے ہیں اور نہ کسی طرح کی ذہنی کاوش اور نظری سلوک کی قید ہوتی ہے۔ ہر انسان اپنے وجدان کی قدرتی استعداد اور طبیعت بشری کے فطری طلب و داعیہ سے اسے سنتے ہی قبول کر لے سکتا ہے، اور ایک فلسفی و حکیم سے لے کر ایک بادیہ نشیں دہقان تک، ہر درجہ، ہر طبقہ اور ہر زمانے کا انسان یکساں طور پر اس سے یقین و ایمان حاصل کر لیتا ہے۔

4-انبیاء کرام (علیہم السلام) حکماء کے وضعی طریق استدلال کی جگہ فطری طریق تلقین کیوں اختیار کرتے ہیں؟ میں اس کی تشریح یہاں نہیں کروں گا، کیونکہ اول تو یہ تحریر تشریح کی متحمل نہیں، ثانیاً آیہ زیر بحث میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی آگے تشریح آئے گی۔ البتہ ترتیب بیان کے لیے مختصر لفظوں میں یوں سمجھیے کہ

اولاً، انبیاء کرام کی تعلیم کا مقصود بحث و نظر نہیں ہوتا، ایمان و یقین ہوتا ہے۔ ایمان و یقین کے لیے وضعی علوم کا طریق استدلال کسی حال میں بھی سود مند نہیں۔ انبیاء کرام کے تمام احکام کا دار و مدار ماوراء محسوسات حقائق پر ہے جسے قرآن حکیم نے عالم "غیب" سے تعبیر کیا ہے۔ عالم "غیب" کے معاملات خلاف عقل نہیں ہیں مگر ماوراء عقل ضرور ہیں، اس لیے ان کا علم نظری استدلال کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ وجدانی شہادت جو فطرت انسانی میں ودیعت کر دی گئی ہے اور جس کا اذعان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں، نہ مجرد ذہن و ادراک سے۔

ثانیاً، ایک اصل عظیم اس باب میں یہ ہے کہ انبیاء کرام کا طریق تعلیم "مقدمات" کا طریقہ نہیں ہوتا۔ "براہ راست" "تلقین" کا طریقہ ہوتا ہے۔

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی بات کے ثابت کرنے اور منوا دینے کے طریقے دو ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب سے چند ایسی باتیں منوا لی جائیں جو گو اصل مدعا نہیں ہیں، لیکن ان کے تسلیم کر لینے کے بعد مدعا کا تسلیم کر لینا ضروری ہو جائے گا۔ یہ طریقہ "مقدمات" کا طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو بات مخاطب کے دل میں اتارنی ہو، وہ ایسی شکل و نوعیت میں بیان کر دی جائے، کہ بغیر کسی دوسری بات کے سہارے کے، خود بخود دل نشیں ہو جائے۔ اس بات کو سمجھنے، مان لینے اور شک و انکار سے محفوظ ہو جانے کے لیے کسی دوسری بات کے سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ یہ طریقہ "براہ راست" تلقین کا ہے۔ کیونکہ اس طریقہ میں اثبات مدعا کے لیے جو کچھ کہا جاتا ہے، مقدمات کا محتاج نہیں ہوتا۔ پہلا طریقہ علوم وضعیہ اور نظار کا ہے۔ دوسرا طریق فطری اور انبیاء کرام کا ہے۔

انبیاء کرام اپنی تعلیم میں مقدمات کا طریقہ اختیار کرتے، تو ظاہر ہے کہ ان کا خطاب عام نوع بشر سے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بجز چند افراد کے جنہوں نے علوم وضعیہ کے طریقہ پر مقدمات پر بحث و نظر کی استعداد پیدا کر لی ہو، عامۃ الناس نہ تو ان کی تعلیم سمجھ سکتے، نہ ایمان کے لیے مکلف ہو سکتے۔ انبیاء کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایمان کی براہ راست دعوت دینے کی جگہ پہلے مدرسوں میں وضعی علوم کی تعلیم دیتے پھرتے۔ پھر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دے کر اثبات مدعا کی شکلیں بناتے، پھر ان مقدمات میں سے ایک ایک مقدمہ پر لڑتے جھگڑتے۔ پھر جب مخاطب ان مقدمات کے جال میں الجھ جاتا، تو اسے بے بس کر کے اقرار کرا لیتے۔ یہ طریقہ حکماء کی بحث و نظر کا ہے۔ "دعوت" کا نہیں ہے اور انبیاء کرام "داعی" ہوتے ہیں۔ "مناظر" اور "نظار" نہیں ہوتے!

ثالثاً، مقدمات کا طریقہ جیسا کچھ بھی ہو، یقین نہیں پیدا کر سکتا۔ عجز پیدا کر دیتا ہے، اور دونوں میں فرق ہے۔ انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ بحث میں عاجز کر کے چپ کرا دینا نہیں چاہتے۔ مقدمات کا طریقہ پیچ در پیچ اور چند در چند نظری مسلمات پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر مخاطب اس پیچ و خم کا شاطر نہیں ہے، تو بہت جلد لاجواب ہو کر چپ ہو جائے گا۔ یہ "چپ ہو جانا" نہ کہ "مطمئن ہو جانا"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریق مقدمات میں مناظر کی فتح سمجھی جاتی ہے ۔ لیکن انبیاء کرام زبان نہیں ، دل جیتنا چاہتے ہیں اور زبان کے بے بس ہو جانے سے دل میں یقین نہیں پیدا ہو جاتا ۔ تم ایک تیز زبان آدمی سے گفتگو میں بازی نہیں لے جا سکے ، اس لیے ہار مان لیتے ہو ، مگر اس سے دل کا اعتقاد تو پیدا نہیں ہو جائے گا ؟

رابعاً ، مقدمات کے طریقہ کا تمام تر دار و مدار وضعی علوم کے نظری مسلمات پر ہوتا ہے ، اور یہ مسلمات نہ تو ہر حال میں حقیقی ہیں ، نہ ہر زمانے کی علمی استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کر سکتی ہے ۔ بہت ممکن ہے کہ کل تک جو بات مسلم طور پر مانی جاتی تھی آج اتنی کمزور ہو جائے گی کہ لوگ اس کی ہنسی اڑائیں ۔ ایمان کی بنیاد ایسی متغیر اور متلون بنیاد پر نہیں ہو سکتی ۔ وہ تو ہر فرد ، ہر جماعت ، ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے لیے ایک یکساں حقیقت ہے ۔ یہ محل تفصیل کا نہیں ، ورنہ مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے ۔ ہمارے حکماء اور متکلمین نے حدث عالم اور اثبات صانع کے کتنے ہی استدلال ترتیب دیے تھے ، جن کی بنیاد اس وقت کے مذاہب فلسفہ کے نظری مسلمات پر رکھی گئی تھی ، لیکن آج ہم کسی پڑھے لکھے آدمی کے سامنے انہیں دہرانے کی جرات نہیں کر سکتے !

5-صرف یہی نہیں کہ قرآن کا یہ طریقہ نہیں ہے ، بلکہ اس نے واضح طور پر اس طریقہ کی مذمت کی ہے ، اور اسے بھی انہیں طریقوں میں سے قرار دیا ہے جو اس کے نزدیک " جدل " کے طریقے ہیں ، اور جو طریق " دعوت " و " ہدایت " کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ۔ یہ طریقہ جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں کے پیچ میں مخاطب کو کس دینے کے لیے ضرور مفید ہے ۔ مگر اذعان و یقین کے لیے کہ طریق و دعوت و ہدایت کا مقصد وحید ہے ، کچھ مفید نہیں ۔ بلاشبہ اس طریق کا عالم ایک علمی قسم کو جھگڑالو آدمی بن جاتا ہے ، لیکن مرشد و ہادی نہیں بن سکتا ۔ اس کی طبیعت کبھی اس طرف نہیں جاتی کہ سچائی اور حق معلوم کرے ۔ وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے کہ اپنے بنائے ہوئے قاعدوں ، گھڑے ہوئے مقدموں اور منوائی ہوئی اصطلاح سے کسی نہ کسی طرح مخاطب کو لا جواب کر دے ۔ رفتہ رفتہ خود اس کا قلب بھی حقیقت سے نا آشنا اور اسی قسم کی باتوں پر قانع ہو جاتا ہے جسے انگریزی میں " ٹیکنیکل " قسم کی باتیں کہتے ہیں (لفظ صناعی اس کا پورا مفہوم ادا کرنے کے لیے کافی نہیں ، الا یہ کہ اختیار کر لیا جائے) ایک گروہ ایک مخاطب کو حق کی جستجو اور یقین کی راہ میں اس سے نزاع کر رہا ہے ، صرف ایک لفظ کی غلطی ، یا کسی اصطلاحی قاعدہ کی نا آشنائی ، یا ترتیب مقدمات کے پیچ و خم کے الجھاؤ سے شرمندہ کر دے سکے اور لا جواب بنا دے ، تو وہ اسے اپنی بڑی سے بڑی فتح مندی سمجھے گا ، اور اسے " مناظرہ میں ہرا دینے " سے تعبیر کرے گا ۔ لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں سوچے گا کہ اس نام نہاد فتح و شکست سے حقیقت اور سچائی کا فیصلہ کیونکر ہو گا ؟ یہ زیادہ سے زیادہ مناظرہ کی جیت ہے ۔ لیکن حقیقت کا فیصلہ تو نہیں ہے ! اگر وہ اس مناظرانہ کج اندیشی کی مدہوشی سے افاقہ پائے ، اور خود اپنے دل کی گہرائیوں کا حساب لے ، تو اسے معلوم ہو جائے کہ جس بات کے منوانے کے لیے وہ ایک عالم کو چپ کراتا پھرتا ہے ، خود اسی کے دل کو اس پر قرار نہیں ہے

قرآن و سنت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ، اور اس طرح کے تمام طریقے ، نہ صرف حصول مقصد کے لیے سود مند نہیں ، بلکہ ہدایت و یقین کی راہوں سے دور کر دینے والے ہیں ، قرآن ان تمام طریقوں کو " خصومت " اور " جدل " یعنی لڑنے جھگڑنے کی راہ قرار دیتا ہے ۔ اس نے جا بجا اس نوعیت کے اعتراضات اور تشکیلات نقل کی ہیں ۔ پھر بتلایا ہے کہ یہ حق و ہدایت کی راہ نہیں ہے ، خصومت اور جھگڑے کی روش ہے ۔ سورہ یاسین میں منکرین کا یہ استفہام تشکیلی نقل کرنے کے بعد کہ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ فرمایا مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ " خصومت " کا لفظ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے ۔ سورہ زخرف میں منکرین کا یہ انداز سخن نقل کیا ہے کہ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ؟ اس کے بعد کہا مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾ یعنی منکروں کی یہ فکری حالت کہ وہ بات کی حقیقت پر غور کرنے کی جگہ فرضی اور تخمینی صورتیں پیدا کر کے کج بحثی کرنی چاہتے ہیں ، راستی و حق پرستی کا طریقہ نہیں ہے ۔" جدل " کا ڈھنگ ہے ۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے دعوت الی الحق کا طریقہ واضح کرتے ہوئے کہا : ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ (النحل 125) اس آیت میں بالترتیب تین طریقوں کا ذکر کیا ہے : حکمت ، موعظہ حسنہ اور جدل ۔ لیکن جدل کو بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کے ساتھ مقید کر دیا ہے ۔ یعنی ایسا جدل جو اچھے طریقہ پر کیا جائے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک " جدل " حکمت و موعظت کی طرح محمود و مطلوب نہیں ہے ، الا یہ کہ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ہو ۔

جس آیت کی نسبت آپ نے استفسار کیا ہے در اصل وہ اسی حقیقت کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے ۔ وہ واضح کرتی ہے کہ انبیاء کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

طریق دعوت و ہدایت کا ہے۔ جدل کا نہیں ہے۔ اور تشریح اس کی آگے آئے گی۔

6-لیکن افسوس ہے کہ متکلمین کا منطق ذوق طریق قرآنی اہمیت و حقیقت معلوم نہ کر سکا انہوں نے قرآن کو بھی وہی منطقی جامہ پہنا دینا چاہا، جو انہوں خود علم و نظر کے گوشے میں پہن لیا تھا۔ چونکہ یہ طریقہ قرآن کے لیے ایک مصنوعی طریقہ تھا، اس لیے قدم قدم پر طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں۔ لغت ساتھ نہیں دیتی تھی، عربی اسلوب بیان قطعاً مخالف تھا۔ سیاق و سباق کا مقتضا کچھ اور ہی کہتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کا عام نظم بیان اس طریق کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا۔ تاہم وہ اپنی موشگافیوں اور کوہ کندنیوں میں برابر بڑھتے ہی گئے، اور کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر ایک نیا کارخانہ استدلال گڑھ کر کھڑا کر دیا اب دنیا کہتی ہے کہ قرآن کی مشکلات حل نہیں ہوتیں۔ لیکن کوئی نہیں جو اس حقیقت پر سے پردہ اٹھائے کہ مشکلیں قرآن کی مشکلیں نہیں ہیں۔ مفسرین کی پیدا کی ہوئی مشکلیں ہیں۔ اگر ایک بات کو اس کی زبان، اس کے اسلوب اور اس کے قدرتی معنی سے ہٹا کر ایک دوسری شکل دے دی جائے گی، تو یقیناً وہ صاف نہیں رہے گی، مشکلات کا ایک معما ہی بن جائے گی!

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے ساتھ ہم دو ہی طرح کا سلوک کر سکتے ہیں۔ یا اس کی سچائی تسلیم کریں یا انکار کر دیں۔ اگر ہم اس کی سچائی تسلیم کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ تمام اوصاف بھی تسلیم کر لیں جو اس نے اپنی نسبت بار بار بیان کیے ہیں۔ ان اوصاف میں سب سے پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے سہل ہے کسی اعتبار سے بھی مشکل نہیں۔ پس قرآن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر مشکل اور پیچیدہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی تفسیر، کوئی تاویل، کوئی ایسی بات جس سے اس کی کوئی ایک سورت، کوئی ایک رکوع، کوئی ایک آیت، بلکہ اس کا کوئی ایک لفظ بھی مشکل اور مقدمات طلب بن جائے، قرآن کے لیے سچی تفسیر اور سچی بات نہیں ہو سکتی۔ یقیناً وہ سچی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ قرآن جسے سچ ہونا چاہیے بار بار کہتا ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ (القمر:17)

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ (الدخان:58)

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (الحدید:9)

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾ (الزمر:28)

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ (مریم:97)

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ (الشعراء:192 - 195)

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ (الطارق: 13 - 14)

یعنی قرآن صاف اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کی تعلیم بالکل کھلی ہوئی اور اس کا طریق بیان تمام تر سہل اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ سچائی اس میں گھول دی گئی ہے۔ حقیقت کے لیے اس میں کوئی نقاب نہیں۔ اس کا بیان یک قلم سیدھا سادھا ہے۔ کسی طرح کی ٹیڑھ اور پیچیدگی اس میں راہ نہیں پا سکتی۔ اس کے سمجھنے بوجھنے کے لیے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ دل لگنے والا اور کان سننے والا ہو۔ اسے صرف سن لینا ہی اسے پا لینا ہے، اور اسے دیکھ لینے سے انکار نہ کرنا، اس کی شیفتگی اور عشق کا اقرار ہے!

علاوہ بریں قرآن نے جا بجا اپنے نام گنائے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں "موعظة" ہوں، "ذی الذکر" ہوں، "تبيانا لكل شئ" ہوں، "تذکرہ" ہوں، "ہدی" و "رحمہ" ہوں، اور ظاہر ہے کہ جو بات وعظ ہو، تذکیر ہو، نصیحت ہو، ہدایت ہو، روح و دل کے روگوں کی شفاء ہو، وہ منطق شکلوں کا الجھاؤ اور مقدمات در مقدمات طلسموں کا کارخانہ نہیں ہو سکتی!

7-ضرورت ہے کہ مختصراً اس معاملہ کی توضیح کے لیے ایک دو مثالیں بھی دے دی جائیں:

متکلمین نے جو طریقہ الاہیات میں اثبات مدعا کا اختیار کیا تھا، اس میں سب سے زیادہ ان کا اعتماد حدوث عالم کے اثبات پر تھا، یعنی عالم قدیم (مصطلح فلسفہ) حدوث عالم کے لیے سب سے زیادہ قوی استدلال حرکت اور تغیر کا استدلال سمجھا جاتا تھا بچپنے میں ہم نے یہ شکل رٹی تھی "العالم متغير، وكل متغير حادث، فالعالم حادث" (عالم متغیر ہے، اور ہر چیز جو متغیر ہے، حادث ہے، پس عالم حادث ہے۔) چونکہ متکلمین کے دماغ میں اثبات مدعا کی یہی شکلیں بسی ہوئی تھیں، اس لیے انہوں نے قرآن کے استدلال کو بھی کھینچ تان کر یہی جامہ پہنا دینا چاہا۔ قرآن حکیم نے جس طرح آیت زیر تدبر میں حضرت ابراہیم (علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام) کی ایک "حجۃ" کا ذکر کیا۔ اسی طرح سورہ انعام میں ایک دوسری "حجۃ" کا بھی ذکر کیا: وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ (الانعام: 83) یہ "حجۃ" کیا تھی؟ یہ "حجۃ" وہ تھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشاہدہ "ملکوت السماوات و الارض" کے واردات کا ذکر ہے: فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَءَا كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (الانعام: 76) یعنی حضرت ابرہیم علیہ السلام نے ستارہ، چاند اور سورج دیکھا، اور جب ان میں سے ہر کوکب ڈوب گیا، تو فرمایا: " انی لا احب الافلین " چونکہ اس معاملہ کو قرآن نے " حجۃ " کے لفظ سے تعبیر کیا تھا، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا، متکلمین نے " حجۃ " مستعملہ قرآن کو وہی حجۃ قرار دے دیا تھا جو ان کی مصطلح منطق " حجۃ " تھی اس لیے انہوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے منطقی استدلال کی شکل یہاں بھی چپکا دی۔ مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حدوث عالم پر حرکت و تغیر سے استدلال کیا ہے۔ یعنی ان کی حجۃ بھی یہی تھی کہ " العالم متغیر و کل متغیر حادث " انہوں نے کواکب کے صانع عالم نہ ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ ان میں حرکت ہے۔ حرکت تغیر کو کہتے ہیں، اور جس میں تغیر ہو وہ محدث ہے، اور جو محدث ہے، وہ قدیم نہیں، اور جو قدیم نہیں، وہ صانع نہیں ہو سکتا! اس تفسیر پر ہمارے متکلمین کو اس درجہ وثوق بلکہ فخر ہے کہ حضرت امام رازی تغیر سے استدلال حدوث کو " طریق ابراہیمی " قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں " پہلا حکیم ربانی جس نے اس حکمت سے مخلوق کو آشنا کیا، وہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں "!

ابھی اس سے قطع نظر کیجئے کہ اس استدلال کی کمزوریوں کا کیا حال ہے، اور اس کا صغریٰ و کبریٰ ہی کون سا قطعی اور مسلم ہے کہ نتیجہ قطعی الثبوت ہو۔ اس پر بھی بحث نہ کیجئے کہ اس طرح کا استدلال انبیاء کرام کی طرف منسوب کرنا طریق دعوت نبوت سے کس درجہ نا آشنائی اور حقیقت فراموشی ہے۔ صرف اس بات پر غور کیجئے کہ لغت و عربیت کے لحاظ سے اس تفسیر کا کیا حال ہے؟ آیت کریمہ میں کوکب، چاند اور سورج کا ذکر ہے، اور تینوں کے لیے " افل " کا لفظ آیا ہے۔ متکلمین کی یہ تفسیر " افول " کے معنٰی حرکت و تغیر قرار دیتی ہے اور جب تک یہ معنٰی قرار نہ دیے جائیں، ان گڑھے ہوئے استدلال کی دیوار کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن جزم و قطع کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عربی لغت میں کسی ایسے " افول " کا وجود ہی نہیں جو حرکت و تغیر کے معنی میں تولا جاتا ہو۔ جو " افول " عربی زبان میں مستعمل ہے، اس کے معنٰی تو کسی چیز کے چھپ جانے اور غائب ہو جانے کے ہیں۔" قد افلت الشمس تافل و تافل افولا، ای غابت و احتجبت " اس کے سوا کوئی معنٰی اس لفظ کے مفہوم میں داخل نہیں۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب چاند ڈوب گیا، سورج غروب ہو گیا، تو حضرت ابرہیم نے کہا " انی لا احب الافلین " میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا یہاں حرکت و تغیر کی مصیبت کہاں سے آگئی؟

پھر قیامت پر قیامت یہ ہے کہ " حرکت " سے بھی ان کا مقصود حرکت لغوی نہیں ہے۔ بلکہ حرکت مصطلح فلسفہ ہے۔ یعنی وہ حرکت جو ایک حالت سے دوسری حالت میں انتقال کو کہتے ہیں، خواہ مکان میں ہو یا زمان میں، اور کم میں ہو یا کیفیت میں۔ مثلاً درخت کا نمو بھی حرکت ہے اور یہ حرکت فی الکم ہے۔ اور کسی رنگ کا تغیر بھی حرکت ہے، اور یہ حرکت فی الکیف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر " افول " کے مفہوم میں کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر حرکت کی دلالت پیدا بھی کر لی جائے تو، لغت اور قرآن پر یہ کیسا صریح اتہام ہوگا کہ حرکت کا یہ فلسفیانہ مفہوم ان کے سر تھوپا جائے؟

علاوہ بریں متکلمین اپنے ذوق و تفلسف میں یہ حقیقت بھی بھول گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب جن لوگوں سے تھا، وہ کواکب کو صانع کائنات نہیں سمجھتے تھے کہ ان کے لیے اس مزعومہ استدلال کی ضرورت ہوتی۔ ان لوگوں کا اعتقاد اجرام سماویہ خصوصاً چاند سورج کی نسبت وہی تھا، جو دنیا کی تمام مشرک عقول کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی نسبت رہ چکا ہے اور اب تک ہے۔ یعنی یہ ایسی روحانی اور ملکوتی ہستیاں ہیں جنہیں دنیا کی تدبیر و تصرف میں دخل ہے، اور اس لیے ان کی پرستش ضروری ہے۔ پس جب وہ کواکب کو صانع کائنات سمجھتے ہی نہ تھے، تو ان کے محدث و مخلوق ہونے کے دلائل پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں زور دیتے، اور کیوں قرآن اسے وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ سے تعبیر کرتا؟ ان کے علم میں تو کوئی ایسی بات تھی، جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخیل ہونے کا ابطال ثابت ہوتا، کیونکہ ان کے ہم وطنوں کی اصلی گمراہی یہی تھی۔

یہ محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں، ورنہ یہی ایک تفسیر حقیقت کی توضیح کے لیے کافی تھی کہ متکلمین کے طریقہ نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو بر تو پردے ڈال دیے ہیں اور ان کی ذہنیت معارف قرآنیہ کی روح سے کس درجہ مختلف بلکہ متضاد ہے، فی الحقیقت قرآن حکیم کا یہ مقام من جملہ اہم ترین دلائل قرآنیہ کے ہے، لیکن متکلمین نے ایک دور ازکار اور تقریباً بے معنٰی منطقی استدلال کا جامہ پہنا کر اس کی ساری دلآویزی اور خوبی غارت کر دی ہے، جو کسی طرح بھی اس پر راست نہیں آتا۔ لطف یہ ہے کہ استدلال حضرت ابرہیم علیہ السلام کی طرف اس جوش و سرگرمی کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، گویا ان کے لیے ابراہیم خلیل کی جگہ امام الحرمین یا امام رازی بن جانا کوئی بڑی ہی فضیلت کی بات ہے!

— میں نے یہاں ارسطو کی جگہ امام الحرمین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور امام رازی اس لیے کہا کہ جو بات حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کی گئی ہے ، وہ اتنا وزن بھی نہیں رکھتی ، جس قدر عامہ حکماء کی عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ہے ۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے سچ کہا ہے کہ " متکلمین نے طریق قرآنی اس لیے ترک کیا ، تاکہ فلاسفہ و عقلیین کے ساتھ چل سکیں ، مگر افسوس کہ یہ بھی نہ کر سکے ۔ ان کی خام خیالیوں سے تو پھر حکماء کی باتیں غنیمت ہیں ۔"

یا مثلاً قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے صفات کا ذکر کرتے ہوئے " احد " اور " واحد " کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ " احد " اور " واحد " کے معنٰی اس زبان میں جس میں قرآن نازل ہوا ہے ، اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ یہ صفت ، تعدد کی نفی کرتی ہے ، یعنی وہ ایک ہے ، اکیلا ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں ۔ کوئی عرب یا عربی داں انسان " احد " کا لفظ سن کر اس سے زائد کسی مفہوم کا تخیل ہی نہیں کر سکتا ، لیکن متکلمین نے اس کے لیے فلسفیانہ معنٰی اور التزامات پیدا کر لیے ، اور بلا تکلف انہیں معنٰی میں استعمال کرنے لگے ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ، خدا نے اپنا وصف احد قرار دیا ہے ، احد وہ ہے جو منقسم نہ ہو سکے ، پس معلوم ہوا کہ وہ جسم نہیں ہے کیونکہ اجسام قابل انقسام ہیں ۔ ہمیں بھی اس کا شوق نہیں کہ خدا کی جسمیت ثابت کی جائے ، لیکن یہ قطعی ہے کہ قرآن نے عربی کا لفظ " احد " اس مصطلح متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے ، اور نہ اس انقسام و عدم انقسام کی دقیقہ سنجیوں سے اسے کوئی تعلق ہے۔

یا مثلاً ، عربی کا ایک لفظ " مثل " ہے ۔ " مثول " ہے کے اصلی معنٰی کسی چیز کے نصب ہونے کے تھے ۔ مصور صورت بنا دیتا ہے ، اس لیے اسے ممثل کہنے لگے ۔ " مثل الشئ اي انتصب و تصور " ۔ سورہ مریم میں ہے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ یعنی آدمی کی شکل میں نمایاں ہوا۔

پھر اسی نسبت سے اس کا استعمال مشابہت کے معنوں میں بھی ہونے لگا ۔ فلاں چیز فلاں چیز کے مثل ہے ۔ یعنی اس جیسی ہے ۔ تاج محل کے مثل کوئی عمارت نہیں ۔ یعنی اس جیسی کوئی عمارت نہیں ۔ قرآن نے بھی جا بجا مثل کا لفظ انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔

لیکن جب فلسفیانہ مصطلحات رائج ہو گئیں ، تو " تمثیل " کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتھ ہونے لگا ۔ مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقی اطلاق پیدا کر کے اسے مماثلہ فی الجوہر ، مماثلہ فی الکیفیۃ ، مماثلہ فی الکمیۃ ، مماثلہ فی القدر و الساحۃ ، وغیرہ میں لیے گئے اور اس کے بعد " مثل " مستعملہ قرآن سے بھی وہی استدلال کرنے لگے مثلاً " لیس کمثلہ شي " میں " مثل " کو وہی مثل مصطلحہ قرار دیتے ہیں ، اور اس پر اپنی تمام فلسفہ آرائیوں کی عمارت استوار کرتے ہیں ، وہ کہتے ہیں تمام اجسام مماثل ہیں ، اور جسم وہ ہے جو جواہر فرد سے مرکب ہو ، یا جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے ، اور جس کی مقدار ہو ، پس جب خدا نے فرمایا " لیس کمثلہ شي " تو اس سے ان تمام جسمی (مصطلحہ فلسفہ) مماثلتوں کی نفی ہو گئی جو جواہر میں یا اعراض میں ہو سکتی ہیں ۔" فلو کان جسماً لکان لہ مثل . واذا لم یکن جسماً ، لزم نفي ملزومات الجسم " یقیناً خدا کے مثل کوئی شئے نہیں ، لیکن سوال یہ ہے کہ " لیس کمثلہ شي " میں قرآن نے عربی کا جو لفظ استعمال کیا ہے ، اور اس کو جو مطلب دو سو برس تمام عرب مخاطبین سمجھتے رہے ، وہ کیا تھا ، کیا وہ یہی مثلیث مصطلحہ فلسفہ تھی ؟ حاشا و کلا ۔ عربی میں مثل لفظ کا ٹھیک انہیں سیدھے سادھے معنوں میں بولا جاتا ہے ، جن معنوں میں ہم آج کل اردو میں بولا کرتے ہیں ۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے " تاج محل " آگرہ کے مثل کوئی عمارت موجود نہیں " تو اس سے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مماثلہ فی الجوھر یا مماثلہ فی الکمیۃ ، یا مماثلہ فی الکیفیۃ ، یا مماثلہ فی القدر و المساحۃ ، یا مماثلہ فی ای معنی اصطلاحی فلسفی کی نفی کر رہا ہے ۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایسی خوشنمائی رکھنے والی کوئی دوسری عمارت موجود نہیں ، قرآن نے بھی ٹھیک اسی سادہ اور لغوی معنی میں " مثل " کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ یہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیاں یہاں کہاں سے آ گئیں ؟

یا مثلاً ، عربی کا ایک لفظ " خلد " ہے جس کے معنٰی لغت اور زبان میں طویل عہد کے ہیں ، اور اسی نسبت سے وہ ہیشگی کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے ۔ لیکن یہ ہیشگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بول چال میں ہم کہتے ہیں " یہ آدمی ہمیشہ کلکتہ ہی میں رہے گا " اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ ابد تک رہے گا اور مستقبل میں کوئی وقت ایسا نہیں آئے گا ، جب وہ کلکتہ میں موجود نہ ہو ، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ یہیں ٹھہرا ہوا ہے اور عرصہ تک یہیں ٹھہرے گا ۔ قرآن نے بھی جا بجا اسی معنٰی میں یہ لفظ استعمال کیا ہے ، لیکن بعد کو جب فلسفیانہ بحثیں پیدا ہو گئیں ، تو " خلود " کے معنٰی ایسی ہیشگی کے ہو گئے جس کی کوئی نہایت نہ ہو۔

یا مثلاً عربی میں لفظ " قدیم " کے وہی معنٰی ہیں ، جو اردو میں " پرانے " کے ہیں " یہ مکان بہت قدیم ہے " یعنی بہت مدت سے ہے ۔ لیکن متکلمین نے فلسفیانہ مباحث میں " قدم " و " حدوث " کی خاص مصطلحات اختیار کیں ، اور اس سے " قدیم " کی بھی ایک خاص منطقی تعریف بن گئی ۔ اب کتاب و سنہ کا مستعملہ " قدیم " بھی اسی معنی میں لیا جانے لگا !

افسوس ہے کہ محل اس کا متحمل نہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثالوں کے بیان میں اطناب سے کام لیا جائے۔ ورنہ آپ دیکھئے کہ تفسیر قرآن کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس غیر قرآنی طریق تفسیر سے متاثر نہ ہو چکا ہو، اور اصلیت پر بے شمار پردے نہ پڑ گئے ہوں، اگر آپ صرف امام راغب اصفہانی کی مفردات ہی اٹھا کر دیکھ لیں جو آج کل کے نئے محققین قرآن میں سے اکثر کا توشہ عام ہے، تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نہ صرف قرآن کے مطالب و دلائل کی صورت بدل دی گئی ہے، بلکہ اس کے تمام الفاظ کے لیے بھی ایک نیا فلسفیانہ قاموس ترتیب دے دیا گیا ہے، اور وہ چیز جسے اپنے "عربی مبین" ہونے پر ناز تھا، اب ایک مشکل ترین عجمی چیستاں بن کر رہ گئی ہے!

آیت زیر تدبر

اب جبکہ یہ تمہیدی مطالب ایک حد تک واضح ہو گئے ہیں، آیت زیر تدبر، کی تفسیر نہایت سہل ہے۔ چند سطروں کے اندر تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ البتہ تفسیر سے پہلے چند مبادیات کی مختصراً تشریح اب ضروری ہے:

(1) اس آیت میں قرآن حکیم نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے عہد کے ایک انسان کا مکالمہ نقل کیا ہے۔ سب سے پہلی اور بنیادی غلطی جس کی وجہ سے تما مشکلیں پیدا ہو گئی ہیں، ۔ یہ ہے کہ مکالمہ کی نوعیت ہی غلط سمجھ لی گئی ہے۔ آیت میں "حاج" کا لفظ آیا ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ یعنی کیا تمہیں کسی آدمی کا حال معلوم نہیں جس نے ابراہیم سے پروردگار عالم کے بارے میں حجت کی تھی، چونکہ مفسرین متکلمین کے دماغ میں منطقی طریق مناظرہ و حجت بسا ہوا تھا، اور انبیاء کرام کے حجج و براہین فطریہ کو بھی وہی جامہ پہنانا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اس مکالمہ کو "مناظرہ" مصطلحہ منطق قرار دے دیا، پھر لگے فن مناظرہ کے تمام اصول و آداب اس پر منطبق کرنے، اور جب منطبق نہ ہو سکے تو لا یعنی اور دور دراز کار توجیہیں کرنے لگے۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے پہلی بات جو کہتے ہیں، یہی ہے کہ "و القصه الاولیٰ مناظرة ابراهيم عليه السلام مع ملك زمانه" (جلد2 / 31)

جونہی انہوں نے اس معاملہ کو "مناظرہ" کے لفظ سے تعبیر کیا، حقیقت سے الگ ہو گئے، اور پہلا قدم ہی الٹا پڑ گیا۔ اب جس قدر آگے بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت سے دور زیادہ دور ہوتے جاتے ہیں، اور یکے بعد دیگرے الجھاؤ پر الجھاؤ پڑتے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق "المسئلة الاولیٰ" اور "المسئلة الثانية" اور "الاشكال الاول" اور "الاشكال الثاني" یہاں بھی پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ جاری رکھا ہے، لیکن جب جواب کا موقع آیا ہے، تو پانچ پانچ اور چھ چھ وجوہ اشکال بیان کرنے کے بعد ایک شافی جواب بھی نہیں دے سکتے، اور ایک ایسے طریقہ سے جو پڑھنے والے کو حیرت و ارتیاب میں غرق کر دیتا ہے، رخصت ہو جاتے ہیں!

امام رازی کے بعد جس قدر مفسرین پیدا ہوئے، سب نے اس مکالمہ پر اسی حیثیت سے نظر ڈالی۔ البتہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ میں سے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ سلف کے طریق تفسیر سے آشنا ہو چکے تھے، اس لیے ان موشگافیوں میں نہیں پڑے۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیا" وهذا التنزيل علي هذا المعني احسن مما ذكره كثير من المنطقيين" (حاشیہ فتح البیان جلد 2 : 156)

یعنی یہ مطلب اس سے کہیں بہتر ہے جو بہت سے منطقیوں نے قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ منطقیوں کے طریقہ سے الگ رہ کر بھی وہ پوری طرح ان کی لغزشوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یعنی اس الجھاؤ سے وہ بھی نہ نکل سکے جو حضرت ابراہیم کے ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار کرنے کے معاملہ میں پڑ گیا تھا۔

یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ متاخرین کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے متقدمین کس طرح محفوظ تھے، امام ابن جریر طبری کی تفسیر پر نظر ڈالیے جو محدثین کے صاف اور سادہ طریق پر روایات جمع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے سرے سے یہ فتنہ انگیز لفظ "مناظرہ" استعمال ہی نہیں کیا ہے۔ وہ "حاج ابراهيم في ربه" کا ترجمہ "الذي خاصم ابراهيم في ربه" کرتے ہیں، جو فی الحقیقت اس محل کے لیے قرآن کا بتلایا ہوا لفظ ہے، اور پھر سیدھا سادھا مطلب بیان کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

یہ واضح رہے کہ ہمیں یہاں مناظرہ کے لغوی اطلاق سے اختلاف نہیں ہے، بلکہ اصطلاحی اور وضعی اطلاق سے اختلاف ہے۔ وضعی علوم کی اصطلاح میں "مناظرہ" ایک خاص فن ہے جس میں مباحثہ کے اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں، اور اس کا مقصود اسکات خصم ہے۔ یعنی جھگڑنے والے کو چپ کرا دینا۔ نہ یہ کہ اس کے شکوک دور کر دینا۔ نہ صرف یہ کہ انبیاء کرام کا طریق بیان یہ نہیں ہوتا، بلکہ قرآن بتلاتا ہے کہ کسی طالب حق کا بھی طریقہ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ طلب حق اور علم حقیقت کی راہ نہیں ہے "جدل" اور "خصومت" کی راہ ہے۔ اب غور کیجئے۔ یہ کیسی مصیبت ہے کہ جس طریق بحث و کلام کو قرآن مذموم ٹھہراتا ہے۔ اسی کو ہمارے مفسرین متفلسفین محمود و مطلوب قرار دیتے ہیں، اور قرآن کے تمام دلائل اور انبیاء کرام کے تمام مکالمات و مخاطبات کو اسی شکل و صورت میں آراستہ کرنا چاہتے ہیں، اور پھر ذہن کی اس کجی اور فکر کے اس مرض کو علم و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معرفت کی ایک ایسی عظمت سمجھتے ہیں جسے ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ و السلام کے منہ سے نکلوا دینا ، ان کی بزرگی کی بڑی ہی دلیل اور ان کے مرتبہ نبوت و خلت کی بڑی کی خوبروی ہے !

اس سے بھی بڑھ کر اعجب العجائب معاملہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اس مقام پر جس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے ، وہ یہی ہے کہ انبیاء کرام کا طریق دعوت " ہدایت " کا طریقہ ہوتا ہے " جدل " و " خصومت " کا نہیں ہوتا ۔ چنانچہ حضرت خلیل نے باوجود اس کے کہ ایک الد الخصام کج بحثی کرنے لگا تھا ، سر رشتہ ہدایت ہاتھ سے نہ چھوڑا ، اور مجادلانہ نزاع کی جگہ طریقے ہدایت سے اسے اعتراف حق پر مجبور کر دیا۔ لیکن متکلمین ہیں کہ عین اسی مقام کو مجادلانہ انداز استدلال کی شکل دے رہے ہیں ، اور بڑی کوہ کندنیوں اور کاہ بر آوردنیوں کے بعد ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے ۔ بالکل اس سے الٹی ہے ۔ یعنی طریق ، طریق جدل اور مناظرہ ہے ۔ نہ کہ ارشاد الی الحق اور ہدایت الی المقصود !

تفسیر کبیر کا یہ پورا مقام پڑھ جایئے ۔ معلوم ہوتا ہے ، حضرت خلیل اور نمرود کا مکالمہ منطقیوں کی ایک اچھی خاصی مجلس مناظرہ ہے ۔ ایک طرف نمرود بیٹھا ہے ، اور ایک پختہ کار فلسفی کی طرح شفاء اور اشارات کے تمام مباحث رٹ چکا ہے ۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور امام رازی اور قاضی عضد کے علم کلام کا ایک ایک لفظ نوک زبان رکھتے ہیں ۔ نمرود ایک سوال کرتا ہے ۔ یہ اس کا جواب دیتے ہیں ۔ وہ ان کے جواب کا توڑ کرتا ہے ، اور نئے مقدموں میں الجھانا چاہتا ہے ۔ یہ ایک شاطر مناظر کی طرح فوراً پینترا بدلتے ہیں ، اور انہی مقدمات کے داؤ سے اسے گرا دینا چاہتے ہیں ۔ وہ سبب اور واسطہ کے طرف رخ کرتا ہے ۔ یہ حرکت افلاک کا پیچ کس دیتے ہیں ۔ سبحان اللہ !

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت نبوت نہ ہوئی ۔ میر زاہد اور سیالکوٹی کا مباحثہ ہو گیا ! حاشا و کلا کہ انبیاء کرام جو تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے لیے آتے ہیں ، یہ مجادلانہ انداز سخن اور مخاصمانہ طریق مخاطبت رکھتے ہوں ۔ اگر ایک لحہ کے لیے بھی یہ طریق تفسیر تسلیم کر لیا جائے تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لینا پڑے گا کہ دنیا کے سارے نبیوں اور رسولوں کی سب سے بڑی بڑائی یہ تھی کہ وہ منطقی اور متکلم ہوں ۔ لیکن اگر یہی معیار نبوت ہے ، تو دنیا کا سب سے بڑا نبی ارسطو تھا جس نے سب سے پہلے منطق کے اصول و قواعد سے دنیا کو آشنا کیا ، نہ کہ ابراہیم خلیل اور محمد بن عبد اللہ علیہما الصلوٰۃ و السلام ، جن کا لکھنے پڑھنے کے طریقے سے آشنا ہونا بھی ثابت نہیں !

(2) اب غور کیجئے ۔ اس مکالمہ کو " مناظرہ " قرار دے کر کس طرح انہوں نے اپنے آپ کو مشکلات کے حوالہ کر دیا ہے ؟ اگر یہ " مناظرہ " ہے ، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی فضیلت یہی ہے کہ مناظرین کی طرح مخاطب کو سخن پروری میں ہوا دیں ، تو ضروری ہے کہ مناظرہ کے جو اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں ، انہیں کسی نہ کسی طرح اس مکالمہ پر منطبق کیا جائے ۔ مصیبت یہ ہے وہ منطبق نہیں ہوتے ۔ کیونکہ سرے سے یہ مناظرہ مصطلحہ قوم تھا ہی نہیں ۔ نتیجہ یہ ہے کہ مشکلات کا کوئی تشفی بخش حل نظر نہیں آتا ۔ فن مناظرہ وضعیہ کے لحاظ سے پہلی چیز فریقین کی حیثیت کا تعین ہے ۔ یعنی ان میں سے کون مدعی ہے ، کون منکر ۔ کون مثبت ہے ، کون منفی ۔ پھر مستدل کے واجبات ہیں ، اور مجیب کے فرائض ہیں ۔ جو مدعی ہو ، اسے دلیل پیش کرنی چاہیے جو منکر ہو ، اسے توڑ کرنا چاہیے ۔ چونکہ مقصود اس تمام کارخانہ سے اسکات خصم ہے ۔ یعنی مخاطب کو چپ کرا دینا ، اس لیے تمام اصول و آداب اسی محور کے گرد حرکت کرتے ہیں ۔ امام رازی نے جب اسے مناظرہ قرار دیا ، تو ضروری ہوا کہ پوری بات اسی سانچے میں ڈھال کر دکھا دی جائے ۔ بات اس سانچے میں ڈھلتی نہیں ۔ بس ساری مشکلیں اسی سے پیدا ہو گئی ہیں۔

آپ خود اپنے استفسار میں لکھتے ہیں :

" یہ در اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ہے ، جس میں نمرود کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور حضرت ابراہیم اس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔"

یہ جو آپ نے " در اصل مناظرہ ہے " کہہ دیا ، بس یہی تمام فساد کی جڑ ہے " مناظرہ ہے " تو حضرت ابراہیم کی حیثیت ایک مناظر کی ہے ، اگر وہ مناظر ہیں ، تو چاہیے کہ ان قواعد کلام سے سرمو تجاوز نہ کریں جو فن مناظرہ کے ساختہ پرداختہ ہیں ۔ یا مثلاً رشیدیہ میں درج ہیں اور چاہیے کہ بد بخت نمرود بھی انہی مقدمات اور مبادیات کے مطابق سرگرم ضلالت و شقاوت ہو ، جو ہم شرح مواقف وغیرہ میں پڑھ چکے ہیں ! "

امام رازی اور متکلمین کے اصول تفسیر یہی ہیں ، اور آپ بھی انہی کے قدم بہ قدم چلنا چاہتے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام " مناظر " مصطلحہ قوم کیوں ہوں ؟ اور اگر وہ مناظر ہوں ، تو کیوں ان تمام گڑھے ہوئے قاعدوں کے پابند ہوں ؟ جو علوم وضعیہ کی تدوین کے بعد ہم نے اپنے اوپر لازم کر رکھے ہیں ؟ کون سی عقل کی قطعیت اور وحی کی تنزیل موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ان قواعد کلام کی پابندی کرنی چاہیے جو مناظرہ رشیدیہ میں ہم رٹ چکے ہیں ، یا جنہیں بحر العلوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے حواشی میں لکھا ہے ؟" مناظر کے لیے یہ جائز نہیں " اور " متدل کے لیے یہ ضروری ہے ۔" سوال یہ ہے کہ کیوں جائز نہیں ؟ کیوں ضروری ہے ؟ اور کیوں ان اصول موضوعہ اور قواعد مصنوعہ " انزل اللہ بھا من سلطان " کے انبیاء و رسل پابند ہوں ؟ کیوں ان کے لیے جائز نہ ہو کہ سرمو ان سے تجاوز کریں ؟ کیا مصیبت ہے کہ قرآن عربی زبان میں اترتا ہے ۔ تمام فصحا قریش اس کی فصاحت کے آگے سر بسجود ہو جاتے ہیں ۔ لیکن چار سو برس کے بعد ہمارے مفسرین بحث کرتے ہیں کہ سیبویہ اور کسائی کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق وہ ٹھیک ہے یا نہیں ؟

چار ہزار برس پہلے ایک داعی الی الحق فطرت الٰہی اور وجدان انسانی کے مطابق رشد و ہدایت کا دروازہ کھولتا ہے اور ایک منکر حق کو شک و انکار کی جگہ یقین کی راہ دکھلا دیتا ہے ، لیکن پانچویں صدی ہجری میں امام رازی آ کر بحث کرتے ہیں کہ منطقی طریق مناظرہ کے مطابق یہ مکالمہ صحیح ہے یا نہیں ؟ اور پھر چودھویں صدی میں آپ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشکلات حل نہیں ہوتیں ۔ مشکلات حل ہوں تو کیسے ہوں جب صدیوں سے مشکلات ہی کو بلاوا دے دے کر سمیٹا گیا ہے ، اور اصلیت کی سادگی وضعیت اور صناعت کی کج اندیشیوں اور پیچیدگیوں کے اندر گم ہو گئی ہے ؟

(3)ایک دوسری بنیادی غلطی جو یہاں الجھاؤ پیدا کر رہی ہے ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخاطب کی اعتقادی حیثیت ہے ۔ مفسرین سے ایک سخت تسامح قرآن حکیم کے ان مقامات کی تفسیر میں ہوا ہے ۔ جہاں بابل کے اس بادشاہ کا (جسے نمرود کہتے ہیں) اور مصر کے فرعون کا (جو کچھ بھی اس کا نام ہو) ذکر کیا گیا ہے ۔ قرآن حکیم نے ان کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے ، جن سے معلوم ہوتا کہ وہ اس خدا کے اقرار سے منکر تھے جس کی دعوت حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے ان کے سامنے پیش کی تھی ، اور خود اپنی خداوندی اور خداوندی کی طاقتوں کا دعویٰ رکھتے تھے ۔ چونکہ مفسرین کے پیش نظر صحیح تاریخی معلومات نہ تھیں ، اس لیے وہ صحت کے ساتھ اس کا انکار اور ادعا کی نوعیت متعین نہ کر سکے ۔ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ دونوں بادشاہ اپنی خدائی کے اس معنٰی میں مدعی تھے کہ وہی صانع کائنات ہیں ۔ چنانچہ دونوں مقامات کے تمام مکالمات و مخاطبات میں فریق ثانی کی یہی اعتقادی حیثیت قرار دی گئی ہے اور اسی لیے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کے تمام دلائل و ارشادات اسی پہلو سے دیکھے جاتے ہیں ۔ چونکہ یہ بات حقیقت حال کے خلاف ہے ۔ اس لیے اس کی وجہ سے طرح طرح کے نئے الجھاؤ پیدا ہو گئے ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف دنیا کی تاریخی معلومات کی بناء پر ، بلکہ خود قرآن حکیم کی تصریحات کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ وہی صانع کائنات ہے ۔ ایسا دعویٰ کرنا بلکہ ایسے ادعا کا تخیل کرنا فطرت انسانی کے اس درجہ خلاف ہے کہ کوئی انسانی ہستی اس کی جرات ہی نہیں کر سکتی۔

تحریر اندازہ سے زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے ، اس لیے اس مقام کے دلائل و مباحث درج نہیں کیے جا سکتے ۔ حقیقت حال سمجھنے کے لیے حسب ذیل اشارات کافی ہوں گے :

اولاً ، نوع انسانی نے خدا کی صفات کے تصور میں جو ٹھوکریں کھائی ہیں ، من جملہ ان کے ایک عالمگیر گمراہی شاہیت و الوہیت کا تشابہ ہے ۔ یعنی شاہیت کے اختیارات نے بھی مافوق الفطرت اختیارات کی حیثیت اختیار کر لی تھی ۔ جب کبھی کوئی انسان غیر معمولی جسمانی قوتوں سے مخالفوں کو زیر کر کے بادشاہ بن جاتا ، لوگ خیال کرتے ہیں ، وہ دیوتاؤں کا انسانی مظہر ہے ، بلکہ خود بھی دیوتا ہے ۔ پھر جب شاہیت نے نسل و خاندان کے سلسلہ کی صورت اختیار کر لی ، تو کسی انسان کا شاہی نسل سے ہونا ، اس کے دیوتائی رشتوں کی دلیل سمجھا جانے لگا ۔ رفتہ رفتہ اس خیال نے پوری طرح ایک عام عقیدہ کی نوعیت پیدا کر لی بادشاہ انسان نہیں ہے ۔ انسانیت سے بلند تر ہستی ہے ۔ اس کی طاقت بھی الٰہی طاقت ، اور اس کا حکم بھی حکم خداوندی ہے۔

قرآن حکیم نے بابل اور مصر کے جن دو بادشاہوں کا حال بیان کیا ہے ، ان کی اور ان کے قوم کی گمراہی یہی تھی ۔ وہ اپنی قوم میں ایک دیوتا کی طرح مانے جاتے تھے ۔ اس لیے نہیں کہ ان دو انسانوں نے خصوصیت سے اس کا دعویٰ کیا تھا ، بلکہ اس لیے کہ بادشاہ تھے اور بادشاہ کے لیے ایسا ہی اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔

ثانیاً ، اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ مفسرین کا یہ سمجھنا کہ فرعون اور نمرود نامی دو انسان خدائی کے مدعی تھے ، صحیح نہیں ہے ۔ جس طرح کے یہ خدائی کے مدعی تھے ، اسی طرح کی خدائی کا اعتقاد اس عہد کے بے شمار بادشاہوں اور بادشاہی کے سلسلوں کے لیے رہ چکا ہے ۔ ہندوستان میں بھی بادشاہ کے لیے ایسا ہی اعتقاد موجود تھا ۔ حتیٰ کہ ان کا سلسلہ نسب چاند سورج سے ملا دیا گیا تھا۔ تاتاریوں کی ابتدائی تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے ۔ بنو اسرائیل نے جب فلسطین اور شام پر قبضہ کیا تو جو قومیں وہاں آباد تھے ، ان کا بھی اپنے بادشاہوں کی نسبت ایسا ہی خیال تھا ۔ خود قرآن اور تورات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصری زندگی کے جو واقعات بیان کیے ہیں ، ان کا تعلق بھی ایک بادشاہ سے نہیں ہے ۔ دو بادشاہوں سے ہے جو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے تھے ، ایک فرعون وہ ہے جس کے محل میں حضرت موسیٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوئے۔ دوسرا وہ ہے جو ان کا تعاقب کرتا ہوا خلیج سویز میں غرق ہوا۔ اگر فرعون کے ادعاء الوہیت سے مقصود یہ ہوتا کہ وہ کسی ایک انسان کا شخصی ادعا تھا، تو ظاہر ہے، بغیر کسی امتیاز کے دونوں کی نسبت ایک ہی طرح کی ادعائی ذہنیت قرآن کیوں ظاہر کرتا؟ در اصل قرآن نے اسی لیے ان کے ناموں کی جگہ ان کا عام لقب " فرعون " استعمال کیا۔ کیونکہ کسی ایک بادشاہ کا تمرد و طغیان دکھلانا مقصود نہیں تھا۔ تمام فراعنہ کا طغیان دکھلانا مقصود تھا۔

بہر حال قرآن حکیم نے ان دونوں بادشاہوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ انسانی گمراہی کی ایک خاص حالت کا نمونہ دکھلا دے۔ اس نوع کی گمراہی کے لیے یہ کامل قسم کے نمونے تھے اس لیے انہی کو بطور مثال کے چن لیا گیا۔ باقی رہے فرعونوں کے وہ متکبرانہ اور مداعیانہ اقوال جو قرآن حکیم نے نقل کیے ہیں، تو ان میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو خدا بمعنیٰ صانع کائنات سمجھتے تھے چونکہ مفسرین نے یہی مطلب ٹھہرا لیا تھا، اس لیے ان کی نظر آیات کے صاف صاف مطلب کی طرف نہیں گئی۔ دوسری وادیوں میں پہنچ گئے۔ لیکن یہ محل تفصیل کا نہیں ہے۔

ثالثاً آیت زیر تدبر میں جس بادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی شخصیت بھی صحیح طور پر متعین نہیں کی گئی۔ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ نمرود تھا۔ لیکن بابل اور نینوا کے آثار قدیمہ سے جس قدر معلومات فراہم ہو چکی ہیں۔ ان سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی " نمرود " سے مقصود وہ بادشاہ ہے، جس کے خاندان نے سب سے پہلے بابل پر حکمرانی کی تھی۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ مشہور شخص " آور " پنجم تھا جس کے سوانح حیات کی منقش اینٹیں جرمن وفد کی کوششوں سے سنہ 1904ء میں برآمد ہوئی ہیں۔ ان اینٹوں کی عبارت سے جو خط مسماری میں کندہ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ نمرود اور اس کے خاندان کا زمانہ دو ہزار سات سو برس قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حساب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ظہور نمرود سے کئی سو برس بعد ہوا ہے۔ ان کے زمانہ میں نہ صرف نمرود کی، بلکہ اس کے خاندان کی بھی حکومت باقی نہیں رہی تھی۔

خاندان نمرود کے دو سو برس بعد بابل میں ایک نیا سلسلہ شاہی قائم ہوا جسے " ایلامی " خاندان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس خاندان کا ایک بادشاہ دو ہزار تین سو برس قبل مسیح بابل میں حکمران تھا جس کا نام " کا دولا اومر " تھا۔ غالباً یہی بادشاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، اور اسی سے ان کا یہ مکالمہ ہوا ہے۔ بابل کے آثار میں اس بادشاہ کی تصویریں اور بعض فرامین کی اینٹیں بھی ملی ہیں۔ ان کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود سر اور جبار تھا۔ اس کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ آسمانی دیوتاؤں کا قہر و جبروت اس کے اندر مجسم ہو گیا ہے۔ یہ اوصاف ٹھیک ٹھیک اس متکبرانہ انداز سخن کے مطابق ہیں جو اس مکالمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح عربوں میں شاہان روم، قیصر ایران کسریٰ، اور شاہان مصر فرعون کہے جاتے تھے، اسی طرح بابل کے بادشاہوں کے لیے " نمرود " کا لفظ بطور لقب مشہور ہو گیا تھا۔ یہ تلقب بے اصل بھی نہ تھا، کیونکہ جس طرح روم میں سیزر اور ایران میں خسرو بادشاہوں کا نام رہ چکا تھا، اسی طرح بابل کے پہلے فرمانروا کا نام نمرود تھا۔ پس جب ابتداء میں جب لوگوں نے یہ کہا ہو گا کہ مکالمہ نمرود سے ہوا، تو ان کا یہ مقصد ہو گا کہ بابل کے ایک بادشاہ سے ہوا۔ یہ مطلب نہ ہو گا کہ نمرود نامی انسان سے ہوا تھا۔

رابعاً، یونانی مورخوں کے بیانات اور علم الآثار کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بابل کواکب پرست تھے۔ اسی کواکب پرستی نے انہیں علم ہیئت کے علمی مبادیات سے آشنا کیا تھا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اجرام سماویہ کائنات کی ایسی ملکوتی ہستیاں ہیں جنہیں تدبر و تصرف عالم کی تمام قوتیں حاصل ہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، ان میں سات ستارے بڑے دیوتا ہیں، اور سورج ان سب میں بڑا ہے۔ آج کل علم نجوم کے نام سے جو خرافات دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ ہندوستانی اور بابل ہی کی کواکب پرستی کا بقایا ہیں۔ اپنے بادشاہوں کی نسبت ان کا بھی وہی اعتقاد تھا، جو اس عہد کی تمام قوموں کا رہ چکا ہے۔ یعنی وہ سورج دیوتا کے زندہ مظہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کی تقدیس بھی اسی طرح کی جاتی تھی، جیسی تمام دیوتاؤں کی کی جاتی تھی۔

(3) مکالمہ کے آخر میں ہے " فبهت الذي كفر " یعنی جب حضرت ابراہیم نے دوسری دلیل پیش کی تو مجادل کچھ نہ کہہ سکا۔ ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ مفسرین نے اس مکالمہ کو منطقی مناظرہ بنا دیا تھا۔ مناظرہ اور جدل کا ماحصل یہ ہے کہ مخاطب کو لاجواب کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے " فبهت الذي كفر " کا مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم کی دوسری دلیل کے جواب میں وہ کوئی بات نہ بنا سکا۔ اس لیے مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابراہیم کی بات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکا تھا اور شوخ چشمی اور کج بحثی کی جگہ اس پر حیرانگی کی حالت طاری ہو گئی تھی، لیکن یہ حیرانی محض اس بات کا نتیجہ نہ تھی کہ وہ سخن پروری میں لاجواب ہو گیا تھا۔ کیونکہ ابھی تفصیل کے ساتھ آپ سن چکے ہیں کہ انبیاء کرام کی مخاطبت بات میں لاجواب کر دینے کے لیے نہیں ہوتی یقین و ایمان کے لیے ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس اس کے مبہوت ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم کی دوسری بات اس کے دل میں اتر گئی۔ پہلی بات پر تو اس نے مجادلانہ کج بحثی کر کے جواب دے دیا تھا۔ کیونکہ اپنے جہل و ضلالت کی وجہ سے اس حقیقت سمجھ نہ سکا تھا لیکن دوسری بات اس کی فکری اور اعتقادی استعداد کے مطابق کچھ ایسی دل کو لگتی ہوئی تھی کہ سنتے ہی متاثر ہو گیا، اور تیر نشانہ پر لگ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ یعنی وہ سچائی جسے اپنی کور چشمی کی وجہ سے اب تک نہیں دیکھ سکا تھا، اب یکایک اس کے سامنے چمک اٹھی، اور باوجود کمال تمرد اور ضلالت کے اس میں جھٹلانے اور شوخ چشمی سے کج بحثی کرنے کی جرات باقی نہ رہی!

آیت زیر تدبر کی تفسیر

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

" اے پیغمبر! کیا تمہیں اس شخص کا حال معلوم نہیں جس نے محض اس وجہ سے کہ خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی، جہل و غرور میں سر شار ہو کر ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی؟ جب ابراہیم نے کہا: میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ تو اس نے کہا، یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ میں جسے چاہوں مار دوں جسے چاہوں زندگی بخش دوں۔ اس پر ابراہیم نے کہا: اچھا اگر ایسا ہی ہے تو خدا ہمیشہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تم مغرب سے نکال دکھاؤ! یہ سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ ظلم کرنے والوں پر ہدایت کی راہ کبھی نہیں کھلتی!"

سب سے بڑا الجھاؤ جو اس آیت کی تفسیر میں پڑ گیا ہے، وہ حضرت ابراہیم کا انداز سخن ہے۔ جب مخاطب نے ایک ایسی بات کا جواب میں جو اثبات مدعا کے لیے قطعی اور نہایت درجہ واضح تھی، جہل و غرور سے ایک نہایت لغو بات کہہ دی، تو حضرت ابراہیم نے نہ تو اپنی بات کی مزید تشریح کی، نہ مخاطب کو اس کے جہل و نافہمی پر متنبہ کیا، بلکہ فوراً پہلی بات چھوڑ کر دوسری بات کہہ دی فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ۔ الخ مفسرین نے طرح طرح کی توجیہیں کی ہیں، مگر سر رشتہ تفسیر میں کچھ ایسی گرہ پڑ گئی ہے کہ کوئی ناخن تاویل بھی اسے نہیں کھول سکتا۔ بڑی تحقیق کی بات جو حضرت امام رازی نے ڈھونڈھ نکالی ہے، یہ ہے کہ یہ دو مختلف دلیلیں نہیں تھیں۔ ایک ہی دلیل کی مختلف مثالیں تھیں۔ لیکن اول تو دونوں دلیلوں میں ربط و مناسبت پیدا کرنے کے لیے سبب و واسطہ اور حرکت افلاک کی بحثیں پیدا کی گئی ہیں، اور وہ اس قدر دور از کار اور بے معنی ہیں کہ انہیں تسلیم کر لینا قرآن کو قرآن کی جگہ کوئی دوسری چیز بنا دیا ہے۔ ثانیاً، خود امام صاحب چار سطر پہلے معترض کی زبانی ہمیں سنا چکے ہیں کہ رجوع خواہ دلیل سے کیا جائے خواہ مثال سے، متدل کے لیے ضروری ہے کہ معارض کے جواب کی غلطی ظاہر کر دے، ورنہ اس کا عجز ثابت ہو جائے گا۔ پس اگر دلیل کو مثال بنانے کی یہ ساری مصیبت گوارہ بھی کر لی جائے، جب بھی بات بنتی نہیں۔ اعتراض جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ساری مصیبت اسی لیے پیش آئی ہے کہ اس مکالمہ کو منطقی " مناظرہ " قرار دے دیا گیا ہے۔ مناظر کا مقصود انکشاف حق نہیں ہوتا۔ اسکات خصم ہوتا ہے۔ اس لیے مناظر کا فرض ہوتا ہے کہ ایک بات پیش کر کے اس پر اس طرح جم جائے کہ خواہ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائیں، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اگر مخاطب کی سمجھ ساتھ نہیں دیتی، تو ہزار مرتبہ نہ دے، اس کی بلا سے۔ وہ اس کا جہل ثابت کر دے گا، اور مخاطب کا جہل ثابت کر کے اسے ذلیل اور لا جواب بنا دینا ہی اس کی بڑی سے بڑی جیت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ جو بات مخاطب کے ذہن نشین کرنی تھی، وہ اس کے دل میں اتر سکی یا نہیں، تو مناظر کو تو نہ اس کی پرواہ ہوتی ہے، نہ فن مناظرہ کا یہ مقصود ہے مناظر صرف یہ چاہتا ہے کہ مخاطب کو میدان سخن میں ہرا دے۔ یہ مقصود جس طرح بھی حاصل ہو جائے، اس کی جیت ہے۔ ہمارے متکلمین کی نظر میں چونکہ انبیاء کرام کی بھی سب سے بڑی فضیلت یہی تھی کہ وہ مناظر اور منطقی ہوں، اس لیے اسی اعتبار سے اس مکالمہ پر بھی نظر ڈالتے ہیں، اور قدرتی طور پر چاہتے ہیں کہ ایک شاطر مناظر کی طرح حضرت ابراہیم بھی اپنی بات پر اڑ جاتے، اور خواہ ان کا مخاطب سمجھ سکتا یا نہ سمجھ سکتا، یہ اسی پر لڑتے جھگڑتے رہتے اگر اس جہل و غرور سے ایک لغو بات کہی تھی، تو چاہیے تھا کہ یہ اس کی لغویت اور جہالت پر ایک لمبی چوڑی تقریر فرماتے۔ پھر اگر وہ اس کے جواب میں کوئی بھی بکواس کر دیتا۔ تو یہ اس کے جواب الجواب میں آستینیں چڑھا لیتے، یہاں تک کہ صرف اپنی دلیل کی شرح و توضیح اور رد جواب ہی میں شام کر دیتے!

لیکن ہمارے مفسرین بھول گئے۔ انہیں یاد نہیں رہا کہ ابراہیم خلیل، داعی حق تھے۔ مناظر و مجادل نہ تھے اور اسی ایک بنیادی فرق نے ان کی راہ مناظرہ و مجادلہ کی ساری راہوں سے الگ کر دی تھی۔ ان کا کام تھا کہ برگشتہ دلوں کو سچائی کی راہ دکھا دیں۔ وہ دلیلوں کے تحفظ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے بلکہ حق اور ایمان کی حفاظت کے لیے لڑتے تھے ۔ اس مکالمہ میں حضرت ابراہیم نے صرف اتنا ہی کیا کہ ایک بات چھوڑ کر دوسری بات کہہ دی ، اور اسی پر ہمارے مفسرین چراغ پا ہو رہے ہیں ۔ لیکن انہیں معلوم نہیں ، انبیاء کرام کا طریق دعوت تو یہ ہے کہ اگر نو سو ننانوے باتیں چھوڑ دینی پڑیں ، اور ہزارویں بات سے مخاطب کے اندر فہم و بصیرت پیدا ہو سکے ، تو انہیں ایسا کرنے میں تامل نہ ہوگا ، وہ ایک کے بعد ایک سینکڑوں باتیں چھوڑتے چلے جائیں یہاں تک کہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھل جائے اور حقیقت اور سچائی کی جھلک دیکھ لے !

طبیب اور داعی

افسوس ، قرآن کہاں لے جانا چاہتا تھا ، اور دنیا نے اسے سر پر رکھ کر کدھر رخ کیا ! ہمارے مفسرین ، متکلمین ارسطو کی منطق اور یونانیوں کی دانش فروشیوں میں ایسے گم ہو گئے کہ انہیں دوسری راہوں کی خبر ہی نہ رہی ۔ حالانکہ دنیا میں صرف مناظر اور منطقی ہی نہیں ہوتے ، طبیب اور معالج بھی ہوتے ہیں طبیب کا فرض کیا ہوتا ہے کہ مریض سے اس کی جہالت اور نادانی کی ایک ایک بات پر لڑے اور مناظرہ کرے ؟ نہیں ، ہزار بار نہیں ۔ اگر طبیب ، طبیب صادق ہے ، تو اس کی ساری قابلیت صرف اسی ایک نقطہ میں مذکور رہے گی کہ کسی طرح مریض کو شفا حاصل ہو جائے ، اور کسی طرح موت کی جگہ زندگی کا دروازہ کھل جائے ۔ بسا اوقات ایسا ہو گا کہ وہ مریض کے لیے ایک غذا تجویز کرے گا اصول طب کے لحاظ سے غذا بہترین غذا ہو گی ۔ لیکن طبیب بہتر نسخہ اور بہتر غذا تجویز کر سکتا ہے ، معدہ خلق نہیں کر دے سکتا ۔ بہت ممکن ہے ، مریض کا معدہ اتنا قوی نہ ہو ، کہ اس درجہ کی مقوی غذا کا متحمل ہو سکے ۔ جونہی طبیب کو معلوم ہو گا کہ میری تجویز کی ہوئی غذا اسے پچ نہیں سکتی ، وہ فوراً اسے ترک کر دے گا ، اور دوسری غذا تجویز کر دے گا ۔ اگر دوسری غذا بھی مریض ہضم نہ کر سکا ، تو عجیب نہیں تیسری غذا تجویز کر دے گا بلکہ ہو سکتا ہے ، چوتھی اور پانچویں تک نوبت پہنچے ۔ جب تک مریض غذا ہضم نہ ہو سکنے کی شکایت کرتا رہے گا ، طبیب غذا بدلتا رہے گا وہ کبھی بھی یہ نہیں کرے گا کہ ایک ہی غذا تجویز کر کے اس پر اڑ جائے ، اور خواہ بد بخت مریض ہضم کر سکے یا نہ کر سکے ! یہ وہی لقمے اس کے حلق میں ٹھونستا رہے گا ۔ اگر ایسا کرے گا ، تو یقیناً وہ طبیب نہ ہو گا ، نوع انسانی کا سب سے زیادہ جاہل فرد اور سب سے بڑا قاتل ہو گا !

انبیائے کرام کے اعمال دعوت کے لیے اگر انسانوں کے کسی عمل سے مشابہت پیدا کی جا سکتی ہے ، تو وہ حکماء کی حکمت اور مناظرین کا مناظرہ نہیں ہے ۔ اطباء کا معالجہ ہے ۔ طبیب جسم کا علاج کرنا چاہتا ہے ۔ انبیاء روح و دل کے روگ دور کرنا چاہتے ہیں ۔ ان کا سلوک بھی اپنے مریضوں کے ساتھ ہمیشہ ویسا ہی ہوتا ہے ۔ جیسا کہ ایک طبیب کا ہونا چاہیے ۔ وہ مریض سے مناظرہ کرنا نہیں چاہتے ۔ اسے تندرست کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ بسا اوقات علم و یقین کی ایک دماغی غذا مریض کے سامنے رکھتے ہیں ۔ غذا ہر طرح سے مفید اور بہتر سے بہتر ہوتی ہے ۔ لیکن انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ جہل و ضلالت نے مریض کی فکری حالت اس درجہ خراب کر دی ہے کہ ، یہ غذا اس کا دماغ ہضم نہیں کر سکتا ۔ یعنی اس کی سمجھ کی کجی اور دل کی گمراہی ساتھ نہیں دیتی جونہی انہیں اس حالت کا احساس ہوتا ہے ۔ ایک طبیب حاذق کی طرح فوراً غذا بدل دیتے ہیں ، اور کوئی دوسری غذا جو اس کا معدہ فکر ہضم کر سکے ۔ سامنے رکھ دیتے ہیں ، انہیں اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی کہ پہلی غذا کیوں بدلنی پڑی ؟ اس لیے کہ مقصود کسی خاص غذا کا کھلا دینا نہیں ہے ، بلکہ ایسی غذا کھلانا ہے جو مریض ٹھیک طور پر ہضم کر سکے ۔ ہضم کی استعداد کے لحاظ سے ہر مریض کی حالت یکساں نہیں ہوتی ۔ ایک مریض کے لیے دودھ سے زیادہ زود ہضم غذا کوئی نہ ہو گی ۔ لیکن یہی دودھ دوسرے مریض کے لیے نا قابل ہضم ہو گا ۔ جو حال جسم کے لیے معدہ کا ہے وہی حال دماغ کے لیے فکر کا ہے ذہن و فکر کا ایک بیمار ایسا ہو گا جو ایک خاص طرح کی دانائی قبول کر لے سکتا ہے ، لیکن ایک دوسرے بیمار دل کے لیے وہی بات نا قابل فہم و تاثر ہو گی ۔ انبیاء کرام علیہم السلام علم و یقین کی بہتر سے بہتر دانائی رکھتے ہیں ، لیکن دماغ و فکر پیدا نہیں کر سکتے ۔ دودھ کے بہتر غذا ہونے پر کون حرف لا سکتا ہے ؟ لیکن اس کا کیا علاج کہ بد نصیب مریض نے اپنا معدہ کھو دیا ہے اور وہ دودھ جیسی عمدہ اور زود ہضم غذا بھی ہضم نہیں کر سکتا ؟ یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ (القصص56) حالانکہ انبیائے کرام کے ہادی ہونے پر قرآن بار بار شہادتیں دے چکا ہے وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٢﴾ (الشوریٰ : 52) تو مطلب یہی ہے کہ پہلی قسم کی آیات استعداد اور قابلیت خلق کرنے کی نفی ہے ، اور دوسری میں استعداد رکھنے والوں پر سچائی کی راہ کھول دینے کا اثبات ہے ۔

بابل کا طبیبِ حق

کئی ہزار برس گزرے ، اس بیمارستان ہستی میں ایک طبیب حق ابراہیم خلیل بھی تھے ۔ ان کا سابقہ بابل کے ایک مریض سے پڑا ۔ یہ بادشاہی کے گھمنڈ کا روگی ، اور جہل و طغیان کی بیماریوں سے بد حال تھا ۔ انہوں نے اس کے سامنے علم و بصیرت کی ایک غذا رکھی رَبِّيَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ میرا تو اس پروردگار پر ایمان ہے جس کے قبضہ و تصرف میں ہماری موت و حیات ہے ۔ یہ بہتر سے بہتر غذا تھی جو شک اور انکار کے کسی مریض کے لیے ہو سکتی ہے ۔ لیکن مریض اپنے معدہ کی صلاحیت بالکل کھو چکا تھا ۔ وہ اتنی ہلکی اور سادہ غذا بھی ہضم نہ کر سکا ، جہل و طغیان کے ہیجان میں بول اٹھا اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ اگر تمارے پروردگار کی یہی صفت ہے تو یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے ۔ لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضہ اختیار میں ہے ۔ جسے چاہوں ہلاک کر ڈالوں ۔ جسے چاہوں زندگی بخش دوں ۔ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم کو معلوم ہو گیا کہ غذا گو بہتر تھی ، لیکن مریض کے معدے میں اتنی بھی صلاحیت نہیں کہ اسے ہضم کر سکے انہوں نے فوراً پہلی قاب ہٹا لی ، اور ایک دوسری غذا پیش کر دی فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ !! اچھا اگر ایسا ہی ہے ، تو دیکھو ، یہ سورج ہمارے سروں پر چمک رہا ہے ۔ یہ ہر روز پورب سے نکلتا ہے اور پچھم کی طرف ڈوب جاتا ہے ۔ تم اسے ایک مرتبہ پچھم سے نکال دکھاؤ ! یہ غذا ٹھیک اس کے معدہ کی استعداد کے مطابق تھی ۔ حلق سے اتری ، اور ہضم ہوگئی: فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ اب اس میں کج بحثی کا دم خم نہ رہا۔ دم بخود ہو کر رہ گیا!

خدارا غور کیجئے ۔ بات کتنی صاف اور دلآویز تھی ، اور مفسرین نے اسے کس طرح مشکلوں اور پیچیدگیوں کا گورکھ دھندہ بنا دیا ہے ؟ اگر حضرت ابراہیم کا طریق بیان مجادلانہ ہوتا ۔ ہدایت کا نہ ہوتا تو وہ اپنی پہلی بات ہی پر مخاصم سے الجھ پڑتے ، وہ کہتے میرا مطلب جلانے مارنے سے یہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصل مدعا کی جگہ ایک خاص دلیل اور اس کے مفہوم کی بحث چھڑ جاتی ، اور مخاصم کے لیے حقیقت کے فہم و بصیرت کا موقعہ ہاتھ ہی نہیں آتا ۔ لیکن ان کی راہ ہدایت و دعوت کی راہ تھی ۔ انہوں نے ایک دقیقہ کے لیے بھی اپنی نظر اصل مدعا سے نہیں ہٹائی ۔ جونہی معلوم ہوا کہ پہلی بات اپنے جہل و غرور کی وجہ سے وہ نہیں سمجھ سکا ہے ، تو بغیر کسی تامل کے اسے چھوڑ دیا ۔ ایک دوسری بات پیش کر دی ۔ یہ بات اس کی فکری استعداد کے ٹھیک مطابق تھی ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا ۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بات چھوڑنے کی جگہ ایک ہزار باتیں چھوڑنی پڑتیں ، جب بھی انہیں اس میں تامل نہ ہوتا !

مکالمہ کی تفسیر

میں نے سب سے پہلے مکالمہ کے اسی پہلو پر نظر ڈالی ، کیونکہ بغیر اس کے اس کی حقیقی نوعیت واضح نہیں ہو سکتی تھی ۔ اب آیات کی ترتیب بیان کے مطابق پورے مکالمہ کی تفسیر سمجھ لیجئے

" ان اتاہ اللہ الملک" کی تفسیر اور اس کی ضمیر کے مرجع کے تعین میں مفسرین نے بیکار دماغ سوزی کی ہے ۔ حالانکہ مطلب بالکل صاف تھا ۔ یہ قرآن حکیم کا معجزانہ ایجاز بلاغت ہے کہ صرف ایک جملہ کہہ کر معاملہ کی پوری نوعیت آشکارا کر دی ۔ جس انسان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں کج بحثی کی تھی ، قرآن واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا ؟ کون سی چیز تھی جس نے اس کے اندر گمراہی کا ایسا طغیان اور سرکشی کا ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ پروردگار عالم کا نام سن کر بھی اپنے تکبر اور خود پرستی کے دعووں سے باز نہیں آیا ؟ " ان اتاہ اللہ الملک " یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ بادشاہ تھا ۔ یعنی یہ تاج و تخت کی بڑائی اور حکومت کے فانی اختیارات کا گھمنڈ تھا ، جس نے اسے اس درجہ مغرور اور بر خود غلط بنا دیا تھا ۔ اس تصریح سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن حکیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شخص شخصاً خدائی کا مدعی تھا ۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیوں کہا جاتا کہ " ان اتاہ اللہ الملک " پس معلوم ہوا ، یہ بادشاہت کے گھمنڈ سے گمراہی کی ایسی ہی فکری حالت پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

" حاج ابراھیم فی ربہ " سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اس بادشاہ کو ظلم و استبداد اور فساد و طغیان پر سرزنش کی ، اور پروردگار عالم کے احکام سے سرکشی کرنے کے نتائج سے ڈرایا ، تو وہ حضرت ابراہیم سے کج بحثی کرنے لگا ۔ یعنی اس کے خدا کے بارے میں کج بحثی کرنے لگا جس کی مدد و نصرت کے بھروسہ پر وہ تن تنہا ایک جابر و قاہر بادشاہ کا مقابلہ کر رہے تھے ، اور ڈرنے کی جگہ ڈرا رہے تھے ! چونکہ وہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کے سوا اور کسی طریق عبادت سے آشنا نہ تھا ، اس لیے اس نے کہا : وہ تمہارا خدا کون ہے اور کہاں ہے جس کی مدد کے بھروسے پر میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو ؟ حضرت ابراہیم نے اس کے جواب میں کہا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ تمہارے دیوتاؤں کی طرح میرا کوئی خاص دیوتا نہیں ہے ۔ میرا ایمان تو اس پروردگار عالم پر ہے جس کے قبضہ و تصرف میں تمام مخلوقات کی موت و حیات ہے۔

حضرت ابراہیم کا یہ ارشاد کوئی فلسفیانہ استدلال نہ تھا ۔ انہوں نے ایک ایسی سیدھی سادی بات کہی تھی ، جس کا فطری طور پر ہر انسان کے دماغ میں اذعان موجود ہے ۔ بشرطیکہ اس نے اپنی خلقی بصیرت بالکل ضائع نہ کر دی ہو ۔ ہر انسانی وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے کہ موت و حیات ایک ایسی چیز ہے جس کا اختیار صرف اسی ذات کے ہاتھ میں ہے جو اس تمام کارخانہ ہستی کی خالق ہے ۔ اس کے سوا کوئی نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو زندگی بخشنے والا اور پھر زندگی پر موت طاری کر دینے والا ہو۔ بات بالکل صاف اور واضح تھی، لیکن بابل کے متکبر بادشاہ جو اپنی بادشاہی کی طاقتوں کے نشہ میں چور تھا۔ حضرت ابراہیم کو زک دینے کے لیے اور ان کی دعوت ایمانی کی تحقیر کے لیے بول اٹھا أَنَا أُحْىِ وَأُمِيتُ واہ، یہ تمہارے خدا کی کون سی بڑی طاقت ہوئی کہ مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضہ و تصرف میں ہے۔ میں بادشاہ ہوں جسے چاہوں قتل کر ڈالوں، جسے چاہوں بخش دوں۔

بلا شبہ یہ جواب انتہا درجہ جہل و ضلالت کا جواب تھا۔ حضرت ابراہیم نے کیا بات کہی تھی، اور اس مغرور نے اس کا مطلب کیا سمجھا۔ لیکن چونکہ حضرت ابراہیم کا طریق مخاطبت "ہدایت" کا طریقہ تھا "جدل" کا نہ تھا، اس لیے اس کی جاہلانہ بات پر بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ وہ سمجھ گئے۔ غذا اگرچہ نہایت عمدہ غذا تھی، لیکن اس بیمار کا معدہ ہضم نہ کر سکا، اسے دوسری غذا دینی چاہیے، چنانچہ انہوں نے فوراً دوسری بات فرما دی فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ یہ بات سن کر اس متمرد کی ساری کج بحثی ختم ہو گئی، اور اچانک حقیقت کی جھلک سامنے آ گئی، موت اور حیات والی بات اگرچہ ایک حق پسند انسان کے لیے نہایت واضح بات تھی، لیکن اس مغرور و جاہل کی فکری حالت شدت طغیان و غفلت سے اس قدر مسخ ہو چکی تھی، کہ کج بحثی کی ایک راہ نکال لی۔ لیکن یہ دوسری بات اس کی فکری حالت کے مطابق اس درجہ اوقع فی النفس تھی، کہ حقیقت کی طرف سے آنکھ بند کر لینے کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا۔ سورج سر پر چمک رہا تھا، اور وہ ہر روز کی طرح آج بھی مشرق ہی سے نکلتا ہوا دکھائی دیا تھا، اور مغرب ہی کی طرف غروب ہونے کے لیے ڈھل رہا تھا۔ صدیوں سے، ہزاروں برس سے، ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی مقررہ رفتار میں یا طلوع و غروب کی جہتوں میں فرق پڑا ہو۔ پھر کیا دنیا کا کوئی حکمراں، دنیا کا کوئی شہنشاہ، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ایسی ہے جو ایک دن کے لیے اس کا رخ بدل دے؟ ایک دن کے لیے نہیں، ایک گھنٹہ کے لیے، ایک دقیقہ کے لیے، اس کی رفتار میں اپنی مرضی سے فرق ڈال دے؟ یہ حقیقت تھی جو اس جاہل و مغرور کے سامنے نمایاں ہو گئی۔ اگرچہ اس کی غفلت و شقاوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اب بھی سر جھکانے کے لیے تیار نہیں تھا، لیکن حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد شوخ چشمی سے کج بحثی کرنے کا دم خم بھی نہیں رہا تھا۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ اور چونکہ باوجود حقیقت کے نمایاں ہو جانے کے وہ اعتراف حق پر آمادہ نہیں ہوا، اس لیے فرمایا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ خدا کا قانون ہدایت یہی ہے کہ جن لوگوں نے ظلم و طغیان کی راہ اختیار کر لی ہے، ان پر ہدایت و سعادت کی راہ نہیں کھلتی!

منطقی شبہات

ہمارے مفسرین کو صرف اسی کی فکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کو منطقی اور مناظر ثابت کر دکھائیں، بلکہ وہ نمرود کے لیے بھی بہت متفکر ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ اس کی کوئی بات بھی فلسفیانہ دقیقہ سنجی سے خالی نہ جائے چنانچہ اس کے اس قول کی توجیہہ میں کہ أَنَا أُحْىِ وَأُمِيتُ حضرت امام رازی نے بڑی بڑی کاوشیں کی ہیں، اور بالآخر اسے واسطہ اور سبب کے جھگڑوں میں لے گئے ہیں۔ لیکن اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ تمام کاوشیں قطعاً دور از کار اور بے معنی ہیں۔ قرآن حکیم اس جاہل متمرد کا جہل و غرور دکھلا رہا ہے۔ ہمارے متکلمین کی طرح اسے فیلسوف ثابت کرنا نہیں چاہتا۔ یہ تمام توجیہیں بھی کہ اس نے ایک واجب القتل قیدی چھوڑ دیا تھا اور ایک کو قتل کر دیا تھا، قطعاً غیر ضروری اور مکالمہ کی حقیقت سے دور لے جانے والی ہیں۔ أَنَا أُحْىِ وَأُمِيتُ کا صاف مطلب وہی ہے جو ایک مغرور اور بر خود غلط بادشاہ کا ہمیشہ ایسے متکبرانہ دعووں سے ہوا کرتا ہے۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ جس قدر شبہات پیدا ہوئے تھے فی الحقیقت ان میں سے کسی شبہ کی بھی یہاں گنجائش نہیں۔ بڑے شبہات امام صاحب کے اور آپ کے پیدا کیے ہوئے یہ تھے کہ نمرود اگر مدعی تھا تو دلیل اسے پیش کرنی تھی، نہ کہ حضرت خلیل کو، اور جب حضرت خلیل نے ایک دلیل پیش کر دی تو اس سے رجوع کیوں کیا؟ لیکن یہ تمام شبہات غیر متعلق ہو جاتے ہیں جب واضح ہو جاتا ہے کہ نہ تو یہ مناظرہ مصطلحہ فن تھا، نہ مخاصم کی حیثیت مدعی کی تھی، اور نہ انبیائے کرام مناظرانہ طریقہ سے رد و کد کرتے ہیں۔ باقی رہا یہ شبہ کہ جب مخاصم نے پہلی بات کے جواب میں ایک جاہلانہ دعویٰ کر دیا تھا، تو دوسری بات کے جواب میں بھی کوئی نہ کوئی بات کہہ دے سکتا تھا تو اس شبہہ کی بھی اب گنجائش نہیں رہی یہ شبہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ کے معنی مناظرہ میں لاجواب ہو جانے کے سمجھے گئے تھے، لیکن جب واضح ہو گیا کہ "بہت" سے یہاں مقصود بات بنانے میں لاجواب ہو جانا نہیں ہے، بلکہ ایک سچی بات سے متاثر ہو کر ہکا بکا رہ جانا ہے، یہ شبہ کیوں وارد ہو؟ جب ایک حقیقت جس کے جھٹلانے اور نہ دیکھنے کی وہ کوشش کر رہا تھا، اس کے سامنے بے نقاب ہو گئی، تو اس میں کج بحثی کا دم خم باقی نہ رہا۔ لاچار اور دم بخود ہو کر رہ گیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن البنا شہید

ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی

تفسیر قرآن میں بعض لغزشیں

تفسیر کا اسلوب مختلف زمانوں میں معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی ارتقاء سے متاثر رہا ہے ابتداء میں اس کا طریقہ بہت آسان اور سادہ تھا۔ صرف چند آیات اور الفاظ اور کچھ واقعات کی تفسیر کی جاتی تھی۔ اس لیے کہ لوگ اپنے عربی ذوق اور لغوی سلیقہ کی وجہ سے (جو ان میں راسخ و متمکن تھا) تفسیر سے بے نیاز تھے اور عملی سنت پر (جس کا انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین کے ساتھ رہ کر مشاہدہ کیا تھا) اکتفاء کرتے تھے۔

پھر تفسیر اور قصص کا زمانہ آیا تو اس میں تفسیر کے نام پر منقول روایات اور قصے لکھے گئے۔ ان میں کچھ تو صحیح اور اسباب نزول اور احکام کے واقعات پر مبنی ہوتے تھے اور کچھ اہل کتاب سے منقول قصے ہوتے تھے جن میں رطب و یابس، جو کچھ مفسرین کے علم میں آتا تھا سب جمع کر دیتے تھے۔ اس اسلوب پر جسے تفسیر بالراویہ یا تفسیر بالماثور کہتے ہیں۔ متعدد تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے عظیم، اہم اور دیر پا اور نفع بخش امام محمد بن جریر طبری (متوفی 310 ھ) کی تفسیر " جامع البیان فی تفسیر القرآن " ہے۔

پھر ترجمہ اور فلسفہ کا دور آیا۔ ایران اور یونان کے علوم سے روابط قائم ہوئے۔ مسلم فلاسفہ اور علماء کے درمیان عقیدہ کے بہت سے مباحث اور فقہی معاملات میں اختلاف ہوا۔ چنانچہ تفسیر کی کتابوں میں بھی یہ اسلوب اپنایا گیا۔ ان میں بہت سے فلسفیانہ نظریات بیان کیے گئے آیات کے ذریعہ مختلف عقائدی آراء اور مسالک پر استدلال کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے مفسرین آیت سے ایسی باتوں کا استنباط کرنے کی کوشش کرنے لگے جن سے فروع میں ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ ایسا ہونا طبعی تھا اور بہت سی تفسیروں کا محرک محض پہلے کی کتابوں کا جواب فراہم کرنا تھا۔ یہ چیز فخر الرازی (متوفی 606ھ) کی تفسیر " مفاتیح الغیب " اور زمخشری (متوفی 538ھ) کی تفسیر " الکشاف " اور ان جیسی دوسری کتب تفسیر میں بہت واضح طور سے محسوس ہوتی ہے۔ بعض محققین اس اسلوب پر " تفسیر بالمعقول " کا اطلاق کرتے تھے۔

بعض ماہرین لغت نے بھی قرآن کریم کی بہت سی آیات کی تفسیر کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی توجہ بلاغت کے نکتوں، لغوی توجیہات اور نحوی استعالات پر مرکوز رکھی ہے۔ اس کی مثال میں زجاج، واحدی اور ابو حیان اندلسی کی تفسیریں پیش کی جا سکتی ہیں۔ راغب اصفہانی (جو چھٹی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں) کی کتاب المفردات آج تک متداول ہے۔

عصر حاضر کے بہت سے مفسرین کا رجحان سائنسی ترقی کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے اور قرآن نے علوم کائنات کے جن اصول و قوانین اور مظاہر کی طرف اشارہ کیا ہے انہیں بیان کرنے کی طرف ہے۔ جیسا کہ شیخ طنطاوی جوہری نے اپنی تفسیر " الجواہر " میں کیا ہے۔ اسی طرح کچھ دوسرے مفسرین کی توجہ معاشرتی قوانین، ہدایت کے نفسیاتی اسالیب اور تاریخی تبدیلیوں کے اسباب بیان کرنے اور ان کا قرآن کریم کے ذریعہ استنباط کرنے کی طرف رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو قرآن کے ذریعہ اپنی عظمت و رفعت کو واپس لانے کی تحریک مل سکے اور ان کی معاشرتی زندگی قرآن کی تعلیمات اور قوانین سے مربوط ہو سکے جیسا کہ استاد امام شیخ محمد عبدہ اور ان کے وارث اور شاگرد سید محمد رشید رضا .... اللہ دونوں پر رحم کرے .... نے اپنی تفسیر المنار میں کیا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر کا اسلوب ہر مفسر اور ہر زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا ہے اور ایسا ہونا قدرتی امر تھا، مفسرین تفسیر کے ذریعہ وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو وہ کتاب الٰہی سے سمجھتے ہیں۔ ان کا آلہ فہم ان کی عقلیں ہیں اور مادہ علم ان کا ماحول اور ان کے زمانہ کے علوم ہوتے ہیں۔ اس لیے لازمی بات ہے کہ اس کا اظہار نمایاں طور پر ان کے رشحات قلم اور آراء میں ہو۔

تفسیر قرآن میں بعض لغزشیں

مختلف ثقافتوں اور ادوار سے متاثر ہونے کے نتیجے میں قرآن کے موضوعات پر لکھتے وقت بعض لوگوں سے لغزشیں سرزد ہو جایا کرتی ہیں اور وہ فہم اور تعبیر میں راہ صواب سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب شرعی، لغوی، دینی اور ادبی مطالعات میں (جو کہ صحت فہم، ادراک مقصد اور وضوح عبارت میں معاون ہوتی ہیں) انہیں مہارت حاصل نہ ہو۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مستشرقین جب بھی قرآن کے کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو لغت میں کمزوری اور صحیح اسلامی مطالعات پر عدم قدرت کی وجہ سے دوسروں کے مقابلے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں فاش غلطیاں کرتے ہیں۔ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو ان میں آزاد بحث و تحقیق میں مخلص ہوتے ہیں اور جنہیں ان مطالعات کا حظِ وافر حاصل نہیں ہوتا ان کا کیا حال ہوگا؟

بیشتر اوقات ایسے لوگوں سے یہ فاش غلطیاں عبارت آرائی اور اس کے معنیٰ مراد کے اظہار پر عدم قدرت کی صورت میں ہوتی ہیں۔ اس طرح اگر اس معنیٰ کو مزید دقیق اور محکم عبارت میں بیان کیا جاتا تو اس سے کاتب کی غرض و غایت زیادہ واضح ہوتی۔ مقصد کی تکمیل زیادہ بہتر طریقے پر ہوتی اور اس قسم کی تحقیقات کے بیان کرنے میں اور ان کے حق، عقل و سلیم اور راستی کے مطابق ہونے میں جو ادب ملحوظ رہنا چاہیے اس کی رعایت رہتی۔ یہاں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے موضوعات پر لکھنے والوں سے ہونے والی بعض لغزشوں کا ..... جو قرآن کے مقاصد سے پھیرنے والی ہیں ..... مختصر بیان کر دیا جائے تاکہ ان سے ہوشیار رہا جائے اور عبرت پذیری ہو سکے:

(1) قصص و معجزات

قرآن کریم انبیاء کے قصے اور ان کے بعض معجزات بیان کرتا ہے تو اس کا مقصد محض واقعات کا استقراء، زمانے کی تعیین، حالات اور ماحول کا بیان، حادثات اور اشخاص کا تذکرہ اور اصطلاحی و فنی معنی میں تاریخی تحقیق و تفتیش مقصود نہیں ہوتی بلکہ در حقیقت اس کا مقصد ان کے ذریعہ سامعین و قارئین کے نفوس میں عبرت، نصیحت اور ہدایت کی بنیادوں کو راسخ کرنا ہوتا ہے۔ قرآن کریم بہت صراحت سے اپنے اس مقصد کو واضح کرتا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ (یوسف: 111)

" اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے جو جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔"

لیکن اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان کے نزدیک یہ بات بالکل قطعی ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور اس میں شک کوئی گنجائش نہیں۔ علم تاریخ سے کوئی ایسی حقیقت سامنے سامنے نہیں آ سکتی جو ان قرآنی قصوں میں سے کسی قصہ کی تفصیلات سے مختلف ہو۔ ہاں یہ تو ممکن ہے کہ قرآن کریم نے جو کچھ بیان کیا ہے ان میں سے کچھ چیزوں تک علم تاریخ اپنے مجرد فنی وسائل کے ذریعہ رسائی حاصل نہ کر سکے۔ اس صورت میں قرآن کریم کا بیان مجرد علم تاریخ کے بیان سے زائد ہوگا اور علم تاریخ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات پر اپنے خاص اسلوب میں کوئی دلیل نہ پائے گا۔ لیکن یہاں اس چیز کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر علم تاریخ کسی چیز کے بارہ میں واقفیت رکھنے یا استدلال کرنے سے عاجز ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن کا بیان غلط ہے اس لیے کہ کسی چیز کا عدم علم اس کے عدم وجود پر دلیل نہیں ہوا کرتا۔

اس مقام پر بعض لوگوں سے لغزش ہوتی ہے۔ کیونکہ مورخین کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ لوگ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے اور وحی الٰہی کو دین نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی حیثیت تاریخی کتاب کی نہیں ہے کہ مجرد فنی تحقیقات میں اس پر اعتماد کیا جائے۔ یہ لوگ اپنے اقوال میں معذور ہیں۔ ان سے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی امید بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ ان کا قرآن پر ایمان ہی نہیں ہے اور وہ اس کی تصدیق ہی نہیں کرتے ہیں۔ مورخین کی دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے پاس اس کے برحق ہونے کی بھی دلیل ہے۔ اس صورت میں ان لوگوں پر دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے نزدیک تاریخی دلائل میں سب سے زیادہ صحیح اور محقق اسے ہونا چاہیے جو اس قرآن میں گزشتہ قوموں اور زمانوں کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ دوسری یہ کہ پہلی قسم کے مورخین جب قرآن کے بیان کردہ کسی واقعہ کو جھٹلانے کی کوشش کریں تو یہ لوگ ان کا جواب دیں اور تاریخی اور فنی اسلوب میں ان کی غلطی پر دلیل قائم کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اس میں انہیں ضرور کامیابی ملے گی۔

لیکن اس قسم کے بعض محققین خود کو پہلی قسم کے مورخین کی صورت میں پیش کرنا پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ایمانی شخصیت کا لبادہ اتار کر دوسری شخصیت کا روپ دھار لیتے ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ صرف اور صرف مورخ ہیں اور ان کے نزدیک دوسری کسی چیز کا اعتبار نہیں۔ اس طرح وہ اپنی پہلی شخصیت کو یکسر فراموش کر کے اور دوسری نئی شخصیت کا لبادہ چڑھا کر بحث و تحقیق کرتے ہیں اور ٹھوکریں کھاتے ہیں اگر بحث و تحقیق کے دوران وہ اپنی ایمانی شخصیت کو مستحضر رکھتے اور مجرد تحقیق کے بعد قرآن کی تاریخی صداقت پر ایمان کا اظہار کرتے پھر اس کا دفاع کرتے ہوئے علمی اسلوب میں اس کا بہ دلائل اثبات کرتے تو اولاً اپنے ایمان کے سامنے اور ثانیاً لوگوں کے سامنے ان کا عذر ہوتا اور وہ شکر و ثناء کے مستحق ہوتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کی لغزش ڈاکٹر طٰہ حسین سے سرزد ہوئی جب انہوں نے ایک مستشرق کے خیالات کو قبول کرتے ہوئے یوں قیاس آرائی کی : " تورات اور انجیل ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے بارے میں جو چاہے بیان کرتے رہیں۔ اسی طرح قرآن بھی ان دونوں کے بارے میں جو چاہے بیان کرتا رہا۔ لیکن یہ بات ان کے تاریخی وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے ۔" یہ سن کر لوگ مشتعل ہو گئے اور انہیں ہونا بھی چاہیے ۔ اگر ڈاکٹر موصوف اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ " لیکن میں قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے کی حیثیت سے ان دونوں کا تاریخی وجود ثابت کرتا ہوں اگر مجرد تاریخی تحقیق اپنے خاص فنی دلائل کے ساتھ اس مقام تک نہیں پہنچی ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کے بارے میں کچھ بھی ثابت کر سکے تو یہ خود اس کی کوتاہی ہے۔ مستقبل میں تاریخی طور پر بھی ان کے حالات منظر عام پر آ جائیں گے اور ہمیں وہ کچھ معلوم ہو جائے گا جس سے آج ہم نا واقف ہیں۔ ایسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ گزشتہ کل کے خیالات آج کے حقائق ہیں اور آج کے خیالات کل کے حقائق ہوں گے۔ کتب سماوی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہمارے ہاتھوں کو رسی کے ایک سرے پر رکھ دیں آگے تحقیق و پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ مستشرقین میں سے جو بھی اس کا انکار کرتا ہے وہ علم پر زیادتی کرتا ہے۔ عقل کا کسی مسئلہ پر حکم نہیں لگا سکنا اس چیز کے محال ہونے کی دلیل نہیں ہے ۔" اگر وہ ایسا کہتے تو ان کی بات پایۂ تحقیق کو پہنچتی اور وہ ایسا کہنے میں حق بجانب ہوتے اور اس صورت میں ان کی تحقیق میں عصر جدید کے دانشور کے تجزیہ کے ساتھ قوی مومن کا اعتقاد بھی شامل ہوتا۔ تو ان کی بات کو لے کر لوگ ان کے خلاف محاذ آرائی نہ کرتے۔

اسی طرح ایک دوسرے مولف جنہوں نے " الفن القصص فی القرآن " تصنیف کی ہے۔ انہوں نے بھی یہی طریقہ اپنایا۔ انہوں نے تاریخ سے مربوط ادبی میدان میں موشگافیاں کرتے ہوئے فرمایا کہ : " خالص ادیب کے نزدیک فنی پہلو کی رعایت قصہ کی سچائی اور واقعہ کی صحت کو مستلزم نہیں ہے ۔" یہاں تک تو ان کی یہ بات صحیح تھی۔ یہی نہیں بلکہ ادیب کا فن بیشتر اوقات سچے اور حقیقی واقعات کو بیان کرنے سے زیادہ ذہن کے اختراع کردہ واقعات اور خیالی قصوں میں نمایاں ہوتا ہے۔ صرف نظر اس کے کہ فن تعلیم و تربیت سے دلچسپی رکھنے والوں اور نفسیات کے ماہرین نے اشخاص کی فکر اور نفسیاتی نشو و نما کے سلسلے میں اس اسلوب کو خطرناک اور مضر قرار دیا ہے لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو دوسرے تمام اعتبارات سے الگ کر کے خالصاً ادیب کی حیثیت سے پیش کیا اور قرآن کو دوسرے تمام اعتبارات سے منزہ کر کے ادب کی کتاب قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ " اس میں بیان کردہ قصوں کی سچائی اور ان کے حقائق اور تاریخ سے مطابق یا مخالف ہونے سے صرف نظر کر کے صرف اس کے اسلوب میں غور کرنا چاہیے۔" اگر وہ کہتے کہ " اس طرز تحقیق کے ذریعہ وہ کتاب اللہ کے فنی پہلو کی بلندی اور گہرائی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ قرآن کریم پر ایمان لانے والے کی حیثیت سے انہیں یقین ہے کہ قرآن میں بیان ہونے والے تمام واقعات حتمی طور پر تاریخی حقائق ہیں ۔ اس سے یقیناً تصویر کشی کے روعت و حسن اور فن کی دقت و باریکی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ (النمل : 88)

" یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے۔"

اگر وہ ایسا کہتے تو خود بھی آرام میں رہتے اور دوسروں کو بھی پریشان نہ کرتے اور اپنے آپ سے اور اپنے قارئین کی جانب سے ان تمام پہلوؤں میں ضلالت و گمراہی کے الزام کو دفع کر دیتے۔

یہ تو قرآن کے قصوں اور اس میں بیان شدہ تاریخی واقعات کے سلسلہ میں تاریخ اور ادب کے پہلو سے ہے۔ رہے معجزات اور وہ عجیب و غریب واقعات جو معروف اور عام طریقے پر اور فطری قوانین کے مطابق مذکور نہیں ہوئے ہیں۔ مثلاً اصحاب کہف کا قصہ یا اس شخص کا قصہ جو ایک دفعہ ایسی بستی سے گزر رہا تھا جو تباہ و برباد تھی تو یہ ایک مستقل بحث ہے۔ جس پر کبھی آئندہ بحث کی جائے گی۔

(2) علوم کائنات

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کا نزول ہیئت ، طب ، فلکیات ، زراعت یا صنعت کی کسی کتاب کی حیثیت سے نہیں ہوا ہے بلکہ وہ کتاب ہدایت ہے جو بنیادی معاشرتی طریقوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے ۔ اگر لوگ ان پر عمل کریں تو دنیا میں بھی کامیاب رہیں گے اور آخرت میں بھی فلاح سے ہمکنار ہوں گے ۔ قرآن کریم کائناتی علوم اور وجود کے مادی اور طبیعیاتی مظاہر کو صرف اسی قدر پیش کرتا ہے جو خالق کی عظمت پر ایمان میں مددگار ہو گا اور اس کی عجیب و غریب تخلیق اور کاریگری اور کائنات میں نوع انسانی کے لیے پوشیدہ منافع اور فوائد کو آشکار کرے تاکہ ان کے ذریعہ وہ لوگ ، زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں سے استفادہ کرنے کے طریقے جان سکیں۔ اس کے بعد عقل انسانی کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ اس وجود کے قوانین کو آشکارا کرنے اور اس میں پوشیدہ طاقتوں اور منافع سے استفادہ کرنے کی کوشش اور محنت کرے ۔ قرآن نے اس پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھارنے کے ساتھ ساتھ اسے سب سے افضل عبادت اور اعلیٰ قسم کا ذکر قرار دیا ہے:

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (یونس: 101)

" ان سے کہو " زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو۔"

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِأُولِي الْأَلْبٰبِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بٰطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ (آل عمران: 190 - 191)

" زمین و آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) " پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔"

قدیم اور جدید دور کے بہت سے مؤلفین اور مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں علوم کائنات کے تمام اصول و مبادی بیان کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی ہے کہ ان علوم کی جتنی معلومات لوگوں کو حاصل ہیں ان کے مطابق خلق و تکوین کی آیات کی تطبیق کے ذریعہ قرآن سے وہ اصول مستنبط کریں۔ اس قسم کے لوگوں میں سے زمانہ قدیم میں امام غزالی ہیں جنہوں نے " جواہر القرآن " تصنیف کی ہے اور دور حاضر میں شیخ طنطاوی جوہری مؤلف " الجواہر فی تفسیر القرآن " اور ڈاکٹر عبد العزیز اسماعیل مؤلف " القرآن و الطب " وغیرہ ہیں۔ یقیناً یہ ایک قابل ستائش کوشش ہے لیکن آپ کو ایسی چیز کا مکلف کرنا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مکلف نہیں بنایا ہے۔ اس طرح بیشتر اوقات تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور قرآن ہدایت اور معاشرتی اصلاح کے لیے اور لوگوں کے دلوں اور معاشرہ میں ان کی بنیادیں راسخ کرنے کے جس مقصد سے نازل ہوا تھا اس سے تجاوز لازم آتا ہے۔ اس طرح کتاب اللہ کے معنی میں اختلاف آراء، علمی اور سائنسی اصولوں میں تضاد اور علماء کے اقوال میں تعارض رونما ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے اس کو نا پسند کیا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ شاطبی نے اپنی کتاب " الموافقات " (جلد دوم) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور دقت و باریکی کے ساتھ مباحثہ کرتے ہوئے آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ " قرآن میں ان علوم میں سے کسی کو بھی بیان کرنا مقصود نہیں۔ اگرچہ اس میں ایسے علوم ہیں جو علوم عرب کی جنس سے ہیں اور ایسی معلومات پر مبنی علوم بھی ہیں جن پر اہل عقل تعجب کرتے ہیں .... صحیح نہیں ہے۔"

اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن نے بہت سے کائناتی مظاہر کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس نے انسان کی پیدائش، زمین و آسمان کی تخلیق، سورج اور چاند کی گردش، ستاروں اور افلاک کی تسخیر، بادلوں کا تہہ در تہہ ہونا اور بارش، بجلی کی کڑک اور چمک، نباتات کا نمو اور ان کی مختلف قسمیں، سمندروں کے عجائبات، راستوں کے نشانات، زمین میں جمے ہوئے پہاڑ، ماؤں کے پیٹوں میں تخلیق جنین کے مراحل اور دیگر ان مظاہر کا تذکرہ کیا ہے جنہیں علماء کائنات نے بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ اپنی توجہات مرکوز کی ہیں اور تجربات کیے ہیں۔

اکثر اس قسم کی آیات کے اختتام پر قرآن عقل سے کام لینے، غور و فکر کرنے اور تدبر و تفکر کرنے پر ابھارتا ہے۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ قرآن کریم ان مظاہر کو پیش کر کے محض ان علوم کے اصول و مبادی متعین کرنا یا ان کے فروع بیان کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا مقصود ہدایت اور خالق کی عظمت اور مخلوق کے فائدہ پر دلالت کرنے والی چیزوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرنا ہے۔

لیکن جو چیز محل نزاع نہیں ہو سکتی وہ یہ کہ قرآن جب ان کائناتی نومیس اور مادی مظاہر کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس کا بیان دقیق تعبیر اور سچی تصویر کشی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ ممکن نہیں کہ اس کا ٹکراؤ مختلف مراحل میں عقل انسانی کی انکشاف کردہ چیزوں یعنی ان علوم کے حقائق اور طے شدہ چیزوں سے ہو۔ خاص طور پر جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سائنسی نظریات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس پر بین دلائل اور بکثرت حجتیں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ قریب قریب بدیہات میں سے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو ابھی علمی و سائنسی بحث و تحقیق کے مرحلے میں ہیں۔ علوم کائنات سے دلچسپی رکھنے والے سائنس دانوں کے پیش نظر جو کچھ ہے وہ محض مفروضات ہیں جن کی تائید بعض ایسے قرائن سے ہوتی ہے جو ابھی قطعی دلائل اور اطمینان بخش اور ثابت شدہ حجتوں کے درجے تک نہیں پہنچی ہیں۔ جہاں تک ان میں سے پہلی قسم کا تعلق ہے وہ قرآنی بیان کے مکمل موافق اور عین مطابق ہیں۔ ایسی چیزوں کے بارے میں یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کتاب الٰہی کا اعجاز ہے جو ایک ایسے امی پر نازل ہوئی ہے جس نے نہ تو کسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی نہ کسی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کی مثالوں میں سے جنین کے مراحل، ہواؤں کے بادلوں کو لے جانے، بادلوں کے بننے اور ہواؤں سے اس کے تعلق وغیرہ کے سلسلہ میں قرآن کے اشارات ہیں اور جہاں تک دوسری قسم کا تعلق ہے تو یہ زیادتی اور انکار حقیقت کے مترادف ہو گا کہ اس کے اور قرآن کریم کے درمیان موازنہ کیا جائے۔ اس کے لیے ہمیں انتظار کرنا چاہیے یہاں تک کہ علم کائنات کو کسی بات پر استقرار حاصل ہو جائے اور عقل انسانی کسی نتیجہ بحث پر ایمان لے آئے۔ اس وقت ہم ایمان کی روشنی میں قرآنی نص کو دیکھیں گے اور اس وقت یہ پائیں گے کہ دونوں حقیقت کے اصولوں کو ثابت کرنے میں باہم معاون ہوں گے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ (حم السجدہ: 53)

" عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔"

اس قبیل سے انسانی نشو و نما، حقیقت زندگی، ابتدائے آفرینش، زمین کا آسمان سے تعلق وغیرہ ہیں۔

اس کے باوجود قرآن کا عجیب و غریب معاملہ ہے کہ اس قسم کے مقامات پر عبارت کی لچک اور دقت و باریکی کے ساتھ عجیب و غریب اور معجزانہ طریقے پر ایسی تعبیر استعمال کرتا ہے کہ ہر زمان و مکان میں عقل انسانی کے ارتقاء کا ساتھ دیتا ہے۔ اس نے اس مادی دنیا کی انتہا کا جو نقشہ کھینچا ہے اور قیامت اور اس کے آثار کی جو تصویر کشی کی ہے اس میں تو عجیب انداز اختیار کیا ہے۔ یہاں بھی لغزش ہوتی ہے۔ چنانچہ ان موضوعات پر لکھنے اور غور کرنے والے بہت سے لوگ ان موضوعات پر لکھتے اور غور کرتے وقت ان علمی اور سائنسی مفروضات کی صحت پر ایمان محکم لے آتے ہیں اور ان کو ایسے بدیہی طے شدہ حقائق سمجھ لیتے ہیں جو اب باطل نہیں ہو سکے۔ اس غلطی کا ارتکاب کرنے کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کے نصوص، اس کی عبارتوں کی لطیف ترکیبوں اور الفاظ کی وضع کے اسرار میں غور و فکر کی زحمت نہیں کرتے۔ چنانچہ کبھی حیرت میں پڑ جاتے ہیں اور کبھی تکذیب کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً ان کے نزدیک چونکہ " ڈارون " نے یہ کہہ دیا تھا کہ انسان یقینی طور پر دوسرے حیوانوں سے بنا ہے۔ اس لیے قرآن کا یہ بیان صحیح نہیں کہ وہ " مٹی " یا " کھنکتی ہوئی مٹی جیسے گارے سے " بنا ہے تا کہ اس کا بیان سائنسی انکشاف و تحقیقات سے نہ ٹکرائے۔ اس وقت وہ بھول جاتے ہیں کہ انہیں نہ ڈارون کے نظریے کا علم ہے اور نہ ڈارون کے نظریہ کا ابطال اور تردید کرنے والوں کی تحریریں ان کی نظر سے گزری ہیں اسی طرح وہ قرآن کی درج ذیل تصریحات کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۖ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ ۖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿٩﴾ (السجدہ: 7-9)

" جس نے جو چیز بھی بنائی خوب ہی بنائی، اور انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔ پھر اس کو درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان، آنکھیں اور دل دیے تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔"

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ (نوح: 13-14)

" تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمھیں بنایا ہے۔"

حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ ان آیات کریمہ کے مکمل بر حق ہونے کو تسلیم کر لیں۔ پھر اس وقت کا انتظار کریں جب لوگوں کا علم قرآنی بیان کی تردید کرے گا۔ اس وقت وہ پائیں گے کہ " انسان کو علم کی انتہائی قلیل مقدار ہی عطا کی گئی ہے " (الاسراء: 85) " اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہی غالب رہتا ہے " (یوسف: 22)

(3) سمعیات اور صفات باری تعالیٰ

اسی سے ملتے جلتے قرآن کے وہ بیانات بھی ہیں جنہیں اصطلاح میں " سمعیات " (سماعی چیزیں) کہا جاتا ہے۔ مثلاً جن، ملائکہ، حالات موت و قبر، جنت و جہنم اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات وغیرہ، قرآن کریم نے ان موضوعات پر بہت تفصیل اور وضاحت سے بحث کی ہے۔ مثلاً جن کا تذکرہ اس نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔ انہیں فقہ، فہم اور ایمان سے متصف کیا ہے اور بتلایا ہے کہ وہ اتنی قوت و طاقت کے مالک ہوتے ہیں جتنی انسانوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس نے ملائکہ کا تذکرہ کیا ہے اور بہت سی آیات میں ان کے متعدد اوصاف بیان کیے ہیں۔ اسی طرح موت اور اس کے احوال اور اس کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، میدان حشر میں جمع ہونے، حساب و کتاب ہونے اور سزا و جزا ملنے کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾ (الزلزال: 7-8)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

اسی طرح اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی ہیں اور اسے تمام کمالات سے متصف اور نقص کے تمام اوصاف سے منزہ کیا ہے اور مخلوقات سے اس کی مشابہت و مماثلت کی نفی کی ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾ (الشوریٰ : 11)

" کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔"

وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿٤﴾ (الاخلاص : 4)

" اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔"

اسی طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر متمکن ہونے اور اس کا ہاتھ، چہرہ، آنکھ اور دوسرے حواس ہونے کا بیان ہے۔

یقیناً قرآن نے اس غیر مادی دنیا کے جو احوال اور ذات باری کی جو صفات بیان کی ہیں وہ تمام کی تمام مادہ کے نوامیس کے حدود اور مادی دنیا کے قواعد میں داخل نہیں ہیں۔ عقل انسانی خود مادہ کے اطراف میں پوشیدہ تمام قوتوں اور اسرار کے ادراک سے آج تک عاجز ہے تو اس سے ماوراء حقیقتوں کا ادراک کیوں کر کر سکتی ہے ؟!

عام طور پر یہاں بھی لغزش ہوتی ہے۔ قرآن کریم کے معنیٰ میں غور و فکر کرنے والے بہت سے لوگوں پر شاق گزرتا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو تسلیم کر لیں جس کی حقیقت تک ان کی عقل کی رسائی نہ ہو سکی ہو۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جن کون ہیں ؟ جن کی حقیقت ہم سے پوشیدہ ہے ؟ یہ ملائکہ کون ہیں جن کی کنہ تک ہم نہیں پہنچ سکتے ؟ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا کیا مطلب ہے جبکہ ہمارے مادی عناصر گھل کر اپنے اولین عناصر میں تبدیل ہو جاتے ہیں ؟ یہ روحیں کیا ہوتی ہیں جن کے ہمارے جسموں میں موجود ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے جبکہ ہمیں اپنے جسموں میں صرف مادی عوامل کے تصرفات کا احساس ہوتا ہے ؟ ٹھنڈک سے ہمیں اذیت پہنچتی ہے۔ گرمی سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ زہر ہمیں ہلاک کر دیتا ہے۔ کھانا کھانے سے ہمیں تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ہوا سے ہمیں نشاط و سرور ملتا ہے اور یہ تمام چیزیں مادی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس تنگ نقطہ نظر کے سامنے وہ ٹھوکریں کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض ان تمام عقائد کا انکار کر دیتے ہیں۔ بعض تکلیف کے ساتھ دور دراز تاویل کر لیتے ہیں اور حقیقت کا انکار کرتے ہوئے تمثیل یا تخیل قرار دیتے ہیں یہ دونوں قسم کے لوگ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور گمراہ ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ عالم انسانی کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جس حقیقت تک اس کا علم نہ پہنچا ہو اس کے سلسلے میں عاجزی اور کوتاہی کا اعتراف کر لے، عقل انسانی نے آج تک اس کائنات کے اسرار میں سے جتنی چیزیں دریافت کی ہیں وہ اُن چیزوں کی بہ نسبت جن کا انکشاف ابھی نہیں ہو سکا ہے انتہائی معمولی اور حقیر ہیں۔ یہاں تک ان کی حیثیت اتھاہ سمندر میں چھوٹے سے جزیرہ کی بھی نہیں ہے۔ علوم کائنات کے ماہرین نے اس کا بلکہ اس سے بھی زیادہ اعتراف کیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے اعترافات عنقریب ہماری نگاہوں سے گزریں گے۔ مثلاً ان میں سے بعض کہتے ہیں : " عہد حاضر کے سائنس داں کے خصائص میں سے یہ ہے کہ وہ متواضع اور جری ہو۔ متواضع اس لیے کہ وہ اس کائنات کے اسرار میں سے اب تک کسی قابل ذکر چیز کا انکشاف نہیں کر سکا ہے اور جری اس لیے کہ اس کے سامنے پردہ خفا میں جو بے شمار چیزیں ہیں ان میں سے بعض کا انکشاف کرنے کے لیے جرات کی ضرورت ہے۔"

اس لیے اس قسم کی سمعیات کی تکذیب محض اس بنا پر کہ وہ دائرہ امکان میں ہونے کے باوجود انسانی حواس سے ماوراء ہیں۔ ظلم عظیم اور کھلی گمراہی ہے اور ان کی بے جا تاویل صریح تکلف ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ حقیقت کی تصویر کشی میں تکلف کے بغیر ان سمعیات پر ایمان لانا ہی صراط مستقیم ہے۔ البتہ ان کے سلسلہ میں بعض کتابوں یا ذہنوں میں جو خرافاتی تصویریں، خیالی قصے یا افسانوی اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں نہ صحیح سند سے ثابت ہیں۔ ان کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کی چیزوں کو کچھ اہمیت نہ دے اور ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرے۔

بعض لوگ کوشش کرتے ہیں کہ ان معنیٰ کو دوسرے ایسے متشککین کے ذہنوں میں پہنچا دیں جن کے دل نور ایمان سے خالی ہیں۔ چنانچہ وہ الفاظ میں تصرف اور غلط تصویر کشی سے کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ اگر ایسا کریں تو ان متشککین کے سامنے صراحت کے ساتھ وہ چیزیں بھی بیان کر دیں جس سے اس کائنات کے بارے میں قرآن کریم کے بیان کی مکمل تصدیق کا اظہار ہو اور وہ وسط راہ میں رہ جانے یا چھوڑ دینے کے بجائے افہام و تفہیم اور تقرب کا پہلا قدم اٹھائیں۔

اسلامی تحقیقات میں یہ تصور کوئی نئی نہیں ہے۔ بلکہ جب سے فلسفہ کو اسلامی علوم میں شامل کیا گیا اس وقت سے آج تک اس کی بارہا تکرار ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے جس کے سینے کو ایمان کے لیے کھول دے وہی اپنے رب کے نور میں رہتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید زوار حسین شاہ

اسلوب قرآن

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آخری کتاب ہے جو عربی زبان میں ہے اس کا کلام الٰہی ہونا ہی اس کے ہر کلام سے افضل و اکمل اور جامع و مانع ہونے کی دلیل ہے ۔ كَلَامُ الْمَلِكِ مَلِكُ الْكَلَامِ مشہور مقولہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ [1]

" بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم سمجھ لو۔"

اہل عرب کو اپنی زبان دانی ، شاعری اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا ، وہ اپنے علاوہ تمام دنیا کے لوگوں کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے ، اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن مجید جیسی معجز نظام کتاب عطا فرمائی جس نے تمام عربوں کو چیلنج کیا کہ تم اس کی مثل ایک چھوٹی سی سورت بلکہ ایک آیت ہی تصنیف کر کے پیش کر دو ، ایک آدمی نہیں بلکہ اگر سب مل کر کوشش کرو گے تب بھی اس کی مثل بنانے سے عاجز رہو گے ، ان کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا ، لیکن وہ سب مل کر بھی اس چیلنج کا جواب دینے سے عاجز رہے اور قیامت تک عاجز رہیں گے ان کو دائمی طور پر اس سے سکوت اختیار کرنا پڑا ۔ اگرچہ اس دنیا کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ و مشیتِ کاملہ کے تحت انبیاء و رسل تشریف لاتے رہے جن میں سے بعض پر صحیفے اور بعض پر بڑی کتابیں نازل ہوئیں لیکن

جب اپنی پوری جوانی پہ آ گئی دنیا
جہاں کے واسطے اک آخری نظام آیا

قرآن مجید عربی ادب کا بہترین شاہکار اور کامل ترین معیار ہے ، اس مقدس کتاب کو نازل ہوئے تقریباً چودہ صدیاں گذر چکی ہیں، لیکن اس کے بیان کی تر و تازگی ، الفاظ و معانی کی سدا بہاری آج تک قائم ہے اور قیامت تک اسی طرح قائم رہے گی ، دنیائے ادب میں آج تک جتنی کتابیں تصنیف و تالیف ہوئی ہیں ان کے الفاظ ، محاورے اور اصطلاحیں بہت حد تک متروک ہوتے رہے اور ان میں فرسودگی و عدم پذیرائی پیدا ہوتی گئی اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا ، لیکن قرآن مجید ہی صرف ایسی مقدس و مقبول کتاب ہے جس کا ایک لفظ بلکہ ایک شوشہ بھی اس طویل مدت میں متروک و نا مقبول نہیں ہوا ، اس گلدستۂ رسالت کا ایک پتہ بھی خزاں رسیدہ نہیں ہوا اور قیامت تک یہ اسی طرح سرسبز و شاداب رہے گا ۔ اس کی ایک آیت یا ایک لفظ کو بھی خواہ کتنی ہی بار دہرایا جائے طبیعت کو سیری اور وجدان کو بے اعتنائی محسوس نہیں ہوتی ، اس لیے کہ اسلوبِ بیان میں ایسی حلاوت و دل نشینی ہے کہ اسے پڑھتے وقت انسان پر سوز و گداز اور رقت و وارفتگی پیدا ہو جاتی ہے ، جو لوگ اس کے معانی و مطالب کو سمجھے بغیر پڑھتے ہیں وہ بھی اس کی نثر کے حسن ، عبارت کی موزونیت ، الفاظ کی بندش اور آواز کی نغمگی میں ڈوب کر بے اختیار اور از خود رفتہ ہو جاتے ہیں ، حقیقت یہ ہے کہ معانی و مطالب کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ و حروف میں مد و شد و اخفا و اظہار وغیرہ کا ایسا معجزانہ امتزاج ہے جس کی نظیر نہیں ملتی اس کے الفاظ و عبارات بے تکلف زبان پر جاری اور ذہن میں جاگزیں ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ چھوٹی عمر کے بچے کثرت سے پورے قرآن مجید کے حافظ ہو جاتے ہیں یہ اس مقدس کتاب کا معجزہ بھی ہے اور اس کے اسلوب بیان کی خوبی بھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کریم ﷺ کو شعر و شاعری سے بے نیاز فرما دیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے :

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ [2]

" ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر و شاعری نہیں سکھائی اور نہ یہ اس کے لیے ضروری و مناسب ہے۔"

اس کے باوجود آپ کو ایسی فصیح و بلیغ کتاب عنایت فرمائی جس کے آگے عرب و عجم کے بڑے بڑے شعرا اور ادیبوں کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے دعوت اور قیامت تک کے لیے نور و ہدایت ہے ۔ اس مقدس کتاب میں زندگی کے ہر شعبے کے متعلق بنیادی حقائق بیان کیے گئے ہیں اور تہذیب کی ہر فرع کے بارے میں نہایت معتدل قوانین و ضوابط پیش کیے گئے ہیں ، قرآن جس طرح نجات ابدی کی اساسی تعلیمات ایمان و توحید و رسالت و یوم آخرت و قدرِ خیر و شر، عبادات یعنی نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج اور جہاد وغیرہ کی مفصل تعلیمات کو مختلف پیرائے سے ذہن نشین کرتا اور ان کے متعلق اعتقادِ راسخ دلوں میں بٹھا دیتا ہے ، اسی طرح

---

1 یوسف : 2

2 یٰس : 69

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاقی ، سماجی ، معاشی ، معاشرتی اور سیاسی تعلیمات کو بھی نہایت دلکش اور دلنشین پیرائے میں بیان فرما کر زندگی کے ان تمام شعبوں کے متعلق سیر حاصل تفصیلات ، بنیادی اصول اور ان پر مرتب ہونے والی فروعات کو واضح فرماتا ہے ، چونکہ قرآن مجید ایک ذکر یعنی نصیحت ہے ، اس لیے اس کا انداز نہایت آسان ہے ، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے :

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ [3]

" اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔"

اس کی عظمتِ شان اور کلام الٰہی ہونا اس کی ہر آیت اور ہر لفظ سے نمایاں اور واضح ہے ، اس کے جو فیصلے ہیں وہ حتمی اور دو ٹوک ہیں ، چنانچہ ارشاد ہے :

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا [4]

" اے پیغمبر ! آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو ! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے ، پس جو سیدھی راہ اختیار کرے اس کی راست روی اس کے لیے مفید ہے اور جو گمراہی اختیار کرے اس کی گمراہی اس کے لیے تباہ کن ہے۔"

بعض جگہ موقع کی مناسبت سے ایک آدھ لفظ کے رد و بدل سے ایک آیت کا تکرار فرمایا ہے ، مثلاً ایک جگہ فرمایا :

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾ [5]

[3] القمر : 17

[4] یونس : 108

" جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔"

یہ اس اعتبار سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا قانون برحق ہے اس لیے کہ اس کے خلاف حکم کرنا کھلم کھلا کفر و انکار ہے ۔ دوسری جگہ فرمایا :

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ [6]

" جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں ۔"

یہ اس اعتبار سے کہ یہ قانونِ الٰہی چونکہ عدل و انصاف پر مبنی ہے اور مخلوق کے لیے قانون بنانے کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پس اس کے خلاف فیصلہ کرنا ظلم ہے ۔ تیسری جگہ فرمایا :

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾ [7]

" جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں ۔"

یہ ارشاد ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قانون پر اعتقاد کرنے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں ، اس لیے یہ کھلم کھلا فسق و نا فرمانی ہے ، اس قسم کا اسلوب بیان کمال درجہ کی بلاغت ہے جو کسی بشر کی طاقت سے باہر ہے ، ایک آیت کا متعدد بار تکرار مثلاً سورہ رحمن میں :

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

" پس اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔"

[5] المائدۃ : 44

[6] المائدۃ : 45

[7] المائدۃ : 47

کا تکرار ، زورِ کلام ، معنی آفریں ، دل کشی ، صوتیت وغیرہ حسنِ کلام کی اعلیٰ صفات کا بہترین امتزاج ہے ، کسی اور کے کلام میں جملوں کا تکرار عیب قرار پاتا ہے ، لیکن قرآن کریم میں یہ ایسا برمحل اور موزوں ہے کہ کلام کے حسن و خوبی کو دوبالا کر دیتا ہے ، سورہ فاتحہ تمام قرآن مجید کی سرخی یعنی اجمال ہے اور تمام قرآن مجید صنعت لف و نشر و مرتب کا بہترین مرقع ہے ۔ قصص و تمثیلات نے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں ۔ قرآن پاک نے اپنی تعلیمات و پیغامات کو سمجھانے کے لیے جس طرح دوسرے بہت سے دلائل بیان فرمائے ہیں اسی طرح تشبیہات و تمثیلات کے ذریعہ بھی لوگوں کے ذہنوں کو حق کی طرف مائل کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے ۔

قرآن کریم میں گزشتہ پیغمبروں کے حالات اور ان کی دعوت و تبلیغ کے متعدد واقعات اور گذشتہ قوموں ، امتوں اور سلاطین کے حالات و واردات بھی بیان فرمائے ہیں ، جن سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ ہمیں ان میں سے ان لوگوں کا راستہ اختیار کرنا چاہئے جو سیدھے راستہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مستحق ہوئے اور وہ انبیائے کرام ، صدیقین ، شہداء اور صالحین ہیں ، اور ان لوگوں کے راستہ پر نہیں چلنا چاہئے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور وہ راہ حق سے گمراہ تھے اللہ و رسول اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے منکر اور منافق لوگ ہیں ، سورہ فاتحہ کے آخری حصہ دعا اور سورہ بقر کے پہلے دو رکوع میں ان ہی دونوں قسم کے لوگوں کا بیان ہے اور تمام قرآن مجید میں انہی دو گروہوں اور ان کے طریقوں یعنی صراط مستقیم اور صراط غیر مستقیم کی وضاحت کی گئی ہے ۔ ان قصص کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوموں نے اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام کے ذریعے بھیجے ہوئے نظامِ حیات کو قبول کیا انہوں نے دونوں جہاں کی کامیابی اور سعادت حاصل کی اور جنہوں نے اس سے روگردانی کی وہ مادی قوتوں اور خوشحالیوں کے باوجود دنیا میں بھی تباہ و برباد ہوئے اور آخرت میں ان کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے، اسی لیے فرمایا کہ

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ [8]

"اے اہلِ بصیرت! ان قصص میں تمہارے لیے عبرت ہے۔"

چنانچہ باری تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ کو قرآن پاک نے ایسے حسین انداز میں بیان کیا کہ جس سے موسیٰ علیہ السلام کے ادب اور انعامات الٰہیہ کی بارش کا تذکرہ بیش قیمت موتیوں کی لڑیاں معلوم ہوتی ہے، جب سبعہ معلقہ کے بالمقابل سورہ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ لٹکا دی گئی تو اس کا جواب لکھنے کی بجائے عرب کے بڑے بڑے ادیب یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ

"یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔"

قرآن کریم کی تعلیم دو قسم پر مشتمل ہے ایک محکم یعنی وہ آیات جو اپنے واضح اور ظاہر معنی رکھتی ہیں، دوسری متشابہ یعنی جن کا مطلب و مدعا واضح اور قطعی نہیں بلکہ ان کی تاویل و تشریح اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن ان پر ایمان لانا ضروری ہے، غرضیکہ قرآن مجید کا اسلوب بیان نہایت دل کش و دل نشین ... قرآن مجید کا اعجاز ہے جس کی مثال پیش کرنے سے قیامت تک تمام مخلوق عاجز ہے۔

علمائے کرام نے اعجاز قرآن کے بارے میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اس کے باوجود ان اوصاف کا احاطہ کرنے سے اپنے آپ کو قاصر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو قرآن کریم کے مطالب کو پوری طرح سمجھنے اور ان پر عمل کرنے اور ہمیشہ اس کی تلاوت کرنے کی پوری پوری توفیق رفیق حال فرمائے۔ آمین

برھان ربوبیت

"قرآن کہتا ہے، یہ بات انسان کے وجدانی اذعان کے خلاف ہے کہ وہ نظام ربوبیت کا مطالعہ کرے اور ایک ربّ العالمین ہستی کا یقین اس کے اندر جاگ نہ اٹھے۔ وہ کہتا ہے، ایک انسان غفلت کی سرشاری اور سرکشی کے ہیجان میں ہر چیز سے انکار کر دے سکتا ہے، لیکن اپنی فطرت سے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ ہر چیز کے خلاف جنگ کر سکتا ہے، لیکن اپنی فطرت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا۔ وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی، اور پروردگاری کا ایک عالمگیر کارخانہ پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی فطرت کی صدا کیا ہوتی ہے؟ اس کے دل کے ایک ایک ریشے میں کونسا اعتقاد سمایا ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں ہوتا کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے، اور یہ سب کچھ اسی کی کرشمہ سازیاں ہیں!"

مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر "ترجمان القرآن" سے ماخوذ

[8] یوسف: 111

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر سعود عالم قاسمی

قرآن کریم اور خشیت الٰہی

قرآن کریم دنیا کی بہترین کتاب ہے اور اللہ رب العزت کا آخری کلام ہے ۔ اس میں دین و دنیا کی سعادت ، بنی نوع انسان کی ہدایت اور اُخروی نجات کی ضمانت ہے ۔ قرآن کریم علوم و معارف اور حکمت و دانائی کا خزینہ ہے۔ اس کے محاسن کبھی ختم نہ ہوں گے اور اس کی تازگی کبھی متاثر نہ ہوگی ۔ اس کی قوت تاثیر کا یہ عالم ہے کہ بڑے سے بڑے سخت مزاج کو وہ نرم کر دیتا ہے اور بہت سے پتھر دلوں کو موم کر دیتا ہے ۔ قرآن پاک جس دل کو متاثر کرتا ہے ، اس میں خشیتِ الٰہی اور انابت الی اللہ کی روح بھر دیتا ہے اور جس سینے میں یہ اترتا ہے اسے منبع نور بنا دیتا ہے ۔ خشیت الٰہی ، انابت الی اللہ ، تعلق مع اللہ اور رجوع الی اللہ کی کیفیات قرآن کریم کی تلاوت اور اس میں غور و فکر سے پیدا ہوتی ہیں ۔ کبھی یہ کیفیت اس قدر شدید ہوتی ہے کہ انسان کو دنیا و ما فیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے ۔ کیفیت کا درجہ قاری کے استفادے ، استحضار اور اثر پذیری کی صلاحیت کے اعتبار سے ہے ۔ قرآن پاک چونکہ رہتی دنیا تک کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے ۔ اس لیے اس میں قلوب کو متاثر کرنے اور ذہن و فکر اور جذبات کو قابو میں لانے کی بے پناہ قوت رکھی گئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس قوت کا انکشاف ان لفظوں میں کیا ہے :

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ (الزمر : 23)

"اللہ تعالیٰ نے بہترین بات نازل کی ہے، یہ وہ کتاب ہے جو باہم متشابہ اور دہرائی ہوئی ہے۔ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے (اسے پڑھ کر اور سن کر) کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی کھالیں نرم ہو جاتی ہیں اور ان کے دل کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ، وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے قرآن کو نسخۂ کیمیا بنایا ہے۔ اس کی خاص صفت یہ ہے کہ وہ قلب اور قالب ، ظاہر اور باطن ، ذہن اور جذبات سب کو ذکرِ الٰہی میں مشغول کر دیتا ہے ، وہ انسان پر خوف و خشیت کی غیر معمولی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ چنانچہ قاری یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ پورے عجز و نیاز کے ساتھ خدائے ذو الجلال کے حضور میں کھڑا ہے اور متلاطم جذبات کے ساتھ اشکوں کا نذرانہ پیش کر رہا ہے۔ مفسر قرآن حافظ اسماعیل بن کثیر لکھتے ہیں :

"رسول اللہ ﷺ جب قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے نرم پڑ جاتے تھے۔"

قرآن کریم میں خوف و خشیت پیدا کرنے کی جو قوت رکھی گئی ہے، وہ ایسی ہے کہ اگر یہ کتاب پہاڑ جیسی سخت ترین مخلوق پر نازل ہو جاتی تو اسے بھی ہلا کر رکھ دیتی ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی اس قوت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے :

لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ (الحشر : 21)

" اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے، اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور کریں۔"

انسان جب کلام الٰہی کو سنتا ہے اور اس میں غور کرتا ہے تو اس کو اپنی حقیقت اور اپنی حیثیت ، اپنا مقام ، اپنا مقصد ، اپنی راہ ، اپنی منزل ، سب کچھ نظر آتی ہے ۔ قرآن انسان کو مخاطب کرتا ہے اُسے راست روی کی دعوت دیتا ہے ، کج روی سے روکتا ہے اور اپنا محاسبہ کرنے اور اپنا قلب درست کرنے پر متوجہ کرتا ہے ۔ قرآن حکیم اللہ کی یاد ، اللہ کا خوف اور اس سے تعلق کا بار بار مطالبہ کرتا ہے ، وہ خوابیدہ دلوں کو جھنجھوڑتا ہے اور کہتا ہے :

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (الحدید : 16)

"کیا مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے خشیت پائیں اور جو کچھ اللہ نے برحق نازل کیا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم کی تلاوت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی کا دل اور دماغ اور پورا وجود قرآن کی خدمت میں حاضر ہو ۔ انسان اسے سمجھے اور اپنے دل میں خشیت الٰہی کی کیفیت پیدا کرے ۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں : ''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان پر قرآن حکیم نازل ہو تو وہ اسے پوری خشیت کے ساتھ حاصل کریں۔'' (ابن کثیر)

قرآن کریم کے نزول کی بشارت اور نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کی پیشین گوئی سابقہ آسمانی کتابوں توریت و انجیل میں بھی دی گئی تھی ۔ وہ علماء اہل کتاب جو ان بشارتوں کو جانتے تھے ، پھر قرآن کریم کو سنتے تھے ان میں خوف و خشیت کا عجیب عالم برپا ہو جاتا تھا ، قرآن پاک نے ان کی خشیت و انابت کی کیفیت کا تذکرہ کیا ہے:

إِنَّ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡعِلۡمَ مِن قَبۡلِهِۦٓ إِذَا يُتۡلَىٰ عَلَيۡهِمۡ يَخِرُّونَ لِلۡأَذۡقَانِ سُجَّدٗا ۝١٠٧ وَيَقُولُونَ سُبۡحَٰنَ رَبِّنَآ إِن كَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُولٗا ۝١٠٨ وَيَخِرُّونَ لِلۡأَذۡقَانِ يَبۡكُونَ وَيَزِيدُهُمۡ خُشُوعٗا ۩ ۝١٠٩ (بنی اسرائیل : 107 – 109)

'' جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے انہیں جب یہ قرآن سنایا جاتا ہے تو وہ تھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں پاک ہے ہمارا رب اس کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا اور وہ تھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر جاتے ہیں اور ان کی خشیت اور بڑھ جاتی ہے۔''

پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر سب سے زیادہ قرآن حکیم پڑھتے اور سنتے وقت خشیت طاری ہوتی تھی۔ آپ ﷺ حامل قرآن تھے ، وحی کے رمز شناس تھے ۔ کلام اللہ کے محرم راز تھے اور قرآن کے مخاطب اول تھے ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا کلام سب سے زیادہ آپ ﷺ کو مسحور کرتا تھا ۔ آپ ﷺ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے یا سماعت فرماتے تو دونوں حالتوں میں جذب و کیف اور وجد کے ساتھ آپ ﷺ کا دل قرآن کریم سے وابستہ ہو جاتا تھا ۔ حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول پاک ﷺ کے پاس حاضر ہوا ، آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے اور اس طرح رو رہے تھے کہ جیسے ہانڈی میں کوئی چیز ابل رہی ہو۔'' (شمائل ترمذی)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرو ، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن پاک تو آپ ﷺ پر نازل ہوا اور میں آپ ﷺ کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی جرأت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! میرا جی چاہتا ہے کہ میں قرآن پاک کسی اور سے سنوں ۔ چنانچہ میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت تک پہنچا :

فَكَيۡفَ إِذَا جِئۡنَا مِن كُلِّ أُمَّةِۭ بِشَهِيدٖ وَجِئۡنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدٗا ۝٤١

''وہ حالت کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان تمام گواہوں پر گواہ بنائیں گے۔''

یہ آیت سن کر آپ ﷺ نے فرمایا بس کرو اور آپ ﷺ زار و قطار رونے لگے۔'' (بخاری)

رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھتے تھے اور خشیت و انابت کے جذبات آپ ﷺ کے دل میں موجزن رہتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت کا یہی اسوہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے لیے چھوڑا ، اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بکثرت روایات ہیں کہ جب وہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے تو روتے ، گڑگڑاتے اور خوف و خشیت الٰہی سے بے حال ہو جاتے تھے ۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی دادی اسماء بنت ابی بکرؓ سے پوچھا کہ قرآن پاک سنتے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی تو انہوں نے فرمایا :

''تدمع عیونهم وتقشعر جلودهم''

''ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔''(روایت بیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورہ النجم کی یہ آیت نازل ہوئی :

أَفَمِنۡ هَٰذَا ٱلۡحَدِيثِ تَعۡجَبُونَ ۝٥٩ وَتَضۡحَكُونَ وَلَا تَبۡكُونَ ۝٦٠

تو اصحاب صفہ رونے لگے اور ان کے آنسو ان کے چہروں پر بہنے لگے۔(ایضاً)

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکے میں اپنے گھر میں ایک مسجد بنا رکھی تھی ، اس میں وہ نماز ادا کرتے اور قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے ۔ مشرکوں کی عورتیں اور بچے ان کو دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے اوران کو اس حالت میں دیکھ کر تعجب کرتے ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گریہ والے آدمی تھے ، جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو اپنے آنسو روک نہیں پاتے۔ (ایضاً)

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو زار و قطار روتے ، ان کے بارے میں عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں فجر کی جماعت میں آخری صف میں تھا اور حضرت عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے ، انہوں نے سورہ یوسف کی تلاوت کی ، جب وہ اس آیت تک پہنچے :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَآ أَشۡكُواْ بَثِّي وَحُزۡنِيٓ إِلَى ٱللَّهِ

تو رونے لگے اور ان کے آنسو چہرے پر بہنے لگے۔ (ایضاً)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے بارے میں ان کے غلام نافع کہتے ہیں کہ جب جب وہ سورہ البقرۃ کی آیت:

وَإِن تُبۡدُواْ مَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ أَوۡ تُخۡفُوهُ يُحَاسِبۡكُم بِهِ ٱللَّهُ

کی تلاوت کرتے تو رونے لگتے۔" (ابن جوزی، صفۃ الصفوہ)

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے سورہ ویل للمطففین کی تلاوت کی، جب اس آیت تک پہنچے:

يَوۡمَ يَقُومُ ٱلنَّاسُ لِرَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٦﴾

تو رونے لگے اور بعد کی آیات کی تلاوت نہ کر سکے۔" (ایضاً)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں جناب قاسم روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر ان کو سلام کرنے گیا۔ دیکھا کہ وہ نماز میں مشغول ہیں اور سورہ طور کی آیت:

فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيۡنَا وَوَقَىٰنَا عَذَابَ ٱلسَّمُومِ

کی تلاوت کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں اور بار بار اسے دہرا رہی ہیں۔ میں کسی کام سے بازار چلا گیا۔ لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ وہ بدستور نماز میں مشغول ہیں، تلاوت کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔ (ایضاً)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ سورۃ الانفطار کی آیت:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡإِنسَٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلۡكَرِيمِ ﴿٦﴾ ٱلَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّىٰكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾

کی تلاوت کرتے تو رونے لگتے۔"

غرضے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تلاوت پر سوز اور پُرکیف ہوا کرتی تھی۔ وہ قرآنی آیات سے عبرت وموعظت اخذ کرتے اور ان کے دل خوف وخشیت الٰہی سے معمور ہوتے۔ صحابہ کرامؓ کی یہ وراثت تابعین عظام میں منتقل ہوئی اور ان سے تبع تابعین اور مابعد میں۔ یہ سلف صالحین جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو ان کے سینے انوار قرآنی کے لیے کھل جاتے اور ان کے دل خشیت الٰہی سے لبریز ہو جاتے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیز کے بارے میں ان کی زوجہ فاطمہ بنت عبد الملک کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور اس آیت کی تلاوت کی:

يَوۡمَ يَكُونُ ٱلنَّاسُ كَٱلۡفَرَاشِ ٱلۡمَبۡثُوثِ ﴿٤﴾ وَتَكُونُ ٱلۡجِبَالُ كَٱلۡعِهۡنِ ٱلۡمَنفُوشِ ﴿٥﴾

تو وہ چیخ پڑے۔ پھر وہ کودے اور گر پڑے، میں نے سمجھا کہ شاید ان کی جان نکل جائے گی، پھر ان کو سکون سا ہو گیا۔ میں نے سمجھا کہ روح پرواز کر گئی۔ پھر ان کو افاقہ ہوا تو وہ پھر پکارنے لگے واسوء صباحاہ۔ پھر وہ گھر میں چکر لگانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ اس دن میری تباہی ہے جس دن لوگ بکھری ہوئی تتلیوں کی مانند ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوں گے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رات بھر ان کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ (مناقب عمر بن عبد العزیز، ابن جوزی)

حضرت فضیل بن عیاضؒ کی خشیت کے بارے میں بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ سعد بن زنبور کہتے ہیں کہ ہم لوگ فضیل بن عیاض کے دروازے پر گئے اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی، ہمیں اجازت نہیں ملی۔ کہلا یا کہ وہ اس وقت تک نہیں نکلیں گے جب تک کہ قرآن نہ سن لیں، ہم میں ایک شخص موذن تھا اور اچھی قرأت کرتا تھا، ہم نے اس سے درخواست کی تو اس نے سورہ الہاکم التکاثر کی تلاوت کی۔ فضیل بن عیاضؒ یہ سورہ سن کر روتے ہوئے باہر نکلے اور ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی، وہ کپڑے سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ (منتقد الصفوہ)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں قاسم بن معن فرماتے ہیں کہ ایک رات وہ سورۃ القمر کی آیت:

بَلِ ٱلسَّاعَةُ مَوۡعِدُهُمۡ وَٱلسَّاعَةُ أَدۡهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾

کی تلاوت کر رہے تھے، بار بار اسے پڑھ رہے تھے اور زار وقطار روتے جاتے تھے۔

حضرت مالک بن دینار کے بارے میں حارث بن سعید کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں ایک قاری تھا جو سورہ الزلزال کی تلاوت کر رہا تھا، جب وہ اس آیت پر پہنچا:

فَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرٗا يَرَهُۥ ﴿٧﴾ وَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖ شَرّٗا يَرَهُۥ

تو مالک رونے لگے، ان کی چیخ نکل گئی، وہ بے ہوش ہو گئے۔

حضرت یحییٰ بن سعید القطان کے بارے میں علی بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ مسجد سے نکلا، جب وہ اپنے گھر کے دروازے تک پہنچے تو ٹھہر گئے، ہم بھی ٹھہر گئے، ان کے پاس ایک شخص گاؤں پہنے آیا۔ حضرت یحییٰ بن سعید القطان نے ہم سب لوگوں کو گھر کے اندر چلنے کو کہا، جب سب آ گئے تو انہوں نے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی سے کہا کہ قرآن پاک کی تلاوت کرو ، اس نے سورہ الدخان کی تلاوت شروع کی ، جب اس آیت تک پہنچا :

إِنَّ يَوْمَ ٱلْفَصْلِ مِيقَـٰتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾

تو حضرت یحییٰ کی چیخ نکل گئی ، وہ بے ہوش ہو گئے ، ان کا دروازہ قریب تھا جب پلٹے تو دروازے سے چوٹ لگ گئی ، پیٹھ میں زخم آ گیا ، خون رسنے لگا ، عورتیں رونے لگیں ۔ ہم لوگ گھر سے باہر آ گئے ، پھر ان کو افاقہ ہو گیا اور نیند کی حالت میں وہ اسی آیت کی تلاوت کر رہے تھے ، پھر اسی زخم کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔" (ایضا)

سلف صالحین اور بزرگان دین کے سیکڑوں واقعات ہیں جو تلاوت قرآن پاک یا سماعت قرآن پاک کے وقت ان کی خشیت الٰہی اور آہ وزاری کی تفصیلات بیان کرتے ہیں ۔ آج بھی جو حضرات حرمین شریفین میں تراویح کی نماز میں شرکت کی سعادت حاصل کرتے ہیں وہ ایسے دل کش مناظر کا مشاہدہ کرتے ہیں ۔ 13 جولائی 2012ء کی تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا ، راقم عمرہ کے لیے خانہ کعبہ میں حاضر تھا ، فجر کی نماز امام حرم جناب خالد الغامدی نے پڑھائی ۔ انہوں نے سورہ الحجرات کی تلاوت فرمائی اور جب وہ اس آیت پر پہنچے :

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ ٱللَّهَ بِدِينِكُمْ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٦﴾

"کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتلاتے ہو حالانکہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔"

امام حرم رونے لگے ، بار بار وہ اس آیت کو پڑھتے رہے روتے رہے اور پورا حرم سسکیوں اور آہ و بکا میں ڈوب گیا ، یہ منظر میرے لیے لاثانی اور لافانی تھا۔

عجمی ملکوں میں جو لوگ قرآن کی زبان عربی سے واقف نہیں ہیں وہ اس لذت سے کما حقہ آشنا نہیں ہوتے ۔ اگر ہم قرآن پاک کو سمجھنے لگیں ، اس کے معانی و مطالب سے آگاہ ہو جائیں تو ہمارے دل خشیت الٰہی کی لذت سے آشنا ہو جائیں ۔ تعلق باللہ اور انابت الی اللہ کی وہی کیفیت ہمارے اندر پیدا ہونے لگے جو سلف صالحین میں تھی اور ہماری موجودہ کیفیت بدل جائے۔ علامہ ماہر القادری نے کہا تھا :

دل سوز سے خالی رہتے ہیں
آنکھیں ہیں کہ نم ہوتیں ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسے میں
پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

مطالعہ قرآن—ایک ناگزیر ضرورت

" ایک ایسا نظام فکر (مذہب) جس سے ماضی میں بھی کروڑوں انسان وابستہ رہے ہیں اور آج بھی وابستہ ہیں وہ اس قدر اہمیت تو ضرور رکھتا ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے ، خواہ واقعاتی انداز میں ہو ۔ دیگر مذاہب کی الہامی کتابیں یا تو ناپید ہو گئیں یا انسانی دست رس سے محفوظ نہ رہ سکیں ۔ صرف قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اصلی حالت میں محفوظ ہے ۔ اس لیے مذہب کے حقیقی خدو خال معلوم کرنے کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہے۔ "

پروفیسر سیّد محمد سلیم کے مضمون
"قرآن کریم کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟"
مشمولہ ماہنامہ "تعمیر افکار" کا اشاعت خاص " قرآن کریم نمبر" جلد اول سے ماخوذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ سید سلیمان ندوی

ارض حرم اور اس کے احکام و مصالح قرآن مجید کی نظر میں

جزیرہ عرب کے متعلق اسلام کے جو احکام ہیں، ان کا ماخذ قرآن مجید کی وہ چند آیتیں ہیں جو سورہ توبہ میں واقع ہیں، چونکہ خلافت فاروقی کے بعد جب سارا عرب اور عراق و شام اسلامی علم کے نیچے آ چکا تھا، اور غیر مسلم قوتیں اس سر زمین اقدس سے معدوم ہو چکی تھیں، اسلام پر کبھی کوئی وقت ایسا نہیں آیا، جب جزیرہ عرب اور ارض حرام کے تقدس اور حرمت کے خلاف اس پر کسی غیر مسلم سلطنت کے استیلاء کا خطرہ کبھی مسلمان کے دل میں گزرا ہو، اس لیے ان آیات پاک کی تفسیر کبھی اس نقطہ نگاہ سے نہیں ہوئی، جو اب ہر مسلمان کے پیش نظر ہے، اور اب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے، اور آپ کے بعد حضرت صدیق کبر اور فاروق اعظم نے عرب، عراق اور شام کے غیر مسلم تصرف سے باہر لانے کے لیے جو کوشش کیں، اور مسلمانوں نے جو قربانیاں کیں وہ در حقیقت انہیں آیات پاک کی عملی تفسیر تھیں، لیکن چونکہ مفسرین کے عہد میں یہ منظر کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں گزرا تھا کہ سر زمین حرم کی کبھی وہی حالت عود کر آئے گی، جو ظہور اسلام سے پہلے تھی، جب عرب کا شیرازہ منتشر تھا، ملک کا کوئی متحدہ نظام نہ تھا، قطعہ قطعہ پر قبائل اور شیوخ کی فرمانروائیاں تھیں، کفر و شرک کا استیلا تھا یمن سے لے کر عراق و شام تک مجوسیوں اور رومی عیسائیوں کی طاقت بالا حکمران تھی، اور ٹھیک آج کی طرح اس عہد میں بھی یمن، حضر موت، بحرین اور عمان پر ایران کے مجوسی مسلط تھے، عراق میں امیر فیصل کی جگہ منذر کا خاندان مجوسیوں کی حکم برداری میں، اور حدود شام میں امیر عبد اللہ کے بجائے آل غسان رومیوں کے زیر حمایت تھے، اور شام کے بقیہ حصوں پر رومی عیسائیوں کی براہ راست حکومت تھی عین اس وقت جب جزیرہ عرب کا یہ نقشہ تھا، سورہ توبہ کی یہ آیتیں اتریں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡمُشۡرِكُونَ نَجَسٞ فَلَا يَقۡرَبُواْ ٱلۡمَسۡجِدَ ٱلۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هَٰذَاۚ وَإِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةٗ فَسَوۡفَ يُغۡنِيكُمُ ٱللَّهُ مِن فَضۡلِهِۦٓ إِن شَآءَۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٞ ﴿٢٨﴾ قَٰتِلُواْ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلۡحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ حَتَّىٰ يُعۡطُواْ ٱلۡجِزۡيَةَ عَن يَدٖ وَهُمۡ صَٰغِرُونَ ﴿٢٩﴾

"اے ایمان والو! وہ جو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، وہ نجس اور گندہ ہیں تو وہ اب کے سال کے بعد اس حرمت والی مسجد کے قریب نہ آنے پائیں گے، اور اگر تم ان کی آمد و رفت کے رک جانے کے باعث فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو تو خیال نہ کرو، ، خدا نے اگر چاہا تو وہ تم کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے گا، بے شک خدا (اپنے حکم کی مصلحتوں کو) جاننے والا اور حکمت والا ہے، تم ان سے لڑو جن کو کتاب الٰہی دی جا چکی تھی، ان سے جو خدا پر اور، قیامت پر یقین نہیں رکھتے، اور نہ اس کو حرام کرتے ہیں جس کو خدا اور اس کے رسول نے حرام کیا، اور نہ وہ سچے مذہب کی پیروی کرتے ہیں اور یہ لڑائی ان سے اس وقت تک جاری رکھو، جب تک وہ مطیع ہو کر جزیہ (خراج اطاعت) نہ ادا کریں۔"

ان آیتوں میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

1. اہل شرک مسجد حرام کے قریب نہ ہونے پائیں۔
2. اگر تم کو فقر و فاقہ کا خوف ہے تو خدا تم کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے گا۔
3. ان اہل کتاب سے جو دین حق کے پیرو نہیں، اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ جزیہ دے کر اطاعت نہ قبول کر لیں۔

ان آیتوں کی ترتیب باہمی ربط اور سیاق و سباق سے یہ بالکل عیاں ہے کہ یہ تینوں باتیں باہم ایک دوسرے سے متعلق اور مربوط ہیں، اور اسی تعلق اور ربط کا مقتضاء یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کے ان الفاظ کا وہ منشاء سمجھیں جس سے اس تعلق و ربط کی کڑیاں زیادہ وابستہ ہو کر نظر آئیں، فقہاء نے پہلی آیت سے یہ حکم قرآنی اخذ کیا ہے کہ مشرک مسجد حرام کے اندر داخل نہ ہوں، اس اتفاق تام کے بعد یہ اختلاف رونما ہو گیا ہے کہ کس قسم کا داخلہ ممنوع ہے امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ غلبہ اور استیلاء پا کر کوئی مشرک مسجد حرام کے اندر حاکمانہ داخل نہیں ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا، امام شافعی اور جمہور فقہائے اسلام کا مذہب یہ ہے کہ مشرک کا ہر قسم کا داخلہ مسجد حرام میں نا جائز ہے، خواہ وہ حاکمانہ ہو یا محکومانہ، امام ابو حنیفہ کی طرف اس آیت کی تشریح میں یہ ایک اور امر کی بھی نسبت کی گئی ہے کہ وہ آیت کا منشاء صرف اسی قدر خیال کرتے ہیں کہ آئندہ سے مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کرنے پائیں۔

الغرض فقہاء نے اس آیت کا منشاء یہ متعین کیا ہے کہ اس میں مشرکین کو مسجد حرام کے اندر داخل ہونے سے روکا گیا ہے یا اس میں مراسم حج ادا کرنے سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر اس آیت کا صرف اسی قدر مدعا ہوتا تو بجائے اس طریقہ ادا کے کہ فَلَا يَقۡرَبُوا۟ ٱلۡمَسۡجِدَ ٱلۡحَرَامَ يَشَآءُ (تو اس حرمت والی مسجد کے قریب نہ ہونے پائیں) یا صاف سیدھے طریقہ سے یہی کیوں نہ کہہ دیا گیا کہ فلا یدخلوا المسجد الحرام (کہ مسجد حرام کے اندر داخل نہ ہونے پائیں)، فلا یحجوا المسجد الحرام (مسجد حرام کا آئندہ حج نہ کرنے پائیں) اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مسجد حرام کے اس قرب و نزدیکی سے مشرکین کو روکنے اور باز رکھنے کا مدعا اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے جو بعض فقہاء نے قرار دیا ہے، بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داخل ہونے یا حج کرنے کا الفاظ استعمال نہیں کیا ہے، بلکہ ان سب سے زیادہ وسیع، عام اور ہمہ گیر لفظ "قرب و نزدیکی" کا استعمال فرمایا ہے، مسجد حرام کے قرب و نزدیکی سے جب وہ روک دیے گئے تو، اس کے اندر ان کا داخلہ، یا اس کا حج خود بخود مسدود ہو جائے گا اور اس پر غلبہ اور تسلط اور تولیت اور قیام و سکونت بدرجہ اولیٰ منع ہوگی، الغرض قرآن پاک کے الفاظ اس باب میں خاص نہیں بلکہ عام ہیں، اور ہر قسم کے قرب و نزدیکی کے منع کو حاوی ہیں۔

اگر قرآن پاک کے ان الفاظ کا مقصد خاص ہوتا یعنی صرف عدم دخول، یا عدم استیلاء، یا عدم حج تک محدود ہو تو اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے دو باتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک یہ کہ "کفار کے اس انسداد اور روک دینے سے اگر تمہیں اپنے افلاس اور غربت کا ڈر ہے تو خدا تم کو غنی کر دے گا" اور دوسری یہ کہ "اہل کتاب سے جو دین حق کے پیرو نہیں جب تک جزیہ نہ دیں لڑائی جاری رکھو" ان دونوں باتوں کا محض مشرکین کے مسجد میں داخل ہونے یا حج کرنے کی ممانعت سے کیا ربط و تعلق ہوگا؟ کیا مشرک اگر خانہ کعبہ میں داخل نہ ہونے پائیں گے اور ان کو حج کی اجازت نہ ہوگی تو مسلمان غریب ہو جائیں گے؟ اور اہل کتاب سے مقاتلہ جاری ہو جائے گا۔

ایک اور بات اس موقع پر غور کے قابل ہے، یہ آیتیں سورہ برات کے ساتھ فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں اتری ہیں، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس سورہ کے مضامین سے ظاہر ہے، اس وقت یمن سے عراق اور شام کے حدود تک اسلام کی طاقتور حکومت قائم ہو چکی تھی، مشرکین عام طور سے مسلمان ہو چکے تھے اور جو باقی تھے ان سے اسلام کے سوا کوئی اور شئے مطلوب نہ تھی، ایسی حالت میں ان کو صرف حرم کے اندر داخلہ حج سے روکنے کے کوئی معنی نہیں، اسی طرح ملک میں عیسائیوں یا یہودیوں کی جہاں کہیں بھی آبادی تھی وہ فاتح مسلمانوں کی محکومی اختیار کر چکی تھی، ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ مشرکین کو اگر وہ ہوں تو صرف حرم کعبہ کے داخلہ سے یا حج سے ممانعت نہیں کی گئی ہے، بلکہ مسجد حرام کے قرب سے ان کو باز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، مقصود یہ ہے کہ غیر مسلم بیت الحرام کے قرب و جوار میں مقام نہ کریں، کیونکہ ان بیت خلیل کی ہمسائگی اور ہم جواری کا شرف حاصل کرنے کا کوئی استحقاق نہیں ہے، جیسا کہ اسی سورہ میں تصریح مذکور ہے۔

مَا كَانَ لِلۡمُشۡرِكِينَ أَن يَعۡمُرُوا۟ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ شَٰهِدِينَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِم بِٱلۡكُفۡرِۚ أُو۟لَٰٓئِكَ حَبِطَتۡ أَعۡمَٰلُهُمۡ وَفِي ٱلنَّارِ هُمۡ خَٰلِدُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنۡ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمۡ يَخۡشَ إِلَّا ٱللَّهَ

"مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں در آنحالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں یہ وہ ہیں، جن کے کام برباد ہو گئے، اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے، جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لایا، اور نماز کھڑی کی، اور زکوۃ دی، اور سوا خدا اور کسی سے نہ ڈرا۔"

یہ یاد رہے کہ خدا نے عام مساجد کی تولیت کا حق اہل ایمان کو عطا فرمایا ہے، اسلام میں مقدس مسجدیں صرف تین ہیں جو تین انبیاء کی یادگار ہیں، مسجد حرام جو حضرت ابراہیم کی یادگار ہے، بیت المقدس جو حضرت سلیمان کی تعمیر ہے اور مدینہ کی مسجد نبوی جو پیغمبر اسلام کی نشانی ہے، ان تینوں مسجدوں کی تولیت اور آبادی صرف ان کا حق ہے جو خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر خدا کے سوا اور کسی کے خوف سے ان کے دل مرعوب نہیں۔

اس سورہ کے نزول کے وقت مکہ کی فتح اور تمام عرب مسخر اور بت پرست مشرکین کا استیصال ہو چکا تھا، اب جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ اہل کتاب مشرکین تھے، جو موسیٰ اور عیسیٰ کا نام لے کر بھی خدا کے احکام کی توہین کرتے تھے اور بندوں کو خدا کا ہمسر قرار دیتے تھے، اس لیے آیت پاک

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ

" خدا کے شریک ٹھہرانے والے نجس ہیں ، تو وہ اس حرمت والی مسجد کے قریب نہ ہوں ۔"

کی تعمیم میں ہر قسم کے مشرک ، شریک اور داخل ہیں ، لیکن صورت واقعہ کے لحاظ سے مسجد حرام کے قریب بسنے والے یہود و نصاریٰ خصوصیت کے ساتھ داخل ہیں ۔

اس تفصیل کے بعد اس آیت کا ربط و تعلق مابعد آیتوں سے بالکل واضح اور روشن ہو جاتا ہے ۔ عرب کی تجارت تمام تر یہودیوں کے ہاتھ میں تھی ان کے مہاجنی کاروبار کا جال تمام ملک میں پھیلا تھا ، ملک میں غلہ اور سامان شام کے نبطی اور یہودی لاتے تھے ، اور یہی یہاں کے بیوپاری تھے یہودیوں کی تجارتی کوٹھیاں جو قلعوں کا مقابلہ کرتی تھیں ہر جگہ قائم تھیں اور جزیرہ عرب کے صوبہ شام میں رومی عیسائیوں کی اور صوبہ عراق میں مجوسی ایرانیوں کی فرمانروائی تھی ، جن کو اسلام نے مشابہ اہل کتاب قرار دیا ہے ۔

آیت میں قرب کا لفظ خدا نے استعمال فرمایا ہے یعنی یہ کہ مشرک مسجد حرام کے قرب میں نہ رہیں ، " قرب " اور " بعد " کے الفاظ اضافی ہیں ، یعنی ایک ہی حیثیت سے قریب کہی جا سکتی ہے اور دوسری حیثیت سے اس کو بعید بھی کہہ سکتے ہیں ، اس بنا پر جب خدا نے یہ حکم دیا کہ مشرک مسجد حرام کے قریب نہ رہیں ، تو ضرور ہے کہ اس قرب و بعد کی تعین کر دی جائے ، اسی لیے شارع نے اس قرب کی تعین " جزیرۃ العرب " کے لفظ سے ظاہر کر دی ، اور فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں اہل شرک کو سکونت کی اجازت نہ دی جائے اس بنا پر احادیث صحیحہ *اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب* (جزیرہ عرب سے اہل شرک کو نکال دو) لا تبقیٰ فیھا دینان (اس جزیرہ میں دو دین نہ ہوں) لا یبقیٰ فیھا قبلتان (اس میں عبادت کے دو مراکز نہ ہوں) حقیقت میں آیت بالا کی شرح اور تفسیر ہے اور حکم مذکور کا اجراء اور تنفیذ ہے ۔

اب اوپر کی لکھی ہوئی سورہ توبہ کی تین آیتوں کو ملا کر دیکھیے ، اور ایک بار بغور ان پر نظر ڈالیے :

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦٓ إِن شَآءَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلْحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حَتَّىٰ يُعْطُوا۟ ٱلْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَٰغِرُونَ ﴿٢٩﴾

" اے ایمان والو ! جو شرک میں مبتلا رہیں ، وہ نجس اور گندہ ہیں ، تو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں ، اگر تم کو (ان کی آمد و رفت کے رک جانے سے) فقر و فاقہ کا خوف ہو تو خدا تم کو اپنے فضل سے ان شاء اللہ غنی کر دے گا ، بے شک خدا (اپنے حکم کی مصلحتوں کا) جاننے والا اور حکمت والا ہے تم ان میں سے جن کو کتاب الٰہی دی جا چکی تھی ان سے لڑو جو خدا اور قیامت پر یقین نہیں رکھتے ، اور نہ ان کو حرام کہتے ہیں جس کو خدا اور اس کے رسول نے حرام کیا ، اور نہ وہ دین حق کی پیروی کرتے ہیں ، اور یہ لڑائی ان سے اس وقت تک رکھو جب تک وہ محکوم ہو کر جزیہ نہ دیں ۔"

ظاہر ہو گیا ہے کہ ہر قسم کے مشرکین سے اور خصوصاً اہل کتاب مشرکین سے مسجد حرام کا قرب و جوار پاک ہونا چاہیے ، اور جزیرہ عرب میں ان کی آمد و رفت اور سکونت مسدود ہونی چاہیے ، مسجد حرام کے قرب و جوار میں اہل شرک میں سے جو لوگ آمد و رفت رکھتے تھے اور سکونت کرتے تھے ، وہ دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو مصالحانہ تجارتی کاروبار کے ذریعہ سے آتے جاتے تھے ، دوسرے وہ تھے جو جزیرہ عرب کے حدود میں فوجی اور شاہانہ قوت و اقتدار رکھتے تھے ، اسلام نے ان دونوں کے لیے اپنے مقدس شہروں کے دروازے بند کر دیے ، ابھی گزر چکا ہے کہ اس ملک کا تمام کاروبار ، لین دین ، تجارت اور بیوپار یہودیوں اور نبطیوں کے ہاتھ میں تھا ، اس لیے لامحالہ مسلمانوں کو اپنی مالی اور اقتصادی قوت کے زوال ، اور اشیاء کی آمد و رفت کے انسداد ، اور باہر سے غلہ کی آمد بند ہو جانے کا خطرہ ہوا ، تو اللہ تعالیٰ نے اس مصالحانہ تجارتی ذرائع بند ہو جانے سے جو خطرہ لاحق ہوا ، اس کو اس تسلی سے جس میں آئندہ کی عظیم الشان پیشن گوئی چھپی تھی رفع کر دیا کہ اگر تم کو اس آمد و رفت کے بند ہو جانے سے فقر و فاقہ کا خیال ہے تو خدا اپنی دولت سے مالا مال کر دے گا ، یعنی تم کو سر زمین کی وسیع حکومت ، اور تجارت سپرد کرے گا ۔

تیسری آیت میں جس مقاتلہ کا ذکر ہے وہ اس سر زمین اقدس کی غیر مسلم قوتوں کے مقابلہ میں ہے ، جو عراق و شام کے صوبوں میں جو جزیرہ عرب کے آخری حدود تھے ، فوجی اور شاہانہ اختیارات رکھتی تھیں اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کا حکم تھا جب تک وہ جزیہ دے کر اسلام کی اطاعت نہ قبول کر لیں اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے شرک کا ثبوت دیا ہے کہ ان میں سے ایک نے عزیر کو اور دوسرے نے عیسیٰ کو خدا کا شریک ٹھہرایا ہے اور ان کے اس ارادہ فاسد کا اظہار ہے کہ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ وہ اسلام کی قوت کو کسی طرح شکست کر سکیں ، چنانچہ فرمایا :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ (التوبۃ)

" اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں (جن کو سچائی سے کوئی تعلق نہیں) یہ ان کافروں کے قول کی نقل ہے جو اس کے پہلے تھے ، خدا ان کو غارت کرے کدھر بھٹکائے جا رہے ہیں انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے اپنے دین کے عالموں کو اور مسیح کو خدا بنا لیا ہے حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک خدا کو پوجیں ، کوئی خدا نہیں مگر وہی ، وہ اس سے پاک ہے جس کو وہ خدا کا شریک بناتے ہیں ، یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور (اسلام) کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں ، اور خدا کو منظور ہے کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کے رہے اگرچہ ان کافروں کو دل سے یہ بات نا پسند ہو ، وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول (محمد) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے گو مشرکوں کو برا کیوں نہ لگے ۔"

آیات بالا میں اللہ تعالی نے یہود و نصاریٰ کے شرک اور نور اسلام کے بجھانے کے لیے ان کی جن کوششوں کا حوالہ دیا تھا ، وہ بعینہٖ آج تک قائم ہیں ، اہل کتاب کی اس مذہبی بد اعتقادی کو جس کی بناء پر مساجد الٰہی کی تولیت کا استحقاق ان سے چھن جاتا ہے ان کی مالی اور تجارتی بے ایمانیوں کو خدا نے ظاہر کیا ہے ، اور اس کے بعد حرمت کے چار مہینوں کا ذکر ہے ، جن میں سر زمین عرب میں لڑنا نا جائز ہے ، اور اس کے بعد رومیوں کی لڑائی یعنی غزوہ تبوک کا ذکر ہے ، جس سے شام کی لڑائیوں کا آغاز ہوتا ہے ، اور چند سال کے بعد بیت المقدس کی کنجی مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی ، اور تیسری مسجد کی تولیت کا فخر بھی ان کو عطا ہوتا ہے ۔

سلسلہ واقعات کی یہ کڑیاں ہمارے دعویٰ کی تائید اور شہادت ہیں کہ اس حکم کے نزول کے بعد عرب کے مشرکین پر فوج کشی نہیں ہوئی ، کیونکہ اب ان کا کوئی جتھا باقی نہیں رہا تھا ، بلکہ اول شام کے عیسائی رومیوں سے مقابلہ کیا گیا ، جو سر زمین حرم کے پاس ہونے کے باعث نور اسلام کے بجھانے میں سب سے پیش پیش تھے چنانچہ قرآن مجید نے بھی اس کے بعد اسی جنگ کا تذکرہ کیا ہے ، اور منافقین اور بعض سچے مسلمان اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے ، ان کو سخت ملامت کی ہے ، اور آخر میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ (التوبۃ)

" اے ایمان والو ! جو کفار تمہارے قریب ہیں ان سے جنگ کرو ۔"

غزوہ تبوک کے قرینہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس قریب ، متصل اور ہم سرحد کفار سے مقصود عراق و شام کی غیر مسلم حکومتیں ہیں ، جو بقیہ ارض عرب پر کسی استحقاق کے بغیر قابض تھیں ، چنانچہ آنحضرت ﷺ اسی حکم کی تعمیل کے لیے غزوات کا رخ ادھر ہی موڑ دیا ، اور غزوہ تبوک کے بعد ، مرض الموت میں غزوہ موتہ کے لیے فوج کی آراستگی کا حکم دیا ، اور چونکہ یہ مہم تمام نہیں ہوئی تھی اس لیے وفات کے وقت اپنے چار جانشینوں کو وصیت فرمائی کہ جزیرہ عرب نا مسلموں سے پاک کیا جائے ، بنا بریں حضرت صدیق اکبر نے بھی اسی محاذ جنگ کو قائم رکھا ، بلکہ اس کو عراق تک وسعت دے دی ، اور حضرت فاروق اعظم نے اس مہم کو انجام تک پہنچایا ، یہاں تک کہ جزیرہ عرب اپنے پورے حدود میں آزاد ہو گیا ، اور وہ صرف دین حق کا مسکن اور حضرت ابراہیم کی بشارت کا مستحق ہو گیا ، اور اس وقت میں اور خیبر وغیرہ کے نصاریٰ اور یہود کو خالص عرب کے صوبوں سے ہٹا کر عراق و شام میں آباد کیا گیا ۔"

اس تشریح سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ

1 کامل جزیرہ عرب اور اس کے مختلف حصوں کے کیا احکام ہیں ؟ کامل جزیرہ عرب کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ غیر مسلم کے استیلاء ، تسلط اور فرمانروائی سے آزاد ہو ، کہ اس سے زیادہ تر سر زمین حرم کے اصلی قرب ، اتصال کی تو لیت اور داخلہ کی جس سے اہل شرک کو روکا گیا ہے ، اور اور کیا صورت ہو سکتی ہے ؟ اور اسی لیے آنحضرت ﷺ کا فتح مکہ تک غزوات کا سلسلہ قائم رہا کہ یہ سر زمین بت پرست اہل شرک کے قرب ، تو لیت اور ستیلاء سے آزاد ہو اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء عراق اور شام کے اہل شرک سے نبرد آزما ہوئے تا کہ ان مقامات مقدسہ کو اہل کتاب یا مشابہ اہل کتاب مشرکین کے قرب ، تولیت اور استیلاء سے پاک و صاف کیا جائے۔

2 آیت پاک میں اس قرب کی ممانعت میں مسجد حرام کا لفظ خاص طور سے مذکور ہے ، اور اسی کی بقائے حرمت کی خاطر اس کے آس پاس کی زمینوں کے دروازے بھی اہل شرک پر بند کیے گئے ہیں ، اس لیے اس مسجد حرام کے اندر کسی غیر مسلم کا داخلہ قطعاً ممنوع اور نا جائز ہوگا ، ورنہ صریح نص کی مخالفت لازم آئے گی۔

3 آیت مذکورہ کی تشریح میں جو صحیح حدیثیں اخرجو المشرکین کی آئی ہیں ان میں جزیرۃ العرب کا لفظ صریح طور سے واقع ہے اور اسی کے مطابق حضرت عمر نے یمن اور خیبر سے غیر مسلموں کو خارج کر کے ان کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عراق و شام میں جگہ دی جو ان کا اصلی وطن تھا، اس لیے یہ ثابت ہوا کہ خالص عرب یعنی حجاز میں، یمن حضر موت، عمان، بحرین، نجد، یمامہ وغیرہ عربی صوبوں میں غیر مسلم کی مستقل سکونت نہیں ہو سکتی، البتہ ان کا عارضی قیام ہو سکتا ہے، چنانچہ اسی اصول کے مطابق اس آیت کے نزول کے بعد بھی آنحضرت ﷺ اور دیگر خلفاء کے درباروں میں جن کا مرکز مدینہ منورہ تھا، ہمیشہ غیر مسلم سفرائے سلطنت اور امراء آیا کرتے تھے۔

4 جزیرۃ العرب کی لفظی وسعت میں اگرچہ عراق و شام کے صوبے داخل ہیں تاہم خالص عرب کے حدود سے وہ یقیناً باہر ہیں، اور قرآن پاک نے ان اہل کتاب کو جو وہاں سکونت پذیر تھے، اسلام کی حکومت اور استیلاء کے تسلیم کر لینے کے بعد ان کو وہاں سے نکالنے کا حکم نہیں دیا، آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے ان صوبوں کے حدود میں اور ان صوبوں کے اندر اہل کتاب مشرکین کو جگہ دی اور وہاں آباد کیا، اس لیے جزیرہ کے ان صوبوں میں ان کو اسلام کے زیر سایہ اقامت اور سکونت کی اجازت ہے اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو بیان فرماتے وقت اپنی صفات ان الفاظ میں ظاہر فرمائی ہیں:

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾

" بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

یعنی ان احکام کے جاری کرنے میں جو مصلحتیں اور فائدے ہیں ان کو وہ خوب جانتا ہے، اور اس کی حکمت اور دانائی اس کی مقتضی ہے کہ وہ ان احکام کو نافذ کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے بیان میں " خانہ کعبہ " کو " بیت " نہیں کہا جیسا کہ دوسرے موقع پر کہا ہے، " کعبہ " نہیں کہا جیسا کہ ایک اور مقام پر مذکور ہے، غرض اس کے متعدد اسماء و صفات میں سے اس خاص موقع پر " مسجد حرام " یعنی " حرمت والی مسجد " کے نام سے اس کو تعبیر فرمایا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کی " حرمت " ہی اس حکم کی بنا اور مصلحت ہے، اسی طرح نا مسلموں کو جن سے اس حرمت والی مسجد اور اس کے اطراف کو پاک و صاف کرنا مطلوب ہے، لفظ " مشرکین " سے ادا فرمایا ہے، جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے شرک کی آلودگی ہی ان کے منع قرب اور عدم دخول کی علت اور باعث ہے، اسی لیے آنحضرت ﷺ اس حکم الٰہی کی تشریح میں یہ الفاظ فرمائے کہ

" اخرجوا المشركين من جزيرة العرب"

" مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔"

یا یہ فرمایا:

"لا تبقي دينان"

" جزیرہ عرب میں دو دین (ایک حق اور ایک باطل) باقی نہ رہیں۔"

اور یا یہ ارشاد ہوا:

"لايبقي قبلتان"

" دو قبیلے (یعنی عبادتوں کے دو مرکز) باقی نہ رہیں۔"

یہ تمام مختلف الفاظ اور عبارات ایک ہی حقیقت کی تعبیر، اور ایک ہی کنہ کی ترجمانی ہے۔

اسلام نے اپنے کسی حکم میں اس مصلحت کو نظر انداز نہیں کیا ہے کہ وہ اجتماعی دین ہے، اس کی عمارت کی پانچ بنیادیں، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اس کی اسی وحدت اور اجتماع کے پہلو کو نمایاں کرتی ہیں، توحید یہی ہے کہ صرف ایک قادر ہستی کا اعتراف کیا جائے، نمازوں کی جماعت اور اوقات معین بھی اسی لیے مشروع ہیں، کہ مسلمان سینکڑوں اور ہزاروں کی کثرت کے باوجود، ایک ہو کر منظر عام پر آئیں اور ایک ہی معین وقت میں تمام روئے زمین کے اہل ایمان خدا کے سامنے جھکے نظر آئیں، روزہ کے اوقات اور ایام کی تعیین، اور ماہ رمضان کی تخصیص بھی اسی لیے ہے کہ زمین کے جس گوشہ میں بھی مسلمان ہوں وہ سب ایک ہی وقت ایک حالت اور کیفیت میں جلوہ گر ہوں، زکوٰۃ کی ایک خاص مقدار معین کی گئی، اور اس کی مشروع صورت یہ رکھی گئی کہ وہ ایک ہی جگہ (بیت المال میں) جمع ہو کر مقررہ مصارف میں خرچ ہو، حج کے خاص مہینہ، خاص طریقے، خاص لباس، خاص مقام کی تعیین اسی لیے ہے کہ اس سطح ارضی کے تمام کلمہ گو، ایک ہی رنگ روپ، ایک ہی شکل و صورت، ایک ہی طریق انداز سے ایک مرکز ربانی کے گرد جمع ہو کر وحدت اسلامی کے مجسم پیکر بن جائیں، احادیث صحیحہ میں مسلمانوں کی وحدت اور اجتماع کے جو احکام ہیں، وہ بھی اسی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

" يد الله علي الجماعت و من شذ شذ في النار"

" خدا کا ساتھ مسلمانوں کی اجتماعی ہیئت (جماعت) پر ہے جو اس سے علیحدہ ہوا، دوزخ میں علیحدہ ہوا۔"

" المومن للمومن كالبنيان ليشد بعضه بعضا"

" ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے دیوار کی طرح ہے، جس کی اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر اس کو مضبوط کرتی ہے "

اسی وحدت اور اجتماع کی دیوار ہے جو نمازوں کی جماعتوں میں، اور جہادوں کی صفوں میں، سیسہ کی پگھلائی دیواروں کی مانند مستحکم، متحد اور مجتمع ہو کر خدا کی نگاہوں میں محبوب اور عزیز ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿٤﴾ (صف)

" بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

اسلام کے اسی وحدت اور اجتماع کا اقتضا تھا کہ ان لاکھوں اور کروڑوں اور دلوں اور چہروں کے لیے جو زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوں، سطح ارضی کا کوئی گوشہ مخصوص کر دیا جائے، جدھر سب کے رخ وہ جہاں بھی ہوں دن میں پانچ دفعہ پھر جائیں، تاکہ دنیا میں ہر روز یہ اعلان ہوتا رہے کہ خلق الٰہی کی اتنی تعداد جسمانی وطن، مقام اور مسکن کے اختلاف کے باوجود، اپنا ایک ہی روحانی وطن، مقام اور مسکن سے تعلق رکھتی ہے، اسی لیے حکم ہوا:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ (البقرہ)

" تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر (اور اے مسلمانو!) جہاں بھی ہو تم اسی کی طرف اپنا چہرہ پھیرو۔"

اسی مرکزی جہت کا نام قبلہ ہے، یہ جہت اور قبلہ وہ بیت الٰہی قرار پایا جو دنیا میں خدا کا پہلا گھر تھا۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (المائدۃ)

" یاد کرو کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور امن بنایا۔"

نہ صرف اسی قدر بلکہ سطح ارض پر بسنے والے تمام مسلمانوں کی شیرازہ بندی، اور ان کی اجتماعی وحدت اور ان کے مصالح کے قیام کا اس کو ذریعہ اور نشان بنایا۔

" خدا نے کعبہ یعنی اس مقدس گھر کو لوگوں کے لیے ٹھہراؤ بنایا۔"

اب ضرورت تھی کہ مومنین کا یہ مرجع، یہ نقطہ اجتماع، یہ نشان وحدت، بیگانہ خیالات، اجنبی رسوم و آداب اور غیروں کے اختلاط اور امتزاج اور میل جول کے گرد و غبار سے پاک ہو، تاکہ ہدایت کا جو چشمہ یہاں سے بہہ کر نکلے وہ ہر قسم کی آلائشوں سے مبرا اور ہر قسم کی گندگیوں سے منزہ اور ہر طرح کی نجاستوں سے صاف ہو، اسی لیے حکم ہوا کہ " مبتلایان شرک " نجس اور ناپاک ہیں، تو وہ اس حرمت والی مسجد کے قریب نہ ہوں کسی خاص گوشہ ارضی کا بیگانہ خیالات و عقائد، اور ادب و رسوم کے شر و فساد اور تاریکی و گمراہی سے محفوظ رکھنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ اس گوشہ کا، خاص خیالات و عقائد اور آداب و رسوم کی جماعت کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور دوسری جماعتوں کو وہاں کے قرب و اتصال، آمد و رفت اور قیام و سکونت، سے روک دیا جائے کہ بیگانہ خیالات و عقائد اور اجنبی آداب و رسوم کی سرایت اور نفوذ صرف اجنبی قوموں اور بیگانہ اشخاص کے میل جول امتزاج اور صحبت ہی کا نتیجہ ہے اس لیے دنیا کے دائمی مذہب کے لیے جس کے بعد کوئی نیا مذہب اس کو دیا نہ جائے گا یہ ضرور تھا کہ اس کے قیام و بقاء اور تحفظ کے لیے ایک ایسا خطہ اقدس مخصوص کر دیا جائے جہاں وہ تنہا حکمران اور آباد ہو تاکہ اگر کبھی وہ دنیا میں بے وطن ہو جائے تو اس سر زمین اس کا وطن رہے، یا اگر کبھی اس کی مشعلیں زمین کے دوسرے خطوں میں بجھ جائیں، تو روشنی کا ایک منارہ کم از کم ایک گوشہ خاکی میں قائم رہے جہاں سے اس کی بجھی ہوئی مشعلوں کو دوبارہ روشنی مل سکے، یا اگر کبھی اس کی ہدایت کی بیرونی نہریں خشک یا مکدر ہو جائیں تو اس کا ایک سر چشمہ باقی ہو، جہاں سے دوبارہ اس کو زندگی اور حیات مل سکے یہی تفسیر آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کی

"لا تبقى فيها قبلتان"

" جزیرہ عرب میں عبارت کے دو مرکز باقی نہ ہوں۔"

"لايترك فيها دينان"

"جزیرہ عرب میں دو دین چھوڑے نہ جائیں۔"

لا محالہ اگر کسی قوم کو یا افراد کو مستقل قیام کی اجازت دی جائے گی تو لا محالہ وہ وہاں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرے گی، اپنے خیالات کی تبلیغ کرے گی اپنے تمدن اور آداب و اخلاق کی اشاعت کرے گی، اور یہی شئے مسجد حرام کی عظمت، تقدس، اور حرمت کو بے بنیاد کرے گی، اسلام سے پہلے عراق میں مجوسی اور شام میں عیسائی حکومت تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ اوسط عرب میں مزدکی اور عیسائی مذہب نشو و نما پا رہے تھے، قوموں کے استیلاء اور تسلط کا آغاز اسی قرب و اتصال سے ہوتا ہے دنیا کی تاریخ میں اس کے کس قدر بے شمار نظائر ہیں، خصوصاً یورپ کی اس برتری اور ترقی کے عہد میں مشرق کے کس قدر ممالک ہیں جن کے تسلط اور استیلاء کا آغاز اسی قرب و اتصال سے ہوا ہے پہلے بحری آمد و رفت ہوئی، پھر عارضی سیاحتیں ہوئیں، پھر تجارتی تعلقات ہوئے مستقل کوٹھیاں تعمیر ہوئیں، آئندہ یہی کوٹھیاں سیاسی سازش گاہوں کی صورت میں بدل گئیں، اور آخر وہ فوجی اور جنگی قلعوں کی حیثیت میں منتقل ہو گئیں، مراکش سے لے کر مصر تک خلیج سے لے کر بحر ہند تک، اور خلیج عجم سے لے کر بحر حبشہ اور بحر عرب تک کیا یہی نقشہ حال نہیں نظر آتا؟ تو اسلام نے اگر ان مفاسد کے سد باب کے لیے تسلط اور استیلاء کے ذرائع و وسائل، یعنی قرب و اتصال کو ممنوع قرار دیا تو دنیا کے تاریخی تجربہ کے لحاظ سے غلط نہیں کیا فاعتبروا یا اولي الابصار

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد جاوید اقبال

قرآن کریم — بنی نوع انسان پر اللہ کا عظیم احسان

جیسا کہ سورہ رحمٰن کی ابتدا میں ارشاد کیا گیا ہے بنی نوع انسان کو قرآن سکھانا خدائے رحمٰن کا عظیم احسان ہے ۔ اتنا بڑا احسان کہ نود تخلیقِ انسانی ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے ۔ کیونکہ ہدایت سے محروم وجود تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے ۔ اُس کی ہستی ایک الزام کے سوا کچھ نہیں ۔ بالآخر وہ جہنم کی گہرائیوں میں اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے ۔ آیئے دیکھیں قران کے اہم احسانات کیا ہیں۔

قرآن کا پہلا احسان توحید کا ایقان ہے ۔ ایک اللہ کی تخلیق ہونے کے سبب تمام بنی نوع انسان برابر ہیں ۔ کالے کو گورے پر فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ گورے کو کالے پر ۔ دونوں ایک ہی اللہ کی تخلیق ہیں اور رنگ اور نسل محض انسان کی شناخت کے لیے ہیں ۔ ورنہ سوچیں سات ارب انسانوں کی شناخت کیسے کی جاتی ؟ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ (سورہ الحجرات : 13)

" اے بنی نوع انسان ہم نے تم میں قبائل اور گروہ بنائے تا کہ تمہاری پہچان ہو سکے ۔ تم میں وہی زیادہ عزت والا ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے "

اس طرح قرآن انسانوں میں ایک احساسِ یگانگت پیدا کرتا ہے اور انہیں احساسِ کم تری اور احساسِ برتری سے بچاتا ہے ۔ اس طرح کسی شہر یا قصبے کے رہنے والے آپس میں بھائیوں کی طرح رہ سکتے ہیں ۔ ان میں کوئی کسی سے بہتر یا کم تر نہیں ہے سوائے اس کے کہ کوئی اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہونے کے سبب عزت پائے ۔ قرآن انسانوں میں یکجہتی اور اتفاق بڑھانے کے لیے انہیں دن میں پانچ مرتبہ نماز قائم کرنے کا پابند بناتا ہے ۔ یعنی اپنے بھائیوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے پر آمادہ کرتا ہے ۔ تا کہ ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکیں ۔ مسافر مقیم لوگوں کے مہمان بن سکیں اور مقیم مسافروں کی دعوت کر سکیں ۔ غریب اور محتاج مالداروں سے مدد حاصل کر سکیں ۔ لیکن اس فرق کے باوجود وہ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں اور کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہ ہو ۔ کسی کے لیے جگہ مخصوص نہیں ہوتی اور پہلے آنے والا بہتر جگہ حاصل کر سکتا ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اس لیے مسجدوں میں دربان نہیں ہوتے ۔ اللہ کا ہر بندہ مسجد آ کر اللہ کی عبادت کر سکتا ہے اور ایمان کی نعمت پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کر سکتا ہے ۔ نماز کے ذریعے اتفاق قائم کرنے کے علاوہ قران واضح اعلان کرتا ہے کہ امت مسلمہ ایک امت ہے اور فقط اللہ ہی اُس کا رب ہے :

وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ﴿٥٢﴾

" اور تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں (سو تم لوگوں سے نہ ڈرو) فقط مجھی سے ڈرو۔"

قران کریم ہمیں بتاتا ہے کہ امارت اور غربت دونوں کے ذریعے ہمارا امتحان ہوتا ہے۔ اس لیے کسی کو نہ دولت مندی پر اترانا چاہیئے اور نہ قلتِ معاش پر پریشان ہونا چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مالی اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت نہ ہوتی تو کوئی کسی کا کام نہ کرتا اور بہت سے کام نہ ہو پاتے ۔ غور فرمائیں کہ جس طرح قومی سطح پر پروڈکشن کا کام بیسویں صدی میں شروع ہوا ہے جس میں ہزاروں محنت کش کام کرتے ہیں ، جس کا پہلے تصور بھی نہ تھا ، قرآن اس کی طرف توجہ دلاتا ہے ۔ وسیع پیمانے پر مال کی تیاری محنت و سرمائے کے اشتراک ہی سے ممکن ہے اور اس لیے ضروری ہے کہ کچھ لوگ محنت کش بننے پر آمادہ ہوں ۔ اس طرح قران ہر بندہ مومن کے دل کو قناعت اور طمانیت سے بھر دیتا ہے اور وہ بغیر مادی خوشحالی کے خوش و خرم زندگی گذارتا ہے ۔ قرآن انسان کو یہ شعور عطا کرتا ہے کہ مطمئن زندگی کے لیے معاشی فراغت اور خوش حالی ضروری نہیں ۔ دولت ذمہ داری لاتی ہے اور جواب دہی بھی ۔ نبی کریم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے کہ " اے اللہ ! تو آلِ محمد کو گزارے لائق رزق عطا فرما "۔ آپ کی یہ دعا انبیاء کی پیروی میں تھی ۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کرتے : " تیری بادشاہت جیسی آسمان پر ہے زمین پر بھی آئے۔ تو ہمیں روز کی روٹی دے "۔ جس بندے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دل میں ان جلیل القدر انبیاء کی دعائیں گھر کرلیں وہ دنیاوی خوشحالی کو ایک بوجھ تصور کرتا ہے اور سادگی سے زندگی گزارنے کو بہتر قرار دیتا ہے ۔ اسی لیے وہ رزق کے حصول کے لیے جائز ذرائع اختیار کرتا ہے اور حرام ذرائع سے پرہیز کرتا ہے۔

ملت کی یکجہتی میں ایک بڑی رکاوٹ مذہبی فرقے ہیں ۔ فرقوں کے سبب اتحادِ امت ختم ہو جاتا ہے ۔ اسی لیے قرآن نے ہمیں فرقے بنانے اور اختیار کرنے سے منع کیا ہے :

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ (آل عمران: 105)

" اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقہ فرقہ ہو گئے اور احکام واضح آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن بڑا عذاب ہوگا۔"

اس طرح پوری امت ایک مقام پر ، ایک شخص کی امامت میں نماز ادا کر سکتی ہے اور مسلمان کی حیثیت سے ہمیں اسی کی تیاری کرنی ہے تاکہ کل جب امام مہدی آئیں تو امت مکمل یکجہتی کے ساتھ آپ کا اتباع کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں زندگی بسر کرنے کے جو اُصول ہمیں عطا کیے ہیں وہ نہایت جامع اور حیات کے ہر شعبے پر محیط ہیں ۔ قرآن کے ہر لفظ سے اپنے بندوں سے اللہ کی محبت ٹپکتی ہے اور ایسی نصیحتیں انسان کو پہنچتی ہیں جن پر عمل کرنے سے وہ ہر طرح کی مشکلات و مصائب سے بچ جاتا ہے اور ایک پرسکون زندگی اور بہتر عاقبت پاتا ہے ۔ ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کے احکام فقط اور فقط ہماری فلاح کے لیے ہیں ۔ اگر ہم ان پر عمل نہ کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے اور عمل کر کے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

عورتیں انسانیت کا نصف بہتر ہیں ۔ لیکن دیگر ادیان میں ان کے مقام اور حقوق کے بارے میں انتہا پسندانہ رویہ روا رکھا جاتا ہے ۔ مثلاً عیسائیت میں عورت پیدائشی گناہگار ہے ۔ بی بی حوا نے حضرت آدم کو گناہ پر اکسایا تھا ۔ اس لیے عورتوں سے گریز پر زور دیا جاتا ہے بلکہ کنوارا رہنا بہتر سمجھا جاتا ہے یہ سوچے بغیر کہ پھر انسان کی افزائش نسل کیوں کر ہوگی ؟ قرآن نے اس کے برعکس خواتین کو رجال کے برابر مقام عطا کیا ۔ یہاں تک کہ جتنی دفعہ مردوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے اُتنی ہی مرتبہ عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ کیونکہ عورتیں صنفِ نازک سے تعلق رکھتی ہیں ان کے حقوق کے تحفظ کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ کہیں مرد طاقت کے زور پر ان کی حق تلفی نہ کر گزریں ۔ عورتوں کے حقوق کے لیے پورا ایک باب مخصوص کیا گیا ہے جس کا نام ہی سورۃ النساء ہے ۔ اس کی پہلی آیت میں فرمانِ الٰہی ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾

" اے بنی نوع انسان اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے تخلیق کیا اور اُس کا جوڑا بنایا اور پھر ان سے لاتعداد مرد و زن پیدا کیے ۔ اللہ سے ڈرو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے حقوق طلب کرتے ہو ۔ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔"

یہ مقدس آیہ کریمہ مسلمانوں میں نکاح کے خطبے میں پڑھی جاتی ہے ۔ اس طرح مرد و زن دونوں کو احساس دلایا جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی دوسرے سے بہتر نہیں ہے اور دونوں کے حقوق یکساں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے کمزور وجود ہونے کے سبب مردوں کو انھیں مہر دینے کا پابند کیا ۔ تاکہ شوہر اپنی بیوی کی قدر کر سکے اور دوسری شادی کا نہ سوچے:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ﴿٤﴾ (النساء:4)

" عورتوں کو نکاح پر ان کا حق مہر ادا کرو۔ لیکن اگر وہ خوشی سے کوئی حصہ معاف کر دیں تو اُسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو منع کیا ہے کہ وہ مہر معاف کرانے کے لیے عورتوں پر کوئی دباؤ ڈالیں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ (النساء:19)

" اے ایمان لانے والو ! عورتوں کی مرضی کے خلاف ان کے وارث نہ بنو اور نہ ان سے سختی سے پیش آؤ تاکہ ان سے حق مہر معاف کرا سکو الا اس کے کہ اُنہوں نے کوئی کھلی بے حیائی کا کام کیا ہو ۔ اس کے برعکس ان سے مہربانی کا سلوک کرو اور ان سے مساویانہ رویہ رکھو ۔ اگر ان کی کوئی بات تمہیں ناپسند ہو تو ممکن ہے اللہ اُس کے ذریعے کوئی بڑا فائدہ پہنچائیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ازدواجی رشتے میں اعتدال و توازن کی تعلیم دی ۔ میاں بیوی کے قریبی تعلق کی نسبت سے انہیں ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے ۔ ظاہر ہے کہ لباس نہ صرف انسان کی پردہ پوشی کرتا ہے بلکہ اُسے مہذب اور جانوروں سے ممتاز بھی کرتا ہے ۔ قرآن کہتا ہے کہ جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرد عورتوں کے حقوق کا پاس نہیں کرتے وہ جانوروں کی مانند ہیں:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ (البقرہ: 187)

"روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔"

مرد و زن کے خوشگوار تعلقات میں بچوں کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔ اگر ماں باپ الگ ہو جائیں تو بچے رل جاتے ہیں۔ اس لیے قرآن نے طلاق کی روک تھام کی کوشش کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے طلاق کو جائز چیزوں میں سب سے ناگوار چیز قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طلاق سے بچانے کے لیے ایک پوری سورت نازل کی ہے۔ اور شروع کلام ہی سے طلاق کا امکان ختم کرنے کے لیے ہدایات جاری فرمائی ہیں۔ سورہ بقرہ میں آتا ہے:

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَن يَخَافَا (البقرۃ: 226 - 229)

"جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیں ان کو چار ماہ انتظار کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس عرصے میں قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سنتا اور جانتا ہے اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں اور اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتی ہیں تو ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اللہ نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اُسے چھپائیں اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس مدت میں ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کا زیادہ حق دار ہیں اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ غالب و صاحب حکمت ہے۔ طلاق صرف دو بار ہے۔ یعنی دو دفعہ جب طلاق دیدی جائے تو پھر عورتوں کو بطریق شائستہ نکاح میں رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو، اُس میں سے کچھ واپس لو۔"

کیا اس سے زیادہ بہتر حقوق کسی اور دین میں دیئے گئے ہیں؟ قرآن نے صدیوں سے مردوں کی خواہش نفس میں گرفتار عورت کو رہائی عطا کی۔

جس کی آنکھیں بند نہیں ہیں یا وہ میڈیا پر اندھا انحصار نہیں کر رہا وہ دیکھ رہا ہے کہ دین سے نظامِ حیات جُدا کر دیا گیا ہے اور ہر جگہ ہوس کی کار فرمائی ہے۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو

(اقبال)

اب بصارت سے زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔ ہر خبر پر اعتبار کرنے کی بجائے اسے فہم و ادراک کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

ہر ملک ومعاشرے میں دولت مندوں کی حکومت ہے جو ان کے مفادات کی نگرانی کرتی ہے۔ امیر امیر تر ہو جاتے ہیں اور غریب غریب تر اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ اسی لیے پاکستان جیسے سرسبز و شاداب ملک میں تقریباً نصف آبادی غربت کی سطح سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے اگر اسے زندگی کہا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے جو نظام وضع کیا ہے اُس میں حکومت امیروں کی نہیں ہوتی بلکہ متقین کا حق ہوتی ہے۔ سورہ الانبیاء میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

"اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد (یہ قانون) لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔"

کس قدر شرم اور ذلت کی بات ہے کہ مسلمانوں نے دنیا مفاد پرست مالداروں کے حوالے کر دی اور چند مراسم عبادت کو اختیار کر کے خوش ہیں کہ ان کی نجات ہو جائے گی۔ حالانکہ دردِ دل رکھنے والے اہلِ نظر بتاتے رہے کہ کش مکش حیات سے بچ کر کسی گوشہ عافیت میں زندگی گزارنا اسلام کا مقصود نہیں:

گریز کش مکش زندگی سے مردوں کا
اگر شکست نہیں تو اور کیا ہے شکست؟

(اقبال)

یہودی جن کا لالچ اور دولت سے محبت مشہور ہے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک کسی قوم کی سیاست دولتمندوں کی دستِ نگر نہ ہو اور انہیں کھیل کھیلنے کی پوری آزادی نہ دی جائے اس پر کنٹرول کرنا مشکل ہے۔ اسی لیے مشرق سے مغرب تک قوموں کی باگ ڈور ان کے جاگیرداروں، بیورو کریٹس اور فوجی جنرلز کے ذریعے عرصے سے ان کے کنٹرول میں تھی۔ برطانیہ اور امریکہ نے سو سے زیادہ ممالک پر اس لیے حملہ نہیں کیا کہ وہ ان کو آزادی اور خوش حالی دلانا چاہتے تھے، بلکہ ان کا مقصد انہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومتوں کا قیام تھا جو ان کے مفادات کو آگے بڑھائیں اور معاوضے میں اپنی ہی قوم کو دونوں ہاتھوں سے لوٹیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا ہے اس لیے وہ جانتے ہیں کہ اگر لالچ کی بیخ کنی نہ کی گئی تو ہوس بے لگام ہو کر کمزور طبقات کا جینا محال کر دے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے:

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

" جس دن آگ دہکائیں گے ہم ان پر دوزخ کی اور داغیں گے ان کی پیشانیاں، کروٹیں اور پیٹھیں۔ یہ ہے وہ جو تم جمع کرتے تھے سو چکھو مزہ اپنے جمع شدہ مال کا۔"

معاشرے میں عدم مساوات اور ناہمواری کا ایک اہم سبب سود ہے جو مجبور اور غریب بندوں سے لیا جاتا ہے اور امیر امیر تر ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور اتنی سختی سے اس کا استیصال کیا کہ سود لینے والوں سے اعلان جنگ کر دیا۔ پہلے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کی آیات:

فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٧٦﴾

" جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اُس کا اور قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو اب بھی سود لے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود (بے برکت) کرتا ہے اور خیرات کو برکت دیتا ہے۔ اللہ کسی ناشکرے گنہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔"

پھر اللہ ایسے لوگوں سے اعلان جنگ فرماتا ہے جو ہدایت آ جانے کے باوجود سود لینا ترک نہیں کرتے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ (البقرۃ:278-279)

" مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہ کروگے تو خبردار ہو جاؤ کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہو۔ اگر تم توبہ کرو گے اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔"

اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ سود سے معاشرے میں تنگی اور بدحالی پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنا مال سودی کاروبار میں لگاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے مال میں افزائش ہو رہی ہے وہ سخت غلطی کا شکار ہیں۔ یہ مال کی افزائش نہیں بلکہ اللہ سے بغاوت ہے۔ جبکہ زکوۃ سے دولت کم نہیں ہوتی بلکہ یہ امر اللہ کی رضامندی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے ہی کو منع نہیں کیا بلکہ دولت کا بے جا استعمال اور اسراف بھی حرام قرار دیا۔ دولت کو امیروں پر ایک ذمہ داری بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (بنی اسرائیل:27)

" بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قران ہمیں ایک متوازن نظام حیات عطا کرتا ہے۔ جس میں امیر و غریب سب مطمئن اور پُر امن زندگی گزار سکیں۔

قرآن بنی نوع انسان پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو قوموں کو عروج بھی عطا کرتی ہے اور اسے نظر انداز کر دینے پر قوم زوال پذیر بھی ہو جاتی ہے۔ اس کی حکمتوں کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں صرف اس پر غور تدبر کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اگر مسلمان دنیا میں ذلیل و خوار ہیں تو صرف اسی وجہ سے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کے اس احسان کی ناقدری کی ہے جس کی سزا انہیں مل رہی ہے۔ دعا ہے کہ مسلمان اس عظیم کتاب کی طرف متوجہ ہوں تاکہ ایک بار پھر وہ اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کر سکیں۔

اتباعِ دلیل

" و انما ينبغي للانسان ان يتبع الدليل لان يتبع طريقاً و يتطلب دليلها ۔"

" اور ہونا یہ چاہیے کہ انسان دلیل کی اتباع کرے نہ کہ وہ پہلے کوئی طریقہ اختیار کرلے اور پھر اس کے لیے دلیل کا طالب ہو۔"

امام ابو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزی کی کتاب "صید الخاطر" سے ماخوذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راحیل گوہر

انسانی وحدت کا قرآنی تصور

انسانی وحدت کا مغربی تصور زبان، نسل اور علاقے پر مبنی ہے۔ جبکہ وحدت کا اسلامی تصور ایک مشترکہ مطمعِ نظر ہے۔ مفکر اسلام علامہ اقبال کے نزدیک مسلمان قومیت کی بنیاد عقیدۂ توحید و رسالت پر ہے۔ انسانی وحدت کا عملی مظاہرہ اقوام عالم کی بقاء و سلامتی اور معاشرتی امن و سکون کے لیے اتنا ہی ضروری اور اہم ہے جتنا کہ انسانی بدن کے لیے غذا کی فراہمی۔ اگر وحدتِ انسانی کا تصور قوموں کی زندگیوں سے نکال دیا جائے تو اس کائنات کے طول و ارض میں انتشار و افتراق، بد نظمی اور فساد فی الارض کی کیفیت پیدا ہوجائے گی۔ اور پھر ظلم و استیصال، جبر و تشدد، عزت و ناموس کی پامالی اور انسانی جان و مال کا تحفظ بے معنی ہو جاتا ہے۔

تاریخ انسانی کے صفحات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ نزول قرآن سے قبل اقوام عالم انسانی وحدت کے تصور سے یکسر محروم تھی۔ اونچ نیچ کی تفریق، اخلاقی اور سماجی مساوات کا فقدان اور طبقاتی حد بندیوں نے انسانی وجود کو پابند سلاسل کر رکھا تھا، جس کے سبب معاشروں میں ایک نفرت، بد نظمی اور کشمکش کی صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔

لمحۂ فکریہ تو یہ ہے کہ اکیسویں صدی کے جدید دور میں بھی وہ ترقی یافتہ قومیں جو عدل و انصاف اور مساوات انسانی کی دعویدار ہیں، ان کے ہاں بھی انسانی وحدت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ حالات و واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ ماضی بعید میں جو ناروا سلوک سیاہ فام نسل کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے، آج بھی اس سلوک و رویے میں کوئی واضح فرق پیدا نہیں ہو سکا۔ یورپ اور امریکا اپنی اعلیٰ تہذیب و اقدار اور حریت انسانی کے علمبردار ہونے کے باوجود گورے کالے کی عدم مساوات میں ذہنی اور عملی طور پر پوری طرح ملوث ہیں۔ پچھلے دنوں امریکی صدر بارک اوباما نے اپنے ایک بیان میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امریکا میں سیاہ فام تعصب کا نشانہ بنتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ایک وقت میں میرا بھی پیچھا کیا جاتا رہا ہے۔ امریکی صدر نے مزید کہا کہ بہت کم ایسے امریکی سیاہ فام مرد ہوں گے جنہیں نسلی تعصب کا نشانہ نہ بننا پڑا ہو۔ دوسری جانب ایشیائی ممالک میں سر زمین ہند پر اس سائنس اور ٹیکنالوجی کے روشن ترین دور میں بھی ہندو مت ذات برادری کی تقسیم میں مبتلا ہے۔ آج بھی ہندو معاشروں میں برہمن، چھتری، ویش اور شودر کی نمایاں تفریق موجود ہے اور نچلی ذات کے ہندو اعلیٰ ذات کے ہندوؤ ں کے ظلم و استیصال اور ذہنی و جسمانی اذیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بدھ مت جس کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ ہی اصلا ح نفس تھا۔ گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات کے جو اخلاقی پہلو وضع کیے تھے ان میں صدق، عقیدت، صدق ارادت، راست گوئی، راست بازی، اکل حلال کا حصول، عزم صمیم، صادق تصور، زنا، نشہ آور چیزوں سے پرہیز اور سب سے بڑھ کر جانداروں کو اذیت دینے سے سخت منع کیا ہے، بدھ مت کی معاشرتی تعلیم میں حقوق و فرائض کی صحیح ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔ لیکن آج بدھ کی ان بہترین تعلیمات کو بھی یکسر بھلا دیا گیا ہے۔ جس کے ہولناک مظاہرے برمی مسلمانوں پر بہیمانہ ظلم کی صورت میں منظر عام پر تسلسل کے ساتھ سننے اور دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ انسانوں کو جانوروں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے۔ مذہب کی بنیادوں پر انسانیت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ برابری، مساوات اور عدل و توازن کا تصور قلوب و اذہان سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا ہے۔ پہلے بھی سسکتی انسانیت کی داد رسی کرنے والا کوئی نہ تھا اور آج بھی صورت حال یہی ہے۔ ماضی میں غالب قومیں اپنے خود ساختہ اصول و قوانین کے تحت جبراً مغلوب و مقہور انسانوں پر موت کا کوڑا بن کر برستی رہتیں اور کسی ستم رسیدہ کو اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

ماضی بعید میں عالمی اقوام میں مصر، ایران، روم، چین اور جزیرۂ نما عرب وغیرہ میں سب کی حالت زار کم و بیش یہی تھی۔ فساد فی الارض کے نقشے مختلف زاویوں کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ کسی جگہ شرک و بت پرستی اور معبودان باطل کی پرستش کا ماحول تھا، تو کسی خطے میں سیاسی جبر و اکراہ انسانیت کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ مذہبی پیشواؤں اور عیسائی راہبوں نے جنس پرستی اور شہوت رانی کی بھوک سے عبادت خانوں کو آلودہ کیا ہوا تھا۔ غرض کہ زندگی کی ہر سطح پر انسانیت سوز اور وحشیانہ طرز عمل جاری تھا۔ غریب اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم حیثیت کا آدمی اپنے جسم و جاں کی توانائیاں نچوڑ کر بھی مفلوک الحال رہتا تھا اور تونگر اور غاصب طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جاتا تھا۔ وہ غریب اور بے بس انسانوں کا خون چوس کر طاؤس و رباب کے مزے لوٹتا رہتا۔ شراب و شباب کے نشے میں اسے نہ مظلوموں کے آنسو نظر آتے اور نہ ان کی درد ناک چیخیں ہی سنائی دیتی تھیں۔

ان روح فرسا حالات میں قرآن حکیم کا نزول روح کو سکون اور انسانی جسموں کو فرحت و انبساط اور شدید حبس کی حالت میں بارش کی نشاط آگیں پھوار ثابت ہوا۔ صدیوں سے تڑپتی، سسکتی اور زخموں سے گھائل انسانیت کو طمانیت و قرار ملا۔ مشام جاں کو تازہ کرنے والے جھونکوں سے ظلم و ستم کی تپش سے جھلستے جسموں میں ایک نئی روح سرائیت کر گئی۔ قرآن حکیم نے اس سر زمین میں انسان کی اصل حیثیت اور اس کے مقام و مرتبے کی نشان دہی کی۔ قرآن حکیم انسان کا ایک ایسا متحرک تصور پیش کرتا ہے جو اپنی ذات میں ایک عالم اصغر ہے اور پوری کائنات کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ دل کی نگاہ کے ذریعے سے اس عالم اسباب سے عالم جبروت تک کی آگہی حاصل کر لیتا ہے۔ دل کی اس نگاہ کو ہم وجدان (intuition) بھی کہتے ہیں اور یہ وجدان ہی مذہبی تجربات کا اصل جوہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے انسان کو اس کارخانہ قدرت میں سب سے برتر، اعلیٰ و افضل ہستی قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٤﴾ (سورۃ التین: 4)

"بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔"

اور پھر اسی خاکی الاصل انسان کو اپنا خلیفہ منتخب فرمایا، اس کو عقل و فکر کی بہترین صلاحیتیں عطا کیں۔ اس کو تعقل و تفکر، فہم و فراست، معاملہ فہمی، دور اندیشی اور شعور و ادراک کی صفات سے سرفراز فرمایا۔

انسانی وحدت کو نمایاں کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾ (النساء: 1)

"لوگو! اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا، ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔"

یہ آیت مبارکہ تمام دنیا کے انسانوں کو اس دار فانی میں وحدت انسان کا درس دیتی ہے۔ یہ قرآن عظیم کا فیضان رحمت ہے کہ اس نے رنگ و نسل، زبان اور جغرافیائی حد بندیوں کی مکمل نفی اور بیخ کنی کی ہے۔ قرآن کریم وہ نسخۂ کیمیا ہے جو نسل انسانی کی اکائی اور وحدت کا مژدہ سناتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ (المومنون: 52)

"اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور تمہارا رب میں ہوں، لہٰذا مجھ سے ہی ڈرو۔"

قرآن حکیم نے انسان کو وہ بلند مقام عطا کیا ہے جس کے لیے انسانیت صدیوں سے کسی پیاسے مسافر کی طرح آس و امید کے صحرا میں بھٹک رہی تھی اور مکر و فریب کی اس دنیا میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھی۔ جہالت و اوہام کی تیرگیوں نے ان کی زندگیوں کو جہنم بنا رکھا تھا۔ قرآن حکیم نے ذلت و حقارت کے گڑھے میں گرے انسان کو عزت و تکریم بخشی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ (بنی اسرائیل: 70)

"بلا شبہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی اور بحر و بر میں سواری مہیا کی، کھانے کی پاکیزہ چیزیں دیں اور جو کچھ ہم نے تخلیق کیا ہے ان میں سے کثیر مخلوق پر نمایاں فوقیت دی۔"

اس آیۂ مبارکہ میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ خالق کائنات نے اس میں کسی خاص قوم، امت یا گروہ کی تخصیص فرما کر اسے مخاطب نہیں کیا بلکہ "بنی آدم" کہہ کر ارشاد فرمایا۔ اس طرح دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ہی لڑی میں پرو کر گویا انسانی وحدت کی واضح نشان دہی کر دی۔ تو اب اگر تمام انسان ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہیں، پھر یہ ذات برادری، رنگ و نسل اور اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تفریق کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ وحدت انسانی کی ترجمانی کے اعتبار سے یہ آیۂ مبارکہ ایک مثالی آیت اور سہل ممتنع کا شاہکار ہے۔

ابو الحسن علی ندوی اپنی تصنیف "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں لکھتے ہیں:

"اللہ اور رسول پر ایمان اور یوم آخرت پر مکمل یقین اور کامل سپردگی نے زندگی کے پیچ و خم کو دور کر دیا اور انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام عطا کیا۔ انسانی معاشرہ بے خار گلدستہ بن گیا، جس کا ہر پھول اور پتی اس کے لیے باعث زینت تھی۔ نوع انسانی کے افراد ایک خاندان میں تبدیل ہو گئے۔ وہ سب ایک باپ (آدم) کی اولاد تھے اور آدم کی اصل مٹی سے ہے، نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت تھی اور نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوقیت تھی ، ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت تھی وہ محض تقویٰ کی بنا پر۔"

اس ضمن میں رسول کریم ﷺ کا ایک فرمان مبارک ہے :

" اے لوگو ! بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کے عیب دور کر دیے ہیں اور آباء و اجداد پر فخر کرنے کی رسم ختم کر دی ہے ، انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں ، نیک اور اللہ سے ڈرنے والے اور اللہ کے یہاں شریف ، دوسرے بد عمل بد بخت اور اللہ کے یہاں ذلیل۔" (ابن حاتم)

قرآن کریم کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے لیے مکمل ضابطۂ حیات موجود ہے ، یہ قانون الٰہی کا ایک ایسا سر چشمہ ہے جو زیغ و ضلال میں پھنسے ہوئے انسانوں کے لیے شمع ہدایت ہے ۔ یہ کتاب (قرآن کریم) علم و عرفان اور بصیرت و آگہی کا انمول شاہکار ہے ۔ یہ وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بعض قوموں کو عزت و تکریم عطا کرتا ہے اور دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سر فراز فرماتا ہے اور اسی کتاب کو چھوڑ دینے اور پس پشت ڈال دینے سے بعض قوموں کو نکبت و ادبار کی پستیوں میں پھینک دیتا ہے ۔ قرآن کریم اپنے دامن میں علم و حکمت کا ایک بحر ذخار رکھتا ہے جو معیشت و معاشرت ، سیاست ، فلکیات و طبعیات ، علوم و فنون اور انسانوں کی قیادت و رہنمائی کی ہدایات سے مالامال ہے۔

قرآن کریم کے محیر العقول اور ان گنت عجائبات کے علاوہ اس کا سب سے اہم اعجاز یہ ہے کہ اس نے اپنی بے مثال اور فکر انگیز تعلیمات سے بنی نوع انساں کو اپنے جیسے دیگر انسانوں کی غلامی اور جکڑ بندیوں سے نجات دلائی اور انھیں کھلی اور تازہ فضا میں سانس لینا نصیب ہوا ۔ مسلمانوں کے سفیر ربعی بن عامرؓ یزدگرد شاہ ایران کے بھرے دربار میں اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں :

" اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی کی طرف ، دنیا کی تنگی سے رہائی دے کر اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب عالم کے ظلم و ستم سے نجات دے کر اسلام کے عدل و انصاف میں لائیں ۔" (البدایہ و النہایہ ، از ابن کثیر)

سچی بات تو یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کے تربیت یافتہ یہ نفوس قدسی ، قرآن کی بصیرت افروز تعلیمات کو گہرے شغف اور تذکر و تدبر کے جذبے کے ساتھ پڑھتے اور سمجھتے تھے ، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہمہ وقت ان کے پیش نظر رہتا تھا کہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ (الحجرات : 13)

" اے لوگو ! ہم نے تمھیں ایک مود اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو ۔ اللہ کے نزدیک معزز ترین وہی ہے جو زیادہ متقی ہے ۔ بلا شبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور با خبر ہے۔"

قرآن کریم عدل و مساوات اور وحدت انسانی کی تعلیم دیتا ہے ۔ اس نے انسان کو حیوانیت ، درندگی اور انسانیت سوز جرائم کی حامل مخلوقات سے اعلیٰ و ارفع قرار دیا ہے ۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اللہ نے اس کے ذریعے سے انسان کو اخلاقی اور روحانی خصائص سے بھی آگاہی عطا کی ہے اور اسے وہ روحانی قوت ودیعت کی جس کے سبب وہ اپنی بشری کمزوریوں پر حتی الامکان قابو پا لیتا ہے ۔ قرآن کریم انسان کو اس کی اصل حیثیت اور شرف انسانیت سے بھی پوری طرح روشناس کرواتا ہے ۔ اس کی تخلیق کی غرض و غایت اور رفعت و بلندی کا شعور دیتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات بینات اس بات کی متقاضی ہیں کہ اپنی ذات یا کسی خاص گروہ کے خول میں بند رہ کر نہیں سوچا جائے بلکہ اجتماعی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے زندگی کا وہ لائحہ عمل ترتیب دیا جائے جس میں انسانی وحدت کا واضح تصور موجود ہو ۔ قرآن کریم پوری نوع انساں کو خطاب کرتا ہے اور وہ تمام روئے ارض کی مخلوق کو خیر و فلاح کی ترغیب دیتا ہے ۔ اس کی دعوت میں کسی قوم یا کسی خطے کی تخصیص نہیں ہوتی۔

اجتماعیت کا آغاز خاندان سے ہوتا ہے اور خاندان ازروئے قرآن ایک مرد اور ایک عورت کے ملاپ سے وجود میں آتا ہے ۔ چنانچہ اس صورت میں پوری بنی آدم وحدت کی ایک ایسی لڑی ہے جس کے موتی جدا جدا ہونے کے باوجود ایک ہی ڈور میں بندھے ہوئے ہیں ۔ وحدت انسانی کا دائرہ جتنا وسیع اور فراخ ہوگا ، اس روئے ارض کے باسیوں کے لیے فوز و فلاح ، رحمت و رأفت ، ایثار و قربانی ، دوستی و یگانگت ، ذہنی اور قلبی سکون و راحت کی فضا قائم رہے گی اور انسانی معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے گا۔

> " قرآن کی کتاب محض مذہب کا دل اور خدائی حکومت کا راستہ دکھانے والی کتاب ہی نہیں بلکہ یہ سائنس اور سیاسی دستاویزات کا کتابچہ بھی ہے ۔ جس میں زمین پر خدائی حکومت کے لیے قوانین درج ہیں ۔"
>
> فلپ کے ہٹی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد حنیف ندوی

قرآن کے اسالیب دعوت واستدلال

علم و معرفت کے متعدد اسلوب ہیں اور تاثر و پذیرائی کے مختلف انداز ، بقول بیکن کے علم و ادراک پانی کی طرح ہے جو کبھی اوپر کی طرف سے ابر و سحاب کی شکل میں دلوں کی زمین کو سینچتا ہے اور کبھی نیچے ، اس کی سوتیں رستی بہتی اور اُمڈتی رہتی ہیں ۔ کبھی فطرت کی روشنی اور سحر کاری سے نظریں خیرہ ہوتی ہیں اور کبھی الہام و وحی سے فکر و نظر کے زاویے بدلتے رہتے ہیں ۔ پھر ان تاج داران وحی میں سے بھی ہر ایک کی اپنی خصوصیات ہیں ۔ حضرت سلیمان محبت الٰہی کو تغزل کے رنگ میں پیش کرتے ہیں ۔ حضرت داود نغمہ و مزامیر کی دھنوں میں زبور کا اظہار کرتے ہیں ۔ حضرت موسیٰ کی تعلیمات میں نظم و نسق اور معاشرے کے متعلق مسائل و احکام کا ذکر ملتا ہے اور حضرت مسیح تمثیلات کے بادشاہ ہیں ۔ یہ قاعدے اور قانون کی سخت گیریوں کی ایسے سیدھے سادے اور پیارے انداز میں نشان دہی کرتے ہیں کہ سننے اور پڑھنے والا فرط مسرت سے جھوم اٹھتا ہے۔

دراصل دلوں میں روشنی ایک ہی راہ سے نہیں آتی اور نہ یقین و آگہی کی مئے کسی ایک ہی خم و ساغر کی رہین منت ہے ۔ سچائی کے کئی رنگ ہیں اور اظہار و ابلاغ کے گوناگوں طریقے ۔ پچھلی صدی میں ارسطو کے اس نظریے کی منطق کے حلقوں میں خوب خوب تردید ہو چکی ہے کہ حق کی جستجو صغریٰ و کبریٰ کے لگے بندھے اصولوں کی پابند ہے ۔ یا جب تک استدلال اور پیرایۂ بیان کو اشکال اربعہ میں سے کسی ایک شکل کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے ، اس وقت تک کوئی نتیجہ ہی بر آمد نہیں ہوتا ۔ ارسطو کا یہ نظریہ انسانی فطرت کے سرسری مطالعے پر مبنی ہے ۔ انسان کے دل و دماغ کی ساخت اتنی پیچیدہ ہے کہ کوئی بھی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا ۔ کبھی ٹھوس دلائل اس پر اثر نہیں کرتے اور شاعرانہ نکتہ طرازی غور و فکر پر مجبور کر دیتی ہے ۔ کبھی سامنے کے حقائق دلوں پر پردے ڈال دینے کا موجب ہوتے ہیں اور دور از کار باتیں انسان کو موہ لیتی ہیں ، اور یہ منظر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ پتھروں سے تو پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں لیکن پھول سے نازک دل سنگ و آہن کا روپ دھار لیتے ہیں ۔ یعنی انسان فطرت کا وہ اعجوبہ ہے کہ جس کے بارے میں یہ پیشین گوئی کرنا مشکل ہے کہ حسن و جمال کی کون سی ادا اس کو فریفتہ کر سکے گی اور غمزہ و عشوہ کے کن تیوروں سے یہ بستہ فتراک بن سکے گا۔

قرآن حکیم جو صحف سماوی کی آخری کڑی اور ترجمانِ حقیقت ہے اس راز سے اچھی طرح شناسا ہے کہ حق و صداقت کو دلوں میں کیوں کر اتارا جا سکتا ہے اور کن کن راہوں اور طریقوں سے دین کے معارف کو اجاگر کیا جا سکتا ہے ۔ چنانچہ جو لوگ قرآن حکیم سے شغف رکھتے ہیں ، وہ جانتے ہیں کہ اس میں ابلاغ و اظہار کے کن کن وسائل سے تعرض کیا گیا ہے ۔ کہیں صرف خبر سے کام لیا گیا ہے اور کہیں صرف انشا سے ۔ کہیں وعدہ ہے ، کہیں وعید ۔ کہیں منطقی طریق استدلال اور کہیں اظہار واقعہ ۔ کہیں تردید ہے ، کہیں اثبات ۔ کہیں ٹھیٹھ حقیقت کی جلوہ گری ہے ، کہیں رمز و استعارے کی پرپیچ جادو گری ہے ۔ کہیں سوال کی چبھن ہے اور کہیں جواب کی تسکین ۔ کہیں اقوام ملل کی تاریخ عروج و زوال کو بہ طور استدلال کے پیش کیا ہے اور کہیں ان انعامات الٰہی کی نشان دہی پر غور و فکر کو مرکوز کر دینے پر اکتفا کیا ہے ، جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ۔ غرض قرآن حکیم نے سمجھانے بجھانے کے وہ تمام پہلو استعمال کیے ہیں ، جن سے انسانی فطرت متاثر ہو سکتی ہے ۔ یہی وجہ ہے اس میں حضرت داود کے مزامیر کی کھنک بھی ہے اور حضرت سلیمان کے اسلوب تغزل کی جھلک بھی ۔ اس میں حضرت موسیٰ کا جلال بھی ہے اور حضرت مسیح کا جمال بھی ۔ شریعت و قانون کی حد بندیاں بھی ہیں اور معنویت و ادراک کی روح بھی۔

یہ دعویٰ ہمارا نہیں خود قرآن حکیم کا ہے کہ اس کتاب حکمت میں دعوت و ابلاغ کے ہر ہر ڈھنگ کو اختیار کیا ہے :

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ [1]

"اور یہ لوگ کیسا ہی انداز پیش کریں ، ہم ان کا ٹھیک اور اس سے بڑھ کر جواب پیش کرتے ہیں۔"

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾ [2]

---

1 الفرقان: 33

2 بنی اسرائیل: 89

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کا اسلوب اختیار کیا۔"

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا [3]

" اور ہم نے اس قرآن میں بو قلموں طریق اس لیے اختیار کیے ہیں تاکہ یہ سمجھ لیں ۔"

اسالیب استدلال کی نوع کو جاننے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے اصول پنجگانہ کو اس بحث کو چھیڑے بنا کہ یہ کس حد تک جامع و مانع ہیں اساس اور بنیاد قرار دیا جائے ۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن نے جن مضامین سے تعرض کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں :

1 مخاصمہ یا رد و مناظرہ
2 احکام
3 التذکیر بآلاء اللہ
4 التذکیر بالموت و بعدالموت

مخاصمہ یا رد و مناظرہ سے یہ مقصود نہیں ہے کہ قرآن حکیم نے اصطلاحی معنوں میں مجادلے کی طرح ڈالی ہے اور اس سلسلے میں با قاعدہ خصم کو تسلیم کر کے بعض معارضے کے اصولوں کی وضاحت کی ہے ۔اس کے برعکس اس سے مراد اس قدرتی اور ناگزیر تشریح ہے ، جس سے ہر اس شخص کو گزرنا پڑتا ہے جو عوام کی اصلاح کرنا چاہتا ہے جو قلب و ذہن کی سطح کو بلند کرنے کا خواہاں ہے ، جو معاشرے کی فکری و عملی گم راہیوں کی نشان دہی پر مامور ہے اور جو اس بات کا متمنی ہے کہ لوگ زندگی کی نئی قدروں کو پہچانیں ، ظاہر ہے کہ جو رہ نما بھی ان عزائم کو لے کر میدان میں اترے گا اس کو مخالفت کے ایک طوفان کا سامنا کرنا پڑے گا اور انبیاء علیہم السلام کا تعلق چونکہ اس گروہ سے ہے ، اس لیے اس کو بھی رشد و ہدایت کے اس موڑ سے گزرنا پڑتا ہے ، لیکن ان کے نزدیک یہ لوگ جو دعوت و ارشاد کے مخاطب ہیں ، ان معنوں میں ہرگز خصم یا مخالف نہیں ہو سکتے کہ ان کو شکست دینا یا ان پر غلبہ و تفوق حاصل کرنا رشد و ہدایت کا جز ہو یا ، ان کو دل کے مریض تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھ کر ان سے بات چیت کرتے ہیں کہ ان کی روح بیمار ہے ، ان کی نفسیات میں خلل ہے اور یہ کسی عظیم غلط فہمی کا شکار ہیں ، لہٰذا قلب و ذہن کی یہ کیفیت شفقت و محبت چاہتی ہے ، گہرے نفسیاتی تجربے کی خواہاں ہے اور ابلاغ کے ایسے وسائل کی متقاضی ہے کہ جن سے ان کو روحانی غذا ملے ، تسکین حاصل ہو اور حق ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے ۔ قرآن حکیم صاف صاف ان کے انکار و تمرد کو مرض سے تعبیر کرتا ہے :

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا [4]

" ان کے دلوں میں روگ ہے جس کو اللہ نے بڑھا دیا ہے ۔"

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ [5]

" وہ وقت یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یوں کہتے تھے۔"

لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ [6]

" اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے باز نہ آئے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ مخالف ہیں اور توحید و آخرت کی دعوت کے دشمن ہیں لیکن انبیا علیہم السلام جب ان کا سامنا کریں اور ان کو تعلق باللہ کی دعوت دیں اور سفر آخرت کے لیے تیار کریں تو اس اصول کا خیال رکھیں کہ اصل مقصد ان پر غلبہ حاصل کرنا نہیں ، ان میں احساس شکست پیدا کرنا نہیں اور نقض و معارضے سے ان کا منہ بند کرنا نہیں ، بلکہ یہ ہے کہ اس نہج اور اسلوب سے ان کو مخاطب کیا جائے کہ ان کے دلوں کے دریچے حق کی پذیرائی کے لیے کھل جائیں اور سچائی کی تپش ضو سے زندگی ازسرنو ان کی رگ وپے میں دوڑ جائے۔

سوال یہ ہے کہ یہ نہج یا اسلوب کیا ہے ؟ قرآن ہی کی زبان میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے :

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [7]

" اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلاؤ دانش سے موعظہ حسنہ سے اور ان سے بحث کرو تو بہ طریق احسن ۔"

اس آیت میں دعوت و مخاصمہ کا کوئی منطقی طریق متعین کرنے کے بہ جائے ، ان نہایت ہی قیمتی اصولوں کی تشریح کی گئی ہے جن سے دلیل کا مزاج متعین ہوتا ہے ، اور استدلال اس لائق ہوتا ہے کہ شک و ریب کی بیماریوں کو دور کر دے اور آفتاب حقیقت کو یوں چمکا دے کہ جس سے دل دماغ کے تمام گوشے دمک اٹھیں ۔ ان اصولوں کو ہم چار خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :

اول : سب سے اہم نکتہ اس سلسلے کا یہ ہے کہ پیغام و دعوت کی غرض و غایت یہ ہو کہ مخاطب کو پروردگار عالم کی راہ سے شناسائی حاصل ہو ۔ یہ دعوت نہ اظہار علم کے لیے ہو نہ اظہار شخصیت کے لیے ، اس میں تنگ نظرانہ تعصبات کی بھی گنجائش نہیں ہونی چاہیے ۔ بلکہ سننے والے کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ اس کے سامنے طلب و جستجو کی ایسی منزل ہے جو ہمہ گیر ہے آفاقی ہے اور تمام انسانیت کے لیے ہے ۔ سبیل رب کی

---

3 بنی اسرائیل:41

4 البقرہ:10

5 الانفال:49

6 الاحزاب:60

7 النحل:125

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف بلانے کے معنی یہ بھی ہیں کہ اس میں محبت اور پیار اور تربیت ، تسہیل اور تدریج کے ان ہی پیمانوں کو ملحوظ رکھا جائے ، جن پر لفظ ربوبیت دلالت کناں ہے ۔

دوم : مخاطب کو سمجھانے کے لیے حکیمانہ انداز اختیار کیا جائے اس میں نہ تو عام واعظانہ چھچھور پن اور مناظرانہ سطحیت ہو اور نہ طعن و تشنیع اور الزام و اعتراض کی بوچھاڑ ہو ، بلکہ ایسا اسلوب اور انداز ہو جو بہ درجہ غایت شائستہ ہو اور قبولیت و پذیرائی کی اس منطق کے عین مطابق ہو ، جو فکر و تدبر اور احتیاط و سلیقہ چاہتی ہے ، کیونکہ یہی وہ منطق ہے جو خیالات و افکار کی سمتوں کو بدل سکتی ہے اور تعصب و عناد کے فولاد آہن کو پگھلا دینے پر قادر ہے ۔ یہ منطق خصوصیت سے دو باتیں چاہتی ہے اول یہ کہ مخاطب کی ذہنی سطح کا پورا پورا اندازہ ہو اور فکر و استدلال یا خطابت و وعظ کے مرحلے میں اس چیز کا خاص خیال رکھا جائے کہ سننے والا عقل و نفسیات کے کس درجے پر فائز ہے دوسرے یہ کہ دعوت و ابلاغ کے لیے موقع و محل اور وقت و زمان کی موزونیت کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے ۔ جس طرح ہر بیج پنپنے اور پروان چڑھنے کے لیے وقت کا منت پذیر ہوتا ہے ۔ اسی طرح عقائد اور فکر و خیال بھی دلوں میں گھر کرنے اور پھولنے کے لیے مخصوص اوقات چاہتے ہیں ، کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بہت سے قیمتی تصورات محض اس لیے بے اثر ہو کے رہ گئے ہیں کہ پیش کرنے والے نے ان کے لیے موزوں اور بر محل مواقع کا خیال نہیں رکھا ہے ۔ اس سلسلے میں ہمیں آں حضرت ﷺ کے اس طرز عمل سے خاص طور پر رہ نمائی حاصل ہوتی ہے کہ آپ ﷺ جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا ، انفرادی اور اجتماعی سطح پر ضرورت پیش نہ آتی اور تعلیم و تربیت کی موزونیتیں مجبور نہ کر دیتیں ، اس وقت تک مجلس وعظ و تذکیر منعقد نہ کرتے۔

سوئم : موعظہ حسنہ کا تعلق الفاظ و پیرایہ بیان کی خوبیوں سے ہے ، غرض یہ ہے کہ جہاں کسی عقیدے کی استواری بجائے خود کامیابی کی ضامن ہے ۔ وہاں الفاظ و پیرایہ بیان کا انتخاب بھی کم اہم نہیں ۔ فکر صحیح اور دلیل کا وزن مسلم لیکن دلیل کا تانا بانا صرف مجرد معنی سے نہیں ترتیب پاتا اور صرف صغریٰ اور کبریٰ کو ترتیب دینے سے تیار نہیں ہو پاتا ، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ موزوں الفاظ اور مناسب انداز کا اظہار کر لیا جائے مگر موزوں الفاظ یا مناسب پیرایہ بیان سے مراد یہ نہیں کہ لفظی صنائع بدائع سے کام لیا جائے ، بلکہ یہ ہے کہ جو بات آپ کہنا چاہتے ہیں اور جس مفہوم و مطلب کو آپ دلوں میں اتارنا چاہتے ہیں اس کے لیے ایسے الفاظ یا لفظ کا انتخاب کیجیے جو اس درجے مناسب ہو کہ اس کے بعد کچھ اور کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔

چہارم : دعوت و ابلاغ میں ایک منزل ایسی آ جاتی ہے جہاں مجادلے کی ضرورت پیش آتی ہے یعنی جہا ں ایک سامع بعض دلائل کی پیش نظر اپنے دعوے پر اڑ جاتا ہے ۔ اس صورت میں قرآن حکیم کا ارشاد یہ ہے کہ داعی الی اللہ مجادلے کے لیے ایسا اسلوب اختیار کرے جو احسن ہو ۔ احسن کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی طرف بلانے والا ، دلیل کے بجائے مدلول پر نظر رکھے اور ایسا مؤثر طریق اختیار کرے جس سے سامع کے شکوک و شبہات پر براہ راست زد پڑتی ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سلسلے میں اگر ایک معقول دلیل سامع کی سمجھ سے بالا معلوم ہو تو اس پر اصرار نہ کرے ۔ بلکہ یہ دیکھے کہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اور کون طریق زیادہ قرین عقل و حکمت ثابت ہو سکتا ہے ۔ اس کی بہترین مثال حضرت ابراہیم اور نمبرود کے طریق مجادلہ میں ملتی ہے ۔ حضرت ابراہیم نے جب بابل و نینوا کے حاکم نمرود کے آگے جھکنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ سجدہ و عبادت کا سزاوار صرف پروردگار عالم ہے تو اس نے کج بحثی کی بنا پر پوچھا ۔ کون پروردگار ؟ حضرت ابراہیم کا جواب یہ تھا :

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ [8]

" میرا پروردگار وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔"

بات بہت معقول تھی ، حضرت ابراہیم کی دلیل کا منشا یہ تھا کہ اس عالم مادی میں جو سمت و منزل کا تعین ہے اور اس میں ارتقا کی جو یہ نوعیت کار فرما ہے کہ بے جان مادہ ، زندگی کی طرفہ طرازیوں کی طرف بڑھ رہا ہے یا بے جان خلیے کثیر الانواع نباتی خلیوں میں بدل رہے ہیں اور نباتی خلیے زندہ متحرک اور با شعور خلیوں کا روپ دھار رہے ہیں تو یہ نظم و نسق یہ ترتیب ظہور اور منظم حرکت و تغییر کس اصول کے ما تحت ہے ۔ اگر اس عالم میں کوئی علیم و حکیم اور شفیق و مہربان ہستی موجود ہے کہ جس نے تخلیق و آفرینش کے اس نظام کو تھام رکھا ہے تو ظاہر ہے وہی پروردگار ہو سکتا ہے ۔ جس کے آگے ہم سب کو جھکنا چاہئے ۔ اصولی طور پر چاہئے یہ تھا کہ اس چشم کشا دلیل سے نمرود متاثر ہوتا اور اپنی خدائی کے زعم باطل سے دست بردار ہو جاتا ، لیکن برا ہو نشۂ اقتدار اور ہوس حکمرانی کا ۔ اس نے کج بحثی کی آڑ لی کہ واہ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے ۔ میں مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے ان لوگوں کی جان بخشی پر قادر ہوں کہ جو از روئے قانون سزائے موت کے مستحق ہیں اور بے گناہوں کو اسی اختیار کے بل پر موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں جو زندگی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں ۔

ظاہر ہے اس طرز فکر کے مقابلے میں دو ہی موقف اختیار کیے جاسکتے تھے یا تو نمرود کو جاہل ثابت کیا جاتا اور پیش کردہ دلیل کی منطق

8 البقرۃ:258

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استواری پر بہرحال زور دیا جاتا اور یا پھر سرے سے اس دلیل ہی کو چھوڑ دیا جاتا اور اس سے زیادہ صاف واضح اور موثر استدلال سے کام لیا جاتا، پہلی صورت میں یہ صرف مجادلہ ہوتا جس سے کہ نمرود کے جذبۂ عناد کے بڑھ جانے کا اندیشہ تھا اور دوسری صورت میں مجادلہ لیکن بہ طریق احسن جس سے کہ دلوں کا زنگ چھٹ جاتا ہے اور حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے، حضرت ابراہیم نے یہ دوسری صورت اختیار کی۔ آپ نے فرمایا:

فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ [9]

" خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔"

غور فرمائیے دلیل کا انداز وہی ہے یعنی دنیا کے نظم و ترتیب سے اس نتیجے پر پہنچنا کہ اس کے پیچھے حکمت و عقل اور پرورش و ربوبیت کی فراوانیاں کار فرما ہیں۔ لیکن پہلی دلیل سے یہ مقصد حاصل نہ ہوا اور دوسری دلیل نے نمرود کو اس درجے حیران و ششدر کر دیا کہ کوئی جواب بن نہ آیا۔ قرآن حکیم نے اس کی اس نفسی کیفیت کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا:

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ [10]

" پس کافر ششدر ہو کر رہ گیا۔"

کہ اس دلیل سے نمرود جو کفر و انکار کی روش اختیار کیے ہوئے تھا مبہوت ہو کر رہ گیا۔"

مجادلہ بہ طریق احسن کی ایک مثال تو یہ ہوئی کہ اگر ایک دلیل موثر نہیں ہوتی ہے تو اس پر اصرار نہ کیا جائے، اس سلسلے کا دوسرا اہم رخ یہ ہے کہ اگر سائل کا سوال بہ جائے خود غیر مفید ہے یا غامض ہے اور سائل کی ذہنی سطح سے اونچا ہے تو اسے نہایت عمدگی سے سوال کے ان پہلوؤں کی جانب توجہ دلائی جائے جو مفید ہیں اور آسانی سے ان کی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ اس کے لیے قرآن میں ان دو مقامات پر غور کیجیے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ [11]

" چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہہ دو، حج کے لیے اور لوگوں کے لیے وقت کا پیمانہ ہیں۔"

یعنی لوگ پوچھنا یہ چاہ رہے ہیں کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے میں کیا حکمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہلال سے بڑھ کر یہ بدر منیر کس طرح بن جاتا ہے، وہ کونسا قانون ہے جو اس کو گھٹاتا اور بڑھا دیتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ان کے سوال کا مزاج طبیعیاتی نوعیت کا ہے۔ قرآن ظاہر ہے، کہ طبیعیات کی کتاب نہیں۔ اس کے دائرہ تبلیغ میں یہ داخل نہیں کہ کائنات میں جو تغیر و تبدل رونما ہوتا ہے اس کے لیے اسباب و علل کی نقاب کشائی کرے، یہ تو کتاب ہدایت ہے ایک دینی صحیفہ ہے، جس کی غرض و غایت رشد و ہدایت کی راہوں کو واضح کرنا ہے، اس لیے سوال کے مزاج کی پروا کیے بغیر قرآن حکیم، پوچھنے والوں سے کہتا ہے کہ تمہیں یہ نہیں دریافت کرنا چاہیے کہ چاند میں تغیر و تبدل کے طبیعی اسباب کیا ہیں بلکہ یہ دریافت کرنا چاہیے کہ چاند کے ان تغیرات سے ہم دینی شعائر و احکام کے سلسلے میں کیا روشنی حاصل کر سکتے ہیں، اور اگر سوال کی یہ نوعیت ہو اور تم ان تغیرات کے دینی فوائد کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو تو یہ سن لو کہ ان سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اشہر حرم کون سے ہیں؟ کن کن مہینوں میں ہمیں حج کے لیے تیار رہنا چاہیے، رمضان کب آتا ہے، عید کب منائی جائے گی، اور یہ کہ کون مہینہ کب شروع ہوتا اور کب اختتام پذیر ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر ہر کتاب سے ان ہی توقعات کو وابستہ کرنا چاہیے جو اس کے موضوع سے متعلق ہیں یا جن کے دریافت کرنے سے کسی دینی مسئلے کی وضاحت ہوتی ہو۔ طبیعیات کی باریکیوں سے بحث کرنا، اس کے موضوع سے یکسر خارج ہے۔ دوسری مثال ملاحظہ ہو:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ [12]

یہ سوال یہودیوں نے پوچھا، لطف یہ ہے کہ جو لوگ یہودی مزاج سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی مذہبی روایات میں جس قدر سختی اور تنگ نظری پائی جاتی ہے وہ فکر و فہم کے لطائف کے لیے اتنی گنجائش ہی کب چھوڑتی ہے کہ کوئی شخص اونچے ما بعد الطبیعیاتی تصورات کو غور و تعمق کا ہدف قرار دے سکے، لیکن یہی یہودی جو اپنے دائرہ دینی میں کٹر الفاظ پرست اور سطحیت پسند ہیں، محض آنحضرت ﷺ کا امتحان لینے کے لیے اس طرح کے باریک اور ما بعد الطبیعیاتی سوالات پوچھتے ہیں، تاکہ اگر جواب ان کے نقطۂ نظر سے صحیح نہ ہو تو اپنے حلقوں میں یہ کہہ سکیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جو ان حکیمانہ سوالات کا جواب بھی ڈھنگ سے نہیں دے سکتا۔

قرآن کی حکمت بالغہ ملاحظہ ہو۔ وہ اس کا جواب دیتا ہے جو اگرچہ ان کی نیت اور منشا کے عین مطابق نہیں تاہم ان کے مسلمات کے عین مطابق ہے، اس لیے نا ممکن تھا کہ وہ اس پر طعنہ زن ہو سکیں۔ یہودیوں کی اس عالم مادی کے بارے میں یہ رائے تھی کہ یہ دراصل کلمہ کن تکوین کی بہ راہ راست کرشمہ سازی ہے، قرآن نے ان ہی کی اصطلاحوں میں انہیں جواب دیا ہے کہ یہ زندگی اور روح بھی اس سے زیادہ

9 البقرہ:258
10 البقرہ:258
11 البقرہ:189
12 بنی اسرائیل:85

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تکوینی مشیت کا ایک پہلو یا امر ہے ۔ ظاہر ہے جواب میں ان کے ہاں ان کے منشا کو نظر انداز کر دیا ہے ، سوال سے ان کی غرض یہ تھی کہ جسم و روح کی نوعیت پر روشنی ڈالی جائے اور دونوں کے حدود کا الگ الگ تعین کیا جائے ، قرآن نے جو جواب دیا ظاہر ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے بھی صحیح ہے اور ان کے مسلمات کی رو سے بھی درست ہے ، لیکن اس سے ان کا منشا پورا نہیں ہوتا ، کیوں پورا نہیں ہوتا ؟ قرآن کہتا ہے اس لیے کہ جسم و روح میں رشتہ و ناتے کے تعین کا سوال ایسا ہے جس کو ان علمی وسائل و ذرائع کے بل پر نہیں سمجھا جا سکتا ، جو اس وقت تمہیں حاصل ہیں ۔ تمہارا علم اس بارے میں بہت کم ہے اور لطف یہ ہے کہ آج بھی جبکہ انسان نے علوم و فنون میں قیامت کی ترقی کر لی ہے یہ سوال تشنہ ہے کہ روح اور جسم یا مادہ حیات اور حیات و شعور میں تعلق کی نوعیت کیا ہے جسم و مادے کی سرحدیں کہاں ختم ہوتی ہیں اور زندگی و شعور کی نشاط آفرینیوں کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے ؟ اس آیت سے مجادلہ بہ طریق احسن کا یہ پہلو بہرحال نکھر کر سامنے آتا جاتا ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ہر سوال کا جواب سائل کے منشا کے مطابق ہی دیا جائے ۔ ضروری یہ ہے کہ اس سلسلے میں سائل کو وہ آسان اور عام فہم بات بتا دی جائے جو اس کے مسلمات کے موافق ہو ، اس کے ساتھ متعلقہ مسئلے میں جو اغماض پنہاں ہے اس کی نشان دہی بھی کر دی جائے اور صاف صاف بتا دیا جائے کہ سر دست اس مسئلے کا ادراک تمہارے فہم سے بالا ہے ۔ اس مرحلے پر اس نکتے کی وضاحت بے جا نہ ہوگی کہ قرآن حکیم جب ادراک روح کے مسئلے میں انسان کی کم علمی یا بے مائیگی کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآن کا نقطہ نظر انسانی علم و ادراک کے بارے میں تشائم پر مبنی ہرگز نہیں ۔ قرآن حکیم ہرگز یہ نہیں کہنا چاہتا کہ انسان علوم و فنون میں اور معرفت میں ان حالات و ظروف سے آگے نہیں بڑھ پائے گا جن کی وجہ سے وہ زندانی جہل بنا ہوا ہے اور ہمیشہ روح کے غوامض اور دقائق سے نا آشنا ہی رہے گا ۔ ہو سکتا ہے یہ حالات و ظروف بدل جائیں اور انسان علوم و فنون اور ریاضت و مجاہدے سے اس مقام پر فائز ہو جائے کہ جہاں جسم و مادہ کی تاریکیاں حائل نہیں ہوتیں ۔ جہاں انسان کی محدود " انا " جسم کی کینچلی اتار پھینکے اور روح کی تابانیوں کا براہ راست مشاہدہ کر سکے ۔

دعوت اور اسلوب دعوت کے سلسلے میں اس حقیقت کا جان لینا بھی بہت ضروری ہے کہ مجادلے کا حربہ صرف اس وقت آزمایا جائے گا جب دعوت و موعظہ حسنہ کے تمام حربے ناکام رہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کی آیت دعوت میں اسے بالکل آخر میں بیان کیا گیا ہے ، کیونکہ یہ اصل دعوت کا جز نہیں ، یہ درجہ آخر ایک مجبوری کا علاج ہے اور اس نکتے کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ مجادلے کے مناظرانہ اصطلاح میں حدود اور قاعدے ہیں اگر ان کی رعایت رکھی جائے گی تو یہ مجادلہ مفید نتائج پیدا کرے گا ورنہ یہ صرف جھڑپ یا اظہار غم و مشیخت کا ایک اسلوب قرار پائے گا ۔ غور کیجیے گا تو ان آداب و حدود کی یوں وضاحت کی جا سکتی ہے :

1 فریقین کو مابہ النزاع مسئلے کی تفصیلات سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہیے ۔

2 جب ان میں بحث چھڑے تو بحث کو حدود میں رکھنے کے لیے سامعین میں ایسے لوگوں کا رہنا ضروری ہے جو ان کو توجہ دلا سکیں اور حدود مناظرہ سے باہر نہ جانے دیں ۔

3 معارضے اور نقض کی صورت میں اصطلاحیں بالکل واضح اور دو ٹوک معانی کی حامل ہونی چاہئیں ۔

4 جواب میں یا تو اپنے موقف کی وضاحت ہونی چاہئے اور یا ایسے دلائل کو پیش کرنا چاہئے کہ جن سے مابہ النزاع مسئلہ زیادہ نکھر سکے ، تکرار و اعادہ اور بار بار ایک ہی بات کو دہرانا غلط ہوگا ۔

5 دونوں کی غرض افہام ، تفہیم ہو اور دونوں کے سامنے نصب العین یہ ہو کہ ایک دوسرے کی معلومات سے استفادہ کرنا ہے اور مابہ النزاع مسئلے کے مالہ و ما علیہ کو پوری طرح جاننا ہے، لیکن مجادلے کی صورت بہرحال غیر پیغمبرانہ ہے ، اس لیے اتنا تو ہو سکتا ہے کہ متنازعہ فیہ مسلہ زیادہ نکھر جائے اور ایسی نئی نئی تفصیلات سامنے آجائیں جن کی روشنی میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنا آسان ہو جائے، یہ بھی عین ممکن ہے اس سے کسی حد تک استفادہ کیا جا سکے ، لیکن اس نوع کے بحث و مناظرے سے وہ بات حاصل نہیں ہوتی جسے تسکین قلب کہتے ہیں اور جس سے عقیدے و ایمان میں تپش و ضو پیدا ہوتی ہے ، اس غرض کے لیے پیغمبرانہ اسلوب ہدایت ہی اختیار کرنا ہوگا ۔

جس کو سورہ نساء کی اس آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے :

وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا [13]

" اور ان سے ایسی بات کہو جو دلوں میں نفوذ کرتی چلی جائے ۔"

پیغمبرانہ اور غیر پیغمبرانہ انداز ہدایت میں دراصل اصولی فرق نیت اور انداز کا ہے ، پیغمبر جس دلسوزی ، ہمدردی اور محنت سے ایک بات ایک شخص یا گروہ کے دلوں میں اتارنا چاہتا ہے ۔ ایک مناظر قدرتی طور پر اس سے محروم ہوتا ہے ۔ مناظر فریق مخالف کو شکست دینا چاہتا ہے جبکہ

---

13 النساء: 63

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک پیغمبر کی کوشش اور جدوجہد کا محور یہ جذبہ ہوتا ہے کہ اس کو کیونکر قائل کیا جائے ، مناظر کی نظر مخالف کی ذہنی سطح اور ذہنی مجبوریوں پر پڑتی ہے اور پیغمبر کی نگاہ کا ہدف براہ راست دل اور اس کی گہرائیاں ہوتی ہیں۔

نا مناسب ہوگا اگر ہم یہاں علامہ ابن حزم کا تذکرہ نہ کریں ۔ ان کا کہنا ہے کہ مناظرہ نہ صرف مستحسن ہے ، بلکہ فرض ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ بحث و نظر کے حربے کو اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم نے استعمال کیا ہے اور ہم قرآن کی رو سے ابراہیمی اسوہ کی پیروی پر مجبور ہیں اس لیے ہمیں بھی احقاق حق کی خاطر مجادلے اور بحث سے دامن کشاں نہیں رہنا چاہیے ۔ اس دعویٰ کی تائید میں مزید ثبوت اس واقعے سے مہیا ہوتا ہے کہ انبیاء کے علاوہ مہاجرین و انصار نے مسئلہ خلافت سے متعلق بحث و مناظرہ کی طرح ڈالی اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے حضرت علی کے حکم سے خوارج کو مناظرے کے لیے للکارا ، اور یہ مناظرہ اس حد تک کامیاب رہا کہ سیکڑوں خوارج اپنے عقائد سے تائب ہو گئے ، ان کا قول ہے کہ جو لوگ مجادلے کی مخالفت میں عقلی و نقلی دلیل برہان پیش کرتے ہیں وہ بھی تو آخر مناظرے ہی کے بل پر ایسا کرتے ہیں ، اس لیے مناظرے سے مفر کی صورت کہاں پیدا ہوئی ۔ تضاد کی اس نوعیت کو وہ ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں :

ویتکلف فساد المناظرة بالمناظرة [14]

کہ ایسا شخص مناظرے کے فساد و خلل کو مناظرہ ہی سے ثابت کرنا چاہتا ہے۔

ابن حزم کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی کچھ ارباب علم نے مجادلے و بحث کی مضرتوں کو بھانپ لیا تھا ، لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ ابن حزم کے اس قول میں اس حد تک ضرور سچائی پائی جاتی ہے کہ اگر فکر و نظر اور دعوت و ابلاغ میں ایسا مرحلہ پیش آ ہی جاتا ہے جہاں اظہار حق کے لیے مناظرے سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے تو اس مرحلے پر اس سے گریز قطعی جائز نہیں ، جو لوگ علامہ ابن حزم کے اسلوب تحریر سے آگاہ ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہر بات وہ زور دار انداز میں کہنے کے عادی ہیں ، ان کا اصل مقصد اس زور دار عبارت سے صرف اس حقیقت کو اجاگر کرنا ہے کہ کسی عقیدے کو بھی بغیر دلیل کے نہیں مان لینا چاہیے ، خاص طور پر جب کوئی شخص اس عقیدے کے بارے میں برسر حق نہ ہو اور گمراہ کن عقائد کا حامل ہو ۔ ایسی صورت میں اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بر بنائے تقلید یہ اپنے ان عقائد پر مصر رہے ۔ اس کو اس بات کی خو ڈالنا چاہیے اور یہ موقف اختیار کرنا چاہیے کہ اس کے عقائد کے خلاف اگر کوئی دلیل پیش کی جائے گی تو اس کے تسلیم کر لینے میں اس کو تامل نہیں ہوگا۔

علامہ کے نزدیک دلیل و برہان کی قوت ہی ایسی قوت ہے جو درحقیقت موثر گردش لیل و نہار کے باوجود باقی رہنے والی اور قلب و ذہن کے جمود کو توڑنے والی ہے ۔ یہ جب مجادلے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا مقصد خصم سے مقابلہ نہیں ہوتا بلکہ طلب و جستجو کی ایسی کوشش ہوتی ہے جس سے دلیل و برہان کا آفتاب پوری تابانی کے ساتھ تقلید و جمود کی تاریکیوں سے باہر نکل آئے ، دلیل و برہان اور تلوار یا جبر سے کسی عقیدے کو منوانے میں کیا فرق ہے ۔ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے انہوں نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ [15]

" تم کہہ دو ۔ اللہ ہی کی حجت ، حجتِ بالغہ ہے۔"

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ [16]

" بلکہ ہم حق کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں اور وہ مٹ کر رہ جاتا ہے ۔"

ان آیات میں جس حجت بالغہ کا ذکر اور جس حق کا تذکرہ ہے ، اس سے مراد دلیل و برہان ہے ، تلوار نہیں کیونہ تلوار کا اعتبار نہیں یہ کبھی ہمارے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کبھی دشمن کے ہاتھ میں ۔ دلیل و برہان کی رفاقتیں البتہ ہمیشہ حق کے ساتھ مخصوص رہیں گی ، یہی نہیں اس کی کاٹ اور ضرب سے باطل ہمیشہ لرزاں اور سرنگوں رہے گا ۔ جبر اور تلوار نے اکثر حق ہی کو نقصان پہنچایا ہے ، فائدہ نہیں۔ کیا حرہ کے واقعات حضرت عثمان کا قتل ، جناب حسین اور ابن الزبیر کی شہادت و مظلومیت تلوار اور جبر کی قوت کے خلاف احتجاج نہیں اور تو اور اللہ تعالیٰ کے مقدس انبیاء تک تلوار کی خوئے خوں آشامی کا شکار ہوئے ہیں ۔ [17]

احکام کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں :

1 کیا مسائل و احکام کے بیان کرنے میں قرآن نے قانون و فقہ کی مروجہ ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے ، یا اپنے مخصوص اسلوب ہی کے ضمن میں ان کی وضاحت کی ہے ؟

2 کیا مسائل و احکام کی تعیین میں قرآن نے حلال و حرام ، جائز ، مباح اور مندوب کی فقہی اصطلاحوں کو استعمال کیا ہے ، یا اس امر میں بھی اپنے ہی طریق ابلاغ کو ترجیح دی ہے ؟

3 کیا مسائل و احکام میں اباحت اصل ہے یا حظر؟

4 کیا مسائل و احکام میں کہیں تعارض رونما ہے اور اگر بہ ظاہر تعارض رونما ہے تو اس کے حل کی کیا صورت ہے ؟

---

14 ابن حزم ،احکام فی اصول الاحکام: ج 1، ص 27

15 الانعام: 149

16 الانبیا: 18

17 الاحکام: ج 1، ص 25

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

5 نسخ آیات کی حقیقت کیا ہے؟

6 احکام و مسائل میں دلالت الفاظ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، یا دلالت معنوی کو؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم چونکہ فطرت انسانی کا ترجمان ہے، اس لیے اس میں مضامین کو بیان کرنے کے لیے وہی انداز اختیار کیا گیا ہے، جس سے فکر استدلال کے داعیوں کی زیادہ سے زیادہ تسکین ہو سکے، جو بہ درجہ غایت موثر ہو، جو دلوں میں گھر کر سکے اور آسانی سے حفظ کی گرفت میں آ سکے، جو بلا کا جامع ہو اور بوقلموں سیاقات کا حامل ہونے کی وجہ سے تعبیر و معانی کی رنگارنگی کا زیادہ سے زیادہ حامل ہو، جس میں بلاغت ہو جس کے الفاظ و پیرایہ میں سحر، موسیقیت اور کھنک ہو، ظاہر ہے کہ اس کا اسلوب بیان اگر اسی طرح مرتب، باب وار اور مصنوعی ہو، جیسا کہ عام انسانی کتابوں میں ہوتا ہے کہ ایک باب میں صرف عقائد ہی کا تذکرہ ہو۔ دوسرے باب میں صرف عبادات پر روشنی ڈالی جائے۔ تیسرے میں احکام و علل کے بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے اور چوتھے میں فقہی عنوانوں کے تحت قانون کی گتھیوں کو سلجھایا جائے تو اس صورت میں یہ فوائد ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔

قرآن کے انداز بیان اور انسانی ترتیب، تالیف میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو ایک سمندر اور آب جو میں ہے، یا ایک پر بہار وادی اور بوستان میں ہے۔ اس میں معانی اور مضامین کی ترتیب اپنی ہے، اس میں فکر و عقیدے کی استواریاں بھی ہیں اور عمل و مسائل کا تعین بھی، عبادات اخلاص اور تصوف کے نکات بھی ہیں اور اجتماعی زندگی کے بندھے ٹکے سانچے بھی۔ یہ بعد کے علماء کا کام ہے کہ وہ اس کی روشنی میں علم الکلام کے خدوخال متعین کریں، تصوف و اخلاص کے موتی رولیں اور فقہ و قانون کی مشکلات کو سلجھائیں، قرآن ان کو کسی بھی مرحلے میں مایوس نہیں ہونے دے گا:

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾ [18]

ان میں دعوت و ارشاد کی سب بوقلمونیاں درج ہیں۔

قرآن حکیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ دلوں میں توحید کا چراغ جلائے، بندوں کو یقین دلائے کہ اس زندگی کے بعد اس سے کہیں بہتر زندگی اور بھی ہے۔ ان کے اخلاق کی اصلاح کرے، کردار اور سیرت میں بلندی، پاکیزگی اور رفعت پیدا کرے اور ایسی بیچ کی راہ سمجھائے کہ جس پر چل کر مسلمان دین و دنیا کی برکات سے بہرہ مند ہو سکیں۔ قرآن حکیم بار بار بلا کسی تصنع اور تعیین ابواب کے لیکن باسلوب تازہ ان مضامین کو بیان کرتا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن کے اسلوب بیان کو جو ابواب و فصول میں تقسیم پذیر نہیں ہے ایسے مجموعۂ فرامین سے تعبیر کیا ہے جس میں رعایا کے حالات اور مسائل کی بنا پر مختلف اوقات میں بادشاہ نے مختلف فرامین صادر فرمائے اور اس کے بعد کسی شخص نے ان تمام فرامین کو یکجا کر دیا۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ بالکل اسی اسلوب سے اس بادشاہ حقیقی نے آنحضرت ﷺ پر بندوں کی ہدایت کے پیش نظر قرآن مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہر ہر سورت جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی، آپ ﷺ نے ان کو مدون نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے زمانے میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئیں اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا۔ شاہ صاحب نے اپنی اس رائے کی تائید میں قرآن حکیم کی داخلی شہادتوں کو بھی پیش کیا

18 البینۃ:3

ہے ان کا ارشاد ہے کہ چونکہ سورتوں کا انداز بیان شاہی فرامین سے پوری مناسبت رکھتا ہے، اس لیے سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں مکاتیب کے طریقے کی رعایت رکھی گئی ہے۔ جس طرح بعض مکاتیب خدا کی تعریف سے شروع کیے جاتے ہیں اور بعض بیان غرض سے اور بعض کاتب یا مکتوب الیہ کے نام سے اور بعض رقعے بغیر عنوان کے ہوتے ہیں، نیز بعض مکتوب طویل ہوتے ہیں اور بعض مختصر ہوتے ہیں، اسی طرح خداوند جلت عظمتہ نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع فرمایا ہے، بعض کو بیان غرض سے چنانچہ ارشاد ہے:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ [19]

"یہ وہ بلند مرتبہ کتاب کہ جو شک سے منزہ ہے۔ اس میں صاحب اتقا لوگوں کے لیے ہدایت کی ارزانیاں ہیں۔"

سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا [20]

"یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس کی تعلیمات کو فرض ٹھہرایا۔"

بعض مرسل و مرسل الیہ کے نام سے شروع کی گئیں، جیسا کہ فرمایا:

تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ [21]

"تنزیل کتاب ہے عزیز حکیم خدا کی جانب سے۔"

الر ۚ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ﴿١﴾ [22]

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات استوار و محکم ہیں۔ مزید براں حکیم و خبیر خدا کی طرف سے ان کی تفصیل بھی کی گئی ہے۔"

اسلوب قرآن کے بارے میں شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ ان فرامین میں عربوں کے ذوق

19 البقرۃ:2
20 النور:1
21 الزمر:1
22 ہود:1

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شعری کا خیال بھی رکھا گیا ہے ، جس طرح ان کے قصائد کا آغاز کبھی کبھی عجیب و غریب اور ہولناک واقعے سے ہوتا ہے ، بعینہ یہی اسلوب بعض سورتوں میں خداوند تعالیٰ نے بعض سورتوں کے لیے اختیار فرمایا :

وَالصَّٰٓفَّٰتِ صَفًّا ﴿١﴾ فَالزَّٰجِرَٰتِ زَجْرًا ﴿٢﴾ [23]

" قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں ۔ پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں۔"

وَالذَّٰرِيَٰتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ فَالْحَٰمِلَٰتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ [24]

" قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہوں ۔ پھر ان بادلوں کی جو بوجھ (یعنی بارش) کو اٹھاتے ہیں۔"

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ [25]

" جب روائے آفتاب لپٹ لی جائے گی اور تارے جھڑ پڑیں گے۔"

قرآن حکیم کیوں ابواب و فصول پر مشتمل ایک مرتب کتاب نہیں ، اس کا ایک جواب تو وہ مصلحتیں اور فوائد ہیں جن کو بیان کر دیا گیا ہے۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے مزاج و جوہر کے لحاظ سے اس اسلوب و طرز کی نمائندگی کرتی ہے جسے ہم شفوی کہتے ہیں ۔ یہ پہلے سے کوئی بنی بنائی یا تیار اور مدون کتاب نہیں کہ جس کو آں حضرت ﷺ کے سپرد کر دیا گیا ہو ، بلکہ یہ انتقالِ حقیقت کی ایسی صورت ہے جو تیئس برس کے عرصے میں تکمیل و اہتمام کی منزل تک پہنچی ہے ۔ قرآن حکیم کو شفوی انداز میں نازل کرنے میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ اسلام کی رو سے نبوت کا تصور یہودی روایات سے بالکل مختلف ہے ۔ یہودی نبوت کو ایک میکانکی عمل تصور کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ پیغمبر اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہیں ۔ یعنی کتاب تو بہرحال قطعی یقینی اور حجت و استناد کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہے ، جس میں سہو و لغزش کا قطعی امکان نہیں ، مگر پیمبر بہرحال معصوم نہیں ۔ چنانچہ یہ کتاب کی غلط تعبیر پیش کر سکتا ہے ، گناہ اور بدی کا ارتکاب کر سکتا ہے ۔ حتیٰ کہ عشق ورومان میں مبتلا ہو کر ایسی حرکتیں بھی کر سکتا ہے جن کے انتساب سے ایک شریف آدمی بھی کانپ اٹھے۔ قرآن نبوت کے بارے میں جو نظریہ پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر وحی کی پذیرائی کے سلسلے میں قلب و ذہن کے سانچوں کو غیر متحرک نہیں رہنے دیتا ۔ یہ جب اللہ تعالیٰ سے براہ راست یا جبریل کی وساطت سے اخذ حقائق کرتا یا وحی و کتاب کو وصول کرتا ہے تو اس میں اس کے تمام قوائے عقلیہ برابر کے شریک ہوتے ہیں ، یہ صرف وحی کو سنتا یا کتاب کو اخذ ہی نہیں کرتا ، اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس کے نور و فیضان سے دل اور ذہن کے گوشوں کو منور بھی کرتا ہے ، اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہنا چاہیے کہ یہ فیضان اس کے سرچشمۂ قلب سے اُبل اُبل کر کردار و سیرت کے دبستانوں کی آب یاری بھی کرتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اگر وحی سے علاوہ انتقال حقائق کے ان مفید عملی نتائج کو بھی پیدا کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ پیغام شفوی انداز و اسلوب کا حامل ہو اور بتدریج نازل ہو ۔ کتابی یا پہلے سے مرتب و مدون نہ ہو جو پیغمبر کے ہاتھ میں تھما دیا جائے ۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارے سامنے وحی کا ایک ہی پہلو ہے اور ہم اس بات سے نا واقف ہیں کہ حضرت موسیٰ کو تورات بہ یک وقت عطا کی گئی ۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ کو بہ یک وقت تورات یا الواح سے نوازا گیا لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کے بعد یا پہلے وحی کے ذریعے قلب و کردار کی اصلاح و تعمیر کا کام روک دیا گیا ، بلکہ حضرت موسیٰ جب تک زندہ رہے ، کتاب کے علاوہ وحی کے فیضان سے استفادہ کناں رہے ، قرآن کریم کے اسلوب اظہار کے متعلق جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اس کے مضامین کی نوعیت ایک مرتب و مدون کتاب کی سی نہیں کہ جس میں فقہ و احکام کے مسائل کو خاص ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہو تو لازمی طور پر احکام مسائل کا طریق بھی جداگانہ ہوگا ۔ اس میں ایک لطیف اور نازک معنوی ربط کے باوجود بلیغ انداز کا اختلاط ہے ، یعنی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں توحید کے دلائل کے ضمن میں مختلف اقوام ونحل کا حال مذکور ہے اور اسی بحث کے دوران سیاق کی مناسبتوں کی رعایت سے حشر و نشر کی کیفیات کا تذکرہ ہے اور اخلاق یا اعلیٰ اقدار کی تشریح ہے اور اسی کے پہلو بہ پہلو انبیا علیہم السلام کے بلند تر سوانح اور کردار کی جھلکیاں ہیں ، یعنی حقائق کا ایک دفتر اور گلستان ہے کہ قلب و نظر کو مہکا رہا ہے۔

مسائل و احکام کا یہ جداگانہ طریق کیا ہے ۔ اس کی وضاحت کے لیے اس حقیقت کو جان لینا کافی ہے کہ قرآن نے احکام و مسائل میں کسی شئے کی حرمت و تحلیل کے لیے وہ وضعی پیمانے استعمال نہیں کیے جن کو بعد کے فقہا نے متعین کیا ۔ بلکہ اس سلسلے میں اس نے اپنا مخصوص منہاج قائم رکھا ۔ شراب حرام ہے لیکن قرآن اسے لفظ تحریم سے تعبیر نہیں کرتا ، بلکہ ایک طرح کی اخلاقی اور روحانی ناپاکی قرار دیتا ہے اور اسے ترک کر دینے کی بصورت امر تلقین کرتا ہے :

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ [26]

---

23 الصفت:1 - 2

24 الذاریات:1 - 2

25 التکویر:1

26 المائدۃ:90

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" اے ایمان والو ! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک شیطانی کام ہیں۔ان سے بچے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

صفا و مروہ کے مابین سعی و طواف واجب ہے ، لیکن قرآن کے پیرایۂ بیان سے محض جواز کا پہلو نکلتا ہے :

إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ ٱللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ [27]

" بے شک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہے سو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان سعی و طواف انجام دے اور جو کوئی بھی نیکی کو اپنائے گا اللہ اس کا صلہ دینے والا اور اس کی خبر رکھنے والا ہے۔"

قرآن نے اس پیرایہ بیان کو ایک تاریخی ضرورت کے پیش نظر اختیار فرمایا۔بات یہ تھی کہ صفا و مروہ پر زمانہ جاہلیت میں اساف و نائلہ کے بت نصب تھے ۔ صحابہ کو سعی و طواف میں اس بنا پر تامل تھا کہ مبادا اس سے بت پرستی کے جذبات کی تائید نہ ہو۔

فقہ کا ایک عام معروف قاعدہ یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے لیکن قرآن نے امر کو محض استحباب کے لیے بھی استعمال کیا ہے ، جیساکہ ارشاد ہے:

وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَٱدْخُلُوا۟ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَٱنتَشِرُوا۟ [28]

" ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو اٹھ جاؤ۔"

فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ [29]

" سو جب نماز پڑھ چکو تو تم زمین پر پھیل جاؤ۔"

ظاہر ہے کہ کھا لینے یا نماز پڑھ لینے کے بعد ضرور تا بیٹھ جانا نا جائز یا حرام نہیں۔

مکروہ کا لفظ عموماً ایسے اعمال پر بولا جاتا ہے ، جن کا ارتکاب برا ہو حرام نہ ہو ، مگر قرآن حکیم نے اس کا اطلاق ان امور پر کیا ہے جن کا تعلق اگرچہ اخلاقیات سے ہے ۔ تاہم ان کی حرمت میں شبہ نہیں ہے :

وَلَا تَمْشِ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ ٱلْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ ٱلْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُۥ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾ [30]

" زمین پر اترا کر نہ چل ، یقیناً نہ تو تُو زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچے گا ۔ ان سب کی برائی تیرے رب کے نزدیک نا پسند ہے۔"

چونکہ فقہی اصطلاحیں بعد کی ہیں ، اس لیے قرآن میں احکام و مسائل کی حیثیت کو متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی فیصلے تک پہنچنے سے پہلے قرآن کے پورے نظام احکام پر غور کیا جائے ، اور یہ دیکھا جائے کہ سیاق و سباق کی کن مناسبتوں کے پیش نظر کن الفاظ کا استعمال ہوا ہے ، اور قرآن حکیم نے جن روحانی و اخلاقی و اجتماعی قدروں کی وضاحت کی ہے ، ان کی روشنی میں کسی مسئلے کی اسلام کے نظام احکام میں کیا جگہ متعین کی جا سکتی ہے ۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ ، صحابہ اور قرون اولیٰ کے فقہا یا سلف نے ان مسائل و احکام کو کس حیثیت سے قبول کیا ہے ۔ اس لیے کہ قرآن خلا میں بہرحال نازل نہیں ہوا اور نہ اسلام کی فکری و عملی تاریخ میں کہیں انقطاع یا رخنہ اور خلل ہی رونما ہوا ہے ۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آں حضرت ﷺ نے تشریح کی ہے جس پر دنیائے اسلام نے عمل کیا ہے اور جس کا ایک ایک جزئیہ ، فقہ اور تاریخ کے دفاتر میں محفوظ ہے ۔

بعض کوتاہ اندیش لوگ قرآن کی تفسیر احکام کے سلسلے میں جو طرز فکر اختیار کرتے ہیں ، وہ حورابی کی شریعت و قانون کے لیے تو مناسب ہے ۔ ویدوں اور قدیم ایرانی دساتیر کی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے بھی اس انداز و اسلوب سے کام لیا جا سکتا ہے کہ کسی ایک آیت یا نص کو لیا اور لغت کو سامنے رکھ کر اس پر استدلال کی پرشکوہ عمارت کھڑی کر دی ، لیکن ایک ایسی کتاب سے متعلق استدلال کا یہ ڈھنگ اختیار نہیں کیا جا سکتا جو نہ صرف تاریخ کے جانے بوجھے دور میں نازل ہوئی ہیں ، بلکہ جس نے تاریخ سازی کی ہو ، جس نے ایک جیتا جاگتا معاشرہ قائم کیا ہو اور انسانی فکر و عمل کے دھاروں کو بدلا ہو ۔ ایسی کتاب کے کسی حکم یا مسئلے کو سمجھنے کے لیے اس کے پورے نظام احکام پر نظر ڈالنا ہوگی ، جس میں قرآن کا فلسفہ احکام ، زیر بحث مسئلے کے بارے میں متعلقہ آیات ، احادیث میں مذکورہ تشریحات اور قریب تر اسلامی معاشرے میں اس پر عمل کی نوعیت شامل ہیں ۔ ان سب چیزوں کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام میں کسی متعین امر و نہی کی حیثیت کیا ہے ۔ جو لوگ اس کے برعکس قرآن کی تعبیر و تشریح کے لیے صرف لغت کا سہارا لیتے ہیں وہ نہ صرف سہل انگاری کے مجرم قرار پاتے ہیں بلکہ اسلام کی تاریخی حیثیت سے انکار بھی ان کی فرو جرم میں داخل ہے ۔

احکام و مسائل کے سیاق میں ایک اہم بحث یہ بھی ہے کہ کیا قرآن حکیم کی رو سے احکام و نواہی کا نظام کسی مصلحت ، معنی اور تعلیل پر مبنی ہے یا نہیں ۔ اس کے جواب میں ہم دو گروہوں

27 البقرۃ:158
28 الاحزاب:53
29 الجمعۃ:10
30 بنی اسرائیل: 37 - 38

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نشان دہی کر سکتے ہیں ۔ اشاعرہ جس طرح امور کونیہ میں تعلیل و تسبب کو تسلیم نہیں کرتے۔اسی طرح امور دینیہ میں ان کے نزدیک کوئی مصلحت معنی یا حکمت اس لائق نہیں کہ اس کو علت و اسباب قرار دے کر فکر و اجتہاد کے بالاخانے تعمیر کیے جائیں ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سرے سے احکام کو حکمت و مصلحت سے عاری سمجھتے ہیں ۔ اس کے برعکس ان کا موقف یہ ہے کہ جس طرح امور کونیہ میں علل و اسباب کی حیثیت محض اقتران کی ہے علل و اسباب کی نہیں ، اس طرح شرائع میں حکمت و مصلحت کا بیان تو پایا جاتا ہے مگر حکمت و مصلحت کی حیثیت تعلیل و سبب کی نہیں ، محض اقتران و الحاق کی ہے ۔ جمہور اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ احکام و مسائل میں نہ صرف مصالح و حکم کا وجود مسلم ہے ، بلکہ جزئیات میں کارفرما بھی ہیں اور ان کی روشنی میں اس فہم و بصیرت اس ادراک و علم اور استنباط و استدلال سے کام لیا جا سکتا ہے ، جس کی حضرت عمر نے حضرت معاذ کے نام ایک مکتوب میں ، الفہم الفہم کہہ کر تلقین کی ۔ جمہور اہل السنت کا مسلک قرآن کے اندازِ دعوت کے عین مطابق ہے ۔ یعنی قرآن جب بار بار فکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے اور حشر و نشر کی کیفیتوں کو ثابت کرنے کے لیے اس دنیا کے مظاہر رنگا رنگ کو پیش کرتا ہے تو اس کے صاف صاف معنی یہ ہیں ۔ عقائد ، مسائل اور احکام میں حکمت و معنی کے موتی چننا اور فقہ و اجتہاد کی ردائے زر نگار پر ٹانکنا اور سجانا ، عین تقاضائے دین ہے۔

اشاعرہ کے مسلک میں جو فکری جھول ہے امور کونیہ کی سطح پر اس کا احساس نہیں ہو پاتا ، کیونکہ ایک فعل سے اگر ایک رد فعل بہرحال ظہور پذیر ہوتا ہے تو یہ فعل چاہے بر سبیل اقتران ہو ، چاہے بر سبیل لزوم سائنس کے نقطہ نگاہ سے زیادہ اہم نہیں ، ہتا کیونکہ اگر آگ ہمیشہ تپش و ضو پیدا کرتی ہے ، پانی ہمیشہ نمی کو جنم دیتا ہے اور ہوا بغیر کسی رکاوٹ کے نکہت و بو کو فضا میں بکھیرنے کا موجب قرار پاتی ہے تو اس سے تجربہ بہرحال آگے بڑھتا ہے اور سائنس کو اسباب و مسببات کے اس رشتے سے ترقی کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن دین میں اگر مصلحت و حکمت کو کارفرما نہ مانا جائے تو فکر و اجتہاد اور فہم و بصیرت کا پورا کارخانہ بے کار ہوکر رہ جاتا ہے۔

احکام و مسائل سے متعلق کچھ اور اہم مباحث بھی غور و فکر کا ہدف بن سکتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ تعبدیات سے قطع نظر قرآن میں جن تہذیبی و عمرانی مسائل کا ذکر آیا ہے ، ان کی حیثیت کیا ہے۔ کیا ان میں ارتقاء رونما ہوا ہے اور اگر ارتقا رونما ہوا ہے تو مختلف شرائع میں اقدار کا اختلاف حقیقت کا اختلاف ہے یا تاریخ و زماں کا یا ، مثلاً یہ کہ قرآن جب نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ اور صدقات کے بارے میں متعین احکام صادر فرماتا ہے تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ مجرد ان احکام کی بجا آوری ہی دین کے تمام مراتب و لطائف کو گھیرے ہوئے ہے یا قرآن کی رو سے واجبات و فرائض کا یہ کم از کم نقشہ ہے ، جس کی پیروی ضروری ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان تمام اوامر و احکام کی پیروی کے ساتھ ان مراتب علیا کے حصول کے لیے بھی کوشش کی جائے ، جس پر یہ دلالت کناں ہیں ، یعنی نماز کے ساتھ ساتھ اس حد تک ذوقِ عبادت بھی دلوں میں پیدا ہو کہ ہر ہر مسلمان سجدہ ورکوع میں ایک طرح کی لذت محسوس کرنے لگے اور اس کا جی عبادت کے لیے مچلنے لگے ۔ جب بھی اسے فرصت ملے اس کے دربار میں عبودیت و نیاز کا تحفہ لیے ہوئے حاضر ہو جائے ۔ یہ بھی چاہیے کہ حج کے مناسک کو پورا کرنے کے پہلو بہ پہلو عشق و محبت کی ان فراوانیوں کو بھی عزیز رکھے جن کی پرورش و تخلیق حج کے اولین مقاصد میں داخل ہے۔

اس طرح جب کوئی مسلمان زکوٰۃ ادا کرے تو اس کو محض سنگ میل قرار دے اور سخا و جود اور انفاق فی سبیل اللہ کی ان اگلی منزلوں تک پہنچنے کی کوشش کرے ، جہاں دوسروں کو تکلیف پر دل بے اختیار تڑپ اٹھتا ہے ، جہاں انسانیت بیدار ہوتی ہے اور پوری کائنات کا دکھ اور درد اپنا دکھ اور درد بن جاتا ہے ۔ غرض یہ اور اس طرح کے دوسرے مباحث اپنی جگہ بہت ہی اہم ہیں اور تفصیلی گفتگو چاہتے ہیں مگر اختصار کا تقاضا یہ ہے کہ فکر و نظر کی ترک تازیوں کو صرف ان ہی چھ سوالات کے حل تک محدود رکھنا چاہیے ، جن کی ابتدا میں نشان دہی ہو چکی ہے۔

چنانچہ ترتیب کے اعتبار سے جس سوال کا جواب ہمیں دینا چاہیے وہ یہ ہے کہ آیا مسائل و احکام میں اباحت اصل ہے یا خطر ۔ جواب میں تین الگ الگ موقف بیان کیے جاتے ہیں :

1. اشیا میں اصل شئے اباحت ہے تا آنکہ شریعت میں اس کا محظور ہونا مذکور ہو۔
2. اصل شی خطر ہے ، تا آنکہ شریعت میں ان کے جواز پر کوئی دلیل پائی جائے۔
3. اصلی شئے نہ اباحت ہے نہ خطر بلکہ دونوں کا تعین شریعت کی تصریحات سے ہوتا ہے۔

پہلے دو موقف تو معتزلہ کے ہیں اور تیسرا اشاعرہ کا ہے ۔ قائلین اباحت کا مدار استدلال اس نوع کی آیات ہیں :

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا [31]

" وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔"

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا [32]

31 البقرہ:29
32 الجاثیہ:13

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" اور تمہارے لیے مسخر کیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اپنے حکم سے۔ "

یہاں اباحت کے متعلق تو دو چیزوں کا خیال رہنا چاہئے ۔ ایک یہ کہ اباحت کا دائرہ فقہا کے نزدیک ابضاع کو محیط نہیں ۔ دوسرے یہ کہ اشیا میں اصل یا قبل ورود الشرع کے الفاظ میں ابہام ہے ۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام نے از سرنو اخلاق و اجتماعی اخلاق کی تخلیق نہیں کی بلکہ آغاز کار ہی سے خیر و شر کے بارے میں ضمیر انسانی میں حدودِ امتیاز موجود تھیں اور اسلام سے قبل کا معاشرہ بندھے ٹکے دستور، رواج، عرف اور شرائع کا حامل تھا ۔ اسلام نے اس باب میں صرف یہ کیا ہے کہ وحی ربانی کی روشنی میں ان اقدار و مراسم کو ایک نظم میں پرو دیا ہے ۔ چنانچہ جو باتیں صحیح تھیں ان کو اسلامی مزاج میں ڈھال دینے کے بعد قائم رکھا ہے اور جو غلط یا مضر تھیں ان کو ممنوع قرار دیا ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے باوجود معاملات اور اشیا میں ایک حصہ ایسا فرض کیا جا سکتا ہے جس کے بارے میں صاف صاف احکام نہ ہوں لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ایسے معاملات و اشیا کی حیثیت تجرید لیے ہوئے ہے اور ایسے مرجحات عقلی و اجتماعی کا بالکل فقدان ہے جن کے بل پر اباحت و خطر کا فیصلہ کیا جا سکے ۔ زیادہ تعجب معتزلہ پر ہے جو تحسین ذاتی اور تقبیح ذاتی کے قائل ہیں اور عقل انسانی کو حجت و حکم مانتے ہیں ۔ ان کے نقطۂ نظر سے تو اس اصول کے لیے کوئی وجہ جواز ہی باقی نہیں رہتی، کیونکہ اشیا میں اگر حسن و خیر کی خوبیاں ہیں تو انتظار نص چہ معنی دارد ۔ ورود شرع سے پہلے ہر وہ شے مباح ہوگی جس میں حق و خیر کے پہلو پائے جائیں گے اور ہر وہ شئے محظور ہوگی، جن میں حسن و جمال کے پہلو مفقود ہوں گے ۔ غالباً ان کے ہاں اس اصول کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب کسی شی میں دونوں پہلو پائے جائیں یا دونوں غیر واضح ہوں ۔

یہ بات اپنی جگہ بہت معقول ہے کہ قطع نظر اس کے کہ ہر شئ اور معاملے میں بعض ترجیحات کی روشنی مین اباحت و خطر کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے ۔ (مثلاً اسلام سے پہلے شائع اور عرف میں اس کی حیثیت کیا تھی ۔ قرآن کی عمومی تصریحات کس چیز کی طرف اشارہ کناں ہیں ۔ خیر و مصلحت کے پہلو کس کے حق میں زیادہ ہیں اور یہ کہ اس کے اشباہ و نظائر سے کس امر کا انداز ہوتا ہے) ۔ تاہم اگر ان اشیا کے بارے میں ہمیں اسی اصول کے تحت فیصلہ کرنا پڑے جو متعین نصوص کے دائرے میں نہیں آتیں تو ہم اباحت کی حمایت کریں گے اور اس وقت تک کسی شی کو محظور نہیں سمجھیں گے، جب تک کہ اس کا محظور ہونا ثابت نہ ہوجائے ۔ ہمارے نزدیک تکمیل دین کے معنی یہ ہیں کہ قیامت تک مسائل کی جو جو صورتیں پیش آنے والی ہیں، ان کا حل کتاب اللہ کی جامع آیات میں موجود ہے، اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اشیا میں اصل اباحت ہے یا خطر ۔ ضرورت صرف ایسے بالغ نظر فقہا کی ہے جو ان آیات جامع سے، ان حکم و مصالح کا سراغ لگا سکیں کہ جن کی روشنی میں کسی شی کو مباح یا محظور ٹھہرایا جا سکتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ تنہا اصول سے کسی امر کی اباحت و خطر کا فیصلہ کرنا کافی نہیں کہ الاصل في الاشياء الاباحته ۔ جب تک اس کے ساتھ ایسی ترجیحات عقلی و ذہنی کا وجود نہ ہو، جو وجوہِ اباحت کو اجاگر کر سکیں ۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں معاملے میں شریعت خاموش ہے، یا کتاب و سنت ساکت ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ شریعت حقہ کے مضمرات میں ایسی روشنی اور تابش و ضیا پائی نہیں جاتی جس سے فائدہ اٹھا کر ہم کسی امر کو مستحسن یا قبیح ٹھہرا سکیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس بارے میں کوئی نص یا متعین حکم پایا نہیں جاتا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کے احکام و مسائل میں تعارض رونما ہے اور اگر بظاہر تعارض رونما ہے تو دفع تعارض کی صورت کیا ہے ۔ یہاں پہلے ہی قدم پر اس اذعان کو دل میں زندہ کر لینا چاہیئے کہ اللہ تعالی کی کتاب ہر طرح کے تناقض و اختلاف سے پاک ہے کیونکہ اس کتاب ہُدیٰ کی یہی تو خصوصیت ہے کہ اس کے مضامین میں کہیں بھی تصادم، الجھاؤ اور اختلاف پایا نہیں جاتا :

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ [33]

" تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور و تدبر سے کام نہیں لیتے ۔ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو ضرور ان کو بہت سے اختلافات نظر آتے ۔"

بات یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ اس کے تمام مضامین کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، چونکہ یہ ایک عظیم کتاب اور حکیمانہ نوشتہ ہے جس میں ایک ہی مضمون کو سو سو ڈھنگ سے ادا کیا گیا ہے اور ہر ہر جگہ، موضوع کے نئے نئے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے، اس لیے یہ امر بالکل طبعی ہے کہ انسانی فکر و فہم کی تنگ دامانی کہیں کہیں اختلاف و تعارض محسوس کرے اور احکام و مسائل میں جو حقیقی ربط تعلق پنہاں ہے اس کو اول وہلے میں نہ جان سکے ۔ اس انتہائی مجبوری کے پیش نظر فقہا او رمفسرین نے ایسی وجوہ ترجیح کا استیعاب سے ذکر کیا ہے جن کی روشنی میں نہ صرف تعارض اٹھ جاتا ہے بلکہ احکام و مسائل کے باطن میں جو وحدت اور حکمت کارفرما ہے وہ دمک اٹھتی ہے ۔

بظاہر اختلاف و تناقض کا محسوس ہونا، نہ صرف یہ کہ عیب نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا ہنر ہے ۔ ہر ایسا کلام جو مطالب و معانی کی بوقلمونیوں سے

---

33 النساء:82

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالا مال ہو، جس کے اسلوب اظہار کی سطح اونچی ہو جس میں گہرائی اور گیرائی کی ارزانیاں ہوں اور جو زندگی کے راز ہائے سر بستہ کو مختلف طریقوں سے بیان کرنے کا مدعی ہو، ضرور ہے کہ اس میں کہیں کہیں ذہن انسانی رکے، عقل سوچنے پر مجبور ہو، اور فکر نا تمام مطالعے و تحقیق کی مزید ضرورتوں کو محسوس کرے۔ یعنی اگر کہیں سمندر ہے تو اس میں موج و گرداب کا وجود ناگزیر ہے، ناگزیر ہی نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس میں موجوں کا تلاطم اور گرداب اور بھنور کی گردش بجائے خود سمندر کے وجود پر دلالت کناں ہیں۔ بلاغت کے نقطۂ نظر سے سوال یہ اہم ہے کہ اختلاف کی یہ نوعیت تطبیق کی صورت میں کسی عمدہ تر تعبیر کو آغوش میں لیے ہوئے یا نہیں۔ اگر وجوہ ترجیح سے تناقض رفع ہو جاتا ہے، اختلاف دور ہو جاتا ہے اور سیاق و سباق میں نئے معنی کا اضافہ ہوتا ہے۔ تو یہ اختلاف نقص و عیب تو کجا کہنا چاہئے کہ حسن و جمال کی علامت ہے، کیونکہ قرآن میں زیر بحث اختلاف اس طرح کا نہیں جس طرح مثلاً سفید کو سیاہ کہا جائے یا سچ کو جھوٹ کے لباس میں پیش کیا جائے بلکہ یہ اختلاف تفصیل و اجمال کا اختلاف ہے محکم و متشابہ کا اختلاف ہے۔ عام و خاص کا اختلاف ہے یا یہ ایک جگہ، ایک حقیقت مدِ نظر ہے، اور دوسری جگہ دوسری حقیقت، ایک جگہ ایک پہلو بیان کرنا مقصود ہے اور دوسری جگہ دوسرا پہلو۔ وضاحت کے لیے ہم یہاں صرف دو تین مثالیں بیان کریں گے، جن میں ایک کا تعلق عقائد سے ہے اور دوسری دو کا مسائل و احکام سے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں جن دو آیتوں میں بظاہر تناقض رونما ہے وہ یہ ہیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ[34]

" آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر پاتیں اور اس کے احاطہ ادراک میں سب آنکھیں ہیں۔ "

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ[35]

" کچھ چہرے اس دن اس کے دیدار سے تر و تازہ ہوں گے۔"

پہلی آیت میں بطور اصول کے اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ صفات کا تعلق ہے، انسانی آنکھ اور انسانی علم و ادراک اس کو پا لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دوسری آیت میں عشاق کے لیے یہ مژدہ جاں فزا مذکور ہے کہ اس دنیا میں نہ سہی آخرت میں کچھ خوش نصیب لوگ ایسے ضرور ہوں گے جو دیدار حق سے بہرہ مند اور سرخ رو ہوں گے، اب تنزیہ ذات کا تقاضا اگر یہ ہے اللہ تعالیٰ کو ہم ان آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں اور علم و ادراک کی اس حقیر پونجی سے اس کو نہ پا سکیں تو عشق الٰہی یہ چاہتا ہے کہ یہ محرومی ختم ہو اور سالک ایک نہ ایک دن مشاہدۂ حق کی سعادت سے بہرحال مشرف ہو۔ تناقض کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کی ذات حدود جسم و مادے سے ورا الورا ہے، تو دیدار و مشاہدہ سمت و حدود کا متقاضی ہے۔ یہ عقدہ حل ہو تو کیونکر؟ اگر تنزیہ پر زور دیتے ہیں تو یہ خوش خبری بے کار ہو جاتی ہے اور اس خوش خبری پر یقین رکھتے ہیں تو ذات مطلق حیطہ اطلاق سے نکل کر دائرہ جسمانیات میں داخل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے تنزیہی کے پہلو کو اہم سمجھا، انہوں نے ثانی الذکر آیت کی تاویل کی اور جن لوگوں نے دیدار محبوب کے تقاضوں کو زیادہ اہمیت دی، انہوں نے اول الذکر آیت میں تعبیر و توجیہ کی ایسی صورت پیدا کی کہ جس سے دونوں میں تصادم باقی نہ رہے۔

ہمارے نزدیک تطبیق کی صورت ایسی ہونی چاہئے جس سے نہ تو تنزیہے و تجرید کے تقاضے مجروح ہوں اور نہ یہ مایوسی پھیلے کہ جس محبوب کے لیے عمر بھر تڑپا کیے اور راتوں کو جاگ جاگ کر جس کے لیے تمنا و آرزو کا دام پھیلاتے رہے، اس کے حریم جمال تک رسائی تو کجا ایک جھلک بھی اس کی تجلیات کی نہ دیکھ پائیں گے۔

ہمارے نزدیک اگر قرآن حکیم کے الفاظ پر غور کیا جائے تو خود بخود اس تناقض کا حل نکل آتا ہے اول الذکر آیت میں جس چیز کی نفی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ جسمانی آنکھیں اور یہ ناقص علم اس کی ذات کے حیطہ اقدس تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ یعنی یہ انسان اگر چاہے کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک کر سکے تو یہ ممکن نہیں۔ دوسری آیت میں جو مذکور ہے، اس میں ادراک ذات کا وعدہ نہیں۔ نظر الی الرب کا وعدہ ہے جو دونوں معنوں کے اعتبار سے صحیح ہے۔ ان معنوں میں بھی کہ کچھ خوش نصیب لوگ اس کو دیکھیں گے اور ان معنوں میں بھی کہ بہشت کی حیاتِ جاوداں میں دنیا کی طرح ان کی تگ و دو اور سیر و سلوک کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات رہے گی، یہ سیر جاودانی اپنی آغوش میں کن کن روحانی مسرتوں کو لیے ہوگی۔ اس کو آج کی لسانی اصطلاحوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس زبان میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ نظر و بصر کی یہ کیفیت سمت و حدود کی متقاضی ہے، کیونکہ دیدار و روئیت کی ان شرائط کا تعلق اس دنیا سے ہے جو زمان و مکان یا متٰی وائن کے مقولات کی پابند ہے۔ وہ عالم کیسا ہوگا، اسے کون جانتا ہے، ایک شی البتہ یقینی ہے کہ وہ عالم جاوداں کن مقولات پر قائم ہے، اس کی تعین کے لیے کسی نئے اور قلب و نظر کے لحاظ سے مسلمان ارسطو کی احتیاج ہے جو ہنوز پیدا نہیں ہوا۔

---

[34] الانعام: 103

[35] القیامۃ: 22 - 23

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری دو مثالیں جن کا تعلق احکام سے ہے یہ ہیں :

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ [36]

" اور کافر عورتوں کے نکاح پر قائم نہ رہو۔"

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ [37]

" عقد میں آ سکتی ہیں کہ جن کو تم سے پہلے کتاب ملی جب تم انہیں مہر دو۔"

اول الذکر آیت کا منشا یہ ہے کہ کافر عورتوں سے نہ تو نکاح جائز ہے اور نہ ان کو مسلمانوں کے حبالہ عقد میں رہنا چاہئے ۔ اسی حکم کے پیش نظر حضرت عمر نے اپنی دو بیویوں قریبہ اور ام کلثوم کو طلاق دے دی۔

ثانی الذکر آیات میں اس بات کی اجازت دی کہ اہل کتاب میں سے ان عورتوں سے عقد جائز ہے جو پاکباز ہوں ۔ ایک دوسرے مقام پر اہل کتاب کے کفر پر خود قرآن کریم نے یہ کہہ کر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے :

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ [38]

" ان لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔"

سوال یہ ہے کہ اس صورت میں اگر ان کا شمار بھی کفار میں ہوتا ہے تو پھر استثنا کے کیا معنی ہیں ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے یہ کہہ کر اس تناقض کو اور الجھا دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ کو خدا سمجھ لے ۔ اختلاف و تناقض کی اس صورت میں تعبیر و تاویل کے دو ہی پہلو فقہا کے ہاں مدار بحث بنتے ہیں یعنی یا تو اس اجازت کو منسوخ قرار دیا جائے اور اول الذکر آیت کے عموم کو باقی رکھا جائے اور یا پھر بقدر استثنا اس عموم کو منسوخ قرار دیا جائے اور کتابیہ سے نکاح کو جائز سمجھا جائے۔

ہمارے نزدیک رفع تعارض کی یہ شکل زیادہ قرین قیاس ہے کہ دونوں میں سرے سے تناقض کو تسلیم ہی نہ کیا جائے ، کیونکہ اول الذکر آیت میں جہاں " کوافر " سے تزویج کو ممنوع ٹھہرایا ہے وہاں کوافر سے مراد عقیدہ کفر پر جمی رہنے والی مستورات نہیں ، بلکہ وہ مشرک عورتیں ہیں جو کتابیہ نہیں ہیں ۔ جن لوگوں نے قرآن کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے ۔ وہ جانتے ہیں کہ مشرکین مکہ اور اہل کتاب کو معاملات میں قرآن حکیم نے ایک ہی سطح پر نہیں رکھا بلکہ دونوں میں فرق و امتیاز کی حدود کو قائم رکھا ہے ۔ یہی وجہ ہے جہاں ان سے نکاح کو جائز ٹھہرایا ہے ۔ وہاں ان کے ذبیح کو بھی مسلمانوں کے لیے حلال قرار دیا ہے حالانکہ مشرکین مکہ سے یہ رعایت نہیں برتی گئی ۔ قرآن کی اصطلاح میں مشرکین مکہ اور اہل کتاب دو دو الگ الگ دائروں میں منقسم ہیں ۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ قرآن نے اس کے باوجود کہ دونوں کا عقائد کفریہ میں اشتراک ہے ، دونوں کا دو الگ الگ صفوں میں ذکر کیا ہے ۔ سورہ بینہ میں ہے :

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ [39]

" اہل کتاب میں کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے والے نہیں تھے جب تک ان کے پاس روشن دلیل نہ آ جائے۔"

وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا [40]

" اور اہل کتاب اور مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اسلام لے آئے ۔ اگر یہ اسلام لے آئے ، تو سیدھی راہ پر گام زن ہو گئے۔"

تطبیق کی اس صورت کو مان لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ استثنا کو اہمیت دی جائے ، کیونکہ جو بات بطور استثنا کے بیان کی گئی ہے وہ بہرحال معنی زائد ہے اور معنی زائد بھی ایسا کہ جس سے اسلام کے اس زرین اصول کی تائید ہوتی ہے کہ اختلافات اور فاصلوں کو حتی المقدور سمیٹنا چاہئے اور عالمی تہذیب و تمدن کی اس بنیاد پر تعمیر ہونا چاہئے کہ کلمہ سوا کیا ہے یا وہ کون سچائیاں ہیں کہ جن پر بنی نوع انسان کو دینی و مذہبی اختلاف کے باوجود متحد ہونا چاہئے ۔ تعبیر کے اس پہلو کی تائید قرنِ اول کی اسلامی تاریخ سے بھی ہوتی ہے ۔ صحابہ میں متعدد حضرات ایسے ملتے ہیں کہ جنہوں نے اہل کتاب سے مصاہرت کے رشتوں کو استوار کر رکھا تھا ۔ ظاہر ہے کہ اگر اس بات کی اجازت نہ ہوتی تو صحابہ کم از کم ایسا نہ کر سکتے تھے ۔

معاملات ہی میں اختلاف و تناقض کی ایک صورت مندرجہ ذیل دو آیتوں میں ہے :

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ [41]

" اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس ۔ "

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا [42]

" اور اپنے پیٹ میں اٹھائے پھرنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔"

ان آیات میں بظاہر تناقض یوں رونما ہے کہ اول الذکر آیت کی روشنی میں مدت رضاعت دو سال ہے اور ثانی الذکر آیت کی رو سے مدت

36 الممتحنہ:10
37 المائدہ:5
38 المائدہ:72
39 البینہ: 1
40 آل عمران:29
41 البقرہ: 233
42 الاحقاف:15

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضاعت اور مدتِ حمل دونوں کو ملا کر تیس مہینے ہوتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تیس ماہ میں سے ۹ ماہ مدت حمل کو منہا کر لیا جائے تو باقی اکیس ماہ رضاعت کے لیے ہونے چاہئیں، حالانکہ قرآن کی رو سے مدتِ رضاعت صرف دو ہی سال ہے۔

اس تناقض کو مفسرین نے اس طرح دور کیا ہے کہ یہاں جو مدتِ حمل مذکورہ ہے اور اقل مدتِ حمل صرف چھ ماہ ہے نو ماہ نہیں۔ تطبیق کی اس صورت کے بارے میں ایک فقہی لطیفہ سنیے۔ حضرت عثمان کے پاس بنی جہینہ کا ایک شخص یہ شکایت لے کر آیا کہ چونکہ میرے ہاں چھ ہی ماہ کے بعد لڑکا پیدا ہوگیا ہے، اس لیے مجھے یقین ہے کہ یہ میرا نہیں۔حضرت عثمان نے سنا تو اس کی بیوی کو رجم کی سزا کا حکم سنا دیا۔ عورت بہت چیخی چلائی۔ اس نے ہر چند یہ کہا کہ میرا دامن ہر طرح کے تلوث سے پاک ہے۔ تاہم خاوند کا دل نہ پسیجا۔ بات پھر حضرت علی تک پہنچی۔ آپ نے حضرت عثمان سے کہا، آپ کا فیصلہ غلط ہے۔ حمل چھ ماہ کا بھی تو ہوسکتا ہے اور ثبوت میں سورۂ احقاف کی یہ آیت پڑھی۔ حضرت عثمان کا ذہن ادھر متبادر نہیں ہوا تھا۔ جوں ہی حضرت علی نے اس نکتے کی طرف توجہ دلائی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

نسخ آیات کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں دو طرح کی بحثیں ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ کون کون آیت ناسخ ہے اور کون کون منسوخ۔ دوسرے یہ کہ کیا نسخ آیات کے تصور سے علم الٰہی کی ہمہ گیری کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ جہاں تک اول الذکر نکتے کا تعلق ہے، اس کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا ہے کہ ہمارے ہاں سلف میں یہ مسئلہ متنازعہ فیہ نہیں رہا ہے، بلکہ ایک فقیہ اور مجتہد کے لیے جہاں دوسرے علوم کی تحصیل کو ضروری ٹھہرایا گیا ہے، وہاں ناسخ و منسوخ کے علم کو بھی اتنا ہی اہم اور ضروری تسلیم کیا گیا ہے، اس لیے کہ جب تک یہ نہ معلوم ہوگا کہ احکام و مسائل میں وہ کون آیات ہیں جو محض عموم و اجمال کی ہیں اور کون متعین حکم کی حامل ہیں یا کن آیات کے تعین کو دوسری آیات کے تعین نے ختم کر دیا ہے، اس وقت تک استنباطِ احکام کا کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتا۔ شاہ صاحب کا اس سلسلے میں احسان یہ ہے کہ انہوں نے منسوخ آیات کے دائرے کو چند آیات تک محدود کر دیا ہے اور اگر زیادہ غور و تعمق سے کام لیا جائے تو ان چند آیات میں سے ایک دو کی بھی ایسی تشریح ممکن ہے جس سے نسخ کا دائرہ نسبتًا اور سمٹاؤ اختیار کر لے۔

ہم سلف کے بارے میں یہ سوئے ظن نہیں رکھتے کہ ان کو خدا نخواستہ قرآن کی عظمت کا پاس نہ تھا یا وہ اس حقیقت سے نا آشنا تھے کہ نسخ آیات کے تصور سے علم الٰہی کی وسعتیں متاثر ہو سکتی ہیں، اس لیے اگر ان کے ہاں اصول، تفسیر اور فقہ میں یہ بات بطور اصول موضوع کے مان لی گئی ہے کہ قرآن حکیم نسخ آیات سے دو چار ہے تو ہمیں بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ ہمارے نزدیک قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں اس بات کو خاص اہمیت حاصل ہے کہ کوئی تفسیر و تشریح اس وقت تک صحیح نہیں قرار دی جا سکتی، جب تک کہ تاریخی طور پر ہم اس کو حق بجانب نہ ثابت کر سکیں۔ یعنی اگر قرآن حکیم نے ایک مخصوص معاشرہ پیدا کیا ہے اور احکام و مسائل کو اس معاشرے میں سمو کر دکھایا ہے، تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ ہم تشریح کی صورت میں سب سے پہلے اس معاشرے کو دیکھیں اور اس نقطۂ نظر کو اپنائیں کہ اسلامی معاشرے کے صحت مند عنصر نے احکام و مسائل میں کیا روش اختیار کی ہے اور انہوں نے جن پیمانوں کو تسلیم کیا ہے اور جن پیمانوں پر فقہ و اجتہاد کے غرفے تعمیر کیے ہمارے لیے بھی وہی پیمانے رہ نما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس اصول کی روشنی میں بغیر کسی اظہارِ معذرت کے ہم نسخ کی صحت مانتے ہیں اور کسی طرح بھی اس کو قرآن کی عظمت و وقار کے منافی نہیں سمجھتے۔

آیئے اس کے بعد دوسرے نکتے کی جانب عنانِ توجہ کو پھیریں اور دیکھیں کہ نسخ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے پیچھے شرائع و ادیان کا کون اصول کار فرما ہے۔ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں کسی نا معقول اپچ کی ضرورت نہیں صرف قرآن کی ان دو آیات پر نظر ڈال لینا کافی ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾ [43]

"خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔"

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ [44]

"ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔"

اوّل الذکر آیت میں قانون فطرت کی تشریح ہے، اس میں اس حقیقت کی پردہ کشائی کی گئی ہے کہ کائنات میں ارتقا کا جو قانون جاری و ساری ہے، وہ صرف اثبات ہی پر مشتمل نہیں۔ محو یا مٹا دینا بھی اس کا ایک جزو ترکیبی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکوینی سطح پر تمام نباتات یا حیوانات میں جو جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ بہ خطِ مستقیم نہیں ہوتیں۔ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ جو ہیولی ایک مرتبہ بنا یا کسی حیوان کا جو نقشہ تیار

---

43 الرعد:29

44 البقرہ:106

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ، اس کو ارتقا کی آئندہ رفتار میں قائم رکھا گیا بلکہ اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ آغاز میں کچھ صورتیں بنتی اور بگڑتی ہیں ۔ کچھ ہیولے اور نقشے صفحۂ وجود پر ابھرتے اور مٹتے ہیں اور پھر کہیں جا کر زندگی ایک تعین اختیار کرتی ہے اور ارتقا کا ایک رخ مقرر ہوتا ہے ۔ اثبات و محو کا یہ قانون نہ تو محبت کی طرفہ طرازیوں پر مبنی ہے ، نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فطرت ناتجربہ کار ہے اور اس کے کچھ نقش بناتی اور مٹاتی ہے ، تاکہ آخر کار موزوں تر نقش تک رسائی ہو سکے ۔ جیسا کہ ڈارون نے ازراہِ گمراہی سمجھا بلکہ تغیر و تبدل کے اس قانون کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا وہ محکم علم ، وہ استوار حکمت ، اور تاباں ادراک پایا جاتا ہے جو زندگی اور تکمیل حیات کے اصول سے اچھی طرح آشنا ہے ، جس میں پہلے سے یہ بات طے ہے کہ ارتقا کا یہ قانون اس انداز و نہج سے چلے گا ۔ یعنی جو نقش مٹتا ہے ، وہ اس لیے نہیں مٹتا کہ اس کو فطرت کی لاعلمی نے ابھارا ہے ، بلکہ اس لیے مٹتا ہے تاکہ ارتقا کے فاصلے کو آگے بڑھا سکے ۔ یعنی یہ محو و فنا ارتقا کا ایک ناگزیر موڑ ہے ، جس سے آگے نکل کر اثبات کی سرحدیں واضح ہو جاتی ہیں اور علم الٰہی یا اُمّ الکتاب میں یہ تمام کیفیتیں اور موڑ پہلے سے درج ہیں۔

اس آیت میں بھی اگرچہ سیاق کے اعتبار سے شرائع اور ادیان ہی مقصود ہیں ۔ تاہم اس کے عموم میں فطرت کے عملِ ارتقا کی وضاحت زیادہ نمایاں ہے ۔ ثانی الذکر آیت نسبتاً اس سے زیادہ متعین ہے ۔ اس سے مراد خصوصیت سے شرائع و ادیان میں اس قانون ارتقا کا ذکر ہے ، جس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کوئی سطح پر مختلف نقوش مٹتے اور ابھرتے ہیں اور فنا و ثبات کا قانون ان گنت نئے نئے نقش بناتا چلا جاتا ہے ، اس طرح تہذیب و تمدن کے دائرے میں ہر ہر زمانے میں شریعت بدلتی ہے ۔ قانون متغیر ہوتا ہے اور فقہ و معاملے کی نئی نئی صورتیں سامنے آتی ہیں ، اور جس طرح فطرت اچھے اور موزوں تر نقش کی تلاش میں زمان و مکان کے فاصلے طے کرتی ہے ، ٹھیک اسی طرح انبیا علیہم السلام کی تعلیمات زمان و مکان کی مناسبتوں سے تغیر و تبدل کے نئے مرحلوں سے گزرتی اور تکمیل و ارتقا کی آخری کڑیوں پر جا کر اتمام پذیر ہوتی ہے ۔ فلسفہ مذاہب کا یہ دلچسپ موضوع ہے کہ اسلام کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے کہ اس نے کن کن سمتوں میں ارتقا کا کرشمہ دکھایا ہے اور تہذیب و تمدن کے اس آخری اور ارتقائی مرحلے تک پہنچنے کے لیے انبیا علیہم السلام کی تعلیمات نے کن کن تغیرات کا سامنا کیا ہے ، یا ادب و شعر کی زبان میں یوں کہیے کہ اس قطرے نے گہر ہونے تک کن کن اداہائے حُسن کو مستعار لیا ہے۔

کہنا یہ ہے کہ جس طرح تکوین کی سطح پر تغیر و ارتقا کا قانون نہ صرف یہ ہے کہ علم الٰہی کے منافی نہیں ہے ، بلکہ اس کی حکمت و ادراک کا آئینہ دار ہے ، اسی طرح سابقہ شرائع میں بھی نسخ و انشا کا قاعدہ جانے بوجھے علم و عرفان کا نتیجہ ہے ، اس لیے سوال یہ نہیں کہ شرائع میں تغیر و تبدل کیوں رونما ہوا بلکہ غور طلب یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ ہوا بہتر اور خوب ہوا اور عین قانون ارتقا کے مطابق ہوا۔

اس وضاحت کے بعد یہ مسئلہ اپنی جگہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اگر خود شریعت اسلامی میں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تدبیر و اصلاح نے نسخ آیات سے کام لیا ہے تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہوئی ۔ یہ بھی فطرت کے اسی جانے بوجھے قانون کی کارفرمائی کا کرشمہ ہے کہ جس کے تحت پہلی شریعتوں میں تغیر و تبدل ہوا ۔ فطرت اور قانونِ فطرت میں یہی ہم آہنگی تو وہ شے ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام دنیائے فکر و دانش میں اس درجے مقبول ہوا۔

احکام و مسائل کی اس بحث کے اختتام پر ایک برمحل اور مفید سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احکام و مسائل کو بیان کرنے میں آیا قرآن حکیم نے الفاظ کی ظاہر دلالت ہی کو اہمیت دی ہے یا معنی و مفہوم کی رعایت بھی ملحوظ رکھی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ قرآن میں جب ہمیں کسی امر و نہی سے دوچار ہونا پڑے ، تو کیا ہمیں ٹھیٹھ الفاظ کی پیروی کرنا چاہیے یا یہ دیکھنا چاہیے کہ ان الفاظ کے پیچھے کونسا معنی جلوہ گر ہے ۔ ظاہر ہے اس مسئلے میں کسی نپے تلے کلیے پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ۔ قرآن حکیم میں دونوں کی طرح کی مثالیں پائی جاتی ہیں ۔ چنانچہ جہاں تک تعبدیات معاملات، حدود و مواریث ، حلال و حرام اور دیگر بنیادی مسائل میں قرآن کے اسلوبِ اظہار کا تعلق ہے ، بغیر کسی جھجک کے کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ دلالت ظاہری سے سر مو انحراف اختیار نہ کیا جائے اور صلوٰۃ ، صوم ، زکوٰۃ وغیرہ اصطلاحوں کے وہی معنی سمجھے جائیں ، جو متداول اور متفق علیہ ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اہل علم کے ہاں جانی بوجھی اور مسلمہ ہے کہ بعض مقامات پر ظاہر کے ساتھ یا ظاہر کے بجائے معنی کی اہمیتیں زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہیں ، اس لیے اس بارے میں کوئی دو ٹوک رائے رکھنا مشکل ہے اور بائبل کے پیرایہ بیان میں یوں کہنا زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ کا حق لفظ کو دو اور معنی کا معنی کو ۔ یعنی نہ تو معنی میں ایسی وسعت پیدا کرو کہ اپنی صریح تر دلالت سے محروم ہو جائے اور باطنیت و الحاد کی پیروی میں تم اصل دین اور صراط مستقیم سے ہٹ جانے پر مجبور ہو جاؤ ، اور نہ ہر جگہ الفاظ کی ظاہری دلالت پر اکتفا کرو ، کیونکہ اس طرز تعبیر سے ممکن ہے تم تعبیر و تفسیر کے ان لطائف ہی سے محروم ہو جاؤ ، جن کو دین کی روح اور جان کہنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے ، یہاں اس نکتے کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قرآن حکیم کا عام اندازِ بیان تو وہی ہے ، جو ایک فصیح و بلیغ کتاب کا ہونا چاہیے ۔ اس میں ارکانِ دین واضح ہیں ۔ حلال و حرام کی حدود متعین ہیں اور اصولی مسائل کا بالکل وہی مطلب ہے ، جس پر کہ الفاظ یا پیرایہ بیان دلالت کناں ہے ، اس میں کہیں گھپلا نہیں ، ابہام نہیں اور معنی و تاویل کی بے جا وسعت نہیں ، لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہے کہ یا تو دلالت لفظی میں کچھ پھیلاؤ ہے اور یا الفاظ محض علامت ہیں اور دراصل مقصود معنی ہے۔

معنی کہاں کہاں مقصود ہے اور دلالتِ ظاہری کا دامن کہاں کہاں سمٹا ہوا ہے ۔ اس کو جاننے کے لیے تین اصول ہیں :

1۔ یا تو امر و نہی کے منطق اور اندرونی تقاضے یہ کہتے ہیں کہ یہاں الفاظ کی ظاہری دلالت کے علاوہ معنی کی اور وسعتیں بھی ہیں جیسے والدین کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے :

فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ [45]

" اور ان سے ہوں نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات کرو تو حدود تعظیم کے اندر رہ کر۔"

ظاہر ہے جہاں والدین کے ساتھ الفاظ کی حد تک گستاخی کے ساتھ پیش آنا گناہ ہے ۔ وہاں اس کے معنوں میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے قول و عمل سے کوئی ایسی بات روا نہ رکھی جائے اور نہ ایسے حالات ہی پیدا کیے جائیں ، جن سے یہ روحانی اور نفسیاتی اذیت یا گھٹن محسوس کریں ۔ الفاظ کا ظاہری مطلب اگرچہ صرف اسی قدر ہے کہ اولاد الفاظ کی حد تک کسی گستاخی کی مرتکب نہ ہو مگر اس حکم کی منطق اور اندرونی تقاضا یہ کہتا ہے کہ اس میں حُسنِ سلوک کی وہ تمام نفسیاتی جزئیات داخل ہیں کہ جن سے والدین کا احترام مجروح ہوتا ہے۔

2۔ یا صحابہ کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ آیت میں جو لفظ آیا ہے ، اس کا اطلاق کن معنوں پہ ہوتا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ [46]

" اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔"

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام ان خطرات سے دامن بچائے رہنا چاہیے جو ہلاکت یا موت پر منتج ہو سکتے ہیں ۔ اسی بنا پر قسطنطنیہ کے محاصرے کے وقت جب ایک صاحب دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا تو لوگوں نے اس آیت کے حوالے سے کہا کہ اس نوجوان نے اپنے ہاتھوں ہلاکت خریدی ہے ، اس پر حضرت ابو ایوب انصاری نے جو اس معرکے میں براہِ راست شریک تھے ۔ لوگوں کو بتایا کہ آں حضرت ﷺ کے زمانے میں اس آیت کا مفہوم ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہلاکت و موت کو وہ شخص دعوت دیتا ہے جو جہاد میں شریک نہیں رہتا ۔ جہاد میں شریک ہونا اور اس میں جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کرنا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ۔

3۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ آیت میں بعض الفاظ کنائے پر مبنی محاورے پر مشتمل ہوں لیکن اس کا احتمال بھی ہو کہ ان سے وہی معنیٰ مراد لیا جائے جو بظاہر الفاظ سے متبادر ہے ، جیسے سحری کے بارے میں قرآن حکیم میں ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ [47]

" اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے ۔ سفیدی کا ڈور سیاہی کے ڈوڑے سے فجر کے وقت۔"

عدی بن حاتم نے اس کے ظاہری معنیٰ مراد لیے اور سچ مچ یہی سمجھے کہ اس سے مراد سُوت کا سیاہ اور سفید ڈورا ہے ۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا نہیں ! اس سے مراد بیاضِ نہار اور سوادِ لیل ہے۔

قرآن اور اکابر پرستی کا بت

"تفہیم القرآن کا درجہ تفسیری ادب میں بہت اونچا ہے ۔ لیکن بہر حال وہ مولانا مودودی کا فہم قرآن ہے ۔ تدبر قرآن بہت اونچی تفسیر ہے لیکن وہ مولانا اصلاحی اور مولانا فراہی کی فہم و بصیرت پر مبنی ہے ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن اور مولانا مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن بڑے اونچے پائے کی تفسیریں ہیں ۔ لیکن بہر حال مولانا تھانوی اور مفتی شفیع کی فہم پر مبنی ہیں ۔ ان میں سے کوئی کاوش بھی خود قرآن کے قائم مقام نہیں ہو سکتی ۔"

"اگر غلطی ابو بکر صدیق سے ہو سکتی ہے تو پھر کوئی شخص بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے ۔ حضرت عمر سے فہم قرآن میں چوک ہوتی ہے اور وہ اس کا بر ملا اظہار کرتے ہیں ۔ ہمارے ہاں آج کل یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ حضرت عمر فاروق سے غلطی ہو گئی ، ہمارے لیے یہ کہہ دینا بھی بہت سہل ہے کہ امام شافعی نے فلاں جگہ غلطی کی اور یہ کہہ دینا بھی بہت آسان ہے کہ امام مالک نے فلاں بات صحیح نہیں سمجھی ۔ ہماری دینی درس گاہوں میں روز یہ تنقیدی تبصرے ہوتے رہتے ہیں ۔ لیکن یہ کہنے کی کسی کی مجال نہیں ہے کہ مولانا تھانوی یا مولانا مودودی یا مولانا احمد رضا خان سے غلطی ہوئی ۔ کوئی ذرا یہ جرات کر کے دیکھے ! ان کے مریدین سر توڑ دیں گے اور اسلام سے خارج کر کے دم لیں گے ۔"

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی "محاضراتِ قرآنی" سے ماخوذ

45 بنی اسرائیل:23

46 البقرہ:195

47 البقرہ : 187

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ سیّد سلیمان ندوی

قرآن پاک کا تاریخی اعجاز

دنیا کے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے حیرت انگیز معجزے پیش کیے ہیں ۔ حضرت نوح کی دعا نے عالم کو غرقاب کر دیا ۔ حضرت شعیب اور حضرت لوط کی دعاؤں نے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے آگ برسائی ۔ حضرت موسیٰ کے معجزہ نے فرعون کو بحر احمر کا طعمہ بنایا ۔ عصائے موسیٰ کی کار فرمائی نے چٹانوں کی چھاتی سے پانی کا دودھ بہایا اور بحر احمر کے سیل رواں کو روک کر بیچ میں خشکی کی دیوار کھڑی کر دی ۔ دم عیسیٰ نے جنم کے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو چنگا کیا ۔ فرش موت کے سونے والوں کو جگایا اور قبر کے مردوں کو باذن اللہ کہہ کر جلا دیا ۔

یہ واقعات دنیا میں پیش آئے اور ختم ہو گئے ۔ برق کا شرارہ تھا جو دم کے دم میں چمکا اور بجھ گیا ۔ لیکن ایک ایسا پیغمبر بھی آیا جس کے حیرت انگیز معجزہ نے قوموں کو ہلاک کرنے کے بجائے ان کو حیات تازہ بخشی ۔ پتھر دلوں کو موم ، عقل کے اندھوں کو بینا اور بنی آدم کی پوری جمعیت کو غفلت بے ہوشی کی نیند سے جگا کر سرشار اور کفر و شرک کی ہلاکت سے بچا کر زندہ کیا ۔ یہ حیرت انگیز واقعہ بجلی کی چمک کی طرح دفعۃً ظاہر ہو کر غائب نہیں ہو گیا ۔ یہ ید بیضا ، عصائے موسیٰ ، دم عیسیٰ کی طرح اپنے امکان اور وقوع میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی نکتہ سنجیوں کا محتاج نہیں یہ روز روشن کی طرح واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ہزار سال تک ممتد و متواتر واقعیت بن کر دنیا اور اہل دنیا کے سامنے جلوہ گر رہا ۔

محمد رسول اللہ ﷺ آخری دین اور آخری صحیفہ لے کر نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ بن کر اس دنیا میں تشریف لائے ۔ آپ کے بعد نہ کوئی دین آنے والا ، نہ کوئی نئی کتاب اترنے والی اور نہ کوئی نئی نبوت مبعوث ہونے والی تھی ۔ اس لیے ضرورت تھی کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کا خاص معجزہ وقتی اور عارضی نہ ہو بلکہ جب تک اس دنیا میں آپ کی نبوت کا نور چمکتا رہے اس کی روشنی بھی قائم رہے چنانچہ وقتی اور عارضی معجزوں کے علاوہ آپ کو ایک ایسا خاص معجزہ بخشا گیا جو قیامت تک قائم اور باقی رہنے والا ہے ۔ قرآن نے تحدی کی میں اپنے رسول و پیغمبر کی صداقت کی گواہی ہوں ۔ جن و انس مل کر بھی چاہیں تو مجھ جیسی کتاب بلکہ مجھ جیسی کتاب کی ایک سورہ بلکہ ایک آیت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکتے ۔ اس اعلان پر پوری چودہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر اب تک فضائے بسیط کے ہر گوشہ میں اس کے جواب میں خاموشی چھائی ہے ۔

یہاں بھی عقل و فلسفہ کی منطقیانہ نکتہ آرائیوں سے بچ کر آیئے تاریخ کے آئینہ میں واقعیت کا چہرہ دیکھیں قرآن پاک دنیا کی سب سے تاریک سر زمین میں ، سب سے جاہل قوم پر اترا جو علم و تمدن سے عاری ، دولت و ثروت سے خالی ۔ سامان و اسلحہ سے محروم اور ہر قسم کی دنیاوی اور مادی طاقت سے تہی مایہ تھی ۔ قرآن نے تیرہ برس تک کبھی پہاڑوں کے غاروں سے اور کبھی پہاڑوں کی چٹانوں سے انسانیت کو آوازیں دیں ۔ اس طویل مدت میں اس کی پکار کے جواب میں سب و شتم ، سنگریزے اور پتھر ، تیر و تبر اور تیغ و خنجر کی بارش ہوتی رہی لیکن جونہی کہ چودھویں برس کا چاند طلوع ہوا اس کی روشنی ماہ شب چہار دہم بن کر نمودار ہوئی اور چند سال کے عرصہ میں دیکھا تو عرب کا گوشہ گوشہ بقعہ نور بن گیا ۔

قرآن کا سب سے بڑا تاریخی معجزہ یہ ہے کہ 23 برس کی تعلیم میں ایک ان پڑھ اور جاہل قوم کو دنیا کی عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنا دیا جس کی عظمت نے دنیائے قدیم کے دونوں بازو قیصر و کسریٰ کو توڑ دیا ۔ چالیس برس کی مدت میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا قرآن کے ماننے والوں نے جو بحر ہند کے دہانہ سے لے کر بحر اطلانتک کے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے ، دنیا کی کایا پلٹ دی ۔ تاریکی کی جگہ نور ۔ جہالت کے بدلہ علم ۔ شرک و کفر کے بجائے خدا پرستی آئی ۔ دنیا کی سب سے غریب مفلس قوم ، سب سے بڑی دولت مند اور سب سے نادان و جاہل و وحشی قوم سب سے بڑی عالم و علم پرور اور متمدن ہو گئی ۔ دنیا کی سب سے ضعیف و کمزور قوم سب سے قوی اور سب پر غالب ہو گئی ۔ قوم جس کو دنیا میں کبھی سیاسی عزت و جاہ و جلال نصیب نہیں ہوا تھا اس نے دنیا کی شہنشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا ۔

عرب و عجم ، ترک و دیلم ، حبش و زنگ ، ہند و سندھ جس نے بھی قرآن کو اپنے سینہ سے لگایا اس نے فتح و ظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا تخت شاہی اپنے دونوں پاؤں کے نیچے بچھایا اور حکومت کا تاج اپنے فرق شاہی پر رکھا ۔ عربوں کی کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بساط تھی۔ دیلم کو کون جانتا تھا۔ سلجوق سے کون واقف تھا۔ غور و خلج و تغلق کس شمار میں تھے۔ کرد کس گنتی میں تھے۔ خوارزمشاہی، اتابکی اور مصر کے بحری ممالک اور ہندستان کے ترکی غلاموں کی حیثیت کیا تھی اور مٹھی بھر آوارہ گرد ترک قبیلہ کا سردار عثمان خان جس کی اولاد نے یورپ، ایشیاء اور دنیا کے تین بڑے بر اعظموں پر چھ سو برس تک حکومت کی۔ اسلام سے پہلے کیا تھا مگر جب انہوں نے اپنی عقیدت کا سر قرآن کے آگے جھکایا تو دنیا کی شہنشاہیوں نے ان کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

عربوں کا تمدن کیا تھا۔ افریقہ کے وحشیوں کا کیا رتبہ تھا۔ بربر کی بربریت کی داستانوں سے کون آگاہ نہ تھا۔ ترک و تاتار کی درندگی کے واقعات سے کس کے کان نا آشنا تھے مگر دیکھو کہ جب قرآن نے ان کے سر پر سایہ ڈالا تو انہی کے ہاتھوں عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں بڑے بڑے متمدن شہر آباد ہوئے۔ علوم و فنون کی درسگاہیں کھلیں اور تمدن و تہذیب کے نقش و نگار اور آثار نمودار ہونے لگے فلسفہ و عقل کی جلوہ آرائی ہوئی۔ علم و فن نے ترقی کی۔ بیسیوں نئے علوم اختراع ہوئے۔ پچھلے علوم نے رونق تازہ پائی اور ان کی بری اور بحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کر لیا۔

ان سب سے ماوراء اور مادہ و مادیات سے ہٹ کر انسانی اخلاق و آداب نے اسی قرآن کی تعلیم و ہدایت سے تکمیل کا درجہ پایا۔ عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کے سبق ازبر ہوئے اور اہل جہان کی آنکھوں کو وہ منظر دیکھایا جس کو آغاز آفرینش سے آج تک انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مغرب کی قوموں کو مشرق سے اور مشرق کی بستیوں کو مغرب سے ملا دیا۔ اور حسب و نسب، قومیت و وطن، پستی و بلندی اور شاہی و گدائی کے ہر قسم کے نشیب و فراز کو مٹا کر قرآن والوں کی ایک برادری اور واحد قومیت پیدا کر دی۔ جس کا وطن دنیا کا ہر ملک اور جس کا مسکن دنیا کا ہر گوشہ تھا۔

باطل پرستی کے ہر طلسم کو توڑ دیا، بتوں کے ہیکل مسمار کر دیے ستارہ پرستی کا چراغ گل کر دیا۔ انسانی جانوں کی قربانی موقوف کر دی۔ دختر کشی کی رسم کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ عورتوں کو عزت، غلاموں کو آزادی، اور غریبوں کو بشارت دی اور سب کے لیے ایک ایمان اور عمل صالح کو ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا زینہ بنایا اور بتایا کہ انسانی سعادت کی شاہراہ غاروں، خلوتوں اور پہاڑوں سے ہو کر نہیں گزری بلکہ شہروں، بازاروں، مجمعوں اور انسانی بھیڑ بھاڑ کے اندر سے گزری ہے۔ حق کی نصرت، انسانوں کی بھلائی، یتیموں کی سرپرستی، غریبوں کی امداد، گرتوں کی دستگیری، مظلوموں کی فریاد رسی اور غلاموں کی آزادی ہی نیکیوں کی جڑیں ہیں اور اس راہ میں ہر قسم کی جد و جہد، زحمت کشی و محنت اور ایثار و قربانی، اصلی نفس کشی و ریاضت ہے۔

اور سب کے آخر میں اور سب سے بڑھ کر اس نے مسلمانوں کو اللہ کے ایک آستانہ قدس کے سوا دنیاوی قوت کے ہر آستانہ سے بے نیاز کر دیا۔ خدائے قادر کی قدرت کے سوا ہر قدرت سے وہ بے نیاز اور ہر قوت سے وہ بے پرواہ ہو گئے۔ انہوں نے فرعونوں کو دریا میں ڈھکیل دیا۔ نمرودوں کے تخت الٹ دیے۔ ہامانیوں کی سلطنتیں چھین لیں اور شدادیوں کی بہشت پر قبضہ کر لیا اور یہ سب کچھ وہ اس لیے کر سکے کہ انہوں ان سب جھمیلوں کے ساتھ ہر رشتہ محبت کو توڑ کر صرف خدا سے اپنا رشتہ جوڑا تھا۔ ان کے ہر عمل کی غایت اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی تھی تو اللہ بھی ان سے خوش ہوا اور اپنی خوشنودی کا ہر خزانہ ان کے لیے کھول دیا۔

قرآن نے اللہ والوں کی جماعت پیدا کی جو اللہ ہی کے لیے کرتی اور چھوڑتی تھی۔ اللہ ہی کے لیے دیتی اور لیتی تھی اور اسی کے لیے جیتی اور مرتی تھی۔

مسلمانو! ربانی قوت کا یہ سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے اور اللہ کے اس خزانہ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھوں میں ہے ہمت کرو اور ادب سے اس کے اوراق کو کھولو اس کے معنوں کو سمجھو، اس کی باتوں پر یقین کرو اور اس کے حکموں کو مانو اور عمل کرو پھر دیکھو کہ تم کہاں سے کہاں پہنچتے ہو۔

توحید - دین الہام و وحی

" سطح ارضی پر بسنے والے ابتدائی افراد انسانی فطرت سے قریب تر تھے، اسی لیے توحید کی سادگی سے بھی آشنا تھے، لیکن جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا گیا انسانیت پیچھے ہٹتی گئی، فطرت سے بُعد و دوری ہوتی چلی گئی۔

ایک طرف ایسی خود سری کہ اللہ کے وجود ہی کا سرے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف ایسی ذلت آمیز نیاز مندی کہ ذلیل ترین مخلوق اور ناپاک ترین حصہ جسم انسانی کو اپنا معبود تسلیم کر لیا کہ جس کا تصور بھی طبع سلیم اور فکر مستقیم پر گراں گزرتا ہے۔

لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام الہامی مذاہب اور وہ مزاہب جو کسی نہ کسی طور پر الہامی مذاہب سے متاثر ہوئے ان سبھوں کے پاس معبود کا جو تصور ہے اس میں وحدانیت نمایاں ہے۔ انسان کی پہلی فطری آواز بھی یہی تھی اور اسلام نے اسی فطری پیغام کی تکمیل بجامعیت کر دی ہے۔"

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی
کی کتاب "اسلام اور عصر جدید"
سے ماخوذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حماد ظفر سلفی

قرآن میں غیر عربی الفاظ

اللہ رب العزت نے ہر زمانے اور ہر قوم کی اصلاح و ہدایت کے لیے رسولوں کو معبوث کیا اور ان پر اپنی کتابیں نازل کیں۔

اس سلسلہ کی آخری کڑی قرآن مجید ہے جو عربی زبان میں ہے ، انبیاء علیہم السلام پر نازل کی جانے والی کتابوں میں ایمانیات و عقائد کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ یکساں ہے ، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا منبع و مبدا ایک ہے اور جس طرح قرآن اور دیگر کتب سماویہ میں معنوی اتحاد و اشتراک پایا جاتا ہے اسی طرح لسانی اعتبار سے بھی ان میں یک گو نہ موافقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید فی الجملہ سابقہ کتب سماویہ کا مصدق و مہیمن اور تمام اقوام عالم کے لیے ہدایت ہے گو یہ سنت الٰہی کے مطابق ہر رسول پر نازل ہونے والی کتاب اس کی قومی زبان ہی میں اتری ہے۔

معرب اور دخیل الفاظ

لسانیات کے ماہرین متفق ہیں کہ جس طرح دو قوموں کے میل جول اور اختلاط کا اثر ان کی معاشرتی و تمدنی زندگی پر ہوتا ہے اسی طرح ایک قوم کے افکار و معتقدات اور زبانیں بھی دوسری قوم سے متاثر ہوتی ہیں ، چنانچہ ایک قوم کی زبان دوسری قوم کی زبان کے الفاظ و تعبیرات ، محاورے ، استعارات اور تشبیہات کو اپنا لیتی ہے اور ان میں اپنی زبان کے صوتی و وضعی قوانین کے لحاظ سے کچھ مناسب ترمیم کے بعد اور بسا اوقات بعینہ انہیں اپنی عام بول چال روز مرہ گفتگو اور پھر اپنے اشعار و بیان میں استعمال کرنے لگتی ہے ، عربی زبان میں بھی اس اصول اور قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ اس کی وسعت کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے۔

در اصل عربی زبان کا تعلق سامی زبانوں سے ہے جس کے اولین مسکن اور جزیرہ نمائے عرب میں اس کے پہنچنے کے سلسلے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی ، عربوں کی معیشت کا اصل دار و مدار تجارت پر تھا جس کے لیے وہ ازمنہ قدیم ہی سے مختلف ممالک خصوصاً ہندوستان و افریقہ کے ملکوں کا سفر کرتے رہے ہیں اور وہاں سے سامان تجارت در آمد کر کے مصر و شام کی منڈیوں میں بیچا کرتے تھے ، ڈاکٹر شوقی ضیف لکھتے ہیں کہ

" ایک ہزار قبل مسیح سے جنوبی عربوں اور عراق و شام و مصر کے علاقوں کے درمیان وسیع تجارتی تعلقات قائم ہو گئے تھے ان کے قافلے ہندی مصالحہ ، افریقی غلام اور یمنی خشبو جات کے لیے شرقاً غرباً صحرائے عرب کو عبور کرتے تھے ۔"[1]

خود قرآن مجید نے بھی عربوں کے دو سالانہ تجارتی اسفار ، رِحۡلَةَ ٱلشِّتَآءِ وَٱلصَّيۡفِ کا تذکرہ کیا ہے ، ان اسفار میں ان ملکوں کے باشندوں سے لین دین میں ان کی زبان کے بہت سے الفاظ شعوری و غیر شعوری طور پر عربوں کی زبان پر چڑھ جاتے ، جنہیں یہ اپنے ملک میں لاتے اور بول چال میں استعمال کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے فارسی ، رومی ، مصری اور حبشی الفاظ ان کی زبان میں داخل ہو گئے ، عربوں کے فارسی اور رومی اقوام کے ساتھ اختلاط کی ایک وجہ عربوں کی سرحدوں پر قائم ہونے والی حیرہ اور غسان کی ریاستیں بنیں ، اس میل جول سے عربی زبان و ادب کو بہت فائدہ پہنچا ، اس واسطہ سے عربی زبان پر ایرانی و رومی تہذیب و تمدن کی چھاپ بھی پڑی اور فارسی و رومی الفاظ و تعبیرات بھی در آئیں ۔[2]

عربی لغت میں اس طرح سے جو الفاظ در آئے ہیں انہیں " معرب " یا " دخیل " کا نام دیا گیا ، " معرب " ان غیر عربی الفاظ کو کہتے ہیں جنہیں عربوں نے استعمال کیا اور ان میں کسی قدر تبدیلی کر کے انہیں اپنے کلام و اوزان کے مطابق بنا لیا ، " دخیل " ان غیر عربی الفاظ کو کہتے ہیں جنہیں عربوں نے اپنے صیغوں میں ڈھالے بغیر استعمال کیا ، انہوں نے اپنے ملنے جلنے والے بہت سے قبائل کے الفاظ کو بھی اپنی لغت میں داخل کر لیا تھا ، جیسے قدیم مصری ،

1 تاریخ الادب العربی والعصر الجاہلی للدکتور شوقی ضیف ص 46

2 ملخصاً از عربی ادب کی تاریخ از ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی، ص46 – 47

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندی ، حبشی ، فارسی اور یونانی[3] جن لوگوں کے خیال میں قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں ان کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں صرف معرب الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں ، آگے اس کی تفصیل ملاحظہ ہو :

قرآن مجید میں معرب الفاظ کا وجود ہے کہ نہیں !

عربی زبان میں معرب اور دخیل الفاظ پائے جانے پراتفاق ہونے کے باوجود علماء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کا استعمال ہوا ہے یا نہیں ، اس نے خود اپنے بارے میں صراحت کی ہے کہ " یہ واضح عربی زبان میں ہے " اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ عجمی زبان کی آمیزش سے خالی ہے لیکن خود بعض قرآنی اشارات اور اس میں مستعمل بعض الفاظ و تعبیرات جو عربی طرز تمدن و معاشرت سے مطابقت نہیں رکھتیں یا صحابہ و تابعین کے بعض آثار نیز آپ ﷺ کا تمام اقوام عالم کی جانب مبعوث کیا جانا ، ان سب امور سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ اس میں معرب الفاظ موجود ہیں ، ایک جگہ قرآن مجید میں " حجارۃ من سجیل " آیا ہے جو فارسی مرکب لفظ سنگ و گل کا معرب ہے ، اسی طرح سے دبیز و رقیق ریشمی کپڑوں کے لیے " سندس و استبرق " کا لفظ آیا ہے ، یہ امور قرآن مجید میں معربات کے موجود ہونے کا پتہ دیتے ہیں ، کیونکہ ظاہر ہے عرب میں نہ یہ کپڑے بنے جاتے تھے اور نہ ہی وہ اپنی بداوت کی وجہ سے ان سے واقف تھے ، جہاں تک ریشمی کپڑوں کا تعلق ہے تو ان کے لیے صرف لفظ " حریر " ہی بولا جاتا تھا لیکن جب ایرانیوں سے ان کا میل جول بڑھا تو انہوں نے کپڑوں کا استعمال کیا اور ایرانیوں سے ان کپڑوں کے جو نام سنے عربوں نے ان کی تعریف کر کے انہیں اپنی زبان میں شامل کر لیا اور ان کے لیے نئے الفاظ وضع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔[4]

لیکن دوسرا گروہ جس میں جمہور علماء امام شافعی ، ابن جریر ، ابو عبیدہ بدر الدین زرکشی ، قاضی ابوبکر اور ابن فارس وغیرہ شامل ہیں ، ان کے نزدیک قرآن خالص عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اس میں کوئی عجمی لفظ موجود نہیں ، ان کی اصل دلیل " بلسان عربي مبين " اور اسی جیسی دوسری آیات ہیں ، ان کے علاوہ بعض اور وجوہ و احتمالات بھی وہ پیش کرتے ہیں ، مشہور لغوی ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ " قرآن واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اور یہ کہنا بڑی جسارت ہے کہ اس میں غیر عربی الفاظ بھی ہیں کیونکہ ایسی صورت میں ان کو یہ چیلنج نہیں کیا جاتا کہ " قرآن جیسی کوئی آیت یا سورۃ پیش کرو " جبکہ اس میں عربی کے بجائے دوسری زبانوں کے بھی الفاظ موجود ہیں ، جن کو وہ جانتے ہی نہیں تھے ، یہ چیلنج تو اسی بناء پر کیا گیا ہے کہ وہ خالص عربی میں ہے جس سے وہ اچھی طرح واقف تھے ۔[5]

زرکشی کا خیال ہے کہ قرآن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے لہٰذا اسی زبان میں اس کی قرات و تلاوت جائز ہوگی کیونکہ فرمان الٰہی ہے : إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا[6] نیز فرمایا : وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا[7] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں ہے کیونکہ اللہ نے اسے نبی ﷺ کے لیے معجزہ و شاہد نیز آپ ﷺ کی صداقت پر دلیل قاطع بنایا اور تاکہ اس کی آیات کے ذریعہ سے وہ خالص عرب فصحا و بلغا اور شعراء کو چیلنج کر سکے اس لیے اگر قرآن غیر عربی الفاظ پر مشتمل ہوتا تو یہ چیلنج بے معنیٰ ہوتا ۔[8]

ابن جریر نے اپنی تفسیر جامع البیان کے مقدمے میں معربات کے ضمن میں اس پر مفصل بحث کی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے تخاطب اسی زبان میں ہوتا ہے جسے بندے سمجھتے اور بولتے ہیں ، یہ اس کا اصول ہے : وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ[9] اور چونکہ قرآن کے اولین مخاطب عرب تھے اس لیے اسے خالص عربی زبان میں نازل کیا گیا ۔ ارشاد ہے : إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢﴾[10] اور رہے وہ آثار جو حضرت ابن عباس وغیرہ سے مروی ہیں کہ قرآن میں وارد فلاں لفظ حبشی یا نبطی ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ لغات کا توارد ہے کہ ایک ہی

---

3 الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ "دخیل" 786/1، " معرب " 1720/2

4 الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، 179/1

5 البرہان فی علوم القرآن للزرکشی، 287/1 - 288

6 یوسف: 2

7 فصلت: 44

8 البرہان، 1/ 287

9 ابراہیم: 4

10 یوسف: 2

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ عرب بھی استعمال کرتے تھے اور حبشی بھی ،کسی لفظ کی ایک ہی زبان کی جانب نسبت اس کے دوسری زبان کا لفظ ہونے کی نفی نہیں ، علامہ ابن جریر کے نزدیک یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ یہ الفاظ اصلاً عجمی تھے اور بعد میں عربوں نے انہیں اپنی زبان میں استعمال کر لیا [11] ، بعض علماء کے خیال میں یہ الفاظ عربی ہی ہیں مگر چونکہ عربی بڑی وسیع زبان ہے ، اس لیے بعض لوگوں سے ان کا عربی ہونا مخفی رہا اور یہ کوئی بعید بات نہیں ، جیسا کہ حضرت ابن عباس پر لفظ فاطر کا معنیٰ مخفی رہا [12]، ان سے روایت ہے کہ میں فاطر کے معنیٰ نہیں جانتا تھا مجھے اس کا علم اس وقت ہوا تھا جب دو بدوی کنویں کے بارے میں جھگڑتے ہوئے آئے اور ان میں سے ایک نے کہا " انا فطرتھا " یعنی میں نے اسے کھودا ۔[13]

امام شافعی قرآن مجید میں معربات کے ہونے کے بالکل ہی منکر ہیں " الرسالۃ " اور ان کی دوسری کتب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ان کے زمانے کے علماء کا خاص موضوع بحث بنا ہوا تھا اور اس کے قائلین بڑی تعداد میں تھے جن کے دعوؤں کا ابطال امام صاحب نے اپنی کتابوں میں کیا ہے لکھتے ہیں کہ عربی بہت ہی وسیع زبان ہے اور ہم نبی کے سوا کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جسے پوری زبان کے علم کا احاطہ ہو ، قرآن خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں ہے ، ارشاد ہے : وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ [14] دوسری جگہ اس نے اس پہلو کو مزید موکد کر کے بیان کیا ہے ، ارشاد ہے : وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٣﴾ [15] نیز فرمایا [16] وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ [17] جو الفاظ عرب و عجم دونوں جگہ مستعمل اور رائج ہیں ، امام شافعی کے نزدیک ان میں اہل عجم عربوں کے تابع ہیں ، لکھتے ہیں جب زبانیں مختلف ہیں تو ضروری ہے کہ ایک زبان دوسری زبان کے تابع ہو اور متبوع زبان کو تابع پر فضیلت حاصل ہو ، ظاہر ہے اس معاملہ میں نبی ہی کی زبان کو یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ وہ ایک حرف اور نقطہ میں بھی دوسری زبان کے تابع نہ ہو ، جس طرح دیگر تمام ادیان آپ کے دین کے تابع ہیں ، یہ ہم پر اور ہمارے نبی پر اللہ تعالیٰ کی مخصوص نعمت ہے " وانہ لذکر لک ولقومک " [18]

قرآن مجید میں معرب الفاظ ماننے والوں کے دلائل

زرکشی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور ان کے شاگرد عکرمہ وغیرہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی زبان کے الفاظ بھی موجود ہیں چنانچہ جب حضرت ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے قول " فرت من قسورۃ " کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہ شیر کے لیے مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ موجود ہیں ، حبشی میں اسے قسورۃ کہتے ہیں ۔[19]

اسی خیال کی تائید جلال الدین سیوطی ، ثعالبی ، تاج الدین السبکی ، ابن حجر العسقلانی اور دوسرے متعدد علماء نے کی ہے ، ان لوگوں نے " قرآناً عربیاً " " بلسان عربي مبين " دوسری آیات کی یہ توجیہ کی ہے کہ قرآن مجید عربی الفاظ سے بھرا ہوا ہے محض چند غیر عربی الفاظ کے ، اب اگر چند غیر عربی الفاظ بھی اس میں آ گئے ہیں تو یہ اس کے عربی مبین کے منافی نہیں ہے ، رہا قرآن کا واضح عربی زبان میں ہونا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی زبان میں نازل ہوا ہے جس سے اہل عرب بخوبی واقف تھے اور وہ ان کی روز مرہ گفتگو اور محاروں میں بکثرت مستعمل تھے ، ابن الخطیب کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں مختلف زبانوں بعض عجمی الفاظ ایسے بھی آ گئے ہیں کہ عرب ان الفاظ کو اپنی گفتگو میں استعمال کرتے تھے [20]، حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ ہونے کی سب سے قوی دلیل ابو میسرہ کی یہ روایت ہے کہ " انزل القرآن بكل لسان " یعنی قرآن تمام زبانوں میں نازل ہوا ہے اور ثعالبی نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ دنیا کی تمام

---

11 تفسیر جامع البیان، 1/ 10 - 11

12 المہذب فیما وقع فی القرآن من المعرب للسیوطی ، ص 42 تقدیم و تحقیق الدکتور التہامی الراجی الہاشمی

13 بحوالہ تفسیر ابن کثیر ، 3 /715 ، لسان العرب 3433/5 مادہ فطر

14 الشعراء: 192 - 195

15 النحل: 103

16 فصلت: 44

17 احکام القرآن للامام الشافعی، ص 31/32

18 ملخصا ماخوذ الرسالۃ للشافعی، ص 44 تا 47

19 جامع البیان، 8/1

20 الفرقان لابن الخطیب، مطبوعہ دار الکتب المصریۃ: 210

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبانیں قرآن میں ہیں[21]، ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں معرب لفظ ہونے کی قوی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ تمام اقوام عالم کی جانب دعوت حق دینے کے لیے بھیجے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ اس واسطے ضروری تھا کہ نبی معبوث کو جو کتاب دی جائے اس میں ہر ایک قوم کی زبان کے الفاظ موجود ہوں۔[22]

ابن النقیب فرماتے ہیں کہ دیگر آسمانی کتابوں پر قرآن مجید کو یہ مزیت بھی حاصل ہے کہ ان کتابوں میں ان ہی قوموں کی زبانیں استعمال کی گئی ہیں جن پر وہ نازل کی گئی تھیں، ان کے علاوہ کسی اور قوم کی زبان کا ایک لفظ بھی ان میں نہیں آیا، مگر قرآن تمام قبائل عرب کی زبانوں پر مشتمل ہونے کے علاوہ رومی، فارسی اور حبشی وغیرہ کے الفاظ بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔[23]

دونوں فریقوں کے دلائل کا تجزیہ

قرآن مجید میں معرب الفاظ کی موجودگی کے متعلق گزشتہ صفحات میں فریقین کے جو دلائل بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان کے تاریخی حقائق، اس کے ارتقاء و تغیر، عربوں کے تمدنی و معاشرتی حالات نیز قرآن میں مستعمل کچھ مخصوص الفاظ و تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کا استعمال بھی ہوا ہے کیونکہ جو لوگ اس کے منکر ہیں ان کے انکار کی چار وجہیں ہیں:

1. قرآن مجید کا خود اپنے اندر غیر عربی الفاظ ہونے کی نفی کرنا۔
2. اہل عرب سے قرآن مجید کی تحدی اسی وقت روا ہو سکتی ہے جب اس میں غیر عربی الفاظ نہ ہوں۔[24]
3. اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ رسولوں کو ان کی قوم کی زبان میں اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مامور کیا ہے کیونکہ اللہ جیسی حکیم ذات کا بندوں کو نا قابل فہم زبان میں مخاطب کرنا بہت ہی بعید ہے۔
4. عربی نہایت وسیع زبان ہے اس کی وجہ سے بعض اہل علم اس کے کچھ الفاظ سے واقف نہیں ہو سکے اور اسے غیر عربی زبان کا لفظ یا انہیں لغات کا توارد سمجھ لیا۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بعض اہل عرب قرآن میں سرے سے عجمی الفاظ ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے خیال میں وہ کاملاً عربی زبان میں ہے، جس کی دلیل قاطع "بلسان عربي مبين" ہے، حالانکہ قرآن مجید کا عربیت سے متصف ہونا اس معنی میں ہے کہ عرب اسے بولتے اور سمجھتے تھے اور قرآن میں ایسی کوئی چیز نازل نہیں ہوئی جو ان کے ذہن و دماغ کے لیے اجنبی اور نا مانوس ہو، اوپر یہ بتایا گیا تھا کہ عربوں کی دوسری قوموں سے اختلاط کے بعد غیر اقوام کے جو الفاظ ان میں رائج ہوئے وہ ان کے لیے اس لیے اجنبی نہیں رہ گئے تھے کہ انہوں نے ان کی تعریب کر کے انہیں اپنی روز مرہ گفتگو میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا، اس طرح ان غیر عربی لفظوں کا رواج عربی زبان میں پوری طرح ہو گیا تھا اس لیے وہ بھی عربی الفاظ سمجھے جانے لگے تھے[25]، اگر ان لفظوں کے اندر کسی طرح غرابت پائی جاتی تو خود اہل عرب نزول قرآن کے زمانہ میں اس پر ضرور معترض ہوئے ہوتے۔

قرآن مجید میں معربات کے ہونے نہ ہونے میں اختلاف کا باعث یہ ہوا کہ فریقین معربات کے مفہوم و مراد کی تعیین میں مختلف الرائے ہیں جیسا کہ نفی کرنے والوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے یہ مراد لیا کہ معرب الفاظ عربوں کے لیے بالکل نئے تھے وہ اسے بولتے اور سمجھتے نہیں تھے اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا بندوں سے اس طور سے مخاطب ہونا اور قرآن میں ایسے الفاظ کا وارد ہونا بعید از قیاس سمجھا جبکہ قرآن مجید میں معربات کے قائلین نے اسے دوسرے مفہوم میں لے لیا ہے جس کی عکاسی امام ابن عطیہ نے اس طرح کی ہے " قرآن عرب عاربہ کی لغت میں نازل ہوا، لیکن تجارت اور دوسرے اغراض سے ہونے والے اسفار میں عربوں نے عجمی الفاظ کو بھی قبول کر لیا اور ان کی ثقالت دور کرنے کے لیے بعض حروف میں انہوں نے تبدیلی کر دی اور انہیں اپنے اشعار و محاورات میں استعمال کیا تاآنکہ وہ فصیح عربی کے قالب میں ڈھل گئے اور ان میں بیان و صاحت پیدا ہوگئی، چنانچہ اسی انداز پر قرآن کا نزول ہوا۔[26]

معربات قرآن پر ایک نظر

معربات قرآن کا مطالعہ مختلف جہتوں سے کیا جاتا رہا ہے، جن لوگوں نے معرب الفاظ کی تعیین و تحدید کی کوشش کی ہے، ان میں ثعالبی، ابن فارس، ابن جریر طبری، زرکشی اور ابن حجر عسقلانی وغیرہ شامل ہیں بعض لوگوں نے اس پر

21 الاتقان 178/1
22 المھذب فیما وقع فی القرآن من المعرب للسیوطی، 62
23 الاتقان 179/1
24 علم اصول الفقہ تالیف عبدالوہاب خلاف، 25
25 الفرقان لابن الخطیب، 212/211
26 البرہان، 289/1

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الگ سے رسائل بھی تحریر کیے ہیں، زرکشی نے البرہان کے اندر متعدد معرب الفاظ کو ان کی تعیین و تشریح کے ساتھ جمع کیا ہے، قاضی تاج الدین سبکی نے 27 معرب الفاظ کو منظوم شکل میں پیش کیا ہے، ابن حجر نے مزید 24 الفاظ کا اضافہ کیا ہے، ان کے بعد سیوطی نے ان میں مزید ساٹھ سے زیادہ الفاظ کو جوڑ دیا ہے، اس طور سے سو سے زیادہ معرب الفاظ ابیات کی شکل میں جمع ہو گئے [27]، اس سلسلہ میں سیوطی نے دو علاحدہ کتابیں تصنیف کی ہیں، ایک کا نام " المہذب فیما وقع في القرآن من المعرب" ہے اس میں معربات کے تعلق سے مختلف علماء کے خیالات پیش کیے گئے ہیں اور آخر میں معرب الفاظ کی ایک طویل فہرست دی ہے، دوسری کتاب " المتوکلی " ہے اس میں صرف معرب الفاظ کا ذکر ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن میں جن عجمی زبانوں کے الفاظ کا ذکر ہے ان سب کو الگ الگ زبانوں کی تعیین کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، ذیل میں قرآن میں مستعمل کچھ معرب الفاظ کو ان کے عربی مترادفات کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

حبشی : الجبت (الشیطان، الطاغوت)، الکاھن:(جوبا،اثما) وغیرہ

فارسی : الاستبرق(الدیباج الغلیظ)،کورت (غورت)،مقالید(مفاتیح) وغیرہ

رومی : فصرھن (فقطعھن) ، الفردوس (البستان)،القسط(العدل) وغیرہ

عبرانی : کفر(محا)، مرقوم (مکتوب)، اخلد(رکن) وغیرہ

نبطی : اسفاراً (کتبا) ، الحواریون (الغسالون للثیاب) ، السفرۃ (القراء) وغیرہ

اس کے علاوہ ہندی، قبطی، ترکی، زنجی اور بربری زبان کے بھی الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔[28]

قرآن مجید میں معرب الفاظ لانے کی حکمت اور فائدے

یہ بڑا اہم مبحث ہے کہ قرآن مجید میں معرب الفاظ کیوں استعمال کیے گئے ہیں، اس کے فوائد و مقاصد کیا ہیں جبکہ اکثر ان معنی و مفاہیم کے لیے عربی الفاظ و مترادفات موجود تھے، متعدد علماء نے اس پر جو بحث و گفتگو کی ہے اس سے حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں، اولاً اس میں قرآن کی ہمہ گیریت کا راز مضمر ہے چنانچہ سیوطی ان الفاظ کے قرآن مجید میں لائے جانے کی حکمت یوں بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید اولین و آخرین کے علوم اور واقعات و اخبار کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے لہٰذا ضروری تھا کہ اس میں لغات اور زبانوں کی اقسام اور تعدد کی جانب بھی اشارے کر دیے جائیں تاکہ اس کا ہر چیز کو محیط ہونا حد کمال کو پہنچ جائے، چنانچہ اس مقصد سے ان سبک اور شیریں الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو عربوں میں کثرت سے مستعمل تھے [29]، ثانیاً قرآن مجید میں جو معرب الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، ان کی بلاغت و بیان کے نقطہ نظر سے بھی اہمیت ہے، چنانچہ مصطفیٰ صادق الرافعی رقم طراز ہیں کہ اس طرح کے قرآنی الفاظ ہی لانے میں بلاغت مضمر ہے، وہاں آیت کے نظم و سیاق کے لحاظ سے کوئی دوسرا الفاظ ان کا متبادل نہیں ہو سکتا تھا [30]، الجوینی قرآن میں دبیز ریشمی کپڑے کے لیے مستعمل لفظ "استبرق" کی بلاغت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اگر دنیا کے تمام فصیح اور زبان آور اشخاص مل کر بھی اس لفظ کی جگہ کوئی دوسرا فصیح و بلیغ تر عربی لفظ لانے کی کوشش کریں تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ کبھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ ایسی صورت میں انہیں صریح لفظ چھوڑ کر کنایے کے مرکب الفاظ لانے ہوں گے، کیونکہ عربی زبان میں " استبرق " کے معنی کرنے پر دلالت کرنے والا کوئی مفرد لفظ نہیں ملے گا اور یہ بلاغت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی معنی و مفہوم کی تعبیر صریح مفرد لفظ سے کرنا کنایے کے مرکب الفاظ کی تعبیر سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس سے معنی کی طرف جلد ذہن کے منتقل ہونے کے علاوہ اختصار کلام کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے لہٰذا ایسے مواقع پر ایک بلیغ شخص کے لیے ایسے ہی الفاظ کا استعمال ضروری ہوتا ہے جو فصاحت کے لحاظ سے بے نظیر ہوتے ہیں [31]۔ اس پر ایک پہلو سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کا اپنے اوراق میں دنیا کی مختلف زبانوں کو جمع کرنا دراصل اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو مختلف زبانیں سیکھنے پر آمادہ کرنا چاہتا ہے تاکہ بولنے والوں میں الفت اور یگانگت پیدا ہو، کیونکہ زبانوں کا اختلاف بھی اللہ کی نشانی ہے، جیسا کہ فرمایا:

وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦ خَلْقُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَٰنِكُمْ ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّلْعَٰلِمِينَ ﴿٢٢﴾ [32]

---

27 الاتقان 184/1

28 ماخوذ از بلفظ کلی للسیوطی

29 المہذب،62/61

30 اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ تالیف مصطفیٰ صادق الرافعی،76

31 الاتقان 179/1

32 الروم:62

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر طیب شاہین لودھی

قوموں کا عروج وزوال

قرآن کے آئینہ میں

قوموں کا عروج و زوال ، اسباب و عوامل کے ضابطوں کے اسی طرح تابع ہے جس طرح افراد ، فرد کو اپنی بد عملی کی پاداش میں جس طرح دنیا و آخرت میں خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اسی طرح قومیں اپنی فکر و نظر میں گمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق قرار پاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق اپنی فکر و عمل کو ڈھالنے والی اس کے انعامات کی حق دار بنتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان اصولوں کا اعلان بار بار اپنے رسولوں کی معرفت کر دیا ہے:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٧﴾ (ابراہیم : 7)

" اور یاد رکھو تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔"

قوموں کے عروج و زوال کے یہ اصول اس قدر اٹل ہیں کہ کوئی قوم بھی اپنی فکر و نظر کی گمراہی اور بد عملی کی پاداش سے نہ بچ سکی اور جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مہلت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت سے انہیں کوئی تدبیر محفوظ نہ رکھ سکی ، کیونکہ

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (یونس:64)

"اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔"

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ (بنی اسرائیل: 77)

" اور ہمارے طریقہ کار میں تم کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔"

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾ (الاحزاب: 62)

" یہ تھا طریقہ کار پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے بارے میں اور تم اللہ تعالیٰ کے طریقہ کار میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

ان اصولوں کو ذہن میں رکھ کر جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے اوراق میں ہمیں متعدد قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں ایک عبرت انگیز پیرائے میں بکھری ہوئی ملتی ہیں ۔ قرآن اپنے قاری سے مطالبہ کرتا ہے کہ قوموں کی داستانوں کو محض قصے کہانیاں سمجھ کر ان سے سرسری انداز میں نہ گزر جاؤ بلکہ دل کی آنکھیں کھول کر عبرت حاصل کرو ۔ مغضوب اقوام پر نازل شدہ عذاب کو محض فلسفیانہ نقطہ نظر سے نہ دیکھو اور ان کو موسموں کے تغیر و تبدل اور فطرت کے طبعی عوامل پر محمول نہ کرو ۔ عروج و سقوط کی ان داستانوں میں دراصل پاداش عمل کے اصول پنہاں ہیں ۔

قرآن ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ ہم جب ان قصص کو پڑھیں تو اپنی روش کا بھی جائزہ لیں کہ کہیں ہم بھی اسی راستے پر تو گامزن نہیں ہو گئے جو تباہ کن اور ہولناک گھاٹیوں میں جا کر ختم ہوتا ہے ، جہاں سے واپسی ممکن نہیں اور تباہی یقینی ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿١٢﴾ (عبس : 11-12)

" ہرگز نہیں ، یہ تو ایک یاد دہانی ہے جس کا جی چاہے اس سے نصیحت پکڑے۔"

قرآن کا مقصد ہے کہ انسان ماضی کے آئینے کو سامنے رکھ کر اپنے حال اور مستقبل کی اصلاح کرے اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ خدا کی باغی قوموں کی روش ترک کر کے انبیاء کرام کی لائی ہوئی ہدایت کو مشعل راہ بنایا جائے ۔ قرآن پاک کی اس آئینہ نمائی کی چند جھلکیاں ذیل میں ملاحظہ ہوں :

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴿٢١﴾ (المومن : 21)

" اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ۔ وہ زمین میں ان سے زیادہ طاقت ور اور با اثر تھے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا اور ان کو اللہ کی پکڑ سے کوئی بچانے والا نہ تھا۔"

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (یوسف : 109)

" پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان قوموں کا انجام انہیں نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں ؟ "

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ (النمل : 69)

" کہو ، زمین میں ذرا چل پھر کر دیکھو مجرموں کا کیا انجام ہو چکا ہے۔"

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾ (الاعراف : 103)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" پس دیکھو ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔"

وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾ (یونس: 73)

" اور ان سب لوگوں کو ہم نے غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا پس دیکھ لو کہ جن کو متنبہ کیا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا۔"

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ (القصص: 39-40)

" اس نے (یعنی فرعون نے) اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے ۔ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا ۔ اب دیکھ لو ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔"

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾ (التوبہ: 70)

"کیا ان لوگوں کو اپنے پیش روؤں کی تاریخ نہیں پہنچی؟ نوح کی قوم، عاد، ثمود اور ابراہیم کی قوم ۔ اہل مدین اور وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا۔ ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے پھر یہ اللہ کا کام نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔"

وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ (ہود: 59-60)

" اور یہ تھے عاد۔ اپنے رب کی آیات سے انہوں نے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی بات نہ مانی اور ہر جبار دشمن حق کی پیروی کرتے رہے ۔ آخر کار دنیا میں بھی ان پر پھٹکار پڑی اور قیامت کے روز بھی ۔"

فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ (الحج: 45-46)

" پس کتنی ہی خطا کار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا اور آج وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہوئی ہیں ۔ کتنے ہی کنویں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں ۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا کان سننے والے ہوتے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا (الفرقان: 40)

" اور اس بستی پر تو ان کا گزر ہو چکا ہے جس پر بدترین بارش برسائی گئی تھی ۔ کیا انہوں نے اس کا حال دیکھا نہ ہو گا؟ مگر یہ تو موت کے بعد دوسری زندگی کی توقع ہی نہیں رکھتے۔"

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ (الفجر: 6-14)

" کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے کیا کیا ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ جس کے مانند ملکوں میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی تھی، اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں، اور فرعون میخوں والے کے ساتھ جنہوں نے ملکوں میں سرکشی کی روش اختیار کی اور فساد کی انتہا کر دی ۔ پس تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا ۔ بے شک تیرا رب گھات میں ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے قوموں پر دنیاوی عذاب کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں ۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ ان کی وضاحت کرتے ہیں :

قوم نوح

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ و السلام کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام آسائشوں سے نوازا ۔ لیکن اس کے باوجود یہ بد بخت قوم شرک جیسی عظیم گمراہی میں مبتلا ہو گئی ۔ پھر اس قوم کے اندر شرک کے باعث دوسری بے شمار اخلاقی ، معاشرتی اور سیاسی گمراہیوں نے جنم لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی فہمائش کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا ۔ آپ ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے ۔ اُن کی ایک ہی پکار تھی کہ

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ (الاعراف: 59)

" اے میری قوم خدا کی بندگی اختیار کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ۔ میں تمہارے معاملے میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔"

اس کے جواب میں قوم کے سرمایہ دار اور خوشحال لوگوں نے اُن کا تمسخر اڑایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو گمراہ کن نظریات سے تعبیر کیا اور الزام لگایا کہ وہ ان نظریات کے ذریعے اپنی قوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے یہ اعتراضات نقل فرمائے ہیں :

إِنَّا لَنَرَىٰكَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٦٠﴾ (الاعراف: 60)

" ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔"

مَا هَٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ (المومنون: 24)

" یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا ۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے ۔"

اور یوں قوم کے سرمایہ داروں اور سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی اصلاح کی کوششوں کی بے حد مخالفت کی اور وہ سرکشی اور بغاوت میں اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو سنگسار کر دینے کی دھمکی دی۔

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَٰنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ (الشعراء: 116)

" انہوں نے کہا اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو تو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔"

اور ان ظالموں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہماری گمراہیوں اور بد اعمالیوں کی پاداش میں جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو وہ لے آؤ۔

قَالُوا يَٰنُوحُ قَدْ جَٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَٰلَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ الصَّٰدِقِينَ ﴿٣٢﴾ (ہود: 32)

" اُن لوگوں نے کہا کہ اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا ۔ اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو۔"

آخر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دی ہوئی مہلت ختم کر دی ۔ حضرت نوح علیہ السلام صدیوں اس قوم کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرتے رہے اور ہدایت الٰہی کے مطابق ان کے نظریات کی تطہیر کی کوشش کرتے رہے ۔ لیکن جب یہ لوگ اپنے خانہ ساز اور گمراہ نظریات اور شرک پر مبنی اعمال پر زیادہ متشدد ہو گئے اور ان کی اصلاح اور نصیحت پذیری کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو اللہ کے عذاب نے انہیں آ لیا اور ایسی ایسی جگہوں سے عذاب الٰہی کے چشمے پھوٹ پڑے جہاں سے اس کے آنے کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے ایک ایسا ہولناک سیلاب ان پر چھا گیا کہ اس خطہ زمین پر کوئی مجرم اپنی جان نہ بچا سکا ۔ خود حضرت نوح علیہ السلام کے سرکش اور نافرمان اور گمراہ بیٹے نے بھاگ کر پہاڑوں پر پناہ لینے کی کوشش کی ، مگر خدا کے عذاب کی موجوں نے اسے پہاڑ کی بلندی پر بھی جا کر گھیر لیا ۔ پھر حضرت نوح کی نگاہوں کے سامنے طوفان نے اسے نگل لیا اور ایک برگزیدہ رسول بھی اپنے بدکردار بیٹے کو اس کی بد عملی کی پاداش سے نہ بچا سکا۔

قوم سبا

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے کئی سو برس پہلے ، قوم سبا اپنے زمانے کی انتہائی ترقی یافتہ قوم تھی ۔ اہل سبا نے دریاؤں پر بند باندھ کر نہروں کا جال بچھا دیا تھا ۔ دنیا کی دوسری اقوام کے ساتھ تجارتی روابط استوار کیے تھے ۔ لیکن مادی ترقی کے عروج کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سرکشی اور بغاوت کا راستہ اختیار کر لیا ۔ انہوں نے مادی ترقی کو ہی زندگی کا منتہائے نظر اور مقصود سمجھ لیا اور ہدایت الٰہی کو پس پشت ڈال دیا ۔ وہ آخرت کی زندگی اور خدائے بزرگ و برتر کے سامنے جوابدہی کے منکر ہو گئے اور انہوں نے اس نظام زندگی کو رد کر دیا جس کی بنیاد وحی الٰہی تھی ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا فیصلہ کر لیا اور پھر وہی دریا جن کا راستہ روک کر انہوں نے بڑے بڑے بند تعمیر کیے تھے ، اور ان سے اپنی سرزمین کو لہلہاتے کھیتوں اور باغات میں تبدیل کیا تھا ، اُن کے لیے عذاب کا باعث بن گئے ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ ءَايَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُۥ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَٰهُم بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَىْءٍ مِّن سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿١٦﴾ ذَٰلِكَ جَزَيْنَٰهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَٰزِىٓ إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾ (سبا: 15-17)

" سبا کے لیے اُن کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی ۔ دو باغ دائیں اور بائیں ۔ کھاؤ اپنے رب کا رزق اور شکر بجا لاؤ اس کا ۔ ملک ہے عمدہ و پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا ۔ مگر وہ منہ موڑ گئے ۔ آخر کار ہم نے اُن پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور تھوڑی سی بیریاں ۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسان کے سوا کیا ایسا بدلہ ہم کسی کو دیتے ہیں ؟ "

اس طرح قوم سبا کی داستان بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت کا سامان بن گئی ۔ سبا کے محلوں میں رہنے والے شہزادے بے سرو سامانی کی حالت میں ریگستانوں میں حیران اور سرگرداں پھر رہے تھے ۔ صدیوں تک اس المیے کو شعراء اپنی نظموں کا موضوع بناتے رہے ۔ چنانچہ اعشیٰ نے جس کا شمار عربی شعراء کے طبقہ اول میں ہوتا ہے سبا کی تباہی کو بڑے دردناک الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

فَجَعَلْنَٰهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سبا: 19)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" آخر کار ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں بالکل تتر بتر کر ڈالا۔"

قوم عاد

قوم نوح کے بعد عاد اپنے زمانے کی طاقتور اور متمدن قوم تصور کی جاتی تھی ، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (الاعراف : 69)

" یاد کرو (اللہ کے فضل و انعام کو) کہ نوح کی قوم کے بعد اس نے تم کو خلیفہ بنایا۔"

عہد حاضر کی اصطلاح کے مطابق اُن کا معیار زندگی بہت بلند تھا اور اس معیار زندگی کے جاہ و جلال کا اظہار وہ بلا ضرورت بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر سے کیا کرتے تھے جسمانی لحاظ سے بھی عاد ایک طاقتور قوم تھی ۔ قرآن کریم میں قوم عاد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً (الاعراف : 69)

" اور تمہیں جسمانی ساخت میں خوب تنومند کیا۔"

مگر اس بلند معیار زندگی اور جسمانی قوت کی وجہ سے وہ گھمنڈ اور تکبر کا شکار ہوئے آخرت کی جواب سے غافل ہو گئے اور گوناگوں اعتقادی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے ۔ ان کے اعتقادات میں شرک نفوذ کر گیا اور اس مکروہ بیماری نے اور بہت سی معاشرتی اور سیاسی عوارض کو جنم دیا۔ انہیں اپنے بلند معیار زندگی کی نمود و نمائش کا اس درجہ شوق تھا کہ انہوں نے اپنی سر زمین پر کوئی ایسا بلند پایہ ٹیلہ نہ چھوڑا ، جس پر انہوں نے محض اظہار فخر کے طور پر ایک عالیشان عمارت تعمیر نہ کر دی ہو ۔ قرآن کریم میں اُن کے اس شوق فضول کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ (الشعراء : 128-129)

" یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔"

دوسری طرف ان کی اخلاقی پستی اور اعتقادی گمراہی کی یہ حالت تھی کہ کوئی پتھر ایسا نہیں تھا جو اُن کا مسجود نہ تھا اور کوئی قبر ایسی نہ تھی جس سے یہ لوگ مرادیں نہ مانگتے تھے ۔ دنیا کی تمام اخلاقی برائیاں ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں ۔ قوم کے کمزور اور نچلے طبقے حکمرانوں اور رؤسا کے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے ۔ کمزوروں اور غریبوں کے لیے اُن کے دل انصاف سے خالی تھے ۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق اُن کی پڑوسی قومیں بھی اُن کے جبر و تشدد اور ظلم و استحصال سے محفوظ نہ تھیں۔

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ (الشعراء : 13)

" اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر ڈالتے ہو۔"

جب زمین قوم عاد کے گناہوں کے بوجھ سے بھر گئی اور مخلوق خدا ان کے ظلم و تشدد سے تنگ آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی فہمائش کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو ان میں مبعوث کیا ۔ اس قوم نے اللہ کے رسول کے ساتھ وہی سلوک کیا ہر بگڑی ہوئی قوم نے اپنے مصلحین کے ساتھ کرتی ہے ۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا :

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ (الشعراء : 131)

" تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

لیکن حق و صداقت کی اس پکار کا جواب قوم نے عاد نے یہ دیا کہ

سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ (الشعراء : 136-138)

" تم نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے سب یکساں ہے ۔ یہ باتیں تو یونہی ہوتی چلی آئی ہیں اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں۔"

آخر کار جب ان کی سرکشی تمام حدود پھاند گئی ، انہوں نے ہدایت الٰہی کو تضحیک و استہزاء کا مسلسل نشانہ بنا لیا اور حضرت ہود بے بس ہو گئے تو اللہ کے عذاب نے اُن کو آ لیا۔ پہلے تین چار سال اُن پر قحط سالی کے وارد ہوئے ۔ پھر طوفان کے آثار نمودار ہوئے جسے یہ لوگ بارش کے آثار سمجھ کر بہت خوش ہوئے ۔ لیکن حقیقت میں یہ وہ طوفان تھا جو اللہ کا عذاب اور قہر بن کر قوموں پر آیا کرتا ہے ۔ یہ طوفان کلیجہ جھلسا دینے والی ایک تیز و تند باد صرصر کی صورت میں نمودار ہوا ۔ یہ باد صرصر ان کی بستیوں پر بلا انقطاع آٹھ دن اور سات راتوں تک چلتی رہی ۔ اس زہریلی ہوا نے اس خطے کی تمام روئیدگی کو جلا کر راکھ کر دیا اور اس ظالم قوم کے تمام افراد اور ان کی تمام بستیوں کو پیوند خاک کر دیا۔ یہ باد سموم جب ختم ہوئی تو چار سو تباہی و بربادی کے ہولناک مناظر ہویدا تھے اور ہر طرف ان ظالموں کی لاشیں کھجور کے سوکھے تنوں کی طرح بچھری پڑی تھیں ۔ قرآن کریم میں قوم عاد کی اس تباہی کا ذکر نہایت عبرت انگیز انداز میں کیا گیا ہے:

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾ (الاحقاف : 24-25)

" اُن لوگوں نے جب اس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادل جو ہم پر بارش برسائے گا۔ نہیں نہیں بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ وہ چیز جس کو اپنے رب کے حکم سے تہس نہس کر دے گی چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے گھروں کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں۔"

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ﴿١٦﴾ (حم السجدہ:16)

" ہم نے اُن پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے تا کہ ہم انہیں دنیوی حیات میں رسوائی کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوا کن ہے اور اُن کو کوئی مدد نہ پہنچے گی۔"

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ (الذاریات: 41-42)

" اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے اُن پر نا مبارک آندھی بھیجی، جس چیز پر وہ گزرتی تھی اس کو بوسیدہ کر کے رکھ دیتی تھی۔"

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾ (الحاقۃ: 6-7)

" رہے عاد تو وہ ایک تند و تیز ہوا سے ہلاک کیے گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُن پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کر رکھا تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں۔"

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ (القمر: 19-20)

" ہم نے اُن پر پر ایک تند ہوا بھیجی ایک مستقل نحوست کے دن میں اور وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔"

چنانچہ وادی احقاف میں آج تک نحوست برس رہی ہے۔

قوم ثمود

قرآن کریم کی تصریحات اور تاریخی شواہد کے مطابق عاد کے بعد ثمود اپنے زمانے کی متمدن قوم گنی جاتی تھی۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ (الاعراف: 74)

" (حضرت صالح نے ثمود سے کہا) یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔"

مولانا سید مودودی لکھتے ہیں: " یہ عرب کی قدیم اقوام میں سے دوسری قوم ہے جو عاد کے بعد سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ نزول قرآن سے پہلے اس کے قصے اہل عرب میں زبان زد عام تھے۔ زمانہ جاہلیت کے اشعار اور خطبوں میں بکثرت ان کا ذکر ملتا ہے۔ اسیریا کے کتبات اور یونان اسکندریہ اور روم کے قدیم مورخین اور جغرافیہ نویس بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے تک اس قوم کے کچھ بقایا موجود تھے چنانچہ رومی مورخین کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومن افواج میں بھرتی ہوئے اور نبیطوں کے خلاف لڑے جن سے ان کی دشمنی تھی۔" (تفہیم القرآن جلد 2 ص 47)

اس دنیا کی زندگی کے متعلق اپنی پیش رو قوم کی طرح ان کے بھی وہی مادی نظریات تھے۔ اُن کی محدود نظر صرف معیار زندگی تک ہی پہنچ سکتی تھی۔ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بنانا، ہموار اور شاداب زمینوں میں کھیتی اگانا، عالی شان قصر تعمیر کرنا اور دنیا کی آسائشوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا ان کا مطمح نظر تھا۔ دوسری طرف ان کا معاشرہ کفر و شرک پر مبنی نظریات کی وجہ سے ظلم و تعدی اور جبر و تشدد سے لبریز تھا۔ انہوں نے کمزوروں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ پست طبقات اُن کے ظلم و استحصال کے نا قابل برداشت بوجھ تلے کراہ رہے تھے۔ غریبوں اور نادار لوگوں کو سر چھپانے کے لیے کوئی اوٹ تک میسر نہ تھی مگر یہ لوگ محض اظہار فخر و مباہات کے لیے اور معیار زندگی کی بلندی کی خاطر پہاڑ تراشتے چلے جا رہے تھے اور عالیشان عمارتوں کی تعمیر کرتے جا رہے تھے:

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿١٤٩﴾ (الشعراء: 149)

" تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو۔"

ایسے حالات میں حضرت صالح علیہ الصلوۃ و السلام اس ظالم قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث کیے گئے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ (الشعراء: 143-144)

" میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

اُن کے معاشرے پر بد کردار لوگ چھائے ہوئے تھے۔ سیاست اور اقتدار کی باگ ڈور خدا کے باغی لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جن کا کام مختلف بہانوں سے زمین میں فساد برپا کرنا اور اللہ کی مخلوق پر ہر قسم کے ظلم و ستم ڈھانا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام جہاں اُن کے اعتقادات کی اصلاح کی جد و جہد کرتے رہے وہاں اُن کے معاشرتی اور سیاسی بگاڑ کے سدھارنے کی طرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی توجہ دی کہ در حقیقت قوموں میں سیاسی بگاڑ کے بعد ہی دوسری قسم کے بگاڑ ظاہر ہوتے ہیں ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں دعوت حق پیش کرتے ہوئے فرمایا :

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾ (الشعراء : 150-152)

" اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۔ اُن بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔"

لیکن قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور اُن کی تمام اصلاحی کوششوں کو ناکام کرنے کی کوشش کی ۔ آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آ دبوچا ۔ وادی حجر کے تین سو میل لمبے اور تقریباً سو میل چوڑے علاقے کو ایک ہولناک زلزلے نے ہلاک کر کے رکھ دیا ۔ ظالم اور سرکش لوگ جو چند لمحے قبل زمین پر اکڑتے پھر رہے تھے اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٧٨﴾ (الاعراف : 78)

" آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے کے پڑے رہ گئے۔"

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾ (الحجر : 84-89)

" آخر کار ایک زبردست دھماکے نے اُن کو صبح ہوتے ہی آ لیا اور اُن کی کمائی اُن کے کسی کام نہ آئی۔"

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ (القمر : 31)

" ہم نے اُن پر ایک تند آواز کو مسلط کر دیا تو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں والی باڑھ کا چورا ہو ۔"

اس قوم پر ایسی تباہی نازل ہوئی کہ آج تک حجر کا علاقہ غیر آباد اور ویران پڑا ہوا ہے ۔ وادی حجر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اب بھی اس علاقے میں نحوست ٹپکتی ہے۔

كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ (ہود : 68)

" گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے ۔ سنو ! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا ۔ سنو ! دور پھینک دیے گئے ثمود ۔"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کی طرف جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ حجر کے علاقے میں سے گزرنے لگے تو صحابہ کرام سے فرمایا :

"لایدخلن احد منکم القریۃ ولا تشربوا من ماءھا۔ ولا تدخلوا علیٰ ھؤلاء المعذبین الا ان تکونوا باکین ان یصیبکم مثل الذي اصابھم۔" (روح المعانی، جز 8 ص 168)

" تم میں سے کوئی شخص اس علاقے میں داخل نہ ہو ۔ نہ تم لوگ ان کے کنوؤں سے پانی پیؤ ان عذاب کیے گئے لوگوں کی وادی میں اس طرح داخل ہو کہ گریہ و استغفار تمہاری زبان پر ہو تا کہ وہ عذاب جو ان پر نازل ہو چکا ہے کہیں تم پر بھی نازل نہ ہو جائے ۔"

قوم لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ و السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ آج کل کے اُردنی علاقے میں بستی تھی ۔ قرآن کریم نے اس قوم کی بستیوں کو موتفکات بھی کہا ہے ، یعنی الٹ دی جانے والی بستیاں ۔ یہ چار بڑی بڑی بستیاں تھیں جن کا نام ابن عساکر نے حضرت عبد اللہ بن عباس کے حوالے سے سدوم ، آمورا ، عامورا اور صبویر نقل کیا ہے ۔ تلمود میں آتا ہے کہ سدوم سمیت پانچ بستیاں تھیں ۔ ان بستیوں کے لوگ خوشحال تھے اور اس خوشحالی کی وجہ سے وہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ سے بغاوت اور سرکشی میں مبتلا ہو گئے ۔ اباحیت پسندی میں یہاں تک ڈوب گئے کہ ہم جنسیت (HOMO SEXUALITY) جیسا غیر فطری اور انتہائی قبیح فعل اُن کی پوری سوسائٹی میں رواج پا گیا ۔ قوم لوط کا تذکرہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے :

أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ (الاعراف : 80-81)

" تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا ۔ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔"

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم (الشعراء: 165-166)

" کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو ؟ "

اس بگاڑ کی کیفیت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے اور بھری مجلسوں میں یہ لوگ غیر فطری طریقہ پر شہوت رانی کرتے تھے ۔ اس کام کے لیے انہوں نے اس وادی میں ایک بہت بڑا باغ لگایا ہوا تھا جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا ، جس میں ہر قسم کے پھل پھول اور نشہ وغیرہ کے سامان مہیا تھے اور یہاں یہ لوگ سال میں چار مرتبہ کھلے بندوں اس غیر فطری فعل کا ارتکاب کرتے تھے اور اپنی مشرکانہ رسوم ادا کرتے تھے ۔ (اقتباسات تلمود ص 46 تا 51 طبع لندن 1965ء)

قرآن کریم نے اُن کی اس کھلے بندوں بدکاری کا ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَتَأْتُونَ الْفَٰحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ (النمل : 54)

"کیا تم آنکھوں دیکھتے بد کاری کرتے ہو ؟"

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ (العنکبوت : 29)

"کیا تمہارا یہ حال ہے کہ مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔"

اس کے علاوہ قرآن کریم بائبل اور تلمود کے ذریعے اس قوم کے حالات جو ہم تک پہنچے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاقی لحاظ سے یہ قوم سڑ گل چکی تھی ، زیر دستوں پر ظلم کی انتہا ہو گئی تھی ، کوئی مسافر اگر ان کی بستی میں آ نکلتا تو اسے اس کے سارے سامان سے محروم کر کے اسے مار مار کے بستی سے نکال دیتے ۔ مسافر اُن کی بستیوں سے کھانا نہ خرید سکتا تھا ۔ آخر کار جب وہ بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑتا تو یہ لوگ میزبانی کا حق یوں ادا کرتے کہ اُس کے ساز و سامان پر پڑتے اور اس کے جسم سے چیتھڑے تک نوچ لیتے اور اگر وہ بھوک سے مر جاتا تو اسے برہنہ جنگل میں دفن کر دیتے ۔ کوئی نوجوان لڑکا اُن کی آبادیوں میں آ نکلتا تو شہوت میں یہ اندھے لوگ اس پر چیل کووں کی طرح ٹوٹ پڑتے ، کہیں بھی فریاد رسی کی جگہ نہ تھی ۔ اُن کی عدالتیں اگر تھیں تو اُن کی بد کرداریوں کے تحفظ کے لیے ۔ انصاف ان کے قریب بھی نہ پھٹکتا تھا۔

اُن کی پوری سوسائٹی میں حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی نہ تھا جو ان کی بد کرداریوں پر ٹوکتا تھا ۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنا فرض ادا کرتے رہے اور اس بد بخت قوم کو اُن کی بد اعمالیوں کے انجام سے ڈراتے رہے ۔ اس نصیحت اور خیر خواہی کا جواب وہ لوگ اس طرح دیتے۔

أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾ (الاعراف : 82)

" نکالو ان لوگوں کو اپنی بستی سے ، بڑے پاکباز بنتے ہیں یہ۔"

اُن کی جرات اور بد کرداری اس انتہا تک پہنچ گئی کہ ایک دن یہ لوگ سیدنا لوط علیہ السلام کی غایت درجہ عاجزانہ اپیلوں کے باوجود اُن کے پاس نو عمر مہمانوں کی صورت میں آنے والے فرشتوں پر ٹوٹ پڑے ۔ تب اللہ نے اُن کو دی ہوئی مہلت ختم کر دی اور ایک کڑاکے دار آتش فشانی انفجار اور شدید زلزلے نے اُن کی بستیوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ۔ اُن کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور سمندر کا پانی اُن میں بھر گیا اور یوں یہ قوم آئندہ آنے والوں کے لیے نشان عبرت بن گئی ۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ (ہود : 82-83)

" پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا۔"

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾ (الحجر : 73-74)

" آخرکار پو پھٹتے ہی اُن کو ایک زبردست دھماکے نے آ لیا اور ہم نے اس بستی کو تلپٹ کر کے رکھ دیا اور اُن پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش برسائی۔"

إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ (العنکبوت : 34)

" (فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا) ہم اس بستی پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اُس فسق کی بدولت جو یہ کرتے رہے۔"

اصحاب مدین و اصحاب ایکہ

اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم کے دو قبیلے تھے ۔ یہ دونوں قبیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ۔ اصحاب مدین کی آبادیاں بحیرہ قلزم کے ساتھ حجاز کے شمالی علاقے ، جنوبی فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا میں خلیج عقبہ کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی تھیں ۔ موجودہ تبوک اور اس کے گرد و نواح میں ایکہ کی بستی تھی ۔ تجارتی شاہراہوں پر آباد ہونے کی وجہ سے اصحاب مدین کو بہت سے فوائد حاصل تھے ۔ یہ لوگ تجارتی قافلوں سے زبردستی خراج وصول کیا کرتے تھے ۔ راہزنی کرتے تھے ۔ راستے ان لوگوں کی دست درازیوں کی وجہ سے محفوظ نہ تھے ۔ حضرت شعیب نے ان سے کہا :

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ (الاعراف : 86)

" ہر راستے پر لوگوں کو ڈرانے نہ بیٹھو۔"

ان کے علاقے سے صرف وہی تجارتی قافلے گزر سکتے تھے جو ان کو خراج ادا کرتے تھے ۔ خود بھی یہ قوم تجارت پیشہ تھی ۔ خوشحالی نے اُن میں غرور و تکبر پیدا کر دیا تھا ۔ شرک اور اس کے علاوہ بہت سی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں میں ملوث ہو گئے تھے ۔ ناپ تول میں کمی ان کا روزمرہ کا دھندا تھا ۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم کی دونوں شاخوں کی طرف معبوث کیے گئے ۔ آپ نے اُن لوگوں کو شرک جیسی عظیم گمراہی پر ٹوکا۔

قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (ہود : 84)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی اختیار کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اور اُن کی معاشرتی برائیوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔

وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ (ھود: 84)

" اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا۔"

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ (الشعراء: 181-183)

" پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔"

آپ نے ہر طریقہ سے اپنی قوم کی اصلاح کرنے کوشش کی مگر ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بات بھی مان کر نہ دی ۔ بلکہ قوم کے سرمایہ دار لوگ جو قوم پر سیاسی تفوق رکھتے تھے اُنہوں نے نہ صرف حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا بلکہ اُن کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کا رویہ قائم رکھا کیونکہ ان لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت سے اپنی سرداریاں چھن جانے کا خدشہ تھا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾ (الاعراف: 90)

"اُس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے آپس میں کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کی تو تم برباد ہو جاؤ گے۔"

آخر کار جب ان کی ہٹ دھرمی انتہا کو پہنچ گئی اور اصلاح کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اللہ کے عذاب نے اُن کو آ لیا۔ اصحاب ایکہ تو چھتری کی طرح چھا جانے والے عذاب سے تباہ کر دیے گئے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾ (الشعراء: 189)

" انہوں نے اسے جھٹلایا آخر کار چھتری کے دن کا عذاب اُن پر آ گیا وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا۔"

اور مدین والوں کو دل دہلا دینے والی آواز کے ساتھ زلزلے نے پیوند زمین کر دیا۔

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩٤﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿٩٥﴾ (ھود: 94-95)

" آخرکار جب ہمارے فیصلے کا دن آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا اُن کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے ۔ سنو مدین والے بھی دور پھینک دیے گئے جیسے ثمود پھینکے گئے۔"

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٢﴾ (الاعراف: 91-92)

" مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے اُن کو آ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے کے پڑے رہ گئے ، جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے ۔ شعیب کے جھٹلانے والے آخر کار برباد ہو کر رہے۔"

بنی اسرائیل کا عروج و زوال

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے اتنے احسان کیے ہیں کہ شاید ہی کسی اور قوم کو اللہ کے انعامات و اکرامات کا اتنا وافر حصہ ملا ہو ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ (البقرہ: 47)

" اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے تم کو عطا کی اور تمہیں میں نے تمام دنیا والوں پر فضیلت بخشی۔"

جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو کنعان کے بیابانوں سے اٹھا کر مصر کے سبزہ زاروں میں پہنچایا تو دراصل یہ قبطیوں کی اصلاح کے لیے بنی اسرائیل کو ایک موقع بہم پہنچایا تھا۔ مگر یہ فریضہ اقامت دین سے غافل رہے اور وہاں کے قبطیوں کو دین سے کما حقہ ، روشناس نہ کرا سکے اور قومی برتری کے جھوٹے اور جاہلانہ احساس میں مبتلا ہو گئے ۔ آخر مصر میں قوم پرستی کی لہر آئی ۔ اسرائیلیوں کو اقتدار سے علیٰحدہ کر دیا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسرائیلی تہذیب کو مٹانے اور اسرائیلی قوم کو دنیا سے نابود کرنے کی سازشیں ہونے لگیں ۔ اُن کی نسل کُشی کے لیے اُن کے نو زائیدہ بچوں کو ایک قانون کے تحت قتل کیا جانے لگا اور لڑکیوں کو قبطیوں کی خدمت کے لیے باقی رکھا جانے لگا۔

يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾ (البقرہ: 49)

" وہ تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس بات میں تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے سخت آزمائش تھی۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن سے زبردستی بیگار لی جاتی تھی ۔ اُن کو برسرِ عام رسوا کیا جاتا ۔ حتیٰ کہ قتل تک کر دیا جاتا ۔ یہ مجبور قوم ذلت و نکبت کے دن گزار رہی تھی اور یوں لگتا تھا کہ گویا یہ قوم رسوائی اور غلامی کی زندگی پر قانع ہو چکی ہے اور ذلت ان کا مقدر بن چکی ہے ۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعاؤں کو سنا اور اُن کی ہدایت کے لیے اور راہبری کے لیے حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسلسل جد و جہد کے ذریعہ حالات کو سدھارنے کی کوشش کی مگر فرعون کو اُن کی اصلاحی کوششوں کے پیچھے اپنے اقتدار کا سنگھاسن ڈگمگاتا ہوا نظر آنے لگا اور وہ ان اصلاحی کوششوں کو ناکام کرنے پر تل گیا ۔ آخر کار اس کے سوا اور کائی چارہ کار نہ رہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائیں۔

بنی اسرائیل کی پوری تاریخ ہی دین سے دوری ، نا فرمانی اور سرکشی سے لبریز ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری قوم نے دیکھ لیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کو فرعون کے ظلم و استحصال سے نجات دی اور پھر اُن ظالموں کو اُن کے آنکھوں دیکھتے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا ۔ پھر سینا کے صحرا میں اُن کو بھوک اور پیاس اور دھوپ سے محفوظ رکھا ۔ مگر یہ قوم کہ غلامانہ ذہنیت ہی جس کی سرشت بن چکی تھی مصریوں کے عقائد سے بری طرح متاثر ہو چکی تھی اور مصریوں کے مشرکانہ تمدن میں رنگی جا چکی تھی ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چند دن کی غیر حاضری کے دوران شرک جیسی قبیح برائی میں مبتلا ہو گئی۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ (الاعراف : 148)

" موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اس قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی ۔ کیا اُن کو نظر نہ آیا کہ وہ نہ اُن سے بولتا ہے اور نہ کسی معاملہ میں اُن کی راہنمائی کرتا ہے ۔ مگر پھر بھی انہوں نے اسے معبود بنا لیا اور وہ سخت ظالم تھے۔"

پوری قوم کی بے حسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو قوم کو اُس کی اس روش پر نکیر کرتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے واپس آکر قوم کو اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اسلامی ضابطہ سے روشناس کیا ، اور اسے اختیار کرنے کی تلقین کی :

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٤٥﴾ (الاعراف : 145)

" اور ہم نے موسیٰ کو ہر شعبہ زندگی کے متعلق نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت تختیوں پر لکھ کر دے دی اور اس سے کہا کہ ان ہدایات کو مضبوط ہاتھوں سے سنبھال اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کے بہتر مفہوم کی پیروی کریں ۔ عنقریب میں تمہیں فاسقوں کے گھر دکھاؤں گا۔"

مگر یہ قوم فقہی موشگافیوں میں پڑ گئی اور مختلف حیلوں سے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالتی رہی ۔ بنی اسرائیل سے وعدہ کیا گیا تھا کہ خطہ فلسطین میں اسے آباد کیا جائے گا تاکہ وہ وہاں ایک اسلامی ریاست قائم کر کے دنیا کی گمراہی کی گھمبیر تاریکیوں میں ہدایت کی مشعل روشن کرے ۔ مگر یہ لوگ جہاد سے جی چرانے لگے ۔ آخر اس بد بخت قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا :

فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ (المائدہ : 24)

" تم اور تمہارا رب ہی جا کر دشمنوں سے لڑو ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔"

اُن کے جہاد سے جی چرانے پر اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس اس نسل پر حرام کر دی اور وہ نسل جو اُس وقت موجود تھی اس کا ایک فرد بھی (حضرت موسیٰ کے دو مخلص صحابیوں کے سوا) فلسطین میں داخل نہ ہو سکا ۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کئی برس بعد ارض فلسطین فتح ہوئی ۔ وہ بھی شاید نئی نسل کی اسلامی تربیت کے بعد ۔ مگر اس قوم کی سرشت میں نا فرمانی گویا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ، ان لوگوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ۔ اللہ کی آیات کی غلط اور من مانی تاویلیں کر کے کتاب اللہ کو اپنی خواہشات نفس کے تابع بنا لیا ۔ مشرک قوموں کے اثرات قبول کر کے شرک و جاہلیت کے ہر فتنے میں مبتلا ہوئی ۔ شریعت الٰہی کے احکام کو مسخ کیا اور دین کی روح کو یکسر ختم کر دیا ۔ اُن کی اصلاح اور اقامت دین کے لیے انبیاء کرام اور مصلحین اٹھے تو اُن کو جھٹلایا اور اُن کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی حتیٰ کہ بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو پھانسی پر چڑھا دیا۔

فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾ (المائدہ : 70)

" انہوں نے (نبیوں کے) ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے سبت کے دن کو اُن کے لیے فراغت کا دن بنایا تھا مگر اس دن میں انہوں نے اللہ کے حکم کی نا فرمانی کی۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ (البقرہ : 65)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" اور تمہیں اُن کا معاملہ تو معلوم ہے جنہوں نے سبت کے روز زیادتی کی تھی تو ہم نے اُن سے کہا تم دھتکارے ہوئے بندر ہو جاؤ۔"

سر زمین فلسطین میں وہ کوئی مضبوط حکومت قائم نہ کر سکے ۔ جتنے قبیلے تھے اتنی ہی ریاستیں وجود میں آ گئیں اور ہر ریاست اقامت دین سے غافل تھی ۔ فلسطین اور شام کی اصل قوموں حِتّیوں، اموریوں، کنعانیوں، فرِزیوں وغیرہ قوموں میں بد ترین قسم کا شرک اور اس پر مبنی انتہائی ظالم اور گندہ معاشرہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم موجود تھا کہ مشرک اور ظالم قوموں کو جہاد اور تبلیغ سے ختم کر کے فلسطین میں اسلامی ریاست قائم کی جائے ۔ مگر بنی اسرائیل کی جہاد سے غفلت اور تن آسانی کی وجہ سے نہ تو ان قوموں کا قلع قمع ہو سکا اور نہ کوئی متحدہ اسلامی ریاست قائم ہو سکی ۔ اس انتشار کی وجہ سے وہ شرک اور بد علمی کی اُن تمام آلائشوں میں ملوث ہو گئے جن میں پہلی قومیں لتھڑی ہوئی تھیں ۔ ان مشرک قوموں کی اعتقادی گمراہیوں اور عملی برائیوں سے بچنے کی انہیں خاص تلقین کی گئی تھی ، مگر یہ اُن قوموں کے مشرکانہ اعتقادات اور اُن کی تہذیب کو اپنائے بغیر رہ نہ سکے ۔ اسرائیلیوں نے انہی تاریک اور تباہ کن راستوں کو اختیار کر لیا جن سے دنیا کو بچانے کے لیے انہوں نے اپنے خدائے بزرگ و برتر سے عہد کیا تھا ۔ مشرک قوموں سے اختلاط کی وجہ سے اپنے قومی تشخص ، اپنے تمدن کی انفرادیت ، اپنے مبنی بر وحی اعتقادات اپنے نظریہ حیات کی حفاظت میں وہ ناکام رہے ۔ جہاد سے جی چرانے لگے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک.وہ پوری طرح مشرک قوموں کے تہذیب و تمدن میں رنگے جا چکے تھے ۔ مگر شاید ابھی اُن کی مکمل رسوائی اور ذلت مطلوب نہ تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور مہلت دی ۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے اُن کی اصلاح کی کوشش کی ۔ ان کے اعتقادات کی تطہیر کی اور ان کے اندر جہاد کی روح پھونکی اور تباہی کی طرف کشاں اور رواں دواں قوم کو ایک بار سنبھالنے میں کامیاب ہو گئے ۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اسرائیلیوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا ۔ بنی اسرائیل پھر دوبارہ ریاستوں میں تقسیم ہو گئے اور بد عملی کی آلائشوں میں گردن تک دھنس گئے ۔ آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آ لیا۔

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِي ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٤﴾ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٥﴾ (بنی اسرائیل : 4-5)

"اور ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس فیصلے سے خبردار اور متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے ۔ آخر کار جب پہلی سرکشی کا موقع آیا تو اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے ۔ وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے ۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔"

اور اللہ تعالیٰ کی یہ وعید اس طرح پوری ہوئی کہ پہلے آشوریوں نے اسرائیل کی ریاست سامریہ کو تاخت و تاراج کیا ۔ وہاں کے اسرائیلیوں کو شام اور دوسرے ملکوں میں تتر بتر کر دیا ۔ اُن کی تہذیب کو ملیا میٹ کیا ۔ اُن کی نسل کشی کی ۔ پھر کچھ عرصہ بعد اہل بابل نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا ۔ تمام معابد کو منہدم کر دیا ۔ تورات کے تمام نسخے جلا دیے ۔ قتل عام کیا گیا۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی ۔ اس عذاب سے انہیں کہیں پناہ نہیں ملی ۔ چاروں طرف سہمے ہوئے بچے تھے جن کو غلام بنا لیا گیا تھا ۔ دم توڑتی ہوئی عصمتوں کی چیخ و پکار تھی اور نا فرمان جوانوں کی بے بسی تھی ۔ اُن کے عالم اور ربی اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعائیں کر رہے تھے ۔ مگر دعا کی قبولیت کا وقت تو جا چکا تھا ۔ مہلت ختم ہو چکی تھی ۔ تباہی کے کھڈ میں لڑھکی ہوئی قوم کو بے وقت دعائیں کیسے بچا سکتی ہیں -------- بچے کھچے اسرائیلیوں کو اہل بابل ریوڑوں کی طرح ہانک کر بابل لے گئے جہاں کی زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر تھی ۔ وہ موت کے لیے پکارتے مگر موت ان سے دور بھاگتی تھی اور ذلت و رسوائی سامنے تھی ۔ یوں وہ سالہا سال تک اس ذلت ناک عذاب میں مبتلا رہے ۔ اللہ کی کتاب سے محروم کر دیے گئے ۔ اپنی تہذیب اور اپنی روایات سے بیگانہ ہو کر رہ گئے ۔ ان کی قومی زبان عبرانی تک باقی نہ رہی۔

آخر کار اُن میں اس زمانے کے نبی حضرت عزیر علیہ السلام پیدا ہوئے ۔ انہوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ۔ انہوں نے تورات دوبارہ مرتب کی ۔ ان کے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں سے بنی اسرائیل میں دینی روح بیدار ہوئی اور انہوں نے من حیث القوم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگی ۔ تب اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ایک بار پھر انہیں ڈھانپ لیا ۔ ایرانی بادشاہ ذو القرنین (سائرس یا خورس یا خسرو) نے بابل کی بت پرست سلطنت کا خاتمہ کر کے اسرائیل کو رہا کر دیا اور اُن کو دوبارہ فلسطین میں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کی اجازت دے دی ۔ یوں ایک مرتبہ پھر بنی اسرائیل فلسطین میں اپنی آزاد ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی ۔ ایک مرتبہ پھر اسرائیلی اندرونی انتشار اور انفاق کا شکار ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی ان پر مسلط ہو گئے۔

یونانیوں نے اُن کی تہذیب کو بیخ و بن سے اکھاڑنا شروع کیا حتیٰ کہ بیت المقدس اور دیگر عبادت گاہوں میں بت رکھوا دیے ۔ یونانیوں کے بعد رومیوں نے اُن کی جگہ لے لی ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے تک اس نا فرمان قوم کی سرکشی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ انہوں نے حضرت یحیٰی علیہ السلام جیسے پاکباز اور معصوم انسان کو شہید کر دیا ۔ اُن کا اجتماعی ضمیر اس قدر مردہ ہو گیا تھا کہ اس نیک انسان کے قتل کے خلاف پوری اسرائیلی قوم میں ایک آواز نہ اُٹھی ۔ پھر حضرت مسیح کو ستانے اور اُن کو ایذا پہنچانے کی حد کر دی ۔ اُن کو نعوذ باللہ ولد الزنا کہا گیا ۔ اُن کی تضحیک کی گئی ۔ آخر کار اُن کو بغاوت کے جھوٹے الزام میں رومی کافرانہ عدالت کے حوالے کر دیا ۔ تب حضرت مسیح علیہ السلام نے اُن کو اس درد ناک عذاب کی خبر دے دی جو اس بد کردار اور مقہور قوم پر ٹوٹنے والا تھا۔

" اے یروشلم ! تو جو نبیوں کو قتل کرتا جو تیرے پاس بھیجے گئے اور اُن کو سنگسار کرتا ہے ۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تو نے نہ چاہا ۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے ۔" (متی : باب 23 : 37-38)

" میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے ۔" (متی : باب 24 : 2)

" اے یروشلم کی بیٹیوں میرے لیے نہ رؤو اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے رؤو کیونکہ دیکھو وہ دن آتے ہیں جب کہیں گے کہ مبارک ہیں بانجھیں اور وہ پیٹ جو نہ جنے اور وہ چھاتیاں جنہوں نے دودھ نہ پلایا ۔ اس دن وہ پہاڑوں سے کہنا شروع کریں گے کہ ہم پر گر پڑو اور ٹیلوں سے کہ ہمیں چھپا لو ۔" (لوقا : باب 23 : 28-30)

اور قرآن کریم نے اس گزرے ہوئے ذلت آمیز عذاب کی ان الفاظ میں خبر دی ہے ۔

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ ٱلْـَٔاخِرَةِ لِيَسُـٔۥٓـُٔوا۟ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا۟ مَا عَلَوْا۟ تَتْبِيرًا ﴿٧﴾ (بنی اسرائیل : 7)

" پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو مسلط کر دیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑیں اور مسجد (بیت المقدس) میں اُسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر اُن کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیں ۔"

یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کی ۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد رومیوں نے لاکھوں یہودیوں کو تہہ تیغ کر دیا ۔ ہزاروں معصوم بچوں کو غلام اور لاکھوں خوبصورت اور نوجوان لڑکیاں اپنے ساتھ لے گئے ۔ ہزاروں آدمیوں کو جنگلی جانوروں سے پھڑوا دیا گیا اور بے شمار انسانوں کو جنگی وحشیانہ کیمپوں میں محصور کر دیا گیا ـــــ ہیکل سلیمانی کا کوئی پتھر ایسا نہ تھا جو اپنی جگہ چھوڑ دیا گیا ہو ـــــ مقہور اسرائیلی قوم دنیا میں انتہائی ذلت کے ساتھ تتر بتر کر دی گئی اور فلسطین میں اس کا داخلہ تک بند کر دیا گیا ۔

وَقَطَّعْنَٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أُمَمًا (الاعراف: 168)

" ہم نے اُن کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی قوموں میں تقسیم کر دیا ۔"

اور اس طرح دنیا کی ایک عظیم قوم اپنی بد کرداری اور اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی اور اپنے عہد کو فراموش کر دینے کی بناء پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پستیوں میں لڑھکا دی گئی ۔ قرآن کریم کی روشنی میں قوموں کے عروج و زوال کے اس سرسری مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ جب کوئی قوم مادی خوشحالی ، ، بلند معیار زندگی اور ایک پُر آسائش حیات ہی کو اپنا مقصد زیست بنا لے ، اور پھر اس کی خاطر اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی ، جبر و استحصال ، ظلم و تعدی اور ناتواں ، کمزور اور بے بس عوام کی حق تلفی کو اپنا شعار بنا لے ، اللہ تعالیٰ اسے اپنے کیے ہوئے عہد وفا کو پس پشت ڈال دے ، رزیلوں کو اپنا حاکم اور شریفوں کو اپنے معاشرہ میں نکو بنا کر رکھ دے تو ، اس کے بعد سنت الٰہی کے مطابق ، عذاب خداوندی کا کوڑا اس پر برس کر رہتا ہے ، اور ایسی قوم کی تباہی قضائے مُبرم بن جاتی ہے ، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت بے پایاں کے تصدق میں ہم کو اس انجام بد سے محفوظ رکھے اور ہم گناہگاروں کے قلوب میں احساس زیاں بیدار کر کے ہمیں اپنی سچی اطاعت کی توفیق سے بہرہ یاب کر دے ۔ (آمین)

" قرآن کلام الٰہی ہے، اس کے غوامض غیر محدود ہیں۔ اس سمندر سے ہر غواص کو موتی ملتے رہیں گے۔ ترجمہ و تفسیر مترجم و مفسر کی ذہنی و علمی استعداد اور فہم کا اظہار ہے۔ کسی ترجمے کو ایک حد تک، صرف ایک حد تک حرف آخر کہہ سکتے ہیں۔ تفسیر کو نہیں۔ ترجمہ و تفسیر کا کام بہت محنت طلب ہے اور قرآن سے محبت کا ثبوت ہے جن لوگوں نے یہ کام کیا، اللہ تعالیٰ ان کی محنت و محبت کو قبول فرمائے۔ کچھ فرد گزاشتیں ہیں ، فہم کی نارسائیاں ہیں، علم کی کوتاہیاں ہیں، اللہ انہیں معاف فرمائے۔ ہم ان مقدس ہستیوں کے احسان مند ہیں لیکن ہماری وفاداری قرآن سے ہونی چاہیے۔ کسی مترجم و مفسر کی ذات سے نہیں۔ اس لیے کسی جگہ کوئی نقص یا کوتاہی نظر آئے تو ایمان کا تقاضا ہے کہ بصد ادب اس کی نشاندہی کر دی جائے ، ورنہ شخصیت پرستی کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔ کوئی شخص تنقید سے بالاتر نہیں۔ حافظ ذہبی کا قول ہے: ہر امام کے قول میں اخذ و ترک سے کام لیا جائے گا بجز امام المتقین (ﷺ) ۔" (راجی رضوان کی کتاب قرآن اور پاکستانی معاشرہ" سے ایک اقتباس)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر عبدالمغنی

قرآن کا فلسفہ تاریخ

قرآن مجید فلسفے کی کتاب ہے اور نہ تاریخ کی، لیکن اس میں فلسفہ بھی ہے اور تاریخ بھی، ٹھیک جس طرح دیگر علوم و فنون کے آخری مسائل کے متعلق بنیادی ہدایات کتاب اللہ کی آیات میں موجود ہیں اسی طرح تاریخ اور اس کے فلسفے کے متعلق بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے تاریخ کا جو نتیجہ خیز استعمال اپنے آفاقی پیغام کی ترسیل کے لیے کیا ہے وہی اس کا فلسفہ ہے۔ قرآنی فلسفہ تاریخ دراصل ایک مکمل تصور حیات ہے، جو کائنات اور اس میں زندگی کا ایک معین نظریہ پیش کرتا اور انسانی معاشرت کا ایک واضح نظام ترتیب دیتا ہے۔ تہذیب و تمدن کے اہم ترین اصول و اقدار اسی نظریہ و نظام سے وابستہ ہیں اور فروغ و ترقی کی راہیں بھی اسی سے روشن ہوتی ہیں۔ یہ اصول و اقدار وہ ابدی حقائق ہیں جو نوامیس فطرت ہیں اور خدا کی قدرت و مشیت کا ظہور انہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ہستی کی تخلیق اور وجود کے ارتقا کے سارے اسرار و رموز کا مرکز و مرجع یہی اسرار و رموز ہیں اور زمانہ انہی کے محور پر گردش ہوتا ہوا اپنی منزل مقصود کی طرف پیہم رواں ہے۔ اس طرح قرآنی فلسفہ فی الواقع تاریخ کے مقاصد کا تعین اور اس کے اثرات کی تصریح کرتا ہے۔ یہ ایک جامع اور مؤثر فلسفہ تاریخ ہے، جو ازل سے ابد تک تمام مظاہر صداقت پر محیط ہے۔ اس کا علم انسان کو حقیقت کی کلید عطا کرتا ہے، جس سے حسن عمل کی تحریک پیدا ہوتی ہے، شعور کی تربیت ہوتی ہے اور کردار کی تعمیر۔ یہ تاریخ کی وہ بہترین تعبیر ہے جس کا فہم ہی صلاح و فلاح کا ضامن ہے۔

تاریخ معروف معنوں میں ایک قسم کی وقائع نگاری اور روداد نویسی ہے، جس میں انسان کے ماضی کی سرگزشت اعداد و شمار کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ عام طور پر تاریخ کو کسی قوم یا پوری نوعِ انسانی کا حافظہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس لفظ سے ظاہر ہے، ماہ و سال کے تعین کے ساتھ تاریخ ایام گزشتہ کا حساب پیش کرتی ہے۔ اس میں واقعات کا اندراج اس طرح ہوتا ہے کہ گزرے ہوئے زمانے کے جلوے نظر آنے لگتے ہیں اور آدمی گویا ایک پرانی فلم دیکھنے لگتا ہے۔ لیکن انسانوں کی لکھی ہوئی تاریخوں میں عام طور پر واقعات میں رنگ آمیزی کی جاتی ہے اور بعض اوقات حقائق مسخ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کی کئی وجہیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ مؤرخ کے تعصبات تاریخ میں در آتے ہیں، دوسرے نام نہاد قومی مفادات کے لیے تاریخ کا استحصال کیا جاتا ہے، تیسرے ہر دور کے رسم و رواج کا عکس تاریخ پر پڑتا ہے، چوتھے یہ کہ اکثر تاریخیں بادشاہوں، امیروں اور حاکموں کی سرگزشت ہیں، جس میں ان کی فتوحات کا حال درج ہوتا ہے اور بالعموم جنگوں کا روزنامچہ ترتیب دیا جاتا ہے، علمی، تعلیمی، تمدنی اور تہذیبی امور سے کم ہی بحث کی جاتی ہے گرچہ کچھ اقتصادی، کچھ صنعتی اور کچھ زراعتی و تجارتی مسائل کا ذکر بعض اوقات کیا جاتا ہے۔ ہر حال میں سیاست بالعموم تاریخ کے صفحات پر چھائی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات کے اخلاقی اسباب و نتائج کا سراغ لگانے کی کوشش شاذ و نادر کی جاتی ہے۔ عصر حاضر میں ایک مدت تک تاریخ نویسی کا انداز یہی رہا ہے اور حالات کے بصیرت افروز تجزیے سے گریز کیا جاتا رہا ہے۔ یہ تجزیہ ہی دراصل فلسفہ تاریخ ہے اور عام طور پر مورخین گویا اسے تاریخ سے الگ کر کے نظر انداز کرتے رہے ہیں۔

یہ جدید تاریخ نویسی کی سب سے بڑی کمی رہی ہے، جس کی ذمہ داری مغربی مؤرخوں پر عاید ہوتی ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنی حکومتوں کے نو آبادیاتی اور سامراجی مقاصد کا آلہ کار بن کر ایک ایسی تاریخ سازی کو رواج دیا جسے معروضی قرار دینا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں علمی تحقیق و تفتیش کی جتنی بھی داد دی گئی ہے سب کے محرکات سیاسی ہیں، خاص کر مشرق کے آثار قدیمہ کی جو دریافت مغربی مستشرقین نے کی ہے اس کا مقصود بسا اوقات ایشیا و افریقہ کی، بیسویں صدی کے نصف اول تک، قوموں کے ذہن و مزاج کو بگاڑنا تھا۔ تاکہ وہ مغرب سے مرعوب ہو کر اخلاقی طور پر غیر مسلح ہو جائیں اور سامراجی نو آبادکاری، آسانی سے ایک طویل عرصے کے لیے ان کے دماغ و دل پر قابو پالیں۔ یہی وجہ ہے کہ اول تو مغربی اقوام کی تاریخ، انسانیت کے عہدِ زریں کی شکل میں پیش کی گئی، دوسرے مشرقی اقوام کی تاریخ میں صحیح عناصر و عوامل کی قیمت پر غلط عناصر و عوامل کو نمایاں کیا گیا۔ درحقیقت تاریخ کا یہی وہ استحصال ہے جس کے نتیجے میں آزادی کے بعد بھی، تقریباً نصف صدی سے ایشیا و افریقہ میں انتشار کا دور دورہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تاریخی اسباب کے تحت بالخصوص دو عالمی جنگوں کے باعث، یہی زمانہ خود اہل مغرب کے مادی عروج کے باوجود یورپ اور امریکہ، سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکی آمریت دونوں کے خطوں میں ان کے اخلاقی زوال کا بھی ہے، جس کے زیرِ اثر ہی حالات سے عبرت پذیری کی وہ لہر چلی ہے جس نے بعض مغرب مؤرخوں کو فلسفہ تاریخ کی وہ راہ دکھائی ہے جس کی طرف رہ نمائی صدیوں پہلے قرآن مجید نے کی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی عیسوی (1332ء) میں ایک ایسا مسلم مورخ و فلسفی پیدا ہوا جسے دنیا ابن خلدون کے نام سے جانتی ہے اور اسی شخص (ابو زید ولی الدین عبد الرحمن) نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد اپنی مشہور کتاب مقدمہ ابن خلدون میں رکھی اور آج تک سب سے بڑا مورخ فلسفی یا فلسفی مورخ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب عمرانیات (Sociology) کا پہلا سبق ہے جو اہل علم کو ملا۔ اس میں جغرافیہ سے نفسیات تک انسانی معاشرت کے ان تمام اجزائے ترکیبی سے بحث کی گئی ہے جو قوموں کی تشکیل و تعمیر کرتے ہیں، پھر قانون قدرت کے مطابق اور تقدیر الٰہی کے تحت مختلف وقتوں اور جگہوں میں مختلف معاشروں کے عروج و زوال کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ انسانی احوال کی بہترین توجیہہ و تشریح ہے جو براہ راست قرآنی بصیرت کی روشنی میں کی گئی ہے۔ ابن خلدون ایک عالم دین تھا، جس کی تعلیم حفظ قرآن کے بعد تفسیر و حدیث، فقہ، علم کلام، معانی و بیان، فلسفہ و منطق، شاعری، دیگر ادبیات اور علم السنہ پر مشتمل تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے علمی افکار اور سیاسی تجربات سے کام لے کر تاریخ کا ایک ایسا مطالعہ و تجزیہ کیا جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی تھا۔ تاریخ و عمرانیات کے علاوہ ابن خلدون سیاسیات (Political Science) کا بھی معلم اول ہے اور اہل نظر اسے طبعیات (Physics) میں نظریہ ارتقا (Theory of revolution) کا بانی بھی قرار دیتے ہیں، جبکہ معاشیات (Economics) کے اولین مباحث بھی اس سے منسوب کیے جاتے ہیں، گرچہ اسے ڈارون اور مارکس کے مخصوص مادی و حیوانی بقائے اصلح اور خالص طبقاتی جدلیات کا پیش رو تصور کرنا مناسب و معقول نہیں ہوگا۔ فی الواقع ابن خلدون نے تاریخ کا بین العوامی (Inter disciplinary) مطالعہ کیا اور واقعات عالم کو ایک سلسلہ اسباب و علل کے نتائج کے طور پر پیش کیا۔

اس طرح اس نے تاریخ کو اخلاقیات (Ethics) پر مبنی ثابت کر کے اجتماعی (Social values) کا سراغ لگایا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ در حقیقت ایک تذکیر ہے، جو دراصل قرآن کے پیام حقیقت سے ماخوذ ہے۔ یہ تاریخ کی وہ حرکی (Dynamic) تعبیر ہے جو کارل مارکس کی میکانکی (Mechanical) تعبیر سے بدرجہا بہتر اور صحیح معنوں میں ایک حکیمانہ ترجمانی (Scientific interpretation) ہے۔

عصر حاضر کے سب سے بڑے مورخ، آرنلڈ ٹوائن بی (Arnold Toynbee) نے اپنی کتاب ایک مطالعہ تاریخ (A study of history) میں وہی فلسفہ تاریخ پیش کیا ہے جس کی بناء ابن خلدون نے چھ سو سال قبل ڈالی تھی۔ ٹوائن بی کے بعض افکار سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قرآنی نظریہ حیات سے ابن خلدون نے روشنی پائی تھی اس کا کچھ عکس ٹوائن بی پر بھی پڑا ہے۔ اس کا ایک ثبوت اس کی کتاب "تمدن کی آزمائش" (Civilization of trial) میں ملتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ جدید دور میں انسانی امن و اتحاد کا واحد اصول اسلامی تصور توحید ہے، اس لیے کہ اسی کے ذریعے رنگ و نسل اور طبقہ و علاقہ کے تفرقت ختم ہو کر ایک عالمی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر ہی وہ عالمی ریاست قائم ہو سکتی ہے جو آج کی دنیا کے تمام جھگڑوں کو ایک نظریاتی انداز سے طے کر کے عام حریت، اخوت اور مساوات کی قدروں کو فطری طور پر فروغ دے سکتی ہے۔ اسی طرح ایک فلاحی ریاست (Welfare State) کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے، ورنہ مادی ترقیات اور ان کے ڈھالے ہوئے مہلک اسلحے عالمی تباہی اور زوال آدم خاکی کا سامان کریں گے، اس لیے کہ اسلامی توحید کے سوا کوئی تصور انسانیت کی شیرازہ بندی کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن کا فلسفہ تاریخ دراصل اسلام کے اخلاقی تصور زمان پر مبنی ہے، جس کی نہایت مختصر، جامع، پر اثر اور فکر انگیز تشریح سورہ عصر کی آیات میں پائی جاتی ہے۔

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾

"زمانے کی قسم، انسان در حقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔" (ترجمہ قرآن مجید از مولانا مودودی)

اس ترجمہ پر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیری حاشیہ ان الفاظ میں لگایا ہے:

"زمانہ سے مراد گزرا ہوا زمانہ بھی ہے اور گزرتا ہوا زمانہ بھی۔ اس کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ بھی گواہ ہے جو زمانہ اب گزر رہا ہے وہ بھی شہادت دیتا ہے کہ وہ بات برحق ہے جو آگے بیان کی جا رہی ہے۔"

یہ بات ایمان، عمل صالح، حق کی تبلیغ اور اس کی راہ میں صبر ہے، یعنی فرد کے صالح شعور و کردار کے ساتھ ساتھ معاشرے کی حق کوشی ہے وہ ضمانت ہے جو انسان کو زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھ سکتی ہے، ورنہ وقت کسی کی رعایت نہیں کرتا اور تاریخ کے دھارے ہر چیز کو اپنی لہروں میں بہا لے جاتے ہیں۔ حسب ذیل آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے:

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٤﴾ (نور: 34)

"ہم نے صاف صاف ہدایت دینے والی آیات تمہارے پاس بھیج دی ہیں، اور ان قوموں کی عبرت ناک مثالیں بھی جو تم سے پہلے ہو گزری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور وہ نصیحتیں ہم نے کر دی ہیں جو ڈرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔" (مودودی)

آیات الٰہی کا تعلق ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل سے بھی ہے۔ کائنات کے مظاہر مسلسل انسان کی بصیرت کا سامان کر رہے ہیں:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ (حم السجدہ:53)

" عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔"

گردشِ ایام کا مقصد ایک امتحان ہے جو اس دنیا میں انسان کو ہر وقت دینا ہے اور مومن و کافر کسی کو اس سے مفر نہیں ہے:

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ (آل عمران:140)

" یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی راستی کے گواہ ہیں۔"

اس کا نام تو قانونِ قدرت ہے جسے قرآن " سنت اللہ" کہتا ہے اور ناقابلِ تغیر ہے۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾ (احزاب:62)

" یہ اللہ کا دستور ہے جو گزشتہ لوگوں میں جاری رہا ہے اور تم میں اس دستور میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ (بنی اسرائیل:77)

" یہ ہمارا مستقل طریقہ کار ہے جو ان سب رسولوں کے معاملے میں ہم نے بھیجا تھا، اور ہمارے طریق کار میں تم کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔"

یہی تاریخ انسانی کا وہ دستور العمل ہے جسے قرآن مجید نے تاریخ کو " قصص" قرار دے کر " اعتبار" یعنی عبرت پذیری کے لیے آفاقی اور ابدی طور پر تشکیل دیا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف:111)

" ان کے قصوں میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔"

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾ (النازعات:26)

" اس واقعے میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے سامانِ عبرت ہے۔"

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٢﴾ (الحشر:2)

" اے دیدہ ورو! عبرت حاصل کرو۔"

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ (النمل:69)

" ان سے کہو روئے زمین پر گھوم پھر کر مشاہدہ کریں کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا۔"

اس سلسلے میں قرآن کریم نے ایک قاعدے کی بات عمومی انداز سے بیان کر دی ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ (ہود:120)

" اور اے نبی! یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ ان کے اندر تم کو حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی۔"

آخری آیت سے قرآنی فلسفہ تاریخ کے حسب ذیل مقاصد اور نتائج معلوم ہوتے ہیں۔

1 اطمینان قلب اور اعتماد نفس
2 علم حقیقت
3 درس و نصیحت
4 بیداری شعور

یہ تنبیہ، تذکیر، تحقیق اور تسکین کے نکات ہیں، جن میں ہر ایک کے چند در چند مضمرات و اثرات ہیں۔ قرآن نے بہت ہی وسیع تاریخی مواد کے حوالے سے اپنے مخصوص فلسفے کا پیام عالم انسانیت کے لیے مرتب کیا ہے۔ اغوائے آدم کی قدیم ترین تاریخ سے لے کر اصحاب فیل کی جدید ترین تاریخ اور ذوالقرنین کے قصہ پارینہ سے روم و ایران کی تازہ ترین کش مکش تک واقعات کا ایک سلسلہ ہے جسے جا بجا اور بعض اوقات بار بار پیش کر کے کتاب اللہ نے خاص قسم کے تاثرات قارئین کو دیے ہیں، تاکہ وہ غور و فکر سے کام لے کر زمانے کے حقائق سے عبرت و بصیرت حاصل کریں۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت نوح، حضرت داود و سلیمان علیہم السلام کی سرگزشت کا حوالہ بہ کثرت دیا گیا ہے۔ حضرت یوسف کے قصے کو احسن القصص قرار دیا گیا ہے۔ عاد و ثمود کی داستان بہ تکرار بیان کی گئی ہے۔ اصحاب کہف کی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ فرعون و قارون کو نمونہ عبرت بنا دیا گیا ہے۔ یاجوج و ماجوج کا ذکر معنی خیز طریقے پر کیا گیا ہے۔ لقمان کی نصیحتوں کا اندراج بھی ہے اور طالوت و جالوت کے معرکوں کا بھی۔ ملکہ سبا کی کہانی ایک طرف ہے اور حضرت مریم کا واقعہ دوسری طرف۔ تخلیق آدم سے رفع عیسیٰ تک تاریخ انسانی کو اوہام و اساطیر سے پاک کر کے صداقتوں کو روشن کیا گیا اور انکشاف کیا گیا ہے کہ نہ تو حضرت آدم گناہ کا بوجھ لے کر دنیا میں آئے نہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دی گئی۔ حضرت ابراہیم کی سچی روداد بیان کر کے بنی اسرائیل پر واضح کر دیا گیا ہے کہ صحیح معنے میں دین و ملت کے پیغمبرانہ ورثے کیا ہیں۔ پوری انسانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ کو انبیاء و رسل کا ایک سلسلہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عالم انسانیت کے حقیقی ہیرو وہی ہیں۔ معجزات کی طلب سے ان کے انکار تک یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ آدمی کا ذہنی ارتقاء کس طرح عہد بہ عہد ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ معراج النبی نے معراج انسانیت کا سامان کر دیا۔

یہ سب باتیں اس بنیاد پر کی گئی ہیں کہ قرآن حکیم نے کائنات کے مشاہدہ و مطالعہ کے لیے جن ذریعوں اور طریقوں پر زور دیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1 نفس انسانی کی ساخت اور کارفرمائی پر غور و فکر
2 آفاق میں مسلسل ظہور پذیر قدرت خداوندی کے دلائل پر سوچ بچار
3 تاریخی واقعات اور سرگزشت آدم کی تلاش و جستجو

اگر ان تینوں موضوعات کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر کے دیکھا جائے، جیسا قرآن نے اشارہ کیا ہے، تو معلوم ہو گا کہ تاریخ انسانی بجائے خود ایک مرکب عنصر ہے، یہ محض واقعات و حادثات کا ایک سلسلہ نہیں ہے، لہٰذا اس کے صحیح فہم کے لیے ایک طرف زمین سے آسمان تک تمام جغرافیائی مظاہر، طبعی قوانین اور کائناتی اصول سے واقفیت ضروری ہے تو دوسری طرف انسانی جسم و روح کی تشکیل و ترقی کی آگہی بھی، یعنی حیات و کائنات کے ارتقا کا پورا علم۔ اس وسیع تناظر میں ہی تاریخ کا وہ الوہی فلسفہ ابھرتا ہے جس کی ترتیب آیات قرآنی نے کی ہے۔ یہ فلسفہ انسان کو تخلیق کے مقاصد سے آگاہ کر کے اسے اپنی سیرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی تعمیر و ترقی کے لیے آمادہ کرتا ہے، تاکہ آفاقی سطح اور ابدی طور پر فروغ انسانیت ہو اور عروج آدم خاکی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جائے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ کا آغاز تخلیق حیات کے سب سے پہلے لمحے اور مرحلے سے ہی ہو جاتا ہے، پھر اس کا ارتقا کائنات کی پیہم ترقی کے ساتھ ہوتا رہتا ہے، جبکہ آخرت کا حساب و کتاب تاریخ کے تمام افعال و اعمال اور حرکات و سکنات کا ایک منصفانہ جائزہ ہے۔ جس کے بعد جزا و سزا کا ذکر کر کے قرآن حکیم نے اس قانون فطرت کی نشاندہی کر دی ہے جس پر زمانے کی ساری سرگرمیاں مبنی رہی ہیں۔ یہی قانون جسے قانون مکافات کہا جا سکتا ہے وہ قرآنی فلسفہ تاریخ ہے جو زندگی کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھا کر انکشاف حقیقت کرتا ہے۔ حسب ذیل آیات اس فلسفے کی تمام جہتوں کا احاطہ کر کے اس کے سب مضمرات واضح کر دیتی ہیں:

1- هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴿١﴾ (الدہر:1)

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟"

2- اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾ (العلق:1-5)

"پڑھو اے نبی! اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔"

3- لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾ (الانشقاق:19)

"تم کو ضرور درجہ بہ درجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے۔"

4- إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾ أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ﴿٢٨﴾ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿٢٩﴾ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ﴿٣٠﴾ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ (النازعات:26-33)

"درحقیقت اس میں بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرے۔ کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اس کو بنایا، اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی، پھر اس کا توازن قائم کیا، اور اس کی رات ڈھانکی اور اس کا دن نکالا۔ اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا، اس کے اندر سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں گاڑ دیئے، سامان زیست کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔"

5- كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ (مدثر:38)

"ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے۔"

6- وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ (نوح:14)

"تخلیق کے مختلف مدارج اور اطوار سے گزرتا ہوا تمہیں موجودہ حالت پر لایا ہے۔"

7- تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١﴾ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:1-2)

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔"

8- إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ (القمر:49)

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔"

9- وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ ۖ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾ (البقرہ:40)

"ان لوگوں کے سامنے پچھلی قوموں کے وہ حالات آ چکے ہیں جن میں سرکشی سے باز رکھنے کے لیے کافی سامان عبرت ہے اور ایسی حکمت جو نصیحت کے مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے مگر تنبیہات ان پر کارگر نہیں ہو رہیں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

10- يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا۟ بِعَهْدِىٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّٰىَ فَٱرْهَبُونِ ﴿٤٠﴾ (البقرہ:40)

"اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی۔ میرے ساتھ جو تمہارا عہد تھا اسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں، اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔"

11- تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾ (البقرہ:134)

"وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لیے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔"

12- كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةًۢ بِإِذْنِ ٱللَّهِ (البقرہ:249)

"بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔"

13- وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ ٱلْأَرْضُ (البقرہ:251)

"اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔"

14- مَّا يَفْعَلُ ٱللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَءَامَنتُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾ (النساء:147)

"آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے، اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔"

15- مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِى ٱلْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ۚ (المائدہ:32)

"اسی وجہ سے بنی اسرائیل کے لیے ہم نے یہ فرمان لکھ دیا کہ جس کسی نے انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔"

16- وَهُوَ ٱلَّذِى جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ ٱلْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِى مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ ٱلْعِقَابِ وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌۢ ﴿١٦٥﴾ (الانعام:165)

"وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیئے۔ تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔"

17- وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ (الاعراف:34)

ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی۔"

18- أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ ٱلْأَرْضَ مِنۢ بَعْدِ أَهْلِهَآ أَن لَّوْ نَشَآءُ أَصَبْنَٰهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ ٱلْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَمَا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوا۟ بِمَا كَذَّبُوا۟ مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٠١﴾ (الاعراف 100-101)

"اور کیا ان لوگوں کو جو سابق اہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوتے ہیں اس امر واقعی نے کچھ سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے قصوروں پر انہیں پکڑ سکتے ہیں؟ (مگر وہ سبق آموز حقائق سے تغافل برتتے ہیں) اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ یہ قومیں جن کے قصے ہم تمہیں سنا رہے ہیں (تمہارے سامنے مثال میں موجود ہیں) ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اسے وہ ماننے والے نہ تھے۔ دیکھو اس طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔"

19- وَمَآ أَرْسَلْنَا فِى قَرْيَةٍ مِّن نَّبِىٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ ٱلسَّيِّئَةِ ٱلْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا۟ وَّقَالُوا۟ قَدْ مَسَّ ءَابَآءَنَا ٱلضَّرَّآءُ وَٱلسَّرَّآءُ فَأَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ ٱلْقُرَىٰٓ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّقَوْا۟ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَٰتٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا۟ فَأَخَذْنَٰهُم بِمَا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾ (الاعراف:94-96)

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو، اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اتر آئیں پھر ہم نے ان کی بد حالی کو خوش حالی سے بدل دیا، یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ "ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں۔" آخر کار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا، لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔"

20- وَأَوْرَثْنَا ٱلْقَوْمَ ٱلَّذِينَ كَانُوا۟ يُسْتَضْعَفُونَ مَشَٰرِقَ ٱلْأَرْضِ وَمَغَٰرِبَهَا (الاعراف: 137) "اور ہم نے ان لوگوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو جو کم زور بنا کر رکھے گئے تھے اس سر زمین مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا۔"

21- قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهِۦ مَنۡ أَشَآءُۖ وَرَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٖ (الاعراف:156) " سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔"

22- وَٱتَّقُواْ فِتۡنَةٗ لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنكُمۡ خَآصَّةٗۖ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ ﴿٢٥﴾ (الانفال : 25) "اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہیں لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

23- مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيۡهِمۡ أَعۡمَٰلَهُمۡ فِيهَا وَهُمۡ فِيهَا لَا يُبۡخَسُونَ ﴿١٥﴾ (ہود : 15) " جو لوگ بھی اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کار گزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔"

24- وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهۡلِكَ ٱلۡقُرَىٰ بِظُلۡمٖ وَأَهۡلُهَا مُصۡلِحُونَ ﴿١١٧﴾ (ہود:117) "تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔"

25- لِّلَّذِينَ أَحۡسَنُواْ فِي هَٰذِهِ ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةٞۚ وَلَدَارُ ٱلۡأٓخِرَةِ خَيۡرٞۚ (النحل:30) "نیکوکار لوگوں کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔"

26- وَلَوۡ يُؤَاخِذُ ٱللَّهُ ٱلنَّاسَ بِظُلۡمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيۡهَا مِن دَآبَّةٖ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمۡ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗىۖ (النحل : 61) " اللہ اگر لوگوں کو ان کی زیادتی پر فوراً ہی پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی متنفس کو نہ چھوڑتا لیکن وہ سب کو ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا ہے۔"

27- وَإِذَآ أَرَدۡنَآ أَن نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً أَمَرۡنَا مُتۡرَفِيهَا فَفَسَقُواْ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا ٱلۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنَٰهَا تَدۡمِيرٗا ﴿١٦﴾ (بنی اسرائیل:16) " جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں ، تب عذاب کا فیصلہ اس پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔"

28- وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِي ٱلزَّبُورِ مِنۢ بَعۡدِ ٱلذِّكۡرِ أَنَّ ٱلۡأَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ ٱلصَّٰلِحُونَ ﴿١٠٥﴾ (الانبیاء:105) " اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔"

29- وَكَمۡ أَهۡلَكۡنَا مِن قَرۡيَةِۭ بَطِرَتۡ مَعِيشَتَهَاۖ فَتِلۡكَ مَسَٰكِنُهُمۡ لَمۡ تُسۡكَن مِّنۢ بَعۡدِهِمۡ إِلَّا قَلِيلٗاۖ (القصص:58) " اور کتنی ہی ایسی بستیاں ہم تباہ کر چکے ہیں جن کے لوگ اپنی معیشت پر اترا گئے تھے ۔ سو دیکھ لو ، وہ ان کے مسکن پڑے ہوئے ہیں جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی بسا ہے۔"

30- أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتۡرَكُوٓاْ أَن يَقُولُوٓاْ ءَامَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُونَ ﴿٢﴾ وَلَقَدۡ فَتَنَّا ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡۖ فَلَيَعۡلَمَنَّ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ صَدَقُواْ وَلَيَعۡلَمَنَّ ٱلۡكَٰذِبِينَ ﴿٣﴾ (العنکبوت:2-3) " کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ " ہم ایمان لائے " اور ان کو آزمایا نہ جائے گا ؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ؟ "

31- وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿٦٩﴾ (العنکبوت:69) "جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھاتے ہیں اور اللہ یقیناً نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔"

32- ظَهَرَ ٱلۡفَسَادُ فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ أَيۡدِي ٱلنَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعۡضَ ٱلَّذِي عَمِلُواْ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُونَ ﴿٤١﴾ (الروم : 41) " خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ، تاکہ اللہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آجائیں۔"

33- وَلَا تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ بَعۡدَ إِصۡلَٰحِهَا وَٱدۡعُوهُ خَوۡفٗا وَطَمَعًاۚ إِنَّ رَحۡمَتَ ٱللَّهِ قَرِيبٞ مِّنَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿٥٦﴾ (الاعراف:56) " زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور خدا ہی کو پکارو خوف اور طمع کے ساتھ ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔"

34- إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمۡۗ (الرعد: 11) "حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔"

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں قرآنی فلسفہ تاریخ کے جو نکات واضح ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

1 کائنات کی تخلیق خدا نے کی ہے اور اسی مشیت کے تحت ارتقائے حیات ہو رہا ہے ۔ زمین و آسمان ، جمادات ، نباتات ، حیوانات اور انسان سب اسی کے بنائے اور پیدا کیے ہوئے ہیں ۔ وہ اپنی مخلوقات کا مالک و حاکم ہے اور جملہ موجودات اس کے زیر نگیں ہیں ۔ چنانچہ زمانہ اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقدیر کے مطابق پیہم گردش کر رہا ہے اور اس کی ہر حرکت ایک خدائی منصوبے کے مطابق ہے۔

2 خدا نے تاریخ عالم کا ایک بے خطا اور مکمل نظام مرتب کیا ہے ۔ عروج و زوال کے اسباب و وجوہ ہیں ۔ مقررہ اصول و ضوابط سے ہٹ کر یا ان کو توڑ کر ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کر سکتا ۔ ہر چیز ایک قاعدے پر چل رہی ہے ۔ ہر واقعہ ایک قانون کے مطابق ہے یہی وہ فطرت ہے جس کے آئین کی پابندی مقصدِ زندگی ہے۔

3 یہ ایک اخلاقی دستور ہے اور حیاتیات سے معاشیات تک زندگی کے تمام دائروں میں اس کی دفعات قدرتی طور سے کار فرما ہیں، خواہ ہر نگاہ اس صورت واقعہ کو محسوس کر سکے یا نہیں۔ یقیناً عمرانیات و سیاسیات کے اپنے اپنے وطیرے اور طریقے ہیں، مگر ان سب کے مضمرات و تاثرات اس ضابطہ حیات پر مبنی ہیں جو رب العالمین نے تجویز کر دیا ہے۔

4 یہی وجہ ہے کہ تمام حالات و واقعات ہر دور میں چند بنیادی اقدار کو نمایاں کرتے ہیں ۔ یہ اقدار نیک و بد اوصاف کی تعین کرتے ہیں۔ خیر و شر کی کشاکش ہی صالح عناصر کو غیر صالح سے ممتاز کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں طے ہوتا ہے کہ کون انعام کا مستحق ہے اور کون سزا کا۔ دنیا ایک امتحان کی جگہ ہے جس میں مسلسل عمل کی آزمائش ہو رہی ہے۔

5 اس آزمائش کا آخری نتیجہ عاقبت میں بر آمد ہوگا، مگر اس کے اثرات دنیا میں بھی برابر ظاہر ہوتے رہے ہیں ۔ افراد و اقوام کی ترقی یا تباہی کے فیصلے انہی اثرات کے تحت ہوتے ہیں ۔ ناکامی اور کامیابی دونوں کا مدار صلاح و فلاح کی کوشش اور فتنہ و فساد کی سعی کے تناسب پر ہے ۔ جس فرد یا معاشرے کی زندگی میں صلاح یا فساد کا جیسا اور جتنا عنصر ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کا کردار معین اور انجام رونما ہوتا ہے۔

6 تاریخ کے رجحانات کبھی صحیح ہوتے ہیں کبھی غلط ، لیکن ان کے نتائج معقول اور منطقی ہوتے ہیں۔ عدل اجتماعی کا ایک ہمہ گیر اور آفاقی تصور تمام واقعات و اثرات پر محیط ہے۔ آفات و حوادث کی بھی کچھ وجہیں ہوتی ہیں ۔ کوئی بات لغو نہیں ہوتی۔ ہر بات کا ایک مفہوم ہے۔

7 تاریخ کا عمل بالکل غیر جانب دارانہ ہے ۔ یہ کسی کی طرفداری نہیں کرتا اور ہر ایک کو صرف اس کے کام کا صلہ دیتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس میں تحریف یا اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی ، خواہ وہ کتنے ہی طاقتور اور ہوشیار ہوں ، تاریخ کے عمل نے ان کو فسانہ عبرت بنا کر رکھ دیا ہے۔

8 زمین کا کوئی بندوبست دوامی کسی کے لیے نہیں ہے ۔ یہ خدا کی ملک ہے اور وہی اس کا حقیقی وارث ہے ، جب جسے جتنی مدت کے لیے جو خطہ اور جتنا حصہ چاہتا ہے دے دیتا ہے ۔ پھر اس کا امتحان لیتا ہے اور جب وہ اس میں ناکام ہو کر اپنے کو نا اہل ثابت کر دیتا ہے تو اسے بے دخل کر دیا جاتا ہے اور اس کے قبضے کے کوئی آثار یا تو باقی نہیں رکھے جاتے یا نصیحت کے لیے کچھ یادگاریں چھوڑ دی جاتی ہیں۔

9 خدا کی قدرت اکثریت و اقلیت اور قوی و ضعیف کا کوئی امتیاز و لحاظ نہیں کرتی۔ اس کے فیصلے ایک اخلاقی اصول و معیار پر ہوتے ہیں ، صالح افراد اور گروہوں کو عزت دی جاتی ہے ، غیر صالح کو ذلیل کر دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ بڑی بڑی طاقت ور سلطنتیں اور جابر شخصیتیں فنا کر دی جاتی ہیں ، اور ان کی جگہ زمام اقتدار کم زوروں کے سپرد کر دی جاتی ہے ، اکثریتیں شکست کھا کر مغلوب ہو جاتی ہیں اور اقلیتیں فتح مند ہو کر غالب آجاتی ہیں : قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾ (آل عمران:26) "کہو، خدایا، ملک کے مالک، تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے ، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے، بھلائی تیرے اختیار میں ہے ، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

10 انقلاب زمانہ کے یہ نشیب و فراز ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ جب ایک نظام بدلتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا آجاتا ہے تو بلندی و پستی کی ترتیب الٹ جاتی ہے ، دولت و عزت کے مالک مفلس و ذلیل ہو جاتے ہیں اور افلاس و ذلت میں پڑے ہوئے لوگ دولت مند اور معزز ہو جاتے ہیں : إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (النمل:34) "بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

11 گردش ایام ایک ابتلائے عام ہوتی ہے۔ جب کسی ملت پر عذاب ہوتا ہے اور عذاب نازل کیا جاتا ہے تو اس کی بد اعمالیوں کی سزا ان تمام افراد کو بھی بھگتنی پڑتی ہے جنہوں نے ان بد اعمالیوں کی اصلاح کے لیے جد و جہد کرنے کے بجائے انہیں گوارا کرلیا، خواہ وہ ذاتی طور پر کتنے ہی پرہیز گار اور نیکو کار ہوں، اس لیے کہ انہوں نے اپنی اجتماعی ذمے داری ادا کرنے سے پہلو تہی کی اور اس طرح بالواسطہ بدکاریوں میں شریک ہوگئے۔ اس ابتلائے عام کے نتیجے میں مخلص، باشعور اور صاحب کردار افراد منافق، بے شعور اور بے کردار اشخاص سے ممتاز ہو جاتے ہیں: وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿١٤١﴾ (آل عمران: 141) " تا کہ اللہ مومنوں کو الگ چھانٹ لے اور کافروں کی سرکوبی کرے۔"

12 دنیا کی رزم گاہ خیر و شر میں آخری فتح صالحین کے لیے مقدر ہے، اس لیے کہ تاریخ انسانی میں تعمیر و ترقی اور فروغ و عروج کے عوامل وہی ہیں۔ لہٰذا جب وہ حق و باطل کی کشمکش اور نیک و بد کی آزمائش میں کھرے اور اہل ثابت ہو جاتے ہیں تو کوئی ان کا راستہ روکنے والا نہیں ہوتا، انہیں تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے اور توفیق الٰہی خود ان کی راہ ہموار کرتی ہے: يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ (التوبہ: 32-33) " یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔" وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (النور: 55) " اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔"

13 سیاسی تباہی کا پیش خیمہ معاشی بدتری ہے، لیکن بدتری کا تصور مادی نہیں، اخلاقی ہے۔ خوش حالی بجائے خود معیار فلاح نہیں، جب تک زندگی کا کوئی اعلیٰ نصب العین کار فرما نہ ہو، محض معیار رہائش کو مطمح نظر بنانا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے، اس لیے کہ مادہ پرستانہ عیش کوشی رب کائنات کی نا فرمانی پر مشتمل ہوتی ہے اور امراء نشہ دولت میں سرشار ہو کر عیش و عشرت کے اس درجہ عادی ہو جاتے ہیں کہ ایک پاکیزہ زندگی کی اخلاقیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ تہذیب کے نام پر فحاشی کو رواج دیتے ہیں اور انسانی قدروں سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمدن کے ظاہری ترقیات ہی بربادی کا باعث ہوتی ہیں، اس لیے کہ بڑھتے ہوئے وسائل معیشت زیادہ سے زیادہ عیاشیوں، لہو و لعب، لغو تفریحات اور بدکاریوں کو فروغ دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں، کردار میں اضمحلال آ جاتا ہے، ہر قسم کی خود غرضی، تنگ نظری، مفاد پرستی اور بو الہوسی پیدا ہو جاتی ہے، سیرتیں بگڑ جاتی ہیں، بالآخر شعور بھی رخصت ہو جاتا ہے اور قائدین اکابر مجرمین بن کر پوری قوم اور عام انسانیت کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

14 کائنات اور حیات میں مسلسل حرکت و ترقی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم دے کر روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے بندگی رب کا عہد لے کر ہر قسم کی قوتیں اور صلاحیتیں عطا کر دیں ، اسے ہدایت دی اور زمین و آسمان کے بے شمار مظاہر کو اس کے لیے مسخر کر دیا ، جبکہ تخلیق آدم سے قبل انسان کی کوئی حقیقت نہیں تھی ، اور اسے نظام قدرت میں امانت الٰہی کا حامل قرار دیتے ہوئے خداوند تعالیٰ نے ایک مکمل قانون فطرت آدمی کی سہولت کے لیے تشکیل دیا ، گرچہ آزمائش کے لیے پر فریب زیب و زینت کی بہت سی چیزیں بھی دنیا میں پیدا کر دیں ۔ بہر حال ، آدمی خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے ترقی کی آخری حدوں تک جا سکتا ہے ، کائنات کی آخری سرحد تک پہنچ سکتا ہے ، جیسا کہ قرآن کی سورتوں ، بنی اسرائیل اور النجم ، کی آیات سے واضح ہے لیکن یہ فروغ و عروج اس انسان کا ہو گا جو اشرف المخلوقات اور مسجود ملائک ہے ، کسی مادی وجود اور معاشی حیوان کے میکانکی ارتقاء کی کوئی گنجائش قرآنی فلسفہ تاریخ میں نہیں ہے ، لہٰذا ڈارون کا نظریہ بقائے اصلح اور مارکس کی جدلیاتی تعبیر تاریخ دونوں ہی غلط ہیں ، صرف اسلام کا اخلاقی تصور تاریخ صحیح ، مثبت ، تعمیری اور نتیجہ خیز ہے ۔ تخلیق آدم سے معراج النبی تک اسلام کے علمبردار انبیاء و رسل کے ہاتھوں وحی الٰہی کے زیر ہدایت ہوا ہے ۔ حضرت محمد ﷺ کی شریعت دین اسلام کی تکمیل کرتی ہے ۔ یہی شریعت تہذیب کی صراط مستقیم ہے اور تمدن کا مثالی نصب العین ۔ تاریخ کا ڈیڑھ ہزار سالہ عصر حاضر بعثت محمدی کا دور رسالت ہے ، جس میں اب تک کی ساری ترقیات ہوئی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گی ، اگر جدید تاریخ موجودہ گمراہی سے نکل کر ایک بار پھر اسلام کے جادہ اعتدال پر آ سکی ، ورنہ پوری دنیا تباہ ہو جائے گی۔

15 امن عالم اور آفاقی حریت و اخوت کا جو نسخہ اسلامی فلسفہ تاریخ نے تجویز کیا ہے وہی قوموں کی موجودہ کش مکش کا واحد حل ہے ۔ اسلامی توحید ہی انسانیت کی شیرازہ بندی کر سکتی ہے ۔ اس مقصد کے لیے دین اسلام کے کسی فرقہ وارانہ تصور کے بجائے اسے ایک نظریہ حیات کے طور پر اختیار کرنا ہو گا ۔ یہ اختیار ایک اصولی فیصلہ ہو گا اور اس کے عملی اثرات یکساں طور پر تمام فرقوں ، طبقوں اور علاقوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے ۔

16 افراد کی طرح اقوام کی مہلت کار بھی معین ہے ۔ اسی لیے تاریخ میں مختلف قومیں مختلف اوقات و مقامات میں ابھریں اور ڈوبیں اور ابھرتی اور ڈوبتی رہیں گی ۔ ملتوں کا یہ طلوع و غروب قدرت خداوندی کے مقرر کیے ہوئے ایک خاص نظام شمسی کے تحت ہے ۔ ایک قوم جب تمام مادی ترقیات کے باوجود اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو کر روئے زمین کو ظلم سے بھر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر حجت تمام کر کے اسے منصب اقتدار سے ہٹا دیتا ہے یا بالکل مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسری قوم لے آتا ہے جو اس سے بہتر ہوتی ہے ۔ یہ کام بلا رو رعایت ایک سخت ، بے لاگ ، بے لچک اصول کے مطابق ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

17 رحم و کرم اللہ تعالیٰ کی سب سے نمایاں صفت ہے جو تمام مظاہر زندگی پر محیط ہے اور اس کا غضب اسی وقت نازل ہوتا ہے جب انسان اپنی حقیقت فراموش کر کے تنگ دلی اور بے رحمی کو اپنا وطیرہ بنا لیتا ہے ، پھر بھی تباہ کن عذاب سے قبل رب العالمین آفات و مصائب کے ذریعے انسانوں کو خبردار کرتا رہتا ہے ۔ لیکن جب وہ ظلم و ستم سے باز نہیں آتے تب وہ سختی سے پورا انصاف کرتا ہے ، تا کہ نظام کائنات برہم نہ ہو اور حیات انسانی کا توازن باقی رہے ۔

ایک دانائی کی بات

"ایک درویش نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ لوگوں کے ہجوم سے تنگ آ گیا ہوں ۔ وہ میری زیارت کے لیے بہت تعداد میں آتے ہیں اور ان کے تردد میں میرے اوقات پریشانی میں گزرتے ہیں اور عبادت میں خلل ڈالتے ہیں ۔ مرشد نے فرمایا کہ تیرے پاس آنے والوں میں سے جو درویش اور مفلس ہیں ان کو قرض دیدو اور جو لوگ امیر ہیں ان سے کچھ قرض یا ہدیہ مانگو ۔ اس کے بعد کوئی بھی تیرے پاس نہ آئے گا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

قرآن اور تاریخ

تاریخ اپنے خاص معنی میں، ماضی میں انسانوں کے اعمال و تجربات اور ان پر مترتب ہونے والے نفسیاتی، تہذیبی اور مادی اثرات کے مطالعہ کا نام ہے۔ بعض اوقات تاریخ ماضی کے بعض طبیعی واقعات کا ثانوی لحاظ سے مطالعہ کرتی ہے ، یعنی یہ کہ ان واقعات کا گذرے ہوئے لوگوں سے کس طرح کا تعلق تھا اور ان واقعات کے ان کی زندگیوں پر کیا اثرات پڑے۔

تاریخ کا موضوع صرف انسان نہیں اور نہ ہی تاریخ اپنے عام معنی میں صرف انسانی مظاہر سے بحث کرتی ہے بلکہ وہ ماضی کے تمام مظاہر سے بحث کرتے ہوئے انسان ، فطرت اور معاشروں کے ماضی کا مطالعہ کرتی ہے۔

اصطلاحاً تاریخ سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعہ قوموں کے احوال، ان کے دیار و بلاد، عادات و رسوم اور ان کے انساب وغیرہ معلوم کیے جائیں۔ سخاوی کا کہنا ہے:

"...... الغرض تاریخ وہ فن ہے جس میں سارے زمانے کے واقعات سے بحث کر کے ان کی تحدید اور وقت کا تعین کیا جاتا ہے، یوں کہنا چاہیے کہ اس میں ساری دنیا کے واقعات سے بحث ہوتی ہے۔"[1]

ابنِ خلدون کے مطابق : " تاریخ ، گزشتہ اقوام کے حالات ان کے اخلاق و رسوم اور اندازِ سیاست کے بیان کا نام ہے کہ دنیا میں کن کن قوموں نے کن کن حالات میں بساطِ فرمانروائی بچھائی، انبیاء اور فلاسفہ نے لوگوں کو کیا ہدایات دیں اور بعد میں آنے والے لوگوں سے عبرت پذیری کے لیے انہوں نے کیا نمونے چھوڑے۔"[2]

تاریخ نویسی ہر قوم نے کی، اہلِ یونان نے بھی تاریخ لکھی اور اہلِ ایران نے بھی۔ ہندوستانیوں کے پاس بھی تاریخ کے نام پر کچھ نہ کچھ تھا اور چینیوں کے پاس بھی۔ عربوں کے پاس بھی انساب اور ایام العرب کا ذخیرہ تھا۔ لیکن ان میں اسناد کا اہتمام نہیں تھا لہٰذا بعد میں جب مسلمانوں نے تاریخ نگاری شروع کی اور اس میں سند اور ماٰخذ کو فوق الکل اہمیت دی تو ماضی کی تاریخ نویسی محض قصہ گوئی قرار پائی ۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہیں کہ مسلمانوں کو تاریخ کی طرف متوجہ اور راغب کرنے میں قرآن کا بہت بڑا کردار ہے۔

قرآن نہ فلسفہ کی کتاب ہے نہ تاریخ کی، لہٰذا قرآن کا مطالعہ ایک تاریخی تصنیف کے طور پر کرنا فائدہ مند نہیں ہو گا۔ قرآن بنیادی طور پر دعوت و تذکیر کی کتاب ہے، جو دین و دنیا میں انسانوں کو راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ تاہم قرآن مجید میں تاریخی واقعات کے بیان کا ایک طویل سلسلہ بھی ہے۔ ان تاریخی واقعات و اخبار کا تعلق امم سابقہ سے بھی ہے اور انبیاء سے بھی، عہدِ رسالت سے بھی ہے اور عہدِ جاہلیت سے بھی، خاص طور سے قرآن ان اقوام و ملل کی تاریخ کا بار بار ذکر کرتا ہے جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ قصص قرآنی کے بیان کا مقصد کہیں تو معلومات فراہم کرنا ہے، جیسا کہ سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا[3]

"یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں اس سے پہلے نہ آپ ہی ان کو جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔"

اور کہیں ان تاریخی واقعات کے بیان کا مقصد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا تھا، تاکہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو بتایا جائے کہ انبیاء سابقین نے کس طرح مسائل کا سامنا کیا اور ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ[4]

" (اے محمد!) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ اور ان (قصص) میں آپ کے پاس حق پہنچ گیا اور (یہ) مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔"

قرآن میں ان تاریخی واقعات و اخبار کا مطالعہ کرنے والے کو یہ وضاحتاً نظر آتا ہے کہ یہ کائنات اور اس کے معاملات الل ٹپ اور غیر منظم نہیں ہیں بلکہ ان کے پیچھے ایک قانونِ الٰہی موجود ہے، اسی کو ہمارے علماء و دانشور قرآن کا فلسفۂ تاریخ کہتے ہیں ۔ یہ بات کچھ ایسی بے بنیاد بھی نہیں جب ابن خلدون کے فلسفۂ تاریخ کی متابعت میں یورپ کے دانشوروں اور مورخین نے تاریخی واقعات کا تجزیاتی مطالعہ شروع کیا اور سترہویں صدی میں اس حوالے سے ایک نیم فلسفیانہ فکر سامنے آئی جس نے آگے چل کر اسپینگلر اور ہیگل کے زیادہ فلسفیانہ فکر کی شکل اختیار کی اور انہوں نے تاریخ کا نفسیاتی اور سماجی زاویوں سے مطالعہ کیا تو مسلمان علماء نے قرآن میں اسی

---

[1] سخاوی ، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن" الاعلان بالتوبیخ "مترجم : ڈاکٹر سید محمد یوسف (اردو سائنس بورڈ ، لاہور ، 2007ء)ص: 26

[2] ابن خلدون، مقدمہ (مصر ،تاریخ ندارد) ص: 9 - 10

[3] ھود: 49 نیز طٰہٰ: 99

[4] النساء: 26 نیز ھود: 120

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوعیت کی فکر اور تعقل کو تلاش کیا اور اسے قرآن کا فلسفۂ تاریخ کہا۔

دیگر تجرباتی علوم کی بنیاد مشاہدہ اور تجربے پر ہوتی ہے جبکہ ایک مورخ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ جن واقعات کو بیان کر رہا ہے اس کا براہِ راست اس نے مشاہدہ بھی کیا ہو اور تجربہ بھی حاصل کیا ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ مورخ استقرائی طریقہ استعمال کرکے تاریخ نویسی کرتا ہے اور تاریخی مظاہر تک پہنچنے کے لیے دستاویزات کو نقطۂ آغاز کے طور پر لیتا ہے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دستاویزات یا تاریخی آثار ناقص ہوتے ہیں، وہ محرف ہوتے ہیں یا جعلی بھی ہو سکتے ہیں، اس وقت مورخ کو اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ داخلی یا خارجی شہادتوں سے اپنے مآخذ کے بارے میں حقائق جمع کرے ، ایک تنقیدی موازنہ کے ذریعہ دستاویزات اور تاریخی آثار کی اصلیت یا جعلی ہونے کا فیصلہ کر سکے۔

جب تک تاریخ محض قصہ گوئی تھی ، تب تک مآخذ کی کوئی اہمیت بھی نہیں تھی لیکن جب تاریخ نے فن کی حیثیت اختیار کی تو مآخذ کو بھی فوق الکل اہمیت حاصل ہوگئی ۔ اگر ہم تاریخ کو وہ نہیں بنانا چاہتے جو مورخ اپنے تجزیوں سے بنا دیتے ہیں ۔ اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ تاریخ میں " سچ " کا ایک قابل لحاظ عنصر ہمیشہ موجود رہے تو اس کے مآخذ کی حقانیت کی ضرورت ہوگی۔

مسلمانوں نے جب تاریخ نویسی کی طرف توجہ کی تو قرآن ہی ان کا مآخذِ اول تھا جس کی حقانیت اور سند ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر تھی ۔ لیکن یہ صرف مسلمانوں کا نظریہ ہے ، مستشرقین کا نہیں ۔ قرآن کے بارے میں دونوں کی آراء کا جائزہ لینا ہوگا۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ قرآن کو الہامی کتاب مانتے ہیں ، ایک ایسی الہامی کتاب جو دنیا کی مستند ترین کتاب ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ [5]

" بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔"

قرآن کے درجہ استناد کے بارے میں مسلمانوں کو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اس کی شہادت سورۃ بقرہ میں بھی موجود ہے : ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (البقرہ : 2) یعنی یہ ایک نوشتہ (کتاب) ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

سورۂ حم السجدہ کی بیالیسویں آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

" قرآن میں نہ سامنے سے باطل کے گھسنے کی گنجائش ہے اور نہ پیچھے سے ۔"

مسلمان مورخین کا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کی داخلی و خارجی شہادتوں سے قرآن کی تدوین اور اس کی کتابت و حفاظت ثابت ہے۔[6]

دوسری طرف مستشرقین کا وہ گروہ ہے جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں سمجھتا بلکہ اسے محمد ﷺ کی اپنی تصنیف سمجھتا ہے ، ایک ایسی بے ڈھب تصنیف جس میں کوئی تصنیفی حسن نہیں ، موضوعاتی تقسیم نہیں ، نہ کوئی منہج ہے نہ پیش کرنے کا سلیقہ۔ اسے محمد (ﷺ) کے انتقال کے بعد لکھا گیا لہٰذا اس کا درجۂ استناد بھی کوئی نہیں ۔ مشہور مستشرق ایچ۔اے۔آر۔گب قرآن کو محمد ﷺ کے مقالات کا مجموعہ کہتا ہے ۔ جو انہیں زبانی یاد تھے اور جو اُن کے انتقال کے بعد کتابی صورت میں مدون کیے گئے [7]۔ قرآن کے یہ اجزاء کسی تاریخ وار ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں ہیں ، نہ ہی یہ ترتیب نفسِ مضمون کے اعتبار سے ہے ۔ لہٰذا اس میں اخلاقی مباحث اور فقہی مسائل پہلو بہ پہلو چلتے ہیں جس سے بڑی الجھن پیدا ہوتی ہے ۔[8]

گویا قرآن کو تاریخ کا ایک اہم اور مستند ترین مآخذ سمجھنے کے حوالے سے مورخین و مستشرقین واضح طور پر دو گروہوں میں مقسم ہیں اور دونوں کی آراء متناقض و متصادم ہیں یہی وجہ ہے کہ جب اسلامی تاریخ مغربی مورخین لکھتے ہیں تو اس مآخذِ اول (یعنی قرآن) کو قطعاً درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے ، نام نہاد عقلی مباحث اور ظن و گمان پر اپنے تجزیات کو استوار کرتے ہیں اور بعض حالات میں درست نتائج کے استخراج میں ناکام رہتے ہیں۔

قرآن کے مآخذ تاریخ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آج کی بیسویں صدی کی تاریخ کا بھی مآخذ ہے ، اور اس میں ہمیں انقلاب فرانس ، یا جنگِ عظیم اول اور دوئم یا قیام پاکستان کے معاملات بھی ملیں گے بلکہ وہ اپنے عہدِ نزول سے قبل کی عالمی تاریخ کا ایک انتہائی موثق مآخذ ہے اور اس وقت کی عصری تاریخ کا بھی معتبر ترین مآخذ ہے ۔ نزولِ قرآن کے دور میں جو واقعات عملاً واقع ہو چکے تھے اور قرآن اپنی دعوتی تحریک کے لیے ان کو بیان کرنا ضروری سمجھتا تھا وہ اس نے بیان کیے اور جو عقلاً ممکن تھے ان کے بارے میں چند اصول پیش کیے جسے دانشوروں کا ایک طبقہ قرآن کا فلسفۂ تاریخ کہتا ہے ۔ دراصل یہ تاریخی عمل کے وہ متعینہ قوانین ہیں جن سے انسان آج بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے ۔ ایسے چند اصول یا قوانین یہ ہیں۔

1) تاریخ کا اتار چڑھاؤ اتفاقی معاملات نہیں

---

[5] الحجر:9

[6] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ظہیر، نگار سجاد، سیرت نگاری: آغاز وارتقاء، (قرطاس، کراچی، 2010ء)، ص: 41 وبعدہ

[7] ایچ۔اے۔آر۔گب، Arabic Literature، (آکسفورڈ، 1963ء) ص: 33 مزید دیکھیے اسی مصنف کی کتاب Mohammedanism، (آکسفورڈ، 1964ء)، ص: 35 - 36

[8] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قوموں کا اتار چڑھاؤ اور قسمت کا بناؤ بگاڑ اتفاقی معاملات ہیں ۔ ان کا کوئی اخلاقی جواز تلاش کرنا حماقت ہے اور یہ ایک طرح کی نفسی کمزوری ہے ۔ زمانے میں جو کچھ پیش آرہا ہے وہ اتفاقاتِ زمانہ کے سوا کچھ نہیں ۔ اس احمقانہ ذہنیت کا نقشہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں کھینچا ہے۔ یعنی

" مصیبت مومن کی تو اصلاح کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس بھٹی سے نکلتا ہے تو ساری کھوٹ سے صاف ہو کر نکلتا ہے ۔ لیکن منافق کی حالت بالکل گدھے کی سی ہوتی ہے جو کچھ نہیں سمجھتا کہ اس کے مالک نے اُسے کیوں باندھا تھا اور کیوں اُسے چھوڑ دیا ۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَآ أَرْسَلْنَا فِى قَرْيَةٍ مِّن نَّبِىٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ ٱلسَّيِّئَةِ ٱلْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوا۟ وَّقَالُوا۟ قَدْ مَسَّ ءَابَآءَنَا ٱلضَّرَّآءُ وَٱلسَّرَّآءُ فَأَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩٥﴾ [9]

" کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو ۔ اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اتر آئیں ۔ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی میں بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں ۔ آخر کار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی ۔"

گویا اللہ کا ضابطہ یہ رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے موقع پر ان کی قوم کو کسی نہ کسی دشواری میں مبتلا کیا گیا مثلاً قحط ، وبا ، تجارتی خسارہ ، جنگی شکست وغیرہ ، تاکہ ان کا غرور ختم ہو ، اور ان کا دل نرم پڑے یہ ضابطہ یا قانونِ الٰہی رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے موقع پر بھی برتا گیا ۔ حدیث میں عبد اللہ ابن مسعود اور عبد اللہ بن عباس دونوں کی متفقہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد جب قریش کے لوگوں نے آپ کی دعوت کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنا شروع کیا تو حضور نے دعا کی کہ خدایا ، یوسف کے زمانے میں جیسا ہفت سالہ قحط پڑا تھا ، ویسے ہی قحط سے ان لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد کر ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت قحط میں مبتلا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ مردار کھانے لگے ۔ چمڑے ، ہڈیاں اور اون تک کھا گئے ۔ آخر کار اہلِ مکہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے لیے خدا سے دعا کیجیے ۔ مگر جب آپ ﷺ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے وہ بُرا وقت ٹال دیا تو ان کی گردنیں پہلے سے زیادہ اکڑ گئیں ، اور جن کے دل تھوڑے بہت پسیج گئے تھے ان کو بھی قوم کے شریر لوگوں نے یہ کہہ کہہ کر ایمان سے روکنا شروع کر دیا یہ تو زمانے کا اتار چڑھاؤ ہے ۔ محمد ﷺ کی دعا سے اس کا کیا تعلق ؟ پہلے بھی آخر قحط آتے ہی رہے ہیں ، کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔[10]

گویا یہ ضابطہ الٰہی ہے کہ دنیا میں قوموں کا اتار چڑھاؤ اخلاقی بنیادوں پر ہوتا ہے ۔ یہ اتفاقی معاملات نہیں بلکہ ان کے ٹھوس اخلاقی اسباب ہوتے ہیں۔

2) سابقہ قوموں کی تباہی کے اسباب

قرآن کریم میں امم سابقہ کے تذکروں پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قومیں طبعی اسباب کی وجہ سے تباہ نہیں ہوئیں بلکہ جب وہ اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے طبعی قوانین کو ان کے خلاف استعمال کر کے انہیں نیست و نابود کر دیا ۔

قوموں کو کبھی ہولناک زلزلے سے تباہ کیا گیا ، جیسا کہ ثمود کے معاملہ میں ہوا [11] ۔ کبھی سمندری طوفان آیا ، جیسا کہ قومِ نوح کے معاملہ میں ہوا [12] اور کبھی تند و تیز ہواؤں نے کسی قوم کا صفایا کر دیا ، جیسا کہ قومِ عاد کے ساتھ ہوا [13] ۔ بظاہر یہ قومیں طبعی اسباب Physical Causes کی وجہ سے تباہ ہوئیں لیکن در حقیقت ان طبعی عوامل کو اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوم کے مقابلے میں استعمال کیا تھا۔

گویا قرآن یہ نظریہ دیتا ہے کہ انسانی تاریخ میں اقوام کا عروج و زوال محض لگے بندھے طبیعاتی قوانین Physical Laws کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے حقیقی اخلاقی اسباب تھے ، بالفاظِ دیگر قوموں کے عروج و زوال میں اصل اور فیصلہ کن قوت صرف اخلاقی قوت ہے۔ ارشادِ باری ہے :

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى ٱلْقُرَىٰٓ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَٰلِمُونَ ﴿٥٩﴾ [14]

" ہم کسی آبادی کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس کے کہ اس کے افراد ظالم ہوں ۔"

جب ایک طرف ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہو اور دوسری طرف اس قوم کے علماء و صلحا اُس پر آواز احتجاج بھی نہ اٹھائیں ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وظیفہ ترک کر دیں تو ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی جاتی ہے ۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی ذلت و خواری میں مبتلا کیا گیا جب ان کے ہاں اخلاقی پستی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ان کے صلحا بھی بد اعمال امراء کی گرفت نہیں کرتے تھے۔

لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾

9 الاعراف: 94 - 95

10 مودودی، سید ابوالاعلی، تفہیم القرآن جلد 2، ص: 59 - 60

11 الاعراف : 78، ہود : 67، حم السجدہ : 17، الذاریات : 44، الحاقہ : 5

12 القمر : 11 - 16، الحاقہ : 11 - 12

13 الاحقاف : 24، حم السجدہ : 16، الذاریات : 41 - 42، القمر : 19 - 21، الحاقہ : 6 - 7

14 القصص : 59

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾ [15]

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہوگئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔"

بنی اسرائیل اخلاقی پستی کی اُس آخری حد تک پہنچ گئے تھے کہ ان کے علماء، مشائخ اور صلحاء نے بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک کر دیا تھا۔

3) ہر قوم کے لیے مہلت عمل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾ [16]

"ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی (اور یہ بات اللہ نے آغاز تخلیق ہی میں صاف فرمادی تھی کہ) اے بنی آدم! یاد رکھو اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں گے جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویہ کی اصلاح کرلے گا اس کے لیے کسی خوف و رنج کا موقع نہیں ہے اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلے میں سرکشی برتیں گے وہی اہل دوزخ ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ بات قرآن مجید میں ہر جگہ اُس موقع پر ارشاد فرمائی گئی ہے جہاں آدم و حوا علیہما السلام کے جنت سے اتارے جانے کا ذکر آیا ہے [17]۔ یعنی نوع انسانی کی زندگی کا جب آغاز ہو رہا تھا اسی وقت یہ بات صاف طور پر سمجھا دی گئی تھی۔

مہلت کی مدت مقرر کیے جانے کا مفہوم یہ نہیں کہ ہر قوم کے لیے برسوں اور مہینوں اور دنوں کے لحاظ سے ایک عمر مقرر کی جاتی ہو اور اس عمر کے تمام ہوتے ہی اس قوم کو لازماً ختم کر دیا جاتا ہو۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم کو دنیا میں کام کرنے کا جو موقع دیا جاتا ہے اس کی ایک اخلاقی حد مقرر کر دی جاتی ہے یعنی اس کے اعمال میں خیر و شر کا کم سے کم کتنا تناسب برداشت کیا جاسکتا ہے۔ جب تک ایک قوم کی بری صفات یا برے اعمال اس کی اچھی صفات یا اچھے اعمال کے مقابلہ میں تناسب کی اُس آخری حد سے کم رہتے ہیں، اس وقت تک اُسے اس کی تمام تر برائیوں کے باوجود مہلتِ عمل دی جاتی رہتی ہے اور جب وہ اس حد سے بھی گزر جاتی ہیں تو پھر اس بد صفات و بد کردار قوم کو مزید کوئی مہلت نہیں دی جاتی۔ [18]

یہی بات سورہ یونس میں بیان کی گئی ہے۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ [19]

"ہر امت کے لیے مہلت کی ایک مدت ہے، جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو گھڑی بھر کی تقدیم و تاخیر بھی نہیں ہوتی۔"

سورۃ المؤمن میں یہی بات ایک دوسرے زاویہ سے کہی گئی ہے:

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿٤﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾ [20]

"دنیا کے ملکوں میں ان (کافروں) کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے اور اس کے بعد بہت سے دوسرے جتھوں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ ہر قوم اپنے رسول پر جھپٹی تاکہ اُسے گرفتار کرے۔ اُن سب نے باطل کے ہتھیاروں سے حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ مگر آخر کار میں نے ان کو پکڑ لیا پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔"

یعنی اگر اس دنیا میں، اللہ کے باغیوں اور سرکشوں کے کاروبار خوب چمک رہے ہیں، اور ان کی حکومتیں بڑی شان سے چل رہی ہیں اور وہ خوب دادِ عیش دے رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے باغی اس کی پکڑ سے بچ گئے ہیں، بلکہ اصل میں یہ وہ مہلت ہے جو خدا کی طرف سے ان کو مل رہی ہے۔ اس مہلت عمل سے فائدہ اٹھانے والے بالآخر وقتِ مقررہ پر پکڑے جائیں گے۔ [21]

انسانی تاریخ میں خدا کا قانونِ مکافات برابر کام کرتا رہا ہے۔ اس قانونِ مکافات کے مطابق اس وقت تک کسی قوم کی کامل تباہی کا فیصلہ نہیں ہوتا جب تک اُس میں کچھ قابل لحاظ بھلائی موجود رہے۔ برے

---

15 المائدۃ: 78 - 79

16 الاعراف 34 - 36

17 دیکھیے سورۂ بقرہ: 38 - 39، طٰہٰ: 123 - 124

18 مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلد 2، ص: 4

19 یونس: 49، یہ بات قرآن مجید میں مختلف سیاق و سباق میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے مثلاً سورۂ ابراہیم: 10، یا سورۂ الحجر: 4-5، سورۂ فاطر: 43 - 44۔ جہاں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کفر کی روش اختیار کرتے ہی کسی قوم کو پکڑ لینا اور ان پر عذاب خداوندی مسلط کر دینا اللہ کی سنت نہیں بلکہ ہر قوم کو ایک وقت اور مہلت دی جاتی ہے کہ وہ انبیاء کے لائے پیغام کو قبول کرلیں اور بطور قوم اپنی اصلاح کرلیں۔

20 المؤمن: 4 - 5

21 یہی بات دیگر مقامات پر بھی کی گئی ہے، دیکھیے سورۂ الحج: 42 - 44، نیز سورۂ مومنون: 42 - 44

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی اکثریت کے مقابلے میں اگر ایک قلیل عنصر بھی ایسا پایا جاتا ہے جو بدی کو روکنے اور نیکی کے راستے کی طرف بلانے میں مصروف ہو تو اللہ تعالیٰ اُس قوم کی مہلت میں اضافہ کرتا رہتا ہے مگر جب حالت یہ ہو جائے کہ نیکیوں کا قلیل عنصر بدی کے خلاف لڑتے لڑتے تھک کر عاجز آ چکے ہوں۔ تو اللہ انہیں اپنی قدرت سے کسی نہ کسی طرح بچا کر نکال دیتا ہے اور باقی لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو ہر ہوشمند مالک اپنے سڑے ہوئے پھلوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

4) قومیں خود کو بدل سکتی ہیں

قرآن میں ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ [22]

"بے شک اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔"

یعنی کوئی بھی قوم اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے لیے بہتر راستہ چن سکتی ہے۔ وہ سابقہ غلطیوں کے اثرات کو بدل کر اور اپنے طرزِ عمل کو تبدیل کر کے دنیا میں کامیاب و کامران ہو سکتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی قوم اپنی تقدیر کو بدلنے کا ارادہ کر لے تو اسے ایسا کرنے کا اختیار ہے اور اللہ تعالیٰ اس معاملے میں معاونت بھی فرماتے ہیں۔[23]

5) ایک قوم کو دو بار موقع نہیں ملتا

یہ اللہ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی قوم پر نبی یا رسول بھیجتا ہے اور وہ قوم ہدایت قبول کرنے کے بجائے مسلسل انبیاء کی تکفیر کرتی ہے، اُسے جھٹلاتی ہے اور ستاتی ہے اور اپنی من مانی کرتی ہے تو خدا ایسی قوم کی بد اعمالیوں پر انہیں پکڑتا ہے اور ان کی نجاست سے دنیا کو پاک کرتا ہے اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو اٹھاتا ہے۔

سورۂ محمد میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾ [24]

"اور اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔"

اس نظریہ کی صداقت کو صرف مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ دنیا کے دیگر دانشوروں نے بھی قبول کیا ہے۔ چنانچہ لیبان اپنی شہرہ آفاق کتاب "قوموں کی ترقی اور تنزل کے قوانین نفسی" میں لکھتا ہے:

"جب کوئی قوم تہذیب و تمدن کے زیور سے آراستہ اور نفوذ و قوت کے ہتھیار سے مسلح ہو جاتی ہے اور اس کو ہمسایہ قوم کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تو وہ نہایت عیش و طرب کے ساتھ، جو دولت کا لازمی نتیجہ ہے، زندگی بسر کرنے لگتی ہے اس لیے اس کے تمام فوجی محاسن برباد ہو جاتے ہیں۔ تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی ضروریات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ہر شخص کے دل میں خود غرضی اپنے قدم جما لیتی ہے اور اس کا مطمعِ نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ جو مال و دولت اس کے ہاتھ آئے اس سے نہایت سُرعت کے ساتھ ذاتی فائدہ اُٹھائے اس بنا پر تمام قوم عام مصالح سے اعراض کرنے لگتی ہے اور قوم کے وہ تمام اخلاقی محاسن فنا ہو جاتے ہیں جو اس کی عظمت کا حقیقی سبب تھے۔ اب اس پر قرب و جوار کی وحشی یا نیم وحشی قوموں کا حملہ شروع ہو جاتا ہے روم اور ایران کی سلطنتوں کا یہی حشر ہوا ان کا نظام حکومت اگرچہ نہایت مستحکم تھا تاہم برابرہ نے روم کا خاتمہ کر دیا اور عربوں نے ایران کے پرخچے اُڑا دیے۔"[25]

خلاصۂ بحث یہ کہ قرآن میں تاریخی واقعات کے بیان کا ایک طویل سلسلہ ہے، یہ تاریخی واقعات صرف معلومات فراہم کرنے کی حد تک ہی نہیں تھے بلکہ ان سے رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانا بھی مقصود تھا اور اپنے مخاطبین کو عبرت دلانا بھی۔ قرآن کے ان قصص اور اخبار کی وجہ سے مسلمانوں نے تاریخ کی طرف توجہ کی اور اسے ایک معتبر فن بنا دیا۔ بعثتِ نبوی ﷺ سے پہلے کی عالمی تاریخ کے علاوہ عصری تاریخ کے حوالے سے قرآن نے جو معلومات فراہم کیں وہ مسلمانوں کے لیے تاریخ کا مآخذِ اوّل قرار پائیں۔

ان اخبار و قصص کے بیان میں قرآن نے بین السطور وہ متعینہ قوانین اور اصول بھی بیان کر دیے جن سے آج بھی راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان میں:

☆ پہلا اصول یہ ہے کہ کائنات ایک منظم ضابطے پر چل رہی ہے اور تاریخ محض اتفاقات کا نام نہیں۔

☆ دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹا دی جاتی ہیں جو اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکی ہوں خواہ وہ مادی ترقی کے حوالے سے اپنے دور عروج میں ہی کیوں نہ ہوں۔

☆ تیسرا اصول یہ ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک مہلتِ عمل ہے، اس مہلتِ عمل کے دوران اگر وہ سرکشی اور بغاوت سے باز نہ آئیں تو ان کی جگہ دوسری قوم کو اپنا کردار ادا کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

☆ چوتھا اصول یہ ہے کہ قومیں خود کو بدل سکتی ہیں اگر وہ یہ عزم کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی مدد آتی ہے۔

☆ پانچواں اصول یہ ہے کہ ایک قوم کو اس دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے دوبار موقع نہیں دیا جاتا۔ ان کی جگہ دوسری قوم کو ان کا جانشین بنا دیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ہود کی قوم عاد نے سرکشی اختیار کی تو ان کی تمام تر مادی ترقی کے باوجود ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا اور ان کی جگہ حضرت صالح کی قوم ثمود نے لے لی۔

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

"اور یہ زمانے کے انقلاب ہیں جن کو ہم لوگوں میں گردش دیتے رہتے ہیں۔"

---

22 الرعد: 11

23 مزید دیکھیے سورۂ انفال: 53

24 سورۂ محمد: 38

25 صدیقی، عبدالحمید، اسلام کا فلسفہ تاریخ (مکتبہ چراغ راہ، لاہور، 1954ء)، ص: 124

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمود احمد غازی

معیشت کی بنیادیں
قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے ۔ مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے کہ خالق کائنات کا یہ پیغام اور آخری شریعت کا یہ ہدایت نامہ زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں جامع ہدایات اور بنیادی رہ نمائی فراہم کرتا ہے ۔ اس کتاب ہدایت میں جہاں روحانی اور اخلاقی معاملات کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں ، وہاں اجتماعی زندگی کے بارے میں بھی بنیادی رہ نمائی فراہم کر دی گئی ہے ۔ اجتماعی زندگی کا ایک بہت اہم شعبہ انسان کی معاشی اور اقتصادی زندگی ہے جس پر اس کی مادی زندگی کی کامیابی کا بہت بڑا دار و مدار ہے ۔ اگر معاشی زندگی ناکام ہو ، اگر انسان فقر و فاقہ کا شکار ہو ، اگر انسان کو مادی وسائل دستیاب نہ ہوں تو اس کے لیے اپنے دینی تقاضوں کی انجام دہی بھی بعض حالات میں انتہائی مشکل اور کبھی کبھی بالکل ہی نا ممکن ہو جاتی ہے ۔ اس لیے قرآن مجید نے جہاں خالص دینی اور روحانی ذمے داریوں کی بات کی ہے ، وہاں انسان کی معاشی ضروریات اور معاشی تقاضوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ۔ اس لیے کہ انسان اپنے روحانی معاملات میں ، دینی ذمے داریوں اور اخلاقی تقاضوں کو کماحقہ اسی وقت کر سکتا ہے ، جب اس کو بہ قدر ضرورت مادی وسائل اور اسباب میسر ہوں۔

مادی وسائل اور اسباب کا حصول معاشی سرگرمیوں پر موقوف ہے ۔ معاشی سرگرمی اگر قانون اور اخلاق کی حدود کے اندر ہو ، اگر اس میں تعاون اور برادری کی فضا موجود ہو ، اخلاق اور کردار کا ماحول قائم ہو تو پھر معاشی سرگرمی بہت جلد ان نتائج تک پہنچا دیتی ہے جو انسانوں کی کامیابی کے لیے ناگزیر ہیں ۔

جب ہم یہ بات کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اور سنت رسول میں انسان کی معاشی زندگی کی بنیادی ہدایات موجود ہیں تو ہماری مراد یہ نہیں ہوتی کہ قرآن کریم کوئی معاشیات کی کتاب ہے یا قرآن مجید نے اس طرح کوئی معاشی نظام دیا ہے جس طرح معاشیات کی کتابیں معاشی نظام سے بحث کرتی ہیں ۔ قرآن مجید دراصل ایک کتاب ہدایت ہے ۔ ہدایت ہی اس کی اصلی صفت ہے ۔ اس کا نام ہی ہدیٰ یا کتاب ہدایت ہے جو زندگی کے مختلف معاملات میں ہدایات اور رہ نمائی فراہم کرتی ہے ۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب نہیں ہے کہ وہ زندگی کے کسی شعبے سے فنی اسلوب میں بحث کرے ، قانون دانوں نے قانون دانوں کی زبان میں ، معاشیات کے ماہرین سے معاشیات کی زبان میں ، مؤرخین سے مؤرخین کے اسلوب میں ، مفکرین سے فلسفے کی اصطلاحات میں بات کرے ۔

قرآن مجید نے یہ اسلوب اختیار نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید ہر انسان کے لیے یکساں کتاب ہدایت ہے ۔ جہاں وہ بڑے بڑے فلسفیوں اور ماہرین فن کے لیے ہدایت کا سامان رکھتی ہے ، وہاں وہ ایک عام انسان کے لیے بھی رہ نمائی فراہم کرتی ہے ۔ ایک بدوی ، ایک کوہستانی اور ایک صحرائی جو کسی خاص فن سے واقفیت نہیں رکھتا ، وہ بھی قرآن مجید سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے اور اپنی سطح ، اپنی اہلیت اور اپنی سکت کے مطابق قرآن مجید کی رہ نمائی سے مستفید ہو سکتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید عمدہ ترین دماغوں اور اعلیٰ ترین سطح کے مفکرین کے لیے بھی کتاب ہدایت ہے ۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ انسانی تاریخ کے بہت دماغوں نے ، اعلیٰ ترین بصیرت رکھنے والے انسانوں نے ، اور اپنے اپنے زمانے کے ائمہ فن نے قرآن مجید پر غور کیا ہے ۔ اس کے ایک ایک لفظ ، ایک ایک حرف اور ایک ایک شوشے پر سیکڑوں ، ہزاروں بار گفتگو ہوئی ہے ۔ دور صحابہ اور ائمہ مجتہدین سے لے کر بعد کے اہل علم تک سب مصنفین نے اپنی تصنیفات میں ، مدرسین نے اپنے درسوں میں ، مبلغین نے اپنی دعوت و تبلیغ کی سرگرمیوں میں ، محققین نے اپنی تحقیقات میں ، مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ، فقہا نے فقہی مباحث میں ، متکلمین نے اپنے کلامی مناقشات میں ۔ غرض ہر فن کے ماہرین نے قرآن مجید کی آیات پر غور و فکر کا حق ادا کر دیا ہے ۔ قرآن مجید کی آیات اور نصوص سے وہ رہ نمائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جو یہ کتاب فراہم کرتی ہے۔

یہ بھی اس کتاب کا ایک معجزہ ہے کہ یہ بہ یک وقت ایک عام انسان سے جو کسی خاص فن میں مہارت تو کیا ، ابتدائی واقفیت بھی نہیں رکھتا اور ایک اعلیٰ ترین مفکر و متخصص سے بہ یک وقت خطاب کرتی ہے اور دونوں بہ یک وقت اپنی اپنی سطح کے مطابق اس کتاب سے رہ نمائی حاصل کرتے ہیں ۔

دوسری اہم بات قرآن مجید کے طالب علم کو یہ ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ قرآن مجید اجتماعی ، اقتصادی اور مادی معاملات کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے زیادہ اعتنا کرتا ہے ۔ معاملات کے خالص انتظامی اور دنیاوی پہلوؤں کے مقابلے میں قرآن پاک کی زیادہ دلچسپی ان امور کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے ہے ۔ یقیناً معاملات کے دنیاوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مادی پہلو قرآن کریم نے نظر انداز نہیں کیے ، لیکن ان سے قرآن کریم کی دلچسپی جزوی ہے ۔ قرآن کریم کی اصل دلچسپی معاملات کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں سے ہے ۔ خاص طور پر ان پہلوؤں پر قرآن کریم زیادہ زور دیتا ہے جہاں انسانوں سے کسی قسم کی غلطی یا بھول چوک کا امکان زیادہ ہوتا ہے ۔ جہاں انسانوں سے ماضی میں غلطیاں ہوئی ہوں یا آج غلطیاں ہو رہی ہوں یا آئندہ غلطی ہونے کا امکان ہو ، ایسے معاملات پر قرآن کریم نے خصوصی زور دیا ہے اور انسانوں کی رہ نمائی کا پورا پورا بندوبست کیا ہے جو معاملات انسان اپنی عقل اور تجربے سے دریافت کر سکتا ہے ، وہ قرآن کریم نے بیان نہیں کیے ۔ قرآن کریم یہ بیان کرنے کے لیے نہیں آیا کہ سڑکیں کیسی بنائی جائیں ۔ بیماریوں کا علاج کیسے کیا جائے ، عمارتیں کیسی بنائی جائیں ۔ یہ وہ معاملات ہیں جو انسان اپنے تجربے سے ، مشاہدے سے اور غور و فکر سے خود معلوم کر سکتا ہے ۔ معاشیات کے باب میں بھی یہ دونوں پہلو بہ یک وقت موجود ہیں ۔ معاشیات کا سب سے بنیادی ، اہم اور اساسی پہلو وہ ہے جس کو ہم معیاراتی یعنی Normative پہلو کہہ سکتے ہیں ۔ یہ وہ پہلو ہے جس کا تعلق اخلاقی معیارات اور اخلاقی اصولوں سے انتہائی گہرا ہے جس کا تعلق روحانی اور دینی معاملات سے ہمیشہ سے قائم رہا ہے اور قائم رہنا چاہیے۔

دوسری طرف معاشیات کے بعض معاملات وہ ہیں جو خالص تجربے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ مثال کے طور پر کپڑے کا کاروبار کیسے کیا جائے ؟ زرعی پیداواروں کی تجارت کو کیسے فروغ دیا جائے ، کسی خاص زمانے یا علاقے میں تجارت کو کامیاب بنانے کے لیے وہ کیا کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جو جائز ہوں ، جو اخلاق اور کردار کے تقاضوں کے مطابق ہوں ، بازار کہاں اور کیسے بنائے جائیں ۔ یہ معاشیات کے وہ پہلو ہیں جو خالص تجربی اور مشاہداتی ہیں ۔ انسان اپنے تجربے اور مشاہدے سے ، مطالعے اور غور و فکر سے اس طرح کی انتظامی تدبیریں اختیار کر سکتا ہے اور ان کو بہتر بنا سکتا ہے ۔ اس لیے قرآن مجید نے اور قرآن مجید کی شرح اور تفسیر ، سنت نبوی نے ان معاملات کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بنایا۔

قرآن مجید اور سنت کی توجہ کا مرکز وہ معاشی معالات ہیں جن میں Normative پہلو بہت نمایاں ہیں ۔ دولت کو کیسے حاصل کیا جائے ، کہاں خرچ کیا جائے ، کیسے خرچ کیا جائے ، کون سے معاملات جائز ہیں ، کون کون سے معاملات نا جائز ہیں ؟ کاروبار و تجارت کے بنیادی اخلاق و اصول کیا ہونے چاہئیں ؟ انسانوں کا آپس کا لین دین ، تجارت اور مالی تعاون کس نہج پر استوار ہونا چاہیے ؟ یہ وہ معاملات ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید نے بنیادی ہدایات دی ہیں۔

قرآن کریم کا ایک اسلوب اور بھی پیش نظر رہنا چاہیے ، وہ یہ کہ یہ کتاب دنیا کی دوسری کتابوں کی طرح انسانوں کی تصنیفات کے انداز پر موضوعات کے حساب سے مرتب نہیں ہے ۔ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید میں کوئی سورۃ الاقتصاد ہو ، یا سورۃ معاشیات ہو ، سورۃ مالیات ہو ، سورۃ تجارت ہو ! یہ قرآن کریم کا اسلوب نہیں ہے ۔ یہ اسلوب انسانوں کی تصنیفات اور بشری تخلیقات میں پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم کا اسلوب انسانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے ۔ قرآن کریم میں مختلف مضامین کو اس طرح سے جا بہ جا ، نئے نئے انداز میں ، نئے نئے طریقوں سے پیش کیا گیا ہے کہ اس کے مختلف پہلو پڑھنے والوں کے ، سننے والوں کے اور قرآن کریم کے طلبہ کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں ۔ چنانچہ بعض اوقات سابقہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں ، کہیں عبادات کے سیاق و سباق میں ، کہیں روز قیامت کی باز پرس کے سیاق و سباق میں ، کہیں عبادات اور دوسرے احکام پر بات کرتے ہوئے قرآن مجید میں جا بہ جا ایسی ہدایات رکھ دی گئی ہیں جو معاشی نوعیت کی ہیں ۔

جس طرح کسی بڑی خوبصورت اور پر شکوہ عمارت میں جا بہ جا حسب موقع نفیس اور قیمتی نگینے اور پتھر جڑ دیئے جاتے ہیں ، اسی طرح قرآن مجید میں جگہ جگہ ہدایات کے یہ موتی رکھ دیئے گئے ہیں ۔ جب قرآن مجید کا ایک قاری کسی بھی سورت کی تلاوت کرتا ہے ، چاہے اس میں براہ راست احکام بیان نہ ہوئے ہوں ، لیکن جب وہ پڑھتا ہے تو پڑھتے پڑھتے ایسی بہت سی چیزیں اس کے ذہن نشین ہوتی جاتی ہیں جو انسان کے رویے کی تشکیل میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

انسان کے رویے کی تشکیل ، انسان کی ذہن سازی ، کردار سازی اور اخلاق کی تعمیر ، یہ اہداف قرآن مجید کا سب سے بڑا مقصود ہیں ۔ ایک مرتبہ یہ کردار سازی ہو جائے ، ایک مرتبہ مناسب رویے کی تشکیل ہو جائے تو پھر یہ رویہ معاشیات میں بھی جھلکتا ہے ، سیاسیات میں بھی جھلکتا ہے اور زندگی کے دوسرے تمام پہلوؤں میں بھی نظر آتا ہے ۔ اسی لیے جہاں جہاں قرآن مجید اس طرح کے مضامین کو بیان کرتا ہے ، وہاں جگہ کہیں کوئی معاشی انداز کی ہدایت ہے ، کہیں کوئی ثقافتی رہ نمائی ہے ، کہیں اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہدایات ہیں ۔ کہیں انسانوں کے درمیان آپس کے میل جول اور تعاون کا تذکرہ ہے ۔ اس طرح سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا جب بار بار اس کی تلاوت کرتا ہے تو جہاں اور بہت سے حقائق اس کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں ، وہاں اسلام کی معاشی تعلیم کی اساس اور بنیاد بھی اس کے ذہن میں پوری طرح سے راسخ اور مرتسم ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم کی یہ ہدایات اگر یکجا کی جائیں ، ان کو ایک جگہ جمع کر کے ان کی فہرست بنائی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں جزوی معاشیات سے متعلق ہدایات بھی ہیں اور کلی معاشیات سے متعلق ہدایات بھی ہیں ۔ یعنی قرآن مجید نے Micro-Economics کے مسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Macro-Economics کے وسائل کا تذکرہ بھی کیا ہے ۔ قرآن مجید نے یہ بھی بتایا ہے کہ ایک فرد کا معاشی رویہ کیا ہونا چاہیے ، معاشرے اور ریاست کی ذمے داریاں کیا ہونی چاہئیں ۔ بحیثیت مجموعی عامۃ الناس کی معاشی بھلائی کے لیے کیا کیا اقدامات کیے جانے چاہئیں ۔ ان تصورات کی بنیاد پر فقہائے اسلام نے اپنے اپنے زمانوں میں ، اپنے اپنے حالات کے لحاظ سے ، اپنے اپنے تہذیبی تقاضوں کے لحاظ سے اس معاشی نظام کی تشکیل کی ہے جس کو ہم اسلام کا نظام معیشت یا نظام تجارت قرار دے سکتے ہیں ۔

اسلامی تاریخ میں ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے اور نہ صرف اسلامی تاریخ میں بلکہ دنیا کی ہر قوم کی تاریخ میں ایسا زمانہ گزرا ہے جب معاشی سرگرمی کے بڑے بڑے میدان صرف دو تھے ، زراعت اور تجارت ۔ ان دونوں کے مقابلے میں صنعتکاری کا معاملہ بہت بعد میں سامنے آیا ہے ، دستکاری نے ترقی بہت بعد میں کی ہے ۔ اجتماعی تجارت یعنی Carporate Trade or Finance حال ہی میں شروع ہوئی ہے ۔

جس زمانے میں قرآن کریم نازل ہوا ، اس زمانے میں پوری دنیا میں جو تجارت ہو رہی تھی ، اس کا بڑا حصہ زراعت پر اور زرعی مصنوعات پر مشتمل تھا ۔ بہت تھوڑا حصہ تھا جس کا تعلق غیر زرعی مصنوعات سے رہا ہو ۔ اس لیے جب فقہائے اسلام نے پہلی صدی ہجری کے اواخر سے لے کر اور دوسری صدی ہجری کے اواخر تک کے زمانے میں فقہی احکام کی ترتیب کا آغاز کیا اور بعد میں ان کے تلامذہ نے پورے فقہی مکاتب مرتب کر دیئے تو انہوں نے اپنے زمانے کے لحاظ سے اسلام کی معاشی تعلیمات کو بھی مرتب کیا ، اپنے اجتہادات سے اس زمانے میں پیش آئندہ مسائل کا جواب دینے کی کوشش کی ۔

جس زمانے میں امام محمد بن حسن الشیبانی فقہ حنفی کے وہ ابواب مرتب کر رہے تھے جن کا تعلق معاملات سے ہے تو وہ بازار میں جا کر بیٹھا کرتے تھے ، دکان داروں کو کاروبار کرتے دیکھا کرتے تھے ، خریداروں کے انداز خریداری کا مطالعہ کرتے تھے ۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ کاروبار اور تجارت کی کون کون سی شکلیں ہیں جو کوفہ کے بازار میں رائج ہیں یا بغداد کے بازار میں رائج ہیں ۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں بزنس ایڈمنسٹریشن Business Administration کا علم حاصل کر رہے تھے ۔ بزنس ایڈمنسٹریشن کا علم حاصل کرنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ معلوم کریں کہ ان کے زمانے میں ، ان کے علاقے میں ، ان کی قوم میں تجارت اور کاروبار ، معیشت و تجارت کی کتنی شکلیں رائج ہیں ۔ کون کون سی صورتیں ہیں جن کے ذریعے لوگ آپس میں لین دین کر رہے ہیں ، تاکہ ان صورتوں کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں وہ قرآن کریم اور سنت کے احکام کی روشنی میں کوئی فتویٰ دے سکیں ۔

اس گزارش کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم کا تعلق ہے تو وہ ایک دائمی اساس ہے ، جو ہمیشہ رہے گی ۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر ہمیشہ عمارت کی تعمیر ہوتی رہی گی ۔ ان دو بنیادوں کے ساتھ ساتھ ائمہ اسلام کے وہ اجتہادات بھی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جس پر اتفاق رائے رہا ہے ۔ جس پر اسلامی تاریخ میں تسلسل کے ساتھ عملدرآمد ہوتا رہا ہے ۔ ان کی حیثیت بھی اسی طرح دائمی ہے جس طرح قرآن کریم اور سنت ثابتہ کی حیثیت دائمی ہے ۔ لیکن وہ اجتہادات جو ائمہ فقہ نے اپنے زمانے کے لحاظ سے کیے ہیں ، چاہے وہ دوسری صدی ہجری کے ائمہ فقہ ہوں یا تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری کے ائمہ فقہ ہوں ۔ ان اجتہادات میں ایسے تمام امور جن کا تعلق خاص ان کے زمانے یا ان کے علاقے سے ہے ، یا ایسے رواج سے ہے جو اس علاقے میں یا اس زمانے میں پایا جاتا تھا اور آج وہ رواج ختم ہو گیا ۔ ایسے تمام احکام پر نظر ثانی ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے ۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے نظام معیشت و تجارت کی عملی تفصیلات ہر زمانے میں مختلف ہو سکتی ہیں ۔ یہ تفصیلات مختلف زمانوں کے لحاظ سے مختلف انداز سے مرتب کی جا سکتی ہیں ۔ مختلف علاقوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں ۔ اس لیے ماضی کے کسی ایسے رواج یا طریق کار کو جس کی بنیاد محض اجتہاد یا عرف و عادت پر ہو لازمی طور پر باقی رکھنا اور اس کے باقی رہنے پر اصرار کرنا درست نہیں ہے ۔ یہ قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کا منشا نہیں ہے ۔ جس تعلیم کو بقا ہے ، جس حکم کو دوام ہے وہ قرآن مجید کے احکام ہیں ، وہ سنت رسول ﷺ کے احکام ہیں اور ائمہ اسلام کے متفقہ اجتہادات ہیں ۔ اس لیے یہ بات انتہائی مناسب اور ناگزیر ہے کہ قرآن کریم روشنی میں ان بنیادی احکام اور تصورات کو یکجا کر دیا جائے جن کا تعلق انسان کی معاشی زندگی اور تجارت سے ہے ۔

قرآن کریم نے کئی بار یہ بات واضح کی ہے کہ انسانی زندگی کے بارے میں بنیادی ہدایات فراہم کرنا ، صرف اللہ کا کام ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے ، اللہ تعالیٰ انسان کو خود انسان سے زیادہ جانتا ہے ، وہ اس کی کمزوریوں ، اس کی ضرورتوں اور اس کی خوبیوں سے خود انسان کے مقابلے میں کہیں زیادہ واقف ہے اور کہیں زیادہ بہتر جانتا ہے ۔ اس لیے وہ انسانوں کو نظام دینے کا بھی مستحق ہے ۔ وہ اس بات کا بھی حقدار ہے کہ انسانوں کے لیے قوانین وضع کرے ۔ وہ اس کا بھی حقدار ہے کہ انسانوں کے برے اور بھلے کا تعین کرے :

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ [1]

" جس نے پیدا کیا ہے وہ نہیں جانتا ؟ (کہ انسان کیا ہے اور اس کی ضروریات کیا ہیں) "

پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں فسق و فجور اور تقویٰ اور للّٰہیت دونوں کے دواعی رکھے ہیں ۔

---

[1] الملک : 14

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کے اندر جہاں اچھائیاں موجود ہیں، جہاں مثبت اور تعمیری رجحانات ہیں، وہاں انسان کے مزاج میں بعض منفی رجحانات بھی موجود ہیں، بعض تخریبی تقاضے بھی انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور ان دونوں تقاضوں اور دونوں رجحانات کے درمیان ایک کشمکش انسان کی زندگی میں ہمیشہ جاری رہی ہے۔ یہ کشمکش اگر حدود کی پابند نہ بنائی جائے تو پھر انسان کے اندر جو منفی رجحانات ہیں وہ غالب آ جاتے ہیں۔ مثبت رجحانات دب جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہونے لگے تو پھر انسان کی زندگی کے سارے پہلو مختلف ہو جاتے ہیں۔ معاشی زندگی بھی اس اختلاف سے محفوظ نہیں رہتی۔ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ وہ ہوس اور زر پرستی اور حرص ولالچ کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ وہ لالچ کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ کبھی کبھی اس پر شہوات کا غلبہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ بہت سے حقائق اور نازک ذمے داریوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ بعض اوقات لالچ اور ہوس اتنی شدت سے انسان پر مسلط ہوتے ہیں کہ اس میں اپنے اور پرائے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ اس لیے اخلاقیات اور روحانیات کا، انسان کی معاشی زندگی سے انتہائی گہرا تعلق ہے۔

لوگوں کے معاشی حقوق کا تحفظ، انسانوں کے جان و مال کا تقدس اور انسانوں کے لیے ایک ایسے ماحول کی فراہمی جہاں ہر شخص جائز طریقے سے اپنی صلاحیتوں کے مطابق روزی کما سکے، یہ سب انتہائی ناگزیر امور ہیں۔ ان سب امور کا تعلق اخلاقیات سے بہت گہرا ہے۔ اگر انسان اخلاقی اصولوں پر کاربند نہ ہوں، معاشرے میں روحانی اقدار جاری اور ساری نہ ہوں تو یہ سب کام سکون اور اطمینان کی فضا میں انجام نہیں دیئے جا سکتے۔

قرآن مجید نے انسان کی جو بنیادی ذمے داریاں بتائی ہیں وہ تین طرح کی ہیں۔

ایک ذمے داری تو وہ ہے جس کا تعلق انسان اور پوری کائنات سے ہے۔

ایک ذمے داری وہ ہے جس کا تعلق انسان اور اس روئے زمین سے ہے جہاں وہ آباد ہے۔

تیسری ذمے داری وہ ہے جس کا تعلق صرف خالق کائنات سے ہے۔ یوں تو ساری ذمے داریوں کا تعلق خالق کائنات سے ہے، اس لیے کہ اسی نے پیدا کیا ہے، ذمے داریاں بھی اسی نے دی ہیں لیکن ایک خاص پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تین ذمے داریاں سامنے آتی ہیں۔ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور فرشتوں کے سامنے پیدائش آدم کا ذکر کیا، تخلیق آدم کا ارادہ ظاہر کیا تو وہاں یہ ارشاد فرمایا کہ وہ ایک جانشین پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کا جانشین گویا اللہ کی تمام مخلوقات سے افضل ہوگا۔ بقیہ مخلوقات کو تو جانشینی عطا نہیں ہوئی۔ اس لیے جس مخلوق کو جانشینی عطا ہوئی ہے وہ ان تمام مخلوقات سے افضل ہوگی جن کو جانشینی کی ذمے داری عطا نہیں فرمائی گئی۔ گویا خلافت وہ ذمے داری ہے جس کا تعلق پوری کائنات سے ہے، جس کا اثر پوری کائنات پر پڑتا ہے۔

دوسری ذمے داری وہ ہے جس کا تعلق صرف ذات الٰہی سے ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ [2]

" میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔"

یہ ذمے داری صرف اللہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ انسان اور اللہ کے درمیان براہِ راست ربط اسی ذمے داری کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

تیسری ذمے داری وہ ہے جس کا تعلق اس روئے زمین سے ہے۔ اس ذمے داری کا کئی کئی آیات میں مختلف انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا:

وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا [3]

" اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ بات طلب کی ہے کہ تم اس روئے زمین کو آباد کرو۔"

تعمیر ارض یا عمارت ارض، عمارت زمین یا تعمیر زمین کو انسان کا فریضہ بنایا گیا ہے۔ اسی لیے زمین کو انسانوں کے لیے متاع کہا گیا کہ اس زمین میں تمہارے لیے متاع ہے۔ یعنی ایک ایسا وقفہ ہے جس میں تم اس زمین کی نعمتوں سے متمتع ہو سکتے ہو۔ لذت اندوز ہو سکتے ہو، زمین سے لذت اندوز ہونے کے لیے ناگزیر ہے کہ اس کو آباد کیا جائے۔ اگر کوئی انسان کسی ریگستان میں پہنچ جائے، وہاں وہ تمتع حاصل نہیں کر سکتا۔ تمتع کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ریگستان کو گل و گلزار میں تبدیل کیا جائے۔ لہٰذا متاع کا لفظ اس بات کا واضح طور پر غماز ہے کہ انسان کو اس روئے زمین کو آباد کرنے کی ذمے داری سپرد کی گئی ہے۔ زمین کی آباد کاری کے بارے میں قرآن کریم نے اور احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد ہدایات دی ہیں۔ عمارۃ الارض سے متعلق جو یہ آیت کریمہ ہے وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا [4]۔ اس کی تفسیر میں مشہور مفسر قرآن اور محدث و مورخ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس زمین کا آباد کار بنایا ہے۔ تم اس کو آباد کرو گے، اس سے رزق حاصل کرو گے، اس میں کاشت کرو گے اور اس سے وہ تمام فوائد اُٹھاؤ گے جو تمہیں اُٹھانے چاہئیں۔

علامہ قرطبی نے جو قرآن کریم کے ایک بہت مشہور مفسر ہیں، لکھا ہے کہ اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمین کی آباد کاری اور تعمیر زمین انسانوں کے ذمے فریضہ ہے، یہ کام دینی طور پر فرض اور واجب ہے۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دیتا ہے یا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے تو وہ مطالبہ یا حکم فرضیت یا وجوب کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے یہاں یہ بات ماننے کے مضبوط قرائن موجود ہیں کہ تعمیر زمین کی ذمے داری انسان کے

[2] الذاریات: 56
[3] ہود: 61
[4] ہود: 61

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمے ایک فریضے کی حیثیت رکھتی ہے اور انسان کا یہ کام ہے کہ اس زمین کو آباد کرے۔

آبادی زمین یا تعمیر ارض وہ چیز ہے جس کو مزید وضاحت کی خاطر ترقی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جب زمین کو آباد کیا جائے گا تو زمین ترقی کرے گی، زمین کی پیداوار ترقی کرے گی۔ یہ بات مفسرین اسلام نے صراحت سے ارشاد فرمائی ہے۔ علامہ ابو بکر جصاص نے لکھا ہے، جو اپنے زمانے کے سب سے بڑے حنفی فقیہ اور مشہور مفسر قرآن ہیں کہ وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعمیر زمین کا کام واجب ہے۔ تعمیر زمین زراعت کے ذریعے ہو۔ شجرکاری کے ذریعے ہو، باغات کے ذریعے ہو، تعمیرات کے ذریعے ہو، عمارتیں بنا کر ہو جس انداز سے بھی جس زمین کی آبادکاری کی جائے گی، وہ قرآن مجید کے اس حکم کی تعمیل ہوگی جس میں انسانوں کو اس زمین کو آباد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

زمین کی آباد کاری، زراعت، شجر کاری، تعمیرات ان سب کا تعلق ایک اعتبار سے عمل صالح سے ہے۔ قرآن مجید نے عمل صالح کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔ قرآن مجید میں سیکڑوں مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح اور دوسری نیکیوں کے ساتھ بھی عمل صالح کا تذکرہ کیا گیا۔ عمل صالح سے مراد ہر وہ عمل ہے جو خود انسان کے لیے یا انسانیت کے لیے مفید اور فائدہ مند ہو۔ چاہے وہ اس دنیا میں فائدہ مند ہو یا اُس دنیا میں فائدہ مند ہو۔

صالح کا لفظ اسی مادے سے نکلا ہے جس سے مصلحت کا لفظ نکلا ہے جس سے صلاح کا لفظ نکلا ہے۔ انسانوں کی اس دنیا میں صلاح اور اصلاح قرآن کریم کا مقصود اوّلین ہے۔ مجتہدین اسلام نے لکھا ہے کہ قرآن کریم اور سنت کے ہر حکم کی پشت پر لازماً کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا مصلحت، صلاح اور اصلاح ان سب کا قرآن مجید اور اسلامی شریعت سے گہرا تعلق ہے۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمل صالح سے مراد ہر وہ عمل ہے جو شریعت الٰہی کے مطابق ہو، جس کا مقصد آخرت میں انسانوں کی کامیابی، اس دنیا میں انسان کی کامیابی، آخرت میں انسانوں کی فلاح و بہبود یا اس دنیا میں انسانوں کی فلاح و بہبود ہو۔ معاشی ثمرات اور اہمیت کے اعتبار سے عمل صالح کے مقام و مرتبہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جب قرآن کریم عمل صالح پر زور دیتا ہے، انسانوں کو عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے تو اس میں معاشی سرگرمی اور پیداواری سرگرمی بھی شامل ہوتی ہے۔ یقیناً عمل صالح کے بہت سے درجات ہیں۔ عمل صالح کے بہت سے مدارج اور مراحل ہیں۔ عمل صالح کا سب سے اونچا درجہ وہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کا براہِ راست اللہ سے تعلق مضبوط ہو جائے۔ خالص عبادات مثلاً خالص ذکر الٰہی ہے، نماز اور روزہ ہے، یہ عمل صالح کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ اس کے بعد درجہ بہ درجہ ایسے اعمال آتے ہیں جو اپنی سطح پر، اصلاح، صلاح اور مصلحت کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ طلب رزق بھی عمل صالح کی ایک قسم اور ایک درجے میں شامل ہے۔ ایک روایت جس سے اکثر پاکستانی واقف ہیں، اس لیے کہ پاکستان میں کرنسی نوٹوں پر یہ عبارت چھپی ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ طلب رزق حلال عبادت ہے۔ اگر یہ سرگرمی عبادت ہے تو وہ عمل صالح میں بھی شامل ہے۔

اللہ کی شریعت نے جہاں انسانوں کو عمل صالح اور معاشی سرگرمی میں حصہ لینے کا حکم دیا ہے، وہاں یہ بھی نشان دہی کی ہے کہ انسانوں کے رزق کا بندوبست اس پوری زمین میں اور زمین کے قرب و جوار میں پائی جانے والی مخلوقات میں کر دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ مضمون مختلف انداز میں بیان ہوا ہے۔ احادیث میں بھی بیان ہوا ہے جس میں رزق کی دستیابی وسائل رزق کی فراہمی اور حصول رزق کے لیے کوشش کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ آیا ہے:

وَفِي ٱلسَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ [5]

" اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں تمہارا رزق پیدا کر دیا ہے اور جن جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ان سب کا بندوبست اور سامان موجود ہے۔"

ایک جگہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے، ایک روایت میں جس کو طبرانی اور ابن حبان سے روایت کیا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

" جس طرح انسان کی موت اس کا پیچھا کرتی ہے اور مقررہ وقت پر اس کو آ لیتی ہے، جس سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہے، اس طرح سے انسان کا رزق بھی انسان کا پیچھا کرتا ہے۔"

جو رزق اللہ نے انسان کے لیے لکھ دیا ہے، وہ اس کو ہر صورت ملے گا۔ ابن ماجہ کی ایک روایت ہے:

"ان النفس لن تموت حتي تستكمل رزقها۔" [6]

" کسی ذی روح کو موت نہیں آئے گی، کسی انسانی جان کو موت نہیں آئے گی، جب تک وہ اپنا لکھا ہوا رزق پورا کا پورا حاصل نہ کرلے۔"

چونکہ رزق اور وسائل رزق سب کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اور ہر انسان کا حصہ اللہ نے اپنے علم میں مقرر کر دیا ہے، اس لیے انسان کو طلب رزق میں اعتدال اور اجمال سے کام لینا چاہیے۔ آپ نے جمعہ کے خطبوں میں یہ حدیث بارہا سنی ہوگی:

"واجملوا في الطلب وتوكلوا عليه" [7]

"دنیا کی طلب میں، مال و دولت کے حصول میں، روزی کی تلاش میں، اجمال یعنی اعتدال سے کام لو۔"

آپے سے باہر نہ ہو، اپنی تمام دینی مصروفیات کو نظر انداز نہ کرو، اپنے اخلاقی اور روحانی تقاضوں کو نہ بھولو۔ زندگی کی اعلیٰ تر، اہم تر اور برتر ذمے

---

5 الذاریات: 22

6 ابن ماجہ

7 بیہقی، شعب الایمان: 1084۔ اس روایت میں اجملوا في الطلب تک منقول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داریوں کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ حصول رزق کے لیے اعتدال اور اجمال کے ساتھ کوشش کی جائے تو یہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہے لیکن تمام جسمانی تقاضوں کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے، مادی وسائل ہی پر سارا دارومدار ہو اور انسان رزق کی تلاش میں اپنے روحانی منصب کو بھول جائے، دینی ذمے داریوں کو فراموش کر دے، اخلاقی تقاضوں کو پس پشت ڈال دے تو یہ رویہ معیاری اور مثالی اسلامی رویہ نہیں ہے۔ اس رویے کا توکل سے بڑا گہرا تعلق ہے۔

چنانچہ اسی حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"واجملوا في الطلب وتوكلوا عليه۔"

جہاں مادی وسائل کے حصول میں، مال و دولت کی تلاش میں اجمال سے کام لو، وہاں اللہ پر توکل بھی کرو۔ توکل کے معنی ہیں ان تمام جائز اسباب اور جائز وسائل و ذرائع کو شریعت کی حدود کے اندر استعمال کرنا جو حصول رزق کے لیے نا گزیر ہیں اور پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا۔ ہر دور کے وسائل اور اسباب بدلتے رہتے ہیں۔ ہر دور کے ذرائع رزق تبدیل ہوتے رہتے ہیں ۔ نئے نئے وسائل، نئے نئے اسباب سامنے آتے رہتے ہیں ۔ ان نئے نئے اسباب اور وسائل میں کچھ جائز ہوتے ہیں ، کچھ نا جائز ہوتے ہیں ۔ جائز وسائل کو اختیار کرنا ، اعتدال اور اجمال کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ، دینی ذمے داریوں کو نباہتے ہوئے ، اخلاقی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور اپنے اعلیٰ روحانی اور ملکوتی منصب کا خیال رکھتے ہوئے ، یہ سب کام بہ یک وقت کیے جائیں تو یہ اللہ کی شریعت کے مطابق عبادت سے کم نہیں ہے۔

قرآن مجید نے جابجا انسانوں کو یہ یاد دلایا ہے کہ اخروی مناصب اور روحانی مقامات کا حصول دنیوی زندگی کے تقاضوں سے متعارض نہیں ہے ۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہو سکتے ہیں اگر دونوں کو شریعت کے مطابق انجام دیا جائے ۔ مثال کے طور پر ، مشہور آیت جو اکثر بیان کی جاتی ہے ، اس کی صحیح تفسیر یہی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَٱبْتَغِ فِيمَآ ءَاتَىٰكَ ٱللَّهُ ٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ ٱلدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ ٱلْفَسَادَ فِى ٱلْأَرْضِ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ [8]

" اور طلب کرو (اس مال و زر) سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے ، آخرت کا گھر ۔ اس دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو اور جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے یعنی تمہیں دیا ہے ، تم بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرو۔"

یعنی اپنے رزق میں اللہ کی مخلوق کا حصہ نکالنا مت بھولو۔ اللہ نے ہر ایک کے رزق میں دوسرے انسانوں کا حصہ رکھا ہے۔ جس طرح تمہیں اللہ نے دیا ہے، تم دوسروں کو دینے کا ذریعہ بنو۔

اسی آیت مبارکہ میں اس کے ساتھ ساتھ ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَبْغِ ٱلْفَسَادَ فِى ٱلْأَرْضِ [9]

"زمین میں فساد اور سرکشی کی کوشش نہ کرو۔"

مال و دولت کی اگر زیادتی ہو ، اسباب رزق کی فراوانی ہو ، وسائل دنیا کی جب بہتات ہو تو انسان اپنی اخلاقی ذمے داریوں کو بھول جاتا ہے ۔ جب انسان اپنی اخلاقی ذمے داریوں کو بھول جاتا ہے ، اپنے اعلیٰ روحانی منصب کو فراموش کر دیتا ہے تو اس کے نتیجے میں فساد پیدا ہوتا ہے ۔ اس لیے فساد سے بچتے رہنا ، یہ مال و دولت کا لازمی نتیجہ ہونا چاہیے۔

اسی طرح ایک دوسری مشہور آیت جس میں قرآن کریم نے ایک دعا سکھائی ہے جو ہم میں سے اکثر لوگ نماز میں پڑھتے ہیں:

رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِى ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴿٢٠١﴾ [10]

یہاں اللہ سے دنیا میں بھی اچھائی مانگنے کی تلقین کی گئی ہے ، آخرت میں بھی اچھائی مانگنے کی تلقین کی گئی اور جہنم کے عذاب سے بچانے کی اور محفوظ رکھنے کی دعا بھی سکھائی گئی ۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ جب دنیا میں انسان کو حسنات ، یعنی اچھائیاں ملتی ہیں ، دنیا کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں تو فساد کا داعیہ بعض اوقات مضبوط ہو جاتا ہے ۔ اس داعیے کو حدود میں رکھنے کے لیے اور نیکی کی قوتوں کے تابع بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ سے رہ نمائی اور مدد طلب کی جائے۔

یہ مال و دولت ، یہ وسائل جو اللہ نے روئے زمین پر پیدا کیے ہیں ۔ یہ انسانی معاشرے کے لیے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو انسانی جسم کے لیے خون کی ہے ۔ قرآن کریم نے مال و دولت کو قیام للناس کے لفظ سے یاد کیا ہے ۔ یعنی مال انسانوں کے لیے زندگی کا سبب ہے ، زندگی کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ اور ایک اہم وسیلہ مال و دولت ہے جس طرح انسانی زندگی خون کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی ۔ اسی طرح کوئی معاشرتی یا اجتماعی زندگی ، معاشی سرگرمی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور معاشی سرگرمی کے لیے مال و دولت کا ہونا وسائل رزق اور اسباب پیداوار کا ہونا ناگزیر ہے ۔ اس لیے اسباب رزق اور وسائل پیداوار کی حیثیت قیام للناس کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مال کی محبت فطری طور پر انسان میں پیدا کر دی ہے ۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ مثلاً ارشاد ہے :

وَإِنَّهُۥ لِحُبِّ ٱلْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿٨﴾ [11]

" انسان مال کی محبت میں انتہائی شدید ہو جاتا ہے۔"

ایک جگہ ارشاد ہے:

وَتُحِبُّونَ ٱلْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ [12]

8 القصص: 77

9 القصص: 77

10 البقرۃ: 201

11 العادیات: 8

12 الفجر: 20

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" تم مال سے بہت ٹوٹ کر محبت کرتے ہو۔"

ایک جگہ آیا ہے کہ انسانوں کے لیے جو چیزیں مزین اور خوب صورت بنا دی گئیں وہ ساری دنیوی نعمتیں اور شہوات ہیں جن میں دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ سونے چاندی کے ڈھیروں کا بھی ذکر ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ [13]

" لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت مزین کر دی گئی ، (مثلاً) عورتیں ، اولاد ، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے ڈھیر ، نشان زدہ گھوڑے ، **مویشی اور کھیت** ، یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے ، اور اچھا ٹھکانہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

یہ سب وہ متاع دنیا ہے جو اللہ نے سب کے لیے اس دنیا میں رکھا ہے اور اس کی محبت فطری طور پر انسان کے دل میں پیدا کر دی گئی ہے۔ یہ محبت اگر حدود کے اندر رہے، انسان کی بڑی ذمے داریوں کو فراموش کرنے کا ذریعہ نہ بنے تو اس محبت کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر مال کی محبت بڑھ جائے اور حدود سے نکل جائے تو پھر یہ نا پسندیدہ ہے۔ جو لوگ مال و دولت کو سینت سینت کر رکھتے ہیں ان کی اس حرکت کو اللہ نے سخت نا پسند کیا ہے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ دولت جمع کرنے والوں کو، دولت کے خزانے اکٹھے کرنے والوں کو، دولت کو خرچ نہ کرنے والوں کو سخت نا پسندیدگی کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو زر و جواہر کو جمع کر کے رکھیں، بار بار گن کر دیکھتے رہیں، اور یہ سمجھیں کہ یہ دولت ان کو دنیا کی ہر کامیابی اور آخرت کی نجات عطا کر دے گی، وہ غلط خیالات میں مبتلا ہیں۔

خاص طور پر قرآن کریم میں شدید وعیدیں ان دولت جمع کرنے والوں کے لیے آئی ہیں جو اپنی دولت پر عائد دینی ذمے داریاں انجام نہ دیں۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی جہاں جہاں تلقین ہے وہاں خرچ نہ کریں، دولت کی زکوٰۃ ادا نہ کریں، نفقات واجبہ کے تقاضے پورے نہ کریں، صدقات واجبہ ادا نہ کریں اور جہاں جہاں ایک صاحب دولت سے دولت کو خرچ کرنے کی اُمید کی جانی چاہئے، وہاں خرچ نہ کریں تو یہ سخت نا پسندیدہ حرکت ہے اور ایسے لوگوں کو قرآن کریم نے عذاب الیم یعنی دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

دولت کی اس محبت کے باوجود معاشی حالت میں فرق ایک فطری بات ہے جس طرح دولت کی محبت میں فرق ہوتا ہے۔ کسی کے دل میں بہت ہوتی ہے، کسی کے دل میں برائے نام ہوتی ہے، کسی کے دل میں بالکل نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ اپنے اخلاق اور تربیت سے، اپنے دینی شعور سے کام لے کر دولت کی محبت کو دل سے نکال دیتے ہیں، وہاں بہت سے ایسے انسان بھی ہوتے ہیں جن کے دل سے کبھی یہ محبت نہیں نکلتی۔ جس طرح یہ فرق فطری ہے، اسی طرح انسانوں کی معاشی حالت میں فرق بھی فطری ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صلاحیتوں میں فرق بھی فطری طور پر رکھا ہے۔ انسانوں میں محنت اور عزائم میں کمی بیشی ہوتی ہے، علاقوں اور زمانوں کا اختلاف ہوتا ہے۔ بعض علاقے ایسے ہیں کہ جو معاشی سرگرمی کے لیے بہت سازگار ہوتے ہیں۔ بعض علاقے کم سازگار ہوتے ہیں ، اسی طرح زمانوں کا اختلاف ہے۔

ان سب اسباب کی بناء پر انسانوں کی معاشی حالت میں فرق بھی ایک فطری بات ہے، اور اگر یہ فرق اپنی معقول حدود سے تجاوز نہ کرے تو یہ نا پسندیدہ بات نہیں ہے۔ قرآن مجید میں کہا گیا :

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ [14]

" ہم نے (مال و دولت اور رزق کے معاملے میں) کچھ لوگوں کا درجہ کچھ اور لوگوں سے اونچا رکھا ہے۔"

یہ اس لیے ہے کہ انسانوں کے کام آپس کے تعاون اور لین دین سے چلتے ہیں۔ اس آپس کے تعاون میں خرید و فروخت بھی شامل ہے، لین دین بھی شامل ہے، مزدوری بھی شامل ہے، تجارتی اور بڑے بڑے کاروبار بھی شامل ہیں۔ اس پورے عمل میں کسی کی حیثیت ایک عامل کارکن کی ہوگی، کسی کی حیثیت کارکنوں کے درمیان ربط پیدا کرنے والے کی ہوگی، تنسیق پیدا کرنے والے کی ہوگی۔ کسی کی حیثیت پالیسی بنانے والے کی ہوگی۔

اس لیے اگر لوگوں کی صلاحیتوں میں اور معاشی حالت میں فرق نہ ہو تو تعمیر ارض اور معاشی ترقی کے یہ سارے کام نہیں ہوسکتے۔ اگر سب کی معاشی کیفیت وہ ہو جو مزدور کی ہوتی ہے تو پھر پورا ملک مزدوروں سے بھرا ہوگا، مزدوروں سے کام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اگر پوری آبادی کی معاشی حالت اور صلاحیت وہ ہو جو ایک بڑی کارخانے دار کی ہوتی ہے تو پھر سب اپنے دفتروں میں اور گھروں میں انتظار ہی کرتے رہیں گے کہ کام کرنے والے آئیں اور کام کریں۔ اس لیے کام کو آگے بڑھانے کے لیے منظم انداز میں وسائل رزق کو استعمال کرنے کے لیے، ترقی اور تعمیر کی ذمے داریوں کو انجام دینے کے لیے محنتوں میں، صلاحیتوں میں، آمدنیوں میں یہ تفاوت ناگزیر ہے۔ قرآن مجید میں اس تفاوت کو کئی جگہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ کہا ہے کہ کیا اللہ کی معیشت یا رحمت کو وہ تقسیم کرتے ہیں؟ کیا یہ لوگ لوگوں کی معیشتوں کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے اسباب معیشت کو تقسیم کیا ہے اور بعض کے درجات بعض سے بلند کیے ہیں۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

13 آل عمران: 14

14 الزخرف: 32

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٣٢﴾ [15]

" کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بھی ہم اُن کی روزی تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی نے بعض کے درجات بعض پر بلند کر دیے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتے رہیں اور آپ کے ربّ کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ جمع کرتے ہیں۔"

ایک جگہ کہا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ناپ تول کر دیتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾ [16]

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو صلاحیتیں زیادہ عطا فرمائی ہیں، کچھ وسائل زیادہ عطا فرمائے ہیں تو تم اس کی تمنا مت کرو۔ تم تمنا اسی کی کرو جو تمہارے لیے لکھا ہے، اسی کی کوشش کرو۔ اس لیے کہ جو چیز تمہارے لیے نہیں لکھی اس کے حصول کی کوشش کرنا وقت کا ضیاع ہے۔ پاکستان کے سولہ کروڑ انسانوں میں سے ایک ہی صدر پاکستان ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر سب لوگ اس بات کا اعتراف کر لیں اور یہ تسلیم کر لیں کہ صدر کا منصب ایک ہی کو مل سکتا ہے، سولہ کروڑ کو نہیں مل سکتا تو کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر سولہ کروڑ انسانوں میں سولہ سو انسان بھی ملک کا صدر بننے کی اس کوشش میں لگ جائیں تو ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اس لیے اللہ کی اس حکمت اور مشیت بالغہ پر غور کیا جائے تو اس کی حکمت واضح طور پر سمجھ میں آ جاتی ہے کہ انسانوں کے نظام کو کامیابی سے چلانے کے لیے ناگزیر ہے کہ اسباب رزق اور وسائل معیشت میں تفاوت رکھا جائے۔ یہ تفاوت فطری طور پر ہونا چاہیے۔ اللہ کی بیان کردہ حدود کے درمیان رہنا چاہیے۔ مصنوعی طور پر یہ تفاوت پیدا نہیں کرنا چاہیے۔ اس تفاوت کو معقول حدود سے نکلنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ اگر کچھ لوگ بہت غریب ہوں، کچھ بہت دولت مند ہوں تو یہ نا پسندیدہ صورتحال ہے۔ دولت کا ارتکاز جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے معاشرے کے ایک طبقے میں محدود ہو جائے تو یہ ناپسندیدہ صورتحال ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

عام طور پر معاشی قوتوں کے اور بازار کے رجحانات کے آزادانہ عمل اور تعامل کے نتیجے میں جو تقسیم دولت کا عمل ہو، جس میں انسان کے تقاضے مجروح نہ کیے گئے ہوں، وہ ایک فطری صورتحال ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ طبقات جو معاشرے میں معاشی اعتبار سے کمزور ہیں، ان کی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ یہ ریاستِ اسلامی کی بہت بڑی ذمے داری ہے۔

چونکہ قرآن مجید کی رو سے ہر چیز کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے انسانوں کو تمام چیزوں کے استعمال کرنے کی اجازت اور اپنے جانشین کے دی ہے، اس لیے تمام انسان اللہ کے پیدا کیے ہوئے تمام وسائل رزق پر یکساں حق رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے کسی شخص کو نہ ذخیرہ اندوزی کی اجازت ہے، نہ عامۃ الناس کو نا جائز طریقے سے کسی کو روزی سے محروم کرنے کی اجازت ہے، نہ وسائل رزق پر پابندی لگانے کی اجازت ہے، نہ وسائل رزق کو جو سب کے لیے اللہ نے پیدا کیے ہیں ایک طبقے کے لیے محدود کر دینے کی اجازت ہے۔

قرآن مجید نے واضح طور پر کئی بار اعلان کیا:

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ [17]

" زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب اللہ نے تمہارے فائدے کے لیے مسخر کیا ہے۔"

ان آیات سے فقہائے کرام نے ایک اور اصول بھی نکالا ہے، وہ یہ ہے کہ معاملات میں، تجارت اور لین دین میں، انسانوں کے آپس کے تعلقات اور طور طریقوں میں، اصل یہ ہے کہ ہر چیز جائز ہے، الا یہ کہ کسی چیز کو یا کسی معاملے یا طریقہ کار کو شریعت الٰہی میں واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہو۔

الاصل في المعاملات الاباحة

انسانوں کے معاملات میں اگر کوئی چیز واضح طور پر نا جائز اور ممنوع قرار نہیں دی گئی تو وہ جائز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ممنوعات اور محرمات بہت محدود ہیں۔ شریعت کے بہت محدود احکام ہیں جن میں کاروبار کی بعض قسموں کو نا جائز قرار دیا گیا۔ چند محدود محرمات اور ممنوعات کے علاوہ، مباح اور جائز کاروباروں کا لامتناہی میدان پھیلا ہوا ہے۔ تجارت اور کاروبار کی جتنی قسمیں انسان سوچ سکتا ہے، جتنی پروڈکشن انسان تیار کرنا چاہے، تیار کر سکتا ہے۔ وہ سب جائز ہیں۔ بہ شرطے کہ وہ سب شریعت کے حرام کردہ امور سے پاک ہوں۔ مثال کے طور پر ان میں ربا نہ پایا جاتا ہو، دھوکا نہ پایا جاتا ہو، غرر نہ پایا جاتا ہو، جوا نہ پایا جاتا ہو۔ اس طرح کے جو محدود احکام ہیں جن کے بہ موجب بعض معاملات کو حرام اور نا جائز قرار دیا گیا ہو، وہ امور جس کاروبار میں نہ پائے جائیں، وہ کاروبار اور تجارت کی وہ سب قسمیں جائز ہیں۔

دراصل انسانوں کے معاشی رویے کی اصلاح، انسانوں کے تجارت کے طور طریقوں کی اصلاح اور لین دین اور معاملات میں بہتری، آسمانی شریعتوں اور کتابوں کا ایک اہم ہدف رہا ہے اور قرآن کریم کے بہت اہم اہداف میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید نے جہاں جہاں مختلف پیغمبروں کی تعلیم کا خلاصہ بیان کیا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ معاشی رویے کی اصلاح اور تجارت اور معیشت کی پاکیزگی اور تطہیر آسمانی شریعتوں کے اہم مقاصد میں سے

[15] الزخرف: 32

[16] بنی اسرائیل: 30

[17] الجاثیہ: 13

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ سورۃ انبیاء میں متعدد انبیاء کا ذکر کر کے کہا گیا ہے کہ ہم نے ان تمام پیغمبروں کو اپنے اپنے زمانے میں ائمہ ہدایت بنایا تھا جو نیکیوں کی تلقین کرتے تھے۔ پھر ان نیکیوں کی فہرست میں و ایتاء الزکوٰۃ کا لفظ بھی آیا ہے۔ گویا زکوٰۃ کی ادائیگی، کسی نہ کسی انداز میں صدقہ واجبہ، کسی نہ کسی انداز میں غربت اور فقر کا خاتمہ، کسی نہ کسی انداز میں غریبوں اور ناداروں کی مدد، ہر پیغمبر کی تعلیم کا حصہ رہا ہے۔

سیدنا شعیب علیہ السلام تو خاص طور پر ایک ایسی قوم میں بھیجے گئے تھے جو ناپ تول میں کمی کی وجہ سے بہت بدنام تھی۔ سیدنا شعیب علیہ السلام نے جو باتیں بہت تاکید کے ساتھ ان کو بتائیں، ان میں یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کی عادت کو چھوڑ دو، لوگوں کے مال پر ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دو۔ جب سیدنا شعیب یہ تعلیمات اپنے مخاطبین کو فراہم کر رہے تھے، تو وہ لوگ بھی اسی طرح حیرت سے پوچھتے تھے جیسے آج بعض لوگ حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ مذہب کا معاشیات سے کیا تعلق ہے؟ مذہبی تعلیم کا تجارت اور کاروبار کے معاملات میں کیا دخل ہے؟ یہ دینی شخصیتوں کا، علمائے دین کا، شریعت کا مطالعہ کرنے والوں کا مالیات اور معاشیات سے کیا واسطہ ہے؟ یہ اعتراض نیا نہیں ہے۔ یہ اعتراض پہلے پہل سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم نے کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ کیا تمہاری نماز ہمیں اس سے روکتی ہے کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں:

أَصَلَوٰتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَآ أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِىٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُا[18]

گویا قوم شعیب کو وہی غلط فہمی تھی جو آج کے مغربی یا مغرب زدہ انسان کو ہوگئی ہے کہ مذہبی تعلیم کا تجارت اور کاروبار اور معیشت سے تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ ان تمام صورتوں کا تذکرہ کرکے ان کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان پر وعید نازل کی گئی ہے، ان کی قباحت اور شناعت کو نئے نئے انداز سے بیان کیا گیا ہے، جو جائز اور عادلانہ کاروبار اور تجارت کے راستے میں رکاوٹ ہوں۔ ناپ تول میں کمی بیشی، لینے اور دینے کے پیمانوں کا فرق قرآن مجید کی رو سے سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے معاملات کاروبار کے ایسے ہیں کہ اس میں لینے کی قیمت اور ہے، دینے کی قیمت اور ہے۔ آج آپ ایک چیز جا کر دکان دار کو فروخت کریں گے وہ آپ کو اس کی قیمت کم دے گا لیکن اگر وہی چیز تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ اس سے لینا چاہیں تو وہ آپ کو زیادہ قیمت میں دے گا۔ یہ رویہ قرآن کریم کی رو سے غیر عادلانہ رویہ ہے۔

قرآن کریم نے ربا کی حرمت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مال کو جمع کرنے اور سینت سینت کر رکھنے کی برائی بیان کی گئی ہے۔ مال کو خرچ کرنے کی جابجا تلقین کی گئی ہے۔ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کی مدد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ بھوکے کو کھانا کھلانا، نادار کی مدد کرنا، کمزوروں کا بوجھ اُٹھانے میں مدد دینا، یہ وہ اخلاقی رویے ہیں جو قرآن مجید مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ اخلاقی رویہ محض اجتماعی یا ثقافتی میدان سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ اس کا تعلق انسانوں کے معاشی رویے سے بھی ہے۔ جب انسانوں کے اخلاق و کردار میں بہتری آئے گی، جب انسان مال و دولت کے بارے میں اخلاقی ہدایات کے پابند ہوں گے تو معاشی رویے میں اصلاح خود بخود پیدا ہوگی۔

معاشی رویے میں اصلاح کا ایک مظہر، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، یہ بھی ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ جو مال و دولت میرے تصرف یا قبضے میں ہے، میں اس کا حقیقی مالک نہیں ہوں۔ المال مال اللہ یہ سارا مال اللہ کا ہے اور میری حیثیت اس مال میں اللہ کے جانشین کی ہے۔ مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ[19] تم لوگوں کو اس مال میں اللہ کا جانشین بنایا گیا ہے۔ اس لیے یہ رویہ کہ أَن نَّفْعَلَ فِىٓ أَمْوَٰلِنَا مَا نَشَٰٓؤُا ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں۔ درست نہیں ہے۔

گویا جس رویے کو مغربی معاشیات کی تاریخ میں Laissez Faire کہا جاتا ہے یہ رویہ اسلامی شریعت سے متعارض ہے۔ اسلامی شریعت کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ریگولیٹڈ معیشت کی علم بردار ہے۔

عدل اور قسط کی فراہمی ریاست کی ذمے داری ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہ ریاست کا فریضہ ہے کہ حقیقی انصاف قائم کرنے میں عامۃ الناس کی مدد کرے اور ریاست اپنے وسائل کی حد تک، اپنے مقدور کی حد تک عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ قرآن مجید کی رو سے شریعتوں کا، آسمانی کتابوں کا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی بعثت کا سب سے بڑا اور اہم مقصد یہ تھا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ نے اپنے تمام پیغمبروں کو، خاص طور پر ان انبیاء علیہم السلام کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار بھی عطا فرمایا، حکومت بھی عطا فرمائی، یہ واضح طور پر حکم دیا کہ وہ عدل و انصاف کو اپنا فریضہ سمجھیں۔

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ[20]

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، گویا بطور ایک نبی کے میری یہ ذمے داری ہے، کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔"

جس طرح یہ ذمے داری ایک نبی کی ہے کہ وہ عدل کی فراہمی کو یقینی بنائے اسی طرح یہ ذمے داری نبی کے جانشینوں کی بھی ہے۔ ہر مسلمان حکمران، جائز مسلمان حکمران، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو ذمے داریاں انسانوں کے دنیاوی معاملات کی حد تک رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائیں، وہ ساری ذمے داریاں مسلمان حکمرانوں اور فرماں رواؤں کو پوری کرنی ہیں اور انجام دینی ہیں۔ اگر وہ عدل سے کام نہیں لیں گے تو ان کی

[18] ہود: 87

[19] الحدید: 7

[20] الشوریٰ: 15

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت قائم نہیں رہے گی ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ جملہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حکومت اور مملکتیں کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہیں ، ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتیں ۔ اس لیے کہ ظلم اس دنیا میں بھی تباہی کا موجب ہوتا ہے اور آخرت میں بھی تاریکیوں کا اور ظلمتوں کا سبب ہے۔

"الظلم ظلمات یوم القیامۃ ۔" [21]

عدل و انصاف کا سب سے پہلا درجہ یہ ہے ، معاملات میں ، لین دین میں عدل و انصاف کیا جائے ۔ عدل و انصاف کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو کہے اپنے قول اور عمل سے اس کی پابندی کرے۔ قول کا پکا ہو۔

" أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۔" [22]

جو معاملہ کسی سے کرو ، لین دین کا ہو ، خرید و فروخت کا ہو ، کسی بھی قسم کا تجارتی ہو یا دیوانی لین دین اور معاملہ ہو ، اس کی مکمل پابندی ، اس کی شرائط کی مکمل پیروی ، یہ قرآن کریم کا واضح طور پر حکم ہے ۔ قرآن کریم کی ایک دو نہیں درجنوں آیات میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اہل ایمان کو قول کا پکا ہونا چاہئے ۔ ایک حدیث میں آیا ہے ، امام بخاری نے اس کو بہ طور تعلیق کے بیان کیا ہے۔

"المسلمون عند شروطھم ۔" [23]

" مسلمانوں کو اپنی شرائط کی پابندی کرنی چاہئے۔"

جو شرائط ایک دفعہ مسلمان آپس میں طے کرلیں ، ان کی پابندی ، ان کی دینی ذمے داری بھی ہے ، اخلاقی ذمے داری بھی ہے اور ملکی قانون کی رو سے بھی ذمے داری ہے۔

لین دین میں قول کی پابندی اور شرائط کی پاسداری اتنی اہم ہے کہ قرآن مجید نے ان شرائط کو اچھی طرح سے یاد رکھنے کی تلقین کی ہے۔ قرآن کریم نے ہدایت دی ہے کہ بہتر یہی ہے کہ اس طرح کے لین دین کو لکھ لیا جائے۔ جب تم آپس میں کوئی ایسا معاملہ کرو جس میں کسی کے ذمے کوئی رقم یا کوئی مال واجب الادا ہو تو اس کو لکھ لینا چاہئے۔ عدل و انصاف کے ساتھ لکھو، جسے لکھنے کے لیے کہا جائے وہ بلاوجہ انکار نہ کرے۔ جس پر حق عائد ہوتا ہے اس کی طرف سے یہ اعتراف ہو کہ یہ ذمے داری اس پر عائد ہو رہی ہے۔ بغیر کسی کمی بیشی کے، تقوے کی مکمل روح کے ساتھ دستاویز تیار کی جائے۔ اگر کوئی ایک فریق کمزور نا اہل یا کم عقل ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی دستاویز لکھوائے۔ دستاویز کے لیے قانون کے مطابق گواہ بھی فراہم کیے جائیں۔ اگر کسی کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ گواہ بننے سے انکار نہ کرے اور جب گواہ بن جائے تو گواہی دینے سے انکار نہ کرے۔ دستاویز تحریر کرنے سے اکتانا نہیں چاہئے۔ اس کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس لیے کہ یہ عدل و انصاف کی فراہمی میں زیادہ مدد و معاون ہے اور راہِ راست کے زیادہ قریب ہے اور انسانوں کے شکوک وشبہات سے بچانے میں اس سے مدد ملتی ہے۔ اس تفصیلی حکم نامے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں انسانوں کے کاروبار کو بہتر بنانے اور معاملات کی صفائی کو یقینی بنانے پر کتنا زور دیا گیا ہے۔

جہاں قرآن کریم نے دیوانی حقوق و فرائض اور واجبات کا تحفظ کرنے پر زور دیا ہے، جہاں ہر شخص کی یہ ذمے داری قرار دی ہے کہ وہ اپنے ذمے واجب الادا تمام حقوق کو ادا کرے۔ وہاں شریعت نے ساتھ ساتھ انسانوں کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کے رویے کو بھی یاد دلایا ہے۔ ایک مسلمان تاجر، یا ایک مسلمان کاروباری سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ یہودیوں جیسا روایتی رویہ اختیار کرے۔ شائلاک یہودی جو انگریزی ادبیات میں ضرب المثل ہے، اس سے مسلمانوں کا رویہ مختلف ہونا چاہئے۔ چنانچہ قرآن مجید نے کئی جگہ ہدایت دی ہے کہ نادار اور مالی اعتبار سے کمزور انسان کے ساتھ رویہ تعاون اور ہمدردی کا ہونا چاہئے۔

سورۃ بقرۃ کی اس مشہور آیت میں جس کو آیۃ المداینہ کہا جاتا ہے یعنی جس میں قرضوں کے لین دین کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں یہ بات قرآن کریم نے واضح طور پر یاد دلائی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارا قرض ادا نہ کرسکے تو پھر اس کو مہلت دینی چاہئے۔ جہاں سود کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں بھی یہ بات بیان کی گئی۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ [24]

" اگر کوئی شخص تنگ دستی کا شکار ہو، نادار ہو تو اس کو اس وقت تک مہلت دینی چاہئے جب تک اس کی تنگ دستی دور نہ ہوجائے، اس کا ہاتھ نہ کھل جائے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہو اور وہ انسانوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، اپنے حق کی حصولی میں ان سے سختی نہ کرے، نادار اور تنگ دست آدمی کے ساتھ رعایت کا رویہ اختیار کرے تو روز قیامت اللہ تعالیٰ اس سے یہ ارشاد فرمائے گا: کہ تونے جو رویہ اختیار کیا تھا وہ بہت اچھا تھا، میرا پسندیدہ رویہ تھا، میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کہ یہ رویہ اختیار کروں، لہٰذا میں تیرے ساتھ وہی رویہ اختیار کرتے ہوئے آج تجھے تمام لغزشوں سے معاف کرتا ہوں ۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ تجاوزوا عن عبدي میرے اس بندے کے تمام گناہوں کو نظر انداز کردو اور تمام کمزوریوں سے درگزر کرو۔

اسی کی ایک ضمنی بات یہ بھی ہے کہ قرآن مجید نے فقر و فاقے کے معاملے سے بہت زیادہ اعتنا کیا ہے۔ قرآن مجید نے ان تمام اسباب کو ختم کرنے

---

21 احمد۔المسند: ج2، ص299، رقم 6175

22 المائدہ: 1

23 بخاری

24 البقرۃ: 28

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تعلیم دی ہے، ان تمام راستوں کو بند کرنے کی تلقین کی ہے، جن کے نتیجے میں فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے؟ معاشرے میں فقر کیوں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو سب کے لیے وسائل رزق یکساں پیدا کیے ہیں۔ ہر انسان کو دو ہاتھ دے کر بھیجا ہے، ہر انسان کو سوچنے والی عقل عطا فرمائی ہے ۔ ہر انسان کو دو آنکھیں اور کان عطا فرمائے ہیں ۔ جو صلاحیتیں اور وسائل ہیں وہ سب انسان یکساں طور پر لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت تکوینی سے انسانوں کے درمیان بعض پہلوؤں سے تفاوت رکھا ہے لیکن جو بنیادی اسباب ہیں وہ سب کے لیے یکساں طور پر فراہم کیے گئے ہیں۔ ان اسباب کا تقاضا یہ تھا کہ معاشرے میں فقر و فاقہ نہ پیدا ہو۔ معاشرے میں معاشی تفاوت ایک حد سے آگے نہ بڑھے۔

جب یہ تفاوت حد سے بڑھنے لگتا ہے اور غریب اور امیر اور فقیر اور دولت مند میں تفاوت بہت بڑھ جاتا ہے تو اس کے کچھ خارجی اور غیر فطری اسباب ہوتے ہیں۔ یا تو کہیں تقسیم دولت میں عدم مساوات سے کام لیا گیا ہے یا مواقع کی فراہمی غیر یکساں کر دی گئی ہے یا کہیں اور بے انصافی جنم لے رہی ہے یا دولت کا ارتکاز ہو رہا ہے یا کچھ لوگ جہالت کا شکار ہیں، جس کی وجہ سے وہ کاروبار اور تجارت کے تازہ ترین طریقوں سے ناواقف رہتے ہیں، یا کسی علاقے میں امراض پھیل گئے ہیں کہ کچھ لوگ ان امراض کی وجہ سے اپنے وسائل کا صحیح استعمال نہیں کر رہے ہیں یا حلال و حرام میں تمیز ختم ہوگئی ہے جس کی وجہ سے آمدنی بھی ناجائز ہے، اخراجات بھی ناجائز ہیں۔

یہ وہ بڑے بڑے اسباب ہیں جن کے نتیجے میں فقر و فاقہ جنم لیتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک یا متعدد اسباب جب پیدا ہوں گے تو معاشرے میں دولت کی تقسیم متاثر ہوگی، وسائل کی تقسیم میں گڑ بڑ پیدا ہوگی۔ غریب غریب تر ہو جائے گا، دولت مند مزید دولت مند ہو جائے گا۔ قرآن مجید نے ان تمام مسائل کا بہت جامع حل تجویز کیا ہے۔ سب سے پہلا حل قرآن کریم نے یہ دیا کہ تقسیم دولت کا ایک نیا نظام عطا فرمایا۔ تقسیم دولت کے اس نئے نظام کے بے شمار مظاہر اور احکام ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ان گزارشات میں کیا جائے گا۔

قرآن کریم میں مواقع کی فراہمی میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے۔ بنیادی ضروریات ہر شخص کے لیے یکساں ہونی چاہئیں۔ جس کو فقہا کی اصلاح میں کفاف کہتے ہیں، وہ سطح یکساں طور پر سب کو فراہم ہونی چاہیے۔ کفاف سے مراد وہ کم سے کم آمدنی یا رزق ہے جو ہر انسان کے لیے ناگزیر ہے جس کے بغیر انسان نہ زندہ رہ سکتا ہے نہ بہ طور ایک باعزت ، ذمے دار اور مکلف مخلوق کے اپنے کم سے کم تقاضے اور ذمے داریاں پوری کر سکتا ہے۔ اس کم سے کم روزی کی فراہمی کو کفاف کہا جاتا ہے۔ یہ ہر شہری کا حق ہے، ہر انسان کو کفاف کے بہ قدر روزی حاصل ہونی چاہیے۔

پھر قرآن مجید نے عدل و انصاف کے قیام پر اتنا زور دیا ہے کہ شاید کسی اور آسمانی کتاب نے اتنا زور نہیں دیا ۔ جب معاشرے میں عدل و انصاف قائم ہوگا تو بہت سے ایسے اسباب ختم ہو جائیں گے جو دولت کے ارتکاز کا ذریعہ بنتے ہیں۔ تقسیم دولت میں ناہمواری کو جنم دیتے ہیں ۔ پھر خود ارتکاز دولت بھی شریعت کی نظر میں ایک بہت بڑی برائی ہے اور اس کا خاتمہ قرآن کریم کی معاشی پالیسی کا ایک اہم نکتہ ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ [25]

یہ سب احکام اس لیے دیے گئے ہیں کہ دولت صرف دولت مندوں میں گردش نہ کرے بلکہ معاشرے کے ہر طبقے میں گردش کرے۔

پھر قرآن مجید نے علم کی اشاعت کی اتنی تلقین کی ہے کہ کسی اور کتاب نے نہیں کی۔ اسلامی تہذیب کی اٹھان اور اساس جن دو بنیادوں پر ہے، ان میں عدل و انصاف کا قیام اور علم کی نشر و اشاعت بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لیے علم کی اشاعت اسلامی تہذیب، اسلامی شریعت اور اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ جیسے جیسے علم کی اشاعت ہوتی چلی جائے گی، اسی رفتار سے معاشرے میں فقر کا بھی خاتمہ ہوتا جائے گا۔ یہاں علم سے مراد علوم دین کی اشاعت بھی ہے اور ان دنیاوی مہارتوں کی اشاعت بھی شامل ہے جن کی مسلمانوں کو اور اسلامی ریاست کو ضرورت ہے۔ فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ اسلامی ریاست میں ان تمام مہارتوں کے حامل افراد پائے جانے چاہئیں جن مہارتوں کی ملت اسلامیہ کو ضرورت ہے۔ ان مہارتوں کی فراہمی مسلمانوں کے ذمے فرض کفایہ ہے۔

پھر حلال و حرام کی پابندی جب کی جائے گی تو نہ دولت کا ارتکاز ہو سکے گا اور نہ نادار طبقوں تک دولت کے بہاؤ کو روکا جا سکے گا۔ شریعت نے مال و دولت کے حصول پر بھی کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، خرچ کرنے پر بھی پابندیاں عائد کی ہیں۔ گویا جس راستے سے مال و دولت آپ کی ملکیت میں داخل ہو رہا ہے اس پر بھی کنٹرول ہے اور جہاں سے آپ کی ملکیت سے نکل رہا ہے اس پر بھی کنٹرول ہے اور جب تک آپ کی ملکیت میں ہے اس پر بھی شریعت کے احکام کا کنٹرول ہے گویا اللہ تعالیٰ کی شریعت نے ایک ایسا طریقہ کار عطا فرمایا ہے جو دولت کو جائز طریقے سے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ پھر وہ طریقہ کار اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ یہ دولت جائز طریقے سے ان کی ملکیت میں موجود رہے، باقی رہے اور جائز طریقے سے خرچ ہو۔ حلال و حرام کی ان شرائط و تفصیلات میں اسراف اور تبذیر کی ممانعت بھی شامل ہے۔ اسراف اور تبذیر کا دولت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ جب دولت بہت بہتات کے ساتھ کسی فرد یا طبقے کے پاس آتی ہے تو اسراف اور تبذیر کے رویے پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔

اسراف سے مراد یہ ہے کہ جائز کام میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ مثال کے طور پر بچے کی شادی کرنی ہے، جتنی رقم میں اس زمانے،

[25] الحشر: 7

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دور یا اس علاقے کے لحاظ سے شادی کے اخراجات پورے کیے جا سکتے ہوں اس سے زیادہ رقم آپ خرچ کریں، دولت کا مظاہرہ کرنے کے لیے، اپنی سخاوت کا ڈنکا بجوانے کے لیے، ایک کی جگہ دو، دو کی جگہ چار خرچ کریں، یہ اسراف ہے۔ تبذیر یہ ہے کہ ناجائز کام میں دولت کو خرچ کیا جائے۔ ناجائز کام میں ایک پیسہ بھی خرچ کیا جائے گا تو تبذیر ہو گا۔ جائز کام میں حدود کے مطابق ایک لاکھ روپیہ بھی خرچ کریں گے تو شاید اسراف کی حدود میں نہیں آئے گا۔ اسراف کا تعلق بہت حد تک زمانے کے معیار اور عرف سے ہوتا ہے جس زمانے کا جو عرف ہے، جس علاقے کا جو معاشی معیار ہے، جس علاقے کی جو سطح ہے اس سطح کے حساب سے اسراف کا تعین ہو گا۔ پیچھے رہ جانے والے طبقے یا علاقے میں اسراف کا معیار اور ہو گا۔ ایک ترقی یافتہ ملک میں اگر مسلمان ہوں، ان کے لیے اسراف کا معیار اور ہو گا۔ ایک ایسے علاقے میں جہاں لوگ ایئرکنڈیشننگ کے عادی ہوں، پورے گھر کو ایئرکنڈیشنڈ کر لینا اسراف نہیں سمجھا جائے گا۔ لیکن برصغیر کے کسی ایسے گاؤں یا دیہات میں جہاں موسم معتدل رہتا ہو اور بجلی بھی مشکل سے پہنچتی ہو۔ ایئرکنڈیشننگ کا اہتمام کرنا اور پورے گھر کو ٹھنڈا کر لینا اسراف سمجھا جائے گا۔

شریعت نے فقر و فاقے کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے یوں تو بہت سے احکام اور ہدایات عطا فرمائی ہیں لیکن سب سے نمایاں حکم جو شریعت نے دیا ہے وہ زکوۃ ہے جس کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

" تؤخذ من اغنيائهم وترد الى فقرائهم" [26]

" زکوۃ مسلمانوں کے دولت مندوں سے لی جائے اور مسلمانوں کے فقرا کو لوٹا دی جائے۔"

ترد یعنی لوٹا دی جائے کا لفظ بڑا اہم ہے۔ گویا زکوۃ کی جو رقم دولت مندوں سے لی گئی وہ فقرا ہی کا حق تھی۔ ریاست کی حیثیت محض امین اور متولی کی تھی۔ ریاست کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ زکوۃ کی یہ رقم اصل مالک کو لوٹا دے۔ اس لیے تردعلي فقرائهم کی ترکیب اختیار فرمائی گئی کہ زکوۃ اغنیا سے وصول کر کے فقرا کو لوٹا دی جائے۔ قرآن مجید نے زکوۃ کے علاوہ ایک اور ہدایت بھی دی ہے جس میں زکوۃ کے علاوہ بھی حسب ضرورت دولت مندوں کے مال میں غربا اور فقرا کے مطالبات ہو سکتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ﴿١٩﴾ [27]

" مسلمانوں کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔"

یہ حق دائمی بھی ہو سکتا ہے، جیسے زکوۃ اور صدقات واجبہ، وقتی بھی ہو سکتا ہے۔ بہ وقت ضرورت ریاست کو اختیار ہے کہ دولت مند طبقے سے ایسے مالی مطالبات کرے جو ریاست کے لیے ناگزیر ہوں۔ ریاست کے دفاع کے لیے، فقر و فاقے کو دور کرنے کے لیے معاشرے سے بیماری اور جہالت کو دور کرنے کے لیے، عامۃ الناس کو لازمی اور ضروری سہولتیں پہنچانے کے لیے۔ یہ مالی مطالبات وہ ہیں جن کے لیے نوازل کی اصطلاح یا نوائب کی اصطلاح فقہا نے استعمال کی ہے اور یہ ہمیشہ سے ریاست کی پالیسی کا حصہ رہے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کفالت عامہ کی بنیاد بھی یہی یا اس طرح کی آیات ہیں۔

اسلامی شریعت میں کفالت عامہ کا جو نظام ہے، عامۃ الناس کی کفالت کا اور نادار اور فقیر طبقے کی ضروریات کا جو سامان ہے اس کی بنیاد یہ اور اس مضمون کی دوسری آیات ہیں۔ یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں شروع ہوا تھا اور چند سالوں کے اندر اندر یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ زکوۃ دینے والے تو تھے، زکوۃ لینے والے نہیں تھے۔ سیدنا عمر فاروق نے اپنے آخری سالوں میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ بہت جلد الگ ایسا نظام شروع کریں گے جس کے نتیجے میں نادار طبقے کی ناداری ختم ہو جائے گی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ حتي نستوي في الكفاف جہاں تک کفاف یعنی کم سے کم ضروریات کا تعلق ہے وہ ہم سب کی پوری کر دیں گے۔ لیکن سیدنا عمر فاروق کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا، اس لیے وہ اپنی زندگی میں یہ کام نہیں کر پائے۔ لیکن یہ کام ہو گیا اور بہت جلد ہو گیا، ابھی ایک صدی پوری نہیں ہوئی تھی کہ دنیائے اسلام میں ہر بستی میں زکوۃ دینے والے تو تھے، لینے والے خال خال ہی ہوتے تھے۔

قرآن مجید نے زکوۃ کے متعین مصارف بیان کیے ہیں جو مصارف ثمانیہ کہلاتے ہیں اور سورۃ توبہ میں بیان ہوئے ہیں۔ ان مصارف ثمانیہ میں فقرا اور مساکین کے ساتھ ساتھ بعض اور مدات بھی رکھی گئی ہیں جن پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جاتی رہی ہے اور کامیابی سے ان تمام مدات کے تقاضے اور ضروریات کی تکمیل کرتی رہی ہے۔ آج بھی اگر زکوۃ کی رقم پورے طور پر ادا کی جائے، جس کے ذمے جو زکوۃ واجب الادا ہے وہ پوری ادا کرے اور حکومتی نظام جو زکوۃ وصول کرنے کے لیے قائم ہے، وہ بھی دیانتداری کے ساتھ زکوۃ وصول کرے اور دیانت داری کے ساتھ تقسیم کرے، تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ چند سال کے اندر اندر پاکستان سے غربت اور فقر و فاقے کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اگرچہ پچھلے پچیس تیس سال سے زکوۃ کا نظام رائج ہے لیکن اس کی برکات و ثمرات ابھی کوسوں دور ہیں۔ میں خود بھی ایک زمانے میں اس کے انتظامی امور سے وابستہ رہا ہوں۔ میں نے براہ راست اس کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ پاکستان میں جتنی زکوۃ وصول ہونی چاہیے اس کا شاید پانچ فیصد بھی وصول

26 بخاری۔ الصحیح: کتاب الزکوۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء، رقم 1496

27 الذاریات: 91

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوتی، عشر تو ایک فیصد بھی وصول نہیں ہوتا۔ عشر وصول کرنے کی تو کوشش ہی حکومت نے نہیں کی۔ ان حالات میں زکوٰۃ کے نظام کی برکات کیسے سامنے آ سکتی ہیں۔ پھر زکوٰۃ کے نام پر جو تھوڑا بہت وصول ہوتا ہے اس کی تقسیم میں بھی اتنی قباحتیں پیدا ہو گئی ہیں، اتنے منفی عناصر اس میں شامل ہوگئے ہیں کہ اس کے نتائج و برکات عام آدمی تک پہنچتے پہنچتے بہت محدود ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے پچیس تیس سال میں زکوٰۃ کی متوقع برکات سامنے نہیں آ سکیں۔

قرآن کریم نے تجارت اور کاروبار کے بارے میں ایک بڑی اہم ہدایت فرمائی اور یہ مضمون ایک سے زائد جگہ ارشاد ہوا ہے۔ اس میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ انسان ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھائیں۔ اہل ایمان کو منع کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ ایک دوسرے کے مال سے مستفید ہونے کا صرف ایک طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ آپس کی رضامندی کے ساتھ باہمی تجارت اور لین دین ہو:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأۡكُلُوٓاْ أَمۡوَٰلَكُم بَيۡنَكُم بِٱلۡبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٖ مِّنكُمۡۚ وَلَا تَقۡتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيمٗا ٢٩﴾ [28]

" اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق نہ کھایا کرو، سوائے اس کے کہ آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو اور آپس میں خونریزی نہ کیا کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔"

بعض دوسری احادیث اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کے علاوہ اگر انسان از خود کسی اور کو ہدیہ دینا چاہے، تحفہ دینا چاہے، صدقہ دینا چاہے تو وہ ایک الگ بات ہے۔ اس کے علاوہ آپس کے لین دین کے جتنے بھی معاملات ہیں، ان کی بنیاد باہمی رضامندی اور تجارت پر ہونی چاہئے، باطل پر نہ ہونی چاہئے۔ باطل سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم کی متعلقہ آیات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ باطل سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جن کی بنیاد حق پر نہ ہو، جن کی بنیاد عدل و انصاف پر نہ ہو، جن کی بنیاد آپس کی مکمل اور آزادانہ رضامندی پر نہ ہو، جس میں دھوکا، دھونس اور غبن فاحش یعنی غیر معمولی ناجائز منافع اندوزی پائی جاتی ہو یا جن میں ربا پایا جاتا ہو۔

یہ وہ محرمات ہیں جن میں سے چند کا میں نے ذکر کیا ہے۔ بقیہ محرمات کی تفصیل فقہ اور حدیث کی کتب میں موجود ہے۔ جس لین دین میں یہ محرمات کلی یا جزوی طور پر پائے جائیں گے وہ باطل کہلائے گا۔ جو لین دین ان تمام محرکات سے پاک ہوگا وہ ایک قسم کی تجارت ہوگی، وہ جائز تجارت ہوگی اور اگر آپس کی رضامندی سے کی جائے گی تو اس کے نتیجے میں جو خیر و برکت اور رزق میں پاکیزگی حاصل ہوگی وہی قرآن کریم کا مقصد و منشا ہے۔ قرآن کریم نے تجارت کو، لین دین اور خرید و فروخت کو انسانوں کے درمیان کاروبار کی اصل قرار دیا ہے۔ جہاں ربا کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے، وہاں پہلے تجارت اور کاروبار کو جائز طریقہ بتایا گیا، پھر ربا کی حرمت بیان کی گئی ہے۔

﴿وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ﴾ [29]

جس اللہ نے تجارت اور خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے اسی نے ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی آیت میں ربا کا متبادل بھی موجود ہے، جس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔

اگر ربا حرام ہے تو پھر بیع یعنی تجارت اور کاروبار یعنی Trade جس میں نفع نقصان میں یکساں شرکت ہوتی ہے۔ تجارت تعلقات کی اساس ہونی چاہئے جو فوائد تجارت اور خرید و فروخت میں ہیں، وہ ربا اور سود میں نہیں ہیں۔ خرید و فروخت کے ذریعے انسانوں کی ضروریات بہت آسانی سے پوری ہو جاتی ہیں۔ اس میں تجارت کرنے والوں کے ساتھ ایک نرمی کا رویہ خود بہ خود پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو کسی سے مانگنا نہیں پڑتا۔ کسی کی منت ساجت نہیں کرنی پڑتی۔ غیر ضروری طور پر اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے انتظار نہیں کرنا پڑتا، جیسے اوقات بعض بارٹر سیل میں کرنا پڑتا تھا۔ بارٹر سیل میں ہوتا یہ تھا کہ آپ کے پاس مثلاً گھوڑا ہے اور آپ کو گندم درکار ہے۔ اب آپ بازار میں بیٹھے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ اگر کوئی گندم والا ایسا آئے جس کو گھوڑا درکار ہو تو پھر آپ کو گندم ملے گا ورنہ نہیں ملے گا۔ ممکن ہے گندم بیچنے والے بازار میں اور بھی بیٹھے ہوں لیکن کسی کو جوتا چاہئے، کسی کو کپڑا چاہئے، کسی کو گندم کے بہ جائے جانور چاہئے، دودھ چاہئے، اس لیے ہر شخص کو طویل عرصے انتظار کرنا پڑتا تھا۔

یہ کیفیت اس وقت تک تھی جب تک خرید و فروخت کا وہ طریقہ کار سامنے نہیں آیا تھا جو بعد میں انسانوں کے سامنے آیا اور جس کو شریعت اسلامی نے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ اس کو ترقی دینے کی تلقین بھی کی ہے۔ متعدد احادیث میں ایسی ہدایات دی گئی ہیں جس کا واضح منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا مزاج مونٹری معیشت کو فروغ دینے کا ہے۔ بارٹر معیشت کو فروغ دینے کا نہیں ہے۔ شریعت نے بارٹر اکانومی پر بعض ایسی بندشیں عائد کی ہیں جن کے نتیجے میں وہ خود بہ خود کم ہو جائے، اور بالآخر یا تو ختم ہو جائے یا بہت محدود پیمانے پر برائے نام باقی رہے۔ اس کے برعکس زری مونیٹری معیشت کی بعض جگہ شریعت نے ترغیب دلائی ہے۔

اس لیے تجارت کا اصل فطری اور کامیاب ترین طریقہ یہی ہے کہ وہ زر کی بنیاد پر ہو اور زر کی حیثیت ایک ایسے معیاری ذریعہ تبادلہ کی ہو جس پر سارے انسان متفق ہوں۔

قرآن مجید نے جس آیت میں ربا کو حرام قرار دیا ہے، اس میں ربا کی کسی ایک خاص قسم کو

---

[28] النساء: 29

[29] البقرۃ: 275

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرام قرار نہیں دیا ہے بلکہ ہر قسم کے ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ جب قرآن کریم نے اعلان کیا کہ

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا[30]

اس میں الربا کا لفظ الف لام کے ساتھ آیا ہے۔ الربا میں جو الف لام ہے ، یہ استغراق کے لیے ہے۔ استغراق سے مراد یہ ہے کہ جس چیز پر الف لام عائد ہو اس ضمن میں جتنے افراد آتے ہوں گے ، جتنی قسمیں اور انواع اس میں شامل ہوں گے ، سب پر اس حکم کا اطلاق ہو گا۔ لہٰذا حرمت ربا میں ربا کی ہر قسم شامل ہے۔ سابقہ ہو، موجودہ ہو، آئندہ ربا کی قسمیں پیدا ہونے والی ہوں، وہ سب حرمت کے اس حکم میں شامل ہیں۔

قرآن کریم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے ایک میسر بھی ہے۔ میسر کا ترجمہ عام طور پر جوا کیا جاتا ہے جو ایک اعتبار سے درست ہے لیکن میسر کی اصطلاح نسبتاً عام ہے اور قمار کی اصطلاح نسبتاً خاص ہے ۔ قرآن کریم نے جن آیات میں میسر کو حرام قرار دیا ہے، انہی آیات میں شراب کا بھی ذکر ہے۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ قرآن کریم نے شراب اور میسر دونوں کو ایک سیاق و سباق میں حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ان میں بعض باتیں ایسی ہیں جو دونوں میں مشترک ہیں۔ یہ دونوں ذکر الٰہی سے غافل کرتے ہیں۔ یہ دونوں انسانوں کے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا کرتے ہیں۔ یہ دونوں سرگرمیاں یاد الٰہی سے انسانوں کو روکتی ہیں۔ نمازوں سے غافل کرتی ہیں۔ انسانوں کا مال باطل اور ناجائز طریقے سے کھانا ان دونوں کے نتیجے میں آسان ہو جاتا ہے۔

فقہائے اسلام کی اصطلاح میں میسر کا لفظ عام ہے اور قمار کا لفظ خاص ہے۔ قمار سے مراد ایسا معاملہ یا لین دین ہے جس کے نتیجے میں ایک انسان کا فائدہ لازمی طور پر دوسرے انسان کے نقصان پر منتج ہو رہا ہو۔ اگر دوسرے کا نقصان لازمی اور یقینی ہے تو یہ یقیناً قمار ہے لیکن اگر دوسرے کا نقصان لازمی اور یقینی نہیں ہے بلکہ اس کا محض امکان ہے تو بھی یہ جائز نہیں ہو گا اور یہ میسر ہے۔ مثال کے طور پر دس آدمی سو سو روپے دے کر کسی چیز میں شریک ہوں اور اس سو سو روپے کے نتیجے میں جو رقم جمع ہو ، مثلاً ایک ہزار روپے ، وہ کسی ایک انسان کو دے دیئے جائیں اور باقی سب لوگ اپنی رقم سے محروم ہو جائیں، یہ قمار ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا وہ ساری انعامی اسکیمیں جو پرائز بونڈ کے نام سے ہوں یا کسی اور نام سے ہوں، جس کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ بہت سے انسان مل کر کوئی رقم جمع کریں یا اس کے جمع ہونے میں حصہ لیں، لیکن اس رقم کا جو فائدہ یا منافع ہو وہ یکساں سب کو دینے کے بجائے کچھ متعین افراد کو یا ایک فرد کو دے دیا جائے۔ یہ سب میسر ہی کی اقسام ہیں۔

قرآن کریم نے تجارت اور مالیات کو پسندیدہ چیز قرار دیا ہے، اس کو اللہ کا فضل بنایا ہے۔ مال کو خیر کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ فی نفسہ نہ مال برا ہے، نہ تجارت بری ہے۔ نہ مالیات اور تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لینا برا ہے۔ بہ شرطے کہ یہ تمام چیزیں یاد الٰہی میں رکاوٹ نہ ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی چیز یاد الٰہی میں رکاوٹ نہیں ہے، دینی ذمے داریوں کے راستے میں آڑے نہیں آتی تو پھر یہ سب چیزیں قابل قبول ہیں، اللہ کا فضل ہیں اور خیر محض ہیں:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَٰرَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ[31]

صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے ایک جگہ کہا گیا ہے کہ یہ ایسے حضرات ہیں جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے:

"اللّٰهم اعني على ديني بالدنيا۔"[32]

" اے اللہ ! دنیاوی وسائل اور اسباب کے ذریعے میرے دین کی مدد فرما۔"

قرآن کریم میں جہاں نماز جمعہ کا ذکر ہے ، وہاں یہ نہیں کہا گیا کہ جمعہ کے دن سب کاروبار بند کر دو۔ کوئی شخص جمعہ کے دن اپنا کاروبار بند کرنا چاہے تو ضرور کرے، لیکن شریعت نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ شریعت نے صرف یہ کہا ہے کہ جب اذان دے دی جائے تو کاروبار بند کر دو :

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٩[33]

اذان کے وقت خرید و فروخت اور تجارت کو بند کر دو ۔ اس لیے کہ اس وقت اگر خرید و فروخت جاری رہے گی تو وہ یاد الٰہی سے غافل کر دے گی ، یاد الٰہی میں رکاوٹ بنے گی اور اس اہم دینی ذمے داری کی انجام دہی میں تعویق کا سبب ہو گی۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن مجید نے اپنی معاشی پالیسی کا ایک اہم اصول یہ عطا فرمایا ہے کہ دولت کی گردش صرف دولت مندوں میں نہ ہو بلکہ معاشرے کے ہر طبقے میں ہو۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ ٱلْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم نے جو احکام دیئے ہیں ان میں سب سے پہلا حکم زکوٰۃ کا ہے۔ ایک شخص اگر جائز طریقے سے دولت حاصل کرتا ہے اور جائز طریقے سے خرچ کرتا ہے، اس کے بعد اس کی بچت ایک سال تک اس کے پاس رہتی ہے، وہ زکوٰۃ ادا کرے۔ جب زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی تو وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اس کو کاروبار میں لگائے گا۔ اس سے معاشی سرگرمی جنم لے گی۔ جب معاشی سرگرمی جنم لے گی تو پورا معاشرہ اس ترقی سے استفادہ کرے گا۔

30 البقرہ: 275

31 النور : 37

32 الترمذی : ج2، ص143، رقم 659

33 الجمعہ : 9

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشی ترقی میں اضافہ ہو گا۔ جب معاشی ترقی میں اضافہ ہو گا تو دولت کے پھیلاؤ میں مدد ملے گی اور یوں قرآن کریم کا یہ مقصد پورا ہو گا۔

اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتا رہے گا تو ہر سال ڈھائی فیصد کے حساب سے اس کے قبضے سے رقم نکلتی جائے گی۔ زکوٰۃ کے علاوہ قرآن کریم نے صدقات واجبہ کا حکم دیا ہے۔ بعض صدقات ہیں جو لازماً ادا کرنے ہیں۔ مثلاً صدقۃ الفطر ہے، یہ لازماً ہر وہ شخص کرے گا جس کے پاس عید الفطر کے دن بقدر نصاب رقم موجود ہو گی۔ قرآن مجید نے بعض گناہوں کے کفارے ادا کرنے کا حکم دیا ہے، جن میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم ہے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم ہے۔ جب کوئی شخص ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا، اس سے کم از کم اس دن ساٹھ مسکینوں کی ضروریات تو پوری ہوں گی۔ پھر جب وہ دولت کو خرچ کرے گا، پیسہ نکالے گا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا بندوبست کرے گا تو دولت کے ارتکاز پر یقیناً فرق پڑے گا۔ پھر شریعت نے وصیتیں کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیک کام کے لیے وصیت کرنا پسندیدہ عمل قرار دیا گیا۔

وصیت کے علاوہ میراث کے احکام سے بھی یہ مقصد پورا ہوتا ہے۔ میراث کے احکام یہ ہیں کہ لازماً ایک شخص کی وفات کے بعد اس کی جائیداد تقسیم ہو جائے۔ اگر ارتکاز ہو بھی اور تمام جائز اقدامات کرنے کے باوجود دولت جمع ہو جائے تو وہ ایک نسل کے بعد تقسیم ہو جائے گی۔ بیٹے کو ملے گا، بیٹیوں کو ملے گا، ماں باپ کو ملے گا، بہن بھائیوں کو ملے گا، رشتہ داروں کو ملے گا اور جو بڑا ارتکاز ہوا تھا وہ ٹوٹ پھوٹ کر بہت سے حصوں میں تقسیم ہو جائے گا اور دو تین پشتوں کے بعد بڑے بڑے ارتکاز ختم ہو جائیں گے۔

شریعت نے وقف قائم کرنے کی تلقین کی ہے، اسلام میں پہلا وقف خود رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ حضور علیہ السلام کے بعد سب سے پہلا وقف قائم کرنے کا شرف سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد صحابہ کرام کے زمانے سے یہ طریقہ چلا آ رہا تھا، ماضی قریب تک یہ طریقہ رائج تھا کہ بڑے پیمانے پر لوگ اپنی جائیدادیں وقف کیا کرتے تھے، غربا کے لیے فقرا کے لیے، طلبہ کے لیے، تعلیمی، دینی کاموں کے لیے، اجتماعی کاموں کے لیے، معاشی کاموں کے لیے، بے شمار وقف ہوتے تھے۔ بعض قدیم اسلامی شہر تو ایسے تھے، مثلاً استنبول، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، قاہرہ، بغداد، جن کی جائیدادوں کا بیشتر حصہ وقف پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وقف کا ادارہ اسلامی تاریخ میں کتنا اہم تھا۔

میں ابھی نوازل کا ذکر کر چکا ہوں۔ یعنی ایسے ٹیکس جو حکومت کو لگانے کی ضرورت پیش آئے اور جو عامۃ الناس کی ضروریات کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہوں۔ اس کے لیے نوازل یا نوائب کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ پھر ایک مشہور روایت میں آتا ہے، جو امام ترمذی نے بیان کی ہے، جامع ترمذی میں ہے:

"ان في المال لحقا سوي الزكوٰة۔"[34]

" لوگوں کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔"

یہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دے کر شریعت کے سارے مالی واجبات پورے ہو گئے، یہ درست نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالی ذمے داری شریعت نے رکھی ہے اور قرآن کریم کی ایک نص قطعی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ سورہ بقرہ میں جہاں یہ فرمایا گیا:

لَّيۡسَ ٱلۡبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ[35]

اس میں یہ بھی بتایا گیا کہ نیکی صرف یہ نہیں ہے کہ تم فلاں فلاں کام کرو، بلکہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو، اس کے بعد کہا گیا ہے:

وَءَاتَى ٱلۡمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ ذَوِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينَ[36]

زکوٰۃ دینے کے بعد بھی ایتائے مال کا تذکرہ ہے جو یقیناً زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ پھر شریعت نے نفقات واجبہ کا حکم دیا ہے جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا۔ دیت کے طور پر بہت بڑی رقم ادا کی جاتی ہے۔ انسانی جان کے خلاف جتنے جرائم ہیں سب میں یا تو اصل سزائیں ہی دیت یا ارش اور ضمان ہیں یا بقیہ سزاؤں کے ساتھ ساتھ ادا کی جاتی ہیں یا کسی بڑی سزا کے متبادل کے طور پر ہیں۔ انسانی جان کے خلاف تمام جرائم میں دیت یا اس کے اجزا کی ادائیگی لازمی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ جرائم ہر معاشرے میں ہوتے ہیں، کسی میں کم کسی میں زیادہ، جب یہ جرائم معاشرے میں ہوں گے، اور ان کے نتیجے میں دیت بھی ادا کی جائے گی، ضمان بھی ادا کیا جائے گا، ارش بھی ادا کیا جائے گا۔ تو اس کے نتیجے میں خود بہ خود دولت کے ارتکاز کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

ان بالواسطہ اقدامات کے ساتھ ساتھ شریعت نے دولت کی وسیع پیمانے پر تقسیم کے لیے کچھ مثبت اور براہِ راست ہدایات بھی دی ہیں۔ مثلاً ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کی ہے۔ مثلاً غیر ضروری طور پر بڑے بڑے رقبہ جات کی ملکیت اور ان کو غیر آباد چھوڑنے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ کسی کی زمین کی تین سال تک بغیر آبادی اور کاشت کے ملکیت شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے اگر سرکاری زمین کسی شخص کو آباد کرنے کے لیے الاٹ کی گئی ہے اور وہ تین سال تک آباد نہ کر سکے تو وہ زمین اس سے واپس لے لی جائے گی۔ اسی طرح سے سرکاری چراگاہوں کے علاوہ ذاتی چراگاہیں یا گھوڑی پال مربعے قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی بڑے پیمانے پر لوگ رقبوں کو روک کر لیں اور اپنے جانوروں کے چرنے کے لیے اس کو خالی چھوڑ دیں دوسروں کو استعمال نہ کرنے دیں، اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ صرف سرکاری یا

---

[34] الترمذی

[35] البقرہ:177

[36] البقرہ:177

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوجی جانوروں کے چرنے کے لیے جو جہاد میں کام آتے ہوں۔ حکومت کو اجازت ہے کہ وہ سرکاری چراگاہیں قائم کرے اور وہاں جانوروں کی افزائش نسل کا انتظام کرے۔

ان تمام اقدامات کے ساتھ ساتھ قرآن کریم نے جگہ جگہ مال کو جمع کرنے کی برائی اور خرچ کرنے کی اچھائی بیان کی ہے۔ مال کو جمع کرنا برا بتایا ہے، خرچ کرنا اچھا بتایا ہے۔ خرچ کرنا اللہ کے راستے میں ہو تو بلاشبہ، یہ ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق نہ ہو، وہ اپنی ذات پر خرچ کرے، اپنے خاندان پر، اپنے گھر والوں پر خرچ کرے تو مجرد خرچ کرنا بھی مال کو روک کر رکھنے سے بہتر ہے۔

جب مال کو انسان روک کر رکھتا ہے تو وہ نہ اس کے کام کا نہ کسی اور کے کام کا۔ گھر میں سونے چاندی کے انبار رکھے ہوں تو وہ کس کام کے۔ پرانے زمانے میں لوگ گھروں میں گڑھے کھود کر سونے چاندی کی اینٹیں جمع کر لیتے تھے اور بعض صورتوں میں ایسا ہوتا تھا، بلکہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی شخص نے خاموشی سے دولت جمع کی، اپنے گھر میں دفن کر دی اور بعد میں مر گیا۔ کسی کو بتایا نہیں، دولت ضائع ہو گئی۔ بعد میں کبھی کسی کے ہاتھ لگ گئی تو لگ گئی ورنہ ضائع ہو گئی۔

آج کل پاکستان میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ بعض بڑے با اثر لوگ نا جائز دولت پاکستان سے حاصل کرتے ہیں اور مختلف فرضی ناموں سے مغربی بنکوں میں جمع کرا دیتے ہیں۔ وہ ان کے مرنے کے بعد ضائع ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کی داستانیں وقتاً فوقتاً اخباروں میں آتی رہتی ہیں کہ فلاں گورنر صاحب نے، فلاں وزیر صاحب نے، فلاں ملک کے بینک میں اکاؤنٹ کھولا ہوا تھا، اس میں اتنی رقم تھی اور فلاں نام سے تھی، ان کے مرنے کے بعد وہ ضائع ہو گئی۔ ظاہر ہے کوئی والی وارث نہیں ہے، کوئی ثبوت نہیں ہے، کوئی عدالت نہیں ہے۔

یہ نا جائز دولت کے وہ نتائج ہیں جن کی وجہ سے شریعت نے ارتکاز دولت کو منع کیا ہے۔ قرآن مجید سے یہی پتہ چلتا ہے کہ دولت کے حد سے زیادہ پھیلاؤ اور فراوانی کے بہت منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں، جن کی قباحتیں اخلاقی اعتبار سے بہت بری ہیں۔ مترفین کے کرتوت معاشرے کو تباہی کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ مترفین سے مراد وہ طبقہ ہے جس کے پاس دولت کی ریل پیل ہو، جو دولت کے انبار اپنے پاس رکھتا ہو، دولت کے بڑے بڑے تالابوں پر قابو اس کو حاصل ہو گیا ہو اور وہ ان سے کھیلتا ہو۔ جب کسی طبقے میں مترفین کی کثرت ہوتی ہے تو وہاں کثرت سے ایسے فارغ البال اور دولت سے کھیلنے والے وجود میں آ جاتے ہیں جن کی کوئی ذمے داری نہ ہو، جن کو بے تحاشا دولت بغیر محنت کے مل گئی ہو۔

جب ایسے طبقے کی کثرت ہوتی ہے تو اس سے معاشرے میں بے شمار اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں جو نظم و توازن قائم ہوتا ہے وہ بگڑ جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں پورا معاشرہ تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ بات بیان کی گئی کہ جب اللہ کے حکم تکوینی کی رو سے کوئی بستی تباہ ہوتی ہے تو اس کی فوری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس بستی یا آبادی میں مترفین کی کثرت ہو جاتی ہے۔ مترفین اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ ان کا فسق و فجور اور ان کے کرتوت اور گناہ پوری بستی کو لے ڈوبتے ہیں۔

مفکرین اسلام میں بہت سے حضرات نے اس پر گفتگو کی ہے۔ علامہ ابن خلدون نے جو اسلامی تاریخ کے سب سے نمایاں مورخین میں سے ہیں اور اسلامی تاریخ کے پہلے ماہر اجتماعیات ہیں بہت تفصیل کے ساتھ مترفین کے کرتوتوں اور اخلاق قباحتوں کے نتائج پر گفتگو کی ہے جو مطالعے کے قابل ہے۔

چونکہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ مال و دولت ضائع نہ ہو، مال و دولت کا غلط استعمال نہ ہو، مال و دولت کا ارتکاز نہ ہو، ذخیرہ اندوزی نہ ہو، بلکہ اس کا تقسیم اور پھیلاؤ جتنا وسیع ہو سکے اس کو یقینی بنایا جائے اور اس کا استعمال صحیح طریقے کے مطابق ہو۔ عقل اور شریعت، قانون اور منطق کے مطابق دولت کا استعمال ہو۔ اس لیے قرآن مجید نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اگر کسی وقت کوئی ایسا شخص کسی بڑی دولت کا یکایک وارث ہو جائے جو بہت بے وقوف اور بے عقل ہو، جو دولت کے استعمال کا طریقہ نہ جانتا ہو تو اس کو اپنی دولت پر کنٹرول حاصل کرنے کی پورے طور پر اجازت نہ دی جائے۔ سورۃ نساء کی آیت نمبر پانچ میں کہا گیا ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ [37]

"تم اپنے مال سفہا یعنی بے وقوفوں کو مت دو۔"

یہ مال تو دراصل خدا ہی کا ہے لیکن اسے اموالکم یعنی تمہارا مال کہا گیا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انفرادی طور پر جو مال و دولت لوگوں کے پاس ہے، وہ بھی دراصل اپنے نتائج کے اعتبار سے پوری ریاست اور پورے معاشرے کا مال ہے۔ ایک فرد کے پاس جو وسائل ہیں وہ اس اعتبار سے تو فرد کے ہیں کہ اس وقت وہی ان کا امین اور متولی ہے لیکن ان وسائل اور اسباب کو جب وہ فرد استعمال کرے گا تو اس استعمال کے اثرات اور نتائج اور فوائد کے اعتبار سے وہ مال دراصل پورے معاشرے کا مال ہے۔ یہ مال بیوقوف اور بے عقل لوگوں کے تصرف میں نہیں آنا چاہئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مال کو تمہارے لیے ذریعہ قیام بنایا ہے، زندگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لیے یہ مال معاشرے کی عمومی نگرانی میں رہنا چاہئے۔

عدالت و ریاست یا خاندان اور معاشرہ جو بندوبست کرنا چاہیں، وہ مال کے نظم و نسق میں بندوبست کریں۔ اصل مالک کو اس میں سے بہ قدر ضرورت جیب خرچ دیا جائے گا، تاوقت کہ وہ شخص اتنی سمجھ اور اتنی ذہنی پختگی حاصل کر لے کہ

[37] النساء : 5

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے مال کا بندوبست خود کر سکے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پچیس سال کی عمر کے بعد بے وقوف یتیم کا مال یتیم کو دے دینا چاہئے یا موصیٰ کا مال موصیٰ کو دے دینا چاہئے۔ قرآن مجید میں جو لفظ آیا ہے رشد، اس کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے فقہائے کرام یہ لکھتے ہیں کہ عدالت کی ذمے داری ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ جس کا مال عدالت یا وصی یا ولی کے تصرف میں تھا، اس میں اتنی عقل اور فہم پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اس کا بندوبست کر سکے۔ اگر ہوگئی ہے تو وہ مال اس کے تصرف میں دیدیا جائے، اگر اس میں ابھی تک بھی اتنی عقل و فہم پیدا نہیں ہوئی تو پھر عدالت اپنی صوابدید کے مطابق اس کا بندوبست کرنے کا فیصلہ کرے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ کہا گیا ہے:

وَلَا تَبۡخَسُواْ ٱلنَّاسَ أَشۡيَآءَهُمۡ [38]

بعض مفسرین نے أَشۡيَآءَهُمۡ میں لکھا ہے أَمۡوَٰلَهُمۡ یعنی لوگوں کے مال یا لوگوں کی چیزوں اور ملکیتوں کی قیمت کم نہ کرو۔ ان کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ بخس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بخس کے دراصل معنی ہیں کسی شخص کو اس جائز ملکیت کے فائدے سے محروم رکھنا یا اس کے مال و دولت سے اس کو محروم کر دینا یا کسی کی چیز اونے پونے داموں خرید لینا، یہ بھی بخس میں شامل ہے۔ کسی شخص کو دھوکا دے کر اس کی قیمتی چیز کم قیمت میں لے لینا۔ یہ بھی اس میں شامل ہے، ایسی ہر صورت بخس میں شامل ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی کہ مجبور آدمی کو من مانی قیمت پر کوئی چیز بیچنے پر مجبور نہ کرو۔ ایک شخص مجبوری میں اپنی کوئی قیمتی چیز بیچنا چاہتا ہے۔ آپ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کہیں کہ میں پانچ سو روپے کی چیز سو روپے میں لوں گا یہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ وَلَا تَبۡخَسُواْ ٱلنَّاسَ أَشۡيَآءَهُمۡ کی مد میں آتا ہے۔ اسی طرح سے اور بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک شخص ناواقف ہے، اس کے پاس کوئی قیمتی چیز ہے، پرانی قیمتی دستاویز ہے، باپ دادا کے زمانے سے چلی آ رہی ہے، آپ اس سے اونے پونے خرید لیں۔ یہ بھی بخس کی تعریف میں شامل ہے۔

ہمارے ایک عزیز تھے، ان کے پاس قدیم خاندانی دستاویزات اور کتب خانے کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس میں برصغیر کے بعض مشاہیر مثلاً سید احمد شہید، نواب مصطفی خان شیفتہ، مرزا غالب، سر سید احمد خان اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کے خطوط، ہمارے خاندانی بزرگوں کے نام موجود تھے۔ انہیں ان خطوط کی قیمت کا اندازہ نہیں تھا۔ ان کو جب رقم کی ضرورت ہوتی تھی وہ ایک آدھ خط نکال کر پچاس روپے میں، دس روپے میں فروخت کر دیا کرتے تھے۔ جس کے ہاتھ فروخت کرتے تھے وہ بہت خوش ہوتا تھا کہ ہزاروں لاکھوں کی چیز کوڑیوں کے مول مل گئی لیکن یہ اپنی ضرورت سے مجبور تھے اور ایک ایک کرکے انہوں نے سارا ذخیرہ یا اس کا بیشتر حصہ اونے پونے بیچ دیا۔ اس طرح کے واقعات آئے دن پیش آتے ہیں۔ یہ سب وَلَا تَبۡخَسُواْ ٱلنَّاسَ أَشۡيَآءَهُمۡ کی ذیل میں آتا ہے۔

قرآن مجید کے معاشی احکام کا یا مالی احکام کا یہ ایک بہت مختصر اور سرسری جائزہ تھا جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ اب میں اختصار کے ساتھ چند ایسی احادیث نبوی بھی پیش کرنا چاہتا ہوں جن میں معاشی نوعیت کے احکام اور مسائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

احادیث میں قرآن کریم میں بیان کردہ انہیں بنیادی اصولوں کی مزید وضاحت کی گئی ہے اور بعض ایسے پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے جو قرآن کریم کے ان اصولوں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ قرآن کریم کلیات کی کتاب ہے اور احادیث رسول اور سنت رسول میں ان کلیات کی تشریح کی گئی ہے، ان کی عملی تطبیق کی مثالیں دی گئی ہیں اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے کون سے کلیات، کن کن مزید اصولوں پر یا قواعد پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیات جن کا تعلق معیشت و تجارت اور انسان کی معاشی زندگی سے ہے، ان کی تفسیر اور وضاحت احادیث میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔

احادیث میں ایک مضمون بہت کثرت سے ملتا ہے جو دراصل قرآن مجید ہی کی ایک آیت کی تشریح ہے۔ قرآن مجید نے کئی جگہ محنت کرنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اللہ کے رزق کو اللہ کا فضل قرار دیتے ہوئے اس کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے اور اس بات کو پسندیدہ بتایا گیا ہے کہ انسان جائز روزی کے حصول کے لیے کوشش کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے، جہاں سورہ ملک میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے مسخر اور آسان بنایا ہے، وہاں ارشاد ہوتا ہے:

فَٱمۡشُواْ فِي مَنَاكِبِهَا [39]

" زمین کے راستوں پر چلو۔ روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو۔"

وَكُلُواْ مِن رِّزۡقِهِۦ [40]

" جو رزق اللہ نے رکھا ہے اس کو حاصل کرو اور کھاؤ۔"

اسی طرح ایک اور جگہ ہے:

فَٱنتَشِرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَٱبۡتَغُواْ مِن فَضۡلِ ٱللَّهِ [41]

" اپنی اپنی ذمے داریاں ادا کرنے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو یعنی رزق کو تلاش کرو۔"

قرآن کریم میں بیان کردہ اس بنیادی اصول کی مزید تفصیلات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔

---

38 الاعراف: 85

39 الملک: 15

40 الملک: 15

41 الجمعۃ: 10

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صاحب ایمان بندے کو پسند کرتا ہے جس کے پاس کوئی ہنر بھی ہو۔

"ان اللہ یحب المومن المحترف۔"

بے ہنر آدمی بھی اگر صاحب ایمان ہو تو وہ یقیناً قابلِ احترام اور پسندیدہ ہے۔ لیکن صاحب ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب ہنر بھی ہو، کوئی مہارت رکھتا ہو، کسی خاص میدان میں کوئی تخصص رکھتا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے طلب معیشت کو اور روزگار کی تلاش کو بعض گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے۔ امام طبرانی نے ایک حدیث روایت کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض گناہ بندے سے ایسے سرزد ہوتے ہیں جس کا کوئی اور کفارہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ وہ جائز روزی کے حصول میں کوشاں ہو۔ جائز روزی کے حصول کی کوشش اللہ کو اتنی پسند ہے کہ وہ بعض اوقات گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص روزی کے حصول میں اس اجر و ثواب کی نیت بھی رکھے اور شریعت کے قواعد کی پیروی کرے تو نہ معلوم کتنی غلطیوں، کتنے گناہوں اور کتنی بھول چوک کا یہ سب چیزیں کفارہ آپ سے آپ ہوتی جائیں گی۔

جب انسان محنت کا کوئی کام کرتا ہے تو اس کا ایک طریقہ تو ہے کہ اترے جی سے ڈال پھینک کر کرے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بہت محنت سے، بہترین انداز سے اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق اس کو انجام دے۔ ایک حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند کرتا ہے کہ جب کوئی کام کرے تو اس کو کمال کے ساتھ کرے اور بہترین انداز سے پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ یعنی جس کو انگریزی میں پرفیکشن Perfection کہتے ہیں، اس کا حصول اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدگی اور مقبولیت کا ذریعہ ہے۔

اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ فی نفسہ حب مال کوئی بری بات نہیں ہے۔ مال کا ہونا اچھی چیز ہے، مال اللہ کا فضل ہے۔ مشہور صحابی سیّدنا ابوہریرہ کے شاگرد رشید اور تابعین میں صف اوّل کی شخصیت حضرت سعید بن المسیب کا ارشاد علامہ ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو مال کی محبت نہیں ہے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ مال کے بغیر خالی ہاتھ انسان کیا کر لے گا، مال ہوگا تو اللہ کی عبادت میں اس سے مدد ملے گی۔ امانتوں کی انجام دہی اور ادائیگی میں مدد ملے گی۔ اپنی عزت و آبرو کے تحفظ میں مال کی ضرورت پڑتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان تمام مخلوقات سے مستغنی ہو جاتا ہے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور عبادت ہی اس کا سب سے بڑا کام یا سب سے بڑی مصروفیت رہ جاتی ہے۔ مال نہ ہو تو پھر اس کے حصول میں انسان کی زندگی کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا ہے۔

انسان کے پاس مال و دولت ہو اور وہ محنت کی اہمیت سے واقف ہو تو اس سے خود بہ خود اقتصادی سرگرمی پیدا ہوتی ہے، جس کی احادیث میں تلقین بھی کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس زمین ہو، کسی کے پاس زمین ہے، یا تو اس میں خود کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو کاشت کرنے کے لیے دے دے۔ یعنی وسائل کو بغیر استعمال کے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پودا لگانے کے لیے بیٹھا ہو، ہاتھ میں اس کا بیج یا قلم ہو اور ابھی لگانے کے لیے بیٹھا ہوا ہے، قیامت کا صور پھنک گیا تو حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر ہو سکے تو اس پودے کو لگا کر پھر اٹھو اور پھر دیکھو کہ قیامت آئی ہے تو اب کیا کریں۔

" فان استطاع ان لا يقوم حتي يغرسها فليفعل۔"

" اگر اس کو اتنی مہلت مل جائے کہ قیامت کا صور پھونکے جانے کے بعد بھی وہ پودا لگا سکے اور پودے کو لگانے کے بعد کھڑا ہو تو اس کو ایسا کر گزرنا چاہیے۔"

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو محنت اور پیداواری سرگرمی میں اپنی مصروفیت ہر صورتحال میں اور آخری فرصت تک جاری رکھنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ قیامت کا صور پھونکنے کے بعد پھر پودے کی یا کاشت کی یا پیداوار کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ لیکن یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ اگر تم کو جو فرصت میسر ہے وہ بالکل آخری فرصت ہو، تب بھی کوئی پیداواری کام جو تم نے شروع کیا ہو وہ مکمل کر سکتے ہو تو اس کو نامکمل نہ چھوڑو۔ اس لیے کہ ذرائع پیداوار کو نامکمل چھوڑنا، یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اور اس مقصد کے بھی خلاف ہے جو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ پرفیکشن کو پسند فرماتا ہے۔ پرفیکشن میں ایک تو کسی چیز کا مکمل طور پر انجام دینا شامل ہے۔ دوسرے بہترین طریقے سے انجام دینا بھی پرفیکشن کا ایک تقاضا ہے۔ دوسرے جب کوئی کام کیا جائے تو اس میں لیاقت، خوب صورتی، حسن و جمال کے پہلوؤں کو، جمالیات کے پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

معبود اور محبوب

" سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے، جس کے لیے معبود، صرف معبود ہی نہو بلکہ محبوب بھی ہو۔"

مولانا ابو الکلام آزاد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محمد ثاقب صدیقی

فلکیات وارضیات کے مظاہر
قرآن مجید میں

"قرآن مجید سائنس (science) کی نہیں بلکہ سائنز (signs) کی کتاب ہے۔"[1] اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ کو دیکھے بغیر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاتے، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس "کتاب ہدایت" میں "نشانیاں" شامل فرمادی ہیں اور ان نشانیوں کو تلاش بھی زیادہ تر اُن ہی لوگوں نے کیا ہے جو کہ غیر مسلم ہیں۔ مگر انہوں نے نشانیاں دریافت ضرور کیں مگر اس دریافت کا ادراک نہیں کیا۔ وہ یہ جاننے سے قاصر رہے کہ یہ نشانیاں انسانوں پر حجت الٰہی ہیں۔ ایسی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ بعض روشن ضمیر سائنسدانوں نے جب ان نشانیوں کو دریافت ہی نہیں بلکہ ان کا دراک بھی کر لیا تو اسلام کے دامن ہدایت میں پناہ لی۔ اصلاً یہ ذمہ داری بھی مسلمان سائنسدانوں کی ہے کہ وہ ان سائنسی علوم میں اللہ کی جو نشانیاں پوشیدہ ہیں اس کا بر ملا اظہار کریں اور سائنس کے اساتذہ و طلباء کو صحیح طور سے یہ باور کرائیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ

إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٠﴾ ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَٰطِلًا سُبْحَٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴿١٩١﴾ (آل عمران: 190 - 191)

" بے شک آسمان و زمین کی تخلیق میں اور رات و دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو لوگ اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب کچھ بلا وجہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔"

تو گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں ہیں جو ہمیں دعوت غور و فکر دیتی ہیں۔

بگ بینگ:

عمومی نظریے کے مطابق ہماری کائنات تقریباً 13 ارب 70 کروڑ سال قبل یہ ایک انتہائی چھوٹے، انتہائی گرم، انتہائی کثیف .... صرف ایک "singularity" (وحدانیت) کی شکل میں تھی۔ یہ "singularity" کہاں سے آئی؟ اور یہ ہے کیا؟ اس بارے میں کوئی حتمی سائنسی رائے موجود نہیں۔ "singularity" سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔

تقریباً 13 ارب 70 کروڑ سال قبل یہ "singularity" پھیلنے لگی، اس پھیلاؤ کو بگ بینگ کا نام دیا جاتا ہے۔ بگ بینگ کو عموماً "ایک عظیم الشان دھماکہ" سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ ماہرین اسے "پھیلاؤ" کہتے ہیں۔ بگ بینگ کے فوراً بعد کائنات بنیادی طور پر ہائیڈروجن، ہیلیئم اور کچھ مقدار میں لیتھیم پر مشتمل تھی۔[2]

کائنات کے ابتدائی گیسوں کے بادل (یادھواں)

جبکہ اگر کوئی گیس بہت زیادہ گرم کی جائے تو وہ آیونائزڈ (چارج بردار) ہو جاتی ہے (اور اس میں سے الیکٹرانز خارج ہونے لگتے ہیں) اور بالکل دھندلی ہوتی ہے (جیسا کہ کوئی دھواں)۔ شروع میں کائنات نظر آنے والی روشنی کے لیے دھندلی (غیر شفاف) تھی۔

جب بگ بینگ وقوع پزیر ہوا تو کائنات کافی تیزی کے ساتھ پھیلی۔ بتدئی پھیلاؤ کے ساتھ کائنات مناسب حد تک ٹھنڈی ہونا شروع ہوئی تو انرجی دیگر ایٹمی ذرات میں تبدیل ہونا شروع ہوئی بگ بینگ سے سب زیادہ ہائیڈروجن، ہیلیئم اور کچھ مقدار میں لیتھیم گیسیں پیدا ہوئیں۔

2011 میں خلاء نوردوں نے ابتدائی بننے والی گیسوں کے قدیم بادل دریافت کیے۔ ان بادلوں میں ہائیڈروجن اور ڈیوٹیریئم deuterium گیس کے عناصر پائے گئے۔[3] چونکہ ان گیسوں کے بادلوں میں کوئی دھاتی عنصر نہیں تھا، لہذا یہ مان لیا گیا کہ یہ بگ بینگ کے چند منٹوں بعد بنے تھے۔ ان کی ملاوٹ بگ بینگ نظریئے کے مطابق کی جانے والی گیسی ملاوٹ کے مطابق تھی۔ یہ ایک شہادت

---

[1] ڈاکٹر ذاکر نائک کا قول ہے۔

2 http://www.space.com/8066-big-bang-solid-theory-mysteries-remain.html اور http://en.wikipedia.org/wiki/Big_Bang

3 ;.M.J ,araeM'O ;.M ,illagamuF -; fo noitceteD".)1102(.X.J ,aksahcorP giB eht retfA sraeY noilliB owT saG enitsirP 5421 :)0606(433 ecneicS ."gnaB 433...icS1102:edocbiB.4332.1111:viXra .9 MP 1853121.ecneics/6211.01:iod.F5421. (.22757022 DI

www.KitaboSunnat.com

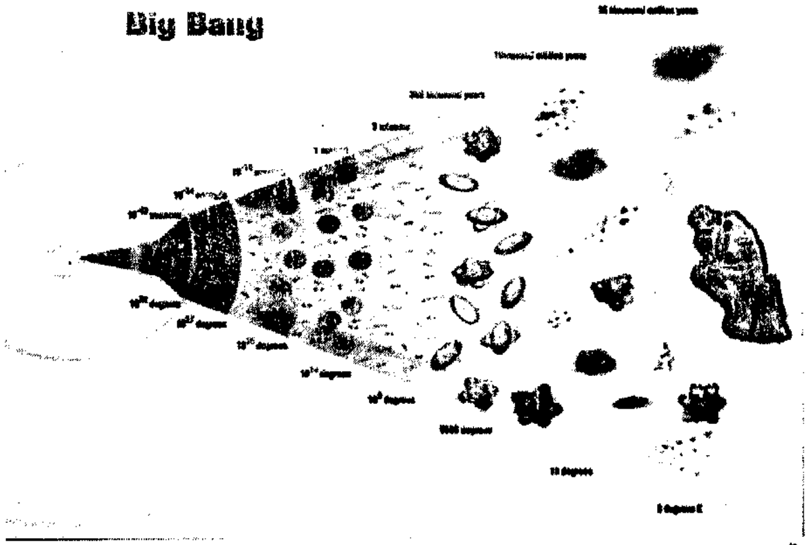

تھی کہ کائنات میں پہلے ستارے کے بننے سے پہلے ایک دور تھا، جب سب زیادہ موجود مادہ تعدیلی ہائیڈروجن کے بادلوں کی شکل میں تھا۔ قرآن مجید ہمیں یہی بتاتا ہے کہ آغازِ کائنات میں سب "دھواں" تھا، ایک گرم اور غیر شفاف گیس۔

ثُمَّ ٱسْتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ٱئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِينَ ﴿١١﴾ (فصلت : 11)

" پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور وہ "دھواں" تھا، پھر اسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آو یا ناخوشی سے دونوں نے عرض کیا بخوشی حاضر ہیں۔"

کائنات کا پھیلاؤ

یہ کائنات تقریباً 13 ارب 70 کروڑ سال قبل بنی اس وقت سے یہ مسلسل پھیل رہی ہے اور اربوں سال بعد یہ اپنی ہی کشش ثقل سے ایک "بگ کرنچ" کے ساتھ واپس اپنے اصل سائز میں سکڑ جائے گی۔ اللہ رب العالمین نے قرآن میں فرمایا کہ

أَوَلَمْ يَرَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَنَّ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَـٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ (الانبیاء : 30)

" کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ "آسمان وزمین باہم ملے جلے تھے" پھر ہم نے انھیں جدا کیا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا، کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔"

آج ماہرین کائنات نے "ڈارک انرجی" کی موجودگی کی تصدیق کر دی ہے، یہ ایک ایسی پُر اسرار قوت ہے جو کشش ثقل کے برعکس کام کرتی ہے۔ مثلاً جیسے جیسے فاصلہ بڑھتا ہے کشش ثقل کا کھینچاؤ کم ہوتا جاتا ہے، لیکن اس پُر اسرار قوت کی قوت فاصلہ بڑھنے سے بڑھتی ہے۔ یہ قوت کہکشاؤں کو ایک دوسرے سے دور دھکیل رہی ہے، جتنا فاصلہ بڑھ رہا ہے اتنا ہی اس کی قوت بڑھ رہی ہے۔ سائنسدان یہ تو نہیں جانتے کہ "ڈارک انرجی" کیا ہے، مگر یہ ضرور جانتے ہیں کہ اس کی وجہ سے تمام کائنات ایک مخصوص رفتار سے پھیلتی جا رہی ہے۔[4]

وَٱلسَّمَآءَ بَنَيْنَـٰهَا بِأَيْي۟دٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿٤٧﴾ (الذاریات : 47)

" آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا اور یقیناً ہم "پھیلانے" والے ہیں۔"

قرآن مجید نے یہ بات ہمیں 1400 سال قبل بتا دی تھی۔

کائنات کا سکڑنا:

کائنات کے آخری انجام ہونے کے تین امکانات ہیں: بگ کرنچ (Big Crunch)[5]، بگ چِل (Big Chill)[6] اور بگ رِپ (Big Rip)۔ بگ رپ کو NASA نے حال ہی میں اس منظر نامے سے باہر کر دیا ہے۔ اب دو ہی امکانات ہیں کہ بگ چل (یا تو مسلسل پھیلتی ہی رہے) یا بگ کرنچ (واپس سکڑ جائے) اور یہ دونوں ڈارک انرجی کے رویے پر منحصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بگ کرنچ کا وعدہ کیا ہے:

يَوْمَ نَطْوِى ٱلسَّمَآءَ كَطَىِّ ٱلسِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَآ ۚ إِنَّا كُنَّا فَـٰعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ (الانبیاء:104)

" جس دن ہم "آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے کتاب میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں"، جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے بگ کرنچ (کائنات کے سکڑنے) کا جو وعدہ کیا ہے وہ کشش ثقل کے ذریعے سے نہیں بلکہ آسمان کو کسی کتاب کے ورق کی طرح لپیٹ کر کرنے سے کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ "بگ کرنچ" کا عمل صرف سیکنڈ کے بھی کچھ ہی حصوں میں شروع اور ختم ہو سکتا ہے۔ (تو کیا اسے قیامت سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟؟)

بگ کرنچ (قیامت) کے وقوع پذیر ہونے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آسمان و زمین دوبارہ پیدا فرمائیں گے:

4 http://science.nasa.gov/astrophysics/focus-areas/what-is-dark-energy/ اور http://en.wikipedia.org/wiki/Dark_energy

5 The Universe in a Nutshell by Stephen Hawking chapter 03, page 95-96 اور http://map.gsfc.nasa.gov/universe/uni_fate.html

6 http://en.wikipedia.org/wiki/Future_of_an_expanding_universe

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے" (الانبیاء: 104) اور

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ (ابراہیم: 48)

" جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان بھی، اور سب کے سب اللہ واحد غلبے والے کے روبرو ہونگے۔ "

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾ (یٰس: 81-82)

" جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بیشک قادر ہے اور وہی پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دیتا ہے کہ "ہو جا"، تو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ "

روشنی کی رفتار سے سفر:

کسی صاف رات میں آسمان پر نظر دوڑائے اور اپنے لیے ایک ستارہ منتخب کر لیجئے۔ کیا کوئی بھی انسان اُس ستارے پر چند قدم چل کر پہنچ سکتا ہے؟ عمومی اضافیت انتہائی لمبے فاصلوں کو چند میٹر میں بدلنے کا ایک طریقہ کار بتاتی ہے[7]۔ البرٹ آئن اسٹائن اس کو "پل" (Bridges) کا نام دیتے ہیں[8] اور موجودہ سائنس داں اسے " وارم ہول " (WormHole) کہتے ہیں۔[9]

وارم ہول کائنات میں دو بعید ترین جگہوں میں سفر کرنے کا ایک شارٹ کٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سفر کرنے کا یہ طریقہ اپنے فرشتوں کو عطا فرمایا ہوا ہے۔ قرآن اسے "معارج" کہتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ فرشتے کیسے اسے استعمال کرتے ہیں۔ آج جسے سائنس داں WormHole کہتے ہیں مسلمانوں کے لیے وہ ہی "معارج" ہے۔

فرض کریں کہ ایک کہکشاں جو ایک کروڑ نوری سال کے فاصلے پر ہے، جب آپ اسے زمین سے دیکھ رہے ہیں تو بنیادی طور پر آپ اسے ایسا نہیں

Wormholes act like shortcuts between two points in space

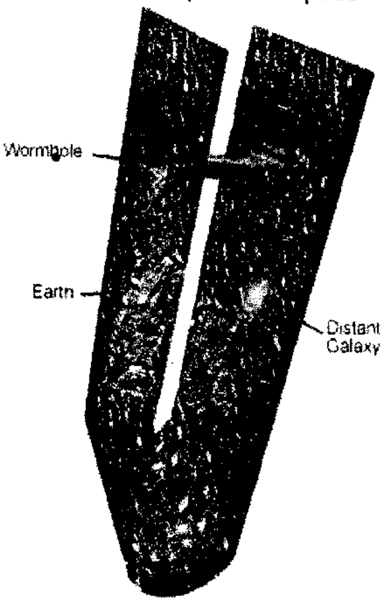

Wormholes are equivalent to folding spacetime like a book

دیکھ رہے جیسی کہ وہ آج ہے، بلکہ ویسی نظر آ رہی ہے جیسی کہ ایک کروڑ سال قبل تھی۔ ایسا اس لیے ہے کہ وہاں سے روشنی نے زمین تک پہنچنے کے لیے ایک کروڑ سال لگائے ہیں۔ لیکن اگر آپ ایک وارم ہول کے اندر سے اُس کہکشاں کا سفر شروع کرتے ہیں، تو آپ آج ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا اگر آپ آج ہی وہاں پہنچ گئے، تو آپ اُسے ویسا ہی دیکھ سکیں گے جیسا کہ وہ آج ہے اور جب آپ اُس کہکشاں سے زمین کو دیکھیں گے تو آپ زمین کو ایک کروڑ سال پیچھے دیکھ رہے ہوں گے (ممکن ہے کہ آپ کو ڈائنو سارز نظر آ جائیں)۔ ایسا اس لیے ہوگا کہ روشنی کو تو ابھی یہاں (کہکشاں میں) پہنچنے میں ایک کروڑ سال لگیں گے۔

اور آپ کی زمین کی واپسی کے سفر میں زمین کے حالات بالکل ایسے ہی ہوں گے جیسا کہ موجود ہوں گے اور اُس کہکشاں کے حالات یا مناظر وہ نظر آ رہے ہوں گے جو ایک کروڑ سال قبل تھے۔

" تو بنیادی طور پر یہ وقت کا سفر نہیں، بلکہ وارم ہول میں کیا گیا صرف مکاں کا سفر ہے۔"

طبیعیات داں یہ تو جانتے ہیں کہ ایک وارم ہول کس طرح کام کرتا ہے تاہم کبھی بھی اس کا استعمال نہیں کر سکے۔ کیا آپ نے کبھی roller coaster کو جھولتے دیکھا ہے؟ ایسا ہے کہ آپ کم رفتار کے ساتھ ایک بلندی سے چلنا شروع کرتے ہیں اور نیچے کی طرف بہت ہی تیزی کے ساتھ آتے ہیں لیکن جب آپ اپنی ابتدائی بلند جگہ پر جانے لگتے ہیں تو کیا آپ دوبارہ آہستہ ہو جاتے ہیں؟ نہیں۔ بالکل اسی طرح ایک وارم ہول کو اس سے بھی زیادہ بہتر رولر کوسٹر سمجھا جا سکتا ہے۔ وارم ہول میں سے سفر کرنے کے لیے انرجی کی ضرورت نہیں ہوتی، کشش ثقل آپ کو اندر کی جانب کھینچتی ہے اور پھر دوسری طرف نکال پھینکتی ہے۔ آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ جیسے کسی ساحل سمندر پر موجوں نے زبردست قسم کا جھولا دیا ہے۔ کشش ثقل آپ کی گھڑی کو آہستہ اور آپ کے فاصلاتی پیمانے کو گھٹا دے گا۔ دور سے مشاہدہ کرنے والے آپ کو relativistic speeds (یا روشنی کی رفتار) سے سفر کرتا ہوا دیکھیں گے؛ نتیجے میں، آپ کی انرجی (اور مادہ (mass)) ڈرامائی طور پر دیکھنے والوں کے لیے بڑھ جائے گا، لیکن جب آپ دوسری طرف سے نکل جائیں گے تو تمام چیزیں واپس اپنی مناسب حالت میں آ جائیں گی (آپ کی گھڑی، جسامت ---)۔

7 http://en.wikipedia.org/wiki/Wormhole#Faster-than-light travel

8: http://en.wikipedia.org/wiki/Wormhole اور A Brief History of Time - Stephen Hawking... Chapter 10 page 77

9: The Universe in a Nutshell by Stephen Hawking chapter 5 protecting the past page 133

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

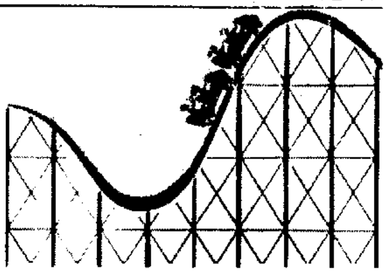

سَأَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿١﴾ لِّلْكَـٰفِرِينَ لَيْسَ لَهُۥ دَافِعٌ ﴿٢﴾ مِّنَ ٱللَّهِ ذِى ٱلْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ تَعْرُجُ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ إِلَيْهِ فِى يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُۥ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ (المعارج: 1-4)

" ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو واضح ہونے والا ہے۔ کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں اس اللہ کی طرف سے جو بلندیوں والا ہے جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔"

اس وارم ہول سے گزرتی ہوئی کوئی بھی شے بالکل ایسا ہی وقت کا پھیلاؤ محسوس کرے گی (وارم ہول کے اندر ایک دن زمینی 50 ہزار سال کے برابر ہے) جیسا کہ فرشتے کرتے ہوں گے۔ "یہ وقت کا پھیلاؤ یہ ظاہر نہیں کرتا کہ آپ نے وارم ہول میں کتنا لمبا سفر کیا ہے، بلکہ جب آپ وارم ہول میں سے سفر کرتے ہیں تو آپ نے اسی نسبت سے ایک دور گزارا ہے۔" اور یہ خلاء ہائپر اسپیس (برزخ: الفرقان: آیت 100 [10]) کہلاتی ہے۔[11]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ وارم ہولز آسمانوں کے وہ دروازے ہیں جن سے ستاروں کے درمیان کا فاصلہ چند قدموں کا ہو جاتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اس پر ایمان نہیں لائیں گے چاہے اللہ انہیں اور بڑی نشانیاں ہی کیوں نہ دکھلا دے۔ اُس نے آسمانوں میں خوبصورت اونچے مقامات بنائے ہیں۔ اگر وہ آسمان کا کوئی ایک دروازہ ان کافروں کے لیے کھول دے اور انہیں اس میں سے اُن اونچے اور بعید مقامات تک آنے جانے بھی دے، تو بھی وہ یقین نہیں کریں گے کہ وہ واقعی وہاں چند قدم چل کر پہنچ چکے ہیں، اس کی بجائے وہ یہ ہی سوچتے رہیں گے کہ یہ صرف نظروں کا دھوکا ہے۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِۦ ۖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ ٱلسَّمَآءِ فَظَلُّوا۟ فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوٓا۟ إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَـٰرُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى ٱلسَّمَآءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّـٰهَا لِلنَّـٰظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنَـٰهَا مِن كُلِّ شَيْطَـٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾

وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً ان سے پہلوں کا طریقہ گزرا ہوا ہے۔ اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں۔ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لیے اسے سجا دیا گیا ہے۔ اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔ (الحجر، آیات 13 تا 17)

قرآن کہتا ہے کہ کائنات کے بعید مقامات میں جانے کے لیے آسمان کے وہ دروازے ایک شارٹ کٹ ہیں۔ اور فرشتے ان آسمانی دروازوں کی "ہر مردود شیطان سے" حفاظت کرتے ہیں۔ فرشتے یقیناً معمول کے کاموں کے لیے روشنی کی رفتار تک سفر کرتے ہوں گے لیکن وارم ہولز کو استعمال کرتے ہوئے وہ کائنات کے کسی بھی گوشے میں آپ کے اس جملے کے اختتام سے پہلے پہنچ سکتے ہیں۔

یہ وارم ہول صرف فرشتوں کے استعمال کے لیے ہی کھلا ہوا نہیں ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے معراج (معارج کا واحد) کا سفر کسی وارم ہول ہی کے ذریعے طے کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

وَيَرَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ ٱلْحَقَّ وَيَهْدِىٓ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْعَزِيزِ ٱلْحَمِيدِ ﴿٦﴾

اور (سائنسدان) جنہیں علم دیا گیا ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ (سراسر) حق ہے۔ اور اللہ غالب خوبیوں والے کی راہ کی راہبری کرتا ہے۔ (سباء، 36، آیت 6)

ستاروں کی تقدیر:

ہر ستارے کو بہر حال ایک دن ختم ہونا ہے۔ یا تو یہ خود ہی سکڑ جائیں گے اور پھر "بلیک ہول" میں بدل جائیں گے یا پھر ان کی باقیات دوسرے ستاروں میں مل جائیں گی اور پھر وہ "بلیک ہول" میں بدل جائیں گے؛ بہر حال "بلیک ہول" ستاروں کی تقدیر ہے۔[12] دراصل ہمارا نظام شمسی ایک ستارے کے ملبے سے بنا ہے جو کہ ہمارے سورج سے کہیں 100 گنا زیادہ بڑا تھا اور تباہ ہو کر "بلیک ہول" بن گیا۔[13]

10: لَعَلِّىٓ أَعْمَلُ صَـٰلِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّآ ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۖ وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کر لوں۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے۔ ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک۔

11 : http //en. wikipedia. org/ wiki/ Hyperspace (science fiction)

12 http: //en. wikipedia.org /wiki /Star Death

13 http: //en.wikipedia.org /wiki /Solar_System#Structure_and_composition اور http: //en.wikipedia.org /wiki/ Formation_and_evolution_of_the_Solar_System#Formation

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلیک ہول (یا سکڑے ہوئے ستارے) کے مرکز میں ایک جگہ Singularity کہلاتی ہے۔[14] اگر کوئی بلیک ہول سے کافی دور رہ کر بلیک ہول کے قریب ہونے والے احوال کا مشاہدہ سلو موشن میں کر رہا ہو۔ اور وہ روشنی کی ایک شعاع بلیک ہول میں ڈالے تو اُسے ہمیشہ انتظار ہی کرتے رہنا پڑ جائے گا لیکن وہ شعاع کبھی Singularity تک نہیں پہنچ سکے گی۔ Singularity ستاروں کا ایسا مستقبل ہے جہاں کشش ثقل بے عقل ہو جاتی ہے کہ زماں و مکاں کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ نظریہ عمومی اضافیت کے مطابق یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں زماں و مکاں کا مکمل ڈھانچہ یا ساخت ایک (واحد) ہو جاتا ہے (اس لیے اسے (Singularity) کہتے ہیں)۔ جبکہ "احد" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ستاروں کے مقام کی جو قسم کھائی ہے وہ دراصل اپنے نام کی ہی ہے:

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مقام کی۔ اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ (الواقعۃ 75 اور 76)

یہاں اللہ ستاروں کی نہیں بلکہ ستاروں کے مقام کی قسم کھا رہے ہیں۔ اور آج ہم جانتے ہیں کہ اُن مقامات کا مستقبل ایک اکائی ہے، وہ اللہ کا نام ہی لے رہے ہیں۔

نابض (Pulsar) اور بلیک ہول:

نیوٹرون ستارے تباہ شدہ ستاروں کا باقی ماندہ ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے اور مادہ اس میں گرتا جاتا ہے اس کی مقدار (mass) بڑھتی جاتی ہے؛ اور جیسے جیسے مقدار بڑھتی ہے اس کی کشش ثقل بھی بڑھتی ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب کشش ثقل اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اُس میں سے روشنی تک باہر نہیں نکل سکتی، اس طرح بلیک ہول وجود میں آتے ہیں۔ آج دریافت کئے گئے نیوٹرون ستارے زیادہ تر ریڈیو پلسرز (Radio Pulsars) کی حالت میں ہیں۔ یہ ریڈیو پلسرز اس لیے کہلاتے ہیں کہ یہ ریڈیو ویوز خارج کرتے ہیں۔ ایک ریڈیو ٹیلی سکوپ کے ساتھ اسپیکر جوڑ کر با آسانی ایک پلسر کو سنا جاسکتا ہے۔ ان کی آواز کسی مسلسل دستک جیسی ہوتی ہے۔ مختصراً، ہم ان کی دستک کو سن سکتے ہیں؛ اور اگر اس پلسر میں مسلسل مادہ گرتا رہے تو یہ بلیک ہول بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ قرآن ستارے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے "وہ جو دستک دیتا ہے" اور " وہ جو سوراخ کرتا ہے"۔

وَٱلسَّمَآءِ وَٱلطَّارِقِ ﴿١﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا ٱلطَّارِقُ ﴿٢﴾ ٱلنَّجْمُ ٱلثَّاقِبُ ﴿٣﴾

قسم ہے آسمان کی اور "دستک دینے والے کی"[15]۔ تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ "دستک دینے والا" کیا ہے؟ وہ "سوراخ کرنے والا"[16] ستارہ ہے۔ (طارق 1 تا 3)

اور اللہ تعالیٰ ایسے مردہ اجسام کی قسم کھاتے ہیں جو نا نظر آنے والے ہیں، جو حرکت کرتے اور چھپانے والے ہیں:

أُقْسِمُ بِٱلْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ ٱلْجَوَارِ ٱلْكُنَّسِ ﴿١٦﴾

میں قسم کھاتا ہوں "نظر نہ آنے والے" کی۔ "حرکت کرنے والے" "چھپانے والے" کی۔ (التکویر 15 اور 16)

شیطان نظر نہ آنے والا ہے اور عربی میں اس کے لیے "خنّاس" استعمال ہوا ہے۔ قرآن اس جیسا لفظ: "خنّس" ایسی مردہ اجسام کے لیے استعمال کرتا ہے جو نظر نہ آنے والی ہوں۔ ایسا صرف ایک ہی مردہ جسم ہے جو انتہائی کشش ثقل رکھتا ہے "حرکت میں ہے" اور "ہر چیز کو اپنے اندر چھپا لیتا" ہے (یہاں تک کہ روشنی کو بھی)، وہ بلیک ہول ہی ہے۔

زمین: ایک کرہ

زمین ایک چپٹی گول طشتری کی طرح ہے، یونانی فلاسفہ کا یہ نظریہ چوتھی صدی عیسوی تک تھا، زمین کے کرہ ہونے کا عملی نمونہ سولہویں صدی عیسوی میں Ferdinand Magellan اور Juan Sebastián Elcano نے پیش کیا۔[17] جیسا کہ آج سب جانتے ہیں کہ زمین ایک کرہ ہے۔ حقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمائی ہے:

خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ بِٱلْحَقِّ ۖ يُكَوِّرُ ٱلَّيْلَ عَلَى ٱلنَّهَارِ وَيُكَوِّرُ ٱلنَّهَارَ عَلَى ٱلَّيْلِ ۖ وَسَخَّرَ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِى لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ أَلَا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفَّٰرُ ﴿٥﴾

نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمان اور زمین کو بنایا۔ وہ رات کو دن پر "لپیٹ دیتا ہے" اور دن کو رات پر "لپیٹ دیتا ہے" اور اس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ "یہ تمام چل رہے ہیں" ایک مقررہ مدت تک۔ یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ (الزمر: 5)

عربی لفظ "کرہ" کا مطلب گیند (BALL) اور اس کے فعل "یکور" کا مطلب: گیند بنانا۔ قرآن کہتا ہے کہ "ایک کرہ کی طرح" ہوتا ہے جب رات دن پر لپیٹی جاتی ہے اور یہ بھی "ایک"

---

14 http://en.wikipedia.org/wiki/Black_hole#Singularity

15 http://www.almaany.com/home.php?language=english&word=%D8%B7%D8%A7%D8%B1%D9%82&category=%5B%5D=Agriculture&lang_name=Arabic&type_word=0&dspl=0

16 http://www.almaany.com/home.php?language=english&word=%D8%AB%D8%A7%D9%82%D8%A8&lang_name=Arabic&type_word=2&dspl=0

17 http://en.wikipedia.org/wiki/Spherical_Earth

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرہ کی " باعث ہوتا ہے کہ دن رات پر لپیٹی جاتی ہے۔

زمین ساکن نہیں:

یہاں قرآن ایک اور بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہے "یہ تمام چل رہے ہیں" نہ کہ صرف سورج اور چاند بلکہ زمین بھی --- عربی قواعد میں واحد (ایک)، دو (دو) اور جمع (تین یا تین سے زائد) ہوتا ہے۔ "دو" کی حرکت کے لیے" کلاھما یجریان" استعمال ہوتا جبکہ قرآن جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے "کل یجري" (یعنی کم از کم تین کی حرکت) بیان کر رہا ہے۔ چونکہ سورج اور چاند صرف "دو" ہیں تو لہذا قرآن کے مطابق سورج، چاند اور زمین؛ تینوں حرکت میں ہیں۔

زمین کا پھیلنا:

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿٧﴾

اور زمین کو ہم نے "پھیلا دیا ہے" اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اگا دیں ہیں۔ (ق: 7)

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلا دیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس کی سطح کو پھیلایا ہے۔ "مَدَدْنَا" کا مطلب پھیلانا ہے۔

ہمارا نظام شمسی 4.57 ارب سال پرانا ہے۔ زمین سورج اور ہمسائے سیاروں کے ساتھ 4.57 ارب سال قبل بتدریج بننا شروع ہوئی۔ جبکہ بننے کے عمل کے وقت زمین کا نصف قطر 6400 کلو میٹر نہیں تھا بلکہ یہ چند کلو میٹر سے شروع ہوا اور آہستہ آہستہ بڑھا ہے۔[18] چونکہ سطحی علاقے کی پیمائش کا تعلق قطر سے ہوتا ہے؛ تو اگر نصف قطر بڑھے گا تو سطحی علاقہ بھی بڑھے گا۔ (surface area = $4\pi R^2$)

[18] http: //en.wikipedia.org ' /wiki /History_of_the_Earth#Solar_System _formation

زمین کی سب سے نیچی سطح:

جب رومی فارسیوں سے شکست کھا گئے تھے تو قرآن مجید نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ فاتح ہوں گے "نیچی زمین" پر اور ایسا ہی ہوا اُنہوں نے بحیرہ مردار کے پاس ایک جنگ میں فتح حاصل کی۔

غُلِبَتِ الرُّومُ ﴿٢﴾ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ﴿٣﴾

رومی مغلوب ہوگئے ہیں۔ "نیچی زمین پر" اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔ (الروم: 2اور 3)

آج ہم جانتے ہیں کہ بحیرہ مردار سطح ارضی کا سب سے نیچا مقام ہے(تیسرا نچا ترین)۔ (تقریبا 427 میٹر یا 1401 فٹ سطح سمندر سے بھی نیچے)[19]

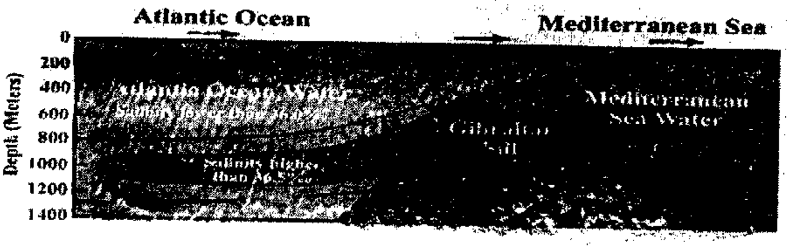

مختلف سمندروں کا پانی آپس میں گھلتا ملتا نہیں:

جدید سائنس نے دریافت کیا ہے کہ جس جگہ دو مختلف سمندر ملتے ہوں اُن کے درمیان ایک رکاوٹ یا آڑ ہوتی ہے۔ یہ رکاوٹ ان دونوں سمندروں کو اس طرح تقسیم کرتی ہے کہ دونوں سمندروں کا اپنا درجہ حرارت، کھاراپن اور کثافت برقرار رہتی ہے۔[20]

[19] http: //en.wikipedia.org /wiki/ Dead_Sea#Geography

[20] :Principles of Oceanography, Davis, pp. 92-93

مثال کے طور پر بحیرہ روم، بحر اوقیانوس کی بہ نسبت ایک گرم، نمکین اور کم کثیف بحیرہ ہے۔ جب بحیرہ روم کا پانی بحر اوقیانوس میں آبنائے جبل الطارق کے مقام پر شامل ہوتا ہے تو، یہ بحر اوقیانوس کے اندر اپنی مخصوص حرارت، نمکیات اور کثافت کی خصوصیات کے ساتھ کئی سو کلو میٹر اور تقریباً 1000 میٹر کی گہرائی تک بہتا چلا جاتا ہے۔ بحیرہ روم اپنی یہ خصوصیات اس قدر گہرائی میں بھی مستحکم رکھتا ہے۔[21]

اگرچہ یہاں سمندروں کے اندر بڑی موجیں، طاقتور بہاؤ اور مد وجزر موجود ہوتا ہے پھر بھی یہ دونوں پانی نہیں ملتے یا اس رکاوٹ سے تجاوز نہیں کرتے۔

قرآن مجید اس بات کو یوں بیان کرتا ہے کہ ایک رکاوٹ ہے دو سمندروں کے درمیان جہاں دونوں ملتے ہیں لیکن رکاوٹ سے تجاوز نہیں کرتے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ﴿٢٠﴾

اس نے دو سمندر جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان "ایک آڑ ہے" کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے (الرحمٰن:19 اور 20)۔

لیکن جب قرآن میٹھے پانی اور نمکین پانی کیے درمیان رکاوٹ کی بات کرتا ہے تو ایک آڑ کے ساتھ ساتھ یہ ایک سخت ممنوع فاصلے کا ذکر کرتا ہے۔

[21] :Same as above, P 93

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا

اور وہی ہے جس نے ملے چلائے دو دریا، یہ (ایک) میٹھا ہے پیاس بجھاتا، اور یہ (ایک) کھاری ہے کڑواہ، اور رکھا ان دونوں کے بیچ "آڑ" اور "ایک ممنوع فاصلہ"۔ (الفرقان:53)

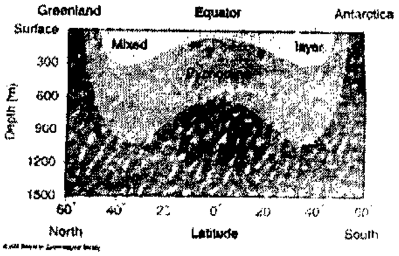

کوئی بھی یہ سوال کر سکتا ہے کہ، جب قرآن میٹھے پانی اور کھارے پانی کے درمیان "آڑ" کی بات کرتا ہے تو "سخت ممنوع فاصلے" کا ذکر کیوں کرتا ہے جب کہ دو سمندروں کے درمیان صرف ایک آڑ ہونے کا بیان کیا ہے؟

جدید سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ دریا کا مد و جزر والا علاقہ (جہاں میٹھا پانی سمندری نمکین پانی سے ملتا ہے) وہاں صورت حال اُس مقام سے مختلف ہوتی ہے جہاں صرف دو سمندر ملتے ہیں۔۔۔ کسی مد و جزر میں میٹھا پانی اور نمکین پانی کو الگ کرنے والا ایک علاقہ ہوتا ہے "pycnocline"۔ جو مسلسل دونوں پانیوں کو علیحدہ رکھتا ہے۔ پانی کا یہ حصہ (علیحدہ کرنے والا علاقہ) میٹھے پانی اور نمکین پانی کی خصوصیات سے مختلف نمکیات کا حامل ہوتا ہے۔[22] یعنی یہاں تین مختلف قسم کے علاقے (zones) بن جاتے ہیں: ایک دریائی پانی، دوسرا سمندری پانی اور تیسرا جس کی خصوصیات ان دونوں سے ہی مختلف ہوتی ہے۔

یہ تمام معلومات درجہ حرارت، نمکیات، کثافت، آکسیجن کی حل پزیری وغیرہ کی جدید آلات سے پیمائش کے بعد حال ہی میں دریافت کی گئی ہیں۔ انسانی آنکھ دو سمندروں کے ملنے کی جگہ واقع ہونے والے فرق کو نہیں دیکھ سکتی اور نہ ہی دریائی مد و جزر میں پانی کو تین مختلف حصوں میں بٹا ہوا دیکھ سکتی ہے جہاں دریا سمندر سے ملتے ہیں۔

مضبوطی کی پہچان: لوہا:

پلسرز کی دریافت تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوئی بھی ایٹمی نیوکلئس نیوٹران ستارہ (سکڑتا ہوا ستارہ) کے مرکزہ کی کشش ثقل کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان نیوٹران ستاروں کا مرکزہ کچھ الیکٹرانز اور کچھ پروٹرانز پر مشتمل ہے لیکن بنیادی طور پر نیوٹرانز پر مشتمل ہے (سو اسی لیے اسے نیوٹران ستارہ کہتے ہیں)۔ جبکہ پلسرز میں سے ریڈیو ویوز کی اخراج کے دریافت ہونے کا مطلب ہے کہ نیوٹران ستاروں کا گردشی مرکزہ لوہے پر مشتمل ہے!! اس کا مطلب یہ ہوا کہ نیوٹران ستارہ میں لوہے نے کشش ثقل کو برداشت کیا!![23] اور آج ہم یہ جانتے ہیں کہ لوہا تمام عناصر میں سب سے زیادہ مضبوط کیمیائی بونڈ پر مشتمل ہوتا ہے۔[24]

.....وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ.....

ہم نے لوہے کو نازل کیا، جس میں سخت ہیبت اور قوت ہے (الحدید:25)

لوہا اور دیگر بہت سے عناصر زمین پر بیرونی خلاء سے آئے ہیں۔ قرآن کے نزول سے برسہا برس قبل بھی لوہا مستعمل تھا لیکن یہ ہتھیار بنانے کے لیے پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا تھا کیوں کہ اس میں زنگ لگ جاتا ہے اور یہ باآسانی مڑ جانے والا بھی ہے۔ قرآن نے "اس کے سخت ہیبت اور قوت والا ہونے" کا اُس وقت بتایا جب لوگ زنگ آلود اور مڑ جانے والا ہی سمجھتے تھے۔

اگر زمین کے دو چاند ہوتے:

ماہر فلکیات و طبیعات Neils F. Comins نے اس موضوع پر تحقیقات کی ہیں اور کافی دلچسپ خیال آفرینی کی ہے، ہمارا چاند تمام نظام شمسی میں سب سے منفرد ہے۔ ہمارے چاند کی کیت زمین کے مقابلے میں 1/18 ہے جبکہ نظام شمسی کے دیگر سیاروں اور اُن کے چاند کی کیت کی نسبت 3/10000 ہے۔ چاند اتنی کیت کا ہونا زمین پر پائی جانے والی پیچیدہ زندگی کے لیے بہت ہی اہم ہے۔ چاند کی کشش ثقل کے باعث جو بلند مد (high tides) بنتا ہے ..... رات میں شکار کرنے والے حیوانات کو روشنی فراہم کرتا ہے۔ اور زمین پر مستقل موجود موسموں کے چکر برقرار رکھنے کے لیے زمین کو ایک مخصوص زاویے پر جھکا رہنا بھی ایک چاند کی ہی وجہ سے ہے۔

اس دوسرے چاند کو Comins، LUNA کا نام دیتے ہیں۔ اس لونا کا زمین پر آنا عظیم الشان بربادی کا باعث بنا۔ اُس کی کشش ثقل کی وجہ سے زمین زوردار جھٹکوں کا شکار ہوتی اور بڑے بڑے سونامی زلزلوں اور اضافی آتش فشانی عمل پیدا ہوتے۔ راکھ اور کیمیائی بارشوں سے زمین کی کیت میں کمی کا باعث بنتی۔

لیکن! کچھ ہفتوں بعد سب کچھ ٹھیک ہونے لگتا۔ لونا زمین اور چاند کے درمیان اپنی جگہ بنا لیتا (جیسا کہ دو یا دو سے زائد چاند رکھنے والے سیاروں کے معاملے میں ہوتا ہے)۔ لونا اور چاند کی مشترکہ روشنی سے رات زیادہ روشن ہو جاتی اور ان کے مختلف

[22]: Vertical variation of sea water density (Descriptive Physical Oceanography By M. Affholder, F. Valiron, Page 139) اور دیکھیے: Oceans is stratified by density (Oceanography: An Invitation to Marine Sciences.: An Invitation to Marine Science By Tom Garrison)

[23]: http://en.wikipedia.org/wiki/Iron#Nucleosynthesis اور http://en.wikipedia.org/wiki/Nuclear_fusion

[24]: http://en.wikipedia.org/wiki/Iron#Isotopes

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

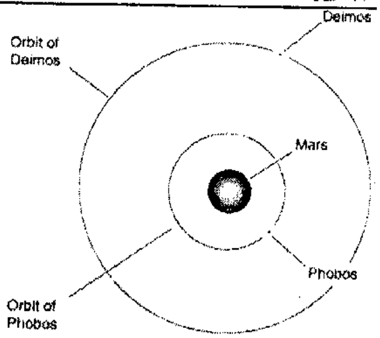

مداروں میں ہونے کی وجہ سے مکمل اندھیری راتیں کم یا کبھی نہیں آتیں۔۔۔لیکن یہ چیز اندھیرے یا رات میں پنپنے والے جانداروں میں اضافہ کر دیتی، شکاری آسانی محسوس کرتے اور شکار کو اپنے لیے زیادہ مشکل ہو جاتی وغیرہ۔ انسانوں کو بھی اس چیلنج کے لیے تیار ہونا پڑتا۔ لونا کی وجہ سے سمندری بلند مد (high tides) کافی زیادہ اونچی ہوتیں اور ساحل کے پاس رہائش اختیار کرنا ناممکن ہو جاتا۔ جبکہ مد اور جزر (high and low tides) کا فرق ہزاروں فٹ تک جا پہنچتا (موجودہ زیادہ سے زیادہ فرق تقریباً 40 فٹ دیکھا گیا ہے)[25] سامان کی نقل و حرکت اور فضلہ کے بہاؤ کے لیے پانی سے نزدیکی ضروری ہے، لیکن بلند مد و جزر اور بھاری زمینی کٹاؤ کی وجہ سے یہ ممکن نہیں رہتا اور زمین کا قابل رہائش علاقہ بھی بہت چھوٹا ہو جاتا۔ (What If the Earth Had Two Moons? مصنف NEIL F. COMINS سے ماخوذ)

یہ تو صرف ایک مثال ہے لیکن ایسی ہی کتنی ہی مثالیں اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً اگر زمین گردش نہ کر رہی ہوتی، یا زمین ایک مخصوص زاویے پر جھکی ہوئی نہ ہوتی، یا زمین اور سورج کا فاصلہ تھوڑا بھی کم یا زیادہ ہوتا وغیرہ وغیرہ--------

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾

اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اس کا پورا شمار نہ کر سکو گے بے شک یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (النحل 18)

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾

کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور اس چیز میں جو ان میں پیدا کی ہے غور نہیں کیا اور یہ کہ شاید ان کی موت قریب آگئی ہو پس قرآن کے بعد اب کس بات پر ایمان لائیں گے۔ (الاعراف:185)

یہ کائنات اور اس کی نشانیاں تمام دنیا کے لوگوں کو دعوت دے رہی ہے کہ:

Jupiter and four of its moons

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾

اگر تم کو اس (قرآن) میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اسی طرح تم بھی ایک بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو پکار لو اگر تم سچے ہو۔ (البقرۃ:23)

اور اگر اس چیلنج کو پورا نہیں کرسکتے ہیں تو:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ

" اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمان و زمین کے برابر ہے اور جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔" (آل عمران:133)

نزول قرآن کا اصل مقصد

" یقیناً قرآن مجید کی تلاوت بھی باعث اجر و ثواب ہے، لیکن نزول قرآن کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس میں تدبر کیا جائے، اس کے معنی اور مفہوم کو سمجھا جائے اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں جلوہ گر کیا جائے۔ جو صرف تلاوت ہی کو کافی سمجھے، نہ اس میں تدبر کرے اور نہ اس پر عمل، تو اس کے متعلق خدشہ ہے کہ وہ اس وعید کی زد میں نہ آجائے جسے امام بخاری نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے:

يا معشر القراء استقيموا فقد سبقتم سبقاً بعيداً و ان اخذتم يميناً و شمالاً لقد ضللتم ضلالاً بعيداً

اے قاریو کی جماعت ! تم سیدھی راہ اختیار کرو، اس لیے کہ تم بہت پیچھے رہ گئے ہو۔ اگر کہیں تم دائیں بائیں ہٹ گئے تو تم بہت دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔"

حسن البنا شہید کے مضمون " قرآن کی تفسیر کا اسلوب " مشمولہ ماہنامہ " تعمیر افکار " اشاعت خاص " قرآن کریم نمبر " جلد دوم سے ماخوذ

[25] :http:// www .co-ops.nos.noaa.gov /faq2.html#26

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد عمر اسلم اصلاحی

قرآن کا تصور عدل

عدل کا ایک تصور تو وہ ہے جو اس وقت بالکل عام اور رائج ہے جس میں ہر چیز کو ایک ہی پیمانہ سے برابر سرابر ناپا جاتا ہے لیکن عدل کا ایک تصور اور ہے اور وہ قرآنی ہے جس میں انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جاتا ہے ، خزف اور گہر میں فرق کیا جاتا ہے ، ان کی الگ الگ قیمت متعین کی جاتی ہے اور ہر چیز کو اس کی حیثیت ، اہمیت اور قیمت کے لحاظ سے ناپا یا تولا جاتا ہے۔

عام طور سے عدل ، قسط اور مساوات مترادف کے طور پر بولے اور لکھے جاتے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ کم از کم عدل اور قسط کا استعمال تو بطور مترادف ہوتا بھی ہے ۔ لیکن ان کو بہر صورت یکساں طور سے مترادف سمجھنا ایک بڑی غلطی ہے ۔ اسی غلط تصور سے فائدہ اٹھا کر معاندین اسلام نے اسلام کے تصور عدل کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور متعدد قرآنی تعلیمات کو خلاف عدل اور ظالمانہ قرار دیا ہے۔ خواہ وہ وراثت میں حقوق کا معاملہ ہو ، چار بیویوں سے شادی کا مسئلہ ہو یا مرد کی قوامیت کا امر ہو بالعموم ان امور و مسائل میں ہماری تقریریں یا تحریریں یا تو دفاعی نوعیت کی ہیں یا عقیدت مندانہ اظہار خیال پر مبنی ۔ ظاہر ہے کہ قرآن و سنت سے جن کا تعلق عقیدت مندانہ نہیں ہے وہ ہمارے دلائل سے مطمئن نہیں ہو سکتے ، اس لیے سب سے پہلے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تینوں الفاظ کے قرآنی استعمالات پر غور کریں اس کے بعد طے کریں کہ آیا عدل و مساوات دونوں ایک ہی چیز ہے یا دونوں مختلف چیزیں اور یہ کہ اسلامی تعلیمات مبنی بر عدل ہیں یا مبنی بر مساوات۔

عدل کے قرآنی استعمالات

قرآن نے اس لفظ کو مختلف معنی میں استعمال کیا ہے اور انہیں آیات کے حوالہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

1 متناسب بنانا
2 برابری کا معاملہ کرنا
3 ہمسر ٹھہرانا
4 معاوضہ یا بدلے میں دینا
5 انصاف کرنا یا انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا

متناسب بنانا

قرآن کہتا ہے :

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْإِنسَـٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلْكَرِيمِ ﴿٦﴾ ٱلَّذِى خَلَقَكَ فَسَوَّىٰكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ (الانفطار : 76)

" اے انسان ! تجھے تیرے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو پیدا کیا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو متناسب بنایا۔"

یہاں لفظ عدل متناسب بنانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہ بھی در اصل انصاف کرنے ہی کی ایک شکل ہے کیونکہ انسان کو جس جسمانی تناسب کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اسے وہی تناسب عطا کر کے اس کے مقام و مرتبہ کے ساتھ انصاف کیا ہے۔

برابری کا معاملہ کرنا

برابری کے معنی میں یہ لفظ اس آیت میں استعمال ہوا ہے :

وَلَن تَسْتَطِيعُوٓا۟ أَن تَعْدِلُوا۟ بَيْنَ ٱلنِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا۟ كُلَّ ٱلْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَٱلْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِن تُصْلِحُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾ (النساء : 129)

" اور تم ہرگز عورتوں کے معاملہ میں برابری نہیں کر سکتے اگرچہ تم اس کی حرص کرو تو بالکل ایک ہی طرف اس طرح نا جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتی چھوڑ دو اور تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا ، رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کے پاس کئی بیویاں ہوں تو یہ ممکن نہیں کہ ان سب کی طرف اس کا میلان یکساں ہو ۔ بعض بیویوں کے امتیازی اوصاف شوہر کے التفات کو اپنی جانب کھینچ سکتے ہیں اور وہ انتہائی عدل گستر ہونے کے باوجود سب کے لیے اپنے دل میں یکساں محبت پیدا نہیں کر سکتا ۔ یہ چیز کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتی ہے ۔ اسی لیے اگر وہ شوہر عدل کے تقاضوں کو اس طرح پورا کر رہا ہو کہ نہ کسی کی خوراک میں امتیاز برتتا ہو ، نہ پوشاک اور نہ سلوک میں تو باوجودیکہ اس کے دل میں ان سب کے لیے یکساں محبت نہیں ہے وہ قابل مواخذہ نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے اس میلان طبع کو جس پر اسے اختیار بھی نہیں ہے معاف فرمائے گا اور اس کا آخرت میں کوئی نوٹس نہیں لے گا۔

ہمسر ٹھہرانا

قرآن مجید نے لفظ عدل کو ہمسر ٹھہرانے کے معنی میں دو جگہ استعمال کیا ہے۔

ایک جگہ فرمایا :

الحمد لله الذي خلق السموات و الارض و جعل الظلمات و النور ثم الذين كفروا بربهم يعدلون (الانعام : 1)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" شکر ہے اللہ کا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا پھر بھی وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا بِـَٔايَـٰتِنَا وَٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْـَٔاخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾ (الانعام : 150)

" اور تم ان لوگوں کی خواہش کی پیروی نہ کرو جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی ہیں جو دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہراتے ہیں۔"

معاوضہ یا بدلہ میں دینا

لفظ عدل اس معنیٰ میں چار مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ایک جگہ فرمایا:

وَذَرِ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِۦٓ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلِىٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَآ (الانعام : 70)

" اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو مبادا کہ کوئی شخص اپنے کیے کی پاداش میں ہلاکت کے حوالہ ہو جائے اس حال میں کہ اس کو اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار نہ ہو اور اگر وہ دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے دے تب بھی وہ قبول نہ کیا جائے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

وَٱتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِى نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَـٰعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾ (البقرۃ : 48)

" اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا ، نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی اور اس سے بدلے میں کچھ لیا جائے گا نہ ہی اس کی مدد کی جائے گی۔"

اور معمولی تبدیلی ترتیب الفاظ کے ساتھ اسی سورہ میں آگے ہے :

وَٱتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِى نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَـٰعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿١٢٣﴾ (البقرۃ : 123)

" اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا نہ کسی سے کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش اس کے کام آئے گی اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔"

چوتھی جگہ فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَقْتُلُوا ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَـٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّـٰرَةٌ طَعَامُ مَسَـٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا (المائدۃ : 95)

" اے ایمان والو ! تم شکار کو مت مارو اس حال میں کہ تم احرام میں ہو اور تم میں سے جو شخص اس کو جان بوجھ کر مارے گا تو اس کا بدلہ اسی طرح کا جانور ہے جیسا کہ اس نے مارا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ کو پہنچایا جائے گا یا اس کا کفارہ ہے چند مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اس کے بدلے میں روزے۔"

اس آیت میں لفظ عدل دو جگہ استعمال ہوا ہے جن میں سے دوسرا بدلہ کے معنیٰ میں آیا ہے :

انصاف کرنا

مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ بہت سے مقامات پر یہ لفظ انصاف کرنے یا انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے معنیٰ میں ہی استعمال ہوا ہے۔ایک جگہ فرمایا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ (البقرۃ : 282)

" اے ایمان لانے والو ! جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے ادھار لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور اس کو لکھے تمہارے درمیان کا کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ۔"

آگے اسی آیت میں ہے :

فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُۥ بِٱلْعَدْلِ ۚ (البقرۃ : 282)

" پس اگر وہ شخص جس پر حق آتا ہو نادان یا ضعیف ہو یا خود لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کے ولی کو چاہیے وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔"

سورۃ النساء کی ایک آیت ہے :

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِى ٱلْيَتَـٰمَىٰ فَٱنكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَـٰثَ وَرُبَـٰعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَٰحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ (النساء : 3)

" اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے جو تمہیں ساز گار آئیں ان سے دو دو ، تین تین ، چار چار ، تک نکاح کرلو اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو۔"

پھر آگے اسی سورہ کی ایک اور آیت ہے :

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِٱلْعَدْلِ (النساء : 58)

" اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

سورہ المائدۃ میں ہے :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ (المائدۃ: 8)

" اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔"

اسی سورہ کی ایک اور آیت ہے جس کا حوالہ پیچھے بھی گزر چکا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّٰرَةٌ طَعَامُ مَسَٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا (المائدہ: 95)

" اے ایمان لانے والو! تم شکار کو مت مارو اس حال میں کہ تم احرام میں ہو اور تم میں سے جو شخص اس کو جان بوجھ کر مارے گا تو اس کا بدلہ اسی طرح کا جانور ہے جیسا کہ اس نے مارا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا یا اس کا کفارہ ہے چند مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اس کے بدلے میں روزے۔"

اس آیت میں پہلا عدل انصاف کے معنیٰ میں ہے۔ پھر آگے اسی سورہ میں ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ (المائدہ: 106)

" اے ایمان لانے والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان گواہی کا طریقہ یہ ہے کہ تمہارے درمیان کے دو ایسے آدمی گواہ ہوں جو انصاف کرنے والے ہوں۔"

سورۃ الانعام میں ہے:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَٱعْدِلُوا۟ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (الانعام: 152)

" اور جب تم بولو تو انصاف کی بات بولو خواہ وہ رشتہ دار ہو۔"

اسی سورہ میں آگے ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَٰتِهِۦ (الانعام: 115)

" اور تمہارے رب کی بات پوری ہوئی سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کوئی اس کے فرامین کو بدلنے والا نہیں۔"

سورہ الاعراف میں ہے:

وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِٱلْحَقِّ وَبِهِۦ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾ (الاعراف: 159)

" اور موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کے مطابق رہنمائی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔"

اسی سورۃ میں آگے ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِٱلْحَقِّ وَبِهِۦ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ (الاعراف: 181)

" اور ہم نے جن کو پیدا کیا ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو حق کے مطابق رہنمائی کرتے اور اسی کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔"

سورہ الشوریٰ میں ہے:

فَلِذَٰلِكَ فَٱدْعُ ۖ وَٱسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ ۖ وَقُلْ ءَامَنتُ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِن كِتَٰبٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (الشوریٰ: 15)

" پس تم اسی کی طرف بلاؤ اور اس پر جمے رہو جس طرح تم کو حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو اور کہو کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ہوا کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔"

سورہ النحل میں ہے:

وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَآ أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَىْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَىٰهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِى هُوَ وَمَن يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٦﴾ (النحل: 76)

" اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے دو ایسے آدمیوں کی جن میں سے ایک گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر ایک بوجھ ہے وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے اس سے کوئی بھلا کام نہیں بن پاتا کیا وہ اور ایک ایسا شخص برابر ہو سکتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ ایک سیدھی راہ پر ہے۔"

پھر اسی سورہ میں آگے ہے:

إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَٰنِ وَإِيتَآئِ ذِى ٱلْقُرْبَىٰ (النحل: 90)

" بے شک اللہ انصاف اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"

سورہ الحجرات میں ہے:

وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا۟ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ (الحجرات: 9)

" اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

سورہ الطلاق میں ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ (الطلاق : 2)

" پس وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو ان کو یا تو معروف کے مطابق رکھ لو یا معروف کے مطابق ان کو الگ کر دو اور اپنے میں سے دو انصاف کرنے والے گواہ رکھ لو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لیے دو۔"

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ عدل کا استعمال خاص طور سے انصاف کے معنی میں ہی ہے انصاف کے معنی میں آنے والے عدل کا مصدر عدالت ہے اس کا ایک مصدر عدول ہے جس کے معنی عدالت سے مختلف ہوتے ہیں اب قابل غور امر یہ ہے کہ قسط کو قرآن میں کن معانی میں استعمال کیا ہے۔

قسط کے قرآنی استعمالات

قرآن نے اس لفظ کو متعدد مقامات پر انصاف کرنے یا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ذیل میں آیات قسط نقل کی جاتی ہیں تا کہ ان کا محل استعمال سامنے رہے۔

سورہ البقرہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم ادھار کا لین دین کرو تو اپنا یہ لین دین با قاعدہ تحریری شکل میں لے آؤ اور تحریر تیار کرتے وقت دو گواہ بھی کھڑا کرلو اور اگر لین دین کرنے والے تحریر و کتابت سے نا واقف نہ ہوں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی لکھنے والے کو بلا لیں اور جسے بلائیں وہ ضرور جائے البتہ صحیح صحیح لکھے ، جانب داری کا مظاہرہ نہ کرے اس کے بعد فرمایا:

ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ (البقرۃ : 282)

" یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کے تقاضے کو زیادہ بہتر پورا کرنے والا ہے ، گواہی کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم کسی شک میں نہ پڑو۔"

ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں خود انصاف کے تقاضے کو مکمل طور سے پورا کرتا ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ (آل عمران : 18)

" اللہ ، اور فرشتوں اور اہل علم کی گواہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ وہ انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔"

یہ لفظ اسی سورہ میں ایک جگہ اور استعمال ہوا ہے اور وہ یہ ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ (آل عمران : 21)

" بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں نبیوں ، کو ناحق قتل کرتے رہے اور ان کو قتل کرتے رہے ہیں جو انصاف کی دعوت دیتے رہے ہیں ان کو ایک درد ناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔"

سورہ النساء میں ہے :

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ (النساء:3)

" اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے معاملہ میں تم انصاف کا تقاضا پورا نہیں کر سکو گے تو عورتوں میں سے جو تمہیں ساز گار آئیں ان میں سے دو دو ، تین تین ، چار چار ، سے نکاح کر لو۔"

اسی سورہ میں آگے ہے :

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾ (النساء : 127)

" اور تم سے لوگ عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں ، کہہ دو اللہ ان کے بارے میں اور اس حکم کے بارے میں بھی جو تمہیں کتاب میں ان عورتوں کے یتیم بچوں کے بارے میں دیا جا رہا ہے جن کو تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لیے لکھا گیا ہے لیکن ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور بے سہارا بچوں کے بارے میں بھی یہ فتویٰ دیتا ہے کہ ان کے مہر دو اور یتیموں کے لیے انصاف قائم کرو اور جو مزید بھلائی تم کرو گے اللہ اس سے واقف ہے۔"

اور آگے اسی سورہ میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ (النساء : 135)

" اے ایمان لانے والو ! تم انصاف کو خوب قائم کرنے والے بن جاؤ اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن کر خواہ تمہارے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور قرابت داروں کے خلاف۔"

سورۃ المائدہ میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ (المائدہ : 8)

" اے ایمان لانے والو ! تم انصاف کو خوب قائم کرنے والے بن جاؤ اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن کر۔"

پھر آگے اسی سورہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود اور منافقین کے کردار سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ جب انہیں اپنا کوئی معاملہ رسول کے پاس لے جانے میں فائدہ نظر آتا ہے تو وہ اپنا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاملہ رسول کے پاس لے جاتے ہیں اور جہاں ان کو نقصان نظر آتا ہے وہاں آپ ﷺ کی عدالت سے گریز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا معاملہ جب تمہاری عدالت میں آئے تو تمہیں اختیار ہے کہ ان کے معاملہ کا فیصلہ کرو یا انہیں واپس لوٹا دو۔ جب ان کا بھروسہ طاغوتی عدالت پر ہی ہے تو اپنے سارے معاملات وہیں لے جائیں، چاہے نفع ہو یا نقصان، تمہارے ہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے بعد فرمایا کہ اگر تم ان کا معاملہ لے ہی لو اور ان کا فیصلہ کرو ہی تو انصاف کے ساتھ کرو:

فَٱحۡكُم بَيۡنَهُم بِٱلۡقِسۡطِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ ﴿٤٢﴾ (المائدہ: 42)

" تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اور سورہ الانعام میں ہے:

وَأَوۡفُواْ ٱلۡكَيۡلَ وَٱلۡمِيزَانَ بِٱلۡقِسۡطِۖ (الانعام: 152)

" اور ناپ اور تول پورا کرو تقاضائے انصاف کے مطابق۔"

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ

قُلۡ أَمَرَ رَبِّي بِٱلۡقِسۡطِۖ (الاعراف: 29)

" کہو کہ میرے رب نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔"

سورہ یونس میں ہے:

إِنَّهُۥ يَبۡدَؤُاْ ٱلۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ لِيَجۡزِيَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ بِٱلۡقِسۡطِ (یونس: 4)

" بے شک وہ پیدائش کا آغاز کرتا ہے اور وہی اس کا اعادہ بھی کرے گا تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تقاضائے انصاف کے مطابق بدلہ دے۔"

اور آگے اسی سورہ میں ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولٞۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمۡ قُضِيَ بَيۡنَهُم بِٱلۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ﴿٤٧﴾ (یونس: 47)

" اور ہر امت کے لیے ایک رسول بھی ہے پھر جب ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔"

اور آگے اسی سورہ میں:

وَلَوۡ أَنَّ لِكُلِّ نَفۡسٖ ظَلَمَتۡ مَا فِي ٱلۡأَرۡضِ لَٱفۡتَدَتۡ بِهِۦۗ وَأَسَرُّواْ ٱلنَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُاْ ٱلۡعَذَابَۖ وَقُضِيَ بَيۡنَهُم بِٱلۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ﴿٥٤﴾ (یونس: 54)

" اور اگر اس شخص کو جس نے ظلم کیا وہ سب کچھ مل جائے جو زمین میں ہے تو وہ اس کو فدیہ میں دے دینا چاہے گا اور وہ پشیمان ہوں گے جب عذاب کو دیکھیں گے (لیکن ان کو ان چیزوں کا کوئی فائدہ نہیں مل پائے گا) اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

وَيَٰقَوۡمِ أَوۡفُواْ ٱلۡمِكۡيَالَ وَٱلۡمِيزَانَ بِٱلۡقِسۡطِۖ وَلَا تَبۡخَسُواْ ٱلنَّاسَ أَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡاْ فِي ٱلۡأَرۡضِ مُفۡسِدِينَ ﴿٨٥﴾ (ہود: 85)

" اے میری قوم کے لوگو! ناپ اور تول کو پورا کرو انصاف کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔"

قیامت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَضَعُ ٱلۡمَوَٰزِينَ ٱلۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ ٱلۡقِيَٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٞ شَيۡـٔٗاۖ وَإِن كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٖ مِّنۡ خَرۡدَلٍ أَتَيۡنَا بِهَاۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ﴿٤٧﴾ (الانبیاء: 47)

" اور ہم قیامت کے دن انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ترازو رکھ دیں گے پس کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو ہم اس کو بھی سامنے لا دیں گے اور ہم حساب کرنے کے لیے کافی ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹوں کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

ٱدۡعُوهُمۡ لِأٓبَآئِهِمۡ هُوَ أَقۡسَطُ عِندَ ٱللَّهِۚ (الاحزاب: 5)

" تم ان کو ان کے باپوں سے ہی منسوب کرو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔"

اہل ایمان کے باہمی نزاع کی صورت میں فریقین کے علاوہ باقی افراد کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٱقۡتَتَلُواْ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَهُمَاۖ فَإِنۢ بَغَتۡ إِحۡدَىٰهُمَا عَلَى ٱلۡأُخۡرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبۡغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمۡرِ ٱللَّهِۚ فَإِن فَآءَتۡ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَهُمَا بِٱلۡعَدۡلِ وَأَقۡسِطُوٓاْۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ ﴿٩﴾ (الحجرات: 9)

" اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ کی طرف لوٹ آئے۔ اب اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کے تقاضے کو پورا کرو بے شک اللہ انصاف کا تقاضا پورا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

سورۃ الرحمن میں ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿٧﴾ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿٨﴾ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾ (الرحمن : 97)

" اور اس (اللہ) نے ترازو رکھ دیا ہے کہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو اور تم تولو انصاف کے ساتھ اور تول میں کمی نہ کرو۔"

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے بعثت کی غایت بتاتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ (الحدید : 45)

" اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ انصاف کو قائم کریں۔"

ایک دوسری جگہ ان غیر مسلموں کے ساتھ سلوک کے آداب بتاتے ہوئے فرمایا جو اسلام اور مسلمان کے درپے آزاد نہیں ہیں:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ (الممتحنہ : 8)

" اللہ تم کو ان لوگوں سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے کہ تم ان کے ساتھ بھلائی کرو اور تم ان کے ساتھ انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

قسطاس

لفظ قسط سے قسطاس بھی بنا ہے جس کے معنی ترازو کے ہیں اور ترازو انصاف کے تقاضے کو مکمل طور سے پورا کرتا ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾ (بنی اسرائیل : 35)

" اور تم پورا پورا ناپو جب ناپو اور سیدھے ترازو سے وزن کرو، یہ طریقہ بھی اچھا ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

اور دوسری جگہ ہے:

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ (الشعراء : 181 - 183)

" اور تم لوگ پورا پورا ناپو اور نقصان دینے والوں میں سے نہ بنو اور سیدھے ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔"

مساوات کے قرآنی استعمالات

قرآن مجید میں اس مادہ سے آنے والے تسویۃ، مساوات، استواء، سوی اور سواء اٹھاسی مقامات پر استعمال ہوئے ہیں۔ ان تمام کے معنی بھرنا، برابر کرنا، ہموار کرنا، سیدھا کرنا اور درست کرنا ہی ہے۔ مثلاً:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٢﴾ (الاعلیٰ : 2)

" اپنے رب اعلیٰ کے نام کی کبریائی بیان کرو جس نے پیدا کیا اور پھر ٹھیک کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ﴿٢٨﴾ (النازعات : 27 - 28)

" آیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا جس کو اس نے بنایا اس کی چھت کو بلند کیا اور اس کو درست کیا۔"

اسی طرح یاجوج اور ماجوج کی دہشت گردی سے تنگ قوم نے جب ذو القرنین سے گزارش کی کہ جناب ہمیں اس مفسد قوم کے شر و فساد سے نجات دلایئے تو انہوں نے ان کو جو جواب دیا اور ان کی گزارش پر جو کارروائی کی اس کا ذکر قرآن مجید نے یوں کیا ہے:

آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ (الکہف : 96)

" میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان کے خلا کو پاٹ کر برابر کر دیا تو کہا آگ دہکاؤ۔"

حضرت موسیٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ (القصص : 14)

" پس جب وہ (موسیٰ) اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا ہو گیا۔"

اسی طرح تمام مقامات پر اس مادہ سے آنے والے الفاظ کے وہی معنی ہیں جو اوپر بیان کیے گئے البتہ استویٰ جب بصلہ علیٰ آیا ہے تو متمکن ہونے اور جب بصلہ الیٰ آیا ہے تو متوجہ ہونے کے معنی میں ہو گیا ہے۔ مثلاً:

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ (الرعد : 2)

" اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ایسے ستون کے جو تمہیں نظر آئے پھر وہ عرش حکومت پر متمکن ہوا۔"

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ (البقرۃ : 29)

" وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا۔"

عدل، قسط اور مساوات کے معنی کا فرق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان الفاظ کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل اور قسط بالعموم انصاف کرنے کے معنی میں آتے ہیں اور یہ دونوں لفظ قرآنی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ مساوات محض برابر کرنے یا برابری کا معاملہ کرنے کے معنی میں آتا ہے، یہ بہ ہمہ پہلو عدل کا مترادف نہیں ہے یہ تو مغرب کا کمال ہے کہ اس نے عدل اور مساوات دونوں کو ایک ہی معنی کے لیے بطور اصطلاح پیش کر دیا اور لوگوں نے پوری سادگی اور سادہ لوحی کے ساتھ اسے قبول کر لیا۔ عدل اور قسط میں بھی جو انصاف کرنے کے معنی میں ہیں ایک لطیف سا فرق ہے جسے بالعموم ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔

صاحب الفروق اللغویہ لکھتے ہیں:

" القسط هو العدل البين الظاهر و العدل قد يكون ما يخفي و منه سمي المكيال قسطا و الميزان قسطا لانه يصور لك العدل في الوزن حتي تراه ظاهرا و لهذا قلنا : ان القسط هو النصيب الذي بينت وجوهه ۔"[1]

" قسط اس انصاف کا نام ہے جو بالکل واضح اور ظاہر ہو اور عدل اس انصاف کا نام ہے جو مخفی ہوتا ہے اسی لیے ناپ اور تول کے پیمانوں کو قسط کہا گیا ہے کیونکہ وہ تمہارے سامنے وزن میں انصاف کو اس طرح مصور کر دیتے ہیں کہ تمہیں نظر آتا ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ قسط وہ حصہ ہے جس کے وجوہ بالکل ظاہر ہوتے ہیں۔"

اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل اس انصاف کا نام ہے جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور قسط اس انصاف کا نام ہے جسے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ عدل کا اطلاق آراء اور فیصلوں پر ہوتا ہے جبکہ قسط کا اطلاق انصاف کے عملی مظاہر پر ہوتا ہے۔ ان دونوں لفظوں کا بہت واضح فرق اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث میں نظر آتا ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

" اذا حكموا عدلوا و اذا قسموا اقسطوا ۔"[2]

" جب لوگ فیصلہ کریں تو عدل سے کام لیں اور جب تقسیم کریں تو قسط کا مظاہرہ کریں۔"

تو معلوم یہ ہوا کہ عدل نام ہے اس انصاف کا جو آراء و خیالات اور فیصلوں میں مطلوب ہے اور قسط نام ہے اس انصاف کا جو انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے اور اس کے عملی مظاہر سامنے لائے اور مساوات نام ہے محض برابری اور یکسانیت کا۔ اس تفصیل کی روشنی میں سورہ حجرات کی اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس کی تعیین میں مفسرین کے ہاں یا تو جھول نظر آتا ہے یا انہوں نے قسط کو عدل کا مترادف قرار دے دیا ہے یا پھر اسے عدل کی تاکید بتایا ہے[3]۔ آیت ایک بار پھر ملاحظہ ہو:

وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا۟ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ (الحجرات : 9)

" اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اب اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور عدل کے تقاضوں کو پورا کرو بے شک اللہ عدل کا تقاضوں پورا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

یعنی ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح بھی کراؤ اور اسے عملی جامہ بھی پہناؤ۔

اگر ہم ان تینوں الفاظ کے فرق کو سامنے رکھ کر اسلام کے تصور عدل کو پیش کریں تو کسی کے لیے بھی اسلام کے تصور عدل پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں نکل سکے گی۔ معاندین اسلام نے اب تک جن جن پہلوؤں سے اسلام پر اعتراض کیا ہے ان تمام میں اللہ تعالیٰ کا مطالبہ عدل کا ہے مساوات کا نہیں۔ اور اسلام میں ہر جگہ مساوات مطلوب بھی نہیں ہے کیونکہ نہ یہ ممکن ہے اور نہ مفید۔

اسلام نے عدل و قسط کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں امیر و غریب اور اپنے و پرائے کی کوئی تفریق نہیں ہے اگر کوئی امیر کسی غریب کی حق تلفی کرتا ہے تو اسلام نے امیر کو سزا دینے اور غریب کو اس کا حق دلانے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح اگر اپنا کوئی رشتہ دار ظالم اور پرایا مظلوم ہو تو اسلام نے اپنے اس ظالم رشتہ دار کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے اور پرائے کی حمایت کرنے کا حکم دیا ہے۔

عدل کے سب سے اہم دو تقاضے

عدل کے دو انتہائی اور اہم اور بنیادی تقاضے ہیں جن میں سے ایک اہم تقاضا تو یہ ہے کہ جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے جو ہماری روزی کا سامان کرتا ہے اور جس نے ہمارے لیے

[1] ابو ہلال الحسن بن عبد اللہ سہل العسکری، المتوفی 40 ھ، الفروق اللغویہ، مادہ : القسط و العدل

[2] الامام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ج 4، ص 396

[3] اردو اور عربی کی بیشتر تفاسیر میں " فاصلحوا بینهما بالعدل و اقسطوا " کے عدل اور قسط کے مفہوم کو الگ الگ نمایاں نہیں کیا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کائنات کی بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں ہم اس کے احسان مند اور شکر گزار ہوں اور اس کی احسان مندی اور شکر گزاری یہ ہے کہ ہم زبان پر بھی کلمات تشکر لائیں اور عملاً بھی ان چیزوں کا استعمال اس کی ہدایات کے مطابق کریں ۔ قرآن کہتا ہے :

كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ (الحج : 37)

" اسی لیے اللہ نے ان (جانوروں) کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو جو اس نے تمہیں بخشی ہیں۔"

اور آیت ذیل میں تو عدل سے خصوصیت کے ساتھ اللہ کے حق کی ادائیگی کی طرف اشارہ ہے :

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (النحل : 90)

" بے شک اللہ انصاف اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"

زبان پر کلمات تشکر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو سبق سکھائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے :

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۜ ﴿١﴾ (الکھف : 1)

" شکر ہے اللہ کا جس نے (ہماری ہدایت کے لیے) اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا :

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ (الجاثیۃ: 36)

" شکر ہے اللہ کا جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا یعنی رب العالمین ہے۔"

اور عمل سے اس کا شکر ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس نے جو حکم بھی دیا ہے ہم اسے تسلیم کریں اور اس کے مطابق زندگی گزاریں، اسی کی ایک جامع تعبیر عمل صالح ہے ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے فرمایا :

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (المومنون : 51)

" اے رسولو ! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرو۔"

اور بعض مقامات پر تو اللہ تعالیٰ نے عمل صالح کو سیدھے سیدھے اپنے شکر سے تعبیر بھی کیا ہے ، چنانچہ آل داود کو حکم دیتے ہوئے فرمایا :

اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ (سبا : 13)

" اے آل داود ! (اللہ کا) شکر ادا کرو۔"

عدل کے اس تقاضے کی تکمیل کا ذریعہ قرآنی احکام و ہدایات پر عمل در آمد ہے ۔

عدل کا دوسرا اہم تقاضا یہ ہے کہ ہم اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا کا تصور رکھیں کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے یہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ نہیں مل پاتا ۔ بے شک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اچھا کام کرتے ہیں اور دنیا ہی میں انہیں اچھا بدلہ مل بھی جاتا ہے ، اسی طرح بہت سے لوگ یہاں برائی کرتے ہیں اور انہیں یہیں ان کے کرتوت کی سزا بھی مل جاتی ہے ۔ ہر چند کہ یہاں کی جزا یا سزا ہی کل جزا اور سزا نہیں ہے ۔ جزا و سزا کی اصل جگہ تو آخرت ہے ۔ تاہم یہاں وہ اپنے کردار کی جزا یا سزا کسی قدر دیکھ لیتے ہیں ۔ لیکن بے شمار لوگ ہیں جو یہاں برائیاں کرتے رہتے ہیں لیکن کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہوتا ۔ کتنے ہی ظالم ہیں جو ظلم پر اپنی زندگی گزار دیتے ہیں لیکن ان کا کچھ نہیں بگڑتا اور کتنے ہی لوگ ہیں جن کی عمر ظلم سہتے سہتے گزر جاتی ہے اور ان کی یہاں داد رسی نہیں ہو پاتی ۔ اب اگر آخرت تسلیم نہ کی جائے تو یہ دنیا اندھیر نگری نظر آتی ہے جبکہ ایسا فی الواقع ہے نہیں ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت کو ظہور عدل کے لیے لازم قرار دیا ہے ۔ چنانچہ فرمایا :

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ (الانبیاء: 47)

" اور ہم قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے تو کسی جان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو ہم اس کو سامنے لا دیں گے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظہور عدل کامل کے لیے قیامت کا آنا ناگزیر ہے ۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں وہ گویا نیکی اور بدی میں کوئی تمیز نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کی سوچ اور عقیدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ (الجاثیۃ: 21)

" کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ؟ ان کی زندگی اور موت یکساں ہو جائے گی ؟ بہت ہی برا ہے فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔"

اس کے بعد فرمایا :

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ (الجاثیۃ: 22)

" اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو غایت کے ساتھ پیدا کیا ہے (تا کہ وہ لوگوں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان مناسب فیصلہ کرے) اور تا کہ ہر جان کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو نظام عدل قائم کیا ہے اس کا ایک اہم تقاضا تو یہ ہے کہ اس نظام کے قائم کرنے والے کی حیثیت و اہمیت کو پہچانا جائے اور دوسرا اہم تقاضا یہ ہے کہ اس نظام کو قائم کرنے والوں کو لازماً جزا اور اسے برباد کرنے والوں کو لازماً سزا ملے۔

قانون عدل کے قیام کی صورت

قانون عدل کے قیام کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام قرآن کی صورت میں اتارا ہے اسے پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے تا کہ لوگ اس کی میزان پر اپنے عقائد و نظریات اور اپنے اعمال و روایات کو رکھ کر یہ معلوم کر لیں کہ کیا حق ہے ، کیا ناحق ؟ کیا صحیح ہے ، کیا غلط ؟ کیا مفید ہے ، کیا مضر ؟ کیا مطلوب ہے اور کیا غیر مطلوب ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید : 25)

" بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تا کہ لوگ عدل کا قیام عمل میں لائیں۔"

اب اگر لوگ کتاب الٰہی کی روشنی میں عدل کا قیام عمل میں لانے کے لیے تیار ہیں تو بہتر ۔ یہی مقصود ہے لیکن اگر وہ اس نظام عدل کو قائم کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو قیام عدل کے لیے طاقت کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے تا کہ اللہ کی یہ زمین فساد سے محفوظ رہے ۔ چنانچہ اسی آیت میں آگے فرمایا :

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥ وَرُسُلَهُۥ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ (الحدید : 25)

" اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لیے اس میں اور بھی فائدے ہیں (تا کہ وہ اس میں ان کا امتحان کرے) اور تا کہ وہ جان لے اس کو جو اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں مدد کرتا ہے بیشک اللہ طاقت والا ، غلبہ والا ہے۔"

یہاں لوہا نازل کرنے کا ذکر جس سیاق میں کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیام عدل میں رکاوٹ پیدا کرنے والوں کے خلاف اس کے استعمال کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اسے ناگزیر قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ ان کا امتحان لینا چاہتا ہے جو ایمان لانے کے دعویدار ہیں ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس خود ایسی زبردست طاقت ہے کہ وہ ان لوگوں کو استعمال کیے بغیر بھی مفسدین کا خاتمہ چشم زدن میں کر سکتا ہے۔"

اسلام کا کوئی قانون خلاف عدل نہیں ہے

اسلام کے بعض قوانین خلاف مساوات تو ہو سکتے ہیں لیکن اس کا کوئی قانون خلاف عدل نہیں ہے ۔ پہلے عدل اور مساوات کے جس فرق کو واضح کیا گیا ہے اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک شخص کے چار بیٹے ہیں اور چاروں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ ایک کا تعلیمی خرچ ماہانہ دو ہزار روپے ہے ، دوسرے کا ایک ہزار ، تیسرے کا پانچ سو اور چوتھے کا دو سو ، مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ سب ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں اس لیے سب کو برابر برابر خرچ دیا جائے ۔ اب اگر بڑے بیٹے کی رعایت سے سب کو دو دو ہزار روپے دے دیئے جائیں تو بڑے بیٹے کا خرچ تو پورا ہو جائے گا لیکن بچے گا کچھ بھی نہیں ۔ باقی بیٹوں کے خاصے روپے بچ جائیں گے جنہیں یا تو وہ پس انداز کریں گے یا اس میں اسراف کریں گے اور اگر دوسرے بیٹے کی رعایت سے ایک ایک ہزار روپے سب کو دے دیے جائیں تو بڑے بیٹے کا خرچ ہی نہیں پورا ہو گا اور دونوں چھوٹے بیٹوں کے روپے بچ جائیں گے۔

لیکن اگر عدل کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو عدل کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ تمام بیٹے ایک ہی شخص کے ہیں اور وہی سب کو تعلیم دلا رہا ہے اس لیے ہر ایک کو اس کی ضرورت اور خرچ کے لحاظ سے روپے دے ۔ اس کے اس روپیہ کو کسی پر بے جا نوازش کہا جا سکتا ہے اور نہ کسی کے ساتھ ناانصافی۔

اس پہلو سے اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو ایک تعلیم بھی خلاف عدل نظر نہیں آئے گی اب ذیل میں چند ان اسلامی تعلیمات کا ذکر کیا جاتا ہے جنہیں معاندین اسلام نے خلاف مساوات کہہ کر ان کے حوالہ سے اسلام کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

تقسیم وراثت میں عدل

تقسیم وراثت کے سلسلہ میں معترضین اسلام کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی گئی ہے اور عورت کا حصہ مرد کی نصف رکھا گیا ہے ۔ وراثت کی یہ تقسیم غیر منصفانہ ہے ۔ معترضین کو اس اعتراض کی گنجائش اس لیے ملی کہ ہم نے عدل اور مساوات کے فرق کو ان کے سامنے واضح نہیں کیا ۔ ہم بڑی بے تکلفی کے ساتھ عدل و مساوات بطور مترادف استعمال کرتے آئے ہیں ۔ اب آیئے تقسیم وراثت کی واقعی صورت حال کا جائزہ لیا جائے ، تقسیم وراثت کے تمام اصولوں کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ عورتوں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کمزور پوزیشن کی وجہ سے اسلام نے تقسیم وراثت میں عورتوں کو مردوں سے زیادہ اہمیت دی ہے، اس لیے یہ اعتراض ہی بے بنیاد ہے۔ اس کا جائزہ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے اپنے مقالہ " اسلامی نظام وراثت میں عورت کا حصہ " میں بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ

1 اصحاب فرائض کی حیثیت سے عورتیں سترہ حالتوں میں حصہ پاتی ہیں جبکہ مرد صرف چھ حالتوں میں وراثت کے مستحق بنتے ہیں۔

2 سب سے بڑا حصہ (دو تہائی) مردوں میں سے کسی کو نہیں ملتا جبکہ چار طرح کی عورتیں اس کی مستحق ہوتی ہیں۔

3 نصف حصہ مردوں میں سے صرف شوہر کو ملتا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب متوفیہ کی کوئی اولاد نہ ہو جبکہ یہ حصہ چار طرح کی عورتوں کو ملتا ہے۔

4 تہائی حصے کی مستحق دو طرح کی عورتیں ہوتی ہیں اور ایک طرح کا مرد۔

5 چھٹے حصے کے مستحق آٹھ افراد ہوتے ہیں جن میں سے مرد تین ہیں جبکہ عورتوں کی تعداد پانچ ہے۔

6 چوتھا حصہ شوہر بھی پاتا ہے اور بیوی بھی، شوہر اس صورت میں جب متوفیہ کی کوئی اولاد ہو اور بیوی اس صورت میں جب میت کی کوئی اولاد نہ ہو۔

7 آٹھواں حصہ صرف بیوی کو ملتا ہے جبکہ متوفی کی کوئی اولاد موجود ہو۔[4]

اس جائزہ کی رو سے نہ تو تقسیم میں مساوات ہے اور نہ ظلم، البتہ عدل موجود ہے۔ عورتوں کا عمومی اور مجموعی حصہ زیادہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ صنف نازک ہے اور صنف نازک کو سہارے کی زیادہ ضرورت ہے اس لحاظ سے اسے زیادہ حالتوں میں مستحق وراثت ٹھہرا کر اس کی کمزور پوزیشن کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے۔ صرف چار صورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کا حصہ مرد سے کم ہے، لیکن وہ چار صورتیں ایسی ہیں جن کا سیاق اور مزاج بتا رہا ہے کہ یہ بھی اس صنف نازک پر نوازش ہی ہے۔

1-ایک صورت یہ کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس کی وراثت والدین کو ملے گی۔ کل جائیداد کے تین حصے کیے جائیں گے ایک حصہ ماں کو ملے گا اور دو حصہ باپ کو۔

قرآن کہتا ہے:

فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٌ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُ (النساء: 11)

" اگر اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو حصہ تہائی ہو گا۔"

2-اگر شوہر کا انتقال ہو جائے اور اس کی بیوی بھی ہو اور اولاد بھی تو بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا، اور اگر اولاد نہ ہو تو شوہر صرف نصف پائے گا۔

قرآن کہتا ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَٰجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ (النساء: 12)

" اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تم کو ملے گا اگر ان کے اولاد نہ ہوں تو اور اگر اولاد ہوں تو ایک چوتھائی تمہارا حصہ ہے ان کے ترکہ میں جو وصیت انہوں نے کی ہے اسے پورا کرنے اور قرض دے دینے کے بعد، اور اگر تم بے اولاد ہو تو وہ تمہارے ترکے سے چوتھائی حصہ پائیں گی اور اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کو آٹھواں حصہ ملے گا وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو تم نے کیا ہو اور قرض ادا کرنے کے بعد۔"

3-میت کی اولاد میں اگر بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہیں تو تقسیم میراث میں لڑکے کو دو حصہ ملے گا اور لڑکی کو ایک حصہ۔ قرآن کہتا ہے:

يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ (النساء: 11)

" اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر ملے۔"

4-اگر میت کے حقیقی یا باپ شریک بھائی، بہن ہوں تو ان کو بھی اسی طرح مردوں کو دو عورتوں کے مقابلہ میں دوگنا ملے گا۔ قرآن کہتا ہے:

وَإِن كَانُوٓا۟ إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۗ (النساء: 176)

" اور کئی بھائی بہنیں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔"

ان چاروں صورتوں پر غور کیجئے تو اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہاں عورت جو کچھ پا رہی ہے وہ اس کے لیے ایک نوازش ہے۔ کیونکہ اس پر

4 تفصیل کے لیے ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کا مقالہ، اسلامی نظام وراثت میں عورت کا حصہ " ملاحظہ کیجئے جو مجموعہ مقالات سمینار منعقدہ 6، 7 نومبر 2010ء زیر اہتمام ادارہ علوم القرآن شبلی باغ علی گڑھ میں شامل ہے جس کا مرکزی موضوع تھا: " معاشی مسائل اور قرآنی تعلیمات "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفالت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے ۔ کہیں باپ اس کا کفیل ہے ، کہیں شوہر اور کہیں بیٹا ۔ جس کے اوپر گھر کی کفالت کوئی ذمہ داری ہی نہیں اگر اس کو جائیداد میں حصہ نہ بھی ملے تب بھی اسے ظلم و نا انصافی کا نام نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ اسے کچھ خرچ کرنا ہی نہیں ہے ، بلکہ اس کے اپنے خرچ کی بھی ذمہ داری دوسروں کو ہی اٹھانی ہے پھر اسے جائیداد کی کیا ضرورت ؟ لیکن ایک تو وہ صنف نازک ہے دوسرے کل اس پر ایسی پریشانی آ سکتی ہے جہاں اسے خود ہی اپنے وجود کا بوجھ اٹھانا پڑے اس لیے اسے بالکل محروم نہیں رکھا گیا ، وراثت کی یہ تقسیم خلاف مساوات تو ہو سکتی ہے لیکن اسے خلاف عدل کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے ؟ صنف نازک پر یہ نوازش عدل ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر احسان بھی ہے ۔

مرد کی قوامیت

مرد کی قوامیت کی نسبت سے قرآن کا تصور عدل اور اسلام میں عورتوں کے حقوق پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ دیگر اعتراضات سے مختلف نہیں ہے ۔ پہلے تو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ قوام کہتے ہیں گھر کے نظم و انصرام کو قائم رکھنے والے اور اہل خانہ کی ضروریات پوری کرنے والے کو ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قوامیت کوئی منصب نہیں بلکہ ایک بڑی ذمہ داری ہے ۔ رہنے کی جگہ کون سی ہو گی ؟ اس سے گھر کے کسی فرد کو کوئی مطلب نہیں ۔ لیکن قوام کو اس مسئلہ کا حل نکالنا ہے کیونکہ یہ اس کا فریضہ ہے ۔ جگہ کیسی ہو گی ؟ اس پر اظہار خیال کے لیے سب آزاد ہیں ۔ بیوی بھی اور بچے بھی ۔ ان سب کی خوابوں کی تعبیر قوام ہی کو ڈھونڈنی ہے ۔
اسی طرح اہل خانہ کیسے کھائیں پئیں گے ؟ اس پر سوچنا ہے صرف قوام کو ۔ کیا کھائیں پئیں گے ؟ اس کی تفصیلات فراہم کرنے کے لیے سارے اہل خانہ آزاد ہیں ۔ اسی طرح سب کی پوشاک کا نظم کیسے ہو گا ؟ اس کی بابت فکر کرنی صرف قوام کو ۔ کیسا نظم ہو گا ؟ اس سلسلہ میں مشورہ دینے کے مجاز تمام اہل خانہ ہیں ۔

غور کیجیے یہ قوامیت منصب ہے یا ذمہ داری ؟ اب اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے گھر کے اس فرد کا انتخاب ہونا چاہیے جو خلقی اور خُلقی دونوں پہلوؤں سے اس کا زیادہ اہل ہو اور یہ اہلیت نہ صنف نازک میں ہے اور نہ جسمانی و فکری لحاظ سے کمزور بچوں میں ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُوا۟ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ۚ (النساء : 34)

" مرد عورتوں کے قوام ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔"

اہل خانہ کی کفالت کے لیے زراعت جیسے پر مشقت پیشہ سے بھی وابستگی اختیار کرنی پڑ سکتی ہے ، گرمی میں اپنا خون جلا کر جاڑے میں کڑاکے کی ٹھنڈ برداشت کر کے اہل خانہ کے لیے غلہ پیدا کرنے اور اسے کھانے کے لائق بنانے کی خدمت انجام دینی ہے قوام کو۔

اہل خانہ کی کفالت کے لیے تجارت جیسے صبر آزما پیشہ کو بھی اختیار کرنا پڑ سکتا ہے ۔ اس کے لیے بازاروں ، علاقوں اور ملکوں کا دورہ کرنا پڑتا ہے اور سرد و گرم ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے ۔ لین دین میں صاحب معاملہ کے ساتھ سختی سے بھی پیش آنا پڑتا ہے ۔ تب کہیں جا کر وہ کمائی ہوتی ہے جس سے اہل خانہ کے مسائل حیات حل کیے جا سکتے ہیں ۔ ان مراحل سے گزرنا قوام ہے کو۔

اہل خانہ کی کفالت کے لیے ملازمت بھی اختیار کرنی پڑ سکتی ہے ایسی ملازمت جہاں سخت محنت ہو ، نا مساعد حالات کا سامنا ہو ، بد مزاج و خود غرض لوگوں کا ساتھ ہو ، پھر اس ملازمت کی کمائی سے اہل خانہ کی خوراک اور پوشاک کا انتظام کرنا ہے اور یہ انتظام کرے گا قوام۔

زندگی کے یہ سارے مسائل جس پامردی کے ساتھ ایک مرد حل کر سکتا ہے صنف نازک کے لیے ممکن نہیں ۔ کیا اس کے باوجود بھی مرد کی قوامیت کو اسلام کا ظالمانہ فیصلہ قرار دیا جائے گا ؟ مغربی ممالک میں آزادی نسواں نے جو گل کھلائے ہیں ان سے آج کی یہ گلوبل دنیا نا واقف نہیں ۔ آج پوری دنیا میں جنسی نظریات کا پھیلاؤ بھی اس نا عاقبت اندیشانہ اعتراض اور اس کے غیر فطری حل کا ہی نتیجہ ہے۔

اسلام نے صنف قوی کو قوامیت کی ذمہ داری سونپ کر خاندانی ریاست کے ساتھ کمال کا معاملہ کیا ہے ۔ ممکن ہے مرد کی قوامیت تصور مساوات کے منافی معلوم ہوتی ہو لیکن یہ عدل کے عین مطابق ہے۔

ایک اہم شرعی پابندی حجاب

قرآن نے عورتوں کے لیے پردہ کا حکم نازل کیا ہے ، پردہ کے اس حکم سے مقصود عورتوں کا حبس بے جا نہیں ہے بلکہ عصمت و عفت کی حفاظت ہے ، لیکن شیطانی قوموں کی طماع اور ان کی جنسی انارکی اس عصمت و عفت کی حفاظت کو حبس بے جا کا نام دے کر عورتوں کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کا راستہ پیدا کرنا چاہتی ہیں ۔ اسلام نے اسی نا جائز راستہ کو روکا ہے ۔ ایک جگہ فرمایا :

يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِىِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ۚ إِنِ ٱتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِٱلْقَوْلِ فَيَطْمَعَ ٱلَّذِى فِى قَلْبِهِۦ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ وَقَرْنَ فِى بُيُوتِكُنَّ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾

(الاحزاب: 32 33)

"اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کرو، تو لہجہ میں نرمی نہ دکھاؤ کہ جس کے دل میں کوئی بیماری ہے وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور بات معروف کے مطابق کہو اور اپنے گھروں میں ٹک کے رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تو بس یہ چاہتا ہے اے اہل بیت نبی! کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں اچھی طرح پاک کرے۔"

اسی سورہ میں آگے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ (الاحزاب: 53)

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو مگر یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے مگر کھانے کی تیاری کے انتظار میں بیٹھے نہ رہو ہاں جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو، یہ باتیں نبی کے لیے باعث اذیت تھیں لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ حق کے اظہار میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا اور جب تم کو ازواج نبی سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کی بیویوں سے کبھی اس کے بعد نکاح کرو اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین باتیں ہیں۔"

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب: 59)

" اے نبی اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہو کہ وہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادروں کے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ ان کا امتیاز ہو جائے پس ان کو کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔"

ان آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو غیر محرم مردوں سے پردہ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ

(الف) کسی عورت سے کسی مرد کا اختلاط اس کے شوہر کے لیے اذیت کا باعث ہے اور یہ کیفیت ہر با عزت اور غیرت مند شوہر کی ہوتی ہے۔

(ب) عورت کی بے حجابانہ آمد و رفت سے اس کی عفت و پاک دامنی کے داغ دار ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

(ج) حجاب عورت کے شریف، با عزت، حیا دار اور با کردار ہونے کی علامت ہے۔

(د) حجاب والی عورت کی طرف کوئی بازاری آدمی نظر بد اٹھانے اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے اقدام کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

(ہ) حجاب عورت کو اس کے با حیا اور با کردار ہونے کا احساس دلاتا ہے۔

(و) حجاب اس کے حسن ظاہری اور حسن باطنی دونوں کو نکھارتا ہے۔

غور کیجئے کہ حجاب کے یہ فوائد عورت کی شخصیت کو نکھارنے والے، اس کی پھول سی ہستی کو تحفظ فراہم کرنے والے اور اس کی مسرتوں میں اضافہ کرنے والے ہیں یا اس پر ستم ڈھانے والے ہیں؟ صنف نازک کی نزاکت کا یہ بنیادی تقاضا تھا کہ اس کے جمال و کمال کو غیر فطری طریقہ سے متاثر ہونے سے بچایا جائے اور اسلام نے یہی کیا ہے کیا یہ اس کے ساتھ عدل نہیں ہے؟

یہ اور اس طرح کے جتنے اسلامی امور و معاملات ہیں سب کے سب سر تا پا عدل پر مبنی ہیں کم از کم میرے علم میں تو نہیں ہے کہ کسی نے اسلام کے تصور عدل کو علمی، عقلی اور اخلاقی دلائل سے غلط ثابت کیا ہو، اب تک معاندین اسلام نے جن جن پہلوؤں سے اسلام کے تصور عدل پر نشانہ سادھا ہے ان کے یہ سارے نشانے تصور مساوات پر ہی جا کر لگے ہیں۔ جو نہ تو اسلام میں کلیۃً مطلوب ہے اور نہ ممکن۔ اس لیے ہمیں عدل و قسط اور مساوات میں فرق کرنا چاہیے اور اسلامی تعلیمات کو ان کے صحیح تناظر ہی میں پیش کرنا چاہیے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ

" بے شک اللہ انصاف اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر فضل الرحمٰن (م 2013ء)

تفسیر کی ضرورت، اس کی ابتدا اور تدوین

تفسیر کی تاریخ زمانہ نزول قرآن ہی سے شروع ہو جاتی ہے ۔ قرآن کریم عربی زبان میں عربی اسلوب کے موافق کم و بیش 23 سال تک نازل ہوتا رہا [1]۔ جس معاشرے میں قرآن کریم نازل ہو رہا تھا وہ اگر چہ خالص عرب معاشرہ تھا ، عربی زبان اس وقت تک ارتقاء کے بہت سے مراحل طے بھی کر چکی تھی جیسا کہ جاہلی شعر و ادب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اور عربوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر ناز بھی تھا۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے مخاطبین اگرچہ اجمالی طور پر قرآن کو پورا سمجھ لیتے تھے لیکن یہ بدیہی طور پر غلط ہے کہ ہر شخص فرداً فرداً اس کے مفاہیم و مطالب کی ساری تفصیلات نزاکتوں اور باریکیوں نیز اس کے غوامض اور اسرار و حکم پر پورا پورا حاوی ہو جاتا تھا ۔ قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے اور اس کے عربی اسلوب کے موافق ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ قرآن کے سارے مخاطبین اسے ایک ہی فکری سطح پر سمجھ لیتے تھے [2]۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار آیات ایسی ہیں جن کے معنی بالکل واضح ہیں اور جنہیں ہر عربی داں سمجھ سکتا ہے چہ جائیکہ وہ لوگ جو اہل زبان تھے [3]۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں کہ اگر ان کی مراد کی وضاحت نہ کی جائے تو متکلم کے مافی الضمیر کو اچھی طرح یا سرے سے بالکل سمجھا نہیں جا سکتا [4]۔

---

[1] تاریخ قرآن کے لیے دیکھیے : مفتی عبد اللطیف : تاریخ القرآن (1343ھ مونگیر)، محمد طاہر بن عبد القادر الکردی : تاریخ القرآن و غرائب رسمہ و حکمہ (القاہرۃ 1953ء)، مولوی محمد علی لاہوری : جمع قرآن (لاہور)، گولٹ سیہر : مذاہب التفسیر الاسلامی (ترجمہ عبد المنعم النجار قاہرہ 1955ء)، ابن ابی داؤد : کتاب المصاحف (نشر آرثر جیفری لیدن 1937ء)، عبد العظیم الزرقانی : مناہل العرفان فی علوم القرآن (جزء ان، قاہرۃ 1974ء)، الدکتور صبحی الصالح : مباحث فی علوم القرآن (دمشق 1962ء)

[2] ابن خلدون کی اس رائے سے کہ "ان القرآن نزل بلغة العرب ، و علي اساليب بلاغتهم فكانوا كلهم يفهمونه و يعلمون معانيه في مفرداته وتراكيبه" (المقدمۃ ص 438) سے صرف جزوی طور پر ہی اتفاق کیا جا سکتا ہے ۔ چنانچہ ابن قتیبہ (م 276ھ) نے جو ابن خلدون سے بہت پہلے گزرے ہیں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ "ان العرب لا تستوي في المعرفة بجميع ما في القرآن من من الغريب و المتشابه، بل ان بعضها يفضل في ذلك علي بعض" (محمد حسین الذہبی : التفسیر والمفسرون 1:36 نقلاً عن المسائل والاجوبۃ لابن قتیبۃ ص 8) معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون کو بھی اپنے جملوں سے متبادر ہونے والے مفہوم کی وسعت اور ہمہ گیری پر اصرار نہیں کیونکہ کچھ آگے چل کر ہمیں ان کے یہ الفاظ ملتے ہیں " و كان النبي ﷺ يبين الجمل ، و يميز الناسخ من المنسوخ و يعرفه اصحابه فعرفوه و عرفوا سبب نزول الآيات و مقتضي الحال منها منقولاً عنه" (المقدمۃ ص 438) علاوہ ازیں تاریخی شواہد بھی اس نقطہ نظر کے خلاف ہیں دیکھیے الاتقان 2:113، الموافقات 2:87، فتح الباری شرح صحیح البخاری 8:127 باب التفسیر، کسی فن کی کتاب پر محض زبان دانی کے ذریعے ہر شخص کا حاوی ہو جانا ممکن نہیں زرکشی نے بھی لکھا ہے "ان القرآن انما انزل بلسان عربي مبين في زمن افصح العرب وكانوا يعلمون ظواهره و احكامها ، اما دقائق باطنه فانما كان يظهر لهم بعد البحث والنظر مع سؤالهم النبي ﷺ في الاكثر" (البرہان فی علوم القرآن 1:14) نیز دیکھیے الاتقان 2:174

[3] "ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر" (سورہ قمر 17)، " فانما يسرناه بلسانك لتبشر به المتقين و تنذر بي قوماً لدّا " (سورہ مریم 98)، " قرآنا عربيا لقوم يعلمون" (سورہ حم السجدۃ 3)، " بلسان عربي مبين" (شعراء 195) ، "كتاب انزلنه اليك مبارك ليدبروا اٰياته و ليتذكر اولو الالباب" (سورہ ص 29) ، نیز البرہان فی علوم القرآن 2:183 فما بعدہا ، "النوع الحادي والاربعون في معرفة تفسيره و تاويله ، فصل في تقسيم القرآن الي ما هو بين بنفسه و الي ما ليس بين في نفسه فيحتاج الي بيان ، حيث قال ينقسم القرآن العظيم الي : ما هو بين بنفسه ، بلفظ لا يحتاج الي بيان منه ولا من غيره ، وهو كثير" اور پھر اس کی مثالیں دی ہیں ، " ولو جعلناه قرآنا اعجمياً ، لقالوا لولا فصلت اٰياته ، ءاعجمي وعربي" (سورہ حم السجدۃ 44) ، " فمن حيث كان القرآن معجزاً افحم الفصحاء ، فاعجز البلغاء ان ياتوا بمثله فذلك لا يخرجه عن كونه عربياً جارياً علي اساليب كلام العرب ميسر يفهم فيه عن الله ما امر به و نهي ، لكن بشرط الدّربة في اللسان العربي " (الموافقات 3:347) ، " لسان الذي يلحدون اليه اعجمي وهذا لسان عربي مبين" (النحل 103)، نیز الموافقات 3:391۔

[4] مثلاً " والفجر و ليال عشر" (سورۃ الفجر 1) میں لیال عشر کا مفہوم، " انا انزلناه في ليلة القدر" (سورۃ القدر 1) میں لیلۃ القدر کی حقیقت، یا صلوۃ الوسطیٰ کا مفہوم صلوۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں ایسے مقامات بھی آتے ہیں کہ اگر جاہلی عربوں کے رسم و رواج یا عہد نزول قرآن کے تاریخی واقعات سے واقفیت نہ ہو تو ان کا مطلب اچھی طرح واضح نہیں ہوتا[5]۔ مثال کے طور پر پچھلے ادیان میں جو تحریفات ہوئی ہیں قرآن ان کی تردید کرتا ہے اور امم سابقہ میں جو غلط رسوم ، خیالات اور عقائد جڑ پکڑ چکے ہیں ان کی خرابیاں واضح کرتا ہے اس طرح کی چیزیں پورے طور پر اسی وقت سمجھ میں آ سکتی ہیں جب ان ادیان و امم سے تعلق رکھنے والوں کی عادات و خصائل پیش نظر ہوں[6]۔ اس کے علاوہ مفرد الفاظ اور ان کے مرکبات ، سیاق و سباق ، الفاظ کا در و بست ، ان کے حقیقی و مجازی استعمال سے گہری واقفیت اور اسلوب و مواد پر پوری گرفت فہم مطالب کے لیے ناگزیر امور ہیں اور اس بارے میں خود اہل زبان کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مخاطبین قرآن بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہ تھے اور ان میں مذکورہ اعتبار سے بے حد تفاوت پایا جاتا تھا[7]۔ یہ سمجھنا کہ قرآن کے سارے مخاطبین یا سب صحابہ رضی اللہ عنہم عربی زبان و ادب کے پورے ذخیرے پر یکساں گہری نظر اور اس کی کلی واقفیت رکھتے تھے ایک زعم باطل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کے علاوہ خود صحابہ میں سے بعض نے رسول اللہ ﷺ کا فیض صحبت و تربیت دوسروں سے زیادہ حاصل کیا تھا اور اس خصوصیت کی بنا پر انہیں نزول قرآن کے مواقع اور اس سے متعلق حالات و کوائف کا کہیں زیادہ علم تھا[8] اور اس چیز نے قرآن

العصر (ترمذی ، مواقیت) یا " الذین آمنوا و لم یلبسوا ایمانهم بظلم " میں ظلم سے مراد شرک ہونا (بخاری کتاب التفسیر ، تفسیر سورہ انعام ، باب قولہ ولم یلبسوا ایمانہم بظلم) وغیرہ۔

[5] مثلاً "ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما" (سورۃ البقرۃ) میں " فلا جناح " کا مفہوم اس وقت تک پورے طور پر واضح نہیں ہو گا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اسلام کے بعد انصار صفا و مروہ کے طواف کو نا پسند کرتے تھے کیونکہ قبل اسلام وہاں اساف و نائلہ کے بت نصب تھے ، (صحیح البخاری ، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ البقرۃ، باب قولہ " ان الصفا و المروۃ من شعائر اللّٰہ " نیز الاتقان 1:29) یا " من بحيرة و لا سائبة و لا وصيلة و لا حام ولكن الذين كفروا يفترون على الله الكذب " کا مفہوم عربوں کے رواج کے علم کے بغیر واضح نہیں ہوتا۔ بہت سے تاریخی واقعات ہیں جن کی طرف قرآن صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً " ثاني اثنين اذ هما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا " (سورہ توبہ 41) یا " و اذ غدوت من اهلك تبوئ المؤمنين مقاعد للقتال " (سورہ آل عمران 121) یا سورۃ الفیل و سورۃ القریش کا پورا مفہوم سمجھنا ان آیات و سورہ کے تاریخی پس منظر کے بغیر ممکن نہیں ، " و من ذلك معرفة عادات العرب في اقوالها و مجاري احوالها حالة التنزيل. و ان لم يكن ثم سبب خاص لا بد لمن اراد الخوض في علم القرآن منه و الا وقع في الشبه و الاشكالات التي يتعذر الخروج منها الا بهذه المعرفة "، الموافقات 3:351 فما بعدہا؛ الموافقات نے بہت سی مثالیں بھی دی ہیں۔

[6] وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ (سورۃ البقرۃ 85)، وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (سورۃ آل عمران 64) میں رب کا مفہوم یا جیسے مروان بن الحکم کو اس آیت " لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا ويحبون ان يحمدوا بما لم يفعلوا . فلا تحسبنهم بمفازة من العذاب " (سورہ آل عمران 88) کے بارے میں غلط فہمی ہوئی کہ اہل ایمان کے بارے میں ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت " و اذ اخذ الله ميثاق الذين اوتوا الكتاب لتبيننه " کے حوالے سے بتایا کہ یہود کی کتمان حق کی عادت کے سلسلے میں اس آیت کا نزول ہوا، یا قرآن نے شفاعت کے یہودی تصور پر تنقید کی مگر نفس شفاعت کا اثبات کیا ان دونوں کے فرق کو سمجھنا اہل کتاب کے تصور شفاعت کے علم پر موقوف ہے۔ اسی طرح نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (سورۃ البقرۃ 223) کا صحیح مطلب اسی وقت واضح ہوتا ہے جب زن و شوہر کے جنسی تعلقات کے بارے میں یہود کے خیالات کا علم ہو (الاتقان 1:29)۔

[7] ایسی کتنی ہی مثالیں ملتی ہیں جن سے مخاطبین قرآن اور خود صحابہؓ میں قرآن فہمی کے اعتبار سے مراتب کا اندازہ ہوتا ہے " و فاکهة و ابا " (سورۃ العبس 31) میں "اب" کے معنی کی تلاش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھی (الاتقان 2:113) یا " او یاخذهم علی تخوف " (سورۃ النحل 47) کا مفہوم بر سر منبر آپ نے دریافت فرمایا (الموافقات للشاطبی 2: 87-88) ، یا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "فاطر السمٰوٰت" (سورۃ الانعام 14) کا مفہوم دو اعرابیوں کی گفتگو سے سمجھا (الاتقان 2 : 113) ، یا حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے " و کلوا و اشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود " کا صحیح مفہوم حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو بتلایا جبکہ وہ اسے حقیقی معنی پر مشتمل سمجھتے تھے (فتح الباری شرح صحیح البخاری 8/127) یا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے "سورۃ النصر" سے نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام کی حیات مبارکہ کے خاتمے کی طرف اشارہ سمجھا جبکہ دوسرے لوگ حتی کہ اشیاخ بدر تک اس نکتے کو نہ سمجھ پائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کی تائید کی (صحیح البخاری باب التفسیر، تفسیر سورۃ النصر)، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کم عمری کے ان سے اہم معاملات میں مشورہ لیتے تھے (الطبقات الکبریٰ 2: 265، بیروت 1957ء)۔

[8] " قال الشيخ ابو الفتح القشيري : بيان سبب النزول طريق قوي في فهم معاني الكتاب العزيز ، و هو امر تحصل للصحابة بقرائن تحتف بالقضايا" (البرہان فی علوم القرآن 1: 22)، امام شافعی نے آیت قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا (سورۃ الانعام 145) سے متوہم ہونے والے حصر کو جس طرح دور کیا ہے وہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک حلال و حرام کے بارے میں کفار عرب کے رویے کا علم نہ ہو (البرہان فی علوم القرآن 1/23، الاتقان 1/29)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہمی کے مراتب میں بڑا فرق پیدا کر دیا تھا۔ غرض کہ ہر شخص کی ذاتی صلاحیت، علم و فہم، انفرادی فکری معیار، صحبت و تربیت، زبان دانی، ذوق ادب وغیرہ کو قرآن فہمی میں بڑا دخل تھا اور اس کی وجہ سے فہم قرآن کے مراتب کے اعتبار سے مخاطبین قرآن میں بڑا فرق تھا[9]۔ ان حالات میں یہ ناگزیر تھا کہ قرآن کریم کی تشریح و توضیح کی جائے۔ اس کے علاوہ قرآن کی اصولی تعلیمات کا تفصیلی بیان، اس کے مجمل احکام کی شرح بھی فہم قرآن اور اس پر عمل کے لیے ضروری تھی[10]۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف پیغامبر ہی نہ تھے بلکہ آپ ﷺ کے فرائض رسالت و نبوت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اپنے قول و فعل اور تقریر سے قرآن کی شرح بھی پیش کریں[11]۔ آپ ﷺ کو خدا کی طرف سے قرآن کی شرح و توضیح بھی سکھائی جاتی تھی[12] اور آپ ﷺ کی حیثیت معلم و مبین کتاب کی بھی تھی۔[13]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت "یوم تاتي السماء بدخان مبین" کی جو تشریح کی ہے وہ اس زمانے کے حالات سے واقفیت پر ہی مبنی ہے (الموافقات 3/349 فما بعدہا)، "معرفة اسباب التنزیل لازمة لمراد علم القرآن" (الموافقات 3/347)، فیض صحبت نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو علم القرآن کے بارے میں کتنا ممتاز کر دیا تھا خود ان کی زبانی سنیے "واللہ لقد علم اصحاب النبي ﷺ اني من اعلمهم بكتاب الله، والذي لا اله غيره ما انزلت سورة من كتاب الله الا انا اعلم اين نزلت، ولا انزلت أية من كتاب الله الا وانا اعلم فيما انزلت. ولو اعلم احداً اعلم بكتاب الله مني تبلغه الابل لركبت اليه" (الموافقات 3/350)، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے "ابن عباس اعلم امة محمد بما نزل علي محمد" (اسد الغابة 5/192- 195)، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہنا تھا "ما اخذت من تفسير القرآن فمن علي بن ابي طالب"، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں کہتے تھے "واللہ ما نزلت أية الا وقد علمت فيم نزلت واين نزلت. وان ربي هب لي قلباً عقولاً ولساناً سؤلاً" (التفسیر والمفسرون: 89 - 90)، خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد تھا "خذوا القرآن من اربعة: من عبد الله بن مسعود، وسالم، ومعاذ، وابي بن كعب" (صحیح البخاری کتاب المناقب الانصار)۔

9 "ومعلوم ان تفسيره يكون بعضه من قبيل بسط الالفاظ الوجيزة وكشف معانيها، وبعضه من قبيل ترجيح بعض الاحتمالات علي بعض لبلاغته ولطف معانيه. ولهذا لا يستغني عن قانون عام يقول في تفسيره عليه ويرجع في تفسيره اليه. من معرفة مفردات الفاظه ومركباتها، وسياقه، وظاهره وباطنه، وغير ذلك ما لا يدخل تحت الوهم ويدق عنه الفهم ------ وفي هذا التفاوت الاذهان، وتتابق في النظر اليه مسابقا الرهان" (البرہان 1/15)۔

10 قرآن کے احکام اکثر و بیشتر مجمل ہیں حتیٰ کہ عبادات کی تفصیلی جزئیات بھی نہیں دی گئی ہیں۔ ان پر عمل کے لیے اور اس یقین کے ساتھ ادئیگی کے لیے کہ یہی طریقہ ادا خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے یہ ضروری تھا کہ تفصیلات حضور علیہ الصلوۃ والسلام فراہم کریں اور اس طرح قرآنی اجمال کی شرح و تفصیل ہو سکے، ورنہ قرآن کے عملی زندگی میں نافذ ہونے کی کوئی صورت نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے صرف قرآن کا مطالبہ کرنے والے سے کہا تھا "انك امرؤ احمق تجد في كتاب الله الظهر اربعاً لا يجهر فيها بالقراءة" تم ایک بیوقوف آدمی ہو، کیا تم نے قرآن میں کہیں دیکھا ہے کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں جن میں قرات جہر سے نہیں ہوگی، پھر نماز اور زکوۃ کے بارے میں اسی طرح سوال کر کے کہا تھا "اتجد هذا في كتاب الله مفسراً" کیا قرآن میں کہیں اس کی تفصیل ملتی ہے، اسی طرح مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر سے یہ مطالبہ ہوا تھا "لا تحدثونا الا بالقرآن" اس پر مطرف نے جواب دیا تھا "والله ما نريد بالقرآن بدلاً ولكن نريد من هو اعلم بالقرآن منا" (يعني بذلك النبي ﷺ) الموافقات 4 : 26؛ شاطبی نے اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے "تعريف القرآن بالاحكام الشرعية اكثره كلي لا جزئي. وحيث جاء جزئياً فماخذه علي الكلية، اما بالاعتبار، او بمعني الاصل، الا ما خصه الدليل، ويدل علي هذا المعني - بعد - انه محتاج الي كثير من البيان -- وقد قال الله تعالي وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم --- واذا كان كذلك لا القرآن علي اختصاره جامع. ولا يكون جامعا الا والمجموع فيه امور كليات، لان الشريعة تمت نزوله لقوله تعالي "اليوم اكملت لكم دينكم" الاية وانت تعلم ان الصلوٰة والزكوٰة والجهاد واشباه ذلك لم يتبين جميع احكامها في القرآن انما بينتها السنة وكذلك العاديات من الانكحة والعقود والقصاص والحدود وغيرها" (الموافقات 3 : 366 فما بعدہا) نیز دیکھیے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ بنو اسد کی ایک خاتون کے ساتھ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے "واشمات ومستوشمات" پر لعنت کرنے پر پیش آیا تھا (صحاح ستہ: الجامع الصغیر للسیوطی 2 : 25؛ نیز دیکھیے الموافقات 4 : 24 فما بعدہا)۔

11 "وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم" (سورۃ النحل)، وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ (سورۃ الحشر 7) لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلْيَوْمَ ٱلْـَٔاخِرَ (سورۃ الاحزاب 21)، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے "وانك لعلي خلق عظيم" (سورۃ النون 4) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا "كان خلقه القرآن" (صحیح مسلم، صلوۃ المسافرین) اور خلق میں ظاہر ہے کہ قول و فعل اور تقریر تینوں ہی شامل ہیں۔

12 إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ ﴿١٩﴾ (سورۃ القیامۃ : 17 - 19)

13 لَقَدْ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ (سورۃ آل عمران 164)، "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عہد رسالت

عہد رسالت میں قرآن کی تشریح و توضیح کبھی تو خود دوسری آیات کے ذریعے کر دی جاتی تھی [14] اور کبھی نبی کریم علیہ الصلوۃ و السلام کے اقوال و افعال اور تقریر کی صورت میں لوگوں کے سامنے آتی تھی۔ اس طرح سنت نبوی ﷺ یا دوسرے الفاظ میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی پوری زندگی قرآن مجید کی شرح تھی اور قرآن کے اجمال کی تفصیل، گویا قران فہمی اور تفسیر کے جو دو نہایت اہم اور بنیادی اصول عہد رسالت ﷺ ہی میں مقرر ہو چکے تھے وہ یہ تھے کہ قرآن مجید کے مختلف حصے آپس میں ایک دوسرے کی شرح اور تفسیر کرتے ہیں اس لیے تفسیر قرآن کے لیے سب سے پہلے خود قرآن کے دوسرے ملتے جلتے مقامات کی طرف رجوع کیا جائے[15]۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی قرآن کی تشریح و تفصیل ہے اس لیے قرآن کریم کی مستند ترین شرح وہ ہے جو خود آپ ﷺ کی طرف سے قولاً فعلاً یا تقریراً پیش کی جائے[16]۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان اصولوں کو عملاً نافذ کیا چنانچہ یہ حضرات نبی کریم ﷺ سے باقاعدہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور اس کی شرح و تفصیل اور تفسیر بھی دیکھتے تھے[17]۔ اس طرح تفسیر کی ابتداء نزول قرآن کے ساتھ ساتھ خود عہد رسالت میں ہو چکی تھی۔

لتبین للناس ما نزل الیهم" (سورۃ النحل)، حدیث نبوی ﷺ میں آتا ہے "انما بعث معلماً" (ابن ماجہ مقدمہ (17

14 مثلاً حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ (سورۃ البقرۃ 187) کی تشریح میں بعد میں "من الفجر" کے الفاظ وحی کے ذریعے ہوئی (صحیح مسلم کتاب الصوم، عن عدی بن حاتم)، قرآن کا یہ بیان و تشریح مختلف طریقوں سے ہوا ہے کبھی تو یہ خود آیت میں مضمر ہوتا ہے، کبھی قرآن محذوف کی طرف اشارہ کر دیتا ہے جو مقدم بھی ہوتا ہے اور متاخر بھی، کبھی ایماء و اشارہ و اضماء کی بجائے بیان میں وضاحت ہوتی ہے اور جس جس کا بیان پیش کیا جا رہا ہے اس کے متصل بعد میں اس بیان کو رکھ دیا جاتا ہے۔ کبھی یہ تشریح مفصل ہوتی ہے اور کبھی اسی سورۃ یا کسی دوسری سورۃ میں بھی ملتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لفظ کسی امر کو مقتضی ہے مگر اس کا حمل دوسری چیز پر کیا گیا ہے قرآن اس کی تشریح کر دیتا ہے، کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ لفظ دو معنی کو محتمل ہے قرآن کسی دوسرے موقع پر اسے معین کر دیتا ہے وغیرہ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے البرہان 2/ 184 فما بعدہا، البرہان 1/ 199- 216 میں بیان و تشریح کے قرآنی مناہج پر تفصیل سے بحث ملتی ہے۔

15 " المدني من السور ينبغي ان يكون منزلاً في الفهم علي المكي . وكذلك المكي بعضه مع بعض . و المدني بعضه مع بعض . علي حسب ترتيبه في التنزيل . والا لم يصح . والدليل علي ذلك ان معني الخطاب المدني في الغالب مبني علي المكي . كما ان المتاخرين كل واحد منهما مبني علي مقدمته ـ دل علي ذلك الاستقراء . وذلك انما يكون بيان مجمل . او تخصيص عموم . او تقييد مطلق . او تفصيل ما لم يفصل . او تكميل ما لم يظهر تكميله " اس کے بعد شاطبی نے مختلف مثالیں پیش کر کے لکھا ہے " واذا تنزلت الي سائر السور المسور بعضها مع بعض في الترتيب وجدتها كذلك . حذو القذة . فلا يغيبن عن الناظر في الكتاب هذا المعني . فانه من اسرار علوم التفسير . وعلي حسب المعرفة به تحصل له المعرفة بكلام ربه سبحانه " (الموافقات 3 : 406 فما بعدہا)، " احسن طريق التفسير ان يفسر القرآن بالقرآن فما اجمل في مكان فقد فصل في موضع اخر . وما اختصر في مكان فانه قد بسط في اخر " (البرہان 2/ 175)، " من اراد تفسير الكتاب العزيز طلبه اولا من القرآن فما اجمل منه في مكان فقد فسر في موضع اخر وما اختصر في مكان فقد بسط في موضع اخر منه " (الاتقان 2/ 175)۔ اس اصول کی بنیاد خود حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے ڈالی مثلاً آیت الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ (الانعام: 82) کی تفسیر کے بارے میں آنحضور ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے آیت قرآنی " ان الشرك لظلم عظيم " (لقمان : 13) کے حوالے سے "ظلم" کا مفہوم شرک بتایا (صحیح البخاری: کتاب التفسیر، سورہ انعام، باب قولہ "ولم يلبسوا ايمانهم بظلم")۔

16 " فان اعياه ذلك طلبه من السنة فانها شارحة للقرآن و موضحة له وقد قال الشافعي رضي الله عنه كل ما حكم به رسول الله ﷺ فهو مما فهمه من القرآن قال الله تعالي انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله " (الاتقان 2/ 176)، " السنة راجعته في معناها الي الكتاب فهي تفصيل مجمله و بيان مشكله و بسط مختصره و ذلك لانها بيان له ...... فلا تجد في السنة امراً الا و القرآن ...... فالسنة اذا في محصول الامر بيان لما فيه و ذلك معني كونها راجعة اليه " (الموافقات 4/ 12 فما بعدہا)، " ان النبي ﷺ كان ناسبا بقوله و فعله و اقراره علما كان مكلفاً بذلك في قوله تعالي و انزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم " (الموافقات 3/ 308)، شاطبی نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور قول و فعل اور تقریر کے ذریعے بیان کی حکمتوں کو واضح کیا ہے نیز ان تینوں کے ذریعے جو مطلوب ہے اس کے دقیق نفسیاتی فروق، اثر آفرینی اور اس کی تشریعی نزاکتوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جو عام اصول کی کتابوں میں نہیں ملتی دیکھیے الموافقات 3/ 308 فما بعدہا پوری الفصل الخامس، نیز جلد 4/ 58 فما بعدہا الدلیل الثانی المسئلہ السادسۃ و السابقۃ و الثامنۃ، قرآن نے بھی اجمالاً و تفصیلاً اس بات کو پیش کیا ہے " وما ينطق عن الهوي " (النجم: 3)، " و لكم في رسول الله اسوة حسنة " (الاحزاب: 21)، " زوجناكها لكيلا يكون علي المومنين حرج " (الاحزاب: 37) اور حضور ﷺ نے بھی " صلوا كما رايتموني اصلي " (بخاری : باب الاذان 18) اور " خذوا عني مناسككم " (صحیح مسلم: حدود 12) سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے آپ کو بطور نمونہ عمل کے پیش فرما رہے ہیں۔

17 " يجب ان يعلم ان النبي ﷺ بين لا صحابه معاني القرآن كما بين الفاظه...... و قد قال ابو عبد الرحمن السلمي حدثنا الذين

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم

رسول اللہ ﷺ کے بعد فطری طور پر قرآن کریم کی تشریح و توضیح کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کیا گیا۔[18] خصوصاً ان حضرات کی طرف جو اس فن میں آنحضور ﷺ کی زندگی میں دوسروں سے ممتاز ہو چکے تھے[19] یا جن سے استفادے کی ترغیب خود آنحضرت ﷺ نے دی تھی یہ دس آدمی تھے حضرت ابو بکر[20]، حضرت عمر[21]، حضرت عثمان[22]، حضرت علی[23]، حضرت عبد اللہ بن مسعود[24]، حضرت عبد اللہ بن عباس[25]، حضرت ابن ابی کعب[26]،

كانوا يقرءون القرآن كعثمان بن عفان و عبد الله بن مسعود وغير هما انهم كانوا اذ تعلموا عن النبي ﷺ عشر آيات لم يتجاوزوها حتي يعلموا ما فيها من العلم و العمل قالوا فتعلمنا القرآن و العلم و العمل جميعا و لهذا كانوا يبقون المدة في حفظها السورة" ابن تیمیہ: مقدمۃ فی اصول التفسیر ص 5 فما بعدہا، نیز الاتقان 2/176 فما بعدہا، البرہان 2/158، صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو غلطیاں قرآن فہمی میں ہوتی تھیں ان کی تصحیح بھی حضور ﷺ کرتے تھے مثلاً سورۃ روم کی ابتدائی آیات میں " بضع سنین " کا صحیح مفہوم سمجھنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جو غلطی ہوئی اس کی تصحیح فرمائی (تفسیر ابن کثیر 3/423) ، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے " و الذين يكنزون الذهب و الفضة " کی مراد سمجھنے میں جو لغزش ہوئی اس کی تصحیح کی (تفسیر ابن کثیر 2/351)۔

18 " فان لم يجده من السنة رجع الي اقوال الصحابة فانهم ادري بذلك لما شاهدوه من القرائن والاحوال عند نزوله ولما اختصوا به من الفهم التام و العلم الصحيح و العمل الصالح " الاتقان 2/176 ، ايضاً 2/183 ، نیز الموافقات 4/74 فما بعدها ، البرهان 2/157 ، تدريب الروي ص 64 فما بعدها ، معرفة علوم الحديث ص 19 فما بعدها ، تفسير ابن كثر 1/3 ، في المقدمة ، يترجح اعتمادهم في البيان من وجهين : احدهما معترفتهم باللسان العربي ، فانهم عرب فصحاء ، لم يتغير السنتهم و لم تنزل عن رتبتها العليا فصاحتهم ، فهم اعرف في فهم الكتاب و اسلنة من غيرهم ، فاذا جاء عنهم قول او عمل واقع مواقع البيان صح اعتماده من هذا الجهة ، و الثاني مباشرتهم للواقائع و النوازل ، و تنزيل الوحي بالكتاب و السنة ، فهم اقعد في فهم القرائن الحالية و اعرف باسباب التنزيل ، و يدركون ما لا يدركه غيرهم بسبب ذلك " الموافقات: 2/338

19 " عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال : سمعت النبي ﷺ يقول خذوا القرآن من اربعة : عن عبد الله بن مسعود ، وسالم (بن معقل مولي ابي حذيفة) ، و معاذ (ابن جبل) ، و ابي بن كعب " صحيح البخاري ، الباب السابع عشر من كتاب مناقب الانصار ، رواه ايضاً الترمذي و الحاكم عن ابن عمر باسناد صحيح (الجامع الصغير للسيوطي 1/2)

20 ابو بکر عبد اللہ بن ابی قحافۃ عثمان بن عامر التیمی القرشی الصدیق العتیق ۔ رفيق رسول الله ﷺ في الهجرة و خليفة الاول واحد العشرة المبشرة مات سنه 13ھ ۔ الطبقات لابن سعد 3 : 1 : 119 ، التاریخ الکبیر 3 : 1 : 1 ، التاریخ الصغیر : 15 ، 18 ، 23 ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 1/329 ، 2/626 ، الجمع بین رجال الصحیحین : 237 ، اسد الغابۃ 3/205 ، 5/105 ، جامع المسانید للخوارزمی 2/489 ، تذکرۃ الحفاظ للذہبی 1/2 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/347 ، 2/163 ، الاصابۃ للعسقلانی 4/101 ، تہذیب التہذیب 5/315 ، الاعلام 4/237 ، سعید احمد اکبر آبادی : صدیق اکبر۔

21 ابو حفص عمر بن الخطاب بن نفیل القرشی العدوی الفاروق ۔ ثاني الخلفاء الراشدين ، واحد العشرة المبشرة ، واول من سمّي امير المؤمنين استشد في آخر سنه 23ھ ۔ الطبقات 3 : 1 : 190 ، التاریخ الکبیر 3 : 2 : 138 ، التاریخ الصغیر : 27 ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب 2/415 ، الجمع بین رجال الصحیحین : 338 ، ابن الجوزی : سیرۃ عمر بن الخطاب ، اسد الغابۃ 4/252 ، جامع المسانید 2/489 ، تذکرۃ الحفاظ 1/6 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/428 ، تہذیب التہذیب 7/438 ، الاصابۃ 4/279 ، الاعلام 5/203 ، شبلی نعمانی : الفاروق۔

22 ابو عبد اللہ عثمان بن عفان بن ابی العاص الاموی ذو النورین ، ثالث خلفاء الراشدين واحد العشرة المبشرة و احد الستة الشوري ، مجهّز جيش العسرة ، استشهد سنة 35ھ ۔ الطبقات 3 : 1 : 36 ، التاریخ الکبیر 3 : 2 : 208 ، التاریخ الصغیر : 32 ، الاستیعاب 2/474 ، الجمع بین رجال الصحیحین : 347 ، اسد الغابۃ 3/376 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/403 ، تذکرۃ الحفاظ 1/8 ، الاصابۃ 4/223 ، تہذیب التہذیب 7/139 ، الاعلام 4/371

23 ابو الحسن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب القرشی الہاشمی ، رابع الخلفاء الراشدين و ابن عم رسول الله ﷺ و احد العشرة المبشرة و احد الستة الشوري ، استشد سنة 40ھ ۔ الطبقات 2 : 2 : 100 و 3 : 1 : 11 ، التاریخ الکبیر 3 : 2 : 259 ، التاریخ الصغیر : 40 و 43 ، الاستیعاب 2/456 ، الجمع بین رجال الصحیحین : 352 ، اسد الغابۃ 4/16 ، تذکرۃ الحفاظ 1/10 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/424 ، تہذیب التہذیب 7/334 ، الاصابۃ 4/269 ، الاعلام 5/107

24 ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مسعود بن عاقل الہذلی مات في سنة 32ھ ۔ احد السابقين الاولين ، صاحب نعلي رسول الله ﷺ و ممن يفتي علي عهده روي ونه من التابعين علقمة ، و مسروق ، و اسود ، و زرّ بن حبيش ، وشريح القاضي وغيرهم و قال علقمة "كان يشبه النبي ﷺ في هديه ودله سمته ، كان ينسب الي امه احياناً فيقال ابن ام عبد ، قال فيه رسول الله ﷺ " لو كنت مؤمراً احداً دون مشورة المؤمنين لامرت ابن ام عبد " (مسند ، مسند علی 1/76) وكان رسول الله ﷺ يقول من سره ان يقراء القرآن رطبا كما انزل فليقراء علي قراءة ابن ام عبد ۔ " و عن مسروق انه قال " انتهي علم اصحاب رسول الله ﷺ الي ستة : عمر و علي و عبد الله بن مسعود ، و ابي بن كعب و ابي الدرداء و زيد بن ثابت ثم انتهي علم

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت زید بن ثابت[27]، حضرت ابو موسیٰ اشعری[28] اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم[29]۔ ان کے علاوہ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ[30] اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا[31] تفسیر کے لیے مشہور ہوئیں[32]۔ خلفائے اربعہ راشدین میں سب سے زیادہ تفسیر حضرت علی سے منقول ہے[33] مگر صحابہ کرام میں

هولاء الستة الى رجلين: علي وعبد الله۔" وقال ابو الدرداء بعد موت ابن مسعود " ما ترك بعده مثله" صحابہ بحیثیت مجموعی آپ کی اعلمیت بکتاب اللہ کے قائل تھے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس کی توجیہ یوں کی تھی کہ حضور ﷺ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے جو مواقع انہیں حاصل تھے وہ کسی دوسرے کو نہ تھے۔ الطبقات 2 :2: 104 ، التاریخ الکبیر 3 :1 :2 ، الاستیعاب 1/359 ، الجمع بین رجال الصحیحین : 238 ، اسد الغابۃ 3/256 ، تذکرۃ الحفاظ 1/13 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/309 ، الاصابۃ 4/129 ، تہذیب التہذیب 6/42، الاعلام 4/28

25 ابو العباس عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب المکی المدنی الطائفی ، ابن عم النبی ﷺ وصاحبہ وحبر الامۃ و ترجمان القرآن ۔ مات في سنة 68ھ ۔ كان عمر بن الخطاب يستشيره ويقول غواص ۔ وقال سعد " ما رايت احضر فهماً ولا الب لباً ولا اكثر علماً ولا اوسع علماً عن ابن عباس ۔" حضور ﷺ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر 13 یا 15 سال تھی، کبار صحابہ سے علم حاصل کیا۔ ان کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کا کہنا تھا " نعم ترجمان القرآن ابن عباس" طاؤس سے جب کہا گیا کہ اکابر صحابہ کو چھوڑ کر تم ابن عباس کے ہو کر رہ گئے ہو تو انہوں نے کہا کہ میں ستر صحابیوں کو دیکھا " اذا تدارؤا في امر صاروا الي قول ابن عباس " حضرت علی کو حضرت ابن عباس کی تفسیر بہت پسند تھی کہتے تھے " كانما ينظر الى الغيب من ستر رقيق " حضرت عبد اللہ بن عمر ان کے بارے میں کہتے تھے " ابن عباس اعلم امة محمد بما نزل على محمد " آنحضور ﷺ نے ان کو یہ دعا دی تھی کہ " اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل " یا " اللهم علمه الكتاب والحكمة " ۔ طبقات 2 :2 : 119، التاریخ الکبیر 3 :1 :3، الاستیعاب 1/372، الجمع بین رجال الصحیحین 229 ، اسد الغابۃ 3/192 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/344 ، تذکرۃ الحفاظ 1/37 ، تہذیب التہذیب 5/276 ، الاصابۃ 4/90 ، الاعلام 4/228۔

26 ابو المنذر و ابو الطفیل (کناہ النبی بالاولی و عمر بالثانیۃ) ابی بن کعب قیس الانصاری الخزرجی، سید القراء وکاتب الوحی ، وكان ممن جمع القرآن حفظاً على عهد رسول الله ﷺ ، وكان ممن يفتي على عهده وقد قال فيه النبي ﷺ واقرءهم ابي بن كعب . وروى الشعبي عن مسروق قال " كان اصحاب القضاء من اصحاب رسول الله ﷺ ستة : عمر وعلي وعبد الله وابي وزيد وابي موسى الاشعري" ۔ وكان حبراً من احبار اليهود ، وعد ابي بن كعب من المكثرين في التفسير . مات في سنة 20ھ ۔ طبقات 3 :2 :59 ، التاریخ الکبیر 1 :2 : 40 ، الاستیعاب 1/26 ، الجمع بین رجال الصحیحین 39 ، اسد الغابۃ 1/49 ، تذکرۃ الحفاظ 1/16 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/8 ، تہذیب التہذیب 1/187 ، الاصابۃ 1/16 ، الاعلام 1/87۔

27 یزید بن ثابت بن الضحاک الانصاری الخزرجی ۔ كاتب الوحي ، احد نجباء الانصار ، قرء عن النبي ﷺ وجمع القرآن في عهد صديق ۔ ولما مات قال ابو هريرة " مات خير الامة " وقال ابن عباس " هذا ذهاب العلماء دفن اليوم علم كثير " مات في سنة 45ھ طبقات 2 :2 : 115 ، التاریخ الکبیر 2 :1 : 7 : 31 ، الجمع بین رجال الصحیحین 142 ، اسد الغابۃ 2/221 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/211 ، تہذیب التہذیب 3/399 ، تذکرۃ الحفاظ 1/29 ، الاصابۃ 3/22 ، الاعلام 3/59۔

28 ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس بن سلیم بن حضّار الاشعری ۔ استخلفه عمر على البصرة وموافقهم و اعلمهم ، وقال الشعبي " خذوا العلم عن ستة " فذكره فيهم ، وقال ابن المديني : " قضاة الامة الاربعة : عمر وعلي وابو موسى وزيد بن ثابت " مات في سنة 44ھ ۔ طبقات 4/105 ، الاستیعاب 2/658 ، الجمع بین رجال الصحیحین 241 ، تذکرۃ الحفاظ 1/22 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/354 ، تہذیب التہذیب 5/362 ، الاصابۃ 2/869 ، الاعلام 4/254

29 ابو خبیب (او ابو بکر) عبد بن زبیر بن العوام الاسدی المکی ثم المدنی ۔ اول مولود في الاسلام بعد الهجرة ، وفارس قريش ، امه اسماء بنت ابي بكر استشهد في سنة 73ھ ۔ الاستیعاب 1/352 ، الجمع بین رجال الصحیحین 1/240 ، تجرید اسماء الصحابۃ 1/334 ، تہذیب التہذیب 5/213 ، الاصابۃ 2/754، الاعلام 4/218

30 ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق زوج النبي عليه الصلوة والسلام وفقيهة الامة ، ماتت في سنة 58ھ ۔ طبقات 2 :2 : 126 ، 8 : 39 ، الاستیعاب 2/743 ، الجمع بین رجال الصحیحین 609 ، اسد الغابۃ 5/501 ، تجرید اسماء الصحابۃ 2/301 ، تذکرۃ الحفاظ 1/26 ، الاصابۃ 8/139، تہذیب التہذیب 12/432، الاعلام 4/5 ، سید سلیمان ندوی : سیرت عائشہ ۔

31 ام المومنین ہند (او رملۃ) بنت ابی امیہ سہل بن مغیرۃ المخزومیۃ القرشیۃ ۔ كانت موصوفة بالجمال البارع والعقل البالغ والرأي الصائب ماتت في سنة 62ھ ۔ طبقات 8/60 ، الاستیعاب 2/780 ، الجمع بین رجال الصحیحین 613 ، اسد الغابۃ 5/588 ، تہذیب التہذیب 12/455 ، الاصابۃ 8/240 ، تجرید اسماء الصحابۃ 2/338 ، الاعلام 9/104۔

32 ان سب حضرات کے نام علاوہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سیوطی نے الاتقان 2/187 میں دیے ہیں۔ حضرت عائشہ کے لیے دیکھیے: سیرت عائشہ از سید سلیمان ندوی ، صحیح مسلم ، کتاب التفسیر اور حضرت ام سلمہ کے لیے الاتقان 1/124 ، مباحث فی علوم القرآن ص 63۔

33 " اما الخلفاء الراشدين فاكثر من روي عنه منهم علي بن ابي طالب والرواية عن الثلاثة نزرة جداً وكان السبب في ذلك تقدم وفاتهم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحیثیت مجموعی حضرت عبد اللہ بن عباس کا تفسیری ذخیرہ سب سے زیادہ ہے۔[34]

اس دور کے تفسیری منہاج کے بنیادی عناصر حسب ذیل ہیں۔

تفسیر کرنے والے کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی کہ اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے[35] خود قرآن مجید کے دوسرے مقامات کے ذریعے آیت کی تفسیر کر دی جائے[36] یا رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ تشریح و توضیح نقل کر دی جائے[37]۔ آیات کی تفسیر صرف اقوال نبوی ہی سے نہ کی جاتی تھی بلکہ افعال و اقرار نبوی کو بھی تفسیر کے طور پر پیش کیا جاتا تھا[38]۔ تفسیر کا یہ سب سے محتاط اور مستند طریقہ تھا لیکن ہے کہ قرآن کی ہر آیت یا ہر لفظ کی تفسیر اس طرح نہ کی جا سکتی تھی[39]۔ چنانچہ صحابہ نے جس طرح فقہی مسائل میں اجتہاد کیا اسی طرح تفسیر میں بھی اجتہاد سے کام لیا[40] اگر کسی کا تفسیری اجتہاد نصوص شرعیہ سے متصادم ہوتا تھا یا مطابق واقعہ نہ ہوتا تھا یا اس میں کوئی دوسرا نقص پایا جاتا تھا تو دوسرے اس پر تنقید بھی کرتے تھے[41]

کما ان ذلک هو السبب في قلة رواية ابي بكر رضي الله عنه الحديث، ولا احفظ عن ابي بكر رضي الله عنه في التفسير الا آثاراً قليلة جداً لا تكاد تجاوز العشرة واما علي فروي عنه الكثير" الاتقان 2/187

34 الاتقان 2/188

35 یہ صحابہ کا عام مذاق تھا کہ ذاتی رائے اور اجتہاد کو صرف ناگزیر صورتوں میں تفسیر قرآن میں دخل دیا جائے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب قرآن مجید کی ایک آیت (وفاكهة وابا : سورہ عبس) کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے کہا: "اي سماء تظلني، واي ارض تقلني، واين اذهب، وكيف اصنع اذا قلت في حرف من كتاب الله بغير ما اراد تبارك و تعالى" الموافقات 3/421، محض ظن و تخمین کو بنیاد بنا کر تفسیر کرنے کی مذمت کے بارے میں احادیث بھی روایت کی گئی ہیں (الاتقان 2/179، التفسیر والمفسرون 1/255 فما بعدها) اور اس سلسلے میں حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود وغیرہ سے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں جن کا مفاد یہی ہے کہ ایسی ذاتی رائے کہ جس کا کوئی مبنی لغت یا شریعت میں موجود نہیں تفسیر قرآنی کے سلسلے میں ناقابل اعتماد اور فاسد ہے دیکھیے (الموافقات 3/422، الاتقان 2/179، البرہان 2/161، روح المعانی)

36 مثلاً دیکھیے: ترمذی، کتاب التفسیر سورہ بقرہ (آیت لا تلقوا بايديكم الى التهلكة)، صحیح مسلم: کتاب التفسیر، تفسیر يستفتونك في النساء۔

37 الموافقات 3/320 فما بعدها، صحیح البخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورہ آل عمران، باب قولہ لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا

38 مثال کے طور دیکھیے: صحیح البخاری: کتاب الوضوء حدیث (1)، صحیح البخاری: کتاب الاعتصام حدیث (4)

39 یہ بات بحث کا موضوع رہی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پورے قرآن یعنی ہر ہر آیت اور لفظ کی تشریح کی یا نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن مجید کے سارے معنی و مفہوم کی تشریح کی ان لوگوں کے سرخیل ابن تیمیہ ہیں (دیکھیے مقدمۃ فی اصول التفسیر ص 5 فما بعدها) دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ اس طرح ہر ہر آیت اور لفظ کی تشریح حضور ﷺ نے نہیں کی۔ ان میں سر فہرست خولی (الاتقان 2/174) اور سیوطی ہیں۔ چنانچہ سیوطی کا کہنا ہے کہ "الذي صح من ذلك قليل جداً بل اصل المرفوع منه في غاية القلة" (الاتقان 2/179، 205) اس مسئلے پر ایک حد تک تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے التفسیر والمفسرون 1/48 نیز الموافقات 3/421 فما بعدها۔ رائے بہر حال دلائل و شواہد کی روشنی میں یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی ساری بنیادی اور ضروری باتوں کی تشریح پیش کر دی (بشرطیکہ اس تشریح کے مفہوم میں صرف قولی احادیث کو نہیں بلکہ افعال و اقرار نبوی کو بھی شامل کر لیا جائے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب سیوطی تفسیر کی مرفوع روایات کے بارے میں "في غاية القلة" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں مرفوع قولی تفسیری روایات ہوتی ہیں) لیکن بالاستیعاب ہر ہر آیت اور ہر ہر لفظ کی تشریح نہیں کی۔

40 اگرچہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں صحابہ سے ایسی بے بنیاد ذاتی رائے کی مذمت ثابت ہے جس کا کوئی صحیح، معقول اور شرعی مبنی نہ ہو تاہم اس چیز نے ان کو تفسیر قرآن میں صحت مند رائے اور اجتہاد سے نہیں روکا۔ خود حضرت ابو بکر صدیق سے جب کلالہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا "اقول فيها برايي، فان كان صوابا فمن الله وان كان خطا فمني ومن الشيطان، الكلالة كذا وكذا" (الموافقات 3/422) "ان الصحابة كانوا اولى بهذا الاحتياط من غيرهم وقد علم انهم فسروا القرآن على ما فهموا ومن جهتهم بلغنا تفسير معناه، والتوقيف ينافي هذا فما اطلاق القول بالتوقيف والمنع من الرأي لا يصح" (الموافقات 3/421) تفسیر بالرائے میں غلطی کا منشا کیا ہے اس پر بحث کے لیے دیکھیے: التفسیر والمفسرون 1/281 فما بعدها۔ اجتہادی تفسیر کی بعض مثالوں کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری: کتاب التفسیر تفسیر سورہ بقرہ باب قولہ ايود احدكم ان يكون له جنة، نیز تفسیر سورہ اذا جاء نصر الله والفتح، باب قولہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

41 حضرت قدامہ بن مظعون صحابی رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اگر کسی شخص سے شراب نوشی کا واقعہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ شخص حد کا مستحق نہیں۔ دلیل میں لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَأَحْسَنُوا (سورہ مائدہ: 93) کو پیش کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس نے بتایا کہ اس آیت کا انطباق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو حرمت خمر سے پہلے شراب نوشی کے مرتکب ہوئے۔ اسی طرح بعض لوگ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ (سورۂ دخان: 10) کو قرب قیامت کے احوال پر محمول کرتے تھے۔ حضرت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ تفسیر القرآن بالقرآن اور اقوال و افعال نبوی کے ذریعے قرآنی آیات کی تشریح کے علاوہ صحابہ کے زمانہ میں بعض اوقات تفسیر خالص لغوی بنیاد پر کی جاتی تھی[42]۔ اگر فہم آیت کسی تاریخی واقعے، عرب جاہلیت کے رسم و رواج یا امم سابقہ کے دستور اور طریقے کے علم پر منحصر ہوتا تھا تو ان چیزوں کو بیان کر دیا جاتا تھا[43]۔ آیت کا مطلب سمجھنے کے لیے اگر ان حالات کا علم ضروری سمجھا جاتا تھا جو اس کے نزول کے داعی ہوئے تو شان نزول بتا دی جاتی تھی[44]۔ ہمیں اس دور میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ آیات قرآنی کی تفسیر خالص عقلی بنیادوں پر کی گئی[45]۔ ایسا بھی اکثر ہوتا تھا کہ آیت کا مطلب واضح کرنے کے لیے دوسری قرات اختیار کر کے اس کی تشریح کر دی جاتی تھی یا اس طرح اس پر واقع ہونے والے اعتراض کو دور کیا جاتا تھا[46]۔ اس زمانہ

عبد اللہ بن مسعود نے بتایا کہ اس آیت میں اس قحط کا ذکر ہے جو نبی کریم ﷺ کی تکذیب کے نتیجے میں مکے میں ظاہر ہوا، اس وقت بھوک کے مارے لوگوں کو آسمان دھواں دھواں نظر آتا تھا۔ دیکھیے شاطبی : الموافقات 3/348 فما بعدھا، مزید مثالوں کے لیے دیکھیے صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ احقاف باب قولہ والذي قال لوالديه اف لكما، صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر الم غلبت الروم، یا دیکھیے حضرت عائشہ کی تنقید اپنے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر کی تفسیر پر (صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بقرہ باب قولہ ان الصفا والمروة)

42 سورہ بنی اسرائیل کی آیت وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے "امر" کے معنی "حکم" کے بجائے "اکثار" کے لیے : بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل باب قولہ وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا نیز دیکھیے الاتقان 2/183 "ينظر في تفسير الصحابي فان فسره من حيث اللغة فهم اهل اللسان فلا شك في اعتماده" بعد میں لغوی تفسیر کا جاننا کس قدر اہم سمجھا گیا امام مالک بن انس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے "لا اوتي برجل غير عالم بلغات العرب يفسر كتاب الله لا جعلته نكالاً" (البرہان 2/16) چنانچہ لغت کی تحقیق کی طرف صحابہ کرام نے بڑا اعتناء کیا" قال ابن عباس الشعر ديوان العرب، فاذا خفي علينا الحرف من القرآن ان الذي انزله الله بلغة العرب رجعنا الي ديوانها فالتمسنا معرفة ذلك منه، و عن ابن عباس كان يسال عن القرآن فينشد فيه الشعر" (الاتقان 1/119 فما بعدھا) نیز دیکھیے الاتقان، النوع السادس و الثلاثون فی معرفۃ غریبہ 1/113 فما بعدھا

43 دیکھیے ترمذی : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ مریم، صحیح البخاری : کتاب التفسیر تفسیر سورہ آل عمران باب قولہ "لا تحسبن الذين تفرحون بما اتوا"، صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ نساء "وان خفتم الا تقسطوا في اليتامىٰ"، صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ تحریم باب قولہ "وان تظاهروا عليه"، صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بقرہ باب قولہ "ان الصفا والمروة من شعائر الله"

44 صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ قیامہ قولہ "لا تحرك به لسانك"، صحیح البخاری : کتاب التفسیر، تفسیر سورہ تحریم قولہ "يا ايها النبي لم تحرم ما احل الله لك تبتغي مرضات ازواجك" ترمذی : کتاب التفسیر، سورہ بقرہ۔ مگر صحابہ کو اس میں غلو نہ تھا دیکھیے الفوز الکبیر ص 21 فما بعدھا

45 صحیح مسلم : کتاب التفسیر، تفسیر "ان الذين ياكلون اموال اليتامىٰ"، صحیح البخاری، تفسیر سورہ نساء، صحیح مسلم : کتاب التفسیر (آیت وان امراة خافت)، صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ "لا تحسبن الذين تفرحون"

46 مثال کے طور پر آیت "حتىٰ اذا استيئس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا" میں "قد كذبوا" کے الفاظ سے جو خلجان پیدا ہوتا تھا اسے دوسری قراءت اختیار کر کے دور کرنے کی کوشش کی گئی : صحیح البخاری، تفسیر سورہ یوسف، باب قولہ "حتىٰ اذا استيئس الرسل" اختلاف قراءت کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر در حقیقت تفسیر القرآن بالقرآن ہی کا ایک شعبہ ہے، اکثر و بیشتر ایک قراءت دوسری کے لیے مفسر ہوتی ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں : "لو كنت قرات ابن مسعود قبل ان اسئل ابن عباس ما احتجت ان اساله عن كثير مما سالته عنه" (ترمذی 2/157، القسطلانی 10/278، التفسیر والمفسرون 1/41) سیوطی نے اختلاف قراءت کے فائدے بتاتے ہوئے لکھا ہے : "ومنها ان بعض القراءات يبين ما لعله مجمل في القراءة الاخرىٰ فقراءه "يطهرن" بالتشديد مبينة لمعني قراءة التخفيف، و قراءة "فامضوا الي ذكر الله" تبين ان المراد بقراءة "اسعوا" الذهاب لا المشي السريع۔ و قال ابو عبيدة في فضائل القرآن المقصد من القراءة الشاذة تفسير القراءة المشهورة و تبين معانيها كقراءة عائشة و حفصة "و الصلوٰة الوسطيٰ صلاة العصر" و قراءة ابن مسعود "فاقطعوا ايمانهما" و قراءة جابر "فان الله من بعد اكراههن لهن غفور رحيم"۔ قال فهذه الحروف وما شاكلها قد صارت مفسرة القرآن. وقد كان يروي مثل هذا عن التابعين في التفسير فيستحسن، فكيف اذا روي عن كبار الصحابة ثم صار في نفس القراءة فهو اجشر من التفسير و اقوي فادني ما يستنبط من هذه الحروف معرفة صحة التاويل" خود سیوطی نے اپنی کتاب "اسرار التاویل" میں قراءت نے قراءت مشہورہ پر جن معنی کا اضافہ کیا ہے اسے مفصل طور پر بیان کیا ہے (اتقان 1/82) گولٹ سیہر کو بھی اختلاف قراءت کی اس خصوصیت پر تنبہ ہوا ہے چنانچہ لکھتا ہے "المرحلة الاوليٰ لتفسير القرآن و النواة التي بدا بها، تتركم في القرآن نفسه وفي نصوصه نفسها، و بعبارة اوضح، في قراءاته ففي هذه الاشكال المختلفة، تستطيع ان تري اول محاولة للتفسير" (المذاهب الاسلامیۃ فی تفسیر القرآن الکریم 1/1 بحوالہ التفسیر والمفسرون 1/41) لیکن گولٹ سیہر نے اختلاف قراءت کو جس طرح متن قرآن کی عدم محفوظیت پر دلیل بنانا چاہا ہے اس میں استدلال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اگرچہ بعض صحابہ مثلاً خود حضرت عبد اللہ بن عباس[47] اور حضرت عبد اللہ بن سلام[48] تخلیق و تکوین عالم انبیائے سابقین و امم سابقہ وغیرہ کے بارے میں قرآن میں وارد شدہ آیات کی مزید توضیح کے لیے اسرائیلی روایات کو نقل کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں[49] مگر صحابہ کرام کا عام مذاق اور منہاج یہی تھا کہ وہ اس طرح کی روایات سے پرہیز کرتے تھے اور اس بات سے روکتے تھے[50]۔ فن تفسیر کے آئندہ ارتقاء کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے تفسیری منہاج کے یہ عناصر زمانہ ما بعد کے تفسیری مذاہب کے لیے بمنزلہ تخم ثابت ہوئے اور ہر ایک نے تفسیری منہاج کے ایک مستقل اور علیحدٰہ مکتب کو جنم دیا۔[51]

سے زیادہ مغالطوں کو دخل ہے دیکھیے: التفسیر والمفسرون 1/41 فما بعدھا اور اجنتس جولہ تسیہر: مذاہب التفسیر الاسلامی ص 1/72

47 حضرت عبد اللہ بن عباس بعض اسی طرح کی آیات کی تفسیر کے لیے جن کا مواد قرآن اور توریت و انجیل میں مشترک ہے اہل کتاب سے رجوع کیا کرتے تھے، خاص طور سے حضرت عبد اللہ بن سلام اور کعب الاحبار سے۔ گولٹ سیہر نے اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے کہ باوجود ممانعت نبوی کے ابن عباس کا یہ مستقل طرز عمل تھا۔ اس طرح گولٹ سیہر نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ یہود کو فہم کتب الٰہیہ میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا اور قرآنی تفسیر کا بھی بڑا حصہ یہودیوں کا رہین منت ہے (مذاہب التفسیر الاسلامی ص 85 فما بعدھا مستشرقین کے اصل مقاصد اس طرح کی تحریروں سے کیا ہیں اس کے لیے دیکھیے: السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی لمصطفیٰ السباعی ص 364 فما بعدھا۔ ابن عباس کے بارے میں احمد امین نے گولٹ سیہر کے خیالات کو جوں کا توں قبول کر لیا ہے فجر الاسلام ص 248) حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ تفسیری استفادہ صرف قصص و اخبار سے متعلق ہوتا تھا جو قرآن اور توریت و انجیل میں مشترک ہیں نہ کہ اعتقادات و مسائل و احکام میں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا ارشاد "حدثوا عن بني اسرائيل و لا حرج فان فيهم اعاجيب" (صحیح البخاری 6/329 من فتح الباری) ایسے ہی عبرت انگیز قصص و اخبار کے بارے میں ہے۔ حضور ﷺ کا دوسرا ارشاد "و لا تصدقوا اهل الكتاب و لا تكذبوهم" (صحیح البخاری فی باب التفسیر 8/12 من فتح الباری) اس تفسیری استفادے کی نوعیت اور اس کا دائرہ متعین کر دیتا ہے کہ اہل کتاب سے ایسے امور میں استفادے سے پرہیز کیا جائے جس کی حقیقت اور صدق مشتبہ ہو اور نصوص اسلامیہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہ کی جا سکے۔ دوسرے الفاظ میں ایسے استفادے سے روکا گیا جس کا بطلان واضح ہو یا جس سے نصوص شرعیہ پر، کسی طرح زد پڑے۔ اس طرح کی صورتوں کو مستثنیٰ کر کے ایک مخصوص و متعین دائرے میں استفادے کی اجازت دی گئی (دیکھیے فتح الباری 8/120، 6/320، 13/259) ابن خلدون نے بھی اسرائیلیات پر لکھتے ہوئے کہا ان پر مشتمل مواد "ليست مما يرجع الي الاحكام فيتحري فيها الصحة التي يجب بها العمل۔" (المقدمۃ 491)

48 ابو یوسف عبد اللہ بن سلام بن الحارث الاسرائیلی الانصاری حلیف بنی عوف عن الخزرج۔ حضور ﷺ کے مدینے تشریف لانے پر اسلام لائے جس پر یہودیوں نے جو انہیں متفقہ طور پر اپنے صحائف کا سب سے بڑا عالم کہتے تھے۔ ان سے بیزاری کا اظہار کر دیا (صحیح البخاری: باب الہجرۃ 5/63 من فتح الباری) بخاری نے ان کے مناقب میں ایک مستقل باب باندھا ہے (صحیح البخاری: کتاب مناقب الانصار، باب مناقب عبد اللہ بن سلام 15/3 من فتح الباری) حضرت معاذ بن جبل کا ان کے بارے میں کہنا تھا "ان العلم والايمان عند اربعة رهط، عند عويمر ابي الدرداء، و عند سلمان الفارسي، وعند عبد الله بن مسعود، و عند عبد الله بن سلام الذي كان يهوديا فاسلم، فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول: انه عاشر عشرة في الجنة" اسرائیلیوں کی دینی تاریخ اور ان کے مذہبی مسائل کے بارے میں جو معلومات تفاسیر میں ملتی ہیں ان کا بڑا حصہ انہیں کا روایت کیا ہوا ہے۔ انتقال 43ھ میں ہوا۔ الطبقات 2/352، الاستیعاب 1/383، الجمع بین رجال الصحیحین 1/241، اسد الغابۃ 3/176، تذکرۃ الحفاظ 1/25، تجرید اسماء الصحابۃ 1/338، تہذیب التہذیب 5/249، الاصابۃ 2/780، الاعلام 4/223

49 مقدمۃ فی اصول التفسیر ص 13 - 14 و 26 - 27، مقدمۃ ابن خلدون ص 491 فما بعدھا

50 بخاری نے خود ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا "يا معشر المسلمين: تسالون اهل الكتاب و كتابكم الذي انزل علي نبيه ﷺ احدث الاخبار بالله تقرءونه لم يشب، و قد حدثكم الله ان اهل الكتاب بدلوا ما كتب الله، و غيروا بايدهم الكتاب فقالوا، هذا من عند الله ليشتروا به ثمناً قليلاً، افلا ينهاكم ماجاء كم من العلم عن مسالتهم، ولا والله مارأينا رجلا منهم قط يسالكم عن الذي انزل عليكم" (صحیح البخاری فی کتاب الشہادات 5/185 من فتح الباری، نیز دیکھیے صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ، باب قول النبی "لا تسالوا اهل الكتاب عن شيء" روایت ابو ہریرہ، ایضاً روایت ابن عباس، ایضاً روایت معاویہ، نیز فتح الباری 6/251، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص 35)۔ اس کے علاوہ صحابہ اس بات کو بھی نا پسند کرتے تھے کہ متشابہات کی تاویل و توجیہ کی جائے۔ حضرت عمر نے اس شخص کو جو آیات متشابہات کے متعلق سوالات کرتا پھرتا تھا سخت سزا دی۔ (مسند دارمی ص 31)

51 صحابہ کرام کے تفسیری ذخیرے کو خاص عزت و وقعت کی نظر سے دیکھا گیا چنانچہ یہ کہا گیا کہ تفسیر صحابہ کو حدیث مرفوع کا حکم حاصل ہے بشرطیکہ وہ اسباب نزول سے یا ایسے معاملات سے متعلق ہو جس میں انسانی رائے کو دخل نہیں۔ لیکن اگر اس تفسیر کا تعلق ان معاملات سے ہے جن میں انسانی رائے کو دخل ہے تو جب تک صحابہ کی طرف سے اس کی نسبت صریحاً رسول اللہ ﷺ کی طرف نہ ہو اس کی حیثیت موقوف کی ہو گی۔ صحابہ کی جو تفسیر مرفوع کے حکم میں ہے اس کو چھوڑ کر دوسری تفسیر اختیار کرنا بالاتفاق درست نہیں۔ جو موقوف کے حکم میں ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اسے قبول کرنا ضروری نہیں اور بعض کے نزدیک ضروری ہے۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: مقدمۃ ابن صلاح ص 24، تدریب الراوی ص 64، معرفۃ علوم الحدیث ص 19، البرہان فی علوم القرآن 2/157، الاتقان 2/183، تفسیر ابن کثیر 1/3 فی المقدمۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام کے تفسیری ادب اور ذخیرے کی خصوصیات

صحابہ کرام کے تفسیری ذخیرے کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں پورے قرآن مجید کی ، اس کی ایک ایک آیت اور ہر ہر لفظ کی تفسیر نہیں کی گئی اور نہ انہیں اس کی ضرورت ہی پیش آئی ۔ اس زمانہ میں بحیثیت مجموعی کتاب الٰہی کے صرف ان حصوں کو تفسیر کا موضوع بنایا گیا جن کے سمجھنے میں اس دور کے لوگوں کو کسی لحاظ سے دشواری پیش آ سکتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات کو قرآن مجید کو آسانی سے اور ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لیے بعض ایسی آسانیاں حاصل تھیں جو ان کے بعد کے لوگوں کی دسترس سے باہر ہو گئیں قرآن کریم کو سہولت اور صحت کے ساتھ سمجھ لینے میں ظاہر ہے کہ صاحب وحی علیہ الصلوۃ و السلام کے زمانے سے قربت کو بہت بڑا دخل تھا ، چنانچہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اور عہد نبوی سے دوری ہوتی گئی نزول قرآن کے پس منظر سے دوری ، سماجی حالات میں تبدیلی ، زبان میں ارتقاء اور وسعت پذیری ، نئے مسائل کی پیدائش وغیرہ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے سمجھنے میں مختلف اعتبارات سے دشواریاں بڑھتی گئیں اور اسی تناسب سے تفسیری ذخیرے اور مسائل میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مزید برآں صحابہ کے زمانہ میں بھی تفسیر میں اجتہاد کے استعمال کی وجہ سے اگرچہ قرآن کریم کے معنی اور مفہوم کے سمجھنے میں باہم اختلاف ہوتا تھا جس کے اسباب کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ، تاہم یہ اختلاف زیادہ تھا نہ شدید۔ اس زمانہ میں لوگ اکثر و بیشتر اجمالی طور پر فہم مطالب پر اکتفاء کر لیتے تھے ، اور تفصیلی مفاہیم کے لیے خاص طور سے قصص و اخبار اور تخلیق و تکوین عالم جیسے مباحث کے بارے میں زیادہ تنگ و دو نہ کرتے تھے۔ الفاظ یا عبارت کے لغوی مفہوم و معنی کے بارے میں بھی ان کا رویہ یہی تھا عموماً ان مختصر معنوں کو کافی سمجھتے تھے جو فہم آیت کے لیے ضروری تھے ، اسی طرح اس عہد میں قرآنی آیات سے فقہی احکام کے تفصیلی فنی استنباط ، یا دقیق علمی مباحث کے استخراج کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ نہ تھی اور نہ تفسیر کے ذریعے مذہبی اور کلامی عقائد کا اثبات یا ان کی نصرت و تائید کے رجحان کے کوئی آثار اس دور میں ملتے ہیں ، مذکورہ بالا امور کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بحیثیت ایک فن کے تفسیر کی تدوین اس دور میں نہیں ہوئی بلکہ تفسیر بھی عام روایت اور احادیث نبوی کا ایک ایسا حصہ تھی جس میں ایک قوی اور فعال اجتہادی عنصر شامل ہو چکا تھا۔

تابعین کا دور

صحابہ کے دور کے بعد تابعین کے عہد میں ہمیں تفسیر کے چار بڑے مرکز ملتے ہیں : حجاز میں مکہ اور مدینہ ، اور عراق میں کوفہ اور بصرہ[52]۔ ان جگہوں پر وہ کبار تابعین کا درس دیتے تھے ، جنہوں نے تفسیر کے علم کے حصول کے لیے صحابہ کرام کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا تھا۔ اہل مکہ کو تفسیر کا سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا تھا[53]۔ ابن عباس کے شاگرد مجاہد[54] (م 102/104ھ) ، عطاء بن ابی رباح

---

[52] مقدمۃ فی اصول التفسیر ص 15 ، الاتقان 2/190

[53] ایضاً

[54] ابو الحجاج مجاہد بن جبر (او جبیر) المخزومی مولیٰ السائب بن ابی السائب ، المکی المقری ، المفسر۔ مکہ میں 33 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت ابن عباس کے شاگردوں میں انہوں نے سب سے کم تفسیر روایت کی ہے۔ تلامذہ ابن عباس میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں مجاہد کی تفسیر کو بہت نقل کیا ہے۔ فضل بن میمون نے مجاہد سے روایت کیا کہ وہ کہتے تھے "عرضت القرآن علی ابن عباس ثلاثین مرۃ " (میزان الاعتدال 2/9) اور انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ مجاہد نے کہا " عرضت القرآن علی ابن عباس ثلاث عرضات ، اقف عند کل آیۃ ، اسالہ فیم نزلت ، وکیف کانت " (تہذیب التہذیب 10/42) ابن ابی ملیکہ جنہوں نے مجاہد کو ابن عباس سے تفسیر حاصل کرتے دیکھا بتایا ہے کہ مجاہد کے پاس الواح تھیں " فیقال ابن عباس : اکتب . حتی سالہ عن التفسیر کلہ " (مقدمۃ فی اصول التفسیر ص 28) عبد السلام بن حرب نے مصعب سے روایت کیا ہے "کان اعلمھم بالتفسیر مجاھد و بالحج عطاء " قتادہ کا کہنا تھا " اعلم من بقی بالتفسیر مجاھد " سفیان ثوری کا قول ہے " اذا جاءك التفسیر عن مجاھد فحسبك بہ " (تفسیر ابن جریر طبری 1/30) ۔ ابن سعد اور ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے ۔ ذہبی نے لکھا ہے "اجمعت الامۃ علی امامۃ مجاھد و الاحتجاج بہ " (میزان الاعتدال 3/9) صحاح ستہ کے مؤلفین نے ان کی روایات قبول کی ہیں ۔ اس کے باوجود بعض لوگوں کو ان پر اعتراض تھا۔ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ ابو بکر بن عیاش نے اعمش سے پوچھا : "مالھم یتقون تفسیر مجاھد " جواب ملا " کانوا یرون انہ یسال اھل الکتاب " ۔ و قال غیر ابی بکر "کانوا یرون ان مجاھد یحدث عن صحیفۃ جابر (الجعفی)" مجاہد کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ان کے تفسیری منہاج میں عقل و رائے کے استعمال کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ "فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین" کے بارے میں ان کا کہنا تھا " مسخت قلوبھم و لم یمسخوا قردۃ . و انما ھو مثل ضربہ اللہ لھم" (تفسیر الطبری 1/253) اسی طرح " وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ" کے بارے میں کہا ہے " تنتظر الجواب من ربھا لا یراہ من خلقہ شیٔ" (تفسیر طبری 29/120) ہو سکتا ہے کہ اسی طرح کی مثالوں سے معتزلہ نے مجاہد کو اپنے شیوخ میں شمار کیا ہو (المنیۃ الامل 9/64) ۔ اگرچہ خود مجاہد کو اس طرح کے الزامات سے انکار تھا۔ ابن مجاہد سے روایت ہے " قال رجل لابی : انت الذی تفسر القرآن برایك . فبکی ابی ثم قال وانی اذا لجری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[55] (م 112/114ھ) اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس[56] (م 107ھ) یہیں درس دیتے تھے۔ ابن عباس کا تفسیری علم بصرے میں ان کے شاگرد ابو الشعثاء[57] (م 93 یا 103ھ) ، کوفے میں سعید بن جبیر[58] (م 95ھ) اور یمن میں طاؤس[59] کے ذریعہ پھیلا۔ مدینے میں تفسیر کے

. فقد حملت التفسير عن بعضة عشر رجلا من اصحاب النبي ﷺ و رضي عنهم " الطبقات 343/5 ، التاريخ الكبير 411/4 ، الجمع بين رجال الصحيحين 510 ، ميزان الاعتدال 332/2 ، تذکرۃ الحفاظ 86/1 ، تهذيب التهذيب 42/10 ، الاعلام 161/6 ، الاتقان 190/2۔

[55] ابو محمد عطاء بن ابی رباح القرشی ، مولاهم الجندي المكي . كان اسود ، افطس ، اشل ، اعرج ثم عمي بعد ذلك احد اعلام التابعين ، و احد ائمة الفقهاء . انتهت اليه فتوي اهل مكة . وكان اكثير الحديث ۔ دو سو صحابیوں سے علم حاصل کیا جن میں خصوصی حیثیت ابن عباس کو حاصل ہے ۔ اہل مکہ جب ابن عباس کے پاس حاضر ہوتے تو وہ ان سے کہتے تھے " تجتمعون الي يا اهل مكة وعندكم عطاء " امام ابو حنیفہ کی رائے ان کے بارے میں یہ تھی " ما رايت فيمن لقيت افضل من عطاء " اوزاعی کہتے تھے " مات عطاء يوم ماتي و هو ارضي اهل الارض عند الناس " صحاح ستہ میں ان سے روایت لی گئی ہیں ۔ قتادہ کی رائے ان کے بارے میں ملاحظہ ہو " كان اعلم التابعين اربعة : كان عطاء بن ابي رباح اعلمهم بالمناسك ، و كان سعيد بن جبير اعلمهم بالتفسير ، و كان عكرمة اعلمهم بالسير ، و كان الحسن (البصري) اعلمهم بالحلال و الحرام ۔ " مجاہد اور سعید بن جبیر کو تفسیر میں ان پر فضیلت دی جاتی ہے ۔ عطاء رائے کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے ۔ ارسال بہت کرتے تھے ۔ امام احمد کا کہنا ہے کہ عطاء اور حسن بصری سے زیادہ ضعیف کسی کے مراسیل نہیں ۔ طبقات 2/2 ، 133/2 ، 342/5 ، التاریخ الکبیر 3 : 2 : 463 ، الجمع بین رجال الصحیحین 385 ، سنن ترمذی ، کتاب العلل ، وفیات الاعیان 1/452 ، تذکرۃ الحفاظ 1/92 ، میزان الاعتدال 2/177 ، تہذیب التہذیب 7/199 ، الاعلام 5/29

[56] ابو عبد اللہ عکرمہ بن عبد اللہ بن البربری الہاشمی مولیٰ ابن عباس المفسر حضرت ابن عباس ، حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے روایت کی ۔ صحاح ستہ میں ان کی روایت قبول کی گئی ہیں ۔ قتادہ اور سعید بن جبیر کی رائے میں عکرمہ " اعلمهم بالتفسير " ہیں ۔ مجاہد ور ابن سیرین نے ان کی تکذیب کی ہے ۔ ان پر خوارج کی آراء تسلیم کرنے کا الزام لگایا گیا ہے ۔ ابن حجر کا کہنا ہے کہ یہ محض بہتان ہے ۔ العجلی نے انہیں اس طرح کے الزامات سے بری قرار دیا ہے ۔ بعض لوگ اس پر معترض ہیں کہ وہ قرآن کی ہر بات کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ابن عباس کے نام سے روایات منسوب کر دیتے ہیں ، اس طرح کے اقوال کی تردید ابن حجر نے کی ہے (دیکھیے مقدمۃ فتح الباری 150/2) خوارج کی طرف میلان کی بھی تردید کی گئی ہے (حوالہ مذکور 148/2) ۔ ابن معین نے تو عکرمہ اور حماد بن سلمۃ کی ثقاہت میں شبہ کرنے والے کے اسلام میں شبہ کیا ہے ۔ اسحاق بن راہویہ نے عکرمہ کو " امام الدنیا " بتایا ہے ۔ ابن حبان کا کہنا ہے " كان من علماء زمانه بالفقه و القرآن " شعبی کہتے ہیں " ما بقي احدكم اعلم بكتاب الله من عكرمة " عکرمہ کو ابن عباس نے بڑی توجہ سے قرآن و حدیث کی تعلیم دی تھی ۔ جابر بن یزید کہتے تھے " هذا عكرمة ، مولي ابن عباس ، هذا اعلم الناس " (بخاری : التاریخ الصغیر ص 122) طبقات 2 : 2 : 133 ، 5 : 212 ، التاریخ الکبیر 4 : 1 : 59 ، الجمع بین رجال الصحیحین 394 ، وفیات الاعیان 1/454 ، تذکرۃ الحفاظ 1/89 ، میزان الاعتدال 2/187 ، تہذیب التہذیب 7/263 ، الاعلام 5/43

[57] ابو الشعثاء جابر بن زید الازدی (نسبۃ الی ناحیۃ بعمان) الیحمدی ، البصری ، الفقیہ ، احد الائمۃ ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود ، عمر بن الخطاب ، حذیفہ ، ابوذر ، عبد اللہ بن عمر ، عبد اللہ بن زبیر وغیرہ سے بھی روایت کی ہے مگر حضرت عبد اللہ بن عباس سے اس قدر خصوصیت تھی کہ لوگ ان کو " صاحب ابن عباس " کہہ کر پکارتے تھے ۔ ابن عباس ان کے بارے میں کہتے تھے " هو من العلماء " اس کے علاوہ یہ بھی کہتے تھے " لوان اهل البصرة نزلوا عند قول جابر بن زيد لا وسعهم علما من كتاب الله " طبقات 7 : 1 : 132 ، تذکرۃ الحفاظ 1/68 ، خلاصۃ تہذیب تذہیب الکمال 50 ، الجمع بین رجال الصحیحین 1/73 ، تہذیب التہذیب 2/38 ، الاعلام 2/91۔

[58] ابو عبد اللہ (او ابو محمد) سعید بن جبیر بن ہشام بن ہشام الاسدی الوالبی مولاہم ، الکوفی ، الفقیہ ، ابن ام الدہماء كان حبشه الاصل . احد الاعلام في التفسير و الفقه و انواع العلوم . من كبار التابعين و متقدميهم في التفسير و الحديث و الفقه . اخذ القراءة عن ابن عباس عرضا . وسمع منه التفسير و اكثر رواية عن (وفیات الاعیان 1/364) وقد جمع سعيد القراءات الثابة عن الصحابة وكان يقرا بها . و روي عن ابن مسعود و عن ائمة الصحابة ۔ و لقد جمع سعيد علم اصحابه من التابعين فقد قال خصيف " كان من اعلم التابعين بالطلاق سعيد بن المسيب ، و بالحج عطاء ، و بالحلال و الحرام طاوؤس و بالتفسير مجاهد ، و اجمعهم لذلك سعيد بن جبير " (وفیات الاعیان 1/365) ابن عباس سے کوفہ والے جب کبھی کچھ دریافت کرتے تھے تو آپ ان سے کہتے تھے " اليس فيكم ابن ام الدهماء " ابن مهران کا قول ہے " مات سعيد وما ظهر الارض احدا الا وهو محتاج الي علمه " سفیان ثوری کا کہنا تھا " خذوا التفسير عن اربعة : عن سعيد بن جبير و مجاهد و عطاء و عكرمة " قتادہ انہیں اعلم التابعین کہتے تھے باوجود اس علم و فضل کے تفسیر کے بارے میں بہت محتاط تھے ایک دفعہ کسی نے فرمائش کی کہ آپ میرے لیے قرآن کی تفسیر لکھ دیں اس پر غصہ میں آ گئے اور کہا " لان يسقط شقي احب الي من ذلك " (وفیات الاعیان 1/365) اس کے باوجود ہمیں ابن حجر کی تہذیب التہذیب (عطاء بن دینار الہذلی المصری کا حال 7/198) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عبد الملک ابن مروان م 86ھ کی فرمائش پر قرآن مجید کی تفسیر لکھ کر عبد الملک کو روانہ کی تھی ، بعد میں عطاء بن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عمر کے شاگرد اور مولی زید بن اسلم[60] (م 136ھ) ،

دینار کو یہ تفسیر " دیوان " میں ملی ۔ چنانچہ عطاء اسے سعید بن جبیر سے ارسالاً روایت کرتے تھے ۔ ان کی ثقاہت پر سب کا اجماع ہے ۔ 95ھ میں حجاج نے انہیں شہید کیا۔ طبقات 178/6 ، التاریخ الکبیر 2 : 1 : 422 ، الجمع بین رجال الصحیحین 164 ، وفیات الاعیان 204/1 ، تذکرۃ الحفاظ 17/1 ، تہذیب التہذیب 11/4 ، الاعلام 145/3۔

[59] ابو عبد الرحمن طاؤوس بن کیسان الیمانی الجَنَدی الحمیری ، مولیٰ بحیر و قیل مولی ہمدان ، روی عن ابن عباس و العبادلۃ الثلاثۃ ۔ خود کہتے تھے کہ میں نے پچاس صحابہ سے فیض حاصل کیا ہے مگر ابن عباس سے خصوصیت حاصل تھی ۔ ابن حبان کا کہنا ہے "کان من عباد اھل الیمن و فقہائھم و من سادات التابعین " کرابیسی نے بتایا ہے کہ انہوں نے ابن عباس کے علم کا بڑا حصہ عکرمہ سے حاصل کیا اور اس کے بعد ابن عباس سے ارسالاً روایت کرتے تھے ۔ مکہ میں 106ھ میں انتقال ہوا ۔ طبقات 361/5 ، التاریخ الکبیر 2 : 2 : 366 ، الجمع بین رجال الصحیحین 235 ، وفیات الاعیان 329/1 ، تذکرۃ الحفاظ 83/1 ، تہذیب التہذیب 8/5 ، الاعلام 322/3۔

[60] ابو اسامۃ (او ابو عبد اللہ) زید بن اسلم القرشی العدوی ، مولاہم ، مولیٰ عمر بن الخطاب ، المدنی الفقیہ ، کان من کبار التابعین الذین عرفوا بالقول فی التفسیر و الثقۃ فیما یروونہ ۔ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں ۔ عبید اللہ بن عمر کا ان کے بارے میں کہنا ہے " ما اعلم بہ باساً ، الا انہ یفسر القرآن برایہ " یعقوب بن شیبہ نے کہا ہے " و کان عالماً بالتفسیر ، لہ فیہ کتاب " یہ امام مالک کے استاذ بھی ہیں اور امام مالک ان سے روایت کرتے ہیں سنہ 136 ھ میں انتقال ہوا ۔ طبقات 3 : 2 : 37 ، التاریخ الکبیر 2 : 1 : 354 ، الجمع بین رجال الصحیحین 144 ، تذکرۃ الحفاظ 124/1 ، تہذیب التہذیب 395/3 ، الاعلام 953/1۔

حضرت ابی ابن کعب کے شاگرد ابو العالیہ[61] (م 90ھ) اور حضرت ابن عباس کے شاگرد محمد بن کعب القرظی[62] (م 119ھ) کو نصیب ہوئی ۔

عراق کے مشہور تابعی مفسرین علقمہ بن قیس ، مسروق بن الاجدع ، مرۃ الہمدانی ، اسود بن یزید ، عامر الشعبی ، حسن بصری ، قتادہ اور عطا بن ابی

[61] ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحی مولاہم ، حضور ﷺ کی وفات سے دو سال بعد اسلام لائے ۔ حضرت علی ، ابن مسعود ، ابن عباس ، ابن عمر اور ابی بن کعب (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی ہے ۔ ان ثقات تابعین میں سے ہیں جو تفسیر کے لیے مشہور ہوئے ۔ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں ، ابن ابی داود کا ان کے بارے میں کہنا "لیس احد بعد الصحابۃ اعلم بالقراءۃ من ابی العالیۃ" (تذکرۃ الحفاظ 53/1) ۔ انہوں نے حضرت ابی بن کعب سے تفسیر کا ایک اچھا خاصا ضخیم نسخہ روایت کیا ہے جس کی سند یہ ہے " ابو جعفر الرازی ، عن الربیع بن انس ، عن ابی العالیۃ عن ابن کعب " اور یہ سند صحیح ہے ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے اس نسخے سے بہت سی روایتیں لی ہیں ۔ حاکم نے " مستدرک " میں بھی اس سے استفادہ کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس کو استعمال کیا ہے ۔ وفات 90ھ میں ہوئی ۔ التاریخ الکبیر 1 : 2 : 298 ، الجمع بین رجال الصحیحین 448 ، تذکرۃ الحفاظ 58/1 ، تہذیب التہذیب 284/3۔

[62] ابو حمزۃ (او ابو عبد اللہ) محمد بن کعب بن سلیم بن اسد ، القرظی الکوفی المدنی ، من حلفاء الاوس ۔ حضرات علی ، ابن مسعود ، ابن عباس وغیرہ سے بلا واسطہ اور حضرت بن ابی کعب سے بالواسطہ روایت کی ۔ تفسیر قرآن اور کثرت حدیث کے لیے مشہور ہوئے ۔ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں ۔ ابن عون ان کے بارے میں کہتے ہیں " ما رایت احداً اعلم بتاویل القرآن من القرظی " (خلاصہ تہذیب تذھیب الکمال ص 305) العجلی نے ان کے بارے میں " عالم بالقرآن " کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ 119ھ میں وفات ہوئی ۔ التاریخ الکبیر 1 : 1 : 216 ، الجمع بین رجال الصحیحین 448 ، تذکرۃ الحفاظ 100/1 ، تہذیب التہذیب 420/9

مسلم خراسانی ہیں ۔ عراق کا تفسیری مکتب اکثر و بیشتر حضرت عبد اللہ بن مسعود کے فیض تربیت کا رہین منت ہے[63]، اگرچہ دوسرے صحابہ نے بھی اہل عراق کی دینی و فکری تربیت میں کچھ کم اہم حصہ نہیں لیا ، خصوصاً علی بن ابی طالب[64] نے تاہم عراقی مکتب فکر کے موسس کی حیثیت سے حضرت عبد اللہ بن مسعود کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی[65]۔ کوفے میں تفسیر کی اشاعت خاص کر حضرت عبد اللہ بن مسعود کے تلامذہ کے ذریعہ ہوئی[66] ۔ عراق کے مذکورہ سر برآوردہ مفسرین میں سے مسروق بن الاجدع[67]، علقمہ بن قیس[68]،

[63] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمار بن یاسر کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو ان کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کا وزیر اور کوفہ والوں کے لیے معلم بنا کر بھیجا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی وجہ سے کوفے کے باشندے دوسرے حضرات کے مقابلے میں ان سے متعلمانہ استفادے کو ترجیح دیا کرتے تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے الفاظ تھے "انی قد بعثت عمار بن یاسر امیراً ، و عبد اللہ بن مسعود معلماً و وزیراً ، و ھما من النجباء من اصحاب النبی ﷺ من اھل بدر فاقتدوا بھما ، واطیعوا و اسمعوا قولھما ، و قد اٰثرتکم بعبد اللہ علی نفسی " اسد الغابۃ 260/3 ، طبقات 13/6 (بیروت 1957ء)

[64] الاتقان 187/2 ، التفسیر والمفسرون 90/1

[65] الاتقان 189/2 ، مقدمۃ فی اصول التفسیر ص 15

[66] التفسیر والمفسرون 118/1

[67] ابو عائشۃ (او ابو ہشام) مسروق بن الاجدع عبد الرحمن الہمدانی الوادعی الکوفی ، العابد الامام القدوۃ (م 63ھ) خلفاء الراشدین ، ابن مسعود ، ابی بن کعب اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ۔ ابن مسعود سے خصوصیت تھی اور " اعلم اصحاب ابن مسعود " کہے جاتے تھے اور اپنے زہد و ورع ، علم اور قابل اعتماد ہونے کے لیے مشہور ہیں ۔ قاضی شریح مشکل مسائل میں ان سے مشورہ لیتے تھے ابن المدینی کی رائے ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مرۃ الہمدانی الکوفی[69]، عطاء بن ابی مسلم خراسانی[70]، اسود بن یزید[71] اور عامر بن الشعبی[72] کوفے ہی میں درس دیتے تھے۔ بصرے میں حضرت حسن بصری[73] اور قتادہ[74] جیسے اساطین علم و تفسیر نے مسند درس بچھائی تھی۔

کے بارے میں یہ ہے کہ "ما اقدم علي مسروق عن اصحاب عبد الله احداً" حضرت عبد اللہ بن مسعود سے تفسیر میں خاص طور سے استفادہ کیا کہتے ہیں " کان عبد الله —يعني بن مسعود— يقرا علينا السورة ثم يحدث و تفسرها عامة النهار " طبقات 50/6 ، الجمع بین رجال الصحیحین 516 ، الخطیب : تاریخ بغداد 232/13 ، تذکرۃ الحفاظ 46/1، تہذیب التہذیب 109/1 ، الخزرجی : خلاصۃ تہذیب تذہیب الکمال 63

[68] ابو شبل علقمہ بن قیس بن عبد اللہ النخعی الکوفی (م 61/62ھ) صاحب ابن مسعود ، نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے۔ خلفائے راشدین اور حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی۔ ان کے لیے کہا جاتا ہے " هو من اشهر رواة عبد الله بن مسعود و اعرفهم به و اعلمهم بعلمه" ابن معین نے حضرت ابن مسعود کے دوسرے شاگرد عبیدۃ السلمانی اور علقمہ کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہا ہے "علقمة اعلم بعبد الله" ابو المثنیٰ کی رائے ہے : "اشبه الناس به (يعني بعبد الله بن مسعود) سمتاً و هدياً " عبد الرحمن بن یزید نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے "ما اقرء شيئاً و لا اعلمه الا علقمة يقروه و يعلمه " خطیب بغدادی کہتے ہیں " كان مقدما في الفقه و الحديث " الطبقات 57/6 ، التاریخ الکبیر 4 : 1 : 41، الجمع بین رجال الصحیحین 390، الخطیب بغدادی : تاریخ بغداد 296/12 ، تذکرۃ الحفاظ 45/1 ، تہذیب التہذیب 267/7 ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال 271

[69] ابو اسماعیل مرہ بن شراحیل الہمدانی الکوفی العابد المعروف بمرۃ الطیب و مرۃ الخیر لقب بذلك لعبادته وشدت ورعه (م 76ھ) حضرات ابو بکر، عمر ، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ صحاح ستہ میں ان سے روایت کی گئی ہے۔ طبقات 797/6، التاریخ الکبیر 4 : 2 : 5، الجمع بین رجال الصحیحین 517، تذکرۃ الحفاظ 63/1، تہذیب التہذیب 88/10، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال 372۔

[70] ابو ایوب (او ابو عثمان) عطاء بن ابی مسلم مولی المہلب بن ابی صفرۃ الخراسانی نزیل الشام (م 135ھ) صحابہ سے مرسلاً روایت کی ہے۔ مثلاً ابن عباس، مغیرہ بن شعبہ، ابو ہریرہ وغیرہ سے۔ بعض محدثین کو ان کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہیں حضرت ابن عباس سے لقاء و روایت حاصل ہے۔ تہذیب التہذیب 212/7، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال 266، الجمع بین رجال الصحیحین 387/1۔

[71] ابو عمرو (او ابو عبد الرحمن) الاسود بن یزید بن قیس النخعی الکوفی (م 74/75ھ) من کبار التابعین و من اعیان اصحاب ابن مسعود۔ حضرات ابو بکر، عمر، علی، حذیفہ ، بلال وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ ابراہیم النخعی نے ان کا شمار عبد اللہ بن مسعود کے ان اصحاب میں کیا ہے جو فتوی دیا کرتے تھے۔ عابد و زاہد آدمی تھے۔ طبقات 46/6، التاریخ الکبیر 1 : 1 : 449 ، الجمع بین رجال الصحیحین 37 ، تذکرۃ الحفاظ 48/1، تہذیب التہذیب 342/1 ، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال 37۔

[72] ابو عمرو عامر بن شراحیل الشعبی الحمیری الکوفی ، التابعی الجلیل، قاضی الکوفۃ (م 109ھ)، حضرات عمر، علی اور ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں مگر ان حضرات سے ان کو سماع حاصل نہیں ، ان کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی۔ خود ان کا قول ہے جس کی تصدیق دوسروں نے کی ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا۔ کبار صحابہ ان کے حافظے کے قائل تھے۔ بات سنتے ہی یاد ہو جاتی تھی۔ ان کے بارے میں بعض حضرات کی رائیں یہ ہیں: مکحول: "ما رايت افقه منه"، ابن عیینہ: "كان الناس تقول بعد الصحابة : ابن عباس في زمانه ، و الشعبي في زمانه ، و الثوري في زمانه". سلیمان بن ابی مجلز: "ما رايت احداً افقه من الشعبي"، عاصم: "ما رايت احداً اعلم بحديث اهل الكوفة و البصرة و الحجاز من الشعبي". ابن سیرین: "قدمت الكوفة للشعبي حلقة . و اصحاب رسول الله ﷺ يومئذ كثير" شعبی ان لوگوں میں سے ہیں جو فتوی اور اجتہاد میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے۔ طبقات 171/6 ، التاریخ الکبیر 3 : 2 : 450، الخطیب: تاریخ بغداد 227/2، الجمع بین رجال الصحیحین 377، وفیات الاعیان 345/1 ، تذکرۃ الحفاظ 74/1 ، تہذیب التہذیب 65/5 ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال 184۔

[73] ابو سعید الحسن بن ابی الحسن یسار البصری مولی و انصار و امہ مولاۃ ام سلمۃ ام المؤمنین (م 110ھ) حضرت عمر کے دور خلافت میں دو سال باقی تھے جب پیدا ہوئے۔ حضرات علی، ابن عمر، انس وغیرہ سے روایت کی۔ ابن حبان کہتے ہیں: "كان من افصح اهل البصرة و اجملهم و اعبدهم" حضرت انس بن مالک کہتے ہیں "سلوا الحسن فانه حفظ و نسينا" سلیمان التیمی: "الحسن شیخ اهل البصرة" قتادۃ: "ما جالست فقيها قط الا رايت فضل الحسن عليه" عطاء بن ابی رباح: "عليك بذلك . ذلك امام ضخم يقتدي بي" ان کے لیے کہا جاتا ہے کہ قدر کا اثبات کرتے تھے اور اسی نہج پر قرآن کی تفسیر کرتے تھے ان کے مراسیل بہت زیادہ ہیں اور علماء کی ان کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ صوفیہ کے سلسلے نہایت کثرت سے حضرت حسن بصری کے ذریعے حضرت علی سے ملتے ہیں۔ بعض لوگوں کو جن میں اکثر محدثین بھی شامل ہیں اس سے انکار ہے کہ انہیں حضرت علی سے لقاء حاصل ہے۔ مولانا فخر الحسن جو شاہ ولی اللہ صاحب کے معاصر ہیں اس کا اثبات کرتے ہیں دیکھیے " فخر الحسن" مطبع عزیز دکن 1312ھ، نیز اس کتاب کی شرح "القول المستحسن في فخر الحسن" مولانا حسن الزماں، مطبع عزیز دکن 1312ھ حالات کے لیے دیکھیے: طبقات 7 : 1 : 114، التاریخ الکبیر 1 : 2 : 287، ابن ماکولا: الاکمال 314/1، 318، الجمع بین رجال الصحیحین 80 ، وفیات الاعیان 180/1 ، تذکرۃ الحفاظ 26/1 ، میزان الاعتدال

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تابعین کا یہ دور اپنے تفسیری منہاج اور خصوصیات کے اعتبار سے دراصل دور صحابہ کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ دور صحابہ کے تفسیری منہاج کے بنیادی عناصر کے مواد اور ان کی شدت میں البتہ اضافہ ہو گیا اور لسانی اور معاشرتی ارتقاء کی وجہ سے تفسیر کے بعض خط و خال اور زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آنے لگے۔ تابعین نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے قرآنی تشریحات اور نبی کریم ﷺ کی پیش فرمودہ توضیحات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی شرح و تفسیر کو بھی سامنے رکھا اور اس طرح تفسیری مواد میں کافی اضافہ ہو گیا[75]۔ عہد نبوی سے زمانی دوری میں اضافے کی وجہ سے بھی تفسیر کے مواد میں اضافہ ہوا قرآن مجید کی ان آیات کی بھی تفسیر کی ضرورت محسوس ہوئی جن کی تفسیر کی صحابہ کو ضرورت نہ پڑی تھی اور نہ ان کی تفسیر ان سے منقول تھی[76]۔

1/216، تہذیب التہذیب 2/263، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال 77۔

74 ابو الخطاب قتادۃ بن دعامۃ السدوسی (من بنی سدوس بن شیبان بن ذہل بن ربیعۃ) الاکمہ البصری (م 117ھ) احد الائمۃ الاعلام، حافظ مدلس۔ حضرت انس وغیرہ سے روایت کی۔ نہایت قوی حافظہ پایا تھا۔ ابن المسیب کہتے تھے " ما اتانا عراقي احفظ عن قتادة " ابن سیرین بھی حافظے کے قائل ہیں "قتادة احفظ الناس" معمر انہیں مکحول سے بڑا عالم بتاتے ہیں۔ احمد بن حنبل ان کے علم و فقہ و معرفت اختلاف اور تفسیر کے قائل تھے۔ کہتے تھے " قلما تجد من تقدمه اما المثل فلعل" قضاء و قدر کے بارے میں ان کی گفتگو اور غور و خوض پر بعض لوگوں کو اعتراض تھا مگر اصحاب صحاح نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ الجمع بین رجال الصحیحین 2/422، وفیات الاعیان 2/179، تذکرۃ الحفاظ 1/115، تہذیب التہذیب 8/351، خلاصہ تذھیب تہذیب الکمال 215۔

75 الاتقان 2/179، التفسیر والمفسرون 1/99

76 الاتقان 2/177، التفسیر والمفسرون 1/100

اس طرح رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے روایت کے علاوہ تابعین نے بھی تفسیر میں اسی طرح اجتہاد کیا۔ جیسے صحابہ نے اپنے دور میں اجتہاد سے کام لیا تھا[77]۔ اجتہاد کے نتیجے میں اختلاف ناگزیر ہے، چنانچہ اختلاف کا دائرہ صحابہ کرام کے مقابلہ میں زیادہ وسیع ہونے لگا[78] اس دور میں عقائد اور کلامی موضوعات پر بحث و تمحیص شروع ہو چکی تھی اور کلامی فرقوں کے آغاز کی بنیاد پڑنے لگی تھی۔ اس ارتقاء کا اثر تفسیر پر بھی محسوس ہوتا ہے[79]۔ اجمالی طور پر فہم و مطالب قرآن پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے تفصیل مفاہیم کے حصوں کی کاوش اس دور میں واضح طور پر شروع ہو جاتی ہے۔ تابعین کے تفسیری ذخیرے پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تفصیلی مفہوم کی طلب اس دور میں کتنی شدت سے اختیار کر گئی تھی۔ اس صورت حال کا ایک نمایاں نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کے عام مذاق کے بر خلاف تفسیر میں اسرائیلیات اور نصرانیت کی حد درجہ کثرت ہو گئی[80]۔ اسرائیلیات کی روایت کے سلسلے میں جن لوگوں نے نمایاں شہرت حاصل کی وہ کعب الاحبار[81] (م 32ھ)، وہب بن منبہ[82] (م

77 الاتقان 2/177

78 ان تفسیری اختلافات کے حجم، نوعیت اور شدت کے لیے دیکھیے: الاتقان 2/176، 177، 183، مقدمۃ فی اصول التفسیر 6 – 13، الفوز الکبیر ص 39 فما بعدھا، التفسیر والمفسرون 132 – 139

79 مثال کے طور پر جیسا کہ گزرا، قتادہ کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ قدری ہیں اور قضاء و قدر پر غور و خوض کرنے کی وجہ سے ان کی روایت لینے میں بعض لوگوں کو تامل ہوتا تھا (وفیات الاعیان 2/179)، حسن بصری پر بھی قدر کے اثبات کا الزام تھا وہ کہتے تھے "من کذب بالقدر فقد کفر" چنانچہ یہ کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے اس مسلک کے موافق قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں، قال حماد بن سلمة عن حميد : قرات القرآن علي الحسن ففسره علي الاثبات يعني اثبات القدر" (تہذیب التہذیب 2/270) - مزید دیکھیے حضرت عبد اللہ بن عباس کا خط جو انہوں نے اہل شام کے فرقہ جبریہ سے خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے اور حضرت حسن بصری کا وہ خط جو اہل بصرہ کی ایک جماعت کے لیے لکھا گیا ہے (المنیۃ والامل ص 12) نیز حضرت عبد اللہ بن عباس کے وہ خیالات جو فرقہ جبریہ کے خلاف انہوں نے ظاہر کیے (المنیۃ والامل ص)

80 الاتقان 2/177 – 178، التفسیر و المفسرون 1/175 فما بعدھا، مذاہب التفسیر الاسلامی ص 75 فما بعدھا۔ اس دور کے بعض لوگوں نے تفسیر کو یہودیوں اور نصرانیوں سے لیے ہوئے بے سروپا واقعات اور تناقض و متضاد قصص و روایات سے بھر دیا۔ مثال کے طور پر مقاتل بن سلیمان (م 150ھ) کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جس کے لیے ابو حاتم کا کہنا ہے "انه استغني علمه بالقرآن من اليهود و النصاري و جعلها موافقة لما في كتبهم (وفیات الاعیان 2/568) مقاتل بن سلیمان کے تفسیری منہج اور خصوصیات کے لیے دیکھیے الاتقان 2/188 – 189، تہذیب الاسماء و الصفات للنووی ص 574، الدمیری: حیاۃ الحیوان 1/440 مادۃ ذباب، تفسیر روح المعانی للآلوسی 15/93 وغیرہ۔ مقاتل کے نام سے منسوب ایک تفسیر بھی برٹش میوزیم میں پائی جاتی ہے (بروکلمن، تکملہ 1/332)۔ محمد بن اسحاق (م 151ھ) صاحب مغازی پر بھی علماء جرح و تعدیل کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ انہوں نے یہود و نصاریٰ کی کتابوں کو روایات کا مصدر و ماخذ بنا رکھا تھا اور انہیں "اہل العلم الاول" کا لقب دے رکھا تھا (معجم الادباء 6/401)۔ یہی حال ضحاک بن مزاحم (م 105ھ) کا ہے (الاتقان 2/189، مذاہب التفسیر الاسلامی ص 77) "دریں جا باید دانست کہ قصص انبیائے سابقین در حدیث کم مذکور شدہ اند۔ ایں قصص طویلہ عریضہ کہ مفسرین تصدیع روایت آں می کشند ہم منقول از علماء اہل کتاب است الا ما شاء اللہ" الفوز الکبیر ص 21

81 ابو اسحاق کعب بن ماتع الحمیری المعروف بکعب الاحبار، من آل ذی رعین و قیل من ذی الکلاع، و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

110ھ) اور ابن جریج[83] (م 150ھ) ہیں۔ اسرائیلیات و نصرانیت کی روایت اور قبول کی

دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں کثیر تعداد میں اہل کتاب نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی جنہوں نے قرآنی قصص و اخبار سمجھنے کے لیے اس مواد کو استعمال کیا جو توریت و انجیل میں ان کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ عقلی تفسیر کے رجحان کو بھی اس زمانے میں تقویت ملی اور اکابر تابعین میں ہمیں اس طرح کے لوگ ملتے ہیں جنہوں نے اس رجحان کی ترقی میں نیم شعوری طور پر حصہ لیا[84] لیکن اس کے ساتھ یہ

اصلہ من یہود الیمن، حضرت عمر کے زمانے میں اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد مدینہ منتقل ہوگئے۔ حضرت عمر ہی کے زمانہ میں رومیوں کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت عثمان کے دور میں شام میں منتقل ہوئے اور وہیں حمص میں وفات پائی۔ نبی کریم ﷺ سے مرسلاً اور حضرات عمر، عائشہ، صہیب رومی وغیرہ سے روایت کی ہے۔ کعب سے روایت کرنے والے حضرات معاویہ، ابو ہریرہ، ابن عباس اور عطاء بن ابی رباح وغیرہ ہیں۔ یہ اپنی عمر اور زمانہ کے لحاظ سے صوبہ کے تفسیری دور میں ذکر کیے جانے کے لائق تھے مگر چونکہ ان کا شمار تابعین میں ہے اس لیے یہاں ذکر کیا گیا، کعب کو ان کے علم کی وجہ سے کعب الحبر اور کعب الاحبار کہا جاتا ہے۔ ان کی تفسیری روایات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہیں اسلامی اور یہودی دونوں تہذیبوں سے کتنی واقفیت تھی۔ وہب بن منبہ کے بر خلاف انہوں نے تالیف کی طرف توجہ نہیں دی طبقات ابن سعد (7/79) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کعب اسلام لانے کے بعد بھی یہودیوں کی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ کعب نے بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں جو بعد کو صحیح بھی ثابت ہوئیں (تہذیب التہذیب 8/438 – 440)۔ کعب معتمد علیہ لوگوں میں سمجھے جاتے ہیں۔ مسلم، ابو داود، ترمذی اور نسائی سب نے ان سے روایت لی ہے۔ کعب کو بعض لوگوں نے ناقابل اعتماد قرار دینا چاہا ہے (احمد امین: فجر الاسلام ص 198، رشید رضا: تفسیر المنار 1/9، بحوالہ قول ابن تیمیہ) مگر اس طرح کی کوشش کچھ زیادہ کامیاب نہیں (دیکھیے التفسیر و المفسرون 1/ 189 – 194) حالات کے لیے دیکھیے طبقات 7/79، تہذیب التہذیب 8/438 – 440، صحیح البخاری فی کتاب التوحید 13/259 من فتح الباری

[82] ابو عبد اللہ وہب بن منبہ بن سیج بن ذی کناز الیمانی الصنعانی من ابناء فارس اصل والدہ من خراسان من اہل ہراۃ۔ حضور ﷺ کے زمانہ ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ حضرات ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، ابن عباس، ابن عمرو وغیرہ سے روایت کی ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داود، نسائی نے ان سے روایت لی ہے۔ وہب کو کتب قدیمہ اور قصص و اخبار پر بڑی دسترس تھی۔ انہیں تصنیف کا بھی ذوق تھا (جیسا کہ ان کے بھائی ہمام بن منبہ کو بھی تھا۔ جنہوں نے حضرت ابو ہریرہ کی روایات جمع کی تھیں۔ اس مجموعہ کو "صحیفہ ہمام بن منبہ" کے نام سے ڈاکٹر حمید اللہ نے شائع کر دیا ہے)۔ انہوں نے مغازی پر ایک کتاب تصنیف کی تھی (فجر الاسلام ص 194) ابن خلکان نے بتایا ہے کہ انہوں نے وہب بن منبہ کی ایک تصنیف دیکھی ہے جس کا موضوع حمیر کے تاجدار، ان کے حالات، مقبرے اور اشعار ہے اور بتایا ہے کہ مفید کتاب ہے (وفیات الاعیان 2/180) کعب پر قدر کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس بارے میں عطاء اور حسن بصری نے ان سے مذاکرہ بھی کرنا چاہا تھا۔ خود کعب کا قول ہے کہ میں قدر کا قائل تھا مگر انبیائے سابقین کی کتابوں سے معلوم ہوا کہ قدر کا مسلک باطل ہے چنانچہ میں نے اس سے رجوع کر لیا، اس کی تائید احمد بن حنبل نے کی ہے۔ جوزجانی نے بتایا ہے کہ وہب نے قدر پر ایک کتاب لکھی تھی پھر اس سے رجوع کر لیا۔ کتب انبیاء سابقین کے بارے میں وہب کا علم بہت وسیع تھا۔ خود ان کا کہنا تھا کہ کعب اور عبد اللہ بن سلام کا علم میں نے جمع کر لیا ہے۔ وہب بن منبہ پر بھی اسی طرح کے اعتراضات ہیں جیسے کعب پر لیکن بخاری اور دوسرے ائمہ فن نے ان کی روایات کو قبول کر کے ان کی ثقاہت کو مسلم قرار دیا ہے۔ حالات کے لیے دیکھیے تہذیب التہذیب 11/166، میزان الاعتدال 2/278۔

[83] ابو خالد (او ابو الولید) عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج الاموی مولاہم، اصلہ رومی نصراني، كان من علماء مكة ومحدثيهم وهو من اول من صنف الكتب بالحجاز وهو قطب الاسرائيليات في عهد التابعين۔ اگر تفسیر طبری میں ان آیات کو دیکھا جائے جو نصاریٰ کے بارے میں ہیں تو پتہ چلے گا کہ ان آیات کی جو تفسیر ابن جریر نے روایت کی ہے اس کا مدار ابن جریج ہی ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نہ صرف تصنیف کتب کے سلسلے میں ان کو حجاز میں اولیت حاصل ہے (جس کا اقرار امام احمد بن حنبل کو بھی ہے) بلکہ ان کا شمار امام مالک کے ساتھ اس طبقے میں کیا جاتا ہے جنہوں نے حدیثوں کو جمع کیا اور خود ان کی تدوین کی۔ خود ابن جریج کہتے تھے "ما دون العلم تدويني احد" ابن جریج نے تفسیر میں ابن عباس سے متعدد اجزاء روایت کیے (الاتقان 2/188) مگر اس میں صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات بھر دی ہیں۔ ان کی توثیق و عدالت کے بارے میں مختلف رایوں کا اظہار کیا گیا ہے، تدلیس بھی کرتے تھے۔ نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ ان کے مراسیل و تدلیسات پر اعتماد نہیں کیا جاتا (میزان الاعتدال 2/151) خزرجی نے خلاصۃ تذہیب الکمال (ص 207) میں بتایا ہے کہ اصحاب صحاح ستہ نے ان پر اعتماد کیا ہے مگر احمد امین نے کہا ہے کہ امام بخاری کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے (ضحی الاسلام 2/107)۔ امام احمد بن حنبل البتہ ان کے مراسیل کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ در حقیقت موضوع حدیثیں ہیں۔ امام مالک انہیں "حاطب اللیل" بتاتے ہیں۔ حالات کے لیے دیکھیے: میزان الاعتدال 2/151، تہذیب التہذیب 6/402، خلاصۃ تذہیب الکمال 207، تذکرۃ الحفاظ 1/160

[84] الموافقات 4/421۔ اس طرح کے لوگوں میں سر فہرست مجاہد، عکرمہ، علقمہ، مسروق، زید بن اسلم وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ تفسیر طبری میں ان حضرات کی تفاسیر کے جو نمونے ملتے ہیں وہ ان کے عقلی رجحان تفسیر کی شہادت دیتے ہیں۔ ہم نے "نیم شعوری طور پر" کے الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کہ ان حضرات کو جب کبھی اس طرف توجہ دلائی گئی کہ وہ تفسیر بالرائے کرتے ہیں تو انہوں نے اس کی سختی سے تردید کی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرور ہے کہ اس دور کا عام مذاق اس رجحان کو زیادہ پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتا تھا[85] جس کی وجہ ایک طرف اگر یہ تھی کہ اس کلامی بحث و تمحیص کا دروازہ خالص تفسیری مباحث میں کھلتا تھا جس سے عقائد کے اختلافات کو ہوا ملتی تھی ، تو دوسری طرف یہ بھی تھی کہ آزادیٔ فکر و رائے کے نا پسندیدہ استعمال کی بھی ہمت افزائی ہوتی تھی۔ اجتہادی قوتوں کے ایسے استعمال کو تابعین نے نہ صرف مشکوک نظروں سے دیکھا بلکہ اس کی مخالفت کی جو بالآ خر اتباع ہویٰ اور پیروی نفس تک منتج ہو اور جس سے تفسیر کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے۔ اس طرز فکر کی نمائندگی حجاز کے تفسیری مکتب ، جن کا مرکز مکہ اور مدینہ تھا ، کرتے تھے تاہم اجتہادی قوتوں کے صحت مند استعمال کی اس دور میں پوری ہمت افزائی کی گئی جس کا مثالی نمونہ اس دور کا عراقی مکتب تفسیر ہے جسے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا علمی وارث ہونے کا فخر حاصل ہے۔

تفسیر کی غالب نوعیت اب تک تلقی اور روایت کی تھی ، اس وقت تک تفسیر کسی مستقل فن کی حیثیت سے سامنے نہ آئی تھی۔ اس کا ارتقاء اکثر و بیشتر روایت کے رخ پر اور فن حدیث کے ایک حصے کے طور پر ہو رہا تھا۔ مفسر اور محدث دو علیحدہ شخص نہ ہوتے تھے بلکہ ایک ہی شخص بیک وقت محدث بھی ہوتا تھا اور مفسر بھی ، اور اس کے مفسر ہونے کی حیثیت اس کی محدث سے بھی مستفاد ہوتی تھی۔ تفسیر کافی عرصے تک حدیث کا ایک جز بنی رہی۔ چنانچہ صحاح ستہ نیز حدیث کی دوسری کتابوں میں تفسیر کے ابواب موجود ہیں ۔ اتنا ضروری ہے کہ تابعین کے اس دور میں کم از کم دو ایسی تبدیلیوں کے دھندلے سے نقوش نمایاں ہونے لگتے ہیں جو بالآخر تفسیر کے بحیثیت ایک آزاد اور مستقل فن کی تکوین کے ابتدائی قدم ثابت ہوئے۔ ایک تو یہ کہ تابعین کے دور میں تفسیری مراکز میں ایک نئے تجربے کی بنا ڈال دی گئی ، ان مراکز کے لوگ اپنے یہاں کی مقامی تفسیری روایات جمع کرنے کی کوشش کرنے لگے مثلاً مکے کی تفسیری روایات جن کا غالب حصہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے ، مجاہد ، عکرمہ اور سعید بن جبیر نے جمع کر لیں[86]۔ اہل مدینہ نے حضرت ابی بن کعب کی تفسیری روایات کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ ابو العالیہ اور زید بن اسلم کے نام اس سلسلے میں سر فہرست آتے ہیں[87] بصرے میں اس بارے میں حسن بصری کا نام لیا جا سکتا ہے[88]۔ کوفے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود و حضرت علی کی روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی[89]۔ یہ ابتدائی کوششیں صحابہ کے مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے تفسیری ذخیرے کو ایک متعین اور مجموعی صورت دینے کا زینہ ثابت ہوئیں۔

دوسری اس سے اہم تر بات یہ ہے کہ تفسیری معلومات کو نہ صرف یکجا کرنے بلکہ انہیں کتابی شکل میں لانے اور مدون کرنے کی کوششوں کی بھی اس دور میں شروعات ہو جاتی ہے اگرچہ یہ کوئی منضبط اور عام رجحان نہیں لیکن باوجود ان دونوں باتوں کے اس کی نتیجہ خیزی اور اہمیت میں کوئی شک نہیں۔ تدوین کی اس ابتدائی کوشش سے بعض اساطین علم و تفسیر کے نام وابستہ ہیں۔ مجاہد (م 102ھ) کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے پوری تفسیر لکھی[90]۔ سعید بن جبیر (م 94/95ھ) کے بارے میں بھی یہی کہا گیا ہے[91]۔ عمرو بن عبید[92] (م 144ھ) کو حسن بصری (م 116ھ) نے پوری تفسیر املا کرائی[93]۔ ابو العالیہ سے حضرت ابی بن کعب کی تفسیر کا ایک نسخہ راویت کیا جاتا ہے[94]۔ ابو روق نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر کے کچھ اجزاء روایت کیے ہیں[95]۔ زید بن اسلم کے بارے میں بھی معلوم ہوا ہے کہ

---

85 مقدمة التفسير للراغب الاصفهاني الملحقة بآخر تنزيه القرآن عن المطاعن للقاضي عبد الجبار ص 422 - 423، احیاء علوم الدین 3/136 ، الموافقات 4/424 فما بعدها، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، عبیدۃ السلمانی ، ابراہیم النخعی اور عروہ وغیرہ کے نام اس سلسلے میں لیے جا سکتے ہیں۔

86 الاتقان 2/190

87 الاتقان 2/186 ، تفسیر سفیان الثوری ص 386 ترجمہ زید بن اسلم

88 عمرو بن عبید شیخ المعتزلۃ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سے پورے قرآن مجید کی تفسیر حضرت حسن بصری نے لکھائی تھی، دیکھیے وفیات الاعیان 3/2

89 الاتقان 2/190

90 تفسیر ابن جریر طبری 1/30

91 تہذیب التہذیب : عند ترجمۃ عطاء بن دینار الہذلی المصری۔ اس تفسیر کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان (م 86ھ) کی موت سے پہلے لکھی جا چکی تھی دیکھیے التفسیر والمفسرون 1/144۔

92 عمرو بن عبید بن باب التیمی بن ولاء، ابو عثمان البصری ، شیخ المعتزلۃ ، اپنے علم و زہد کے لیے مشہور تھا ، خلیفہ منصور نے اس کی موت پر مرثیہ کہا۔ وفیات الاعیان 1/384 ، میزان الاعتدال 2/294، تاریخ بغداد 12/166

93 وفیات الاعیان 2/3

94 الاتقان 2/189

95 الاتقان 1/188-189 ، حضرت ابن عباس کی جو تفسیر " تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس " (طبع علی ہامش الدر المنثور للسیوطی القاہرۃ 1314ھ) کے نام سے ملتی ہے ، وہ مجد الدین الفیروزآبادی صاحب القاموس المحیط کی جمع کی ہوئی ہے ، جو محمد بن مروان السدی الصغیر ، عن محمد بن السائب الکلبی ، عن ابی صالح ، عند ابن عباس کے سلسلے سے روایت کی گئی ہے جسے " سلسلۃ الکذب " (الاتقان 2/189) کہا جاتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے تفسیر میں ایک کتاب لکھی[96]۔ ان حضرات کے علاوہ اس دور کے اہم ترین راویان اسرائیلیات میں سے وہب بن منبہ (م 110ھ) کے بارے میں اطلاع ملتی ہے کہ انہیں تصنیف کا ذوق تھا[97] اور ابن جریج (م 150ھ) کے لیے تو یہ مشہور ہے کہ وہ حجاز کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتابیں لکھیں[98] اور تفسیر کے تین بڑے بڑے اجزاء اپنی یادگار چھوڑے۔[99]

تابعین کے زمانے کے ان دونوں اقدامات کو ہم فن تفسیر کی تدوین کے ابتدائی نقوش سمجھتے ہیں[100] اور یقیناً اس دور کے بڑے کام ہیں۔

تبع تابعین کا دور

صحابہ و تابعین کے بعد ایک اور اہم اور نتیجہ خیز علمی جدوجہد شروع ہوئی جس نے فن تفسیر کی با قاعدہ تدوین کے لیے فضاء کو بالکل ہموار کر دیا۔ اس دور میں شائقین حدیث نے جمع حدیث کے لیے مختلف دیار و امصار کا کثرت سے سفر شروع کر دیا تھا اور یہ کوشش ہو رہی تھی کہ پورے حدیثی اور روایتی ذخیرے کا بالاستیعاب علم حاصل کر لیا جائے اور اسے ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ اس کے پہلو بہ پہلو یہ کوشش بھی شروع ہو گئی کہ تفسیر کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کے جتنے اقوال مل سکیں، قطع نظر اس کے کہ وہ کس مکتب تفسیر سے تعلق رکھتے ہیں، سب کو یکجا جمع کر دیا جائے۔ ان جامعین میں سر فہرست جن لوگوں کے نام آتے ہیں وہ یہ ہیں: شعبۃ بن الحجاج[101] (م 160ھ)، سفیان بن سعید الثوری[102] (م 161ھ)، وکیع بن الجراح[103] (م 197ھ)، سفیان بن عیینہ[104] (م 198ھ)، روح بن عبادۃ البصری[105] (م 205ھ)، یزید بن ہارون السلمی[106] (م 206ھ)، عبد الرزاق بن ہمام[107] (م 211ھ)، آدم بن ابی ایاس[108] (م 220ھ)، عبد بن حمید[109] (م 249ھ)، اسحاق بن

---

96 " ولزید تفسیر یرویہ عنہ ولدہ عبد الرحمٰن " تذکرۃ الحفاظ 1/125

97 مرّ ذکرہ

98 مرّ ذکرہ

99 الاتقان 1/188

100 مذکورہ حضرات کے علاوہ دوسرے بھی بعض نام اس سلسلے میں ملتے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے (کشف الظنون 1/25) لکھا " ومن اقدم التفاسیر تفسیر ابي العالیۃ رفیع بن مهران الریاحي (م 90ھ) الذي رواہ الربیع بن انس عنہ ثم تفسیر مجاهد بن جبر (م 101ھ) ثم تفسیر عطاء بن ابي رباح (م 114ھ) ثم تفسیر محمد بن کعب القرظي (م 117ھ) " مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر " الفہرست " میں دی ہوئی ابن الندیم کی یہ اطلاع صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ " ان ابا العباس ثعلب قال کان السبب في املاء کتاب الفراء (م 207ھ) في المعاني (فراء کی یہ کتاب معانی القرآن دار الکتب المصریۃ سے چھپ گئی ہے) ان عمر بن بکیر کان من اصحابه وکان مقطعاً الي الحسن بن سهل فکتب الي الفراء: ان الامیر الحسن بن سهل. ربما سالني من الشئ بعد الشئ من القرآن فلا یحضرني فیه جواب، فان رایت ان تجمع لي اصولاً، او تجعل في ذلك کتاباً ارجع الیه فعلت. فقال الفراء لاصحابه: اجتمعوا حتی امل علیکم کتاباً في القرآن وجعل لهم یوماً. فلما حضر واخرج الیهم، وکان في المسجد رجل یؤذن ویقرا بالناس في الصلوٰة. فالتفت الیه الفراء فقال له: اقراء بفاتحه الکتاب نفسرها، ثم توفي الکتاب کله. فقراء الرجل ویفسر الفراء. قال ابو العباس: لم یعمل احد قبله مثله ولا احسب ان احداً یزید علیه " (الفہرست ص 99) جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فراء (م 207ھ) نے سب سے پہلے قرآن کی پوری تفسیر لکھی اور اسے اس سلسلے میں اولیت حاصل ہے۔ احمد امین کا خیال بھی اسی طرح کا ہے۔ (ضحی الاسلام 2/141)

101 شعبۃ بن الحجاج بن الورد العتکی الازدی بالولاء الواسطی ثم البصری، ابو بسطام: حافظ حدیث، تحقیق حدیث میں اعلیٰ پایہ حاصل ہے۔ تہذیب التہذیب 4/338، تاریخ بغداد 9/255

102 سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ابو عبد اللہ، علم و تقویٰ کے لیے مشہور ہیں۔ ان کی تفسیر کی کتاب چھپ گئی ہے (رامپور 1965، تصحیح امتیاز علی عرشی)، الفہرست 1/225، وفیات الاعیان 1/210، تہذیب التہذیب 4/111، مقدمہ تفسیر سفیان الثوری

103 وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی، ابو سفیان، حافظ حدیث، محدث عراق۔ تذکرۃ الحفاظ 1/282، الجواہر المضیۃ 2/208، تاریخ بغداد 13/466۔

104 سفیان بن عیینہ بن میمون الہلالی الکوفی، ابو محمد۔ امام شافعی کے قول کے مطابق علم حجاز کے دو رکن ہیں امام مالک اور سفیان بن عیینہ۔ تذکرۃ الحفاظ 1/242، وفیات الاعیان 1/210، تاریخ بغداد 9/174۔

105 روح بن عبادۃ بن العلاء القیسی، ابو محمد۔ بصرہ کے رہنے والے، حافظ حدیث ہیں۔ امام احمد ان سے روایت کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب 3/293، تاریخ بغداد 8/401۔

106 یزید بن ہارون بن زاذان بن ثابت السلمی بالولاء الواسطی، ابو خالد۔ حافظ حدیث، المامون ان کی بے حد وقعت کرتا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ 1/291، تہذیب التہذیب 11/366، تاریخ بغداد 14/337۔

107 عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری، مولاہم ابو بکر الصنعانی، حافظ حدیث ہیں، تفسیر قرآن میں ان کی کتاب کا مخطوطہ آج بھی ملتا ہے (الاعلام 4/126) تہذیب التہذیب 6/310، وفیات الاعیان 1/303، میزان الاعتدال 2/136۔

108 آدم بن ابی ایاس واسمہ عبد الرحمٰن بن محمد ویقال ناہیۃ بن شعیب الخراسانی ابو الحسن العسقلانی، بخاری و دارمی کے استاد ہیں۔ ان چھ یا سات آدمیوں میں سے ہیں جو شعبۃ بن الحجاج کے پاس حدیث ضبط کرتے تھے۔ تہذیب التہذیب 1/196

109 عبد بن حمید بن نصر الکسی، ابو محمد۔ حافظ حدیث اور صاحب تفسیر ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ 2/14، الرسالۃ المستطرفۃ 50

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راہویہ[110] (م 238ھ) ، ابو بکر بن ابی شیبہ[111] (م 235ھ) ، علی بن ابی طلحہ[112] (م 143ھ) وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ فن تفسیر کی تدوین کے نقطہ نظر سے ان حضرات کی اس جدوجہد کی اہمیت مسلم ہے تاہم یہ بھی واقعہ ہے کہ ان لوگوں کی اولین اور بنیادی حیثیت فن حدیث کے ائمہ کی ہے اور ان کا تفسیری روایات کو جمع کرنا دراصل روایت و حدیث ہی کی خدمت تھی۔ چنانچہ ان جامعین نے تفسیری روایات کو بالاسناد اپنے اسلاف سے روایت کیا تاہم پورے قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی تفسیر ان سے منقول نہیں۔ ان تفسیری مجموعوں میں سے متعدد ضائع ہو گئے لیکن بعض آج بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ تفسیری مجموعے تیار کرنے کے علاوہ تابعین کے دور کے تجربے کو بھی اس زمانہ میں آگے بڑھایا گیا۔ مثال کے طور پر ابن جریج (م 150ھ) نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر جمع کی[113]۔ سدّی[114] (م 127ھ) نے حضرت عبد اللہ بن مسعود ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور بعض دوسرے صحابہ کے تفسیری اقوال جمع کیے[115]۔ مقاتل بن سلیمان[116] (م 150ھ) نے مختلف روایات کو جمع کیا ان کا یہ مجموعہ اسرائیلیات پر مشتمل تھا[117]۔ محمد بن اسحاق صاحب مغازی[118] (م 151ھ) نے کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے منسوب اسرائیلی روایات کو جمع کیا[119]۔

تفسیر کی تدوین آزاد اور مستقل فن کی حیثیت سے

تبع تابعین کے بعد کا دور تفسیر کی فنی تدوین کا دور ہے جس میں وہ حدیث اور روایت سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد اور مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں دوسری اور تیسری صدی میں قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں پر مختلف نقطہ نظر سے کتابیں لکھی گئی تھیں ان تالیفات نے تفسیر کو ایک آزاد فن بنانے میں گراں قدر مدد بہم پہنچائی۔ چنانچہ اس دور میں آ کر اب ایسی تفسیریں لکھی گئیں جن میں پورے قرآن مجید اور ترتیب وار ہر ہر آیت کی تفسیر پیش کی گئی۔ اس طرح ایک مکمل فنی تفسیروں کے بعض مولفین کے نام حسب ذیل ہیں ابن ماجہ[120] (م 273ھ) ، ابن جریر الطبری[121] (م

---

110 اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی التمیمی المروزی، ابو یعقوب ابن راہویہ۔ کبار حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ امام بخاری، مسلم، ترمذی اور احمد بن حنبل سب ان کے شاگرد ہیں۔ ایک مستقل مکتب فقہ کے بانی ہیں۔ وفیات الاعیان 1/64، تہذیب التہذیب 1/216، میزان الاعتدال 1/85۔

111 عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبۃ العبسی بالولاء الکوفی، ابو بکر۔ حافظ حدیث، صاحب " المصنف "۔ تہذیب التہذیب 6/2، تذکرۃ الحفاظ 2/18، تاریخ بغداد 10/66

112 علی بن ابی طلحۃ و اسمہ سالم بن المخارق الہاشمی یکنی ابا الحسن۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں مگر ان سے سماع حاصل نہیں ہے۔ تہذیب التہذیب 7/339، میزان الاعتدال 7/228۔

113 الاتقان 1/188

114 ابو محمد اسماعیل بن عبد الرحمن بن ابی کریمۃ السدی القرشی مولاہم الکوفی الاعور و ہو السدی الکبیر۔ صاحب التفسیر و من رواۃ الاربعۃ و مسلم۔ ان کی توثیق میں ماہرین علم رجال کا اختلاف ہے۔ ان کی خصوصیت تفسیر میں مہارت ہے، مگر بعض لوگ تو ان کی تفسیر کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور کچھ دوسرے رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اسناد وضع کرتے ہیں۔ حالات کے لیے دیکھیے: طبقات 6/225، التاریخ الکبیر 1 : 1: 361، الجمع بین رجال الصحیحین 28، میزان الاعتدال 1/93، تذکرۃ الحفاظ 1/150، خلاصۃ تذہیب الکمال 35

115 الاتقان 2/188

116 ابو الحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الازدی بالولاء البلخی۔ متروک الحدیث ہیں ان کی تصانیف میں " التفسیر الکبیر " اور " نوادر التفسیر " مشہور ہیں۔ " التفسیر الکبیر " کا کچھ حصہ مخطوطے کی صورت میں ملتا ہے (الاعلام 8/206)۔ ابن ابی حاتم نے " الجرح والتعدیل " (4 : 1 : 354) میں انہیں " صاحب التفسیر و المناکیر " کہا ہے۔ تہذیب التہذیب 10/279، میزان الاعتدال 3/196، تاریخ بغداد 13/160، وفیات الاعیان 2/112، بروکلمن: تکملہ 1/332، مقاتل کی تفسیر کے کچھ اجزاء برٹش میوزیم میں موجود ہیں (بروکلمن: تکملہ 1/332)

117 تہذیب التہذیب 10/284

118 محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی بالولاء المدنی، من اقدم مورخی العرب، ان کی کتاب " السیرۃ النبویۃ " مشہور و متداول ہے۔ جسے ابن ہشام نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان پر قدری ہونے کا الزام ہے۔ بغداد میں وفات پائی۔ ان کے بارے میں بھی علمائے رجال کی رائیں مختلف ہیں۔ الطبقات 7 : 2 : 67، تہذیب التہذیب 9/38، تذکرۃ الحفاظ 1/163، معجم الادباء 6/399، وفیات الاعیان 1/483، میزان الاعتدال 3/21، تاریخ بغداد 1/ 214 – 234، بروکلمن: تکملہ 1/205، عیون الاثر (1/10 – 17) میں ابن سیّد الناس نے ان پر جو طعن کیے گئے ہیں انہیں نقل کر کے ان کا جواب دیا ہے۔ الاعلام 6/252

119 مذاہب التفسیر الاسلامی ص 76، 111، 112

120 محمد بن یزید بن الماجہ الربعی القزوینی، سنن ابن ماجہ کے مؤلف، جو صحاح ستہ میں شامل ہے۔ وفیات الاعیان 1/613، تذکرۃ الحفاظ 2/189، تہذیب التہذیب 9/530، شذرات الذہب 2/164، بستان المحدثین 124 – 125، التاج المکلل ص 13، ابن ماجہ اور علم حدیث از عبد الرشید نعمانی

121 ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری، المورخ المفسر الامام۔ آمل (طبرستان) میں پیدا ہوئے، بغداد میں سکونت اختیار کی، وہیں وفات پائی۔ تاریخ طبری، تفسیر طبری اور اختلاف الفقہاء کے مصنف ہیں۔ احکام فقہیہ میں خود مجتہد تھے۔ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ 2/351، معجم الادباء 6/423، وفیات الاعیان 1/456، طبقات الشافعیۃ للسبکی 2/135، غایۃ النہایۃ 2/106، میزان الاعتدال 3/35، لسان المیزان 5/100

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

310ھ) ، ابو بکر المنذر النیسابوری[122] (م 391ھ) ، ابن ابی حاتم[123] (م 337ھ) ، ابو الشیخ ابن حبان[124] (م 369ھ) ، الحاکم[125] (م 405ھ) ، ابو بکر بن مردویہ[126] (م 410ھ) وغیرہ۔

ان ساری تفسیروں میں نبی کریم ﷺ ، صحابہ کرام ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔یہ تفسیریں بعد کی اصطلاح میں در حقیقت تفسیر بالماثور پر مشتمل ہیں اور اس کلیے سے صرف ابن جریر کی تفسیر کو مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے جس میں ترجیح اقوال ، وجوہ اعراب ، استنباط احکام وغیرہ سب کچھ ہی مل جاتا ہے۔اوپر ذکر کی ہوئی متعدد تفسیریں معدوم ہو چکی ہیں مگر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اپنے سے پہلے زمانہ کی تفسیروں کے بہت بڑے حصے کو محفوظ کر لیا ہے۔

مشہور مفسر صحابہ

صحابہ میں سے مشہور مفسرین بہت کم تھے۔ صحابہ قرآن کی وہی تفسیر بیان کرتے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ رسول کریم ﷺ سے سنتے۔ یا جس آیت کا سبب نزول انہوں نے خود ملاحظہ کیا ہوتا یا جو چیز بطریق اجتہاد و استنباط ان پر منکشف ہوتی۔ امام جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں مشہور مفسر صحابہ کے نام گنائے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(1)حضرت ابو بکر	(2)حضرت عمر
(3)حضرت عثمان	(4)حضرت علی
(5)حضرت ابن عباس	(6)حضرت ابن مسعود
(7)حضرت ابی بن کعب	(8)حضرت زید بن ثابت
(9)ابو موسیٰ اشعری	(10)عبد اللہ بن زبیر

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مذکورہ صدر اکابر صحابہ کے علاوہ کچھ دیگر صحابہ سے بھی تفسیری روایات منقول ہیں مگر وہ کم ہیں اور ان کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(1)انس بن مالک	(2)ابو ہریرہ
(3)عبد اللہ بن عمر	(4)جابر بن عبد اللہ
(5)عبد اللہ بن عمرو بن العاص	(6)عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

تاریخ تفسیر و مفسرین از پروفیسر غلام احمد حریری
صفحہ 65 سے ماخوذ

، تاریخ بغداد 2/162 ، مقدمۃ تاریخ الطبری لمحمد ابی الفضل ابراہیم ص 5، مقدمہ تفسیر طبری لمحمود شاکر

122 ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری من حفاظ الحدیث، فقیہ مجتہد۔ ان کی "تفسیر القرآن"، "الاوسط فی السنن و الاجماع و الاختلاف"، "الاشراف علی مذاہب اہل العلم"، "اختلاف العلماء" وغیرہ مخطوطوں کی صورت میں اب بھی ملتی ہیں۔تذکرۃ الحفاظ 3/ 4،لسان المیزان 5/ 27، وفیات الاعیان 1/ 461، طبقات الشافعیۃ 2/ 126، بروکلمن 1/ 191 (177) تکملہ 1/ 306

123 عبد الرحمن بن محمد ابی حاتم ابن ادریس التمیمی الرازی، ابو محمد، حافظ حدیث، ان کی مشہور کتاب "الجرح والتعدیل" چھپ چکی ہے۔ تفسیر دو جزء مخطوطے کی شکل میں ملتے ہیں (الاعلام 4/ 99) تذکرۃ الحفاظ 3/ 49،طبقات الحنابلۃ 1/ 55

124 محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی البستی۔ صحیح ابن حبان کے مصنف اور مختلف علوم کے جامع سمرقند کے قاضی بھی رہے۔ تذکرۃ الحفاظ 3/ 125، میزان الاعتدال 3/ 39

125 محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ بن نعیم الضبی، النیسابوری ، الشہیر بالحاکم ویعرف بابن البیّع، ابو عبد اللہ۔ اکابر حفاظ حدیث میں سے ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف ۔ وفیات الاعیان 1/ 484، لسان المیزان 5/ 232، میزان الاعتدال 3/ 85 ، تاریخ بغداد 5/ 473 ، بروکلمن 1/ 175، تکملہ 1/ 276

126 احمد بن موسیٰ بن مردویہ الاصبہانی، ابو بکر، صاحب التفسیر و التاریخ ۔ تذکرۃ الحفاظ 3/ 238 ، شذرات الذھب 3/ 190

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد یسین شاد

تفسیر بالماثور

وہاڑی شہر صوبہ پنجاب ، جناح روڈ مرکزی جامعہ مسجد مبارک اہل حدیث کے خطیب نامور عالم دین مولانا محمد عبد اللہ کلسوی قیام پاکستان کے بعد دینی خدمات سر انجام دیتے تھے سابقہ ادوار میں اکثر علماء سلف نماز فجر کے بعد قرآن مجید کے ذریعے عوام کو مستفید کرتے تھے ۔اب یہ سلسلہ خدمات قرآنیہ بہت ہی محدود ہو گیا ہے ۔ کلسوی صاحب کے درس قرآن کے بارے میں وہاں کے ایک دینی ذوق رکھنے والے نے بتایا کہ وہ پہلے قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے ۔ پھر اُن کا ترجمہ کرتے تھے شان نزول کا پس منظر بیان کرنے کے بعد آیات کے مسائل موجودہ حالات کے تناظر میں تشریح فرمایا کرتے تھے ۔ ایک طویل عرصہ تک خدمات قرآنیہ سے نوازتے رہے ۔ ہماری شعور زندگی سے پہلے وفات پا گئے ۔ نہ دیکھنے ، ملاقات کرنے اور مستفید ہونے کے مواقع ملے ۔البتہ بعض دیگر اکابر علماء و محدثین کے دروس قرآن حکیم ساعت کی سعادت ملی ہے ۔ الحمد للہ علیٰ ھذا العمل

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اسلوب (طریقہ)

تفسیر بالماثور کے نام سے مشہور و معروف ہے اسے عربی میں تفسیر بالروایۃ یا تفسیر بالنقل اور اردو میں ماثوری یا اثری یا روایتی طریقہ کہتے ہیں۔[1]

استاذ امین الخولی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں :

" چنانچہ پہلی چیز جو تفسیر کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ تفسیر مبنی بر روایت تھی ۔ جسے تفسیر ماثور یا تفسیر اثری کہتے ہیں ۔ اس لیے علماء حدیث و روایت ہی وہ پہلے حضرات ہیں جو تفسیر کے میدان میں نمایاں نظر آتے ہیں ۔ بہر حال مجموعہ ہائے احادیث میں تفسیر بالروایۃ کی مختلف مقداریں نظر آتی ہیں ۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری میں ہم اس کے متعلق دو کتابیں دیکھتے ہیں ۔ ایک کتاب " تفسیر القرآن " دوسری کتاب " فضائل القرآن " اور دونوں نے صحیح بخاری کا خاصا بڑا حصہ گھیر رکھا ہے ۔ جو شائد ساری صحیح کے آٹھویں حصے کے برابر ہے۔"[2]

ڈاکٹر علامہ محمد حسین الذھبی مصری کے ہاں قرآن مجید کی اثری تفسیر چار امور پر مشتمل ہے ۔ قرآنی آیات تفسیر القرآن بالقرآن ، احادیث نبویہ ﷺ ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین ۔[3]

ڈاکٹر عبد الروف ظفر صاحب چیئرمین سیرت چیئر سرگودھا یونیورسٹی اپنی تصنیف " تفسیر قرآن کا مفہوم آداب اور تقاضے " میں مناع القطان کی " مباحث فی علوم القرآن " کے حوالے سے تفسیر بالماثور کی مشہور کتب کی تعداد 14 لکھی ہے[4] ۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے " مطالعہ قرآن "[5] میں اور شیخ محمد الصابونی نے " التبیان فی علوم القرآن[6] " میں آٹھ ہی ذکر کیا ہے۔

ہم مختصر طور پر صرف چار تفاسیر (1) جامع البیان فی تفسیر القرآن از امام طبری (2) المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز از علامہ ابن عطیہ اندلسی (3) تفسیر القرآن العظیم از امام ابن کثیر اور (4) الدر المنثور فی تفسیر بالماثور کے بارے میں گزارشات پیش کریں گے ان شاء اللہ۔

1 جامع البیان فی تفسیر القرآن

از علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی 310ھ ، تفسیر بالماثور میں ممتاز ترین کتاب ہے اس میں صحیح منہج تفسیر اختیار کیا گیا ہے ۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے اقوال کا بے مثال گنجینہ ہے ۔ شیخ مصراوی کے بقول کسی مسلم گھر میں صرف یہ تفسیر اور قرآن موجود ہو تو اللہ کی مراد کی تفسیر کے لیے کافی ہو گی ۔ کسی اور تفسیر کی قطعاً حاجت نہ ہو گی مذہب سلف کی تائید میں اس تفسیر کا جواب نہیں ہے۔"[7]

یہ تفسیر پورے تفسیری سرمایہ کا مآخذ اول ہے جو تیس جلدوں میں چھپ چکی ہے ۔ علامہ طبری نے اسے 283ھ میں لکھنا شروع کیا سات میں اسے مکمل کیا ۔ کچھ عرصہ پہلے یہ تفسیر بالکل ناپید تھی ۔ اتفاقاً امیر حمود بن الامیر عبد الرشید النجدی کی ذاتی لائبریری سے ایک کامل قلمی نسخہ ملنے پر زیور طبع سے آراستہ ہوئی مفسرین کے نزدیک عقلی اور نقلی تفاسیر میں اس کو خصوصی مقام حاصل ہے ۔ اس کی وجہ ابن جریر کا استنباط اور اقوال ترجیح و توجیہہ ہے ۔ شدت پسند ناصبی تاریخ طبری اور ان کی تفسیر کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں اور اس تفسیر کا استخفاف کرتے ہیں۔

تفسیر بالماثور کے رجحان کی نمائندہ تفاسیر

---

1 التبیان فی علوم القرآن از محمد علی الصابونی ص75

2 مقالہ تفسیر امین الخولی ۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 14 ص 492 جامعہ پنجاب لاہور

3 التفسیر والمفسرون جلد اول ۔ص 154 ۔ اس کا اردو ترجمہ " تاریخ تفسیر و مفسرین " کے نام سے ہے (تلخیص) اس میں تاریخ تفسیر، اقسام تفسیر ، اہم کتب تفسیر کا تعارف درج ہے ۔ تالیف پروفیسر غلام احمد حریری مرحوم

4 ص : 71،109

5 ص : 288

6 ص : 185

7 علوم الحدیث مطالعہ و تعارف ص : 245۔مولانا عبدالوہاب حجازی ہند

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں طبری کو اولیت کا درجہ حاصل ہے اس میں امام طبری قرآنی آیات کی تفسیر قرآنی آیات، سنت رسول ﷺ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین رحمہم اللہ سے کرتے ہیں۔

تفسیر بالرائے کرنے والوں کی مخالفت

امام طبری آزاد خیال مفسرین کی پر زور تردید کرتے ہیں اور اقوال صحابہ و تابعین سے استفادہ کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحیح تفسیر وہ ہے جو صحابہ و تابعین سے ماخوذ ہو۔[8]

الحاصل تفسیر طبری ام التفاسیر ہے۔ تفسیر بالماثور کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔

2 المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز

از ابن عطیہ اندلسی، بظاہر فاضل مفسر نے اپنی تفسیر کو مختصر قرار دیا ہے لیکن یہ اختصار بھی تقریباً 15 سے زائد جلدوں پر مشتمل ہے۔ ابن عطیہ کا تعلق اندلس سے تھا۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں اندلس کے تفسیری ادب سے بھر پور استفادہ کیا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس تفسیر سے متعلق لکھتے ہیں:

" جو کام امام ابن جریر طبری نے شروع کیا تھا اسے انہوں نے آگے تک پہنچایا اور مکمل کیا۔ ابن جریر نے اکثر و بیشتر روایات میں تقابل اور محاکمہ نہیں کیا ہے۔ اگر ایک صحابی کی ایک رائے ہے اور دوسرے صحابی کی دوسری رائے، تو انہوں نے ان دونوں آراء کے مابین کوئی موازنہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ بتانے کی کوشش کی کہ ان میں تطبیق کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس طرح کی گفتگو ابن جریر نے بہت کم کی ہے۔ لیکن علامہ ابن عطیہ نے یہ گفتگو بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ متعدد تفسیری اقوال میں تطبیق کیسے کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح محدثین کے ذریعہ سے جو مواد صحابہ کرام سے پہنچا تھا اس کو بھی انہوں نے ایک فنی اور منظم انداز میں مرتب کیا ہے۔"[9]

3 تفسیر القرآن العظیم

از عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمرو بن کثیر الدمشقی (700 تا 774ھ)، تفسیر طبری سے ماخوذ ہے، اور اس کے بعد تفسیر بالماثور میں دنیا بھر کی تفسیروں میں اس کا دوسرا مقام ہے۔ یہ ٹھیک منہج سلف کے مطابق اور ان کے عقیدہ کی تائید میں لکھی گئی ہے۔[10]

امام ابن کثیر آیات کی تشریح کے بعد مرفوع احادیث کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ احادیث کے متعلق اصول حدیث کے مطابق وضاحت بھی کرتے ہیں۔ عرب و عجم کے بہت سے علماء و مفسرین تفسیر ابن کثیر کی تعریف کرتے ہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

" اگر کوئی کتاب دوسری سے بے نیاز کر سکتی ہے تو وہ تفسیر ابن کثیر ہے جو تفسیر ابن جریر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔"[11]

مولانا عبد الماجد دریا آبادی کیا اظہار کرتے ہیں؟

" تفسیر بجائے خود اچھی اور مستند ہے۔ لیکن مفسر پر محدثانہ رنگ غالب ہے کتاب عام طلبہ قرآن کے زیادہ کام کی نہیں گویا صرف ایک مجموعہ تفسیری احادیث کا ہے۔"[12]

تفسیر ابن کثیر کے متعدد اشاعتی اداروں کے نسخے عربی اردو میں ہیں۔ سب سے معتبر عمدہ ادارہ دار السلام الریاض سعودیہ کا عربی نسخہ المصباح المنیر تہذیب و تحقیق کے ساتھ ہے اور اردو بنام تفسیر ابن کثیر ہے۔[13]

4 الدر المنثور فی تفسیر بالماثور

از علامہ جلال الدین سیوطی (م 911ھ)، تفسیر بالماثور کے سلسلے کی ایک اہم تفسیر ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی:

" اس اعتبار سے بڑی ممتاز ہے کہ اس میں پورے ماثور ادب کا استقصاء کر کے پورے دستیاب مواد کو سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔"[14]

علامہ سیوطی عالم اسلام کے نہایت معروف عالم ہیں، انہوں نے مختلف علوم پر کئی سو کتابیں لکھی ہیں۔ کثرت تصانیف میں بہت کم ہی علماء ان کے ہم سر ہوں گے۔ ان کی ایک مشہور کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" ہے جو انہوں نے اپنی اسی تفسیر کے مقدمے کے طور پر لکھی تھی۔ یہ مقدمہ علوم قرآنی پر اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مختصر تعارفی مضمون کے آخر میں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کا اقتباس درج ہے:

" ہمارے زمانے کی بعض عربی تفسیروں اور بعض اردو تراجم و تفاسیر کا بھی یہی حال ہے کہ ساحرانہ انداز بیان میں کج روی (الحاد) سمو دی گئی ہے۔ بڑی احتیاط سے ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔"[15]

---

8 مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں التفسیر والمفسرون للذہبی جلد 1 ص 206 - 208

9 محاضرات قرآنی ص 208 - 209

10 علوم الحدیث مطالعہ و تعارف مولانا عبد الوہاب حجازی، ص: 245

11 مقدمہ معارف القرآن از محمد تقی عثمانی ص 506

12 تفسیر ماجدی دیباچہ ص 2

13 نیز اسی ادارہ کی طبع شدہ تفسیر تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر الکلام المنان عربی اور اردو تفسیر السعدی مولف علامہ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ، مترجم پروفیسر طیب شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ تفسیر عقیدہ سلف صفات الٰہی کی بہترین تفسیر ہے۔

14 محاضرات قرآنی ص 237

15 مقدمہ اصول تفسیر امام ابن تیمیہ ص: 79 حاشیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

امام شافعی کا تفسیری خزینہ

امام شافعی کا شمار امت کے ان برگزیدہ افرادِ عالی قدر میں ہوتا ہے کہ جن کی ذات پر سلف و خلف سب ہی کو ناز تھا۔ جن کی فضیلتِ علمی کا اعتراف ہر طبقہ فکر سے وابستہ اہل علم نے کیا۔ وہ ایک بالغ النظر فقیہ، رفیع الرتبت محدث اور بلند پایہ مفسر تھے۔ علوم کی اسی جامعیت نے انہیں مرتبہ اجتہاد کے مقام رفیع پر فائز کیا۔

تفسیر الامام شافعی

2004ء میں جامعۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیۃ، کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ و البحث العلمی خرطوم (سوڈان) سے ڈاکٹر احمد بن مصطفیٰ الفرّان نے "تفسیر الامام الشافعی" کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کے مقالے پر سندِ فضیلت حاصل کی۔ اپنے مقالے میں انہوں نے امام شافعی کی مختلف کتابوں سے تفسیری نکات اور ان کے تلامذہ عالی مرتبت کی کتابوں سے ان کے مختلف تفسیری اقوال کو بحسن و خوبی یکجا کیا ہے۔ جس کے بعد ہم اس عالی مرتبت مجتہد کے تفسیری اقوال سے بآسانی مستفید ہو سکتے ہیں۔ یہ مقالہ پہلی مرتبہ 2006ء میں دار التدمریۃ ریاض (سعودی عرب) سے منصہ شہود پر آیا۔ کتاب 3 جلدوں پر محیط ہے اور یہ تینوں جلدیں یکجا شائع کی گئی ہیں۔ تعداد صفحات 1529 ہے۔

اس تفسیری خزینے کا تعارف کرانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ امت امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی کے مختصر حالات زندگی قارئین کے سامنے پیش کیے جائیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب الہاشمی المطلبی، نبی کریم ﷺ کے پر دادا ہاشم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ امام شافعی رجب 150ھ / 768ء میں فلسطین کے علاقے غزہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار ان فقہائے اربعہ میں ہوتا ہے جن کے اجتہاد نے ایک مستقل مدرسہ فکر کی بنیاد رکھی۔

امام شافعی کی ولادت کے بعد کچھ دنوں ہی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ ان کو لے کر مکہ آئیں اور وہیں ان کی علمی تربیت ہوئی۔

امام شافعی کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں امام مالک (179ھ) کو خاص امتیازی مقام حاصل ہے۔ مکہ مکرمہ میں امام مسلم بن خالد زنجی (م 179ھ) اور سفیان بن عیینہ (م 195ھ) سے اخذِ علم کیا۔ اس کے علاوہ حرمین شریفین کے متعدد اکابر علم سے استفادہ کیا۔ بلادِ اسلامیہ کے مختلف خطوں کے مشائخ عظام سے کسبِ علم کی سعادت حاصل کی جس کے بعد خود مرجع علم بنے۔

امام شافعی نے یمن کے معروف قبیلے ہذیل میں رہ کر تیر اندازی، لغت، شاعری، تاریخ، انساب، نحو اور علم فراست جیسے علوم سیکھے۔ کئی ہزار اشعار غرائب سمیت یاد کیے۔ عربی لغت اور انشاء پر ایسا کمال حاصل کیا کہ انہیں لغت عرب کا امام مانا جانے لگا۔

غالباً اپنے عہد کے واحد امام ہیں جو مکہ، مدینہ، یمن، عراق، شام، مصر اور الجزائر کے علماء و مشائخ سے ملے اور ان سے فقہی واجتہادی مسائل پر مذاکرہ علمی کیا۔ مختلف فقہی اسالیب سے آشنا ہوئے۔ امام شافعی 200ھ میں حج کے بعد عازم مصر ہوئے۔ وہیں فسطاط میں 204ھ میں اس رفیع المرتبت امام و مجتہد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون[1]

آثار علمی

امام شافعی کے علمی آثار اسلام کے علمی ذخیرے میں اہم ترین مقام رکھتے ہیں۔ فواد سزگین کے مطابق امام شافعی کی مؤلفات کی تعداد 113 سے 140 کے درمیان ہے[2]۔ ابن ندیم الفہرست میں امام شافعی کی 109 کتابوں کے نام درج کیے ہیں۔[3]

امام شافعی کی مشہور کتابوں میں: کتاب الام، الرسالۃ، السنن الماثورۃ (بروایۃ اسماعیل بن یحییٰ المزنی م 264ھ)، مسند، العقیدۃ، احکام القرآن وغیرہا شامل ہیں۔

---

1 امام شافعی کے حالات زندگی پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ تقریباً ہر اہم کتب تذکرہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ جن میں سے بعض کتب کے اسماء حسب ذیل ہیں: الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، الفہرست لابن الندیم، طبقات الشافعیۃ للعبادی، طبقات الفقہاء للشیرازی، تذکرۃ الحفاظ للذہبی، تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، الانتقاء لابن عبد البر، وفیات الاعیان لابن خلکان، الوافی بالوفیات للصفدی، التہذیب لابن حجر، طبقات الشافعیۃ للسبکی، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، شذرات الذہب لابن العماد الحنبلی، مراۃ الجنان للیافعی، تاریخ التراث العربی لفواد سزگین

2 تاریخ التراث العربی: المجلد الاول، الجزء الثالث، ص 183

3 الفہرست (مترجم): 501 - 502

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلامذہ

امام شافعی کے تلامذہ میں بھی بلند پایہ علماء و مجتہدین و محدثین و فقہاء کی تعداد نمایاں نظر آتی ہے۔ جن میں امام احمد بن حنبل (م 241ھ)، امام ابو عبد اللہ الحمیدی (م 219ھ)، یوسف بن یحیٰ البویطی (م 231ھ)، ابو ثور الکلبی (م240ھ)، ابو علی الزعفرانی (م260ھ)، ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیٰ المزنی (م264ھ)، ربیع بن سلیمان المرادی (م 270ھ)، ابو حفص حرملہ بن یحیٰ المصری (م 244ھ)، امام ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی (م 294ھ) وغیرہم شامل ہیں۔

روایت ودرایت کی یکجائی

امام شافعی کو اصول فقہ کا موسس مانا جاتا ہے[4]۔ انہوں نے جن اسالیب فقہ سے استفادہ کیا ان میں فقہ حجاز (یعنی امام مالک کا انداز تفقہ) اور فقہ عراق (یعنی امام ابو حنیفہ کا انداز تفقہ) اہم ہیں۔ اس وقت عالم اسلام میں یہ انداز تفقہ مقبول عام تھے۔ اول الذکر فکر سے وابستگان کو اصحاب الحدیث اور ثانی الذکر فکر سے منسلکین کو اصحاب الرائے کہا جاتا تھا۔ امام شافعی نے اہل الحدیث کے انداز تفقہ کو امام مالک سے اخذ کیا جبکہ اہل الرائے کی استدلالی فکر کی تحصیل امام ابو حنیفہ کے تلمیذ خاص امام محمد بن حسن شیبانی سے کی۔ انہوں نے روایت اور درایت دونوں کی اہمیت کا بخوبی ادراک کیا اور ان سے استفادے کے اصول وضع کیے۔ چنانچہ عام متداول فقہی رجحانات کے برعکس انہیں نے ایک نئے دبستان فکر کی بنیاد رکھی جس میں کتاب و سنت اور اجماع و قیاس دونوں کو اس کے استحقاق کے مطابق جگہ دی۔ ان کے اسی اسلوب نے مجتہد الفکر علماء کے لیے شافعی فقہ میں ایک خاص کشش پیدا کی۔

امام شافعی جہاں اجتہاد کی اعلیٰ ترین صلاحیت کے حامل تھے وہیں مبدء فیض نے انہیں اعلیٰ درجے کی ذہانت سے بھی نوازا تھا۔ مشہور فقیہ ربیعہ الرائے نے ایک مرتبہ امام شافعی سے کہا: اگر کوئی شخص رمضان کا روزہ قضاء کر دے تو اسے بارہ روزے رکھنا چاہئیں اس لیے کہ اس مہینے کا ایک دن دوسرے مہینوں کے بارہ دن کے برابر ہے۔ امام شافعی نے جواب دیا: یہ فقہ ہے یا مذاق، اگر تمہارا نظریہ یہی ہے تو پھر شب قدر کی نماز فوت ہو جائے تو وہ ہزار مہینے تک قضا کرے کیونکہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ہے۔ ربیعہ خاموش ہو کر چلے گئے۔

تفسیر امام شافعی

امام شافعی زمانہ سلف سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا شمار ائمہ اسلام میں ہوتا ہے۔ ان کی فکر کی صلابت عقیدہ سلف میں مستحکم تھی۔ ان کی ذہانت نے طرح طرح سے دین اسلام کی خدمت انجام دی۔ قرآنیات سے انہیں خصوصی شغف تھا۔ وہ ایک ایک آیت سے کئی کئی مسائل کا استخراج فرمالیا کرتے تھے۔ ان کی تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن، بالسنۃ، بالاجماع، بالقیاس، باقوال الصحابہ، باقوال التابعین والائمۃ، باللغۃ العربیۃ کے اسالیب ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کے تفسیری خزینے سے کچھ علمی خزینوں کی سوغات پیش خدمت ہے:

مساجد میں عورتوں کا جانا

سورہ آل عمران کی آیت کریمہ: وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾ سے امام شافعی نے متعدد استدلال کیے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مردوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی عورتوں کو مساجد میں جانے سے روکیں۔ فرماتے ہیں:

"لا يجوز له (اي: للزوج) ان يمنعها (اي: امراته) مسجد الله الحرام لفريضه الحج، و له ان يمنعها منه تطوعاً، و من المساجد غيره۔"[5]

کلالۃ

کلالہ کا مسئلہ اہل علم میں ہمیشہ سے نہایت اہم رہا ہے۔ مختلف اہل علم نے اس مسئلے پر خامہ فرسائی کی ہے۔ کلالہ کا تعین اور اس کی تعریف اصل اہمیت رکھتی ہے اور اسی پر مدارِ استدلال ہوتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک کلالہ کی تعریف یہ ہے:

" المعني: ان مات رجل في حال كلالة، اي: لم يخلف والداً و لا ولداً، و ورثه اخ او اخت، او ماتت امراة كذلك فورثها اخ و اخت، فلكل واحد منهما السدس۔"[6]

یعنی وفات پانے والا شخص اپنے پیچھے نہ اپنے والدین چھوڑے اور نہ ہی اپنی اولاد۔ اس کے ورثاء میں بھائی یا بہن ہوں اسی طرح عورت بھی واپنے وارث صرف بھائی یا بہن کو چھوڑے۔

زوجین کے اموال و جائیداد کی ملکیت

امام شافعی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" فبين الله في كتابه ان مال المراة ممنوع من زوجها الواجب الحق عليها الا بطيب نفسها، و اباحه بطيب نفسها، لانها مالكة لمالها، ممنوع بملكها۔"[8]

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے کہ عورت کا مال اس کے شوہر پر ممنوع

---

4 تاریخ التراث العربي: المجلد الاول، الجزء الثالث، ص 180

5 تفسیر الامام الشافع

6 ایضاً: 546

7 النسا

8

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوائے اس کے جو وہ اپنی خوشی سے اپنے شوہر کو دے، حقوقِ ملکیت صرف مالک کے پاس ہی رہے گا۔

آخر میں فرماتے ہیں: "لا فرق بين المراة والرجل"[9]

یعنی اس معاملے میں عورت یا مرد میں کوئی تفریق نہیں۔ بیانِ مطلب کے لیے عرض ہے کہ اگر اموال و جائیداد کا مالک شوہر ہو تو اس کا بھی وہی مال بیوی کے لیے جائز ہوگا جسے اس نے اپنی خوشی سے دے رکھا ہو۔

اطاعتِ رسول ﷺ

"ومن اطاع الله فقد اطاع رسوله، ومن عصي الله فقد عصي رسوله، ومن اطاع رسوله فقد اطاع الله، ومن عصي رسوله فقد عصي الله، لان رسول الله ﷺ عبد من عباده، قام في خلق الله بطاعة الله، وفرض الله تعالي علي عباده طاعته لما وفقه الله تعالي من رشده، ومن قال: (ومن يعصهما) كرهت ذلك القول له، حتي يفرد اسم الله، ثم يذكر بعده اسم الرسول ﷺ لا يذكره الا منفرداً۔"[10]

یعنی جس نے اللہ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی اس نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔ گو کہ اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں مگر اپنی مخلوق پر رسول ﷺ کی اطاعت خود اللہ نے فرض کی ہے۔ بندے پر دونوں کی اطاعت فرض ہے۔ قرآن میں تنہا اللہ کا ذکر نہیں بلکہ اطاعت کے لیے رسول کا لفظ بھی استعمال کیا گیا۔

دار الحرب میں اطفال مشرکین کے قتل کی ممانعت

سورۃ الانعام کی آیت: قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ[11] کے ذیل میں امام شافعی کا استدلال ہے:

"فلما نهي الله عن ذكره عن ذلك من اولاد المشركين، دل علي تثبيت النهي عن قتل اطفال المشركين في دار الحرب، وكذلك دلت عليه السنة۔"[12]

یعنی اطفال مشرکین کو دار الحرب میں بھی قتل نہیں کیا جا سکتا اسی پر کتاب و سنت دلالت کرتے ہیں۔

حکمِ جہاد

سورہ الانفال کی مشہور آیت: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ[13] کی تشریح میں امام شافعی فرماتے ہیں:

"فرض الله عليه جهادهم، فقال "وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ" فقيل: فيه فتنة: شرك ويكون الدين كله واحداً لله۔"[14]

یعنی اللہ نے کفار سے جہاد کو فرض قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کامل اللہ کے لیے ہو جائے۔ کہا گیا ہے کہ اس میں فتنہ سے مراد شرک ہے اور دین کامل اللہ واحد کے لیے ہو جائے۔

اس حوالے سے امام شافعی نے مزید تشریح بھی کی ہے جو شاید آج کل کے روشن خیالوں کو پسند نہ آئے۔

عقیدہ خلق قرآن کی تردید

خلق قرآن کا فتنہ اس عہد کے اہم ترین فتنوں میں سے ایک تھا۔ یہ وہی عقل پرستی کا خمار تھا جس نے مختلف فتنہ اعمال و عقائد کو جنم دیا۔ اس فتنے نے سرکاری سرپرستی میں اس عہد کے علمائے حق کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ مفسر اپنے عہد سے ماوراء نہیں رہ سکتا۔ اس لیے امام صاحب کی تحریروں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ امام شافعی سنت رسول ﷺ، آثار صحابہ اور ائمہ سلف کی راہ پر گام فرسا تھے۔ اس مسئلے میں ان کا موقف بالکل واضح اور صاف تھا۔

ربیع کہتے ہیں کہ جب حفص نے امام شافعی سے کہا کہ قرآن مخلوق ہے، تو امام شافعی نے فرمایا: "كفرت بالله العظيم"[15] "تو نے اللہ عظیم سے کفر کیا۔"

اسی طرح ایک شخص امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: "کیا دلیل ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے؟" امام شافعی نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کیا تم اقرار کرتے ہو کہ قرآن اللہ کا کلام ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ امام شافعی نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ[16] اور وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾[17] کیا تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ ہے اور اس کا کلام بھی ہے؟ یا اللہ تو ہے لیکن اس کا کلام نہیں ہے؟ اس آدمی نے کہا: بلاشبہ اللہ بھی ہے اور اس کا کلام بھی۔ امام شافعی مسکرائے اور کہا: جب تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ ہر قبل سے قبل ہے اور اس کا کلام بھی ہے تو کیا اس کا کلام اس کے سوا اور اس کے بغیر ہے؟ وہ آدمی خاموش ہو گیا اور چلا گیا۔[18]

---

9 ایضاً
10 ایضاً: 618
11 سورۃ الانعام: 151
12 تفسیر الامام الشافعی: 841
13 سورۃ الانفال: 39
14 تفسیر الامام شافعی: 872
15 تفسیر الامام شافعی: 906
16 سورۃ التوبۃ: 6
17 سورۃ النساء: 164
18 تفسیر الامام شافعی: 907

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن میں غیر عربی الفاظ

امام شافعی اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں موجود تمام الفاظ عربی مبین کے ہیں اس میں کوئی لفظ بھی عجمی نہیں۔ اس سلسلے میں وہ ان آیات سے استدلال کرتے ہیں: وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٣﴾[19] اور وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ[20]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ عربی زبان بہت وسیع ہے قرآن کے جو الفاظ ہمیں نا مانوس لگتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ غیر عربی ہی ہوں۔ اسی طرح یہ بھی امر محال ہے کہ کوئی شخص لسان عرب کے تمام الفاظ کا احاطہ کر لے۔[21]

استواء علی العرش

استواء علی العرش سلف کا متفقہ عقیدہ ہے۔ ائمہ سلف کے مابین متعدد اختلافات ہوئے مگر اس عقیدے پر صحابہ کرام، تابعین عظام و ائمہ اہل سنت باہم متفق ہیں۔

امام شافعی بھی سلف کے مسلک پر قائم ہیں فرماتے ہیں:

" کل ما علا فھو سمائ و العرش اعلا السموات، فھو علی العرش —سبحانه وتعالی— کما اخبر بلا کیف، بائن من خلقه، غیر مماس من خلقه: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ "[22]

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور تقریباً تمام سلف سے یہی عقیدہ منقول ہے۔

19 سورۃ النحل: 103
20 سورۃ فصلت: 44
21 تفسیر الامام شافعی: 1015 - 1018
22 ایضاً: 1063

افسوس کہ آج ہم سلف کے اس معروف عقیدے سے غیر مانوس ہو کر رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اب کچھ ایسے بھی محققین ہیں جو اس عقیدہ پر تفرد کا اطلاق کرنے لگے ہیں۔[23]

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

زبور

زبور کے حوالے سے امام شافعی فرماتے ہیں کہ عامہ عرب نزول قرآن سے قبل تورات، انجیل اور صحف ابراہیم سے تو واقف تھے مگر زبور کا انہیں علم نہ تھا۔ زبور کا علم انہیں قرآن کریم کی بدولت ہوا۔[24]

اجتہاد

امام شافعی فرماتے ہیں:

" فاخبر النبی ﷺ ان الاجتهاد بعد ان لا یکون کتاب الله و لا سنة رسوله، ولقول الله: "" وما لم اعلم فیه مخالفاً من اهل العلم، ثم ذلك موجود فی قوله ﷺ " اذا اجتهد ". لان الاجتهاد لیس بعین قائمة، وانما هو شیئ یحدثه من قبل نفسه، فاذا کان هذا هکذا فکتاب الله، والسنة، والاجماع اولی به—من رای نفسه"[25]

امام شافعی اجتہاد کو بمقابلہ اخبار و آثار درست نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اجتہاد نص شرعی کی عدم موجودگی پر منحصر ہے۔

23 ملاحظہ ہو محمد اعظم سعیدی کا مضمون "مفتی منیب الرحمن کے تفردات" مشمولہ ششماہی "التفسیر" کراچی "تفردات نمبر" جنوری تا جون 2013ء ص 257۔ مفتی منیب الرحمن صاحب نے لکھا تھا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہے یہ عقیدہ درست ہے لیکن یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے یہ کفر ہے۔" اسے مضمون نگار نے تفرد قرار دیا۔
24 ایضاً: 1077
25 ایضاً: 1258

سورۃ العصر

سورۃ العصر قرآن کی انتہائی مختصر سورتوں میں سے ایک ہے، لیکن بلاغتِ قرآنی کا شاہکار۔ اس سورت سے امام شافعی کو خاص مناسبت تھی۔ سورۃ العصر کے حوالے سے امام شافعی کا قول تو زبانِ زدِ اہل علم ہے۔ فرماتے ہیں:

" لو ما انزل الله حجة علی خلقه الا هذه السورة لکفتهم"

یعنی اگر اللہ اس سورت کے سوا کچھ بھی نازل نہ فرماتا تب بھی یہ سورت لوگوں پر حجت کے لیے کافی تھی۔

ونیز: "الناس فی غفلة عن هذه السورة "[26]

"افسوس لوگ اس سورت سے غافل ہیں۔"

حسد

حسد کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں:

" ان الحسد انما یکون من لؤم العنصر، وتفادی الطبائع، واختلاف الترکیب، و فساد مزاج البنیة، و ضعف عقد العقل. و الحاسد طویل الحسرات، عادم الراحات"[27]

یعنی بے شک حسد لائق ملامت عناصر میں سے ہے، ہیجانِ طبائع، اختلاف ترکیب (عقلی)، فساد مزاج اور ضعف عقل کا باعث ہے۔ حاسد بہت زیادہ حسرتوں کا شکار اور راحت سے محروم ہوتا ہے۔

حاصل کلام

الغرض پوری کتاب اسی قسم کے مباحثِ علمیہ سے معمور ہے۔ امام شافعی کی تفقہ فی الدین کے مظاہر بکثرت نظر آتے ہیں اور عہد سلف کا یہ ایک قیمتی ذخیرہ تفسیر ہے۔ ان کے اصول تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ایمان و عقیدہ کی سلامتی ہے۔

26 ایضاً: 1461
27 ایضاً: 1470

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر فضل الرحمٰن (م 2013ء)

زمخشری کا عقلی طرزِ تفسیر اور "کشاف" کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ

زمخشری کا عقلی طرزِ تفسیر

قرآن اور عقل کا باہمی تعلق زمخشری کی نظر میں

نظریہ حسن و قبح عقلی خود اس بات کی دلیل ہے کہ معتزلہ کے یہاں عقل کو ایک خاص طرح کا تقدس حاصل ہے، زمخشری معتزلی ہیں اور اس نظریے کے موید، چنانچہ عقلی دلائل کی بالا دستی پر " اطواق الذہب " میں بڑے دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں :

"امش في دينك تحت راية السلطان، و لا تقنع بالرواية عن فلان و فلان، فما الاسد المحتجب في عرينه اعز من المحتج علي قرينه، و ما العتر الجرباء تحت الشمال البليل اذلّ من المقلد عند صاحب الدليل۔"[1]

یعنی دین کے بارے میں محض روایات پر اعتماد صحیح نہیں عقل کی رہنمائی ہر قدم پر ضروری ہے۔ دلیل و برہان آدمی کو شیر نیستان کی قوت بخشی ہے اور صاحب دلیل کے سامنے بے بصیرت حقیر ہو کر رہ جاتا ہے۔

عقل و نقل کا باہمی تعلق زمخشری کی نظر میں کیا ہے اس سے معلوم ہو گا کہ ان کے نزدیک ایمان کا اطلاق متعدد اشیاء پر ہوتا ہے جن میں سے بعض کا ادراک محض عقل کے ذریعے ہو جاتا ہے اور بعض کا ادراک صرف نقل و سمع پر منحصر ہے۔ زمخشری بتاتے ہیں کہ پہلی قسم کے امور کے واسطے صرف عقل کافی ہے، جیسے وجود باری تعالیٰ یا توحید خداوندی وغیرہ اور دوسری قسم کے امور میں سمع و شرع کے بغیر چارہ نہیں، مثلاً عبادات وغیرہ کے طریقے[2]۔ قرآن دین اور شریعت کا اصل الاصول ہے، سنت، اجماع، قیاس جتنے دوسرے دینی مآخذ ہیں سب کا مستند الیہ وہی ہے اور اس کی رہنمائی کے بغیر انسان قدم نہیں اٹھا سکتا[3]۔ شریعت ان غلطیوں پر بھی متنبہ کرتی ہے جو عقل سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ اس طرح زمخشری کے نزدیک انسان اپنی زندگی میں صحیح اور غلط خیر و شر میں تمیز کرنے میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ان دونوں کا محتاج ہے ایک عقل دوسرے قرآن۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک ایسی مستقل حیثیت بھی ہے کہ ایک کی کمی دوسرے سے پوری نہیں کی جا سکتی، لیکن ہر ایک دوسرے پر موقوف بھی ہے۔ محض عقل انسان کو مکمل رہنمائی دینے سے قاصر ہے۔ نہ صرف قرآن اس رہنمائی کی تکمیل کرتا ہے بلکہ عقل کی لغزشوں پر آگاہی بھی بخشتا ہے۔ اس کے ساتھ قرآن سے واقعی طور پر انتفاع، اس کی صحیح تاویل اور حقیقی مفہوم و معنی کے علم کا حصول غور و فکر اور تدبر پر موقوف ہے اور یہ بغیر عقل کے متصور نہیں۔ دوسرے الفاظ میں قرآن سے صحیح رہنمائی بھی انسان کی اس صلاحیت پر موقوف ہے کہ وہ صحیح طریقے سے اپنی عقل کو قرآن فہمی کے لیے استعمال کرے[4]۔ اس طرح دائمی سعادت کے حصول میں قرآن اور عقل کا ایک نا قابل انقطاع رشتہ قائم رہتا ہے ہدایت خداوندی کے سرچشمے سے یہ تعلق قائم ہو جانے سے انسانی عقل کو تقدیس کا وہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے جس سے اونچا کوئی مرتبہ متصور نہیں۔

زمخشری نے اس حقیقت کا ادراک محض نظری طور پر کر کے اسے یونہی نہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے تعقل، تدبر اور تفکر کی اپنی ساری صلاحیتوں کو ہدایت کے خداوندی صحیفے کے رازوں سے پردہ اٹھانے میں پورے طور پر لگایا۔ قرآن کی عقلی تفسیر کے جو پاکیزہ نمونے زمخشری کے یہاں ہیں وہ دوسروں کے یہاں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ زمخشری کی تفسیر کا یہ حصہ ان کے فرقہ واری رجحان تفسیر سے بہت مختلف

---

[1] اطواق الذہب ص 46 (المقالۃ السابعۃ والثلاثون)

[2] دیکھیے: الکشاف: 4 / 184

[3] سورہ یوسف کی آیت 111، " لقد كان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب " کی تفسیر میں زمخشری لکھتے ہیں : " لانه (القرآن) القانون الذی يستند اليه السنة و الاجماع و القياس بعد ادلة العقل ." کشاف: 2 / 397

[4] سورہ ص : 29، " ليدبروا اياته " کی تفسیر میں لکھتے ہیں : " و تدبروا الآيات : التفكر فيها، و التامل الذی يودی الى معرفة ما يدبر ظاهرها المتلو، لم يحل منه بكثير طائل و كان مثله كمثل من له لقحة درور لا يحلبها، و مهرة نثور لا لا يتولدها ." الکشاف: 4 / 7

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے ۔ معتزلہ کے علم کلام کو اصل قرار دے کر قرآن مجید کی تفسیر کو اس کے گرد گردش دینا ذہانت ضرور چاہتا ہے اور ایک خصوصی قسم کی دماغی تربیت اور ورزش کا مطالبہ بھی کرتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ زمخشری کے اصل جوہر اس میں نہیں کھلتے ۔ ان کی طباعی اور نکتہ آفرینی کا عروج دیکھنا ہو تو اس کلامی طرز تفسیر کو چھوڑ کر جس میں وہ مقلد اور دوسروں کے خوان کے ریزہ چیں نظر آتے ہیں ان کی تفسیر کے ان حصوں کو دیکھنا چاہیے جہاں وہ اس طرح کی پابندیوں سے آزاد ، اپنی عقل رسا اور مجتہدانہ بصیرت کا مظاہرہ عقلی تفسیر کی صورت میں کرتے ہیں ۔ ان مقامات کا مطالعہ یہ بھی اچھی طرح واضح کر دے گا کہ نہ اعتزال عقلیت کا ہم معنی ہے اور نہ کلامی طرز تفسیر کو عقلی تفسیر کا نام دیا جا سکتا ہے ، یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں ۔ زمخشری کی عقلی تفسیر کے بعض نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

عقلی تفسیر کے بعض نمونے

یہود کی حرکات شنیعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ان کی ایک خصوصیت کا ذکر کرتا ہے ۔ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ [5] نبیوں کو ناحق قتل کر دیا کرتے ہیں ۔ زمخشری سوال اٹھاتے ہیں نبی کا قتل کیا ناحق کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے ؟ پھر اس بغیر الحق ، کے فقرے کے اضافے سے قرآن کس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے ؟ زمخشری کی نکتہ رسائی قابل داد ہے ۔ کہتے ہیں : " قلت معناه انهم قتلوهم بغير الحق عندهم لانهم لم يقتلوا و لا افسدوا في الارض فيقتلوا وانما نصحوهم ودعوهم الي ما ينفعهم فلو سئلوا و انصفوا من انفسهم لم يذكروا وجها يستحقون به القتل عندهم "[6]

یعنی قاتلین انبیاء خود یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کو بے خطا اور ناحق قتل کر رہے ہیں ۔ ان نبیوں نے نہ کسی کی جان لی تھی اور نہ یہ زمین میں فساد انگیزی کے مرتکب ہوئے تھے ، ان کا کام تو صرف خیر خواہی اور درد مندی تھا وہ انہیں اسی چیز کی دعوت دے رہے تھے جو ان کے لیے سود مند تھی لیکن اس کے باوجود ان کی جان لے لی گئی ، اس حال میں اگر ان قاتلوں سے پوچھا جاتا اور وہ ذرا بھی اپنے ساتھ انصاف سے کام لیتے تو ایسا بہانہ انہیں نہ سوجھتا جس کی بناء پر خود ان کے نزدیک یہ انبیاء کشتنی و گردن زدنی قرار پا سکتے۔

دوزخیوں پر عذاب کی کیفیت بتاتے ہوئے قرآن کہتاہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ [7] ان آیات کو مفسرین نے شروع سے مختلف تاویلات کا جامہ پہنایا اور عجیب عجیب دور از کار نکتے پیدا کیے جس سوال یا متوقع اعتراض کے جواب میں یہ سب کیا گیا وہ یہ تھا کہ وہ کھالیں جن سے گناہ سرزد نہیں ہوا ان کھالوں کا عذاب کیوں بھگتیں جن سے گناہ سر زد ہوا تھا ۔ زمخشری نے نہایت بلیغ اور مختصر جملے میں اس طویل بحث کی بساط لپیٹ دی کہتے ہیں " قلت : العذاب للجملة الحساسة وهي التي عصت لا للجلد "[8] یعنی گناہ نہ کھال سے سرزد ہوا نہ کھال کو عذاب دینا مقصود ہے ، گناہ قوت احساس کا کام تھا عذاب بھی اسی کو ہو رہا ہے کھال کی مستقل حیثیت اس سلسلے میں تھی ، نہ ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ آخرت میں کفار باری تعالی کی قدرت مطلقہ کا ذکر کرتے ہوئے اعتراف گناہ کریں گے: قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١١﴾ [9] پہلی دفعہ کی موت اس حالت سے عبارت ہے جب زندگی کا جامہ ہی نہ پہنا تھا دوسری دفعہ کی موت وہ جو حیات دینوی کے بعد طاری ہوئی دونوں کے لیے لفظ أَمَتَّنَا، استعمال کیا گیا ہے جس کا مصدر " الاماتة " ہے جس کا مصدر ہے زندگی ختم کر کے موت طاری کرنا ہے ۔ زمخشری کہتے ہیں پوچھا جا سکتا ہے کہ قبل حیات کی حالت کے لیے اماتة کا لفظ کیوں اختیار کیا گیا توجیہ سننے کے لائق ہے : " قلت : كما صح ان تقول سبحان من صغر جسم البعوضة و كبر جسم الفيل و قولك للحفار ضيق فم الركية و وسع اسفلها وليس ثم نقل من كبر الي صغر ولا من صغر الي كبر ولا من ضيق الي سعة ولا سعة الي ضيق وانما اردت الانشاء علي تلك الصفات ، والسبب في صحته ان الصغر و الكبر جائز ان معاً علي المصنوع الواحد من غير ترجيح ، لاحدهما و كذلك الضيق و السعة ، فاذا اختار الصانع احد الجائزين و هو متمكن منهما علي السواء فقد صرف المصنوع عن الجائز الآخر فجعل صرفه عنه كنقله منه "[10] یعنی جیسے مذکورہ مثالوں میں فی الحقیقة نقل کا عمل اگرچہ نہیں ہے تاہم بنانے والے نے دو ممکن صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا حالانکہ دوسری صورت کے اختیار پر بھی اتنی ہی قدرت حاصل تھی تو اس حالت میں جو ذہنی فعل نقل کا پایا گیا اسی کے پیش نظر اس طرح کے الفاظ کے استعمال کا جواز نکلتا ہے گویا زمخشری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ " اماتة " ، بصورت اول میں اگرچہ حیات سے موت کی

---

5 سورہ بقرہ:61
6 الکشاف: 1/ 109
7 سورہ نساء:56
8 الکشاف: 1/ 464
9 سورہ غافر(مومن):11
10 الکشاف: 4/ 119

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف منتقلی فی الواقع عمل میں نہیں آئی تاہم چونکہ ذہنی فعل منتقلی کا موجود ہے جس کی حقیقت ترجیح " احد الجائزین " ہے اس لیے قبل حیات کی حالت کو ظاہر کرنے کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا گیا۔ اس توجیہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عربی لسانیات پر زمخشری نے کس قدر منطقی اور فلسفیانہ انداز سے غور و فکر کیا ہے۔

منافقین کی اس ذہنیت پر کہ انہوں نے راہ ہدایت اختیار کرنے کے بجائے گمراہی کو پسند کیا قرآن ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے : أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُاْ ٱلضَّلَٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ [11] اس پر زمخشری قرآن کے طالب علم کی خلش کو ایک سوال کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ ہدایت دے کر گمراہی خریدیں کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے جبکہ وہ پہلے ہی سے ہدایت یافتہ نہ تھے۔ پھر جواب دیتے ہیں "قلت: جعلوا لتمکنهم منه واعراضهم له کانه في ايديهم ، فاذا ترکوه الي الضلالة فقد عطلوه واستبدلوه بها ، ولان الدين القيم هو فطرة الله التي فطر الناس عليها فکل من ضل فهو مستبدل خلاف الفطرة " [12] یعنی اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ کسی شئے کے حصول پر پوری قدرت حاصل ہونا اس شئے کا گویا بالفعل حاصل ہو جانا سمجھا جاتا ہے۔ اس صورت میں اصول ہدایت پر تمکین تام کے باوجود گمراہی کو اختیار کر لینا ہدایت کا گمراہی سے مبادلہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے ، دوسرے یہ کہ اسلام عین فطرت انسانی ہے جو ہر انسان کے ضمیر میں موجود ہے ، ضلالت کو اختیار کرنے کا مطلب اس صورت میں اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے کہ فطرت کا غیر فطرت سے مبادلہ کر لیا۔

سورہ ص میں آتا ہے کہ حکم سجدہ کی عدم تعمیل کی وجہ سے شیطان کو مردود بارگاہ قرار دے دیا گیا: قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٧٨﴾ [13] مگر "لعنتی الی یوم الدین " کے الفاظ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اس کی ملعونیت صرف قیامت کے دن تک کے لیے ہے اس کے بعد ختم ہو جائے گی۔ زمخشری اس غلط فہمی کو دور کرتے ہیں " قلت : کيف تنقطع و قد قال الله تعالي فاذن مؤذن بينهم ان لعنة الله علي الظالمين ، و لکن المعني ان عليه اللعنة في الدنيا ، فاذا کان يوم الدين اقترن له باللعنة ما ينسي عنده اللعنة فکانها انقطعت " [14] اور بتاتے ہیں کہ یہ انداز بیان تو قیامت کے بعد لعنت مزید کو ثابت کرتا ہے نہ کہ اس کے انقطاع کو۔

جن لوگوں کے دل میں خشیت الٰہی ہے قرآن کا ان پر کیا اثر ہوتا ہے اس کو سورہ زمر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا مَّثَانِىَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى ٱللَّهِ يَهْدِى بِهِۦ مَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِنْ هَادٍ [15] زمخشری بتاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جب قرآن اور اس کی وعیدوں کو سنتے ہیں تو انہیں ایسا خوف لاحق ہوتا ہے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر جب انہیں اللہ اور اس کی رحمت و مغفرت یاد آتی ہے تو ان کی جلد اور دل نرم پڑ جاتے ہیں اور خشیت اور کپکپی کی وہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ پھر کہتے ہیں یہ پوچھا جا سکتا ہے کی " الی " کے ذریعے فعل " لان " کو کیوں متعدی کیا گیا ہے اور اس کا جواب دیتے ہیں "قلت: ضمن معني فعل متعد بالي کانه قيل سکنت ، او اطمانت الي ذکر الله لينة غير متقبضة ، راجية غير خاشية " پھر دوسرا سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ صرف اللہ کی یاد کیوں کہا گیا اللہ کی رحمت کی یاد کیوں نہ کہا گیا ؟ اور اس کے بعد جواب میں کہتے ہیں: "لان اصل امره الرحمة والرافة ، و رحمته هي سابقة غضبه ، فلا صالة رحمته اذا ذکر لم يخطر بالبال قبل کل شي من صفاته الا کونه رؤفا رحيما " ۔ اس کے بعد ذہن کی ایک خلش کو سوال کی صورت میں پیش کرتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے تو صرف جلود کا ذکر کیا اور بعد میں اس کے ساتھ قلوب کو بھی لایا گیا اور اس خلش کو اس طرح دور کرتے ہیں کہ کیونکہ اس خشیت کا محل قلب ہے اس لیے جب خشیت کا ذکر کر دیا گیا تو گویا قلب کا ذکر کر دیا گیا اور اس طرح گویا یہ بات کہی گئی : " تقشعر جلودهم من آيات الوعيد و تخشي قلوبهم في اول وهلة فاذا ذکروا الله و مبني امره علي الرافة والرحمة ، استبدلوا بالخشية رجاء في قلوبهم ، وبالقشعريرة لينا في جلودهم "[16]

عقلی تفسیر کی حدود

قرآن کی عقلی تفسیر کرتے ہوئے زمخشری کا رویہ کتنا معقولیت پسند اور معتدل ہوتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وہ بڑی صفائی اور دیانت داری سے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ عقل محض تخلیق کائنات یا تشریعی امور کے سارے عقدوں کی گرہ کشائی کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ عقل انسانی کی پرواز کے کچھ حدود ہیں جن سے وہ باہر جا نہیں سکتی۔ سورہ فرقان کی آیت ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِى سِتَّةِ أَيَّامٍ [17] کی تفسیر کرتے ہوئے وہ اس حقیقت کی طرف پوری

---

11 سورہ بقرہ: 16

12 الکشاف: 1/ 53

13 سورہ ص: 77

14 الکشاف: 4/ 83

15 سورہ زمر: 23

16 الکشاف: 4/ 16

17 سورہ فرقان: 59

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توجہ کرتے ہیں لکھتے ہیں: " و اما الداعي الي هذا العدد عني الستة دون سائر الاعداد فلا نشك انه داعي حكمة لعلمنا انه لا يقدر تقديراً لا بداعي حكمة و ان كنا لا نطلع عليه و لا نهتدي الي معرفته و من ذلك تقدير الملائكة الذين هم اصحاب النار تسعة عشر ، و حملة العرش ثمانية ، والشهور اثني عشر و السموت سبعا ، و الارض كذلك ، و الصلوات خمسا ، و اعداد النصب و الحدود و الكفارات و غير ذلك . و الاقرار بداعي الحكمة في جميع افعاله و بان ما قدره حق و صواب هو الايمان و قد نص عليه في قوله : وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلنَّارِ إِلَّا مَلَٰٓئِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِيَسْتَيْقِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ وَيَزْدَادَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِيمَٰنًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَٱلْكَٰفِرُونَ مَاذَآ أَرَادَ ٱللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ ثم قال وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وهو الجواب ايضاً في انه لم يخلق في لحظه و هو قادر علي ذلك "[18] جس کا ما حصل یہ ہے کہ مذکورہ تمام اشیاء کے اعداد و شمار کی تہہ میں باری تعالی کی کوئی نہ کوئی حکمت کام کر رہی ہے یہ بات تو یقینی ہے ، اور پروردگار عالم کے تمام افعال کا مبنی بر حکمت ہونا اور اس کے اندازوں کا تمام تر صحیح ہونا ان دونوں باتوں کا تہہ دل سے اقرار ہی ایمان ہے ، تاہم عقل ان امور کی حقیقت اور کنہ تک رسائی سے معذور ہے اور یہی نہیں بہت سے ایسے دوسرے سوالات ہیں جن کی بابت انسانی دماغ کوئی بھی فیصلہ کن جواب دینے سے مجبور ہے مثال کے طور پر یہی سوال کہ عالم کو ایک دم پیدا کیوں نہیں کر دیا گیا نقل کی اس محدودیت کا اقرار زمخشری جیسے معتزلی اور عقلیت پسند کی طرف سے ایک صحت مند طرز فکر کا آئینہ دار ہے۔

قرآنی ایجاز کی عقلی تفاصیل

قرآن ایجاز کا شاہکار ہے ۔ اس کے الفاظ میں معنی کی ایک دنیا آباد ہے ، مختصر الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں وسیع ترین پہنائیاں سمیٹ دی گئی ہیں ۔ اس ایجاز کی تفصیل کرتے وقت زمخشری کے جوہر کھلتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن پر کتنی گہرائی سے تدبر کیا ہے ۔ کشاف میں اس طرح کے مقامات تفسیر کے بعض بہترین نمونوں میں سے ہیں ۔ ان مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل انسانی صحیفہ الٰہی کی غواصی کر کے معنی کے کیا کیا آبدار موتی کس کس طرح بر آمد کرتی ہے ۔ قرآن میں متقین کی شان بتائی جاتی ہے " و يقيمون الصلوة "[19] زمخشری کو اس مختصر سے جملے میں معنی و مفاہیم کا ایک بے پناہ سیلاب مچلتا نظر آتا ہے ۔ ان مختصر الفاظ میں کیا کیا معنی پوشیدہ ہیں زمخشری کے الفاظ میں سنیے : " و معني اقامة الصلوة : 1 تعديل اركانها و حفظها من ان يقع زيغ في فرائضها و سننها و آدابها من اقام العود اذا قومه . 2 او الدوام عليها و المحافظه عليها كما قال عزو علا . الذين هم علي صلاتهم دائمون ، و الذين هم علي صلاتهم يحافظون ، من قامت السوق اذا نفقت و اقامها ، قال

اقامة غزالة سوق الضراب
لاهل العراقين حولا قميطا

لانها اذا حوفظ عليها كانت كالشئ النافق الذي تتوجه اليه الرغبات و يتنافس فيه المحصلون و اذا عطلت و اضيعت كانت كالشئ الكاسد الذي لا يرغب فيه . 3 او التجلد و التشمر لادائها و ان لا يكون في موديها فتور عنها والتوان . من قولهم قام بالامر و قامت الحرب علي ساقها و في ضدي قعد عن الامر و تقاعد عنه اذا تقاعس و تثبط . 4 او ادائها فعبر عن الاداء بالاقامة لان القيام بعض اركانها كما عبر عنه بالقنوت و القيام و بالركوع و بالسجود و قالوا سبح اذا صلي لوجود التسبيح فيه فلو لا انه كان من المسبحين "[20]

مختصر یہ کہ اقامت صلوۃ سے مراد تعدیل ارکان ، فرائض ، سنن اور آداب کی رعایت کے ساتھ ادائیگی اس کی محافظت اور اس کی مداومت ، اس کی ادائیگی میں بھرپور کوشش کرنے سے لے کر محض ایک فریضہ کی ادائیگی تک تمام ہی مفاہیم مراد ہو سکتے ہیں ۔ زمخشری ان مفاہیم کے لیے کلام عرب اور خود کلام اللہ سے استشہاد کرتے ہیں جس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ عربی اور محاورے پر انہیں کتنا عبور حاصل ہے۔

جملوں کا ربط و نظم

زمخشری کی عقلی تربیت کا مظاہرہ ایسی آیات کی تفسیر میں بڑی عمدگی سے ہوتا ہے جہاں جملوں کا باہمی ربط اور نظم و نسق کلام زیر بحث ہو ۔ قرآن میں آتا ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ جواب دیا گیا قُلْ مَآ أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ[21] اس سوال و جواب میں کیا مناسبت ہے ؟ سوال اس بابت ہے کہ کیا چیز دی جائے جواب دیا جاتا ہے فلاں فلاں کو دو۔ زمخشری بتاتے ہیں " قلت : قد تضمن قوله ما انفقتم من خير " بيان ما ينفقونه و هو كل خير و بني الكلام علي ما هو اهم و هو بيان المصرف لان النفقة لا يعتدبها الا ان تقع موقعها . قال الشاعر

ان الصنيعة لا تكون صنيعة
حتي يصاب بها طريق المصنع "[22]

---

18 الکشاف: 228/3

19 سورہ بقرہ: 3

20 الکشاف: 21/1

21 سورہ بقرہ: 215

22 الکشاف: 195/1

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گویا قرآن نے نہ صرف یہی بتا دیا کہ دینا کیا چیز ہے بلکہ اس سے اہم تر مسئلے کو بھی واضح کر دیا اگرچہ اس بارے میں دریافت نہیں کیا گیا تھا تاہم جس کے بغیر دینا دینے کے شمار میں نہ آتا۔

اسی طرح سورہ نساء کی آیت وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا[23] کے بارے میں زمخشری سوال اٹھاتے ہیں کہ مریض، مسافر، محدث اور جنب کو ایک سلسلہ بیان میں کیوں منسلک کر دیا گیا ہے جبکہ مرض و سفر اسباب رخصت ہیں، حدث سبب وجوب وضو اور جنابت سے غسل واجب ہوتا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں پر طہارت واجب ہو چکی ہو لیکن وہ پانی کا استعمال نہیں کر سکتے ایسے لوگوں کو باری تعالیٰ کی طرف سے تیمم کی رخصت عطا فرمائی جا رہی ہے چنانچہ ان لوگوں میں سے مریضوں اور مسافروں کو پہلے مخصوص کیا گیا کیونکہ رخصت کے جتنے اسباب ہیں ان میں سے مرض اور سفر باقی دوسرے تمام اسباب پر اس اعتبار سے اولیت دیے جانے کے مستحق ہیں کہ یہ بار بار اور بہت زیادہ پیش آتے ہیں، اس کے بعد عام طور پر ان سب کا ذکر کر دیا گیا جن پر طہارت واجب ہو اور وہ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہوں خواہ کسی دشمن یا درندے کے خوف کی بناء پر خواہ پانی حاصل کرنے کا ساز و سامان نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی ایسی جگہ ہونے کی وجہ سے جہاں پانی نہ ملتا ہو یہ ایسے امور ہیں جو مرض و سفر کی طرح کثیر الوقوع نہیں۔[24]

قرآن تناقص سے پاک ہے

قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ تناقص و اختلاف سے پاک ہے اور یہ بات اس کے وحی الٰہی ہونے کی دلیل ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾[25] تاہم قرآن میں ایسے کتنے ہی مقامات ہیں جہاں قلت تدبر کی وجہ سے تناقص و اختلاف کا شبہ ہو سکتا ہے زمخشری ایسے تمام مقامات پر تفصیلی کلام کر کے عبارت کی ایسی وضاحت کرتے ہیں جو عقل سلیم کے نزدیک قابل قبول ہو سکے تا کہ قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے دعوے پر کوئی غبار نہ آ سکے۔ غزوہ بدر کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں سوہ آل عمران میں آتا ہے قَدْ كَانَ لَكُمْ ءَايَةٌ فِى فِئَتَيْنِ ٱلْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَٰتِلُ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْىَ ٱلْعَيْنِ ۚ[26] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو مسلمانوں کی تعداد دو چند معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اسی واقعے کی بابت سورہ انفال میں آتا ہے وَيُقَلِّلُكُمْ فِىٓ أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِىَ ٱللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ[27] جس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار کو مسلمانوں کی تعداد کم معلوم ہوتی تھی بظاہر یہ تناقص ہے۔ زمخشری بتاتے ہیں کہ ایسا نہیں کم اور زیادہ کر کے دکھانے کے یہ واقعے دو علیحدہ اور مستقل واقعے ہیں اور دو مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں۔ کفار کو مسلمان اس وقت تک کم نظر آتے رہے جب تک مقابلے اور مقاتلے کی ابتداء نہ ہو گئی۔ جنگ کی شروعات ہو جانے کے بعد انہیں مسلمانوں کی تعداد اور زیادہ معلوم ہونے لگی اور انہیں ہزیمت ہو گئی۔ اس طرح دو گونہ مقاصد حاصل کیے گئے۔ کفار کو مسلمانوں کی قلت تعداد کی وجہ سے جرات دلا کر ان سے جنگ پر آمادہ کر دینا اور بعد میں مسلمانوں کا رعب ان پر طاری کر کے انہیں مغلوب کر دینا۔[28]

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کے سانپ بن جانے کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے سانپ کے لیے کہیں تو "جان"[29] کا لفظ استعمال کیا ہے کہیں "حیة"[30] اور کہیں "ثعبان"[31] کا ظاہر ہے کہ یہ سارے الفاظ ایک ہی واقعہ اور ایک ہی شئے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں ثعبان اژدہے کے لیے آتا ہے، جان پتلے سانپ کو کہتے ہیں اور حیة ہر سانپ کو کہہ سکتے ہیں۔ پہلے دو الفاظ میں کھلا ہوا تضاد معلوم ہوتا ہے مگر زمخشری بتاتے ہیں کہ یہاں بھی در حقیقت تضاد نہیں چنانچہ اعتراض کو ان الفاظ میں نقل کر کے "فان قلت: كيف ذكرت بالفاظ مختلفة بالحية، و الجان، و الثعبان؟" جواب دیتے ہیں "قلت: اما الحية فاسم جنس يقع الذكر و الانثي و الصغير و الكبير و اما الثعبان و الجان فبينهما تناف، الان الثعبان العظيم من الحيات، و الجان الدقيق، و في ذلك وجهان احدهما: انها كانت وقت انقلابها حية تنقلب حية صفراء دقيقة، ثم تتورم و تتزايد جرمها حتي تصير ثعبانا، فاريد بالجان اول حالها، و بالثعبان مآلها. الثاني: انها كانت في شخص الثعبان و سرعة حركة الجان و الدليل عليه قوله تعالي: فلما راها تهتز كانها جان"[32] یعنی ان دو الفاظ سے یا تو اس کی حالت کی

---

23 سورہ نساء: 43
24 الکشاف: 398/1
25 سورہ نساء: 82 و نیز دیکھیے الکشاف: 418/1
26 سورہ آل عمران: 13
27 سورہ انفال: 44
28 الکشاف: 176/2
29 سورہ نمل: 10، قصص: 31
30 سورہ طٰہٰ: 20
31 سورہ اعراف: 106، سورہ شعراء: 32
32 الکشاف: 45/3

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبدیلی کے دو مرحلوں کی طرف اشارہ ہے یا اس کے جسم اور حرکات کی دو مختلف صفات کا بیان مقصود ہے جو ایک جگہ بہر حال جمع ہو سکتی ہے چنانچہ ان میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

سورہ رحمٰن کی آیت: فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾[33] اور وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾[34] کی تفسیر کرتے ہوئے سوال اٹھاتے ہیں کہ اس آیت کا مضمون فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾[35] جیسی آیات کے خلاف پڑتا ہے اس کی توجیہ کیا ہو گی؟ جواب میں کہتے ہیں " قلت: ذلك يوم طويل فيه مواطن. فيسالون في موطن ولا يسالون في آخر. قال قتادة قد كانت مسئلة، ثم ختم على افواه القوم وتكلمت ايديهم وارجلهم بما كانوا يعملون۔ وقيل لا يسال عن ذنبه ليعلم من جهته، ولكن يسال سؤال التوبيخ"[36] یعنی یا تو یہ دو مختلف مواقع کی بات ہے یا اس بات کا اظہار کہ خدا سوال اپنی لاعلمی کو دور کرنے کے لیے نہیں بلکہ زجر و توبیخ کے لیے کرے گا۔

قرآن و حدیث میں تضاد نہیں

زمخشری اپنی ان کوششوں کو صرف قرآنی آیات تک محدود نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک احادیث کی حیثیت قرآن کے بیان و تفسیر کی ہے اس لیے جہاں کہیں قرآن و حدیث میں تناقص کا گمان ہو سکتا ہے زمخشری اسے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عقلی طور پر ذہن کو مطمئن کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں۔ سورہ النساء میں آتا ہے أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾[37] جس سے اس بات کی مخالفت نکلتی ہے کہ کوئی اپنے تزکیہ و تقویٰ کا دعویٰ کرے۔ لیکن حدیث کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " و الله اني لامين في السماء امين في الارض " آپ کا یہ عمل بظاہر آیت سے ٹکراتا ہے۔ زمخشری بتاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے یہ دو مختلف امور ہیں جن میں باہم کوئی تضاد نہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اپنی برات میں اس وقت کہی تھی کہ جب منافقوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں آپ ﷺ سے انصاف برتنے کا مطالبہ کیا تھا ان منافقوں کا آپ ﷺ کو خلاف انصاف امر کا مرتکب ہونے کا ملزم گردانا ایک ایسی چیز تھی جو براہ راست باری تعالیٰ کے ان فرامین سے متصادم تھی جو اس نے صراحت سے نبی ﷺ کی رفعت و عظمت کے سلسلے میں نازل فرمائے (اس طرح گویا انہیں تنبیہ کرنا مقصود تھی کہ ان کا یہ عمل قرآن کی تردید کر رہا ہے) پھر کہتے ہیں: " و شتان من شهد الله له بالتزكية. و من شهد لنفسه او شهد من لا يعلم"[38]

اسی طرح سورہ فتح میں مومنوں کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر صاف نمایاں ہوتے ہیں سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ[39] لیکن رسول اللہ ﷺ سے ایک روایت منقول ہے " لا تقلبوا صوركم " جس کا مفہوم ہے اپنی صورتوں کو نہ بدلو یا نہ بگاڑو۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر سے بھی اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھ کر جس کے چہرے پر سجدوں کے نشان نمایاں تھے یہ کہا " ان صورة وجهك انفك فلا تقلب وجهك و لا تشن صورتك " اس دونوں باتوں کی توجیہ کیا کی جائے۔ ان روایات میں تطبیق و توفیق دینے کے لیے زمخشری کہتے ہیں کہ مذکورہ ممانعت اس صورت کے لیے ہے کہ جب کوئی از راہ ریا و نفاق اپنی پیشانی کو گھس کر اس پر نشان ڈال لے اور قرآن جس چیز کا ذکر کر رہا ہے وہ ان مخلص سجدہ گزاروں کے لیے ہے جو صرف رضاء الٰہی کے لیے سجدے کرتے ہیں ان کی شان دوسری ہے۔[40]

آیات سے استنباط

زمخشری ایک ماہر فقیہ بھی ہیں، وہ آیات قرآنی سے احکام فقہیہ کے استخراج و استنباط کی بڑی قابلیت رکھتے ہیں اور اپنی اس مہارت کی بناء پر قرآن مجید سے بعض نہایت دلچسپ امور کا استخراج کرتے ہیں مثلاً سورہ نساء کی آیت: أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ[41] سے جابر و ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا جواز نکالتے ہیں کہتے ہیں: " فردوه الي الله و رسوله اي ارجعوا فيه الي الكتاب والسنة، وكيف تلزم طاعة امراء الجور وقد جرح الله الامر بطاعة اولي الامر بما لا يبقي معه شك و هو ان امرهم اولا باداء الامانات وبالعدل في الحكم و امرهم اخرا بالرجوع الي الكتاب و السنة فيما اشكل وامراء الجور لا يؤدون امانة ولا يحكمون بالعدل و لا يردون شيئا الي كتاب و لا الي سنة.. انما يتبعون شهواتهم حيث ذهبت بهم فهم منسلخون عن صفات الذين هم اولو الامر عند الله و رسوله و احق

---

33 سورہ رحمٰن: 39
34 سورہ الصافات: 24
35 سورہ حجر: 92
36 الکشاف: 4/358 - 359
37 سورہ النساء: 49
38 الکشاف: 1/403
39 سورہ فتح: 29
40 الکشاف: 4/275
41 سورہ نساء: 58

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اسمائهم اللصوص المتغلبة" [42] یعنی اس آیت سے جابر و ظالم کی اطاعت کیسے بازی قرار دی جا سکتی ہے۔ اطاعت اولی الامر کو تین شرطوں پر موقوف رکھا گیا ہے کہ اولاً وہ امانت کو صحیح طور پر ادا کریں، ثانیاً اپنے فیصلوں میں عدل و انصاف سے کام لیں، ثالثاً پیچیدہ اور مشکل امور میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کریں۔ جابر و ظالم حکمرانوں کا حال یہ ہے کہ وہ ان تینوں میں سے کوئی کام کر نے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی شہوات و خواہشات کی تسکین میں مصروف رہتے ہیں اور اس طرح وہ خود اللہ اور رسول کی نظر میں اس لفظ اولوا الامر کا مصداق بننے کے مستحق نہیں ایسے لوگوں کا صحیح نام تو صرف بر سر اقتدار چوروں ڈاکوؤں کا گروہ ہو سکتا ہے۔

اس کی ایک دوسری اچھی مثال وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ [43] کی تفسیر ہے۔ اس آیت سے زمخشری قیاس کی صحت پر دلیل کا استنباط کرتے ہیں کہتے ہیں: "و في هذا دليل على صحة القياس حيث جعلهم في ترك قياس النشاة الاخرى على الاولى" [44] دوسری زندگی کو پہلی پر قیاس نہ کرنے کی بناء پر ان لوگوں کو مورد عتاب ٹھہرایا گیا یہ بات خود قیاس کی صحت پر دلیل ہے۔ اسی طرح عقلی استدلال و دلیل پر عمل کرنے اور تقلید سے باز رہنے کی ہدایت زمخشری کو سورہ طٰہٰ کی آیت فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾ [45] میں نظر آتی ہے، کہتے ہیں: "و في هذا حث عظيم على العمل بالدليل و زجر بليغ عن التقليد و انذار بان الهلاك والردى مع التقليد و اهله" [46]

اس صلاحیت کا غلط استعمال

مذکورہ صلاحیت بعض اوقات جب اپنی حدود سے متجاوز ہوتی ہے تو عجیب و غریب نتائج و دعاوی بر آمد ہوتے ہیں جن کی زمخشری جیسے فہیم آدمی سے توقع نہیں رکھی جاتی۔ مثال کے طور پر سورہ نحل کی آیت وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۩ ﴿٥٠﴾ [47] سے زمخشری یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ملائکہ بھی مکلف ہیں حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: "فيه دليل علي ان الملائكة مكلفون مدارون علي الامر و النهي و الوعد و الوعيد كسائر المكلفين و انهم بين الخوف و الرجاء" [48] اسی طرح سورہ رحمن کی آیت فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ [49] کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں: "و هذا دليل على ان الجن يطمثون كما يطمث الانس!" [50]

کشاف کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی جائزہ

کشاف تفسیر کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کو بعض اعتبارات سے پورے تفسیری ادب میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ یہ وہ پہلی تفسیر ہے جو طرز (فتقلہ) پر لکھی گئی۔ اس سے پہلے تفسیر کی کتابوں میں یہ پابندی نہ تھی کہ پیش کردہ معنی و مطالب پر ہوسکنے والے اعتراضات کی تقریر کر کے انہیں دفع کیا جائے۔ یہ زمخشری کے جدت پسند ذہن کی پیداوار ہے کہ وہ آیات قرآنی کا مفہوم پیش کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اس تفسیر پر جو بھی اعتراضات کسی نقطہ نظر سے ہو سکتے ہیں اور قاری کے ذہن میں خلش پیدا کر سکتے ہیں خواہ وہ عقلی ہوں یا نقلی، لغوی ہوں یا نحوی، بلاغی ہوں یا کلامی، زمخشری "فان قلت" کے الفاظ کے ساتھ ان کی ایک جامع مگر مختصر تقریر کرتے ہیں اور اس کے بعد قلت کہہ کر ان سارے اشکالات کو حل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح کشاف کے پڑھنے والے کے ذہن و عقل کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ زمخشری کے اس اسلوب تحریر کی بناء پر ہی اس کو طرز "فتقلہ" کہا جانے لگا دیکھا جائے تو یہ چیز بھی زمخشری کی صحت مند عقلیت پسندی ہی کا مظاہرہ ہے۔

اہم ترین بات یہ ہے کہ یہی وہ پہلی تفسیر ہے جس نے فن معانی و بیان کے اصولوں کا انطباق قرآن کی آیات کی تفسیر پر کیا قرآن کی زبان و بیان کی لطافتوں اور نزاکتوں سے دنیا کو روشناس کرایا اور عملی طور سے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن اپنے نظم و اسلوب اور معنی و مفاہیم کے اعتبار سے ایک عظیم معجزہ ہے اور اس کی نظیر و مثیل ممکن نہیں۔ قرآن کا وہ مسحورکن نفسیاتی اور معنوی حسن و جمال جس کا نظارہ بلاغت قرآنی کے دقائق و رموز کی پردہ کشائی پر منحصر تھا اسے کشاف ہی نے عام کیا۔ اسالیب قرآنی کے بحر عمیق میں معنی کے جو آبدار موتی پنہاں ہیں ان کی غواصی لوگوں نے اسی تفسیر کے ذریعہ سیکھی۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اعتراف ہر ایک کو کرنا پڑا موافق ہوں یا مخالف اس بارے میں ہر شخص زمخشری کی پیش روی اور امامت تسلیم کرنے اور کشاف کے بے مثل ہونے کا اقرار کرنے اور اس سے خوشہ چینی پر مجبور ہے۔ تفسیر کا یہ بلاغی رجحان اگرچہ کلامی

---

42 الکشاف: 405/1
43 سورہ واقعہ: 62
44 الکشاف: 270/4
45 سورہ طٰہٰ: 16
46 الکشاف: 44/3
47 سورہ نحل: 49 - 50
48 الکشاف: 475/2
49 سورہ رحمن: 56
50 الکشاف: 360/4

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رجحان کے مقابلے میں کشاف میں ثانوی حیثیت سے ابھرا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کشاف میں پائے جانے والے رجحانات میں سب سے طاقت ور رجحان یہی ہے اور اسی نے کشاف کو آج تک زندہ رکھا ہے اگر اس معتزلی تفسیر میں یہ بے مثال خصوصیت نہ ہوتی تو اس کا انجام بھی شائد دوسری معتزلی تفاسیر سے کچھ مختلف نہ ہوتا جو ہمیشہ کے لیے پردہ خفاء میں مستور ہو گئیں اور آج جن کے نام کے علاوہ ہم اور کچھ نہیں جانتے۔

کشاف کا کارنامہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس نے بلاغی رجحان کو ایک نہایت مؤثر عنصر کی حیثیت سے فن تفسیر میں داخل کر دیا اور اعجاز القرآن کی بحث کو ایک فیصلہ کن مرحلے پر لا کھڑا کر دیا ، بلکہ اس کے ذریعہ سے فن بلاغت کے دونوں شعبوں ۔ معانی و بیان ۔ میں ایسے بے مثل اور بیش بہا نئے اضافے ہوئے جنہوں نے اس فن کو نئی وسعتیں ، گہرائی اور گیرائی بخشی اور جن پر یہ فن بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔

علاوہ بریں کشاف میں عقلی طرز تفسیر کے بھی نہایت پاکیزہ نمونے ملتے ہیں ۔ عقلی تفسیر کی حدود ، قرآن اور عقل کے باہمی ربط و تعلق پر کلام کے سلسلے میں کشاف کا رویہ نہایت معتدل ہے ۔ آیات سے مختلف امور کا استنباط بھی ایسا امر ہے جس کے بارے میں ایک منصف مزاج کشاف کو سراہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ان ساری خوبیوں کے باوجود کشاف کا رخ روشن بد نما داغوں سے پاک نہیں ۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ کشاف کی تالیف کے مقاصد بنیادی طور پر دو ہی ہیں : اولاً اعتزال کی خدمت ، ثانیاً اعجاز قرآنی کا اثبات معانی و بیان کے اصولوں کے مطابق اور اس کی شرح و تفصیل ۔ ان میں بھی زمخشری کی نظر میں اولیت پہلے ہی مقصد کو حاصل ہے ، دوسرا ثانوی حیثیت کا حامل ہے ۔ کلامی یا فرقہ واری طرز تفسیر کے خمیر میں جیسا کہ اس سے پہلے بتایا گیا کچھ خامیاں پائی جاتی ہیں جن کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے کہ ان کو دور کرنے کا مطلب خود اس طرز تفسیر کے استیصال کے ہم معنی ہے ۔ کلامی طرز تفسیر کے یہ سارے نقائص اپنی پوری شدت اور ناہمواریوں کے ساتھ کشاف میں موجود ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ کشاف اصولی طور پر اسی رجحان کی پیداوار ہے ۔ زمخشری کا مطمح نظر یہ ہے کہ قرآن کی زبان سے معتزلی اصول و عقائد کا اثبات و تائید کرائی جائے ۔ وہ تفسیر کی بنیاد ہی اپنے اس خود ساختہ تفسیری اصول پر رکھتے ہیں کہ آیات محکمات وہ ہیں جو اصول اعتزال کی تائید کریں اور قرآن کی ہر وہ آیت متشابہ ہے جو کسی درجے میں ان اصولوں سے متصادم ہو ، چنانچہ وہ ان متشابہات کی اسی تاویل و توجیہ کو معقول اور قابل قبول سمجھتے ہیں جو پہلی قسم کی آیات بالفاظ دیگر معتزلی اصولوں سے ہم آہنگ ہو ۔ ظاہر ہے جو تفسیر اس اصول کو پیش نظر رکھ کر کی جائے گی اس میں تاویل و توجیہ کا ہر وہ حربہ آزمایا جائے گا جس سے کار براری کی توقع ہو سکتی ہے ۔ اس طرح کی تفسیر اس مخصوص فرقے کی کلامی کتاب بن کر رہ جاتی ہے جس کے اصولوں کو بنیاد بنا کر آیات قرآنی پر تاویل کا عمل جراحی کیا جا رہا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں معتزلہ کی وہ کلامی کتابیں در خور اعتناء نہ سمجھی گئیں جو فنی نقطہ نظر سے لکھی گئی تھیں اور ان میں سے علاوہ چند ایک کے سبھی ضائع ہو گئیں وہاں ان کی کلامی تفسیریں بھی اسی انجام سے دوچار ہوئیں ، کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ تفاسیر ایک دوسرے روپ میں در حقیقت معتزلی علم کلام ہی کی کتابیں تھیں اور جیسا ہم نے ابھی بتایا کشاف بھی غالباً اسی حادثے کا شکار ہوتی اگر اس میں بلاغی رجحان اور معانی و بیان کی بنیاد پر اعجاز القرآن کے اثبات کا عدیم النظیر پہلو بھرپور طریقے پر نہ پایا جاتا ۔ کلامی تفسیر سے حقیقی دلچسپی صرف اسی مخصوص فرقے کے پیرو کو ہو سکتی ہے جس کی تائید میں وہ لکھی گئی ہے یا زیادہ سے زیادہ اس محقق کو جو فن کلام کا مطالعہ تقابلی بنیادوں پر کرنا چاہتا ہو اور اس فن میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا آرزو مند ہو ایک ایسے شخص کی نظر میں جو قرآن کے مفہوم و مدعا کو اس کی اصل شکل میں سمجھنا چاہتا ہو اس طرح کی تفسیر کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ، بلکہ اس کے بر خلاف واقعہ یہ ہے کہ کلامی طرز تفسیر کی حیثیت سعی نا مشکور یا جہد مذموم سے زیادہ نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ کشاف کو بھی نقد و جرح کا موضوع عموماً اسی وجہ سے بنایا گیا ہے اور اس کا یہی پہلو زیادہ تر ہدف اعتراضات بنا ہے ۔ کشاف کے کلامی رجحان کا تحقیقی جائزہ اور اس کی معتزلی تکنیک کا مطالعہ اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ کشاف میں کتنے متنوع طریقوں سے آیات کے مفہوم کو اصول اعتزال سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ فنون بلاغت ، لغت ، نحو ، اختلاف قرات اور عقلی توجیہات غرضکہ سارے ہی ممکن حربے اس مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیے گئے ہیں ۔ جہاں ضروری سمجھا گیا ہے وہاں ضعیف روایات سے احتجاج کیا گیا ہے ۔ جانب مخالف کی صحیح اور قوی روایات کی تضعیف یا کم از کم ان کی صحت اور قوت کو مشکوک کرنے کی کوشش کی گئی ہے ، الفاظ کے ایسے مفاہیم کو ترک کیا گیا ہے جن پر نقل صحیح سے حجیت قائم کی جا سکتی ہے ۔ الفاظ کے معنی میں کبھی کبھی توسیع کا عمل بھی کیا گیا ہے ۔ مجاز اور تمثیل و تخیل کے اسالیب سے بھی مدد لی گئی ہے ۔ یہ وہ ہتھیار ہیں جن میں سے بیشتر کو زمخشری کے معتزلی مفسرین اور علماء کلام استعمال کر چکے تھے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ زمخشری فنون بلاغت میں

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے اس اسلحہ خانے میں بعض نئے اور مؤثر ہتھیاروں کا اضافہ کر دیا۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ اپنے پیشروؤں کے مقابلے میں نحو و لغت کے اسرار کے بہت بڑے محرم بھی ہیں اور انہیں زبان و بیان پر ان سے کہیں بہت زیادہ قدرت بھی حاصل ہے اس لیے وہ جو بات کہتے ہیں اس میں زیادہ وزن محسوس ہوتا ہے اور اس میں غلطیوں کی نشاندہی اور اس کی تردید کی جرات بہت کم لوگ اپنے میں پاتے ہیں۔ یہی ادبی اور نفسیاتی وجوہ ہیں۔ جن کی بناء پر ان کی کلامی تشریحات بظاہر زیادہ دل نشیں، معقول اور قابل قبول معلوم ہوتی ہیں اور اس طرح معتزلہ کے کلامی مسلک کے فروغ پانے اور اسے تسلیم کرا لیے جانے کے مواقع پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہو گئے تاہم یہ بات ماننا پڑے گی کہ اعتزال اور معتزلہ کے نقطہ نظر سے تو یہ ایک خوبی بلکہ سب سے بڑی افادیت ہو سکتی ہے لیکن قرآن کی تفسیر کے طالب علم کے لیے یہی چیز سب سے زیادہ قابل اعتراض نیز کشاف کی خوبیوں پر پانی پھیر دینے اور اس کے جمال کو داغ دار کر دینے کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ ان ساری باتوں کے باوجود ایک بات کا اعتراف نہ کرنا صریح نا انصافی ہے اور وہ یہ ہے کہ زمخشری کے معتزلی پیشروؤں میں سے بہت سے حضرات نے جہاں اپنی کلامی تفسیروں میں مذکورہ طریقوں کو استعمال کیا وہاں یہ زیادتی کی کہ عربی زبان، محور اور دوسرے لسانی اصول و قواعد کو بھی بے تکلف اعتزال کے اصولوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے، لیکن عربی زبان و ادب کی جو مہارت اور ان کا جو پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق زمخشری کو حاصل تھا، اس نے انہیں کم از کم اس حد تک جانے سے روک دیا۔ انہیں آیات کے مفاہیم کو معتزلی عقائد سے ہم آہنگ کرنے کے لیے سخت ترین لغوی، نحوی، بلاغی اور عقلی کاوش گوارا ہے۔ مگر ایسے مفہوم کو اختیار کرنا جس سے ذوق عربیت ابا کرے کسی قیمت پر منظور نہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ احتیاط ان کے کلامی مسلک کو قابل قبول بنانے میں ان کے بعض پیشروؤں کے بھونڈے طریقوں سے کہیں زیادہ کامیاب ہے۔

تفسیر بالماثور تیسرا اہم رجحان ہے جو کشاف میں ملتا ہے۔ اگرچہ کلامی اور بلاغی طرز تفسیر کے مقابلے میں یہ رجحان دبا ہوا نظر آتا ہے اور اس کا کوئی ایسا حصہ زمخشری کے نزدیک قابل قبول نہیں جو اعتزال سے متصادم ہو، تاہم تفسیر بالماثور کی خاصی مقدار کشاف میں مل جاتی ہے۔ اس طرز تفسیر کی بھی ساری خامیاں کشاف میں موجود ہیں، حالانکہ زمخشری کی عقلیت پسندی اور معتزلی تربیت کے پیش نظر ان سے یہ توقع بے جا نہیں ہے کہ وہ کشاف کو ان خامیوں سے پاک رکھتے۔ تفسیری رادایات کے ذخیرے میں کھوٹے کھرے کی پرکھ کے لیے وہ اپنی تنقیدی صلاحیت کا استعمال بالکل نہیں کرتے۔ مختلف بلکہ متضاد روایات کو صرف پیش کر دینے پر بس کرتے ہیں ان پر تطبیق و توفیق کا عمل کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اس بارے میں وہ اس حد تک تغافل برتتے ہیں کہ ایسی قصصی روایات بھی جن کی لغویت اظہر من الشمس ہے بغیر کسی نقد و جرح کے شامل کر لیتے ہیں۔ سورتوں کے فضائل کے متعلق موضوع روایات پیش کرنے میں انہیں کوئی باک نہیں ہوتا۔ شان نزول کے بارے میں مختلف روایات پیش کر دیتے ہیں اور متعین طور سے کوئی ایک بات نہیں بتاتے۔ ناسخ و منسوخ آیات سے متعلق متضاد روایات کے بارے میں بھی قول فیصل کے طور پر اپنی طرف سے بہت ہی کم کوئی چیز پیش کرتے ہیں۔ اختلاف قرات کے بارے میں ان کا مسلک جمہور علماء سے بالکل الگ ہے کسی قراءت کو مرجح قرار دینے کی وجہ ان کے نزدیک اس کے مفہوم کی قوت و ضعف ہے نہ کہ ازروئے روایت اس کی قوت و ضعف یا اس کا تواتر قراءت متواترہ کے بارے میں ان کا مسلک قابل قبول نہیں۔ تفسیر بالماثور کے بارے میں صرف ایک موقع پر ان کی تنقیدی صلاحیت یقینی طور پر جاگ اٹھتی ہے اور وہ اس وقت جبکہ روایات سے کسی نبی یا رسول کی عصمت پر کوئی حرف آتا ہو۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ ایسے مواقع انہیں تفسیر بالماثور اور اس کی صحت و ضعف سے کوئی ماہرانہ شغف پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معتزلہ عصمت انبیاء کے اثبات کے بارے میں نہایت شدت برتتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو کشاف کا تفسیر بالماثور کا حصہ اس ذخیرے اور رجحان کی بہت ناقص اور گھٹیا نمائندگی کرتا ہے اور بجائے اس کے کشاف میں ان کا شمول زمخشری کی طرف سے لوگوں کو کچھ خوش گمان کرتا سخت ترین تنقیدوں کو دعوت دینے کا سبب بن گیا۔ تفسیر بالماثور کی طرف زمخشری کا رویہ اتنا ڈھیلا ڈھالا اور لا پرواہی کا کیوں ہے؟ اس کے بارے میں غالباً صرف یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ چونکہ وہ تفسیر بالماثور کو اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب وہ ان کے کلامی رجحان سے متصادم نہ ہوتی ہو اور بلاغی طرز پر تفسیر کرنے کی گنجائش بھی نہ ہو، اس لیے وہ بآسانی کسی بھی چیز کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں کوئی چیز ان کی تفسیر کے دو بنیادی پہلوؤں کو، جو ان کا مطمح نظر ہیں، ضرر پہنچانے والی اور اس سے متصادم ہونے والی باقی نہیں رہتی، ورنہ جہاں اس طرح کا تصادم ہوتا ہے مثلاً عصمت انبیاء کے نظریے کے بارے میں وہاں وہ سخت ترین تنقید سے گریز نہیں کرتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کشاف کا روشن ترین پہلو جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے اس کا بلاغی طرز تفسیر ہے تاہم اس سلسلے میں جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر معنی و بیان کے اصولوں کو زمخشری اعتزال کے خادموں کی حیثیت سے استعمال نہ کرتے تو تفسیر کے اس حصے کے حسن میں کچھ اضافہ ہی ہو جاتا۔ اس کے علاوہ " مجاز " اور اس کے استعمالات کے بارے میں زمخشری اگرچہ اجتہادی نظر کے مالک ہیں لیکن کشاف میں انہوں نے مجاز کے ادبی پہلو پر قریب قریب کچھ نہیں لکھا۔ وہ اس سے اعتزال کی چاکری کا کام لینے میں اتنے مصروف رہے کہ اس کے ادبی حسن و جمال کی طرف توجہ کرنے کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ادبی محاسن اور لسانی خوبیاں کشاف میں اعتزال کے بوجھ سے دب کر رہ گئیں۔ زمخشری جیسے امام ادب سے یہ توقع بے جا نہیں ہے کہ انہیں مجاز کی ادبیت کو اس کا صحیح اور جائز مقام دینا چاہیے تھا۔

جہاں تک عقلی طرز تفسیر کا تعلق ہے ہم بتا چکے ہیں کہ اس کے بعض نہایت پاکیزہ اور عمدہ نمونے ہمیں کشاف میں ملتے ہیں تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ کہیں کہیں ان کی عقلی تفسیر اپنی جائز حدود سے باہر نکل جاتی ہے ، اور مضحکہ خیز نتائج بر آمد کرتی ہے۔ اسی طرح کے مواقع شاذ ہی سہی تاہم نگاہ میں کھٹکتے ضرور ہیں۔

کشاف میں ان نقائص کے علاوہ بھی بعض ایسی چیزیں ملتی ہیں جنہوں نے اس کی معنوی خوبیوں کو بری طرح مجروح کیا اور اس کی افادیت کو دھکا پہنچایا۔ کشاف کا ایک غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے والا یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اگر یہ تفسیر اس طرح کی خامیوں اور کمزوریوں سے پاک ہوتی تو اس کے محاسن میں اضافہ ہوتا اور افادیت کا دائرہ کہیں زیادہ وسیع ہو جاتا تاہم ذیل میں اس طرح کے بعض امور کی طرف اشارے کریں گے۔

کشاف پڑھتے وقت قدم قدم پر یہ احساس ہوتا ہے کہ زمخشری نے اپنی تفسیر کو اہل سنت خصوصاً " اشاعرہ " پر سب و شتم کے تیر چلانے کے لیے ایک کمین گاہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ اپنے دل کا بخار نکالنے کے لیے اس طرح کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور طنز و استہزاء کے بغیر ان کا ذکر نہیں کرتے۔ اہل سنت کو زمخشری عموماً " المجبرۃ " ، " الحشویۃ " ، اور " المشبھۃ "[51] کے ناموں سے یاد کرتے ہیں ، کبھی انہیں " المبطلۃ "[52] کہتے ہیں ، کبھی " اہل البدع و الاھواء "[53] کے لقب سے نوازتے ہیں اور کبھی صاف صاف " اعداء اللہ "[54] کہہ دیتے ہیں۔ معتزلہ کو اہل سنت نے قدریہ کہا۔ زمخشری اس لفظ کے معنی میں تصرف کر کے اسے اہل سنت پر الٹ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس امت کے مجوسی یہی لوگ ہیں[55]۔ وہ بار بار اہل سنت پر نہایت درشت انداز میں یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ یہ خدا پر افتراء کرتے ہیں ، قبائح کو اس سے منسوب کرتے ہیں ، تقلید جامد میں مبتلا ہیں ، مکابرے اور مجادلے کے علاوہ انہیں کچھ نہیں آتا ، حقائق کو مسخ کرنا ، بدیہیات کا انکار کرنا اور سچی بات کو نہ ماننا ان لوگوں کا شیوہ ہے۔ یہ اپنے مسلک کے سوا ہر ایک مسلک کو باطل اور فاسد سمجھتے ہیں اور سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے[56]۔ زمخشری اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ جو آیات کفار کے حق میں وارد ہوئی ہیں انہیں اہل سنت پر چسپاں کرتے ہیں[57] اور اس حد تک

---

51 الکشاف : 306/1 " و قیل هم مبتدعوا هذه الامة و هم المشبهة و المجبرة و الحشوية و اشباههم " تفسیر آیت 105 من آل عمران " و لا تکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا "

52 " بسبب اعمالکم لا بالتفضل کما تقول المبطلة " تفسیر آیت 43 من الاعراف " تلکم الجنة اورثتموها بما کنتم تعملون " الکشاف:83/2

53 الکشاف : 318/1 " و لکن اهل البدع و الاهواء یتصامّون و یتعامون عن أیات الله " تفسیر آیت 129 من آل عمران " و لله ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء و الله غفور رحیم "

54 الکشاف : 504/2 " دل علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التی یضیفها الیه اعداء الله " تفسیر آیت 1 من سورۃ الاسراء

55 " و لو لم یکن فی القرآن حجة علی القدریة الذین هم مجوس هذه الامة بشهادة نبیها ﷺ ، و کفی به شهیدا ، الا هذه الاٰیة لکفی بها حجة " الکشاف : 152/4 تفسیر آیت 17 من سورۃ فصلت " و اما قول من زعم ان — فمن تعکیس القدریة الذین یورکون علی الله قدرا هو بریٔ منه و متعال عنه و یحیون لیالیهم فی تحمل الفاحشة ینسبونها الیه " تفسیر آیت 9 – 10 من سورۃ الشمس الکشاف:606/4

56 " فیخبطون خبط عشواء و یطیبون انفسهم بما یفترون " الکشاف : 308/1 تفسیر آیت 129 من سورۃ آل عمران ، " راس ما لهم المکابرة و قلب الحقائق و جحودهم للعلوم الضروریة " الکشاف : 2 تفسیر آیت 88 من سورۃ الاسراء ، " الا ما علیه الفئة الخاسئة المجبرة من تفضیل الانسان علی الملک ، و ما هو الا من تعکیسهم للحقائق و جحودهم للعلوم الضروریة و مکابرتهم فی کل باب " کشاف : 364/2 تفسیر سورہ یوسف : 31 " دل علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التی یضیفها الیه اعداء الله " کشاف : 504/2 تفسیر سورہ اسراء آیت 1 " کا لنا شئ علی التقلید من الحشویة اذا احسّ بکلمة لا توافق ما نشا علیه و الفه و ان کانت اضواء من الشمس فی ظهور الصحة و بیان الاستقامة انکرها فی اول وہلة و اشمأ زمنها قبل ان یحسن ادراکها بحاسة سمعه من غیر فکر فی صحة او فساد لانه لم یشعر قلبه الا صحة مذهبه و فساد اعداه من المذاهب " الکشاف : 272/2 ، تفسیر سورہ یونس:39

57 مثال کے طور پر سورہ آل عمران کی آیت 105 " و لا تکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا " کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلو کرتے ہیں کہ اہل سنت کو دائرہ اسلام ہی سے خارج قرار دے دیتے ہیں [58]۔ دیکھا جائے تو اس طرح کے الزامات فرق تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہیں۔ ایک فرقے نے دوسرے فرقے کے بارے میں ایسی باتیں کہی ہی ہیں۔ زمخشری معتزلی عقائد پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں، ان کے مزاج میں صلابت اور سختی بھی ہے، یہ دونوں ہی باتیں امور مذکورہ کے لیے ذمہ دار قرار دی جا سکتی ہیں۔ تاہم تفسیر میں اس طرح کی باتوں کے شمول نے ایک بہت بڑے گروہ کو ان کی تفسیر سے استفادہ کرنے سے روک دیا اور اہل سنت کی سخت ترین تنقید کا رخ کشاف کی طرف پھیر دیا۔ ابن المنیر وغیرہ نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور کشاف کی قبولیت عامہ میں ان باتوں سے کافی فرق آیا۔

اہل سنت میں سے بھی زمخشری کو اہل تصوف سے خاص تنفر اور بغض و عناد معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے جہاں بھی صوفیاء کا ذکر کیا ہے نہایت مکروہ انداز میں کیا ہے اور انواع و اقسام کے برے القاب اور بد دعاؤں سے انہیں نوازا ہے۔ عشق و محبت الٰہی کے بارے میں ان کے خیالات کو سخت ترین جہالت اور علم دشمنی پر مبنی بتایا ہے۔ ان کے محبت و عشق کے دعوؤں، رقص و غنا اور وجد و سماع کو شریعت کی نظر میں مبغوض ترین شئے اور خود انہیں جاہل اور احمق قرار دیا ہے [59] کرامات اولیاء اللہ کو باطل اور ایک لغو دعویٰ بتایا ہے [60]۔ زمخشری کے عقائد ہی کیا کم تھے ان کے اس طرز عمل نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا اور صوفیاء میں اپنے لیے شدید ترین مخالف پیدا کر لیے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء (م 725ھ) نے یہ بتاتے ہیں کہ صاحب کشاف کا عقیدہ اچھا نہ تھا اور اکابر صوفیاء نے ان کی تفسیر سے لوگوں کو روکا ہے، یہ واقعہ بھی نقل کیا گیا کہ شیخ بہاء الدین زکریا (م 661ھ) نے جو ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کے رائج کرنے والے ہیں اپنے صاحبزادے شیخ صدر الدین کو زمخشری کی المفصل تک پڑھنے کی اجازت نہ دی کیونکہ عالم واقعہ میں اس کتاب کے مصنف کو مبتلائے عذاب دیکھا گیا۔ ان دونوں حضرات کے رویہ سے جن کا شمار مشائخ صوفیاء میں ہے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زمخشری نے اپنے آپ کو اور اپنی تفسیر کو صوفیاء میں کس حد تک نا پسندیدہ اور غیر مقبول بنا لیا اور اس کا کتنا اثر امت کے دوسرے طبقات پر پڑ ہو گا۔

کشاف میں کم از کم دو مواقع ایسے ہیں جہاں زمخشری کا قلم جناب رسالت مآب ﷺ کے ادب و احترام کو پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھ سکا ہے۔ ایک تو جب وہ سورہ تکویر کی تفسیر میں افضل الخلائق علیہ الصلوٰۃ و السلام پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فضیلت دیتے ہیں اور یہ شاخسانہ ہے ان کے اس معتزلی عقیدے کا کہ فرشتہ انسان سے افضل ہے اور دوسرے سورہ توبہ میں جب وہ عَفَا ٱللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ کی تفسیر ایسے الفاظ میں کرتے ہیں جو کسی طرح آنحضور ﷺ کی ذات قدسی صفات کے شایان شان نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی بے احتیاطیاں چاہے تعداد و تکرار کے لحاظ سے نہ ہونے ہی کے برابر کیوں نہ ہوں مگر کشاف سے لوگوں کو بے زار کر دینے کے لیے کافی سے زیادہ ہیں۔

بارے میں لکھتے ہیں " هم اليهود و النصارى " پھر آگے بڑھ کر کہتے ہیں: " و قيل هم مبتدعوا هذه الامة و هم المشبهة ... " الکشاف: 1/306 اسی طرح سورہ یونس کی آیت 39 " بل كذبوا بما لم يحيطوا بعلمه و لما ياتهم تاويله " کے بارے میں یہ لکھنے کے بعد کہ یہ ان مکذبین قرآن کے بارے میں ہے جو قرآن پر غور وفکر کیے بغیر محض تقلید آباء کی وجہ سے قرآن کی تکذیب کرتے ہیں مثال میں اہل سنت کو پیش کر دیتے ہیں " كما لنا شئ على التقليد من الحشوية " الکشاف: 2/272

58 مثلاً سورہ آل عمران کی آیت: 18 " شهد الله انه لا الٰه الا هو و الملائكة و اولوا العلم قائما بالقسط " کی تفسیر میں لکھتے ہیں: " و فيه ان من ذهب الى تشبيه او ما يودى اليه كاجازة الرؤية . او ذهب الى الجبر الذى هو محض الجور، لم يكن على دين الله الذى هو الاسلام و هذا بين جلى كما ترى " الکشاف: 1/265 اور ربوبیت الٰہی کے قائلین، نظریہ قدر کے مخالفین اور تنزیہ کے معتزلی مفہوم کو نہ ماننے والوں کو دین اسلام سے خارج قرار دے دیتے ہیں۔

59 سورہ مائدہ کی آیت 54 " فسوف ياتى الله بقوم يحبهم و يحبونه " کی تفسیر میں لکھتے ہیں " محبة العباد لربهم طاعة و ابتغاء مرضاته ، و ان لا يفعلوا ما يوجب سخطه و عقابه و محبة الله لعباده ان يثيبهم احسن الثواب على طاعتهم و يعظمهم و يثنى عليهم و يرضى عنهم و اما ما يعتقده اجهل الناس و اعدائهم للعلم و اهله و امقتهم للشرع و اسراهم طريقة و ان كانت طريقتهم عند امثالهم من الجهلة و السفهاء شيئاً و هم الفرقة المفتعلة المتعفلة من الصرف و ما يدينون به من المحبة و العشق ، و التغنى على كراسيهم خربها الله ،.و فى مراقصهم عطلها الله ، بابيات الغزل المقولة فى المردان الذين يسمونهم شهداء ، و صعقاتهم التى اين عنها صعقة موسىٰ عندك الطور ، فتعال الله عنه علوا كبيرا " الکشاف: 1/503 - 504

60 سورہ جن کی آیت: 26 " عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احداً " کی تفسیر میں کہتے ہیں: " يعنى : انه لا يطلع على الغيب الا المرتضى الذى هو مصطفىٰ للنبوة خاصة ، لا كل مرتضى ، و فى هذا ابطال الكرامات لان الذين تضاف اليهم و ان كانوا اولياء مرتضين فليسوا برسل ، و قد خص الله الرسل من بين المرتضين بالاطلاع على الغيب " الکشاف: 4/506، ابن المنیر اس استدلال پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں: دعویٰ عام اور دلیل خاص " ادعى عاما و استدل خاصة فان دعواه ابطال الكرامات بجميع انواعها ، و المدلول عليه بالاية ابطال اطلاع الولى على الغيب خاصه " الانتصاف علی حاشیہ الکشاف: 4/506

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور فن تفسیر

نبی اکرم علیہ افضل التحیات و الصلوات نے ارشاد فرمایا ہے:

" مثل امتي مثل المطر[1] لا يدري اوله خير ام اخره-"

" میری امت کی مثال (نفع رسانی میں) بارش جیسی ہے، جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ بہتر ہے یا آخری۔"

امت مرحومہ کی پوری تاریخ اس فرمان نبوی ﷺ کی صداقت پر گواہ ہے، تاریخ رجال پر جس کی ادنیٰ سی بھی نظر ہے اسے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہو گا کہ تقریباً ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ کے اندر ایسے افراد پیدا کیے ہیں جن سے بڑا فیض پہنچا، اصحاب دعوت وعزیمت کے تذکروں پر نگاہ رکھنے والوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہمارے عصر کی یا قریبی زمانہ کی فلاں شخصیت سے اللہ تعالیٰ نے جو مسبب الاسباب ہے، عقائد، عبادات، معاملات، تہذیب و معاشرت اور تعلیم وتربیت کے بارے میں امت کی خیر خواہی اور اصلاح کا جو کام جس پیمانہ پر لیا ہے اور جس درجہ اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں، وہ کیا اس سے پہلے خیر القرون کے بعد کسی اور شخص اور جماعت سے لیا تھا یا نہیں؟ ایسی ہی ایک عظیم شخصیت جس کے مختلف النوع کارناموں اور ہمہ گیر اثرات کی بناء پر اسے بہت سے متقدمین پر بھی عظمت وبرتری حاصل ہے، شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی کی بھی ہے، اگر ان کے تمام کارناموں سے قطع نظر صرف بعض کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو اس کے لیے بھی دفتر درکار ہو گا، اس لیے راقم کے لیے یہ بھی فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ شیخ کی زندگی کے کس پہلو پر گفتگو کرے اور کسے چھوڑے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

بہت غور و تامل کے بعد راقم نے " ابن تیمیہ اور تفسیر " کا موضوع منتخب کیا جو اس کے ذوق سے بھی مناسب ہے، اور صاحب تذکرہ کے علمی مرتبہ کے اعتبار سے بھی موزوں ہے، لیکن ایک مقالہ میں اس موضوع کا حق ادا ہونا مشکل ہے۔

مختلف علوم کا تجزیہ

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی شاید بے محل نہ ہو کہ علوم دینیہ اور فنون عالیہ میں غالباً تفسیر ہی ایک ایسا فن ہے جس کے بارے میں اہل نظر کا اندازہ ہے کہ وہ ابھی تک تشنہ و خام ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری (م970ھ) کی کتاب کے حوالہ سے علاء الدین حصکفی (م 1088ھ) نے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو:

" العلوم[2] ثلاثة . علم نضج وما احترق و هو علم النحو و الاصول و علم لا نضج و لا احترق و هو علم البيان و التفسير و علم نضج واحترق وهو علم الحديث والفقه-"

" علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ جو پختہ ہو گیا ہے، لیکن ضرورت سے زیادہ نہیں، یہ علم نحو واصول ہے، دوسری وہ جو نہ ابھی پختہ ہوا نہ اس پر زیادہ محنت ہوئی ہے، یہ علم بیان و تفسیر ہے، اور ایک وہ ہے جو نہ صرف پختہ ہو گیا ہے، بلکہ ضرورت سے زیادہ اس پر کام ہو چکا ہے وہ علم حدیث و علم الفقہ ہے۔"

یہ بیان نہایت بلیغ اور جامع ہے جس میں فن تفسیر کے علاوہ دیگر علوم کا بھی جچا تلا جائزہ لیا گیا ہے، اور جس نے مختلف علوم و فنون بالخصوص فن تفسیر و حدیث کا گہرا اور تقابلی مطالعہ کیا ہے، اس کے لیے اس تجزیہ کا مبنی بر حقیقت ہونا محتاج دلیل نہیں۔

شیخ کا فن تفسیر میں درجہ

اس پس منظر میں شیخ الاسلام کی فن تفسیر سے متعلق خدمات کی اہمیت کتنی بڑھ جاتی ہے، اس کا اندازہ کر لینا کسی صاحب فن کے لیے مشکل نہیں، مگر چونکہ عام طور پر شیخ الاسلام کی شہرت ایک محدث ومتکلم یا مناظر و مصلح کی حیثیت سے زیادہ ہے، اس لیے ہو سکتا ہے کہ فن تفسیر میں ان کے بلند درجہ و مرتبہ کے بارے میں کچھ لوگوں کو تعجب ہو لیکن

---

[1] رواه الترمذي، بحواله مشكوٰة: 3/583، باب ثواب هذه الامة - و في المرقاة لملا علي قاري في شرح هذا الحديث قال (الترمذي) هذا حديث حسن غريب و رواه احمد عن عمار بن ياسر و ابن حبان في صحيحه عن سلمان .... قال بعض المحققين حديث "مثل امتي" حديث حسن له طرق قدير تقي بها الي الصحة و نقل القاري عن بعض الشراح لا يحمل هذا الحديث علي التردد في افضل الاول علي الآخر ، فان القرن الاول هم المفضلون علي سائر القرون من غير شبهة .... و انما المراد به نفعهم في بث الشريعة و الذب عن الحقيقة (مرقاة ص 11 / 466 ، مكتبه امداديه ملتان) ۔ عصر حاضر کے مشہور صاحب نظر عالم شیخ البانی نے بھی اپنے حاشیہ مشکوۃ میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے (وھو صحیح لطرقہ) المشکوۃ، ج 3 ص 293 مطبوعہ المکتب الاسلامی دمشق۔

[2] الدر المختار مع الرد المختار : 31/1 (مکتبہ نعمانیہ دیوبند)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ کے علمی کارناموں کی فہرست ہی پر ایک نظر ڈالنے سے اس کے باوزن ہونے کا پتہ چل سکتا ہے، ان کے علوم کی دائرۃ المعارف جو مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نام سے شائع ہوئی ہے اس میں پوری چار پانچ ضخیم جلدیں (تیرہ تاسترہ) صرف فن تفسیر کے مباحث پر مشتمل ہیں، تیرہویں جلد اصولی مباحث کے لیے مخصوص ہے، اس سے پہلے بھی قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے علامہ کے متعدد تفسیری مجموعے شائع ہو چکے ہیں، علاوہ ازیں تقریباً سب معتبر تذکرہ نگاروں نے فن تفسیر میں بھی ان کے اختصاص و امتیاز کا ذکر کیا ہے، ان میں علامہ کے جلیل القدر معاصر تذکرہ نگار بھی شامل ہیں، مثلاً امام ذہبی (م 748ھ) فرماتے ہیں:

"كان آية في الذكاء....... وتقدم في علم التفسير....... (وقد لقبه بعض العلماء الآخرين بحبر القرآن) و قال : و اما التفسير فمسلم اليه و له في استحضار الآيات من القرآن وقت اقامة الدليل بها علي المسئلة قوة عجيبة....... ولفرط امامته في التفسير و عظمة اطلاعه يبين خطا كثير من اقوال المفسرين ويوهي اقوالاً عديدة۔"[3]

"وہ ذہانت میں بہت ممتاز تھے........ اور علم تفسیر میں (بھی) بہت آگے تھے .... بعض دوسرے علماء کی طرح انہیں بھی ماہر قرآن کا لقب دیا گیا تھا، تفسیر میں ان کی حیثیت مسلّم تھی، انہیں آیات قرآنی سے استدلال میں عجیب قدرت حاصل تھی، تفسیر میں اسی امتیاز کی وجہ سے انہوں نے بہت سے مفسرین کی غلطیاں واضح کی ہیں۔"

عصر حاضر کے مشہور بالغ نظر مصنف اور ائمہ اسلام کے افکار و سوانح کے خاص شارح شیخ ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب (ابن تیمیہ حیاتہ و عصرہ) میں لکھا ہے:

" لقد كان المورخون ناقلين عن تلاميذه انه جمع قدرا كبيرا في تفسير القرآن الكريم وقالوا انه يقع في اكثر من ثلاثين مجلداً۔"[4]

"مورخین نے امام ابن تیمیہ کے شاگردوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ موصوف نے قرآن مجید کی تفسیر میں اتنا بڑا ذخیرہ جمع کیا ہے جو تیس جلدوں سے زیادہ میں سمائے گا۔"

طلب علم میں محنت

علامہ کے اس موضوع سے تعلق و انہماک بلکہ اس میں فنائیت کا پتہ خود ان کے اس بیان سے بھی چلتا ہے:

" ربما طالعت علي الآية الواحدة نحو مائة تفسير۔"

"مجھے کبھی کبھی ایک آیت کی تفسیر کے لیے سو تفسیریں دیکھنا پڑیں۔"

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ مطالعہ میں اس قدر شدید ریاضت و مشقت اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور محنتوں کے کمل اور صحیح استعمال پر اعتماد کرنے کے بجائے اللہ علیم و خبیر اور معطی و وہاب کی بارگاہ میں فہم صحیح کے لیے یوں دعا کرتے ہیں: "یا معلم آدم و ابراهیم علمني!" اور اس پر بس نہیں کرتے بلکہ ایسی موثر و قوی دعا کے ساتھ عبدیت اور نیاز مندی کا جو عملی انداز اختیار کرتے تھے وہ اس سے بھی زیادہ قابل توجہ ہے، اسے ان ہی کے الفاظ میں سنیے:

" وكنت اذهب الي المساجد المهجورة ونحوها وامرغ وجهي في التراب واسال الله تعالي واقول يا معلم ابراهيم فهمني۔"[5]

"میں ویران اور غیر آباد مسجدوں میں جا کر اپنی پیشانی مٹی میں رگڑتا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کے معلم! مجھے بھی فہم سلیم کی دولت عطا فرما!۔"

ایسی عبدیت کے اظہار اور انابت کے بعد کریم آقا کی طرف سے بندہ نوازی کیوں نہ ہوتی۔

بچپن کا غیر معمولی واقعہ

اس سلسلہ میں وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس کو علامہ کے ایک شاگرد اور قدیم ترین معاصر تذکرہ نویس حافظ عمر بن علی البزار (المتوفی 749ھ) نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ شیخ الاسلام کے بالکل بچپن اور ابتدائی تعلیم کے زمانہ کا ہے، اس سے ان کی افتادِ طبع کو سمجھنے اور بعد کی ترقیوں اور کمالات کے راز کی پردہ کشائی میں مدد ملتی ہے، جسے انہوں نے شیخ الاسلام کے ایک ابتدائی استاذ (حفظ قرآن کے استاذ) کے حوالہ سے نقل کیا ہے، یہاں اسے مصنف کے الفاظ میں ہی پیش کیا جا رہا ہے:

" قال لي ابوه و هو صبي (اي شيخ الاسلام) احب اليك ان توصيه وقعده بانك ان لم تنقطع عن القراءة و التلقين ادفع اليك كل شهر اربعين درهماً . قال و دفع الي اربعين درهماً و قال اعطه اياها ، فانه صغير و ربما يفرح فيزداد حرصه في الاشتغال بحفظه القرآن و درسه و قل له لك في كل شهر مثلها فامتنع من قبولها و قال يا سيدي اني عاهدت الله تعالي ان لا اخذ علي القرآن اجراً ، و لم ياخذها۔"[6]

"مجھ سے ابن تیمیہ کے والد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں آپ ابن تیمیہ کو نصیحت کریں اور یہ لالچ دیں کہ اگر تم نے پڑھنے میں ناغہ نہیں کیا تو ہر مہینہ تمہیں چالیس درہم دوں گا، یہ کہہ کر انہوں نے مجھے چالیس درہم دیے اور فرمایا کہ یہ انہیں دے دیجیے کیونکہ وہ چھوٹا ہے، اس سے خوش ہوگا اور قرآن مجید کے حفظ

---

[3] بحوالہ پیش لفظ بر مقدمہ فی اصول التفسیر ص 908 (للدکتور عدنان زرزور)

[4] ابن تیمیہ حیاتہ و عصرہ، ص 510، مطبوعہ دار الفکر العربی

[5] ایضاً ص 511

[6] الاعلام العلیہ فی مناقب ابن تیمیہ، ص 45، تالیف الحافظ عمر بن علی البزار، طبعہ ثانیہ (المکتب الاسلامی بیروت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں زیادہ دلچسپی دکھائے گا، اور اس سے کہیے کہ ہر مہینہ یہ رقم ملا کرے گی، لیکن جب استاد نے رقم دی تو انہوں نے اسے لینے سے انکار کیا اور کہا جناب میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ قرآن مجید کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا۔"

اس واقعہ سے جہاں شیخ کے والد ماجد کے حسن تربیت اور جذبہ تحریص علم کا پتہ چلتاہے، وہیں شیخ کی عقل سلیم اور طبع مستقیم کا اندازہ بھی ہوتا ہے، یقیناً اس وقت کے اہل بصیرت شیخ سعدی کی زبان میں پکار اٹھے ہوں گے:

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارہ بلندی

اور بعد کے واقعات سے یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف بلکہ توقع سے کہیں بڑھ کر صحیح اور سچی ثابت ہوئی، یہ توضمناً ایک سبق آموز واقعہ کا ذکر آگیا تھا، اب ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں، علامہ نے پورے قرآن مجید کی تفسیر اگرچہ مصلیۃً نہیں لکھی لیکن جتنا کچھ ذخیرہ محفوظ رہ گیا ہے وہ بھی اس فن میں ان کے صحیح درجہ ومرتبہ کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

شیخ کا طرز تفسیر کیا تھا؟

شیخ کی مجلس درس کے ایک شریک ومستفید حافظ عمر بن علی البزار اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں:

"ولقد كان اذا قرئ في مجلسه آيات من القرآن العظيم يشرع في تفسيرها فينقضي المجلس بجملة والدرس برمته وهو في تفسير بعض آية منها... يفعل ذلك بديهة... وكان غالباً لا يقطع الا ويفهم السامعون انه لو لا مضي الزمن المعتاد لاورد اشياء اخرى في معنى ما هو فيه من التفسير... ولقد املى في تفسير "قل هو الله احد" مجلداً كبيراً و قوله تعالى: " الرحمن على العرش استوى " نحو خمس و ثلاثين كراسة۔"[7]

"شیخ کی مجلس میں قرآن مجید کی آیات پڑھی جاتیں اور وہ اس کی تشریح وتفسیر شروع کردیتے اور پوری مجلس ختم ہو جاتی مگر درس مکمل نہ ہوتا، بلکہ ایک آیت کی بھی پوری تفسیر نہ ہو پاتی، شیخ یہ سب کچھ زبانی اور فی البدیہہ کہتے تھے، اور جب درس ختم ہوتا تھا تو اکثر سامعین کا اندازہ ہوتا کہ اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو وہ ابھی بہت کچھ فرماتے اور تفسیر فرماتے رہتے........ شیخ نے صرف قل ہو اللہ احد کی تفسیر ایک بڑی جلد کے بقدر املا کرائی اور الرحمن علی العرش استوی پر تقریباً پینتیس کاپیاں لکھائیں۔"

اس کے بعد عمر بن علی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر وہ تفسیر مکمل ہو جاتی جو شیخ نے شروع کی تھی تو پچاس جلدوں میں پایہ تکمیل کو پہنچتی۔

تفسیر میں شیخ کی انفرادیت

علامہ ابن تیمیہ کے تفسیری افادات کس قسم کے ہوتے تھے؟ اس کے لیے ہم شیخ ابوزہرہ کا نہایت مختصر مگر جامع قول نقل کرتے ہیں، اس سے ان کے اندازِ تفسیر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

" فان الذي اثر عنه نماذج جيدة للتفسير السلفي قد اختلط بعمق النظر و سلامة الذوق من غير ان يطغي النظر علي الاثر۔"[8]

" علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر کا جو حصہ نقل ہوا ہے وہ سلف (صحابہ وتابعین) کی تفسیر کا عمدہ نمونہ ہے لیکن اسی کے ساتھ اس میں علامہ کا ذوق سلیم اور دقت نظر بھی صاف نمایاں جھلکتا ہے مگر موصوف کا نقطہ نظر صحابہ و تابعین سے منقول اقوال پر غالب نہیں ہو پایا ہے۔"

اس اجمال کی تفصیل کے لیے مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کی شہرہ آفاق کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" کی دوسری جلد جو تمام تر علامہ ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ پر ہے، کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

چند خصوصیات

ان کے طریقہ تفسیر کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا زندگی سے ربط ہے، فاضل مصنف آیات الٰہی کو اپنے گرد و پیش کی زندگی اور اپنے معاصر انسانوں پر منطبق کرتا ہے، اور ان آیات کے نقطہ نظر سے زندگی کا جائزہ لیتا ہے، اور اپنے ہم عصروں اور امت کے مختلف طبقوں کا احتساب کرتا ہے، وہ بتلاتا ہے کہ ان آیات و حقائق سے زندگی میں کہاں کہاں انحراف ہو رہا ہے، اور اس کے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔[9]

مولانا نے شیخ الاسلام کے طرز تصنیف کے متعلق اور بھی بہت سی کارآمد باتیں لکھی ہیں، مثلاً

" وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس پر اتنا مواد اور مسالہ جمع کر دیتے ہیں جو بیسوں کتابوں اور سینکڑوں صفحات میں منتشر ہوتا ہے........ اکثر اس مواد اور نقول کے پیش کرنے میں بحث کا سرا ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور مطالعہ کرنے والا نقول کی کثرت میں گم ہو جاتا ہے۔"

مولانا اس طرز تحریر کا ایک خاص فائدہ یہ بیان کرتے ہیں کہ

" یہ ان کا بڑا علمی احسان ہے کہ انہوں نے بہت سا قدیم مواد اور مسالہ محفوظ کر دیا، اور بہت سے افکار و آراء کو اپنی کتابوں میں نقل کر کے ضائع ہونے سے بچالیا۔"[10]

شیخ کے اس طرز کلام کو "بات سے بات نکالنے" سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے، جو غیر معمولی ذہانت اور قوت ادراک کی علامت ہے، یہاں صرف اس کی ایک مثال ان کے تفسیری ذخیرہ سورہ اخلاص کی تفسیر سے پیش کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿٤﴾ کی تشریح وتفسیر میں

---

[7] الاعلام العلیہ فی مناقب ابن تیمیہ، ص 20 - 21، تالیف الحافظ عمر بن علی البزار، طبع ثانیہ (المکتب الاسلامی بیروت)

[8] ابن تیمیہ لابی زہرہ ص 510

[9] تاریخ دعوت وعزیمت ص 145، حصہ دوم (بار پنجم، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

[10] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"نفی مثل" کے مصداق کی تعیین کرتے ہوئے علامہ کے زر نگار اور سیال قلم نے کتنے مباحث سمیٹ دیے ہیں، اور کن کن مخفی اور دور دراز گوشوں کو روشن کر دیا ہے، اس کا اندازہ سطور ذیل سے ہو گا:

"لما حج النبي ﷺ استلم الركنين ولم يستلم الشاميين لانهما لم يبنيا علي قواعد ابراهيم ...... فدل ذلك علي ان التمسح بحيطان الكعبة غير الركنين اليمانيين وتقبل شيء منها غير الحجر الاسود ليس لبينة ...... فمعلوم ان جميع المساجد حرمتها دون الكعبة وان مقام ابراهيم بالشام وغيرها و سائر مقامات الانبياء دون المقام الذي قال الله تعالي فيه : " و اتخذوا من مقام ابراهيم مصلي" فعلم ان سائر المقامات لا تقصد للصلاة فيها كالحج الي سائر المساجد ولا يتمسح بها والا يقبل شيء من مقامات الانبياء و لا يقبل وجه الارض الا الحجر الاسود۔"[11]

"جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا تو کعبۃ اللہ کے صرف دو رکنوں، یمانی اور حجر اسود کا استلام کیا تھا، بقیہ دو رکنوں کا نہیں کیا، کیونکہ وہ ابراہیمی بنیادوں پر نہیں تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کعبہ کی دیواروں کا یا رکنین کے علاوہ کسی اور حصہ کا چومنا سنت نہیں ہے، اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ کعبہ کے مقابلہ میں دوسری مسجدوں کا احترام کم ہے، اور مقام ابراہیم (جو کعبہ کے پاس ہے) کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب دیگر مقامات جو شام وغیرہ میں ہیں اس مقام سے کم تر ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واتخذوا من مقام ابراهيم مصلي"، تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ دوسرے مقام کی زیارت کے لیے یا وہاں نماز پڑھنے کے لیے نہیں جانا چاہیے اور نہ انہیں چھو کر یا بوسہ دے کر تبرک حاصل کرنا درست ہے، اور نہ کسی دوسرے نبی کی طرف منسوب مقامات کو بوسہ دینا چاہیے اور نہ کسی جگہ کی زمین کو بوسہ دیا جائے سوائے حجر اسود کے۔

مکہ کی سرزمین کا حکم

اس کے بعد یہاں کفار کے شعار کی بحث بھی بہت تفصیل کے ساتھ تحریر کی ہے، اور پھر اسی ذیل میں ارض خارجی کا حکم اور اس کے بارے میں فقہائے امت کے اقوال، نیز دوسری اراضی کا حکم خصوصاً ان علاقوں کا حکم جن کو مسلمانوں نے کافروں سے جنگ کرنے کے بعد حاصل کیا ہے، بیان کیا ہے، پھر مکہ معظمہ کی اراضی اور وہاں کی عمارت کے احکام شرعیہ سے حسب عادت نہایت شرح وبسط کے ساتھ تعرض کیا ہے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کی سورہ الحج کی آیت إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ ٱلَّذِى جَعَلْنَٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءً ٱلْعَٰكِفُ فِيهِ وَٱلْبَادِ ۚ سے اس طرح استشہاد کیا ہے:

" وهذه اي العلة التي اختصت بها مكة دون سائر الامصار فان الله حجها علي جميع الناس و شرع اعتمارها دائماً فجعلها مشتركة بين جميع عباده كما قال سَوَآءً ٱلْعَٰكِفُ فِيهِ وَٱلْبَادِ ۚ ولهذا كانت مني وغيرها من المشاعر من سبق الي مكان فهو احق به حتي ينتقل عنه كالمساجد، و مكة نفسها من سبق الي مكان فهو احق به والانسان احق بما كنه ما دام محتاجاً اليها و ما استغني عنه من المنافع فعليه بدله بلا عرض لغيره من الحجيج وغيرهم و لهذا كانت في اجارة دورها و بيع رباعها ولا يجوز اجارتها وعلي هذا تدل الاثار المنقولة في ذلك عن النبي ﷺ وعن الصحابة رضي الله عنهم "[12]

" یہ سبب صرف مکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی اور جگہ کے لیے نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف مکہ ہی کو کا حج اور عمرہ ہمیشہ کے لیے واجب و مشروع کیا ہے، لہٰذا یہ مقام مکہ اللہ کے تمام بندوں کے لیے مشترک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "برابر ہے وہاں مقیم اور باہر کا" اور اسی بناء پر منیٰ وغیرہ دیگر مشاعر کے بارے میں یہ حکم شرعی ہے کہ جو جس جگہ پہلے پہنچ جائے اس کا مستحق وہی ہے، جب تک کہ وہ منتقل نہ ہو جائے، جیسا کہ عام مسجدوں کا حکم ہے، اسی طرح مکہ میں جس جگہ جو شخص پہلے پہنچے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور وہاں سے انسان اپنی جائے رہائش کا جب تک ضرورت مند ہے زیادہ حقدار ہے اور جب اس سے مستغنی ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے کا حجاج وغیرہ کو بلا عوض موقع دے، اس لیے مکہ کے مکانات بیچنے اور انہیں کرایہ پر اٹھانے کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں، (1) دونوں نا جائز ہیں (2) دونوں جائز ہیں (3) صحیح قول یہ ہے کہ بیچنا تو جائز ہے مگر کرایہ پر دینا جائز نہیں، یہی بات احادیث رسول ﷺ اور صحابہ کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے۔"[13]

---

[11] تفسیر سورہ اخلاص ص 127 (الطبعۃ الاولی 1323ھ بالمطبعۃ الحسینیہ مصر)

[12] تفسیر سورہ اخلاص ص 134 (الطبعۃ الاولی 1323ھ بالمطبعۃ الحسینیہ مصر)

[13] یہاں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کی جو تحقیق مکہ معظمہ کی سرزمین اور مکانات کو کرایہ پر اٹھانے کے عدم جواز کی بابت نقل ہوئی ہے اس میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ یہی مسلک امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری اور بہت سے اکابر و ممتاز فقہاء و علماء کا بھی ہے، نیز امام احمد بن حنبل کا رجحان بھی اسی طرف ہے، جیسا کہ مشہور حنبلی محقق عالم ابن قدامہ نے اپنی شہرہ آفاق کتابوں المغنی، الشرح الکبیر میں نقل کیا ہے، اور اس بارے میں متعدد احادیث و آثار بھی ذکر کیے ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے المغنی ج 4 ص 304 – 5، والشرح الکبیر ص 20 – 21 مع المغنی (مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت 1392ھ) نیز فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب "ہدایہ اخیرین" ج 4 ص 457 میں بھی امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک (کرایہ کا عدم جواز) نقل کیا گیا ہے، البتہ وہاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد پھر اصل موضوع توحید اور نفی شرک سے متعلق بعض اصولی امور مثلاً "مشاہد" اور ان کی تعظیم کی حیثیت بیان کر کے نیز بنائے مساجد کے مابین فرق بتا کر ان کے احکام بیان کیے ہیں، لکھا ہے:

"عمارتها بالعبارة فيها كالصلاة .... واما نفس البناء فيجوز ان يبنيها البر والفاجر والمسلم والكافر۔"

" عمارت نام ہے مسجدوں کو عبادت سے آباد کرنے کا، مثلاً نماز سے، یہ صرف مسلمانوں ہی کا کام ہے، ظاہری تعمیر تو وہ نیک و بد، مسلم کافر، سب کر سکتے ہیں۔"

اکثر مزارات جعلی ہیں

اسی ذیل میں عظمت مشاہد و قبور وغیرہ کے ضمن میں بعض ایسے دلچسپ تاریخی حقائق اور فکر انگیز باتیں شیخ نے ارقام فرمائی ہیں جن پر نہ جانے کتنے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے کہ عوام تو عوام اکثر خواص بھی غلط فہمیوں میں مبتلا تھے، ان عجیب انکشافات اور علمی نکتوں کو ملاحظہ فرمایئے:

"اهل المشاهد كثير من شاهدهم او اكثرها كذب، فان الشرك مقرون بالكذب في كتاب الله كثيراً، قال الله تعالىٰ واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غير مشركين به۔"

"اکثر مقبرے غلط اور جھوٹے طور پر بزرگوں کی جانب منسوب ہیں اور جھوٹ شرک کے ساتھ لازم وملزوم کی سی حیثیت رکھتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بہت جگہ شرک کے ساتھ زور (غلط بیانی) کا ذکر کیا ہے۔"

پھر امام صاحب نے اس کی متعدد مثالیں دی ہیں:

" و ذلك كالمشهد الذي بني بالقاهرة علي راس الحسين و هو كذب باتفاق اهل العلم .... وكذلك مشهد علي رضي الله عنه .... انما هو قبر المغيرة بن شعبة رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه انما دفن في قصر الامارة بالكوفة و دفن معاوية بقصر الامارة بدمشق و دفن عمرو بن العاص بقصر الامارة بمصر خوفا عليهم اذا دفنوا في المقابر البارزة ان ينبشهم الخوارج المارقون فان الخوارج تعاهدوا علي قتل الثلاثة۔"[14]

" قاہرہ میں امام حسین کے سر کا جو مقبرہ بتایا جاتا ہے اس کی نسبت غلط ہے، اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے، اسی طرح حضرت علی کا جو مقبرہ بتایا جاتا ہے وہ بھی غلط ہے، بلکہ وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا مزار ہے، کیونکہ حضرت علی تو کوفہ کے قصر امارت میں مدفون ہیں اور حضرت معاویہ دمشق کے اور حضرت عمرو بن العاص مصر کر قصر میں، کیونکہ خوارج کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ کہیں ان حضرات کے جسموں کو قبر سے نکال کر ان کی بے حرمتی نہ کریں۔"

ان علمی انکشافات کی اہمیت وافادیت سے کون صاحب نظر انکار کر سکتا ہے، لیکن ہمارا مقصد لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ہے کہ وہ سوچیں کہ کیا کسی بڑے سے بڑے ذہین، طباع شخص کا طائر فکر یہاں تک پرواز کر سکتا ہے کہ وہ ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝﴾ کی تفسیر کے تحت ایسی ایسی عجیب نقطہ آفرینیاں اور مناسبتیں تلاش کرے جن میں مکہ معظمہ کی سر زمین کے احکام سے لے کر مشاہد کے جعلی ہونے تک نیز ممتاز صحابہ کرام کے مقام دفن کا سراغ بھی مل جائے۔

کلامی مباحث

علامہ کی تفسیر میں اکثر کلامی مباحث بھی زیر بحث آئے ہیں اور انہوں نے ان کے بارے میں اپنی فیصلہ کن رائے مدلل طریقہ پر پیش کی ہے، اس طرح کے مسائل میں مسئلہ صفات سب سے زیادہ اہم اور معرکۃ الآراء ہے۔ اس میں اہل حق و اہل باطل (اہل سنت و اہل بدعت) کے درمیان ہی نہیں خود اہل حق (اہل سنت) کے مابین بھی اختلافات چلے آرہے ہیں، خاص طور پر متقدمین و متاخرین اہل سنت کا اختلاف تاویل اور عدم تاویل کی بابت تو بہت مشہور ہے جس سے علم عقائد کا معمولی طالب علم بھی ناواقف نہ ہوگا، چونکہ اب یہ بات غالباً سب یا اکثر اہل علم کے دائرہ علم میں آچکی ہے کہ شیخ الاسلام کا مسلک صفات باری تعالیٰ کے سلسلہ میں متقدمین کی طرح عدم تاویل کا ہے، اس لیے اس بارہ میں ان کی عبارتیں اور نقول پیش کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی آیات متشابہات کی تاویل سے راسخین فی العلم کی باخبری اور بے خبری کے بارے میں علماء کا اختلاف بھی ہے، جو دراصل سورہ آلِ عمران کی مشہور آیت وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ پر وقف وعدم وقف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ شیخ اور ان کے علاوہ عام طور پر مفسرین نے اس کو بیان کیا ہے (مثلاً دیکھیے تفسیر کشاف آیت محولہ بالا) یہاں یہ بتانا ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ شیخ پہلے

کے مکانات کی بیع کے بارے میں امام صاحب سے ان کے شاگردوں امام ابو یوسف وامام محمد کا اختلاف نقل کیا گیا ہے، لیکن کرایہ کے بارے میں نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سب متفق ہیں۔ امام ابن تیمیہ سمیت جمہور فقہائے امت کہ جن میں ائمہ اربعہ میں سے تین، امام ابوحنیفہ، امام مالک وامام احمد بن حنبل شامل ہیں، اگر ان کے قول کے مطابق سر زمین مکہ معظمہ کے معاملہ میں عمل کیا جاتا تو یہ بہت اچھا ہوتا اور اس سے حجاج کو بڑی سہولت وراحت ملتی، کیونکہ اس سے ان کے اخراجات میں غیر معمولی کمی ہو جاتی، عجیب بات ہے کہ زمانہ جاہلیت میں باہر کے حجاج کو نہ صرف قیام کی سہولتیں مفت حاصل ہوتی تھیں بلکہ ان کے کھانے پینے کا نظم بھی مفت کیا جاتا تھا، اور اس کے لیے مکہ معظمہ میں باقاعدہ دو عہدے رفادہ اور سقایہ قائم تھے۔

14 تفسیر سورہ اخلاص ص 138 – 139 (الطبعۃ الاولیٰ 1323ھ بالمطبعۃ الحسینیۃ مصر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زمرہ میں ہیں، جو آیات متشابہات کی تاویل کے علم کو ممکن بتاتا ہے اور اس کے لیے دلائل پیش کرتا ہے، یہ بحث بہت طویل ہے، اختصار کے پیش نظر اس کو قلم انداز کیا جارہا ہے، تفصیل کے لیے مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تیرہویں جلد دیکھنی چاہیے[15]۔ اس وقت ان مباحث میں محاکمہ کرکے کسی پہلو کو ترجیح دینا ہمارا مقصد و منصب نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ علامہ کا شہوار قلم کس کس شاہراہ پر دوڑا ہے، اور اس نے کیسے کیسے معرکے سر کیے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کا مہتم بالشان علمی شاہکار کامقدمہ تفسیر

ان معروضات سے شیخ الاسلام کی فن تفسیر میں مہارت و حذاقت، وسعتِ نظر، قوت استنباط اور ان کی اخاذ طبیعت کا کسی حد تک اندازہ ہوا ہوگا، لیکن راقم کے خیال میں تفسیر کے باب میں ان کا سب سے اہم، قابل قدر اور شاہکار کہے جانے کے لائق کارنامہ وہ رسالہ ہے جو مقدمۃ فی اصول التفسیر کے نام سے متعدد بار چھپ چکا ہے اور چند اوراق پر مشتمل ہے۔ یہ کتابچہ دراصل "بقامت کہتر بقیمت بہتر" اور "دریا بکوزہ" کا صحیح مصداق ہے، علوم قرآن کے اصول پر اپنی نوعیت کی غالباً یہ پہلی اہم تصنیف ہے جس کی مثال تفسیر کے وسیع ذخیرہ میں نہیں ملتی، بعض اہل نظر کا خیال ہے کہ اس سے پہلے اصول تفسیر میں ایسی دقیع، مختصر اور جامع تحریر پورے اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی، اس کے بعد گو بہت سی اہم اور قابل قدر مختصر و مفصل تصنیفات وجود میں آئیں مگر ان میں اسی مقدمہ سے استفادہ کیا گیا ہے، مثلاً امام بدر الدین محمد زرکلی (م 745ھ) کی "البرہان"، جلال الدین سیوطی (م 911ھ) کی "الاتقان" اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی (م 1176ھ) کی "الفوز الکبیر"، موخر الذکر کتاب کے بعض مباحث مثلاً شانِ نزول کی بحث تو اسی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے، اس رسالہ کو اپنے موضوع ہی میں نہیں خود شیخ الاسلام کی تصانیف میں بھی کئی حیثیتوں سے بڑا امتیاز حاصل ہے، ایک خاص بات اس کے اسلوب کا امتیاز بھی ہے، شیخ کی دوسری تصانیف کے بر خلاف اس میں نہایت مربوط و منضبط طریقہ پر گفتگو کی گئی ہے، اور اس کے مباحث میں کوئی انتشار اور کسی طرح کی بے ربطی نہیں پائی جاتی، اسی کے ساتھ عام اصولی کتابوں کے طرز ادا کے مطابق اس میں بھی اختصار اور بقدر ضرورت کلام پر اکتفا کیا گیا ہے اور یہ حشو و زوائد سے پاک ہے، رسالہ کی ان خصوصیات و امتیازات کا تقاضا تھا کہ اس پر اس مقالہ میں تفصیل سے گفتگو کی جاتی اور اس کے مفید پہلوؤں کو نمایاں کرکے قارئین کی علمی ضیافت کا سامان مہیا کیا جاتا ہے، مگر طوالت کے خوف سے یہاں رسالہ کے چند اہم مندرجات کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے۔

شیخ نے یہ رسالہ اپنے بعض شاگردوں کی فرمائش پر لکھا ہے، جیسا کہ ابتداء میں خود صراحت بھی کی ہے، اس سے رسالہ کے اغراض و مقاصد بھی معلوم ہوتے ہیں، اس لیے ہم ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

" فقد سالني بعض الاخوان ان اكتب له مقدمة تتضمن قواعد كلية تعين علي فهم القرآن و معرفته تفسيره و معانيه و التمييز في منقول ذلك و معقوله بين الحق و انواع الاباطيل، والتنبيه علي الدليل الفاصل بين الاقاويل۔"[16]

"مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے درخواست کی کہ میں ایک ایسا مقدمہ لکھ دوں جس میں وہ اصولی اور بنیادی باتیں مذکور ہوں جن سے قرآن مجید سمجھنے اور اس کی تفسیر و معانی کو جاننے میں مدد ملے، اور ان سے معقول و منقول کے درمیان تمیز اور حق و باطل کے مابین فرق و امتیاز ہو سکے، نیز مختلف اقوال کے درمیان قول فیصل کا پتہ چل سکے۔"

آگے لکھتے ہیں:

" فان الكتب المصنفة في التفسير مشعونة بالغث و السمين، و الباطل و الواضح والحق المبين۔"[17]

"کیونکہ اب تک تفسیر میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ غلط و صحیح، نیز کھرے اور کھوٹے کا مجموعہ ہیں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالہ میں صرف وہ قواعد کلیہ ہی بیان کیے گئے ہیں جن کے جاننے سے فہم قرآن میں بڑی مدد ملتی اور حق و باطل (غلط و صحیح) کے درمیان امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، یہاں ان سب اصول و قواعد کو بیان کرنا طوالت کا موجب ہوگا، اس لیے صرف دو امور کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شان نزول کی بحث

کتب تفسیر و حدیث میں بعض آیتوں کا شان نزول متعدد واقعات یا افراد کو بتایا گیا ہے، جبکہ ان واقعات کے درمیان کبھی کبھی برسوں کا فرق ہوتا ہے، اس سے اکثر قارئین کو الجھن اور حیرانی ہوتی ہے اور وہ تطبیق کی راہ نہ پاکر یہ سوچنے لگتے ہیں کہ کیا یہ آیت کئی بار نازل ہوئی ہے، شیخ الاسلام ایک مفصل تمہید کے بعد اس گتھی کو اس طرح سلجھاتے ہیں:

" و قد يجيئ كثيرا قولهم هذه الآية نزلت في كذا لا سيما ان كان المذكور شخصاً۔"

" کبھی کبھی کتب تفسیر و حدیث میں ملتا ہے کہ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی، اور کبھی مذکور ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص کے بارہ میں اتری ہے۔"

پھر اس کی متعدد مثالیں کتب حدیث سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" ...... ان حكم الآية مختص باولئك الاعيان دون غيرهم ..... هذا

[15] از ص 273 (طبع اولی عکس)

[16] مقدمہ: ص 33 (طبع دار القرآن الکریم، بیروت)

[17] مقدمہ: ص 33 (طبع دار القرآن الکریم، بیروت)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا يقوله مسلم ولا عاقل وعلي الاطلاق..... فلم يقل احد من علماء المسلمين ان عمومات الكتاب و السنة تختص بالشخص المعين و انما ..... تختص بنوع ذلك الشخص فتعم ما يشبهه ..... فهي متناولة لذلك الشخص و بخيره ممن كانت بمنزلته ..... و معرفة سبب النزول يعين علي فهم الاٰية۔"[18]

" اس کا یہ مطلب یہ توکسی کے نزدیک بھی نہیں ہوتا کہ یہ آیت بس فلاں شخص یا فلاں واقعہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے ، ایسی بات کوئی مسلمان بلکہ معمولی عقل والا بھی نہیں کہہ سکتا ، البتہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس شخص یا واقعہ سے مشابہ جو بھی شخص یا واقعہ ہو اس کے لیے بھی اس آیت کا حکم بیان کیا گیا ہے ، اس طرح یہ حکم کسی خاص شخص یا واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس نوع کے لیے ہے ، اور جو شخص یا واقعہ کسی زمانہ میں بھی اس جیسا ہوگا آیت کا حکم اس سے متعلق ہوگا ، اور آیت کا سبب نزول جاننے سے آیت کے فہم میں مدد ملتی ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ شان نزول بتانے والے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ بس یہی شخص و واقعہ اس آیت کا مخاطب یا اس آیت پر عمل کرنے کا مکلف ہے ، بلکہ اس جیسے تمام اشخاص و واقعات کے لیے بھی اسی آیت سے رہنمائی حاصل کی جائے گی ، اور اسی کے مطابق ان کو عمل کرنا ضروری ہوگا ، کیونکہ شان نزول کا ذکر بطور مثال ہوتا ہے ، یعنی اس جیسی نوعیت میں یہ آیت نازل ہوئی ، یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعینہ اس واقعہ یا اس شخص کے بارے میں آیت اتری ، ظاہر ہے کہ ایک نوعیت کے واقعات کی مثالیں متعدد ہو سکتی ہیں ، یہاں مصنف نے اس کے علاوہ اور بھی مثالیں ذکر کی ہیں ، مگر ہم نے اختصاراً اتنے ہی کو کافی سمجھا ہے۔

تفسیر کا بہترین طریقہ

شیخ الاسلام نے تفسیر قرآن کا ایک اہم اصول یہ بیان فرمایا ہے جو بعد میں مختلف کتابوں کے اندر مذکور ہونے کی وجہ سے اب مشہور اور عام ہے ، اور اس سے اہل علم بھی عموماً واقف ہیں ، اس لیے اس میں کوئی خاص ندرت باقی نہیں رہ گئی کہ تفسیر کا سب سے بہترین طریقہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے ، اس کے بعد تفسیر القرآن بالسنۃ ہے ، مصنف نے اس پر بکثرت دلائل قرآن و سنت سے پیش کیے ہیں ، اسی سیاق میں حضرت معاذ کی وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس سے اجتہاد کی مشروعیت پر استدلال کیا جاتا ہے ، شیخ نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے ، اس کے بعد تفسیر القرآن باقوال الصحابہ کا اصول بتایا ہے اور اس بارے میں اس اہم حقیقت کی جانب بھی توجہ دلائی ہے :

" فانهم ادري بذلك لما شاهدوا من القراٰن والاحوال التي اختصوا بها ولما لهم من الفهم التام والعلم الصحيح لا سيما علماء هم وكبراء هم كالائمة الاربعة المهتدين و عبدالله ابن مسعود۔"

" کیونکہ صحابہ قرآن کے نزول کے اوقات و احوال کے عینی شاہد ہیں اس لیے وہ معنی قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں ، نیز انہیں فہم تام اور علم صحیح بھی حاصل تھا ، خاص طور پر ان میں جو علماء ممتاز لوگ اور ائمہ ہدایت تھے بالخصوص خلفائے راشدین اور عبد اللہ ابن مسعود کہ انہیں تفسیر کا علم سب سے زیادہ تھا۔"

یہاں طبری کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :

" و الذي لا اله غيره ما نزلت اٰية من كتاب الله الا و انا اعلم فيمن نزلت و اين نزلت۔"

" خدا کی قسم ! قرآن کی جو آیت بھی اتری میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں اتری اور کس کے بارے میں اتری۔"

امام ابن تیمیہ کا جذبہ حصول علم

اس کے باوجود طلب علم کے جذبہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے :

" ولو اعلم مكان احد اعلم بكتاب الله مني تناله المطايا لاتيته۔"

" اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ دور دراز مقام پر کوئی ایسا شخص ہے جو مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے تو میں اس کے پاس ضرور پہنچوں۔"

شیخ اس کے بعد مفسرین صحابہ میں حضرت عبد اللہ ابن عباس کا تذکرہ کرتے ہیں ، جو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ، حبر الامت اور ترجمان القرآن تھے ، اور جن کے حق میں آپ ﷺ نے یہ دعا کی تھی :

"اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل۔"

" اے اللہ ! انہیں دین میں سمجھ بوجھ دے اور علم تاویل سکھا۔"

اس کے بعد ان کی عظمت کے سلسلہ میں تابعین کے اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں :

" حضرت عبد اللہ ابن عباس نے حج کے موقع پر خطبہ دیا ، اس میں سورہ بقرہ یا سورہ نور پڑھ کر اس کی ایسی عجیب و غریب تفسیر کی کہ اگر اسے روم اور ترک یعنی غیر مسلم قومیں سن لیتیں تو ضرور اسلام لے آتیں۔"[19]

تنہا یہی بحث اس قدر متنوع اور کثیر الجہات ہے کہ اس پر مفصل مقالہ یا کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

---

[18] مقدمہ: 46 - 47

[19] مقدمہ: 92

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد عارف اعظمی عمری

سر سیّد احمد خاں اور ان کی تفسیر القرآن

سر سیّد احمد خاں مرحوم کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے ، ان کا سب سے اہم اور نہایت قابل فخر کارنامہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی تاسیس ہے جو اب مسلم یونیورسٹی کے نام سے پوری دنیا میں مشہور و معروف ہے ، ان کا دوسرا کارنامہ قدیم تاریخی کتابوں کی اشاعت اور مذہبی کتب و رسائل کی تصنیف ہے جو خاص اہمیت کی حامل ہیں ، ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ متنازعہ ان کی کتاب تفسیر القرآن ہے ، یہ ان کی آخری نا مکمل تصنیف ہے ، اصلاً اس مضمون میں اسی پر بحث و تبصرہ مقصود ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے پہلے ان کے حالات و سوانح کا اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے ۔

مختصر حالات و سوانح

سر سیّد احمد خاں 5 ذی الحجہ 1332ھ 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ، ان کا خاندان مغل فرمانروا شاہجہاں کے عہد حکومت میں ہرات سے ہندوستان آیا اور سلطنت کے اہم عہدوں پر فائز ہوا، سر سیّد کے خاندان کے لوگوں کا تعلق سلطنت مغلیہ سے اس کے آخری دور تک قائم رہا، ان کے والد شیخ متقی بھی جو مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ شاہ غلام علی سے بیعت تھے ، دربار سے وابستہ تھے اور ان کو وہاں سے باقاعدہ وظیفہ ملتا تھا۔

سر سیّد کی والدہ نے ان کی پرورش کی ، وہ بڑی منتظم اور ذی صلاحیت خاتون تھیں ، سر سیّد کو تعلیم کی تکمیل کا موقع نہیں ملا۔ایک عرصہ کے بعد جب وہ ملازمت کے سلسلہ میں دہلی آئے تو انہوں نے مولوی نوازش علی مرحوم سے فقہ اصول فقہ کی کچھ کتابیں پڑھیں اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ادب کی کچھ تعلیم حاصل کی اور مولانا مخصوص اللہ سے جو شاہ عبد العزیز کے بھتیجے تھے ، علم حدیث میں مشکوۃ اور ایک خاص حصہ جامع ترمذی کا اور کسی قدر اجزاء صحیح مسلم کے پڑھے اور پھر قرآن مجید کی سند لی۔[1]

1838ء میں والد کے انتقال کے بعد سر سیّد نے ملازمت کے لیے تگ و دو شروع کی ، چنانچہ بائیس برس کی عمر میں اپنے خالو خلیل اللہ خاں صدر امین دہلی کے پاس عدالت کا کام سیکھ کر سر رشتہ دار ہو گئے ، اس کے بعد آگرہ کے کمشنر کے دفتر میں نائب منشی مقرر ہوئے ، پھر منصفی کا امتحان پاس کر کے دسمبر 1841ء میں مین پوری کے منصف ہو گئے اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے جج کے عہدے پر فائز ہوئے اور اس حیثیت سے انہیں فتح پور سیکری ، دہلی ، رہتک ، بجنور ، مراد آباد ، غازی پور اور بنارس میں قیام کرنے کا موقع ملا ، بالآخر 1876ء میں انہوں نے پنشن لی اور مدرسۃ العلوم کے کاموں میں لگ گئے۔

ملازمت کے زمانہ ہی 1869ء میں انہوں نے انگلستان کا سفر کیا، جو ان کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ، اسی سفر میں انہوں نے ولیم میور کے جواب میں اپنی مشہور کتاب خطبات احمدیہ لکھی۔

1875ء میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی داغ بیل ڈالی، جس کے بعد وہ اسی کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف ہو گئے اور علی گڑھ میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

5 ذی القعدہ 1315ھ 27 مارچ 1898ء کو علی گڑھ میں وفات پائی اور دوسرے روز مدرسۃ العلوم کی مسجد کے احاطہ میں تدفین ہوئی۔[2]

تصنیفات

سر سیّد کا علمی ذوق بہت اچھا تھا اور ان میں تصنیف و تالیف کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی ، ملازمت اور مدرسۃ العلوم کی گوناگوں مشغولیتوں کے باوجود انہوں نے متعدد اہم علمی کتابیں لکھیں ، مولانا حالی نے ان کی تصانیف کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ، (۱) مذہبی (۲) تاریخی (۳) علمی۔[3]

ان کی تصنیفات کی بنیاد پر مستشرق بلجون نے ان کے مذہبی خیالات کے تین دور قائم کیے ہیں ، (۱) 1843ء تا 1857ء (۲) 1857ء تا 1869ء (سال سفر انگلستان) اور (۳) 1870ء تا 1890ء ، بلجون کے بیان کے مطابق ان کی مذہبی روشن خیالی کا اصل سبب ان کا سفر انگلستان تھا۔[4] ڈاکٹر عبداللہ بھی بلجون کی اس رائے سے متفق ہیں ، ان کے خیال میں سر سیّد کے پہلے دور کی تصنیفات پر گو نئے اثرات بھی مرتب ہوئے تاہم ان میں قدیم رنگ ہی زیادہ نمایاں ہے ، دوسرے دور میں انہوں نے غدر سے پیدا شدہ حالات کے نتیجہ میں کتابیں اور رسالے لکھے ، البتہ ان کا دور سوم بہت نتیجہ خیز ہے۔[5] ان کی بعض اہم کتابوں کے نام یہ ہیں :

(۱) آثار الصنادید ، مطبوعہ 1840ھ (۲) تاریخ سرکشی ضلع بجنور ، مطبوعہ 1858ء(۳) اسباب بغاوت ہند ، مطبوعہ 1858ء (۴) تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ و الانجیل علی ملۃ الاسلام ، مطبوعہ 1278ھ / 1861ء

---

[1] مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی ، مقالات شروانی ، علی گڑھ ، 1946، صفحہ 53

[2] سر سیّد احمد خاں کی مفصل سوانح عمری کے لیے ملاحظہ فرمائیں، مولانا الطاف حسین حالی، حیات جاوید

[3] ایضاً ضمیمہ 2

[4] ڈاکٹر سیّد معین الحق، سر سیّد کے علمی و ادبی کارنامے ، برگ گل سر سیّد نمبر 1968 - 1969ء، ص139 حاشیہ

[5] ڈاکٹر سیّد عبد اللہ، احمد خاں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، جلد دوم ، پنجاب یونی ورسٹی لاہور، 1966ء ص 87، 117

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۵) رسالہ طعام اہل کتاب، مطبوعہ 1285ھ / 1868ء

(۶) خطبات احمدیہ، مطبوعہ 1277ھ / 1870ء[6]

تفسیر القرآن

تفسیر القرآن کے متفرق اجزا ابتدا میں رسالہ تہذیب الاخلاق میں طبع ہوتے رہے، پھر جب وہ علی گڑھ میں مستقل قیام پذیر ہوئے تو اس کام کا باقاعدہ آغاز کیا، اس کی پہلی جلد 1297ھ میں طبع ہوئی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس کی جلدیں شائع ہوتی رہیں، سر سید کی زندگی میں سورہ بنی اسرائیل کے اختتام تک اس کی چھ جلدیں شائع ہو چکی تھیں، ان کی وفات کے بعد اس کی ساتویں جلد جو سورہ کہف تا سورہ طٰہٰ کی تفسیر پر مشتمل ہے چھپی، یہ تمام جلدیں مطبع مفید عام آگرہ سے طبع ہوئیں۔

اہم خصوصیات

مولانا حالی مرحوم نے تفسیر القرآن کی مندرجہ ذیل پانچ خصوصیات بتائی ہیں۔

(۱) اخبار ماضیہ کی تنقیح (۲) احکام اسلام پر اعتراضات کا جواب (۳) موضوع و ضعیف احادیث سے اجتناب (۴) تعدد اقوال اور مفسرین کی متضاد آراء کے بجائے محض مرجح قول کے ذکر پر اکتفاء (۵) علوم جدیدہ کی وجہ سے پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ اور جدید علم کلام کی تاسیس۔[7]

مولانا حالی مرحوم نے بجا طور پر آخری خصوصیت کو خاص اہمیت کا حامل بتایا ہے، ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد یہ موضوع نہایت اہم ہو گیا تھا اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ سر سید نے اپنی بساط کے مطابق اپنے دور کے اہم اور ضروری کام کو انجام دینے کی کوشش بھی کی مگر چونکہ وہ باقاعدہ اور مستند عالم نہیں تھے اس لیے ان سے تفسیر میں غلطیاں بھی ہوئیں اور وہ دورازکار تاویلات میں بھی جا پڑے۔

اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ سر سید نے علماء کے طبقہ میں ایک ہلچل پیدا کر دی تھی اور اپنی تحریروں کے ذریعہ انہوں نے ان کے جمود و تعطل کو توڑنے کی سعی بھی کی، مگر اس کا رد عمل بہت سخت ہوا اور جس شخص کے جو جی میں آیا کہنا شروع کیا، تاہم اسی اثناء میں اہل علم کی ایک معتدل اور درمیانی جماعت بھی پیدا ہوئی جس نے عقل و نقل کے درمیان تطبیق و ہم آہنگی پر زور دیا، یہی نقطہ نظر مناسب اور موزوں بھی تھا، چنانچہ سنجیدہ علمی حلقوں میں اس کو قبولیت نصیب ہوئی، اس متوازن طرز فکر کی ایجاد کا سہرا علامہ شبلی نعمانی کے سر بندھتا ہے، انہوں نے خود اور ان کے تلامذہ نے ان کی اس تحریر کو پروان چڑھایا۔

نظریہ عقل و فطرت

تفسیر القرآن کا مرکزی محور نظریہ عقل و فطرت کے گرد گردش کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اسی نظریہ سے سر سید نے قرآن مجید کے احکام کی تشریح و توجیہ کی ہے اور اس کی تعلیمات و ہدایات کو عقل و فطرت سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی ہے، اسلامی تاریخ میں تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں فلسفہ یونان کے زیر اثر معتزلہ نے بھی یہی انداز فکر اختیار کیا تھا، چنانچہ سر سید کو معتزلہ کے طریقہ تعبیر سے خاص مناسبت ہے، وہ ان کی تعریف میں لکھتے ہیں:

" تمام مفسرین کی سوائے معتزلہ کے یہ عادت ہے کہ اپنی تفسیروں میں محض بے سند اور افواہی روایتوں کو بلا تحقیق لکھتے چلے جاتے ہیں اور ذرا بھی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔"[8]

دراصل سر سید کا نظریہ عقل و فطرت ہو یا معتزلہ کا انداز فکر و تحقیق، دونوں کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور کی تحقیقات اور ان کے نتائج کو قطعی و یقینی مان کر مذہب کو اس سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ مذہب کی باتوں کو قطعی و یقینی تسلیم کر کے ان کی روشنی میں حکماء و فلاسفہ کے اقوال و نتائج کا تجزیہ کرنا چاہیے تھا، جو صحیح طریقہ کار تھا اور جس پر معتزلہ کے مقابلے میں اس عہد کے علمائے اہل سنت گامزن تھے البتہ اس معاملہ میں اشاعرہ کے غلو سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

تفسیر القرآن کے بعض اقتباسات

سر سیّد کے نظریہ عقل و فطرت کے مطابق خرق عادت کا ظہور غیر ممکن اور قانون قدرت کے منافی ہے، اس لیے انہوں نے قرآن مجید میں مذکور انبیائے سابقین کے معجزات کی بھی تاویلیں کی ہیں، مولانا حالی نے انہی تاویلات کو اخبار ماضیہ کی تنقیح کا نام دیا ہے اور اس کو تفسیر القرآن کی اہم خصوصیتوں میں شمار کیا ہے۔

سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے واقعات بالتفصیل بیان ہوئے ہیں جن میں متعدد خرق عادت واقعات کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے بعض واقعات کے سلسلہ میں سر سیّد کی تاویلات پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں تاریخ بنی اسرائیل کے ایک اہم واقعہ عبور بحر کا ذکر جو ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کے ضمن میں کیا گیا ہے، اس کے متعلق سر سید مرحوم لکھتے ہیں:

" پس صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو کہا کہ اپنی لاٹھی کے سہارے سے سمندر میں چل وہ پھٹا ہوا یا کھلا ہوا ہے یعنی پایاب ہو رہا ہے، سورہ طٰہٰ میں جو آیت ہے اس میں صاف بیان ہوا ہے کہ میرے بندوں کو رات کو سمندر میں سوکھے راستے سے لے کر نکل چل، پس جو معجزہ تھا وہ یہی تھا کہ ایسے مشکل وقت میں سمندر کے پایاب ہونے سے خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو اور تمام بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجے سے بچا دیا اور جب فرعون نے پایاب اترنا چاہا تو پانی بڑھ گیا، وہ مع اپنے لشکر کے ڈوب گیا۔"[9]

انہوں نے مذکورہ بالا توجیہ کی تائید میں دلائل پیش کرنے کے بجائے علمائے اسلام کی علمی بے بضاعتی پر اشک ریزی کی ہے، لکھتے ہیں:

---

[6] مولانا حالی، حوالہ سابق

[7] ایضاً، جلد 2، ص 191 تا 214

[8] سر سیّد احمد خاں، تفسیر القرآن: ص 21

[9] سر سیّد احمد خاں، حوالہ سابق، جلد 1 صفحہ 86 تا 90

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"علمائے اسلام کا زمانہ گیارہ بارہ سو برس سے سمجھنا چاہیے، ان بزرگوں نے اپنے ہوش سے بحر احمر اور اس کی شاخ کو جس میں سے حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل نے عبور کیا تھا نہایت عمیق اور ایک قہار سمندر دیکھا ہے اور ان کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ کیسا ہی بڑا جوار بھاٹا اترے وہ جگہ کبھی پایاب نہیں ہو سکتی اس لیے انہوں نے قرآن مجید کی صاف صاف عبارت اور الفاظ کو جو صریح جوار بھاٹے اور خشک زمین کے نکل آنے پر دلالت کرتی تھی، الٹ پلٹ کر اس واقعہ کو بطور ایک عجیب واقعہ کے بنا لیا اور ایسا معجزہ جو قانون قدرت کو بھی توڑ دے ٹھہرایا، مگر حقیقت حال یہ نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جب بنی اسرائیل نے عبور کیا بحر احمر ایسا قہار سمندر نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔"[10]

بنی اسرائیل کے سروں پر اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو بلند کر کے ان سے عہد و پیمان لیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ہے، سر سیّد اس واقعہ کی توجیہ یوں کرتے ہیں:

"بنی اسرائیل جو خدا کے دیکھنے کو گئے تھے طور یا طور سینین کے نیچے کھڑے تھے پہاڑ ان کے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا وہ اس کے سایہ تلے تھے اور طور بہ سبب آتش فشانی کے شدید حرکت و زلزلہ میں تھا جس کے سبب وہ گمان کرتے تھے کہ ان کے اوپر گر پڑے گا، پس اس حالت کو خدائے تعالیٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ، وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ پس ان الفاظ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عجیب ہو یا مطابق واقع اور موافق قانون قدرت نہ ہو، ہاں مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو عجیب و غریب واقعہ بنا دیا ہے۔"[11]

قرآن مجید میں مذکوہ انبیائے سابقین کے معجزات کے بارہ میں تقریباً ہر جگہ یہی طرز فکر سر سیّد نے اختیار کیا ہے، جن کو طوالت کے خوف سے قلم انداز کیا جاتا ہے۔

علامہ شبلی اور ان کے مکتب فکر کا موقف

علمائے اسلام نے سر سیّد کے نظریہ اسباب و علل کی تردید میں بہت کچھ لکھا ہے، لیکن انہوں نے علت و معلول کی بحث کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، افراط و تفریط پر مبنی ان نظریات کے درمیان ایک تیسرا نظریہ بھی ہے جس کے حاملین نے زیر بحث مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر ایک معتدل و متوازن موقف اختیار کیا، جس سے قدیم و جدید دونوں ذہن کے شکوک رفع ہوئے، اس وضاحت کے لیے علامہ شبلی کی مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ ہو:

"خرق عادت تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام میں بھی کچھ نہ کچھ اس کی جھلک موجود ہے اس لیے اس عقیدہ کا حل کرنا ضروری ہے قرآن مجید میں اس قسم کے واقعات منقول ہیں فرقہ جدیدہ ان کی عموماً تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ قرآن مجید بلکہ تمام آسمانی کتابوں میں اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا، بے شبہ اشاعرہ کی افراط بچوں کی وہم پرستی کے درجہ تک پہنچ گئی ہے، لیکن انکار محض کرنا بھی کچھ کم ہٹ دھرمی نہیں ہے، ہمارے زمانہ کے لوگوں نے جو تاویلیں کی ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں بے شبہ یہ تاویلیں نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے کافی ہیں جو بے چارے عربی زبان اور اس کے طرز اسلوب سے نا آشنا ہیں، مگر ماہر عربیت کے سامنے یہ تلبیح کیا کام دے سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ چونکہ وہم پرست مسلمانوں کا طرف مقابل ہے اس لیے ضروری تھا کہ اعتدال سے متجاوز ہو جائے، ایک طرف جب یہ افراط ہے کہ ہر قسم کے نا ممکن اور محال واقعات ہر کس سے سرزد ہو سکتے ہیں اور کرامۃ الاولیاء حق کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہیں قرار پائی تو اس کے مقابلہ میں یہ تفریط کوئی تعجب انگیز نہیں کہ کوئی واقعہ جو بظاہر خلاف ہو ہرگز وقوع میں نہیں آ سکتا، لیکن ہم کو افراط و تفریط سے الگ ہو کر خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہیے۔"[12]

اس کی مزید تشریح کے لیے جانشین شبلی مولانا سیّد سلیمان ندوی کا مندرجہ ذیل اقتباس بھی پیش نظر رکھا جائے جس میں انہوں نے مسئلہ اسباب و علل کی تشریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"مسئلہ اسباب و علل نے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیے ہیں، ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اسباب و علل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان اختیارات کو نا قابل فسخ و تغیر مانتا ہے، اس کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ انہی مادی علل و اسباب کے ماتحت ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل اور نسخ و تغیر نہیں ہوتا اور اس لیے وہ خرق عادت کو ممتنع اور محال یقین کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اسباب و علل اور عالم کا یہ نظام کار سنت الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا...... دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کو نظام خاص قوانین فطرت اور اسباب و علل کا پابند ٹھہرانا اس کی شان قدرت کے منافی سمجھتا ہے اور وہ ان بیچ کے وسائط کے بغیر اس کو فرمانروائے مطلق یقین کرتا ہے..... حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط و تفریط کے دو کناروں پر ہیں..... قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب و علل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع و خواص ہیں، لیکن یہ اسباب و علل اور طبائع و خواص خود خلاق عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور وہ ان ہی پر عموماً کار بند رہتا ہے، لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کر سکتا

[10] ایضاً، 100

[11] سر سیّد احمد خاں، حوالہ سابق، جلد 1 صفحہ 116

[12] علامہ شبلی، الکلام، ص 115 - 116

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو اور کبھی اپنے خاص حکم و ارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کرسکتا ہو ، کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت و عظمت میں فرق آجاتا ہے ، اسی لیے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نقطہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اسباب و علل کے ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے ، تاکہ انسانوں میں خدا کی مجبوری ، معذوری اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو .... معجزہ کا سبب اور علت براہ راست اس کی مشیت اور ارادہ ہے ، کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً قوم نوح کے لیے طوفان کا آنا ، قوم ہود کے لیے کوہ آتش فشاں کا پھوٹنا یا زلزلہ آنا ، حضرت ایوب کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تندرست ہو جانا ، قوم صالح کے لیے آندھی آنا ، مکہ میں قحط عظیم کا رو نما ہو جانا ، غزوہ خندق میں آندھی چلنا ، یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں ، لیکن ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست ، نیکو کاروں کی نجات اور گنہ گاروں کی ہلاکت ہوئی محض بخت و اتفاق نہیں بلکہ ارادہ ومشیت الٰہی نے خاص ان قوموں کے لیے بطور نشانی کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادات جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے ، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا ، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا ، مردہ کا جی اٹھنا ، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا ، پتھر سے چشمہ ابلنا ، درختوں کا اپنا جگہ سے حرکت کرنا ، بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم اسباب و علل کی بناء پر نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جا سکتا ہے ۔"[13]

سر سید سے قبل حکمائے اسلام میں فارابی اور ابن سینا کا بھی یہ خیال تھا کہ معجزہ اسباب خفیہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے اور وہ طبعی اسباب و علل سے معرا نہیں ہوتا ، اس لیے اس پر خرق عادت کا اطلاق درست نہیں ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کے اس خیال کی کمزوری بھی ثابت کی ہے ، جس سے سر سید کے نظریہ عقل و فطرت کی بے حقیقتی عیاں ہو جاتی ہے ، سید صاحب لکھتے ہیں :

" حکمائے اسلام فارابی اور ابن سینا وغیرہ کہتے ہیں کہ معجزہ اسباب خفیہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے .... حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحر قلزم (ریڈ سی) حائل تھا ، حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو دفعۃً دریا خشک ہو گیا اور راستہ پیدا ہو گیا۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر اتر گئے ، لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا ، وہ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ دریا میں مد و جزر تھا ، جب حضرت موسیٰ پہنچے تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا مد شروع ہو گیا اور وہ ڈوب گیا ، ہم ان اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہ پر وارد ہوتے ہیں کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے نظر انداز کرتے ہیں ، سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ پہنچے تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا ، آیا یہ اتفاق امر تھا اور ممکن تھا کہ ، اس کے بر عکس ہوتا یعنی فرعون بچ جاتا اور حضرت موسیٰ ڈوب جاتے اور یا یہ کہ حضرت موسیٰ کے لیے جزر اور فرعون کے لیے مد خاص طور پر پیدا کیا گیا تھا یا ایسے اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰ جزر کے وقت پہنچیں اور فرعون مد کے وقت پہنچے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھے پہلی صورت میں معجزہ کیا نبوت کی بھی تشکیک لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں خرق عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں اور خرق عادت کے تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرت مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہو گا۔"[14]

مستشرقین سے مرعوبیت

سر سید کے طریقہ تفسیر کی دوسری بڑی کمزوری مستشرقین سے ان کی مرعوبیت ہے ، ان کی نگاہوں کے سامنے سلطنت مغلیہ کے کھنڈر پر برطانوی سامراج قائم ہوا تھا اس لیے وہ مسلمانوں کو ابتلاء و آزمائش سے بچانے کے لیے یہ مشورہ دیتے تھے کہ انگریزوں کے ساتھ مقاومت اور ٹکراؤ کے بجائے مفاہمت کا رویہ اپنائیں ، مولانا حالی سر سید کے اس طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" سر سید کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ہندوستان کے ساتھ کوئی برتاؤ انگریزوں کی طرف سے ایسا نہ ہو جو ہندوستانیوں کی ذلت کا باعث ہو خصوصاً مسلمانوں کی جانب سے انگریزوں کی بد گمانی رفع کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ کوشش و تدبیر کا فروگزاشت نہیں کیا۔"[15]

غرض سیاسی سطح سے لے کر علمی محاذ تک سر سید کا یہی طریقہ کار تھا جس پر وہ نہایت نیک نیتی سے قائم تھے ، تفسیر القرآن کے مطالعہ سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خود سر سید اپنی عقلی توجیہات سے مطمئن نہ تھے بلکہ وہ مخالفین کے پروپیگنڈے سے متاثر تھے ، مثلاً وہ اپنی تحقیق میں ملائکہ اور شیاطین کے وجود کی نفی کرتے ہیں اور ان کو مجموعی قویٰ ملکوتی و قویٰ بہیمی بتاتے ہیں جو ہر قسم کی نیکی و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں[16]، مگر خود ان کے متعلق اپنا عقیدہ یہ بتاتے ہیں :

" ملائکہ کے وجود سے ہم کو انکار نہیں ، جس قدر اختلاف ہے وہ صرف ان کی حقیقت وماہیت کی نسبت ہے۔"[17]

---

[13] مولانا سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، جلد 3، ص 267 تا 285

[14] مولانا سید سلیمان ندوی، حوالہ سابق، 52

[15] مولانا حالی، حوالہ سابق، ص46

[16] سر سید احمد خاں، تفسیر القرآن، ج 1 ص 49

[17] ایضاً جلد سوم ص 47

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داخلی رد عمل

سر سیّد کے نزدیک خرق عادت اور معجزات کی تاویل و توجیہ کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ ان کے دور میں پیر پرستی کا کاروبار عروج پر تھا اور اس قسم کے لوگ کرامات کا سہارا لے کر لوگوں کو مرعوب کرتے تھے ، چنانچہ معجزات اور کرامات کے درمیان فرق و امتیاز کیے بغیر سر سیّد نے اس گھناؤنے کاروبار کے رد عمل میں بھی سخت مؤقف اختیار کیا ، جس کا اندزہ ان کی درج ذیل تحریر سے بخوبی ہوتا ہے ، وہ لکھتے ہیں :

" ہماری سمجھ میں کسی شخص میں معجزے یا کرامت کے ہونے کا یقین کرنا ذات باری کی توحید فی الصفات پر ایمان ناقص اور نا مکمل کر دینا ہے اور اس کا ثبوت پیر پرست و گور پرست لوگوں کے حالات سے جو اس وقت بھی موجود ہیں اور صرف معجزے اور کرامت کے خیال نے ان کو پیر پرستی و گور پرستی کی رغبت دلائی ہے اور خدائے قادر و مطلق کے سوا دوسرے کی طرف رجوع کیا ہے اور منتیں ماننا ، نذر و نیاز چڑھانا ، ان کے نام کے نشانات بنانا اور جانوروں کی بھینٹ دینا سکھایا ہے بخوبی حاصل ہے اسی وجہ سے ہمارے سچے ہادی محمد ﷺ اور ہمارے سچے خدا وحدہ لا شریک نے صاف صاف معجزات کی نفی کر دی تا کہ توحید کامل بندوں کو حاصل ہو۔"[18]

احکام اسلام کی غلط ترجمانی

تفسیر القرآن کا ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں متعدد اسلامی احکام کی تشریح صحیح نہیں کی گئی ہے ، مثلاً سود کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" بہت سے معاملات قرضہ کے ہیں جو تجارت کے کاروبار میں پیش آتے ہیں اور ایسے بینکوں کے قائم ہونے سے جو سود پر تجارت کے مقاصد کے لیے روپیہ قرض دیتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ روپیہ پہنچاتے ہیں اور ہر قسم کی آڑتوں کا کام کرتے ہیں اور جن سے تجارت کو اور ترقی ، ملک کو اور افزونی ، آبادی کو نہایت امداد پہنچتی ہے ، ان معاملات میں جو سود کر لیا دیا جاتا ہے ، مجھ کو قرآن مجید کی رو سے اس کے لیے ایسے ربا ہونے جس کو اس آیت میں حرام کہا ہے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی پس حکم ربا کا جو قرآن مجید میں ہے وہ نہایت اخلاق و نیکی پر مبنی ہے اور اس طرح ترقی و تجارت و ترقی ملک و دولت کا مانع نہیں ہے ، فقہا نے بلا شبہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایسی قیدیں بڑھا دی ہیں جن سے ربا کا حکم تجارت کی ترقی کا مانع قوی ہو گیا ہے ، مگر قرآن مجید سے ایسا نہیں پایا جاتا۔"[19]

اسی طرح قربانی جو ایک مذہبی حکم ہے اس کے بارہ میں وہ رقم طراز ہیں :

" انسان کے گناہوں کے کفارہ میں قربانی کرنا اور انسان کے جرم کے سبب ایک جانور مارنا اور یہ سمجھنا کہ انسان گناہ سے پاک ہو گیا ہے ایک عجیب و غریب خیال ہے جو نہایت تاریکی اور جہالت کے زمانہ میں لوگوں کو پیدا ہوا تھا .... کسی قربانی کا حکم بطور انسانی گناہ کے کفارہ کے قرآن مجید میں نہیں آیا ہے ، حج کی قربانیاں در حقیقت مذہبی قربانیاں نہیں ہیں اور نہ ان کی فرضیت قرآن مجید سے نص صریح سے پائی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہمارے علمائے مجتہدین نے کتب فقہ میں کسی قربانی کو فرض نہیں قرار دیا ہے ، زیادہ سے زیادہ جو کوشش کی ہے تو واجب لکھا ہے اور ہم کو اس میں بھی کلام ہے۔"[20]

دراصل قرآن مجید کی تفسیر کا کام بڑا نازک اور اہم ہے ، اسی لیے علمائے اسلام نے ایک مفسر کے لیے بہت سے اوصاف و خصوصیات کا حامل ہونا ضروری قرار دیا ہے ، سر سیّد احمد خاں مرحوم اپنی گوناگوں خوبیوں اور کمالات کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کے اہل نہ تھے ، اس کا اعتراف ان کی تحریک سے متاثر اور ان کے خدمات و کمالات کے قدر داں لوگوں نے بھی کیا ہے ، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی مرحوم فرماتے ہیں :

" سر سیّد کی تصانیف ما قبل غدر سر رشتہ و قانون ، سیرت و تاریخ ، تصوف اور مذہبی مناظرہ سے تعلق رکھتی ہیں ، بعد غدر انہیں مباحث میں پالیٹکس اور تعلیم کا اضافہ اور ہو گیا ، کوئی رسالہ یا کتاب تفسیر یا ادب سے تعلق نہیں رکھتی نہ حیات جاوید سے کہیں اس امر کا سراغ ملتا ہے کہ سر سیّد نے تفسیر کا مطالعہ باقاعدہ کیا ہو ، ہاں اس کا ثبوت ہے کہ ان کی نظر اس فن میں نہایت محدود تھی۔"[21]

سر سیّد احمد خاں مرحوم کی تفسیر القرآن پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے بڑی جامع مثال دی ہے ، اس کی حیثیت شهد شاهد من اهله[22] کی ہے ، ہم اسی پر یہ مضمون ختم کرتے ہیں ، نواب صاحب لکھتے ہیں :

" ہمارے خیال میں سر سیّد کی تفسیر نگاری کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک طوفان خیز سمندر میں جہاز کو ایسا کپتان لے جائے جو نہ کسی بحری مدرسہ کا تعلیم یافتہ ہو اور نہ کسی ماہر استاد کی صحبت میں اس نے جہاز رانی سیکھی ہو اور محض ضرورت وقت پر لحاظ اور اپنی عقل پر بھروسہ کر کے جہاز کو لے چلا کھڑا ہو ، ظاہر ہے کہ ایسے جہاز کا انجام کیا ہو گا ؟"[23]

---

18 سیّد احمد خاں ، حوالہ سابق ، ج 3 ، ص 38 - 39

19 سیّد احمد خاں ، حوالہ سابق ، ج 1 ، ص 307

20 ایضاً ، ج 2 ، ص 94 - 95

21 مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی ، حوالہ سابق ، ص 56

22 قرآن مجید میں من اهلها تھا لیکن موقع کے لحاظ سے من اهله کر دیا گیا ہے۔

23 مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی ، حوالہ سابق ، ص 59

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر عبد الرزاق گوندل

نواب صدیق حسن خاں کی تفسیری خدمات

کلام الٰہی قرآن مجید فرقان حمید وہ منبع نور ہدایت ہے جو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر انسانی ہدایت کے لیے نازل ہوا جس کا ایک ایک لفظ معانی، و حقائق کا گراں قدر خزینہ ہے۔ عہد رسالت سے لے کر آج تک قرآن مجید کے ساتھ مسلمانوں کا گہرا شغف رہا ہے۔

انفرادی و اجتماعی زندگی کے مسائل کے حل میں قرآن ہی ان کا مرجع و محور ٹھہرا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد و ہر خطے میں مسلم علماء کی توجہ کا مرکز علم تفسیر ہی رہا۔ مسلم تفسیری ادب کا ایک معتد بہ حصہ برصغیر کے اہل علم کی کاوشوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کی ابتدائی کاوشوں میں عبد بن حمید السندھی (م 249ھ / 863ء) کا نام معروف ہے ان کے بعد شیخ اشرف جہانگیر سمنانی (م 808ھ / 1406ء)، شیخ محمد بن حسن یوسف حسنی دہلوی (م 828ھ / 1424ء)، شیخ علاؤ الدین علی بن احمد المہائمی (م 835ھ / 1432ء)، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م 848ھ / 1445ء)، شیخ حسین بن خالد ناگوری (م 901ھ / 1496ء)، حاجی عبد الوہاب بخاری (م 933ھ / 1527ء)، شیخ مبارک بن خزرم (م 1001ھ / 1593ء)، صاحب سواطع الالہام ابو الفیض فیضی (م 1004ھ / 1595ء)، شیخ طاہر بن یوسف سندھی (م 1004ھ / 1595ء)، شیخ منور بن عبد الحمید (م 1011ھ / 1603ء)، شیخ نظام الدین تھانیسری (م 1024ھ / 1615ء)، شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی (م 1031ھ / 1622ء)، شیخ نعمت بن عطاء اللہ فیروز پوری (م 1072ھ / 1662ء)، شیخ یحیٰ بن محمد حسینی گجراتی (م 1101ھ / 1690ء)، شیخ جمال الدین گجراتی (م 1124ھ / 1712ء)، شیخ علی اصغر قنوجی (م 1140ھ / 1727ء)، شیخ کلیم اللہ جہان آبادی (م 1141ھ / 1728ء)، شیخ فتح محمد سیدانوی (م 1143ھ / 1734ء) اور محمد بن حکم بریلوی (م 1150ھ / 1737ء) نے تفسیر قرآن میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

بعد ازاں عظیم خادم قرآن حضرت شاہ ولی اللہ المعروف محدث دہلوی نے قرآن پاک کو مقامی زبانوں میں سمجھنے کے لیے ترجمے کا آغاز کیا۔ ان کے بیٹوں شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین نے اردو دان طبقہ کے لیے فہم قرآن کی راہ ہموار کی۔ شاہ عبد القادر دہلوی (م 1205ھ / 1817ء) کے 15 سال بعد ایک ایسی نابغہ روزگار ہستی نے جنم لیا جس نے وللٰہی فہم قرآن کی تحریک کی ابتدائی پھوٹتی ہوئی کونپل کو خون جگر سے یوں سیراب کیا کہ کچھ ہی عرصہ بعد وہ ایسا تناور درخت بنا کہ اس کے بعد آنے والے عامۃ الناس ہی نہیں بلکہ خواص بھی مستفید ہوئے بغیر نہ رہ سکے[1]۔

مقالہ ہذا میں برصغیر کے اس عظیم مفسر کے احوال و آثار اور ان کی تفسیری خدمات کا مختصر تعارفی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی، برصغیر پاک و ہند کے بیسویں صدی کے مفسر قرآن ہیں۔ آپ کی پیدائش 19 جمادی الاول 1248ھ / 14 اکتوبر 1832ء بروز یکشنبہ (اتوار) اپنے ننھیال کے ہاں بریلی میں ہوئی۔[2]

آپ نے حصول تعلیم کے لیے بھوپال، بلگرام، ٹونک، فرخ آباد، کان پور اور دہلی وغیرہ شہروں کے سفر کیے اور اپنے عہد کے بڑے بڑے علماء سے کسب فیض کیا مفتی دہلی اور صدر الصدور مفتی صدر الدین خان سے تعلیم کی تکمیل کرنے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد محمد صدیق حسن خان نے جب مراجعت وطن کا قصد کیا تو مفتی صدر الدین خان نے آپ کو اپنی مہر اور دستخط ثبت کر کے سند عطا کی۔[3]

آپ تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کرنے کے بعد دینی و دنیاوی اعتبار سے عالی مرتبے پر فائز ہوئے۔ ایک وقت آیا وہ ملکہ بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم کے دربار میں پہنچے اور سرکاری خدمات سرانجام دینے لگے آخر کار نواب شاہ جہاں بیگم ان کے علم و فضل اور انتظامی امور سے حد درجہ متاثر ہوئیں کہ ان کے حبالہ عقد میں آگئیں۔[4]

---

1 (تفصیلات کے لیے) ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ پی ایچ ڈی "نواب صدیق حسن خان کا تفسیری منہج اور ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تفسیری ادب میں مقام"

2 صدیق حسن خان، نواب، ابقاء المنن بالقاء المحن، المطبع الشاہجہانی الکائن بھوپال 1305ھ، ص 7

3 رضیہ حامد، ڈاکٹر، نواب صدیق حسن خان، اصغر منزل بدھوارہ بھوپال، اشاعت اول 1983ء، ص 76 – 77

4 علی حسن خان طاہر، مآثر صدیقی، موسوم بہ، سیرت والاجاہی، جمعیت اہل سنت لاہور، 1991، 2 / 106 – 107، 10 شعبان 1289ء / 14 اکتوبر 1872ء کو آپ کا نکاح ہوا۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے نواب، والا جاہ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواب صدیق حسن خان نے 59 سالہ مختصر عمر پائی اور آپ نے بھوپال کی حکمرانی درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ زندگی کے مختلف شعبہ جات مثلاً تاریخ العلوم و علماء، حدیث، عقائد، لغت، طبقات، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، فقہ الحدیث، بدیع، کلام، مواعظ، محبت، دعوات، اصول الدین، منہیات، علم الآخرہ، تصوف، توحید، مہلکات، ملل و نحل، فقہ السنۃ، موعظت و وصایا، کشکول، شعر، اصول حدیث، ادب، سیرت، سوانح، مناقب، صرف، منطق، سیاست، اخلاقیات، متفرقات اور تفسیر سے متعلق آپ نے کتب تحریر فرمائیں جن کی تعداد 222 سے زائد ہیں۔[5]

یہ آپ کی تصنیف و تالیف کے شغف پر دال ہیں اور ان تمام سے بڑھ کر قرآن و علوم قرآن سے آپ کا خاص شغف تھا۔ آپ کا تحریری سرمایہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف دنیا کی مختلف جامعات میں ایم۔ فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر ہونے والے تحقیقی مقالات سے واضح ہوتا ہے۔ ان میں بعض قابل ذکر تحقیق مقالات درج ذیل ہیں:

1 "لائف اینڈ ورکس آف نواب صدیق حسن خان" (Life and Works of Nawab Siddiq Hasan Khan) کے عنوان پر سعید اللہ خان نے کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

2 "نواب صدیق حسن خان، حیات و خدمات" کے عنوان پر رضیہ حامد نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (انڈیا) سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

3 " السید صدیق حسن القنوجی آراؤہ الاعتقادیہ وموقفہ من عقیدۃ السلف" کے عنوان پر ڈاکٹر اختر جمال لقمان (سعودی عرب) نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

مندرجہ بالا تینوں مقالات زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ مزید براں

4 اجتباء ندوی نے بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے نواب صدیق حسن خان پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

5 نواب صدیق حسن خان قنوجی اور لغت نویسی کے عنوان پر عدیل الرحمن نے شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی سے تحقیقی مقالہ لکھ کر ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔

2005ء میں جامعہ سلفیہ بنارس (انڈیا) میں نواب صدیق حسن خان کی علمی و دینی خدمات پر تین روزہ سیمنار منعقد کیا گیا۔ جس میں نواب صاحب کی علمی، تصنیفی اور دینی خدمات کا جائزہ لیا گیا۔

راقم نے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کے لیے " نواب صدیق حسن خان کا تفسیری منہج اور ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تفسیری ادب میں مقام" کا انتخاب کیا۔ مندرجہ بالا تحقیقی کام آپ کی عظمت کا بین ثبوت ہیں۔[6]

علم و عمل کا یہ عظیم نمونہ، تصنیف و تالیف کا ماہر مصنف، اخلاقِ حسنہ کا اعلیٰ پیکر، رئیس المفسرین، خاتم المحدثین، بہترین ادیب و شاعر، قرآن و سنت کا بے مثال داعی اور ریاست بھوپال کا عادل و عالم حکمران مرض استقاء میں چند ماہ مبتلا رہ کر 29 جمادی الاخریٰ 1307ھ بمطابق 20 فروری 1890ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرما گیا[7]۔

نواب صاحب نے جب علم و معرفت کے میدان میں قدم رکھا تو پھر زندگی اسی پر رونق باغ میں فنا کر دی اور شاید ہی علم کا کوئی ایسا تالاب ہو جس میں غوطہ خوری نہ کی ہو۔

تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے میدان میں

نواب صاحب کا دائرہ تصنیف بہت وسیع ہے، نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں، بہت کم ایسی شخصیات گزری ہیں جنھوں نے قرآن اور علوم قرآن کے موضوع پر اتنا بڑا ذخیرہ تحقیق اپنے پیچھے چھوڑا ہو۔ آپ کی علمی مہارت اور وسعت کو آپ کے استاذ حسین بن محسن یمانی یوں بیان فرماتے ہیں

" البارع في سائر العلوم الجامع بين منطوقها والمفهوم وكم له من تاليف مفيدة ورسائل عديده في كل فن من الفنون مابين تفسير وحديث وغير ذلك واظهر فيها شموس البراهين واحتوت علي جمل من الفوائد النفسية للمستبصرين۔"[8]

ہم عصر بزرگ سیّد ابو البرکات خیر الدین نعمان بن شہاب الدین محمود آلوسی اس انداز سے کرتے ہیں:

"شيخنا العلامة الامام الكبير الامير البدر المنير البحر الحبير في التفسير والحديث والفقه والاصول والتاريخ والادب وغيرها ابو الطيب صديق حسن بن علي بن لطف الله الحسيني البخاري القنوجي حماه الله تعالي وعافاه وعن الشرور، وقاه وهو الذي نطقت الـن

امیر الملک، سید محمد صدیق حسن، خان بہادر عطا ہوا اور ان کے اعزاز میں 21 توپیں داغی گئیں۔

5 ایضاً (فہرست کتب مولفہ والا جاہ مرحوم) 4/ 1 20 -

6 تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ بعنوان " نواب صدیق حسن خان کا تفسیری منہج اور ترجمان القرآن بلطائف البیان کا تفسیری ادب میں مقام تحقیق کی اہمیت اور سابقہ کام کی روشنی میں افادیت"

7 وجدی، عابد علی، تاریخ ریاست بھوپال، بدھوارہ بھوپال 1988ء، ص 92

8 آفندی، سلیم فارس، قرۃ الاعیان و مسرۃ الاذہان، مطبعۃ الجوائب قسطنطنیہ، 1398ھ ص 64

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الخلائق بالثناء علیه أذعنت الأعداء لفضله وفرط ذکاءه ودهائه۔"[9]

نواب صاحب کے ایک ہم عصر عالم، محدث شہیر علامہ ابو الطیب شمس الحق عظیم آبادی صاحب "عون المعبود" نے نواب صدیق حسن خاں کا شمار چودہویں صدی ہجری کے مجددین میں کیا ہے۔[10]

حکیم سیّد عبدالحیٰ صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ

" و کان کثیر العظم لاهل العلم شدید الامتناء مجمع الکتب النادرة و نحشر علوم السنة و کتب السلف، انفق علیها الاموال الطائلة فامر بطبع تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان و فتح الباري للعامته ابن حجر عسقلاني وقد اشتري نسخة من الحدیده وکانت بخط " ابن علان و طبعه مطبعة "بولاق" في مصر و کلف طبعه خمسین الف روبية و اهداه الي اهل العلم و المشغلین بالحدیث في الهند و خارجها وقد انتسخ "سنن الدارمي" عند قفوله من الحج و البحر هاصائج و السفینه مضطربة۔"[11]

" آپ اہل علم کی تعظیم کرنے والے اور نادر و نایاب کتابوں کی طرف بہت توجہ فرماتے اور موجودہ کتابوں اور اسلاف کی کتابوں کی اشاعت کا بہت زیادہ خیال رکھتے۔ ان ضرورتوں کے لیے آپ نے بے شمار دولت خرچ کی۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر کے ساتھ فتح البیان اور ابن حجر عسقلانی کی طباعت کا حکم دیا اور اس نسخہ کو الحدیدہ سے خریدا۔ جو ابن اعلان کے قلم سے تھا اس کی طباعت بولاق کے مطبع مصر میں کی تھی اس کی طباعت کے لیے آپ نے پچاس ہزار روپے عطا کیے اور پھر اہل علم اور فن حدیث سے تعلق رکھنے والوں کو جو ہندوستان میں ہوں یا اس سے باہر ہدیہ کے طور پر دینے کا حکم فرمایا تھا جب آپ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ ایسے زمانہ میں کہ سمندر اپنی طغیانی اور جہاز بہت زیادہ حرکت میں ادھر ادھر ہو رہا تھا۔ سنن دارمی کو نقل کروا کر لا رہے تھے۔ آپ نے نہ صرف تفسیر قرآن کے بارے میں "فتح البیان فی مقاصد القرآن"، " ترجمان القرآن بلطائف البیان " اور " نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام " جیسی عمدہ تفاسیر کے ذریعے قرآن کی خدمت کی، بلکہ علوم قرآن سے متعلقہ، " اکسیر فی اصول التفسیر "، " افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ و المنسوخ " اور " فضل الخطاب فی فضل الکتاب " جیسی بلند پایہ کتابیں بھی تصنیف کیں۔

آپ نے اپنی ان تصانیف میں شریعت مطہرہ کو اقوال الناس وآراء الرجال کی ملاوٹ سے منقیٰ و مصفی کر کے پیش کیا، الغرض آپ کی تمام تصنیفات آپ کی علمیت اور علوم قرآنیہ سے گہری محبت و دلچسپی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کی علوم قرآنیہ اور تفسیر قرآن سے متعلقہ تصنیفات و تالیفات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب کی علوم قرآنیہ اور تفسیر قرآن سے متعلقہ تصنیفات و تالیفات

1 افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ

مطبع محمدی لاہور سے 1318ھ/ 1900ء کو طبع ہوئی۔ نواب صاحب اس کتاب کے آغاز میں یوں تعارف کرواتے ہیں:

" این رسالۃ 1286ھ و ثمانین ما کتیں و الف الھجریہ پرداخت و مشتمل بر یک مقدمہ دو باب و یک خاتمہ ساخت و اسامہ الشیوخ بمقدار الناسخ نام نھا د مقدمہ در بیان معانی نسخ و احکام او باب اول و ناسخ و منسوخ، قرآن کریم ترتیب سور باب دوئم در ناسخ و منسوخ حدیث خاتمہ۔"[12]

" یہ رسالہ 1286ھ / 1870ء میں قرطاس میں ایک مقدمہ دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں نسخ کے معنی واحکام باب میں بعض آیات کے نسخ کے متعلق علماء کا اختلاف اور باب ثانی میں حدیث کے ناسخ و منسوخ کا بیان ہے۔"

2 اکسیر فی اصول التفسیر

مطبع نظامی کان پور سے 1291ھ/1875ء کو معرض اشاعت میں آئی۔ بڑی تقطیع کے 130 صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے حصے میں وجہ تالیف اس کے بعد مقدمہ پھر اصول التفسیر۔ باب دوم میں وجوہ معانی قرآن، تیسرے باب میں وجوہ خفائے نظم قرآن، چوتھے باب میں تفسیر و حل اختلاف، پانچویں باب میں جمع و ترتیب نزول و نازل چھٹے باب میں بعض مقاصد قرآن اور ساتویں باب میں فضل وتلاوت و تعلیم قرآن دوسرے حصے میں 130 مفسرین اور ان کے حالات کا تذکرہ ہے۔

معروف مورخ اسحاق بھٹی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" اس موضوع کی یہ مایہ ناز کتاب ہے جسے ارض برصغیر کے ایک عظیم عالم نے حروف تہجی کی ترتیب سے تحریر فرمایا یہ ان کا نہایت ہی اہم

---

9 آلوسی، نعمان خیر الدین، جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین، مطبعۃ المدنی مصر، 1381ھ ص 48

10 عظیم آبادی، شمس الحق، علامہ، عون المعبود شرح سنن ابی داود، ج4، ص182، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان 1979ء

11 لکھنوی، عبد الحیی، علامہ، نزھۃ الخواطر، مطبوعہ انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ، س۔ن، 8/ 193

12 صدیق حسن خان، نواب، افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ، مطبع محمدی لاہور، 1318ھ ص 3

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارنامہ ہے۔ نواب صاحب نے اسے حروف تہجی کی ترتیب سے تحریر فرمایا ہے۔"[13]

3 فصل الخطاب فی فضل الکتاب

یہ کتاب اردو میں ہے 1305ھ/1887ء میں آپ نے تحریر فرمائی۔ پہلے بھوپال سے اور پھر مطبع فاروقی دہلی سے 1314ھ/1896ء میں طبع ہوئی۔ بڑے سائز کے 32 صفحات پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے فضائل کے متعلق ہے اور اس موضوع کا پوری طرح سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔[14]

نواب صاحب فرماتے ہیں:

"اس میں احادیث صحیحہ و اقوال آئمہ دین سے جو معارف خصائص و مزایائے فرقان کریم تھے قرآن عظیم کے کچھ فوائد و منافع لکھے جاتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ کے کلام کو وہی فضیلت باقی کلاموں پر حاصل ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوق پر ثابت ہے۔ اگر سارے جن و انس مجتمع ہو کر یہ چاہیں کہ قرآن کی طرح کا کلام بنا لائیں تو ہرگز نہیں لا سکتے اگرچہ بعض بعض کے ظہیر و نصیر کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کلام مقدس میں ایک ایک تذکیر کے لیے کئی کئی مثالیں ذکر کی ہیں کہ ان کو علماء ہی جانتے ہیں کہ یہ وہ کلمات طیبات ہیں کہ اگر سارے درخت قلم اور سارے دریا سیاہی ہوں تب بھی ختم نہ ہو سکیں اس کلام مبارک کے ہوتے ہوئے بشر کے کسی کلام کا وظیفہ کرنا اور ترتیبات مشائخ و علماء پر مائل ہونا کتنی بڑی بے ادبی و نادانی و محرومی ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس رسالہ میں آیات کتاب اللہ اور اس کی سورتوں پر زیادہ گفتگو کی ہے اور قدرے ماسوا پر وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب۔"[15]

13 برصغیر کے اہل حدیث خدام القرآن، مکتبہ قدوسیہ لاہور، 2005ء ص 201

14 ایضاً ص 220

15 صدیق حسن خان، نواب، فصل الخطاب فی فضل الکتاب، مطبع فاروقی دہلی، 1305ھ ص 1 - 2

تفاسیر (جزوی)

4 تذکیر الکل بتفسیر الفاتحہ وار بع قل

یہ مطبع مفید عام الکائن آگرہ سے 1304ھ/1887ء کو 62 صفحات پر مشتمل شائع ہوئی۔ یہ پانچ سورتوں کی تفسیر اردو زبان میں ہے:

"نواب صاحب فرماتے ہیں ان پانچ سورتوں کی تفسیر الگ اس لیے لکھی کہ ان کی تلاوت کا اتفاق رات دن ہر مسلمان کو نماز میں ہوا کرتا ہے۔ مراد ان پانچوں سورتوں سے فاتحہ الکتاب، و ہر چہار قُل ہیں کہ ہر پانچ سورہ توحید پر خداوند مجید کی دلیل ہیں۔ جس نے ان کے معنی سمجھ لیے وہ پکا مسلمان ہو گیا اب اس کی عبادت ٹھیک ہو گی اور وہ شرک سے بچ جائیگا۔"[16]

ان پانچ سورتوں کی تفسیر ایک الگ کتابی شکل میں لکھنے کا سبب یوں بیان کرتے ہیں: "تمام مقدمہ ان سورہ کے معنی پر تفسیر ترجمان القرآن و فتح البیان میں ہی استیفاء تمام مضامین کا اس جگہ خواہ خواں دفاتر گراں بار ہے۔"[17]

تفسیر کبیر میں فقط ایک سورہ فاتحہ سے دس ہزار مسائل کا استخراج کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معوذتین استقلالاً لکھی ہے۔ لیکن ان علوم غامذہ کا سمجھنا اہل علم کا کام ہے، نہ کہ عوام کا اور مقصود ہمارا اس جگہ سمجھانا عوام کا ہے۔[18]

تفاسیر (مکمل)

5 ترجمان القرآن بلطائف البیان

یہ تفسیر خود نواب صاحب کے قلم سے مکمل نہیں ہوئی۔ ابتداء قرآن (سورہ فاتحہ) سے لے کر

16 صدیق حسن خان، نواب، تذکیر الکل بتفسیر الفاتحہ و اربع قل، طبع بھوپال، مطبع مفید عام الکائن آگرہ 1304ھ، ص 2

17 ایضاً، ص 3

18 ایضاً، ص 3

(سورہ الکہف) اور آخری دو پارے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، نواب صاحب کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ باقی آٹھ جلدیں یعنی تکملہ، ان کے شاگرد خاص جناب ذوالفقار احمد نقوی بھوپالی نے ان کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا، اس تفسیر کی تالیف کا آغاز 1302ھ/1885ء میں ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی وجہ سے "انتزاع خطابات و اختیارات" ہو چکا تھا دوسری طرف حیات مستعار بھی پوری ہونے کے قریب تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے عوام الناس کے پر زور اصرار پر تفسیر کا آغاز کیا۔ چنانچہ "ترجمان القرآن بلطائف البیان" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "رمضان المبارک 1302ھ/جون 1885ء بروز دو شنبہ (سوموار) کو میں نے تفسیر لکھنے کا آغاز کر دیا ہے۔ رمضان المبارک میں لکھنا اس لیے شروع کیا کہ سب سے پہلے آسمان دنیا سے نزول قرآن اسی بابرکت مہینے میں ہوا۔"[19]

چھٹی جلد 2 رمضان المبارک بروز جمعہ 1306ھ/مئی 1889ء کو تحریر فرمائی۔ اس طرح نواب صاحب کی تحریر کردہ سات جلدیں عرصہ چار سال میں مکمل ہوئیں جلد کے آخر میں لکھتے ہیں:

"اس ترجمے کی لکھنے کا عجیب حال رہتا ہے ایک زمانے تک تحریر اس کی بند ہو جاتی ہے پھر قدرے تحیص کے کبھی عجالۃً اور کبھی تدریجاً لکھنا اس کا شروع کیا جاتا ہے اور لحاظ ترتیب کا بھی بخوبی نہیں رہتا۔ دو پارہ کی تفسیر (یعنی آخری دو پارے) قبل اس کے لکھی جا چکی ہے اور ہر جلد کے آخر میں تاریخ مسودہ ضبط ہوتی ہے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تقدیم تاخیر تاریخ کی نفس الامر میں غلطی ہے، بلکہ صحیح ہے۔"[20]

19 ترجمان القرآن بلطائف البیان، مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور، 2003ء، 1/3

20 ترجمان القرآن بلطائف البیان: 412/6

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تذکرہ ہوا کہ نواب صاحب نے تفسیر کی سات جلدیں لکھیں، جو کہ سورہ فاتحہ سے سورہ الکہف اور آخری دو پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے، جبکہ باقی 8 جلدیں آپ کے شاگرد اور رفیق خاص جناب ذو الفقار علی نقوی بھوپالی نے لکھیں اور اس طرح یہ تفسیر مکمل ہوئی، ذو الفقار علی نے صفر 1308ھ / 1891ء کو اس کا آغاز کیا جیسا کہ وہ خود رقمطراز ہیں:

" 2 صفر روز چار شنبہ یازدہ ساعت شب پنجشنبہ 1308ھ/1891ء سے تفسیر لکھنا شروع کیا اللہ تعالیٰ کے بے حساب احسانات ہیں کہ اس نے محض اپنی حول قوت سے آٹھ جلدیں لکھوادیں ۔ "[21]

اسی طرح جناب ذو الفقار علی نقوی نواب صاحب کی کمزوری صحت اپنے لکھاء کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں بعنوان" حسن الخاتمہ "

" نواب صاحب فرماتے تھے کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں تفسیر کا لکھنا مجھ پر شاق گزرتا ہے ذرا ذرا سے رسالے لکھنے میں جی لگتا ہے اس لیے وہ تمام جلد تمام ہو جاتے ہیں ۔ 15 ذی القعدہ 1314ھ / 4 اپریل 1897ء کو یہ تکملہ آٹھ جلدوں میں تمام کر دیا۔"[22]

اس تفسیر کا پہلا ایڈیشن پندرہ جلدوں میں مطبع مفید عام الکائن آگرہ ہندوستان 1302ھ / 1889ء تا 1314ھ / 1897ء میں شائع ہوا۔ جبکہ راقم کے پاس جو نسخہ موجود ہے وہ سولہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد پر 1306ھ رقم ہے۔ جبکہ آخری جلد 1323ھ/1905ء میں طبع ہوئی ۔[23]

ابتدائی چھ جلدوں کے بعد ساتویں اور آٹھویں جلدیں ان کی وفات کے بعد مولانا محمد بن ہاشم کھڈیاں والا نے لکھیں۔ ساتویں جلد بقیہ سورہ مریم کے آخر میں وہ اس کا یوں اظہار کرتے ہیں:

" خاکسار محمد بن ہاشم رہنے والا قصبہ کھڈیاں ضلع لاہور کا کہ اس عاجز پر اللہ پاک کا بڑا انعام ہوا کہ " ترجمان القرآن بلطائف البیان " کے پورا کرنے کا خیال دل میں سمایا مگر چند در چند اس کا پورا کرنا میسر آیا۔ پھر بھی اس اثنا میں تفسیر سورہ مریم کی اللہ پاک نے لکھوائی اب بتوفیق الٰہی اس اضعف العباد کو اس امر اہم اور تکمیل تسہیل القاری شرح صحیح بخاری کی مشغولی نصیب ہوئی اللہ پاک عزیز کتاب کی تفسیر اور جناب شاہ رسالت علیہ التحیۃ و التسلیم کی کتاب کی شرح کی تکمیل اپنی توفیق اور عنایت سے اختتام کو پہنچا دے۔ تکمیلھا لیس علیہ بعزیز انہ قدیر و بالاجابۃ جدیر اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ جل جلالہ کے آگے میری دارین کی عافیت کے واسطے عاجزی کرے اور ہاتھ اٹھائے کہ مجھ ضعیف نحیف کو دنیا میں ہر طرح کی عافیت دیوے اور آخرت میں محض اپنے فضل سے بخش دے ۔ عاجز نے تفسیر کو اسی ڈھنگ پر شروع کیا ہے جیسے نواب صاحب مرحوم نے لکھی بلکہ اتنا کام اور بھی کیا کہ جو آیات معرض استدلال میں بیان کی گئی ہیں ان کا ترجمہ بھی متن میں درج کر دیا بخلاف نواب صاحب مرحوم کے انہوں نے ان کا ترجمہ حاشیے پر لکھوایا اور وہ احادیث جو آیات کی تفسیر میں بیان کی گئی ہیں ان کا ترجمہ بھی متن میں لکھ دیا بخلاف نواب مرحوم کے کہ انہوں نے احادیث کا ترجمہ لکھا بھی نہیں۔"[24]

نواب صاحب نے تفسیر میں قرآن، حدیث، اقوال صحابہ و تابعین، لغت سے استشہاد اور امہات کتب سے اخذ و استفادہ کا اسلوب اختیار کیا جس میں محدثین کے اسلوب کے مطابق روایت و درایت کا التزام کیا اور محدثین کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں صحت کے معیار پر پوری نہ اترنے والی روایات پر نقد بھی کیا۔ آپ نے عقائد میں اہلسنت و الجماعت کے طریقہ کی پیروی کی اور فرق باطلہ مثلاً جہمیہ، معتزلہ، خوارج وغیرہ کا دلائل عقلی و نقلی سے رد کرتے ہوئے مسلک اہل سنت کی تائید کی۔ موصوف سلفی المسلک ہیں اور فقہی مسائل میں نہ تو کسی خاص مسلک کی پیروی کی اور نہ ہی تقلید کو مستحسن گردانا بلکہ اجتہاد کو امت کی ضرورت سمجھتے ہوئے اس پہ زور دیا۔ آیات احادیث سے براہ راست استنباط و استخراج کا رجحان غالب ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کی اس تفسیر کا غالب رجحان تطبیق اور اعتدال پسندی ہے اسی وجہ سے اسے تمام مسالک میں یکساں قدر و منزلت حاصل ہے۔

علماء نے اپنے سلف کے تفسیری کام کو عوام الناس تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہے اسی سلسلہ میں وقت کی ضرورت سمجھتے ہوئے نواب صاحب کی تفسیر کی تسہیل کا کام شروع کیا گیا۔ 1992-1995ء میں انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے شعبہ علوم اسلامیہ کے پروفیسر اسرائیل فاروقی، پروفیسر حافظ محمد ایوب اور پروفیسر عبد الحفیظ چودھری نے تسہیل کا سلسلہ شروع کیا جو کہ تحقیقی

---

21 نقوی، ذو الفقار احمد، بھوپالی، ترجمان القرآن بلطائف البیان، مطبع مفید عام الکائن آگرہ، 1316ھ: 14/369 - 370

22 ایضا، 1/4

23 اس کی تفصیل درج ذیل ہے: پہلی جلد سورہ الفاتحہ تا سورہ البقرہ، دوسری جلد سورہ آل عمران تا سورہ النساء، تیسری جلد سورہ المائدہ تا سورہ الانعام، چوتھی جلد سورہ الاعراف تاسورہ التوبۃ، پانچویں جلد سورہ یونس تا سورہ یوسف، چھٹی جلد سورہ رعد تا سورہ الحجر، ساتویں جلد سورہ نحل تا سورہ طہ، آٹھویں جلد سورہ انبیاء تا سورہ الحج، نویں جلد سورہ المومنون تا سورہ الحج، دسویں جلد سورہ الشعرآء تا سورہ العنکبوت، گیارہویں جلد سورہ روم تا سورہ الاحزاب، بارہویں جلد سورہ سبا تا سورہ ص، تیرہویں جلد سورہ الزمر تا سورہ شوریٰ، چودہویں جلد سورہ الزخرف تا سورہ طور، پندرہویں جلد سورہ النجم تا سورہ تحریم، سولہویں جلد سورہ الملک تا سورہ الناس۔

24 ترجمان القرآن بلطائف البیان: 7/412

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعلمی رسالہ " محدث " ماڈل ٹاؤن لاہور میں قسط وار 1991ء سے 1995ء تک شائع ہوئی۔ جس میں نصف سورہ البقرہ تک تسہیل کا کام ہو سکا، بعد ازاں لاہور سے تسہیل شدہ ایک جلد شائع ہوئی جو کہ سورہ البقرہ اور کچھ حصہ آل عمران یعنی تین پاروں پر مشتمل ہے [25]۔ ڈاکٹر محمد یوسف فاروق، رئیس ادارہ احیاء التراث اہل السنۃ الہ آباد، ضلع گوجرانوالہ، جو کہ حافظ عبدالمنان محدث پنجاب کے اخلاف میں سے ہیں نے، تسہیل کروانے کا ارادہ کیا اس ارادہ کی تکمیل ان کے قریبی دوست محمد یحیٰ قریشی ولد محمد امین قریشی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ یحیٰ قریشی جو کہ ایک سرکاری ادارہ میں ملازم تھے انہوں نے پوری تفسیر کو اپنے ہاتھ سے لکھا قدرے تسہیل بھی کی۔[26]

6 فتح البیان فی مقاصد القرآن

یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر ہے جو پہلی دفعہ 1289ھ / 1872ء کو مطبع صدیقی بھوپال سے 4 جلدوں میں شائع ہوئی۔ دوسری دفعہ المطبعۃ الکبریٰ المنیریۃ بولاق 1300ھ / 1883ء میں خوبصورت دس جلدوں میں شائع ہوئی۔ تیسری مرتبہ 1412ھ / 1991ء المکتبۃ المصریۃ بیروت سے پندرہ دیدہ زیب جلدوں میں شائع ہوئی جو آج ہر اچھی لائبریری میں موجود ہے۔ جو قاری اس تفسیر کا بنظر تعمق مطالعہ کرے گا اس کے سامنے اس کی یہ خوبیاں نمایاں ہو جائیں گی کہ یہ تفسیر روایت و درایت کی جملہ اعلیٰ صفات پر مشتمل ہے۔ اس میں صحیح روایات کا ذخیرہ بھی موجود ہے آیات قرآنی کے رموز و اسرار کو بڑے حکیمانہ اور آسان پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔ نواب صاحب نے خود اس تفسیر کی خصوصیات ابتدائے کتاب میں درج کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

"تفسیر میں جن امور کی ضرورت و حاجت ہوتی ہے یہ کتاب ان تمام پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر دراصل کئی تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ بایں معنی کہ جو علمی نکات و جرائد متعدد تفاسیر پر منتشر تھے ان تمام کو اس کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس میں روایات کی صحت اور درایت کی باریکیوں اور نزاکتوں کو مکمل طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اگر اس دعویٰ کی صداقت کا تجربہ کرنا ہو تو تمام کتب تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ بعض مفسر صرف روایات کا سہارا لیتے ہیں اور بعض صرف درایت پر اعتماد و اکتفاء کرتے ہیں ان دونوں قسم کی تفسیر کے تقابلی مطالعہ کے بعد اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو صاحب نظر کے سامنے صبح صادق کی طرح یہ حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ یہ کتاب سب کا لُب لُباب ہے۔ یہ طلبہ کے لیے ذخیرہ معلومات، عقلمندوں اور دانشوروں کے لیے سرمایہ تحقیق اور ماہرین کے لیے قابلِ تقلید ہے۔[27]

ڈاکٹر سالم قدوائی اس تفسیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر در منثور روایتی نقطہ نظر سے خاص طور پر موصوف کے پیش نظر رہی ہے۔ اس کے ضروری مطالب کے ساتھ دوسری تفسیروں سے مناسب معلومات جمع کر دی ہیں۔ ضعیف روایتوں کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور متضاد روایتوں میں ترجیحی صورتیں بیان کر دی ہیں۔ اعراب کی مشکلات دور کی ہیں۔ قراءت کے اختلافات کا ذکر کیا ہے، الغرض روایتی اور درایتی دونوں قسم کی تفسیروں کے بہترین اقتباسات اس کتاب میں اکٹھے کر دیئے ہیں۔"[28]

نواب صاحب نے اپنے تفسیری نقطہ نظر کی وضاحت کے بعد قرآن مجید کے فضائل کے متعلق روایتیں نقل کی ہیں۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر کا آغاز کیا ہے۔ الفاظ کے معانی، بیان، قراءت، اسباب نزول، مسائل فقہ اور فقہاء کے اجتہادات، غرض تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ حروف مقطعات کے سلسلہ میں دوسرے مفسرین کی طرح مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن آخر میں یہی کہا ہے کہ اگر کسی کو سلامتی رائے مطلوب ہے اور آئمہ سلف کی اقتداء کرنا چاہتا ہے تو اس بارے میں کوئی رائے نہیں دینی چاہیے بلکہ صرف اس اعتراف پر اکتفاء کرنا چاہیے کہ ان حروف کے نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے جس تک ہماری عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔[29]

برصغیر کی تفاسیر میں اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ نواب صاحب نے ابتدائے کتاب میں فن تفسیر کے اصول و قواعد اور تاریخ

---

[25] صدیق حسن خان، نواب، ترجمان القرآن بلطائف البیان، مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور، 2003ء

[26] راقم، قریشی صاحب سے دوبار ملاقات کر چکا ہے جس کے دوران انہوں نے اس بات کا تذکرہ کیا۔ قریشی صاحب فرماتے ہیں: " تفسیر لکھنے کا کام اپنے دوست ڈاکٹر یوسف، حکیم عتیق الرحمن کے کہنے پر 2005 تا 2007ء میں مکمل کیا صفحات کی تعداد تقریباً 5800 بنتی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ میرے پاس مکمل ایک مطبع کی جلدیں نہ تھیں کچھ مطبع صدیقی لاہور اور کچھ مطبع مفید عام الکائن آگرہ کی تھی۔ اس کام کو منظر عام پر لانے کا ذمہ مکتبہ قدوسیہ لاہور نے لیا اور کمپوزنگ کے مراحل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مکتبہ کے مالکان کو توفیق دے کہ وہ اس تفسیر کو منظر عام پر لا سکیں اور اہل علم کو اس سے نفع ہو اور نواب صاحب کی روح کو آرام ملے۔

[27] صدیق حسن خان، نواب، فتح البیان فی مقاصد القرآن، مطبعۃ الکبریٰ المنیریۃ بولاق مصر، طبع اول 1301ھ: 1/13-14

[28] ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ادارہ معارف اسلامی لاہور 1993ء ص 113 - 114

[29] نواب صدیق حسن خان، فتح البیان، ص 245

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفسیر کے مختلف ادوار کے بارے میں مفید معلومات کا ذخیرہ ضبط تحریر کیا ہے۔ یہ انداز تفسیر دوسرے مفسرین کے ہاں نظر نہیں آتا۔ آپ اس فن تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" هو علم باحث عن نظم نصوص القرآن و آيات سور الفرقان بحسب الطاقة البشريه و يوفق ما تقتضيه القواعد العربيه۔"[30]

" یہ علم ہے جس میں بقدر انسانی استعداد عربی قواعد و ضوابط کے موافق نصوصِ قرآن کا باہم ربط و تعلق اور آیات کی توضیح و تشریح کی جاتی ہے۔"

نواب صاحب قرآن مجید کے بارے میں صوفیاء کے کلام کو تفسیر کا درجہ نہیں دیتے۔ ممکن ہے کہ ان کے پیش نظر ہندی طلباء کی لکھی ہوئی چند تفاسیر ہوں، ان کا کہنا ہے:

"... و اما كلام الصوفية في القرآن فليس بتفسير۔"[31]

"کہ قرآن میں صوفیاء کے کلام کو تفسیر کا مقام حاصل نہیں ہے۔"

جب یہ تفسیر علماء و فضلاء کے علم و مطالعہ میں آئی تو انہوں نے اس کو بنظر استحسان دیکھا اور اس کی خود مدح کی۔ ان مداحین میں سے فن تفسیر کے عظیم مفتی حدیدہ شیخ یحیٰی بن محمد کے تاثرات بیان کر دینا کافی ہو گا۔ ان سے نواب صاحب کی منزلت اور اعلیٰ مقام کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں:

" میں نے تفسیر کے ربع اول کو نہایت غور و خوض سے پڑھا ہے، میں نے اسے اعلیٰ درجہ کی تفسیر پایا ہے۔ ترکیب و ترتیب میں محکم، تمام مباحث علوم پر حاوی اور ارباب نظر و بصیرت کے لیے سہل التاویل۔ مصنف نے اس میں عجیب اور بڑا معنی خیز انداز اختیار کیا ہے۔ مقصد کو واضح اور آسان طریق سے پیش کیا گیا ہے۔ قاری پہلی ہی نظر میں معنی و مراد تک پہنچ جاتا ہے اور اسے زیادہ زحمت غور و فکر نہیں اٹھانا پڑتی جیسا کہ قدماء کی تفاسیر کا حال ہے۔ اس کے تمام مباحث آسان پیرایہ میں پیش کیے گئے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی صعوبت اور دشواری پیش نہیں آئی انہوں نے اپنے حسن تحریر سے اللہ کی کتاب کے بھیدوں کو آشکارا کر دیا اور سلک تحریر میں موتیوں کو پرو کر عجائبات قرآن کو ظاہر کر دیا ہے۔"[32]

7 نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام

پہلے یہ کتاب مطبع علوی لکھنؤ میں 1292ھ / 1875ء میں 196 صفات پر مشتمل شائع ہوئی پھر المکتبۃ السلفیہ (لاہور) اور شعبہ تالیفات جامعہ تعلیم السلام ماموں کانجن (فیصل آباد) کی طرف سے 1421ھ بمطابق 2001ء میں 391 صفحات پر مشتمل شائع ہوئی۔ یہ کتاب نواب صاحب کی انتہائی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں آیات احکام کو جمع کیا ہے۔ اس کے بارے میں نواب صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:

" و ها انا فر تلك الايات المشار اليها بتفسير وجيز جامع لما له عليه و لم آخذ فيها من الاقوال المختلفة الا الارجح و من الدلائل المتنوعة الا الاصح الاصرح۔"[33]

" اس میں صرف وہ آیات انتخاب کی ہیں جن سے واضح طور پر مسائل مستنبط ہوتے ہیں تا کہ لوگوں کو کسی قسم کی اُلجھن اور پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور سارے قرآن کریم کی کسی ایک مسئلہ پر ورق گردانی نہ کرنی پڑے۔"

فقہ القرآن پر ایک عظیم اور نادر تحقیق ہے۔ نواب صاحب نے سورتوں کی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے 348 آیات قرآنی سے فقہی انداز میں، احکام کا استخراج کیا ہے اور پھر ان مسائل و احکام کے بارے میں محدثین کے فتاویٰ اور فیصلوں کو بڑی اہمیت دی ہے۔ کتب صحاح ستہ کے علاوہ کتب روایت کی احادیث کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے نواب صاحب کی فقیہانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آیات احکام کی تعداد کے بارے میں علماء کا اختلاف بھی نقل کیا ہے۔

برصغیر کا تفسیری ادب نواب صاحب کے تذکرہ کے بغیر ادھورا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر کے پر فتن دور میں اعتدال پسندی اور تطبیق کی روش دینے والی تفسیری کاوشوں کو عوام الناس میں عام کرنا دین کی عظیم خدمت بھی ہے اور وقت کا اہم تقاضا بھی ہے۔

توبہ و استغفار

میں توبہ و استغفار کے الفاظ ماثورہ کو ہمیشہ زبان پر جاری رکھتا ہوں، خواہ گناہوں سے تحفظ حاصل نہ بھی ہو کیونکہ گناہ کرنا تو گناہ ہے ہی لیکن توبہ و استغفار کی طرف کو دل کو نہ لگانا ایک دوسرا گناہ ہے۔ کیونکہ گناہ کے بعد توبہ فی الفور واجب ہو جاتی ہے۔ پھر اگر دوبارہ یہ قصور نہیں کرے گا۔ مگر نفس امارہ اور شیطان کے گمراہ کرنے سے دوبارہ سہ بارہ پھر وہی گناہ کر گزرتا ہے۔ اگر ہر گناہ کے ساتھ توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے تو بحکم "ان الحسنات یذھبن السیئات" گناہوں اور توبہ و استغفار کے درمیان موازنہ ہوتا ہے۔ استغفار بڑھ جائے تو گناہ گھٹ جاتے ہیں۔ اس لیے شرع شریف میں کثرت استغفار مطلوب ہے۔"

نواب صدیق حسن خاں کی خود نوشت "ابقاء المنن بالقاء المحن" صفحہ 144 سے ماخوذ

---

30 فتح البیان فی مقاصد القرآن : 1/12 - 13

31 ایضاً ص 13

32 محدث، ماہنامہ، لاہور، نواب صدیق حسن خان کی خدمات حدیث، 1994ء، ص 29 - 30

33 نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام ص : 2

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد سلیم خالد

تفسیر حقانی کا لسانی و ادبی مطالعہ

آپ ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی کے نام و لقب سے مشہور ہیں (قرآن کریم کے اردو تراجم، ص 116) وہ خواجہ محمد امیر شیخ علوی کے ہاں 1265ھ میں گھنہ نواح انبالہ (مشرقی پنجاب) میں متولد ہوئے آپ کے بزرگ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد (1029 تا 1119) میں کابل سے ہجرت کرنے بعد یہاں آبسے تھے۔ (تذکرۃ المفسرین، ص 190)

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا سال ولادت 1267ھ قرار دیا ہے۔ (نزہۃ الخواطر، جلد 8، ص 242)

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے کانپور گئے اور مولانا عبد الحق کانپوری (م 1313ھ) سے بعض درسی کتابیں پڑھیں اسی طرح مفتی محمد لطف اللہ کوئلی (م 1334ھ) سے بھی استفادہ و استفاضہ کیا بعد ازاں مراد آباد میں مولانا عالم علی نگینوی سے صحاح ستہ کی چند کتابیں پڑھیں۔ بالآخر دہلی پہنچے اور مولانا نذیر حسین محدث دہلوی (م 1320ھ) سند فراغت پائی۔ (نزہۃ الخواطر، جلد 8، ص 242)

فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی کے فتح پوری مدرسہ سے وابستہ ہوگئے اور درس و تدریس کا شغل اختیار کر لیا۔ رفتہ رفتہ تدریس کے شعبے سے کنارہ کش ہوگئے اور تصنیف و تالیف کے کام میں منہمک ہوگئے۔ اسی اثناء میں ریاست حیدر آباد نے آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس طرح غم روزگار سے بے نیاز ہو کر تصنیف و تالیف کے کام میں جت گئے۔ (نزہۃ الخواطر، جلد 8، ص 242)

آپ سلوک میں شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے بیعت تھے۔ کچھ عرصہ تک مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پروفیسر بھی رہے۔ انہوں نے چند شرفائے شہر کے تعاون سے دلی میں ایک اسکول اور یتیم خانہ بھی قائم کیا آپ نے ایک کتاب عقائد اسلام اور ایک کتاب البیان کے نام سے تحریر کی جن کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مولانا کا زندہ جاوید کارنامہ، قرآن حکیم کی ایک تفسیر بنام فتح المنان ہے یہ تفسیر القرآن تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔ وفات 12 جولائی 1345ھ کو ہوئی۔ (تذکرۃ المفسرین، ص 190 - 191)

تفسیر فتح المنان (تفسیر حقانی)

تفسیر فتح المنان مشہور بہ تفسیر حقانی، مولانا عبد الحق حقانی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر کی جلد اول صرف "مقدمہ تفسیر" پر مشتمل و محتوی ہے۔ پہلی جلد میں تین باب ہیں پھر ہر باب پر بہ اعتبار مضامین و مباحث مختلف فصلوں میں منقسم ہے۔ "مقدمہ" کے بارے میں ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین لکھتی ہیں "مقدمہ خود بہت باریکی اور محنت سے لکھا ہے جس میں تین ابواب اور ایک خاتمہ ہے اور ایک سو باون (152) صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا نے اس میں بڑے مدلل طریقوں سے فرشتوں اور معجزوں کی صداقت ثابت کی ہے۔ علاوہ ازیں سر سید احمد خان کے ترجمے (تفسیر القرآن) کی بڑی مذمت کی ہے اور اس کو بجائے ترجمہ قرآن (تفسیر قرآن) کے تحریف قرآن کا نام دیا ہے، پادری عماد الدین کے اکاذیب کا تو خوب جواب دیا ہے۔" (قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص 218 - 219)

حقیقت الامر یہ ہے کہ مقدمہ تفسیر میں بالخصوص اور تفسیر میں بالعموم سر سید احمد خاں کے تفسیری و مذہبی خیالات و معتقدات کا تعصب بطور خاص کیا گیا ہے۔

راقم الحروف کے زیر مطالعہ نسخہ تفسیر دار الاشاعۃ تفسیر حقانی، حقانی منزل، بلی ماراں دہلی کا شائع کردہ ہے۔ تاریخ اشاعت 1930ء ہے۔

مختلف جلدوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جلد اول: مقدمہ تفسیر حقانی تعداد صفحات 128۔

جلد دوم: سورہ فاتحہ اور پارہ الم کی تفسیر ہے، تعداد صفحات 247۔

جلد سوم: اس میں پارہ سیقول سے آخر تک کی تفسیر ہے، تعداد صفحات 256۔

جلد چہارم: سورہ مائدہ پارہ لا یحب اللہ سے لے کر آخر سورہ ابراہیم تک کی تفسیر ہے، تعداد صفحات 288۔

جلد پنجم: اس میں پارہ 14 سورہ الحجر سے آخر سوہ نحل تک کی ہے تفسیر ہے، تعداد صفحات 264۔

جلد ششم: اس میں پارہ 20 سورہ قصص سے لے کر آخر سوہ نجم تک کی تفسیر ہے، تعداد صفحات 312۔

جلد ہفتم: اس میں پارہ 27 سورہ قمر سے آخر سورہ المرسلات تک کی تفسیر ہے، تعداد صفحات 131۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلد ہشتم : اس میں پارہ عم سورہ نبا سے آخر سورہ الناس تک کی تفسیر ہے ، تعداد صفحات 301۔

جلد ہشتم کے اختتام پر تفسیر کے بعد مختلف تقریظات ہیں۔

جن سے مترشح ہوتا ہے کہ زیر نظر تفسیر 1314ھ میں مکمل ہوئی اور ساتھ ہی یہ الفاظ بھی ملتے ہیں " بتاریخ 4 شعبان 1314ھ بوقت صبح بمقام دہلی کتاب تمام ہوئی۔" (جلد ہشتم ، ص 302)

تقریظات کے بعد زیر نظر نسخہ تفسیر کی تاریخ اشاعت بہ الفاظ ذیل مرقوم ہے۔ فقیر محمد عبد التواب چشتی غفرلہ ، از مدرسہ امینیہ دہلی ، 24 محرم الحرام 1349ھ مطابق 24 جون 1930ء یوم یک شنبہ۔(جلد ہشتم 314)

تفسیر حقانی پہلی بار مطبع مجتبائی دہلی سے مکمل آٹھ جلدوں میں 1318ھ میں طباعت پذیر ہو کر منصہ شہود پر آئی ۔ (اردو تفاسیر ، جمیل نقوی ، ص 42)

جلد اول کا آغاز درج ذیل عربی عبارت سے ہوتا ہے۔

الحمد للہ الذي انزل الکتاب .... الخ

" اما بعد مقصد سے پہلے چند ضروری باتیں کہ جو تفسیر میں نہایت کار آمد ہیں بطور مقدمہ کے بیان کرتا ہوں ۔ اس میں تین باب اور ایک خاتمہ ہے۔

باب اول : فصل اول ہر ذی عقل یہ خوب جانتا ہے کہ یہ عالم (کہ جس میں رنگ برنگ کی صنعتیں و طرح بطرح کے استحکام و انتظام ہیں) ۔ از خود نہیں بلکہ ضرور اس کا بنانے والا عدم سے ہستی میں لانے والا کوئی بڑا حکیم ہے قوی قادر ہے کہ جس کا نہ کوئی شریک نہ کوئی سہیم ہے ۔ سب عیوب سے پاک اور ہر کام میں بے نیاز اپنی ذات و صفات میں ممکنات سے ممتاز ہے ۔ ان امور کے ثبوت میں دلیل کی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ کسی صاحب عقل سلیم کو انکار کی کوئی صورت نہیں۔ (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 1)

دوسری جلد کا آغاز خداوند تعالیٰ اور حضرت رسول ﷺ کی تعریف و تمجید پر مبنی عربی عبارت سے ہوتا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

الحمد للہ الذي اصبغ نعمه علی العباد . فارسل الانبیاء المهداة الی سبیل الرشاد .... الخ

" اما بعد فقیر ابو محمد عبد الحق بن محمد امیر کہتا ہے کہ اسلام کی خیر خواہی ہر زمانہ اور ہر ملک میں جداگانہ ہے ۔ کبھی زبان تلوار کا کام دیتی ہے اور جبکہ کجرو کج فہم تقریر سے نہیں سمجھتے تو (جس طرح شفقت پدری بچے کو امور مصلحت پر مجبور کرتی ہے اسی طرح) رحمت الٰہی بوسیلہ خاصان درگاہ سیاست سے کام لیتی ہے جب بنی العباس کے عہد میں حکمت یونانیہ و فلسفہ روم و رومانیہ نے اسلام پر حملہ کیا تو علمائے کلام کے اقلام نے نیزوں کا کام دیا کیونکہ جب صحابہ اور عرب العرباء کو جو رموز قرآن سے واقف تھے اٹھ گئے تو علماء نے مطالب قرآنیہ کی حفاظت پر کمر باندھی پھر علوم و فنون میں بے حد ترقی کی یہاں تک کہ جس طرح مدارس اندلس و بغداد میں صدہا علوم دنیویہ کا اپنے اور بیگانوں کو درس دیا ۔ اسی طرح قرآن مجید کے متعلق بے شمار علوم کو مدون کیا ۔ جس کا دسواں حصہ بھی عہد آدم سے لے کر کسی قوم نے اپنی کتاب الہامی کے لیے تدوین نہیں کیا ۔ اسی لیے زمانہ نزول سے اب تک قرآن مجید محفوظ ہے ایسی کوئی کتاب محفوظ نہیں پھر جس طرح اسلام کا شجر طوبیٰ اثر زمین پر ابر رحمت کی طرح پھلتا گیا ۔ ہر ملک اور ہر شہر کو اس نے اپنے حیات بخش پھلوں سے بہرہ ور کیا اور اپنے ظل عاطفت سے بہرہ یاب فرمایا تو اسی قدر خدا تعالیٰ نے اہل سیف و قلم کو اس کا حامی بھی بنایا ۔ جنہوں نے یوم منش اور موش طبع لوگوں سے اس کو ہر طرح سے بچایا ۔ چنانچہ جب ہندوستان کو اس آفتاب جہاں تاب نے تاریخی جہالت و بت پرستی سے چھوڑایا اور اپنے قدرتی نور سے منور فرمایا تو یہاں بھی اس کے حامی و مددگار پیدا کر دیے جس قدر فتنہ گر آتش سلگاتے رہے اتنا ہی خاصان خدا اس کو نسیم لطیف اور ابر رحمت سے بجھاتے رہے (لیکن جس طرح آمد بہار سے پہلے درختوں پر خزاں آتی اور باغ میں صرصر چل جاتی ہے اسی طرح بہار آئندہ کے لیے) چند عرصہ سے شجر اسلام سے بھی جھونکے چل رہے ہیں ۔ جس سے دشمن خوش اور درد مند کف افسوس مل رہے ہیں یہاں تک اخلاف انصار و مددگار شراب غفلت و نفاق ہو کر بے ہوش و مست و بخواب خرگوش ہو گئے تو مخالفوں نے میدان خالی پا کر اپنا کام کیا ۔ اس کی دولت اس کی شوکت اور اس کی سلطنت حکومت اور اس کے علوم و فنون کا کام تمام کیا تخمیناً سو برس سے بڑے دور دراز سے ایک قوم عیسائی دانشمند ہندوستان میں آئی تو اپنے ساتھ ہی صدہا جہاز الحاد اور شراب خوری وغیرہ کے بھی بھر لائی ۔ اول تو یوں ہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی ۔ اس پر آزادی اور الحاد کی برانڈی نے وہ آفت ڈھائی کہ

ازاں افیون کہ ساقی در مے افگند
حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

جس سے غفلت اور باہمی نزاع اور بے دینی ہر طرف سے محیط ہو کر دینی و دنیوی برکات کا خاتمہ کر دیا ۔ یہاں تک کہ ان کا دل خوش کرنے کے لیے ایک قوم نے تو وہ طرز اختیار کیا کہ اہل یورپ کا پورا جامہ ہی پہن لیا جس طرح وہ لوگ برائے نام عیسائی اور در

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت سخت ملحد ہیں نہ خدا کے قائل نہ ملائکہ و حشر و نشر ثواب و عقاب حلال و حرام طاہر و نجس کے مقرر نبی کو ایک رفارمر (ناصح) ، الہام اور کلام ملائکہ کیا مجنونوں کی بڑ ، اسی طرح یہ لوگ بھی نبی اور ملائکہ اور الہام اور جبرئیل اور خرق عادات انبیاء علیہم السلام اور نعمائے جنت اور جہنم کے وہ عقوبات کہ جو نصوص قرآن سے ثابت ہیں ان سب باتوں کے منکر اور حلال و حرام اور طہارت و نجاست وغیرہ جملہ احکام اسلام سے نا فرمان ، اس پر نام کے مسلمان ہیں ۔ پھر ان کفریات اور پادریوں اور ملحدانِ یورپ کے متعقدات کا نام تحقیق اور ترقی اسلام رکھ کر صدہا دولت مندوں اور آزادی پسندوں کو تفسیر کے پیرایہ میں ملحد و گمراہ بلکہ حقیقی اسلام کا بد خواہ بنا دیا ۔ حیف صدہا کو روحانی زہر کا پیالہ پلا دیا ۔ لہٰذا حمیت ایمانی اور اہل اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبور اردو میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا ۔ یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہ تالیف اعلیٰ حضرت ظل سبحانی بادشاہ دیں پناہ نظام الملک آصف جاہ محبوب علی خان بہادر خلد اللہ ملکہ ، کے عہد مبارک میں ظہور پذیر ہوئی ....اے ہادی مطلق مجھ کو وہ بات اس کتاب میں تلقین فرما کہ جو تیرے نزدیک حق اور بجا اور لغزش اور خطا سے بچا ۔ (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، ص 2 – 4)

یہ مقدمہ پر مغز ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی خوبیوں سے بھی مالا مال ہے ۔ اس میں مسلمانوں کی مذہبی حالت کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے الحاد کو بھی اجاگر کیا گیا ہے اور نام لیے بغیر سر سید احمد خان اور ان کے مقلدین کے عقائد کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے ۔ جب تفسیر حقانی کا پہلا ایڈیشن منصہ شہود پر آیا تو بعض علماء کی طرف سے اس پر اعتراضات بھی وارد ہوئے ۔ ان اعتراضات کی کیفیت و نوعیت جناب ڈاکٹر حمید شطاری نے یہ الفاظ ذیل قلمبند کی ہے۔

" یہاں اس امر کا اظہار بے جا نہ ہو گا کہ جلد اول کی اشاعت کے سال (سنہ 1305 ہجری) ہی میں تفسیر حقانی کے خلاف آواز بلند ہوئی ۔ رسالہ " پنج گنج " کے ذریعے مولوی محمد صالح اور مولوی محمد صادق نے " جواب تفسیر حقانی " میں کچھ اعتراضات کیے تھے ۔ " ریویو تفسیر حقانی " مولوی سید محمد نصرت علی مالک مطبع نصرت المطابع دہلی نے شائع کیا ۔ ان سب میں تقریباً ایک سے زائد اعتراضات ہیں ۔ اس سلسلے میں ان میں مختلف مولویوں کے خطوط بھی شامل کیے گئے تھے ۔ مختصر یہ کہ ایک خاص گروہ کی طرف سے اس تفسیر کی خوب مخالفت کی گئی ۔ بظاہر اس مخالفت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولوی عبد الحق نے اپنے تفسیر کا جواب لکھنے والے کسی بھی صاحب کو ایک لاکھ روپے انعام دینے کا وعدہ تفسیر کی پہلی جلد میں کیا تھا ۔ نیز مولوی عبد الحق نے کچھ اور باتیں ایسی لکھی تھیں جن پر اعتراضات وارد ہوئے ۔ ریویو تفسیر حقانی سے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں جن میں مفسر کے دعویٰ کے حوالے سے اعتراضات کیے گئے ہیں مثلاً اور یہ بھی لکھا ہے کہ الہام الٰہی نے اس تفسیر کے لکھنے پر مجھے مامور کیا ہے " اور یہ بھی لکھا کہ اگر افلاطون اور ارسطو ہوتے تو میرے ہاتھ چوم لیتے پھر یہ کہ اولیاء میں اپنا شمار کیا ہے پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ و مجوس و ہنود و نیچریوں اور یورپ کے فلاسفروں وغیرہ سب کا رد کر دیا ہے (ریویو تفسیر حقانی) اس قسم کی باتیں معترضین کو بڑھے چڑھے دعوے معلوم ہوئے ۔ خصوصاً ان افراد کو یہ بہت نا پسند ہوئیں جن کی طرف فاضل مفسر نے تفسیر حقانی حصہ دوم کے خطبے میں اشارہ کیا ہے کہ یہ نیچری پادریوں کے پٹھو ہیں ۔ معترضین کی تحریر سے مخاصمت کی بو آتی ہے ۔ کسی نے تو رسالہ " بطلان الاعلان " میں لکھ دیا ہے کہ " مفسر تفسیر حقانی جو عبد الحق اور اس کے بعد ابو محمد عبدالحق بنا ہے در اصل مسمیٰ نتھو ولد گولا ہیرا ۔ نو مسلم باشندہ گھمل ۔ سائیں پیشہ قوم رانگھڑا ہے ۔ " بالفرض کوئی ایسا ہو بھی تو کیا اسے قرآن اور اسلام کی خدمت کا کوئی حق نہیں ہوتا بلکہ ہمارے لیے تو ایسی بات قابل فخر بن جاتی ہے ۔ ویسے غلطی کس سے نہیں ہوتی ۔ تصحیح خود ایک اعتراف ہے ۔ چنانچہ مخالفین کے رسالوں میں تفسیر کے تعلق سے جو باتیں قابل اعتراض بتائی گئی تھیں ۔ بار دوم کے مطبوعہ نسخہ میں غالباً محذوف کر دی گئی ہیں ۔ " الہام " والا جملہ تو خطبہ میں موجود ہے اور خطبہ سارے کا سارا پچھلے اوراق میں درج ہے ۔ کوئی قابل اعتراض بات معلوم نہیں ہوتی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر مفسر نے تصحیح کر لی یا الفاظ بدل دیئے ہیں ۔" (قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر ، ص 457 – 458)

پروفیسر عبد الصمد صارم اس تفسیر کی بابت لکھتے ہیں۔

" بہترین تفسیر ہے ، مصنف کے علمی کمالات کی شاہد عادل ہے ۔" (تاریخ التفسیر ، ص 41)

مباحثات و مندرجات تفسیر

کیفیت ترجمہ :

پیش نظر تفسیر میں ، مفسر آیات کا با محاورہ ترجمہ معرض تحریر میں لاتا ہے لیکن ترجمہ الفاظ کے تابع ہوتا ہے ۔ وہ ایک یا ایک سے زائد آیات لکھتا ہے اور پھر ترجمہ قلمبند کرتا ہے ۔ ترجمے میں روانی اور تسلسل کو قائم رکھنے لیے بالعموم زائد الفاظ بھی تحریر کر دیتا ہے لیکن یہ زائد الفاظ ہلالین (بریکٹ) میں درج کیے جاتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بطور مثال سورہ اخلاص کا ترجمہ :

" (اے نبی) کہہ دو کہ یہ اللہ یگانہ ہے ، اللہ بے نیاز ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے ۔" (تفسیر حقانی ، جلد 8 ، ص 277)

تشریحات صرف و نحو :

تفسیر زیر نظر میں صرفی مسائل سے بہت کم لیکن نحوی مسائل سے زیادہ تعرض کیا گیا ہے ۔ آیت درج کرنے کے بعد اس کی نحوی ترکیب اور وجوہ اعراب تفصیلاً بیان کی ہیں ۔ گویا اعراب و ترکیب آیات کا بیان اس تفسیر کا ایک نمایاں اور مابہ الامتیاز پہلو اور وصف ہے مثلاً

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

ترکیب :

نعبد فعل اور ضمیر نحن فاعل ۔ ایاک مفعول ہے کہ جو تخصیص کے لیے مقدم کر دیا گیا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا ، واؤ حرف عطف ، نستعین فعل ، با فاعل ، ایاک مفعول مقدم برائے تخصیص ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا جملہ سابقہ پر۔(تفسیر حقانی ، جلد دوم ، ص 22)

توضیحات و تلمیحات :

اس تفسیر میں بعض قرآنی تلمیحات کی تشریح و توضیح کا اہتمام بھی نظر آتا ہے لیکن مفسر اس سلسلے میں لا یعنی حکایات اور اسرائیلی روایات و قصص سے احتراز کرتا ہے اور ایسی روایات کے سقم کو بیان کر دیتا ہے ۔ مثلاً زیر آیت وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت .... الخ ، ہاروت ماروت کے سلسلے میں لکھا ہے۔

" ہاروت و ماروت شہر بابل میں دو شخص تھے جن کو ان کے ان عجائبات افعال اور نیک چلنی کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے اور ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا (اور اس بات کو وہ قراۃ سوید ہے کہ جس میں ملکین کو بکسر لام پڑھا ہے اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے) (بیضاوی و تفسیر کبیر) یہ شخص اس فن سے واقف تھے مگر اس کو برا سمجھتے تھے ۔ یہاں تک کہ جو ان کے پاس سیکھنے آتا ان سے کہہ دیتے تھے کہ بھائی خدا نے یہ علم ہم کو تمہاری آزمائش کے لیے دیا ہے کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہتے ہو یا نہیں اس کو نہ سیکھو ورنہ ایمان جاتا رہے گا مگر یہود ایمان کی کیا پرواہ کرتے تھے سیکھنے سے باز نہ آتے تھے پس ان پر نازل ہونے سے یہ مراد کہ خدا نے ان کو اس فن میں ماہر و عالم ہونے کی قدرت عطا کی تھی نہ یہ کہ کتاب آسمانی کی طرح ان پر خدا نے جادو نازل کیا تھا کہ وہ اس کی تعلیم دیا کرتے تھے ۔ بعض مفسرین نے لفظ انزال سے یہ سمجھ لیا کہ وہ فرشتے تھے جو حضرت ادریس کے عہد میں زمین شہر بابل میں آئے تھے پھر ایک حسین عورت زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے اس کے کہنے سے شراب پی کر اس کے خاوند کو قتل کیا اور بت کو سجدہ کیا اور زہرہ نے اسم اعظم ان سے سیکھ لیا جس سے وہ تو آسمان پر گئی اور یہ بابل کے کنوئیں میں الٹے لٹکتے ہیں اور وہاں آگ سے ان کو عذاب ہوتا ہے پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے پہلے اس کو سمجھا دیتے ہیں پھر سکھا دیتے ہیں ۔ چنانچہ ایک شخص عبد الملک بن مروان کے پاس ان سے مل کر آیا تھا ۔ یہ بے اصل کہانیاں ہیں ۔" (تفسیر حقانی جلد دوم ، ص 192 - 193)

فقہی مباحث :

اس تفسیر میں فقہی مسائل و احکام کے بیان کا التزام بھی نظر آتا ہے ۔ چنانچہ آیات الاحکام کی تفسیر کے ضمن میں یا بعض ایسی آیات جن سے کوئی فقہی مسئلہ متعلق ہو ۔ فقہا کے مذاہب و اختلاف کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ بعض اوقات اختلافات کی وجوہات اور دلائل سے بھی تعرض کیا جاتا ہے۔

مثال :

زیر آیت ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت اواعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما...... الخ

ہر چند لفظ لا جناح سے صفا و مروہ کی سعی واجب یا فرض معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہ بات کہ جو سعی کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں لیکن دلائل شرعیہ سے اس کا کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے پھر امام شافعی فرض کہتے ہیں بغیر اس کے حج و عمرہ نہیں ہوتا نہ قربانی اس کے قائم مقام ہوتی ہے اور امام ابو حنیفہ واجب کہتے ہیں کہ اس کے نہ کرنے سے حج و عمرہ فوت نہیں ہوتا بلکہ قربانی سے بدل مافات ہو سکتا ہے ۔ یہ ایک باریک سا فرق ہے اور دلائل ہر فریق کے ان کی کتابوں میں مذکور ہیں مگر جو لوگ اس کو ضروری نہیں کہتے جیسا کہ مجاہد اور عطا تو ان کا قول صحیح نہیں کس لیے کہ بہت سی احادیث صحیح اس کے وجوب کو ثابت کر رہی ہیں بالخصوص حضرت عائشہ کی وہ حدیث کہ جس کو امام بخاری و مسلم و مالک نے روایت کیا ہے کہ عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ سے عرض کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو صفا و مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو اس پر کچھ حرج نہیں ام المومنین نے فرمایا تو سمجھا نہیں اگر یوں ہوتا تو ان یطوف بہا فرماتا۔ (تفسیر حقانی ، جلد سوم ، ص 13)

توضیح ربط آیات و سورہ :

تفسیر زیر مطالعہ کی ایک اہم خصوصیت آیات کے باہمی ربط و تعلق کی وضاحت ہے اسی طرح ہر سورہ کے آغاز میں سورہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے ما قبل سورہ سے ربط کی نشان دہی اور صراحت کر دی جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً سورہ قریش کا ربط سورہ فیل سے بہ الفاظ ذیل بیان کیا گیا ہے۔

ربط اس کا سورہ فیل سے یہ ہے کہ سورہ فیل میں قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے اصحاب الفیل کو جو اس گھر کو ڈھانے آئے تھے ان کو اس گھر کی برکت سے غارت کر دیا اور تم کو ان سے بچا لیا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا جو تمہاری گرمی اور سردی میں سرد اور گرم ملکوں میں تجارت کی طرف رغبت کا باعث ہوا اب اس سورہ میں یہ بتلایا ہے کہ تم پر ہمارا یہ انعام ہوا اب تم کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو نہ جھوٹے معبودوں کی اور مجملہ عبادت کے یہ بھی ہے کہ جس کو اس گھر کے رب نے تمہاری اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اس کے کہنے پر عمل کرو اور اس کے یار و مددگار بن کر جس طرح دنیا کمانے کے لیے سفر کیا کرتے ہو دین پھیلانے کے لیے سفر کرو اب یہ دوسری تجارت تمہیں بتلائی جاتی ہے۔(تفسیر حقانی، جلد 8، ص 251)

وضاحت اسباب نزول :

بہت سی آیات قرآنی اور مختلف سورہ مبارکہ حالات و کوائف کی مناسبت سے نازل ہوئیں ۔ اس طرح ہر ایک کی شان نزول کچھ نہ کچھ ضرور ہے ۔ تفسیر زیر تبصرہ میں بھی کئی مقامات پر آیتوں اور سورتوں کے اسباب نزول کے واقعات بالالتزام بیان کیے گئے ہیں ۔ مثلاً زیر آیت " أتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون" لکھا ہے :

ابن عباس سے یوں منقول ہے کہ علمائے یہود اپنے ان اقارب سے جو مسلمان ہو گئے تھے یہ کہتے تھے کہ اسی دین پر قائم رہو کیونکہ یہ حق ہے اور از خود اسلام میں داخل نہ ہوتے تھے (جلالین) بعض کہتے ہیں کہ اوروں کو صدقہ اور خیرات کا حکم دیتے تھے اور خود نہ کرتے تھے (بیضاوی) ۔ (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، ص 143)

متقدم مفسرین سے استفادہ :

تفسیر ہذا میں متقدم تفسیری اقوال و آراء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

مثلاً زیر آیت " اذ قال یا عیسیٰ انی متوفیك و رافعك الي و مطهرك...... الخ مرقوم ہے۔

توفی کے معنی لغت میں کسی چیز کا پورا کر دینا ہے اور چونکہ مردہ اپنی حیات کا پورا حصہ پا لیتا ہے اس لیے اس کو بھی متوفی کہتے ہیں اور انہیں اعتبارات سے اس کے معنی قبض کرنے کے بھی آئے ہیں اور کبھی متوفی بمعنی مستوفی بھی آتا ہے اگر یہاں اس سے مراد موت لی جائے تو پھر اس آیت میں (و ما قتلوہ و ما صلبوہ نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی دیا بلکہ ان پر اشتباہ پڑ گیا) ۔ بظاہر اختلاف سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ بعض پادریوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے (ہدایت المسلمین ، ص 355) اس کا جواب بہت سہل ہے۔

1 یوں کہ یہاں متوفی بمعنی مستوفی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ میں تیری اجل کو پورا کروں گا کہ تجھ کو ان کے قتل سے بچا کر آسمان پر چڑھا لوں گا پھر تو اپنے وقت معہود پر مرے گا (بیضاوی)۔

2 یوں کہ اس کے معنی قبض کے ہیں جس سے آیت کے یہ معنی ہوئے کہ میں تجھ کو زمین سے اپنے قبضہ میں لا کر آسمان پر پہنچا دیتا ہوں (بیضاوی) اور یہود نے جس کو قتل کیا وہ شمعون افرانی یا کوئی شخص ان کا شبیہ تھا جس سے ان کو اشتباہ واقع ہوا (تفسیر کبیر)۔

(تفسیر حقانی، جلد سوم، ص 116)

رد عیسائیت :

اس تفسیر میں دیگر مذاہب مثلاً ہندو مت اور عیسائیت وغیرہ کے اعتراضات کا استرداد کیا گیا ہے لیکن عیسائیت کے تعقب کا بطور خاص التزام نظر آتا ہے، مثال آیت " ان اللہ لا یخفی علیه شئ في الارض و لا في السماء" یا یوں کہ پہلی آیت میں نصاریٰ کے عقائد فاسدہ تثلیث اور الوہیت مسیح وغیرہ کا رد تھا اور بیشتر عیسائی ان خیالات باطلہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم و قدرت سے استدلال کیا کرتے ہیں علم سے یوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی باتیں بتاتے تھے اور جو کوئی گھر میں کچھ کھا کر آتا اس کو بھی ظاہر کر دیتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ خدا تھے کہ خدا انسان کی صورت میں ظاہر ہوا تھا یا خدا کے بیٹے تھے جو باپ کی طرح مغیبات رکھتے تھے قدرت سے اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے کوڑھیوں ، اندھوں کو تندرستی دیتے تھے ، ہوا کو ڈانٹتے اور جنوں کو نکالتے تھے یہ بھاری کام انسان کے نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ خدا یا اس کے بیٹے تھے ....الخ۔

پہلے شبہ کا جواب ان اللہ لا یخفی میں دیا کہ خدا کی شان علام الغیوب ہونا ہے سو یہ بات سواء ذات باری اور کسی کو حاصل نہیں اور جو کسی نبی یا فرشتہ کو کوئی بات معلوم ہو تو وہ بھی اس کی طرف کا فیضان ہے اور جو عیسیٰ خدا ہوتے تو ضرور ان پر بھی کوئی بات مخفی نہ ہوتی حالانکہ ان پر بہت سی باتیں مخفی تھیں ۔ چنانچہ انجیل لوقا کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے پھر اور روح کی رہنمائی سے بیابان میں گیا جب غیر کی رہنمائی ہوئی تو علام الغیوب کہاں رہا ؟ علاوہ ازیں اسی کتاب کے آٹھویں باب میں ہے کہ ایک عورت نے کہ جس کا بارہ برس سے خون جاری تھا چپکے سے آگے پیچھے سے مسیح کی پوشاک چھولی جس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس کا خون بند ہو گیا مگر مسیح کو وہ نہ معلوم ہوئی لوگوں سے پوچھا آخر اس عورت نے اظہار کیا اور بہت مقامات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر حقانی، جلد سوم، ص 95)

سرسید کے عقائد و نظریات کی تردید:

سرسید احمد خان نے قرآن پاک کی ایک تفسیر بنام تفسیر القرآن سپرد قلم کی۔ سرسید نے مذکورہ تفسیر میں کافی حریت سے کام لیا۔ چنانچہ ان کے تفسیری و مذہبی خیالات پر تقریباً جمہور علمائے کرام نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا بلکہ بعض علمائے کرام نے ان کے نظریات کی تغلیط اور معتقدات کی تردید میں باقاعدہ کتابیں تحریر کیں۔ چنانچہ زیر نظر تفسیر قرآن بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس تفسیر کے مقدمے میں بالخصوص اور دوران تفسیر بالعموم سرسید کے مذہبی و تفسیری خیالات کا ابطال و استرداد کیا گیا ہے۔

مثال:

قولہ ص 152 (قول سرسید احمد خان) پس درحقیقت یہودی جس کو جبرئیل کہتے تھے اور جس کا نام حکایتاً خدا نے بیان کیا ہے وہ ملکہ نبوت خود آنحضرت ﷺ میں تھا جو وحی کا باعث تھا۔ اقول (مفسر کا قول) اگر آپ کا یہ قول سچ ہے تو اس سے پہلا یہ قول قولہ ان آیتوں میں جن کی تفسیر ہم لکھتے ہیں۔ کلام مقصود صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اس وحی کا عدو ہو .... الخ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب اس کلام من کان الخ میں آپ نے جبرائیل سے وحی مراد لی تو ملکہ نبوت جو بقول آپ کے باعث وحی مراد لینا صاف غلط ہوا کجا وحی کجا ملکہ نبوت وحی ایک سبب دوسرا مسبب یا ایک علت دوسرا معلول دونوں میں تغائر ذاتی۔ یہ پس بھی آپ کا پہلے پس کا بھائی ہے۔ قولہ ان وجوہات سے یہ بات (کہ جبرائیل درحقیقت کسی فرشتے کا نام) ثابت نہیں ہوتی اقول: وہ کون سے وجوہات ہیں ذرا بیان تو کیجئے ورنہ آپ ہی پس پس کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ قولہ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ خدا کے پاس ان دو فرشتوں کے سوا اور بھی بہت سے فرشتے ہیں .... مگر بجز دو فرشتوں کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ اور کسی کا نام قرآن میں نہیں ....الخ ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کیے ہوئے ہیں جو مختلف قویٰ کی تعبیر کرنے کو انہوں نے رکھ لیے تھے۔

اقول: یہ آپ کی چھٹی دلیل ہے۔ یہ سب سے زیادہ غلط ہے (اول) یہ کہ قرآن میں علاوہ ان کے اور فرشتوں کے بھی نام ہیں جیسا کہ زبانیہ اور ملک (دوم) قرآن میں اگر ملائکہ کے نام کی فہرست ہوتی تو آپ کا یہ اعتراض کہ اس فہرست میں دو کے سوا اور کا کیوں نام نہیں کچھ وقعت بلکہ یہ چند اسماء بھی اس وجہ سے مذکور ہوئے کہ ان کے ذکر کا موقع آ گیا تھا۔ یا یہ کہ لوگوں میں متعارف اور مشہور تھے اور اگر کل ملائکہ کا نام ذکر کرتے تو (علاوہ اس بات کے کہ قرآن کی صدہا جلدیں ہو جاتیں اور قرآن سے جو ہدایت خلق مقصود اصلی ہے فوت ہو جاتا) لوگوں کو نئے نئے نام سن کر عجیب وحشت ہوتی (سوم) کسی چیز کے نام کو مذکور نہ ہونے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی فوجی دفتر میں آپ کا نام مرقوم نہیں کیا اس سے آپ کے وجود میں کچھ خلل آ گیا؟ (چہارم) اگر آپ کا نتیجہ اور تعجب بھی صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جبرائیل و میکائیل یہودی لوگوں کی زبان کے نام ہیں (یعنی عبرانی کے) لیکن یہ نہیں لازم آتا کہ ان اسماء کے مسمیات کو وجود اصلی یہود کے نام رکھنے سے بیشتر نہ تھا۔ بلکہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدیم چیزوں کے نام ہر زمانے اور ہر قوم میں بدلتے رہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی. جلد اول، ص 27)

اسلوب بیان

عام فہم اسلوب:

مفسر کا مقصد اولین افہام و تبلیغ ہے۔ وہ عام قارئین تک اپنی اصلی بات پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کا مطمح نظر ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ قرآنی مفاہیم و مطالب سے بہرہ ور اور فیض یاب ہوں۔ مثلاً

" قرآن مجید میں خود بہت سی جگہ ایسی ہیں کہ جہاں معجزہ کو آیت کے ساتھ تعبیر کیا۔ اس مقام پر آیت قرآنی مراد ہو نہیں سکتی ازآنجملہ یہ ہے۔ ھذا ناقة الله لكم ترجمہ یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی (معجزہ) ہے۔ دیکھیے صاف طور پر فرما دیا کہ یہ اونٹنی آیت ہے۔ اس مقام پر جب سید صاحب سے کچھ بن نہ آیا تو غلط توجیہ کی کہ " قوم ثمود کو جو احکام حضرت صالح کی نسبت ناقہ کے بتائے اس سبب سے اس پر بھی آیت کا لفظ اطلاق ہو" خواہ کسی سبب سے ہو مگر یہ تو آپ نے بھی لاچار ہو کر تسلیم کر ہی لیا کہ یہاں آیت کا لفظ ناقہ پر بولا گیا کہ جو نہ آیت قرآنی تھی نہ کوئی حکم ربانی اور آپ کا یہ قول (کیونکہ وہ اونٹنی فی نفسہ کوئی معجزہ نہ تھی) بالکل غلط ہے کیونکہ وہ اونٹنی بڑا معجزہ حضرت صالح کا تھا جو ان کی دعا سے خود بخود پیدا ہوگئی تھی۔" (تفسیر حقانی، جلد اول، ص 8)

مناظرانہ انداز:

زیر نظر تفسیر کا ما بہ الامتیاز پہلو مناظرانہ اسلوب و انداز ہے۔ تفسیر کا ایک بڑا حصہ مخالفین کے دعاوی و نظریات کی تردید و تغلیط پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں عیسائیت کے عقائد اور سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات کا ابطال سر فہرست ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال : سید صاحب (سر سید احمد خان) فرمایئے اگر شیطان آدم کی قوت بہیمیہ تھی تو وہ آدم کا وصف تھا پھر اس نے کیا سمجھ کر کہہ دیا کہ میرا مادہ آتش ہے ؟ اچھا اس نے کہا تھا خدائے پاک نے کیوں اس کو جن کہا اور مادہ آتشی اس کی اصل قرار دیا ؟ پھر آپ فرماتے ہیں کہ " فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور شیطان کا نہ کرنا ایک معمہ ہے کہ فسجدو کے یہ معنٰی کہ قویٰ ملکیہ نے آدم کی اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی.....الخ " اے جناب ! یہ اجتماع الضدین نہیں اور کیا ہے کیونکہ جب آپ نے ملائکہ سے مراد قویٰ ملکیہ لی اور ان کو آدم کے لیے مسخر بنایا تو اب آدم کی قوت بہیمیہ کیا سرکشی کر سکتی ہے ؟ اور اگر قوت بہیمیہ نے سرکشی کی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں ۔ (حالانکہ یہ خلاف ہے اس آیت کے ان عبادي ليس لك عليهم سلطان کیونکہ اس آیت کے حسب قرارداد آپ کے یہ معنٰی ہوئے کہ خدا کے بندوں پر قوت بہیمیہ غالب نہیں آتی) تو پھر قوت ملکیہ کی اطاعت چہ معنٰی دارد

خرابی میں پڑا ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

پھر وہ قوت بہیمیہ جہنم میں کیونکر جائے گی اور جنت سے کیونکر نکالی گئی ؟ الغرض قافیہ تنگ ہے۔(تفسیر حقانی، جلد اول (مقدمہ)، ص 19)

سوال و جواب کا انداز :

اس تفسیر میں سوال و جواب کا انداز بھی بروئے کار لایا گیا ہے ۔ جس کی عمومی صورت یوں قرار پائی کہ مخالف کے سوال یا قول کو قولہ کے لفظ سے اور پھر اپنے جواب کو اقول لکھ کر زیر تحریر لایا جاتا ہے ۔ سر سید احمد خان کے تفسیری اقوال کے ابطال کی بابت یہی طریق کار اپنایا گیا ہے۔

مثال : قولہ (سر سید کا قول) عام خیال مسلمانوں کا اور علمائے اسلام کا یہ ہے کہ جس طرح انسان و حیوان جسم و صورت و شکل رکھتے ہیں اسی طرح وہ بھی ......الخ اور ان کے پر بھی ہیں جن سے وہ اڑ کر آسمان پر جاتے اور زمین پر اترتے اور خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں ...... الخ ۔ اقول (مفسر کا قول) یہ خیال اہل اسلام کا صحیح اور قرآن کے مطابق ہے بلکہ جو قرآن پر یقین رکھتا ہے اس کا انکار کر بیٹھے ۔

قولہ : ہمارے پاس کسی ایسی مخلوق کے ہونے سے جو کسی قسم کا جسم و صورت بھی رکھتی ہو جو ہم کو دکھائی نہ دیتی ہو (جیسا کہ ملائکہ) انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں پس ، ہم کہتے ہیں کہ ایسی مخلوق ہو مگر ہم ایسی مخلوق کے ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے۔

اقول : ثابت ہوا کہ جو آپ انکار کرتے ہیں محض بلا دلیل کرتے ہیں ۔

قولہ : کیونکہ ان باتوں کے اثبات کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ، قرآن مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود کا اور ان کے اس قسم کے جسم کا اور ان کے افعال کا جن کا ذکر اوپر ہوا کچھ ثبوت نہیں۔

اقول : وہ دلائل عقلیہ جو ہم نے بیان کیے ہیں اور الٰہیات میں حکماء نے بیان کیے آپ کو کیوں نہ معلوم ہوں گے اور قرآن مجید کی آیات سے یہ باتیں ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں پس آپ کا یہ دعویٰ کرنا اہل قرآن کے رو برو قہقہہ اڑانا ہے ۔ ذرا ان آیات کو دیکھیے کہ جن میں پر اور مجسم ہو کے نظر آنا وغیرہ وغیرہ اوصاف مذکور ہیں پھر آپ کس دلیری سے انکار کرتے ہیں؟ ذرا شرم بھی چاہیے۔

قولہ : فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور افعال کا ثبوت ضرور ہے کہ دلیل نقلی سے ہو گا ۔

اقول : بلکہ ادلہ عقلیہ سے بھی ہے جیسا کہ ہم نے ان کو صدر فصل ہذا میں بیان کیا دیکھ لو۔(تفسیر حقانی، جلد اول، ص 22)

جامعیت اور تفصیل پسندی :

یہ تفسیر نہایت جامع ، مبسوط اور متشرح ہے ، مفسر ہر ہر پہلو شرح و بسط سے بیان کرنے کی سعی کرتا ہے ۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی پہلو کا کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہ رہے۔مثلاً

قولہ (سر سید کا قول) : غرضیکہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں قویٰ کو جو انسان میں ہیں جس کو نفس امارہ یا قویٰ بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے ۔ اقول : تمام محققین سے آپ کی مراد حقہ پینے والے ہوں گے ورنہ اہل تحقیق تو کیا ذرا سی عقل والے بھی ایسی بے اصل بات نہ کہیں گے پھر ایسی ہی بے بنیاد بات پر یہ غل تھا کہ تہذیب الاخلاق کے پرچے کے پرچے اس بارہ میں سیاہ کر دیے اور تفسیر القرآن کو انہیں مضامین سے بھر دیا۔ جناب عالی ! یہ تو آپ کا پرانا خیال راسخ ہے آپ اس غلطی سے کاہے کو باز آئیں گے۔

قولہ ص 52 (سر سید کا قول) : اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قویٰ ، بہیمیہ اس میں ہیں ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا.....الخ۔

اقول : آپ ان چیزوں کے منکر اور ماول ہو کر دل میں خوش ہو گئے کہ یہ خیالات پیدا کرنا میرا ہی حصہ ہے کسی اہل اسلام کو یہ باتیں کبھی نصیب نہ ہوئی ہوں گی اور آپ کے متعقد بھی یہی خیال کر کے آپ کے خیالات کو واجب الایمان سمجھتے ہیں

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

عمدہ تحقیقات جناب کا حال یہ کہ وہ ملحدوں اور دہریوں اور بعض حکمائے بے دین کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرانے خیالات ہیں کہ جو ان کی کتابوں میں اب تک موجود ہیں اور کچھ اس وقت کے پادریوں اور لا مذہبوں کے اعتراضات ہیں مگر آپ نے ان کو ذرا بدل کر لکھا ہے اور ان کے ثبوت میں یہ کمال ضرور کیا ہے کہ قرآن و احادیث و کلام قدماء کو محرف کر کے کم علم لوگوں کو شک میں ڈال دیا ہے حالانکہ یہ الحاد اور بے دینی کی باتیں آپ سے صد ہا سال پیشتر مشہور ہو چکی تھیں ۔ علمائے اسلام نے ان کے جواب شافی دیے ہیں اور اس زمانہ میں جو کچھ دہریوں کے خیالات انگریزی اور فرانسیسی اور جرمنی اور عربی زبان میں بذریعہ کتب و اخبارات جو کچھ یورپ سے مشتہر ہوئے اور ہو رہے ہیں ۔ ان سے بھی اہل اسلام غافل نہیں ان کے دندان شکن جواب جو اسلامیوں نے دیے ہیں ان کا عشر عشیر بھی حضور کے کان تک نہیں پہنچا کچھ تنہا آپ ہی نے یورپ کی سیر نہیں کی ہے اور آپ اچھی طرح نہ عربی قدیم جانتے ہیں نہ جدید نہ یونانی و عبرانی نہ یورپ کی اور زبانوں میں دستگاہ رکھتے ہیں ۔ پھر آپ کا جو کچھ سرمایہ تحقیقات ہے وہ خود پسندی اور عجب ہے اس وقت آپ جن جن چیزوں کا انکار کر رہے ہیں ان کا بے دینوں کے اقوال میں نشان بتائے دیتا ہوں آپ کو یہاں چند چیزوں کا انکار ہے۔

1 وجود ملائکہ کا عموماً جبرئیل و میکائیل کا خصوصاً اور ان کے افعال اور متحیز ہونے وغیرہ باتوں کا۔
2 شیطان کا انکار
3 حضرت آدم کا انکار آپ آدم سے مراد نوع انسانی رکھتے ہیں۔
4 حضرت آدم کا ملائکہ کے سجدہ کرنے اور شیطان کے تکبر کرنے کا انکار۔
5 حضرت آدم کے جنت میں رہنے پھر بسبب گناہ کے وہاں سے نکالے جانے کا انکار۔
6 جنت اور اس کے نعما کا انکار۔

علاوہ ان کے اور خاص خاص چیزوں کا بھی انکار کیا ہے ۔ جیسا کہ کل انبیاء کے معجزات اور ان کے خرق عادات ۔ چنانچہ ان باتوں کا ہم اپنی تفسیر میں ہر موقع پر ذکر کرکے جواب با صواب دیں گے۔(تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 31)

منطق و استدلال :

مفسر اپنے مخالف گروہوں کے نظریات و معتقدات کی تنقیص و تغلیط کے ضمن میں فلسفیانہ و منطقیانہ استدلال سے بھی کام لیتا ہے مثلاً

قولہ (سر سید کا قول) : قرآن مجید میں فرشتوں کا ذکر آیا ہے اور اس لیے ہر ایک مسلمان جو قرآن پر یقین رکھتا ہے فرشتوں کو موجود اور ان کے مخلوق ہونے پر یقین کرنا ضروری ہے۔

اقول (مفسر کا قول) : پھر کیا وجہ ہے کہ آپ باوجود ادعائے ایمان کے فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں مانتے یہاں سے ثابت ہوا کہ آپ نہ مسلمان ہیں نہ قرآن پر یقین رکھتے ہیں کہ جو فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں کہتے ۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں بھی موجود اور مخلوق کہتا ہوں مگر ان کی حقیقت میں بحث کرتا ہوں کما قلت قولہ جہاں تک بحث ہے اس پر بحث ہے کہ وہ کیسی مخلوق ہے ....الخ ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ فرما چکے ہیں کہ ملائکہ خدا کی صفات ہیں تو اب ان کا موجود و مخلوق ہونا کہاں ؟ کیونکہ خدا کی صفات بقول اکثر عین ذات کہتے ہیں ۔ اور اگر لا عین و لا غیر بھی ہوں تو ان کو مخلوق و حادث کوئی نہیں کہہ سکتا اور آپ بھی صفات باری کو مخلوق اور حادث نہیں کہتے بلکہ آپ تو عین ذات کہتے ہیں اور پھر جب آپ نے ان کو صفات باری کہا تو بلا شک ان کے مخلوق ہونے کا انکار کیا ۔ اب آپ کو اختیار ہے خواہ مسلمان قرآن پر یقین رکھنے والے ہو جائیں یا فرشتوں کے موجود اور مخلوق ہونے سے انکار کیجیے۔(تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 22)

اشعار کا بر محل استعمال :

مفسر نہایت موزونیت اور موقع محل کی مناسبت سے اشعار درج عبارت کرتا ہے یہ اشعار عبارت کے مفہوم میں چار چاند لگا دیتے ہیں

قولہ (سر سید کا قول) : جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا ہے بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوئ کو جو خدا نے مخلوق میں رکھی ہیں ملک یا ملائکہ کہتے ہیں اقول یہاں اور معنٰی آپ نے بیان فرمائے ظہور قدرت اور قدرت میں بڑا فرق ہے ۔ ظہور قدرت کو صفات باری نہیں کہتے ۔ آپ کے نزدیک ملائکہ صفات باری نہیں پھر صفات کہنا اجتماع النقیضین ہے آپ نے زور لگا کر قرآن سے یہ آیت نفی وجود ملائکہ کے لیے نکالی تھی الٹی وہی دلیل آپ کے لیے بر خلاف نکلی ہے۔

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے ہمیں بحر غم میں ڈبا گئے
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہ آنکھ ہم سے چرا گئے

(تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 29)

ادبی اسلوب :

اردو ادب کے نقاد حضرات اور ادبی مورخین بعض ایسی دینی تصانیف کو بھی ، جو ادبی خصوصیات سے مالا مال ہوتی ہیں ، در خور اعتنا نہیں گردانتے ۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ابو الخیر کشفی لکھتے ہیں :

" ہمارے بیشتر ادبی نقاد دینی کتابوں کو انجمن سے باہر ہی رکھنا چاہتے ہیں ۔ مگر ان صاحبوں سے کہا جائے کہ کیا آپ موضح القرآن ، خطبات احمدیہ ، الفاروق ، سیرۃ النبی اور ترجمان القرآن کو اردو نثر کے مرحلے اور اہم نشانات قرار نہیں دیتے تو خاموش رہتے ہیں مگر اپنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرز عمل کو بدلنا نہیں چاہتے ۔" (فکر و نظر ، شمارہ 3 ، 4 بابت جنوری تا جون 1999ء ، اسلام آباد ، ص 208 - 209)

سر سید کا ادیبانہ مقام و مرتبہ ایک مسلمہ حقیقت ہے لیکن مولانا حقانی نے اپنی ضخیم و عظیم تفسیر میں سر سید کو زبان و بیان کے میدان میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے ۔ اس بارے میں سید حمید شطاری لکھتے ہیں :

" مولوی عبد الحق نے ترجمہ و تفسیر دونوں میں بڑی دقت نظر کا ثبوت دیا ہے ان کی زبان بہت شستہ و رفتہ ہے اور بہت بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں ان کے اسلوب بیان میں جگہ جگہ داخلیت کی جھلک بھی آگئی ہے اس سے ادبیت تو پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن علمی عبارت میں جس حزم و احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے ادبی اسلوب سے ذمہدارانہ اظہار کو نقصان پہنچتا ہے ۔ اسلوب کی اس فنی کوتاہی کے باوجود مفسر کی قدرت بیان قابل تعریف ہے ۔ اس علمی کارنامے کا تعلق اس زمانے سے ہے ۔ سر سید کے ہاتھوں جدید اردو نثر کا آغاز ہوا تھا ۔ خود سر سید نے بھی تفسیر قلمبند کی ہے لیکن ان دونوں تفاسیر کے تقابلی مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی عبد الحق نے کیا بلحاظ زبان اور کیا بلحاظ انداز و اسلوب ، سر سید کو پیچھے چھوڑ دیا ہے ۔ حالانکہ سر سید خود صاحب طرز نثر نگار تھے ، جدید اردو نثر کا آغاز اس کا مرہون منت ہے ۔" (قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر ، ص 461 - 462)

مطالعہ زبان

کہیں کہیں مضاف ، مضاف الیہ سے مقدم ہے۔

وجوہ معجزہ کے (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 1)

دلیل اس بات کی (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 10)

قوم جن کی (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 18)

لفظ آیت کا (تفسیر حقانی جلد اول ، ص 9)

ثبوت رسالت کا (تفسیر حقانی جلد اول ، ص 12)

مجموعہ عالم کا (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، ص 24)

مواقع صبر کے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، ص 25)

بعض مقامات پر حرف جار کی تقدیم

بجز اپنے ایلچی کے (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 1)

سوائے نبی کے (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 1)

بعد معجزہ کے (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 1)

بغیر اس بات کے (تفسیر حقانی جلد اول ، ص 1)

سوا احکام یا آیات قرآنیہ (تفسیر حقانی جلد اول ، ص 1)

واسطے نشانی کے (تفسیر حقانی جلد اول ، ص 10)

بجز آوازوں کے (تفسیر حقانی جلد اول ، ص 15)

بسبب لطافت کے (تفسیر حقانی جلد دوم ، ص 13)

بسبب ان کے مساعی جمیلہ کے (تفسیر حقانی جلد ہشتم ، ص 251)

عربی الفاظ و تراکیب :

مبین : وضاحت اور مبین ہونے کا وصف ....پایا جاتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد اول ، ص 12)

سہیم : ان کو خدا کا ...... شریک و سہیم جانتے ہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 14)

عائق : جب کوئی چیز ...... مرکز اصلی کے بیچ میں مانع اور عائق ہو جاتی ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 14)

تعدی : اور جو کوئی اس قرارداد کے بعد پھر تعدی کرے (تفسیر حقانی ، جلد سوم ، 97)

مستغرق : اور ان سے پہلے منکر لوگ اولاد و مال میں مستغرق ہو کر خدا کو بھول گئے (تفسیر حقانی جلد سوم ، 25)

جلیل القدر : اور حاکم جلیل القدر کو دیکھتے ہیں (تفسیر حقانی ، جلد اول ، 11)

ماؤف البصر : جیسا کہ ماؤف البصر کو کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد اول ، 14)

بعید المناسبت : وہ قدوسی اشخاص ہیں جو کہ ہم سے نہایت بعید المناسبت (تفسیر حقانی ، جلد اول ، 14)

مخالف الحقیقتُ : یا کوئی اور شخص مخالف الحقیقت ہے (تفسیر حقانی جلد ، اول ، 18)

دستور العمل : آسمانی دستور العمل کو بھی تسلیم کرتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 7)

اصل الاصول : رفاہ عامہ کے لیے یہ جملہ اصل الاصول ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 8)

علت غائیہ : جو ان کے پیدا کرنے کا نتیجہ اور علت غائیہ ہیں(تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 9)

فائز المرام : اپنے معتقدوں .... کو فائز المرام کریں گے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 14)

مجمع الصفات : ذات مجمع الصفات کو جلوہ دکھا کر ذاتی محبت کا پیالہ پلا دیا (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 19)

قاضی الحاجات / دافع البلیات : نہ اور کسی کو قاضی الحاجات دافع البلیات خیال کرنا روا ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 27)

کروی الشکل : اگر غور کیا جاوے کہ زمین ایک کروی الشکل یعنی گول ہے (تفسیر حقانی ، جلد ہشتم ، 118)

رفیع الشان : اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جائے (تفسیر حقانی ، جلد ہشتم ، 178)

نبوت کبریٰ : اور نبوت کبریٰ کا یہی مقصد اصلی ہے (تفسیر حقانی ، جلد ہشتم ، 230)

اصحاب الفیل : خوش فہم ماؤل نے اسی بات کو اصحاب الفیل کی مصیبت سمجھ لیا (تفسیر حقانی ، جلد 8 ، 249)

چند فارسی الفاظ و تراکیب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کجی : وہ لوگ ہیں جن کی طبیعت میں کچھ کجی ہوتی ہے (تفسیر حقانی، جلد اول، 7)

پرتو : یہ جوش اسی کی رحمت کا پرتو ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 8)

آفرینش : انسان کی آفرینش کا حال..... بیان فرماتا ہے (تفسیر حقانی، جلد ہشتم، 185)

خدا پرست : کسی خدا پرست کو انکار میں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 186)

سرگردانی / ناکامیابی : دنیا میں سرگردانی اور ناکامیابی پر سخت پشیمانی اٹھاتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 7)

دست گردان : جس کی بدولت ہر کتاب گلی کوچوں میں عام لوگوں تک دست گردان پھرتی ہے۔(تفسیر حقانی، جلد دوم، 9)

آفتاب جہانتاب : اسی وقت جہانتاب کا عکس پڑ کر پر نور ہوا (تفسیر حقانی، جلد دوم، 13)

پابستہ : حضرت روح کو اس جسم کے ساتھ اسی غرض سے پابستہ کیا (تفسیر حقانی، جلد دوم، 13)

دست نگر : ہر وقت ہر بات میں اسی کی دست نگر اور محتاج ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 16)

دل آزاری : آخرت میں تو اس دل آزاری کی وجہ سے آگ ہے (تفسیر حقانی، جلد 8، 243)

آبرو ریزی : اعضاء کے اشاروں سے کسی کی آبرو ریزی کرے (تفسیر حقانی، جلد 8، 243)

عربی الفاظ کی جمع بطریق عربی

وسائط : اس نے تکمیل انتظام کے لیے وسائط پیدا کیے ہیں (جلد اول، 41)

بلیات : بے شمار بلیات ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے (جلد دوم، 8)

حوائج : دنیا کے حوائج غیر متناہی ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 8)

عادات، اطوار، رسوم : اسی طرح بعض عادات و اطوار اور رسوم کا حال ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 10)

علامات، آثار : یعنی اسم چونکہ علامات و آثار میں سے ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 10)

عربی الفاظ کی جمع بطریق اردو

امتوں : ان کو پہلی امتوں نے جھٹلا دیا تھا (تفسیر حقانی، جلد اول، 8)

مالکوں : ہر چند ان کے مالکوں نے .... ان پر کوڑے برسائے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 9)

مصلحتیں : دنیا و آخرت کی مصلحتیں، اسی پر موقوف ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 10)

حکمتیں : خدا تعالیٰ بہت سی حکمتیں رعایت رکھ کر اس تقریب کو بتلاتا ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 12)

حکیموں، فلسفیوں : بڑے بڑے حکیموں اور فلسفیوں کی کشتیاں غرق ہوگئیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 14)

معتقدوں : اپنے معتقدوں اور پرستش کرنے والوں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 14)

طریقوں : پھر ان سب طریقوں کے پابند ہو کر (تفسیر حقانی، جلد دوم، 21)

چند ہندی الفاظ کی مثالیں

ڈھڈ بندی : اور کبھی ڈھڈ بندی اور شعبدہ بازی بتلاتی ہو (جلد اول: 7)

چورا ہونا : جب پرانے فلسفہ کا آج نئے فلسفہ کی ٹکر سے چورا ہوگیا (جلد اول: 8)

راگ، بھجن : جا بجا کوئی راگ بھجن گایا کرے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 12)

راکھ، کھریا : جس طرح آئینہ میں ذاتی جوہر ظاہر کرنے کے لیے راکھ یا کھریا لگا دیتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 13)

رہٹ : یہ رہٹ ہمیشہ سے یوں ہی پھرتا رہے گا (تفسیر حقانی، جلد دوم، 13)

جتن : یا کوئی اور جتن کرے۔(تفسیر حقانی، جلد دوم، 13)

جوالا مکھی، بھیروں : نہ جوالا مکھی آگ کا مالک ہے نہ بھیروں کا کوئی پانی پر اختیار ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 23)

مکتی : اور غیر قوموں کے پانی کھانے سے بچنے کو مار نجات یا مکتی کا باعث جاننے والے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 23)

بھوگ : ان کے آگے گا کر بجا کر اور بھوگ لگا کر ..... سجدہ کرتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 23)

ہرہر، ڈنڈوت : ہندوؤں نے ہرہر کرکے اس کے آگے ڈنڈوت کی (تفسیر حقانی، جلد دوم، 23)

بھنگوں : کہ ان کی بھنگوں جیسی کثرت ہو گی (تفسیر حقانی، جلد 8 / 231)

بھونڈی : اس کی بھونڈی سمجھ ہے (تفسیر حقانی، جلد 8/239)

کھنگھر، جھانوہ : جو پراوے میں مٹی پک کر پتھر بن جائے جس کو کھنگھر یا جھانوہ کہتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد 8/248)

کھندل : افریقہ کے بیابان کے کھندل ڈالے (تفسیر حقانی، جلد 8/252)

اوت نپوت : یہ ابتر یعنی اوت نپوت (تفسیر حقانی، جلد 8/263)

مناسبات لفظی

قیل و قال : اس کے رد میں قیل و قال کرتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد اول، 12)

سلف سے خلف : اہل اسلام میں سلف سے خلف تک ملائکہ کا وجود مانتے آئے ہیں (تفسیر حقانی، جلد اول، 12)

کمال و جلال : جس میں ہر طرح کی صفات کمال و جلال پائے جاتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 8)

ذات و صفات : اس کی ذات و صفات کے متعلق .... اشارہ تھا (تفسیر حقانی، جلد دوم، 8)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصلاح و فلاح : نبی .... جو تمام جہاں کی اصلاح و فلاح کا بیڑا اٹھائے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 10)

اکرام و انعام : ملازمین اکرام و انعام کی طمع دل میں دھر کر اس کی اطاعت کرتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 10)

افراط و تفریط : اس افراط و تفریط کا کیا ٹھکانا ہے ؟ (تفسیر حقانی، جلد دوم، 11)

جمال با کمال : جمال با کمال نصیب ہو (تفسیر حقانی، جلد دوم، 13)

صفائی و زیبائی : غیر ذی عقل کی صفائی و زیبائی کو جو بیان کریں گے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 15)

میل جول : باہم میل جول پیدا کرتا ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 18)

شیر اور دلیر : شیر اور دلیر ہو جانا (تفسیر حقانی، جلد دوم، 22)

وجہ وجیہہ : بلا کسی وجہ وجیہہ کے انکار کیا جائے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 31)

تسبیح و تقدیس : ہر شئے خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتی ہے (تفسیر حقانی، جلد 8، 223)

مترادفات

معتوب و مغضوب : اس کے معتوب و مغضوب کو جنت میں لے جائیں گے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 14)

مالک و مختار : جو اپنے بزرگوں کو مالک و مختار جانتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 14)

شریک و سہیم : خدا کے شریک و سہیم ہو کر اس کے عذاب کو دفع کریں گے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 14)

میل جول : باہم میل جول پیدا کرتا ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 18)

عاجزی و انکساری : نہایت درجہ کی عاجزی و انکساری ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 22)

حارج اور خلل انداز اور مانع : مگر تاوقتیکہ اس کی حارج اور خلل انداز اور مانع آنے والی چیزوں کو دور نہ کیا جائے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 25)

تکان اور ماندگی : پس اس تکان اور ماندگی کو دفع کرنے کے لیے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 25)

لہو لعب : اور لہو لعب میں آرام آتا ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 25)

تکلیف و ایذا : تکلیف و ایذا بلا وجہ پہنچانا (تفسیر حقانی، جلد 8، 223)

مال و دولت : مال و دولت میں کامیابی حاصل کرے (تفسیر حقانی، جلد 8، ص 237)

متضاد الفاظ کی چند مثالیں

ابتداء و انتہا بننا، بگڑنا : اس چیز کی ابتداء و انتہا میں کہ جس کو اپنے روبرو بنتے بگڑتے دیکھا (تفسیر حقانی، جلد دوم، 18)

دینی و دنیوی : اور تمام دینی اور دنیوی کاروبار میں راہ راست اختیار کرے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 18)

نیک و بد : نیک و بد لوگوں کے روبرو ہر وقت تصویر بن کر کھڑا رہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 18)

گھٹنا بڑھنا : اور گھٹتے بڑھتے دیکھتا ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 19)

صبح و شام : پھر صبح اور شام اور زوال وغیرہ (تفسیر حقانی، جلد دوم، 28)

اجمالی و تفصیلی : مگر اس کا جواب اجمالی و تفصیلی تفسیر میں دے چکے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 115)

ایمان و کفر : اس لیے ایمان و کفر میں ایک تیسرا مرتبہ فرض کرتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 116)

رطب و یابس : وہ احادیث جو رطب و یابس کا مجموعہ ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 112)

سردی و گرمی : فصلیں سردی و گرمی کی پیدا ہوتی ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 121)

سفیدی اور سیاہی : قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہے (تفسیر حقانی، جلد دوم، 121)

گھٹانا بڑھانا : عقیدہ اور عرض ثابت کرنے کے لیے کچھ گھٹا بڑھا دیتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد دوم، 142)

شب و روز : اندر کے رہنے والوں کو شب و روز بے شمار چیزیں عطا کرتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد پنجم، 93)

خرید و فروخت : وہ غلام آزادانہ خرید و فروخت کرکے وہ مقدار ادا کر دیتا ہے (تفسیر حقانی، جلد 5، ص 215)

سلف، خلف : ابن عباس و سعید بن جبیر وغیرہ سلف سے خلف تک یہ کہتے ہیں (تفسیر حقانی، جلد ششم، 63)

خیر، شر : دوسرا عالم خلق یعنی عالم محسوس جس میں شر بھی اور خیر بھی (تفسیر حقانی، جلد ہشتم، 294)

ازلی، ابدی، ظاہری، باطنی : ازلی ہے، ابدی ہے، ظاہر ہے، باطن ہے۔ (تفسیر حقانی، جلد ہشتم، 271)

فتح و شکست : کسی کو اولاد و مال کا اور کسی کو فتح و شکست کا اور کسی اور۔

جمع مکسر کی صفت واحد مونث

آیات قرآنیہ : اگر آیات سے معجزات مراد نہ ہوں بلکہ آیات قرآنیہ (تفسیر حقانی، جلد اول، 8)

احکام مخصوصہ : اگر اس سے احکام مخصوصہ ہی مراد ہیں (تفسیر حقانی، جلد اول، 8)

آثار خارجیہ : اس طرح انسان ان کے آثار خارجیہ .... (تفسیر حقانی، جلد اول، 13)

جواہر مجردہ : کہتے ہیں کہ وہ جواہر مجردہ ہیں (تفسیر حقانی، جلد اول، 16)

ملائکہ ارضیہ : ان میں اور ملائکہ ارضیہ میں نہایت مناسبت ہے (تفسیر حقانی، جلد اول، 16)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حواس خمسہ : جن کو حواس خمسہ کے سوا کوئی کامل قوت .... عطا نہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 7)

اسباب ظاہرہ : جو چیز اسباب ظاہرہ پر مبنی نہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 7)

مواضع متعددہ : جس کی تفسیر ... قرآن نے مواضع متعددہ میں کی ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 8)

اعمال حسنہ : اعمال حسنہ میں نظر آئے گی (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 8)

اوہام باطلہ : مگر اپنے اوہام باطلہ ..... سے بعض شخصیتوں کی نسبت یہ عقیدہ ہو (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 14)

قوائے باطنیہ : اور جو قوائے باطنیہ سے متعلق ہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 22)

ارواح انسانیہ : ارواح انسانیہ اور دیگر غیر مرئی چیزوں کو (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 30)

افعال قبیحہ : ان افعال قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم ، 223)

اخلاق رذیلہ : پُر اثر الفاظ میں اخلاق رذیلہ کی برائی فرمائی جاتی ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8 ، 223)

ہم قافیہ الفاظ

ضرورت نہیں .... صورت نہیں : ان امور کے ثبوت میں دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی صاحب عقل کو انکار کی کوئی صورت نہیں۔ (تفسیر حقانی ، جلد اول ، 1)

بناتی ......پھنساتی : کہ جس سے وہ اپنا گھر بناتی اور اس میں شکار پھنساتی ہے (تفسیر حقانی ، جلد اول : 1)

اسباب ...... کائنات : اور خالق اسباب بلکہ جملہ کائنات (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 7)

آزاد.....شاد : اس کی روح اس قید جسمانی سے آزاد اور عالم قدس میں شاد تھی (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 8)

پہنچا دیا .... ملا دیا : تکمیل کر کے سعادت کو پہنچا دیا مبداء اصل سے ملا دیا (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 8)

روحانی ...... قرآنی : یا یوں کہو تعلیم روحانی اور الہام قرآنی ایک شجر طوبیٰ اثر ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 9)

روحانی .... الہامی : اس قدر تعلیم روحانی اور مقاصد الہامی بھرے ہوئے ہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 9)

راہ نجات ...... آب حیات : اے طالبات راہ نجات والے جو بندگان آب و حیات (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 13)

صفائی ...... رسائی : جب تک روح کو صفائی نہیں اس تک رسائی نہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 13)

نشانات ..... برکات : اس کے ابرار کے نشانات و ظہور برکات (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 23)

جاودانی .... کامرانی : جس کو حیات جاودانی اور زندگانی با کامرانی کہنا چاہیے (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 231)

بیابانوں .... ریگستانوں : لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 252)

بلاد ..... عباد : جس کا نتیجہ خرابی بلاد اور پریشانی عباد ہے (تفسیر حقانی ، جلد سوم : 35)

انگریزی الفاظ کا استعمال

فوٹو گراف ، تارپیڈ گراف ، ٹیلی فون ، عمدہ عمدہ تو پیں ، تارپیڈو (torpedo) ، وغیرہ صدہا چیزیں ایجاد کیں (تفسیر حقانی ، جلد اول : 2)

کمشنر : کمشنر یا کسی اور حاکم جلیل القدر کو دیکھتے ہیں (تفسیر حقانی ، جلد اول : 11)

گورنمنٹ : اس سند اور فرمان کو دیکھیں جو اس کو گورنمنٹ کی طرف سے ملا ہے (تفسیر حقانی ، جلد اول ، 11)

نیچر : شیخ نیچر اس کو بھی جھوٹ کہہ دیں (تفسیر حقانی ، جلد اول : 13)

ممبر : جس کے ممبر ہندوستان میں بھی موجود ہوں (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 12)

ریل انجن : جب ہندوستان میں ریل جاری ہوئی اور انجن (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 30)

سپیچ : وعظ سپیچ میں بھی ایک دوسرے پر آواز کھینچنا (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 243)

وارنٹ : غیب کے پروانے یا وارنٹ تھے (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 248)

چند محاورات کی مثالیں

قافیہ تنگ ہونا : عقل کا قافیہ تنگ ہے (تفسیر حقانی ، جلد اول : 2)

منہ کی کھانا : پادری فنڈر وغیرہ معاندین نے بھی منہ کی کھائی (تفسیر حقانی ، جلد اول : 19)

دم بھرنا : اہل مذہب دم بھرتے ہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 18)

کافور ہونا : اور دیگر حواری کافور ہوگئے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 30)

طاق بھرنا کوئی طاق بھرتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 25)

مارا مارا پھرنا : چند روزہ زیست کے لیے مارا مارا پھرتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 226)

زیر و زبر کرنا : جو دنیا کو زیر و زبر کر دے گا (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 229)

دکان بڑھا دینا : سوداگر دکان بڑھاتا ہے اور گھر کی راہ لیتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 238)

بیڑا اٹھانا : پنچ اخبار تو اس کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 243)

پھریرے اڑانا : بلند اقبالی کے پھریرے اڑاتے ہوئے جا پہنچے (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 252)

آفتیں ڈھانا : بادشاہوں نے کیا کیا آفتیں ڈھائیں (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 253)

" بے " نافیہ کے ساتھ

بے لشکر : بے لشکر کے ، فوجوں کو ہزیمت دے دیتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 22)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے قرار : محبوب کا نام سننے سے دل بے قرار ہو جاتا ہے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 26)

بے اعتبار : ان کو فضول اور بے اعتبار جانے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 31)

بے نصیب : مگر ازل بے نصیب اس عالم حسی میں نفسانی خواہشوں پر ایسے ریجھتے ہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 115)

" نا " نافیہ کے ساتھ

ناحق : سب غلط اور ناحق تھے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 1)

نا آشنا : وہ لوگ محض نا آشنا تھے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 9)

نا شکرا : بد نصیب بڑا ہی نا شکرا اور احسان فراموش ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 226)

نا مردی : وقت پر نا مردی کرتے ہیں (تفسیر حقانی ، جلد 8 : 226)

" بلا " نافیہ

بلا دلیل : اس انکار بلا دلیل کا تو علاج ہی نہیں (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 12)

بلا خوف : یہ سورہ بلا خوف مکہ میں نازل ہوئی (تفسیر حقانی ، جلد 8/229)

" بن " نافیہ

بن دیکھے : ابتداء میں خدا تعالیٰ کو بن دیکھے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 22)

چند اسالیب

ایک فرض کے ترک کرنے کو کیا ضرور ہے کہ دوسرے فرض کو بھی ترک کرے (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 144)

الذین یطیقونہ سے مراد مسافر ہیں اور ان کی دو حالت (تفسیر حقانی ، جلد سوم : 29)

اور صحابہ کو خوف ہوا کہ قریش بجنگ پیش آئیں گے (تفسیر حقانی ، جلد سوم : 225)

اس کے دست قدرت کی امیدواری کہہ رہی ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8/227)

نہ اس تک ان کے وسیلہ کے بغیر فریاد پہنچ سکتی ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8/282)

دہلوی انداز

مولانا کی ابتدائی زندگی پنجاب میں گزری پھر تعلیم حاصل کرنے دہلی گئے اور وہاں کے ہو رہے

(ا) لڑکی کو جیتی رہنے دو (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 149)

(ب) جس میں بڑی نہریں چلا کریں (تفسیر حقانی ، جلد پنجم : 91)

(ج) موت سامنے دکھتی تھی (تفسیر حقانی ، جلد 8/236)

تذکیر و تانیث کی ناہمواری

چند ادلہ بیان کرنی پڑی (ادلہ مذکر ہے) (مہذب اللغات ، جلد اول ، ص 179) (تفسیر حقانی ، جلد اول : 12)

اس کا نظیر بھی کہیں اور کسی امت میں پایا نہیں جاتا (نظر مونث ہے فرہنگ تلفظ) (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 28)

بعض الفاظ کی قدیم املائی شکلیں

گھانس ، جڑی بوٹیاں : عالم نباتات یعنی درخت اور گھانس اور جڑی بوٹیاں (تفسیر حقانی ، جلد دوم : 15)

پہنچان : خوبی کی پہنچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے (تفسیر حقانی ، جلد 8/158)

پہنچا : پھر ہم کو ہمارے باپ دادا کے مرتبہ میں پہنچا دیا جائے گا (تفسیر حقانی ، جلد 8/218)

کتابیات

1 احمد خان ، ڈاکٹر ، قرآن کریم کے اردو تراجم ، اسلام آباد ، 1987ء

2 الحسنی ، عبدالحی ، نزہۃ الخواطر ، جلد ہفتم و ہشتم ، مطبوعہ طیب اکادمی ملتان ، 1992ء

3 الحسینی ، محمد زاہد ، تذکرۃ المفسرین ، اٹک ، 1401ھ

4 حقانی دہلوی ، عبد الحق ، تفسیر حقانی جلد اول تا ہشتم ، دہلی ، 1930ء

5 حقی ، شان الحق ، فرہنگ تلفظ ، اسلام آباد ، 1995ء

6 خالد ، محمد سلیم ، تفسیر نویسی فارسی در شبہ قارہ ، مقالہ پی ، ایچ ، ڈی ، فارسی ، غیر مطبوعہ 1998ء پنجاب یونیورسٹی

7 خالد ، محمد سلیم ، شاہ عبد القادر کے اردو ترجمہ قرآن کا ادبی و لسانی مطالعہ ، مقالہ ایم فل اردو غیر مطبوعہ ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی 2000ء

8 شطاری ، عبد الحمید ، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ، حیدر آباد (انڈیا) 1983ء

9 صارم ، عبد الصمد ، پروفیسر ، تاریخ التفسیر ، لاہور ، 1971ء

10 صالحہ عبد الحکیم ، قرآن حکیم کے اردو تراجم ، کراچی ، 1988ء

11 کشفی ، ابو الخیر ، سید ، تفسیر مرادیہ مشمولہ فکر و نظر شمارہ 3 ، 4 جنوری تا مارچ اور اپریل تا جون 1999ء بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

12 مہذب لکھنوی ، مہذب اللغات ، لکھنو ، جلد اول ، 1978ء

13 نقوی ، جمیل ، اردو تفاسیر ، اسلام آباد ، 1992ء

تفسیر کا لغوی مفہوم

تفسیر کے لغوی معنی واضح کرنے اور کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾

وہ جو بھی مثال آپ کے پاس لائیں گے ہم اس کے عوض آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین تفصیل لائیں گے۔

(تاریخ تفسیر و مفسرین ص ۱۱)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

مولانا ثناء اللہ امرتسری اور تفسیر القرآن بالقرآن

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری (1285ھ - 1368ھ) برصغیر پاک وہند کے مشہور و معروف عالم ہیں۔ مولانا کا آبائی تعلق کشمیر سے تھا مگر ان کے والد نے امرتسر میں سکونت اختیار کی تھی جس کی وجہ سے امرتسری کی صفت نسبتی سے معروف ہوئے۔ مولانا نے مختلف مکاتب فکر کے علماء سے اخذِ علم کیا۔ ان کے مشاہیر اساتذہ میں مولانا احمد اللہ امرتسری، مولانا حافظ عبد المنان وزیر آبادی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا احمد حسن کان پوری وغیرہم شامل ہیں۔

مولانا کو تفسیر، حدیث، فقہ اور ادیان سے خصوصی مناسبت تھی۔ ایک کامیاب مناظر کی حیثیت سے انہیں اپنے عہد میں بے انتہا شہرت ملی۔ سیاستِ ملی میں بھی انہوں نے حصہ لیا۔ اپنی جماعت اہل حدیث کے ایک سرکردہ رہنما تو تھے ہی مگر ان کی مقبولیت دوسرے حلقوں میں بھی قائم تھی۔ "جمعیت علمائے ہند" کے بانیوں میں سے تھے۔[1] تحریک ندوۃ العلماء کے ابتدائی اراکین میں سے ایک تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے کئی کامیاب مناظرے کیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے مباہلہ بھی کیا۔

مشہور زمانہ دشمن رسول راج پال کی کتاب "رنگیلا رسول" کا جواب مولانا نے "مقدس رسول" کے نام سے دیا۔ اول الذکر کتاب میں جو سفاہت نمایاں ہے مولانا کی کتاب میں اسی قدر شائستگی و متانت ظاہر ہے۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی نے ان کی وفات پر جو تعزیتی شذرہ قلمبند کیا اس میں لکھا کہ "اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔"[2]

مولانا اپنے عہد کے بہت بڑے صحافی تھے۔ ہفت روزہ "اہل حدیث" اور "مرقع قادیانی" کے مدیر تھے۔ کثیر التصانیف تھے۔ 250 سے زائد کتابیں لکھیں۔ قرآن مجید کی اردو تفسیر بنام تفسیر ثنائی لکھی۔ عربی میں تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن لکھی۔

قیام پاکستان کے حامی تھی۔ اسی لیے قیام پاکستان کے بعد امرتسر سے ترک سکونت کرکے پاکستان تشریف لے آئے۔ سرگودھا میں اقامت اختیار کی اور وہیں آسودہ لحد ہوئے۔[3]

تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن

مولانا نے "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" کے عنوان سے قرآن کی مکمل تفسیر لکھی جو پہلی مرتبہ 1903ء میں امرتسر سے شائع ہوئی۔ مولانا نے یہ تفسیر، القرآن یفسر بعضہ بعضاً کے پیشِ نظر تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر لکھی ہے۔

بیسویں صدی میں عربی زبان میں واحد مکمل تفسیر لکھنے کا شرف مولانا ثناء اللہ امرتسری کو حاصل ہے۔[4]

مخالفت

اس تفسیر نے علمی حلقوں میں بڑی ہلچل پیدا کی۔ چونکہ اس تفسیر میں مولانا کا انداز تفسیر محدثین کی بجائے متکلمین سے زیادہ قریب رہا ہے۔ اس لیے بعض تفسیری نکات اس عہد کے علماء کے نزدیک مابہ النزاع بنے اور خود مولانا کے ہم مشرب علماء نے ان کی سخت مخالفت کی۔ مخالفت کرنے والے علماء میں مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا عبد الجبار غزنوی و دیگر علمائے غزنویہ شامل تھے۔ تفسیر کے 40 مقامات محل نزاع بنے۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کے لیے ایک جلسہ مذاکرہ علمیہ آرہ کے موقع پر جید اکابرِ علم پر مشتمل کمیٹی بنائی گئی تاکہ نزاعی امور سے متعلق فیصلہ صادر کرسکیں۔ ان علمائے ذی اکرام کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

1 مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری
2 علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داود
3 مولانا شاہ عین الحق پھلواروی

ان علماء ثلاثہ نے فیصلہ دیا کہ

"ہم حکموں کا اس پر اتفاق ہے کہ 40 اعتراضات میں سے 14 اعتراض بلاشبہ صحیح ہیں۔ اس کے علاوہ جو مقامات محل نزاع ہیں ان میں سے بعض میں مولانا ثناء اللہ صاحب حق بجانب ہیں اور بعض میں اگر ان کا جواب تسلی بخش نہیں تو ان کے خلاف بھی کوئی مسکت دلیل نہیں۔ تاہم تفسیر

---

1 ٹوٹے ہوئے تارے از شاہ محمد عثمانی

2 یادرفتگاں: 418

3 مولانا کی سوانح کا اولین اور لائق اعتماد ماخذ مولانا عبد المجید خادم سوہدروی کی "سیرتِ ثنائی" ہے۔

4 "بیسویں صدی عیسوی میں عربی زبان میں علمائے ہند کی قرآنی خدمات" از رضی الاسلام ندوی شمولہ ماہنامہ "تعمیر افکار" کراچی اشاعت خاص قرآن کریم نمبر: 193/2

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القرآن بکلام الرحمن کے مقامات مذکورہ بلاشبہ ایسے ہیں جو فرق ضالہ کے خیالات کی تائید پہنچا سکتے ہیں۔ یہ تو مولانا ثناء اللہ کو گویا اقرار ہی ہے کہ محدثانہ روش پر یہ تفسیر نہیں ہے۔"[5]

فیصلہ آرہ کے بعد یہ مسئلہ گویا ختم ہو گیا تھا مگر جب ان تمام مصنفین اور اکابر مخالف علماء کا انتقال ہو گیا تو اس مسئلے نے دوبارہ نزاعی صورت اختیار کر لی۔ اس بار اس نزاع کو پیدا کرنے کا سہرا مولانا عبد الواحد غزنوی، مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی اور مولانا محمد اسماعیل غزنوی کو حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ 1344ھ کے حج کے موقع پر یہ مسئلہ سلطان ابن سعود کے دربار میں بھی پیش کیا گیا۔ سلطان ابن سعود نے بھی چند اکابر علم پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد ان نزاعی امور کے تصفیے کی ذمہ داری لگائی۔ ان اکابر علم میں حسب ذیل علماء شامل تھے:

1 قاضی عبد اللہ بن بلیہد[6]
2 سیّد رشید رضا مصری
3 شیخ محمد بن عبد اللطیف نجدی
4 شیخ عبد اللہ بن حسن نجدی
5 شیخ بہجۃ البیطار الاثری۔ وغیرہم

بایں ہمہ یہ داستان بہت طولانی ہے جس کو دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ محض امانتِ علمی و تاریخی کے تحت اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

محلِ نزاع

مولانا کا جو اندازِ تفسیر محل نزاع بنا۔ اس کا ذکر ضروری ہے۔ مولانا نے عام محدثین کے برعکس قرآنی آیات کی تفسیر میں تاویلی روّیہ اختیار کیا۔ اس ضمن کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے، جس پر فیصلہ آرہ میں بھی گرفت کی گئی تھی۔

سورہ آل عمران کی آیت 37 میں سیدہ مریم علیہا السلام کو اللہ کی جانب سے امر غیبی کے تحت فراوانی رزق کا ذکر آیا ہے۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس رزق دیکھا تو دریافت کیا یہ رزق کہاں سے آیا ہے۔ تو سیدہ مریم نے فرمایا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مولانا کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مریم کے پاس رزق غیب سے آتا تھا۔ بلکہ جیسے ہر شخص کو تحت الاسباب رزق ملتا ہے وہاں بھی یہی صورت تھی۔ ظاہر ہے اگر ایسا ہی ہوتا قرآن میں اس واقعے کا ذکر ہی عبث تھا۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ رزق انہیں غیب سے ملتا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا نے تفسیر "درّ منثور" سے ایک حدیث پیش کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے کسی ہمسایہ نے دو چپاتیاں اور ایک بوٹی گوشت لا کر دیا۔ آپ نے اس کو ایک بڑے ظرف میں (جس کو عربی میں جفنہ کہتے ہیں) رکھا۔ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ نے وہ ظرف لایا کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ظرف روٹی اور گوشت سے بھرا ہوا ہے۔ دیکھ کر متحیر ہوئیں اور سمجھ لیا کہ یہ برکت من جانب اللہ تعالیٰ ہے۔ جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ کہاں سے آیا ہے تو فرمایا کہ اللہ کے یہاں سے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ بی بی فاطمہ حضرت مریم کے مشابہ ہوئیں۔

یہ حدیث بغور ملاحظہ کی جائے تو مولانا امرتسری کے دعوے کی دلیل نہیں بلکہ مخالف ہے۔ کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو من جانب اللہ کہا تو وہ اس لیے کہ پڑوسی نے تو صرف دو چپاتیاں اور ایک بوٹی گوشت بھیجا تھا اس ظرف کا بھر جانا تو من جانب اللہ ہی تھا۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے مسرت کا اظہار فرمایا تھا ورنہ اسبابِ عادیہ کے تحت تو ہر شخص کو رزق ملتا ہے اس میں عوام و خواص کی کوئی تخصیص نہیں۔

اس سے انکار نہیں کہ مولانا ثناء اللہ معجزات اور صفات الٰہی کی تفسیر میں بہت جز بز کا شکار رہے ہیں۔

مقبولیت

مولانا کی یہ تفسیر جہاں ایک حلقے کے لیے مابہ النزاع بنی تو وہیں اہل علم کے ایک بڑے حلقے نے اسے بنظر استحسان ملاحظہ کیا۔ اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ علامہ سیّد رشید رضا مصری نے المنار میں اس پر تبصرہ لکھا۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی کے خیال میں

" عربی مدرسوں میں اگر جلالین کی جگہ اس تفسیر کو رواج دیا جائے تو آج کل کی ضرورتوں کے لحاظ سے بہت بہتر ہے۔"

اس تفسیر پر متعدد اور مختلف مکاتب فکر کے علماء نے تقاریظ لکھیں۔ جن میں شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبد اللہ غازی پوری، مولانا عبد العزیز رحیم آبادی، مولانا عبد التواب ملتانی، سید علی الحائری، شاہ محمد سلیمان پھلواروی، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا عبد الجبار عمرپوری، مولانا ابو یحیٰ محمد شاہجہاں پوری، مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی وغیرہم شامل ہیں۔

تفسیری مآخذ

مولانا نے تفسیر القرآن بالقرآن کے تحت یہ تفسیر لکھنے کی کوشش کی مگر پورے قرآن کی ایسی تفسیر لکھنا ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے بھی بکثرت احادیث و آثار کے حوالے دیئے ہیں۔ آیت کے شان نزول کے سلسلے میں اپنے سے پیشتر مفسرین کے حوالے دیئے ہیں جن میں جامع البیان للطبری اور معالم التنزیل للبغوی اہم ہیں۔ بالجل

---

5 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فیصلہ آرہ

6 قاضی عبد اللہ بن سلیمان ابن بلیہد اس تفسیر کے مصنفِ اوّل علامہ شمس الحق عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ ملاحظہ تسہیل السابلۃ و نیز راقم کی غیر مطبوعہ کتاب " شمس الحق عظیم آبادی اور علم حدیث "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بھی حوالے دیئے ہیں[7]۔ لغت عرب سے بھی استشہاد کیا ہے اور شعرائے عرب کو بھی سند کے طور پر پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر " ما اهل به لغير الله " کی تفسیر میں کردس بن زید کا شعر نقل کیا ہے[8]۔ ابو الطیب اور بعض دیگر شعراء کے اشعار بھی ملتے ہیں۔

تفسیری نکات وافادات

اب ذیل میں مولانا کے فہم تفسیر کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے۔ وھو ھذا

حروف مقطعات

عام طور پر جمہور علماء و مفسرین حروف مقطعات کے علم کو اللہ رب العزت کے سپرد کرتے ہیں اور اس کی تفسیر سے احتراز کرتے ہیں۔ تاہم بعض علماء اس کی تفسیر کرنا جائز بھی سمجھتے ہیں۔ تاہم اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس کی جو بھی تشریح کی جائے گی وہ محض ظن پر ہی مبنی ہوگی۔ قطعیت کے ساتھ کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا امرتسری حروف مقطعات کی تفسیر میں ثانی الذکر مسلک کی راہ پر تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس تفسیر میں حروف مقطعات کی تشریح بھی کی ہے۔

الم کی تشریح میں امام بغوی کی تفسیر " معالم التنزیل " کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مختصر من "انا اللّٰه اعلم" هذا قول ابن عباس رضي الله عنهما۔" [9]

یٰس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یا سید البشر محمد"

نیز حاشیے میں " معالم التنزیل " کے حوالے سے تصریح کی ہے کہ یہ ابو بکر الوراق کا قول ہے۔[10]

7 مثلاً ص 21، 36، 86
8 ص 42
9 تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن: 7
10 ص: 559

ص کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اي انا صادق القول والوعد۔" [11]

حٰم عسق کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" انا الرحمٰن الرحيم العليم السميع القدير" [12]

ق کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"انا القادر القيوم۔" [13]

ہاروت وماروت

مولانا ہاروت و ماروت کو فرشتوں کی بجائے شیاطین قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ توجیہات بھی پیش کی ہیں۔[14]

دار السلام نے اس تفسیر کا جو نسخہ شائع کیا ہے اس میں اس مقام پر مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی تنبیہ بھی درج ہے جس میں مولانا کے خیال کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔

فضیلت مریم علیہا السلام

سورہ آل عمران کی آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" الموجودة في زمانها لقوله تعالي: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110) "

حاشیہ میں لکھتے ہیں:

" لان الآية الكريمة تدل علي ان المسلمين خير من كل امة۔" [15]

سدومیت

مولانا نے اپنی تفسیر میں عاملین عمل قوم لوط علیہ السلام کے لیے لواطت کی اصلاح استعمال کی ہے۔ بد قسمتی سے اردو میں یہ اصطلاح رائج ہوگئی ہے جس سے نادانستگی ہی میں سہی ایک جلیل القدر نبی کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اس اصطلاح کے کثرت استعمال کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ تمام مسالک کے علماء و عوام بر ملا اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی غلط چیز کے رواج پا جانے سے وہ غلط صحیح نہیں بن سکتا۔ اس بد ترین فحاشی کا ارتکاب قوم لوط نے انجام دیا تھا لوط علیہ السلام کی ذات تو اس سے بالکل بری تھی بلکہ اپنی قوم کے مزاحم تھی۔ ایسے میں اس فحش فعل کے انجام دینے والے کو لوطی اور اس فعل کو لواطت قرار دینا مبنی بر انصاف نہیں۔ جبکہ احادیث میں بھی فعل کو اصل فاعل کی طرف ہی منسوب کیا گیا ہے یعنی عمل قوم لوط۔

انگریزی میں اس کے لیے سدومیت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جو عین مناسب ہے۔ کیونکہ لوط علیہ السلام کی قوم کا تعلق سدوم سے تھا۔

11 ص: 576
12 ص: 614
13 ص: 659
14 ص: 27
15 ص: 84

وانتم سکریٰ

کی تفسیر میں مولانا کے حسن خیال نے جو نکتہ نکالا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

" حال لان السكر مناف للخشوع وهو ضروري في الصلاة لقوله تعالي: وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (البقرة: 238)۔" [16]

اوقات الصلاۃ

جیسا کہ عرض کیا گیا تھا کہ پورے قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے ممکن ہی نہیں۔ ایسے لیے ایسے مقامات پر مولانا منکرین حدیث و متجددین کی طرح بالرائے کا ارتکاب کرنے کی بجائے حدیث سے استدلال فرماتے ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت 103 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" مقدرا باوقات مخصوصة بينها الله في مواضع متعددة لقوله تعالي: أَقِمِ الصَّلَوٰةَ

16 ص: 126

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِدُلُوكِ ٱلشَّمْسِ (الاسراء: 78) وغيرها و اداها الرسول عليه السلام في خمسة اوقات لقوله تعالى: لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21)"[17]

نزول عیسیٰ علیہ السلام

" بل رفعه الله اليه " کی تفسیر میں مولانا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ حالت میں اپنی جانب اٹھایا تھا۔ اگر رفع سے مراد محض بلندی درجات کے لیے جائیں تو مصلوب ہو کر شہید ہونا رفع روحانی کے منافی نہیں، ایسے میں بل کے استعمال کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔[18]

اس مسئلے پر مولانا نے اپنی اردو تفسیر میں جو عمدہ بحث کی ہے وہ لائق مطالعہ ہے۔ اردو تفاسیر میں اس مسئلے پر کم ہی ایسی محققانہ بحث ملے گی۔[19]

تحریف انجیل

مولانا اپنی تفسیر میں بتاتے ہیں کہ موجودہ انجیل کو کسی بھی طرح اصل انجیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ محرف ہو چکی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے انجیل کی اندرونی شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔[20] جمہور علمائے مسلمین کی رائے بھی یہی ہے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم

مولانا نے سورہ یوسف کی آیت وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِٱللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ کے ہم معنی آیت سے عمدہ استدلال کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس شرک کی نوعیت کیا ہے۔ لوگ علماء کو اپنا رب بنا لیتے ہیں اور ان سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جو اللہ رب العزت کا حق ہے اور ان کی ایسی ہی پیروی کرتے ہیں جو صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے مخصوص ہے۔ چنانچہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں:

" في العبادة او المحبة او الاتباع في غير الحق لقوله تعالى: وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (البقرة:165) و قوله تعالى: ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ (التوبة: 31)"[21]

روح

مولانا کے نزدیک روح سے مراد وحی ہے یعنی قرآن کریم۔[22]

تبع

" تبع " کے بارے میں مولانا کا خیال ہے کہ ممکن ہے یہ کوئی نبی ہوں۔[23]

الصمد

کی تشریح میں مولانا فرماتے ہیں:

" اي الله المقصود لكل ذي حياة "[24]

فلکیات کا ایک نکتہ

سورۃ الصافات کی آیت 5 : رَّبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ ٱلْمَشَٰرِقِ ﴿٥﴾ کی تفسیر میں مولانا نے فلکیات کا ایک نکتہ بتایا ہے۔[25]

حیات خضر

کے حوالے سے مولانا کا نقطہ نظر یہ تھا کہ وہ اب زندہ نہیں۔[26] بعض علماء حیات خضر کے قائل ہیں جبکہ بیشتر علماء اس کے مخالف اور متعدد علماء نے اس مسئلے پر توقف اختیار کیا ہے۔

الغرض مولانا کی یہ تفسیر بیش قیمت علمی نکات و افادات پر محتوی ہے۔ اس میں جہاں مولانا کے تفردات ہیں وہیں ان کے حسن استدلال کی جھلکیاں بھی بکثرت ملیں گی۔

اس تفسیر کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہم معنی آیات بآسانی مل جاتی ہیں۔ گو آج " المعجم المفہرس بالفاظ القرآن الکریم " کی بدولت محققین کے لیے ہم معنی آیات کو اکٹھا کرنا مزید آسان ہو چکا ہے۔ تاہم مولانا کے مدار استدلال کی اہمیت اپنی جگہ برقرار رہے گی۔

اس میں شبہ نہیں کہ تفسیر القرآن بالقرآن ایک مشکل فن ہے۔ اس میں مولانا نے جو پیش رفت فرمائی وہ قابل قدر ہے۔ چند ایک مقامات کو چھوڑ کر بحیثیت مجموعی مولانا نے اہل سنت والجماعت کے دائرے میں رہ کر قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن کریم سے کرنے کی کوشش کی ہے۔ آج منکرین حدیث کی اکثریت اسی انداز تفسیر کی پر زور حمایت کرتی ہے مگر ان کے پس پردہ انکار حدیث کا جذبہ ہوتا ہے۔ جبکہ مولانا کی تفسیر اس بہتان عظیم سے بالکل پاک ہے۔ وہ حدیث نبوی ﷺ کی حجیت کے دل سے قائل تھے۔ اپنی تفسیر میں مولانا نے متعدد مواقع پر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ بلکہ اشارتاً منکرین حدیث کی تردید بھی فرمائی ہے۔

مولانا چونکہ ایک مناظر بھی تھے اور ان کی اردو تفسیر مناظرانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس رنگ کی کچھ جھلکیاں زیر تبصرہ تفسیر میں بھی نظر آتی ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا ادیان باطلہ سے مناظرے پر عبور و شہرت رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے باہم مختلف مسالک کے اختلافات میں مولانا بڑے وسیع المشرب واقع ہوئے تھے۔ ان کی یہی وسعت مشربی آج ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

---

[17] ص: 140
[18] ص: 151
[19] شائقین مولانا کی اردو تفسیر بنام " تفسیر ثنائی " کے متعلقہ مباحث کی طرف مراجعت کریں۔
[20] ص: 168
[21] ص: 340
[22] ص: 396
[23] ص: 660
[24] ص: 774
[25] ص: 567
[26] ص: 410

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر ریاض الرحمان شروانی

مولانا آزاد کی تفسیر قرآن مجید کے امتیازات

قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر کا سلسلہ اس کے نزول کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی بہترین عملی تفسیر نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ تھی۔ آپ کے وصال کے بعد بعض صحابہ کرام خصوصیت سے فہم قرآن مجید میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے نام نمایاں ہیں۔ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا ایسے ایسے قرآن مجید کی تفاسیر کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ تفاسیر عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی لکھی جانے لگیں۔ یہاں ان سب تفاسیر کا جائزہ لینا مقصود نہیں، عرض یہ کرنا ہے کہ ان تفاسیر کا رنگ و آہنگ جدا جدا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید کا فکری محور اس قدر وسیع ہے کہ اس سے ہر ذوق و وجدان کا شخص اپنے اپنے طور پر لطف اٹھاتا اور بصیرت و آگہی حاصل کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مختلف لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیریں مختلف نقطہائے نظر سے لکھی ہیں کسی نے اس میں فلسفہ و منطق کی گتھیوں کا حل دیکھا، کسی نے اس کی روشنی میں تاریخ و اساطیر کے واقعات کا کھوج لگایا ہے، کسی نے قواعد و لسانیات کے مسائل اس کی مدد سے حل کیے ہیں، کسی نے سیاسیات و عمرانیات کے اصول اس کے ذریعہ سمجھے ہیں اور کسی نے روز مرہ کی زندگی کا لائحہ عمل اس میں تلاش کیا ہے جب عرب اپنے جغرافیائی حدود سے نکل کر دنیا کے دوسرے ملکوں اور علاقوں میں پھیلے تو وہ ایک وسیع تر خطہ ارض ہی کے مالک نہیں ہوئے بلکہ ان ملکوں کی علمی وراثت بھی ان کے حصے میں آئی اور وہ قدرتی طور پر اس سے متاثر ہوئے۔

اس تاثیر کی جھلکیاں قرآن مجید کی مختلف ادوار اور مختلف علاقوں کی تفسیروں میں بہ آسانی دیکھی جا سکتی ہیں۔ کبھی یونانی فلسفہ و منطق کا اثر ان میں نظر آتا ہے، کبھی اسرائیلی روایات کی جھلک ان میں ملتی ہے اور کبھی جدید مغربی فکر کے آثار ان میں محسوس ہوتے ہیں۔ جدید مغربی فکر کے ضمن میں یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ معاملہ اس لحاظ سے بر عکس ہو گیا تھا کہ مسلمان حاکم نہیں رہے تھے بلکہ محکوم ہو گئے تھے اور اس لیے اپنے آقاؤں کی فکر سے مرعوبیت کا عنصر اس میں شامل ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان میں سے بعض نے بعض ایسے امور میں جو عقل انسانی سے ماوراء تھے اپنی تفسیروں میں معذرتی انداز اختیار کیا۔

قرآن مجید نے انسانی فکر پر پابندیاں نہیں عائد کی ہیں بلکہ انسانوں کو اس سے کام لینے پر اکسایا اور آمادہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر دور اور ہر علاقے کے انسان کی فکر ایک جیسی نہیں ہو سکتی اور اس اعتبار سے قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر میں اختلافات ناگزیر ہیں لیکن ساتھ ہی کثرت میں وحدت کی جلوہ گری قائم رکھنے اور انتشار فکر کی راہیں مسدود کرنے کی خاطر علمائے اسلام نے یہ اصول وضع کیا کہ خود قرآن مجید کے طرز فکر اسلوب ادا کو معیار بنا کر اس کے معنٰی و مطالب حل کیے جائیں تا کہ تفسیر بالرائے کا امکان باقی نہ رہے۔ تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے اس بارے میں بھی خاصہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ مولانا آزاد نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

"تفسیر بالرائے کا مطلب سمجھنے میں لوگوں کو لغزشیں ہوئیں تفسیر بالرائے کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن مجید کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے یا اس کی تفسیر کرنے میں عقل و درایت کو دخل نہ دیا جائے کیوں کہ اگر یہ مطلب ہو تو پھر قرآن مجید کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے حالانکہ قرآن مجید کا یہ حال ہے کہ اول سے لے کر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت دیتا ہے اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ تفسیر بالرائے میں "رائے" بمعنی لغوی نہیں بلکہ "رائے" مصطلحہ شارع ہے اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لیے نہ کی جائے کہ خود قرآن مجید کیا کہتا ہے بلکہ اس لیے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن مجید کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے۔"

آگے چل کر مولانا نے اس کی وضاحت کی ہے کہ مختلف مکتبہ ہائے فکر کے مفسرین نے مختلف ادوار میں قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کس کس طرح کی ہے اور اس سے کیا کیا کام لیا ہے۔ اس کے ساتھ مولانا نے آیات محکمات و متشابہات کے مسئلے کو جس نے بہت سے دماغوں کو مضطرب کر رکھا ہے، اس طرح حل کیا ہے کہ وہ تفسیر قرآن مجید میں ممد و معاون ہو جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ سب امور جو محسوسات سے تعلق نہیں رکھتے اور ذہن انسانی کی گرفت سے ماوراء ہیں متشابہات کے حکم میں داخل ہیں۔ مولانا کی رائے ہے کہ قرآن مجید کو اس طرح سمجھنا چاہیے جس طرح اس کے اولین مخاطبین نے سمجھا تھا، نہ کہ اس طرح جس کا سانچہ، بقول ان کے تمدن کے وضعی اور صناعی عوامل نے ڈھال دیا تھا۔ ان کا ارشاد ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"قرآن حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال، غرض کہ اپنی ہر بات میں دنیا کے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں اور نہ اسے ہونا چاہیے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کے طریق ہدایت کو علم و حکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ قرآن مجید جب نازل ہوا تو اس کے پہلے مخاطبوں کا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا اور فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید اپنی شکل و معنیٰ میں جیسا کچھ واقع ہوا تھا ٹھیک ویسا ہی اس کے دلوں میں بس گیا۔ اور اسے قرآن مجید کے فہم و معرفت میں کسی طرح بھی دشواری نہیں محسوس ہوئی...... لیکن صدر اول کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا قرآن مجید کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں نا آشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آ گیا کہ قرآن مجید کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ ان سانچوں ڈھل نہیں سکتی تھی اس لیے طرح طرح کے الجھاؤ بڑھتے گئے۔"

اس نسبتاً طویل اقتباس سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ایک طرف مولانا آزاد قرآن مجید میں تدبر و تعقل کے پوری طرح قائل ہیں لیکن دوسری طرف اس کی تعبیر و تشریح کو وضعیت و صناعیت سے پاک رکھ کر اسے اس کی بنیادی فطرت کے مطابق سمجھنا اور سمجھانا چاہتے ہیں وہ پہلے سے کوئی رائے قائم کر کے قرآن سے اس پر استدلال کرنے کی کوشش کے قطعاً مخالف ہیں۔ وہ عقل و درایت سے کام لینے پر ضرور زور دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی عقل انسانی کے حدود سے نا واقف نہیں، اس لیے وہ متشابہات میں عقلی بازی گری سے متحرز رہنے کو بھی اتنا ہی ضروری قرار دیتے ہیں۔ عدل و توازن ہر میدان میں مولانا آزاد کی شخصیت کا خصوصی جوہر ہے اور اس سے تفسیر قرآن مجید بھی مبرا نہیں ہے۔

مولانا آزاد کے سامنے تفسیر قرآن مجید کا ایک وسیع لائحہ عمل تھا لیکن زندگی کے دوسرے مطالبات، خصوصاً جہاد حریت کی گرم بازاری نے انہیں اس لائحہ عمل کو بروئے کار لانے کی مہلت نہیں دی۔ ان کا منصوبہ تھا کہ قرآن مجید کے درس و مطالعے کو تین کتابوں میں منقسم کر دیا جائے، مقدمہ تفسیر، تفسیر البیان اور ترجمان القرآن۔ افسوس ہے کہ اس منصوبے کی پہلی دو کڑیاں معرض وجود ہی میں نہیں آئیں اور تیسری کڑی بھی ہماری نظروں کے سامنے نامکمل صورت ہی میں آ سکی۔ دراصل "ترجمان القرآن" قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ اسے توضیحی ترجمہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ بات خود مولانا آزاد نے کتاب کے پیش لفظ میں واضح کر دی ہے۔ البتہ سورہ فاتحہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس سورت کو مولانا غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور اسے پورے قرآن مجید کا اجمال یا "قدرتی مقدمہ" بتاتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس سورت کا صرف توضیحی ترجمہ شائع نہیں کیا ہے بلکہ اس میں مجوزہ تفسیر کا ملخص بھی شامل کر دیا ہے۔ ایسا انہوں نے اس لیے کیا ہے کہ بقول ان کے "ضروری تھا کہ کم از کم یہ مقدمہ تلاوت ترجمہ سے پہلے ذہن نشین ہو جائے" سورہ فاتحہ کی تفسیر مولانا کا تفسیری شاہکار ہے۔ اس میں انہوں نے قطرے میں دریا کی روانی جس طرح دیکھی اور دکھائی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ اگر اسی نہج پر پورے قرآن مجید کی تفسیر مکمل ہو جاتی تو کتنا بڑا کام ہوتا اسے سمجھنا دشوار نہیں۔ بہر حال قدرت کو یہ منظور نہیں تھا تاہم اب بھی جو کچھ جس صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کے امتیازات سے سیر حاصل بحث ایک مختصر مقالے میں ممکن نہیں بلکہ ایک تفصیلی کتاب کی متقاضی ہے۔ اس لیے یہاں تفسیر سورہ فاتحہ کا نسبتاً تفصیلی جائزہ لیا جائے گا اور بعض دوسری سورتوں کی تفسیر کی طرف محض چند اشارے کیے جائیں گے۔

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات کو نمایاں کیا گیا ہے وہ ربوبیت، رحمت اور عدالت ہیں۔ اس میں خدا کی حمد، صرف اسی کی عبادت اور اسی سے استعانت کا عہد ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت طلب کی گئی ہے، ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کا جو اس کے غضب کے مستحق ٹھہرے اور گمراہ ہو گئے۔ مولانا آزاد نے ان سب امور پر اتنی شرح و بسط اور اس قدر بصیرت و دیدہ وری سے بحث کی ہے کہ اس کی مثال شائد ہی کسی دوسری جگہ ملتی ہو۔ ابتداء میں یہ بتا دیا ہے کہ خدا کا ٹھیک ٹھیک تصور، قانون مجازات کا اعتقاد، معاد کا یقین، فلاح و سعادت کی راہ اور اس کی پہچان یہ چار ایسی باتیں ہیں جنہیں دین حق کا ماحصل قرار دیا جا سکتا ہے۔ صفات باری کے ذیل میں کتنے پتے کی بات کہی ہے کہ "انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں۔" دراصل شرک کی بنیاد بیشتر صفات الٰہی کا غلط تصور یا پھر اس کی کسی صفت کو مجسم کر کے معبود مان لینا ہی ہوتی ہے ورنہ مولانا آزاد کا کہنا ہے کہ "خدا پرستی انسانی فطرت کا خمیر ہے..... اس کی فطرت کے لیے سب سے زیادہ جانی بوجھی ہوئی بات یہی ہے کہ خالق کائنات کا اقرار کرے" انسانی فطرت کا یہ کتنا صحیح تجزیہ ہے جس سے روگردانی فطرت کی کجی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ آگے چل کر انسان کی اس بنیادی غلطی کا ذکر کرتے ہیں کہ اس نے "خدا کے تصور..... کو محبت کی جگہ خوف و دہشت کی چیز بنا لیا تھا۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا لیکن اس سے محبت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا" اور پھر یہ قابل ستائش نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ

" سورہ فاتحہ کے سب سے پہلے لفظ (الحمد) نے اس بنیادی گمراہی کا ازالہ کر دیا اس کی ابتداء حمد کے اعتراف سے ہوئی۔ حمد ثناء جمیل کو کہتے ہیں یعنی اچھی صفتوں کی تعریف کرنے کو۔ ثناء جمیل اس کی کی جا سکتی ہے جس میں خوبی و جمال ہو پس حمد کے ساتھ خوف و دہشت کا تصور جمع نہیں ہو سکتا۔ جو ذات محمود ہوگی وہ خوف ناک نہیں ہو سکتی۔"

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ میں جزا و سزا کا تصور پنہاں ہے، جس سے ذہن اللہ تعالیٰ کی قہاری و جباری کی طرف مبذول ہوتا ہے۔ مولانا نے اس کی توضیح جس انداز میں کی ہے وہ اس قہر و جلال کا رشتہ عدل و انصاف سے جوڑ دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:

" جزا و سزا کو " دین " کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جزا و سزا انسانی اعمال کے قدرتی نتائج و خواص ہیں۔ یہ بات نہیں کہ خدا کا غضب و انتقام بندوں کو عذاب دینا چاہتا ہو۔" اسی ضمن میں مزید کہتے ہیں کہ " اگر کائنات ہستی میں صفات رحمت و جمال کے ساتھ قہر و جلال بھی اپنی نمود رکھتی ہیں تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ پروردگار عالم میں غضب و انتقام ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ عادل ہے اور اس کی حکمت نے ہر چیز کے لیے ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے۔ عدل منافی رحمت نہیں ہے بلکہ عین رحمت ہے۔" اس آخری جملے پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ نظام حیات کی درستی کا گر کتنے اختصار لیکن بالغ نظری سے بیان کر دیا ہے۔ عدل کو منافی رحمت سمجھنے سے معاشرے میں کیا بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور اسے عین رحمت تسلیم کرنے سے معاشرے کی کس طرح اصلاح ہو جاتی ہے۔

خدا کی صفات کے غلط تصور کے علاوہ ایک دوسری چیز جس نے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کیا۔ پیشوایان مذہب کی شخصیت کا معاملہ ہے۔ ان کی شخصیت کے بارے میں غلو نے پیروایان مذاہب کو توحید کے دائرے سے نکال کر شرک کی سرحد میں داخل کر دیا۔ مولانا کہتے ہیں کہ " یہ ظاہر ہے کہ کوئی تعلیم عظمت حاصل نہیں کر سکتی جب تک معلم کی شخصیت میں عظمت کی شان نہ پیدا ہو جائے لیکن شخصیت کی عظمت کے حدود کیا ہیں؟ یہیں آ کر سب کے قدموں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ وہ اس کی ٹھیک ٹھیک حد بندی نہ کر سکے " گویا معاملہ وہی عدل و توازن کا ٹھہرتا ہے۔ اس سلسلے میں بعض دوسرے مذاہب کے پیروؤں کا ذکر کرنے کے بعد مولانا اسلام کا رویہ اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:

" اس بارے میں قرآن مجید نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جا بجا پیغمبر اسلام ﷺ کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ہم صرف یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلائیں گے۔ اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے: " اشهد ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمدا عبده و رسوله " یعنی میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں " اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا بھی اعتراف ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا اقرار اسلام کی اصل اساس بن جائے۔ کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرے " گویا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے خدا کی توحید کے ساتھ ساتھ نہ صرف پیغمبر اسلام کی رسالت بلکہ آپ کی عبدیت کا بھی اعتقاد لازمی شرط قرار پائی۔

مولانا آزاد نے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا تینوں صفات یعنی ربوبیت، رحمت اور عدالت کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے جو قرآن مجید کا حقیقی منشاء ہے اور جس کے مطابق اللہ تعالیٰ رب المسلمین نہیں بلکہ واقعی رب العالمین کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر صفت کے بارے میں ایسے نکات بیان فرمائے ہیں جو ان سے پہلے شاید ہی کسی کے ذہن میں آئے ہوں۔ اس کی ربوبیت ربوبیت عامہ ہے جو ظاہر و باطن دونوں پر حاوی ہے، اس کی رحمت رحمت کاملہ ہے جو سارے عالم کا احاطہ کرتی ہے جس میں اپنے پرائے کی تمیز نہیں ہے وہ رحمن بھی ہے اور رحیم بھی یعنی رحمت کی صفت اس میں محض عارضی نہیں، دائمی ہے اور اپنا " فعلی ظہور رکھتی ہے " مولانا کہتے ہیں کہ " قرآن مجید خدا کے تصور کا جو نقشہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور چھائی ہوئی صفت رحمت ہی کی صفت ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ تمام تر رحمت ہی ہے " مولانا نے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے مختلف رموز کو اس طرح آشکار فرمایا ہے کہ وہ چیزیں بھی جو بظاہر اس کے دائرے سے باہر محسوس ہوتی ہیں سمٹ کر اسی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ مولانا نے اللہ تعالیٰ کی صفت عدالت کو جو جیسا کہ مذکور ہوا۔ جزا و سزا کے قانون سے متعلق ہے۔ نظام کائنات کا حصہ بنا کر دکھایا ہے، مولانا کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے " کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے، ممکن نہیں یہاں کوئی شے اپنا وجود رکھتی ہو اور اثرات و نتائج کے سلسلے سے باہر ہو۔ پس جس طرح خدا نے اجسام و مواد میں خواص و نتائج رکھے ہیں اسی طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج ہیں اور جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں اسی طرح روح انسانی کے لیے قدرتی انفعالات ہیں۔ جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں، معنوی موثرات سے روح متاثر ہوتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعمال کے یہی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنہیں جزا و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہ ثواب ہے۔ برے عمل کا نتیجہ برائی ہے اور یہ عذاب ہے۔" مولانا اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو جیسی کہ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں، انسانی ذہن کے سلسلہ ارتقاء کا نقطہ عروج بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ارتقائی نقطے ہمیشہ تین ہی رہے ہیں اور ان ہی سے اس سلسلے کی ہدایت و نہایت معلوم کی جا سکتی ہے: (۱) تجسم سے تنزیہہ کی طرف (۲) تعدد و اشراک سے توحید کی طرف (۳) صفات قہر و جلال سے رحمت و جمال کی طرف۔ اس ضمن میں مولانا نے ان صفات الٰہی کے متعلق مختلف مذاہب عالم اور مختلف فلاسفہ کے طرز فکر سے سیر حاصل بحث کی ہے اور کہیں عدل و توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔

اسی طرح قرآنی اصطلاحات ہدایت، صراط مستقیم، مغضوب علیہم اور ضالین سے متعلق مولانا کی تفسیر میں ایسا مواد ملتا ہے جیسا کہیں اور نہیں ملتا ہے۔ اس کا بنیادی نقطہ پیغام الٰہی کی آفاقیت ہے جو زمانوں، تمام قوموں اور تمام حالتوں کو اپنے دائرے میں گھیر لیتی ہے۔ مولانا دین کی وحدت کے قائل ہیں۔ اس معاملے میں بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے وحدت دین کو وحدت ادیان سے خلط ملط کر دیا ہے۔ وحدت دین کا مطلب مولانا کے الفاظ میں یہ ہے کہ "وحی الٰہی کی وہ عالمگیر ہدایت ہے جو اول دن سے دنیا میں موجود ہے اور بلا تفریق و امتیاز تمام نوع انسانی کے لیے ہے...... وہ سب کے لیے ہے اور سب کو دی گئی ہے اور اس ایک ہدایت کے سوا اور جتنی ہدایتیں بھی انسانوں نے سمجھ رکھی ہیں سب انسانی بناوٹ کی راہیں ہیں۔ خدا کی ٹھہرائی ہوئی راہ صرف یہی ایک راہ ہے "میرے خیال سے مولانا کے وحدت دین کے تصور کا ادراک کرنے کے لیے یہ عبارت بہت کافی ہے اور اس کی موجودگی میں کسی مغالطے کی گنجائش بالکل باقی نہیں رہتی ہے۔

مولانا کی تفسیر سورہ فاتحہ پر دو اعتراض

مولانا آزاد کی سورہ فاتحہ کی تفسیر پر دو اعتراض بہت شدت سے کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اسلام کے نظام عبادت کو اہمیت نہیں دی گئی ہے یا اسے ہنگامی ٹھہرایا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے مطابق مولانا کے نزدیک نجات کے لیے ایمان بالرسل ضروری نہیں، صرف ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کافی ہے۔ مولانا آزاد نے ان دونوں الزاموں کی تردید فرمائی ہے لیکن ان کی تردید سے قطع نظر اگر ہم خود تفسیر فاتحہ کے اندرونی شہادت پر توجہ دیں تب بھی مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ مولانا إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ "عبادت کے لیے یہ نہیں کہا کہ نعبدك بلکہ کہا إِيَّاكَ نَعْبُدُ یعنی یہ نہیں کہا کہ "تیری عبادت کرتے ہیں" بلکہ حصر کے ساتھ کہا " صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں" اور پھر اس کے ساتھ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہہ کر استعانت کا بھی ذکر کر دیا اس اسلوب بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دیے اور شرک کی ساری راہیں بند ہو گئیں۔" اسلام کا نظام عبادت اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ صرف ایک کے سامنے سر جھکانا اور صرف ایک سے مدد مانگنا اور نہ کسی کے سامنے جھکنا اور نہ دست سوال دراز کرنا۔ اس مسئلے سے مولانا نے تفسیر سورہ فاتحہ کے آخر میں مزید بحث کی ہے۔ اس کا لب لباب بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

دوسرا اعتراض بھی کم نظری پر مبنی ہے کیونکہ جس قرآن مجید کی ہر سورت کا ایک موضوع ہے اسی طرح سورہ فاتحہ کا بھی ایک موضوع ہے۔ اللہ کی حمد اس کی صفات کا بیان اور اس سے راہ ہدایت کی استدعا ہے۔ اس میں رسولوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ ذکر قرآن مجید کی جن سورتوں میں آیا ہے ان کی تفسیر میں مولانا نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے تاہم سورہ فاتحہ کی تفسیر کا مطالعہ بھی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اس میں ایک جگہ وہ تحریر فرماتے ہیں: "وہ (قرآن مجید) کہتا ہے خدا ایک ہے، اس کی سچائی ایک ہے لیکن سچائی کا پیغام بہت سی زبانوں نے پہنچایا ہے، پھر اگر تم کسی ایک پیغام کی تصدیق کرتے ہو، دوسروں کا انکار کر دیتے ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایک ہی حقیقت کو ایک جگہ مان لیتے ہو، دوسری جگہ ٹھکرا دیتے ہو یا ایک ہی بات کو مانتے بھی ہو، رد بھی کرتے ہو، ظاہر ہے کہ ایسا ماننا ماننا ہی نہیں بلکہ ایک زیادہ برے قسم کا انکار ہے "کیا یہ عبارت نجات کے لیے ایمان بالرسل کو صاف صاف ضروری نہیں ٹھہراتی ہے اور کیا اس میں نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ٹھہرتا ہے؟ مولانا نے جہاں اس اعتراض کا جواب دیا ہے وہاں لکھا ہے کہ "اگر ایک یہودی حضرت موسیٰ کی سچی تعلیم پر عمل کرنا چاہے گا یا ایک مسیحی حضرت مسیح کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو گا تو اسے ٹھیک ٹھیک یہی راہ اختیار کرنی پڑے گی جو قرآن مجید نے واضح کر دی ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں ہو سکتی۔" کیا اس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ اور ہو سکتا ہے کہ مولانا پیغمبر اسلام کو سلسلہ رسل کی آخری کڑی قرار دیتے ہیں اور ان کا وحدت دین کا تصور یہ ہے کہ سب ادیان کا خلاصہ وہی دین ہے جس کی طرف قرآن مجید دعوت دیتا ہے۔ وہ دین کی وحدت کے ساتھ شرع و منہاج کے اختلاف کو ناگزیر بتاتے ہیں اور اس کو ادیان عالم میں اختلاف کا موجب گردانتے ہیں لیکن شرع و منہاج کی ارتقائی شکل اسلامی شریعت کو تسلیم کرتے ہیں۔

بلاشبہ مولانا آزاد کا اصلی اصرار توحید پر ہے اور توحید پر اصرار تمام ادیان کا مشترک پیغام رہا ہے اگرچہ بعد میں آنے والوں نے اسے مسخ کر دیا اسلام توحید کے معاملے میں کسی سمجھوتہ پر تیار نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس کا توحید کا تصور ہر آمیزش سے مبرا ہے۔ مولانا آزاد کہتے ہیں : " وہ (قرآن مجید) نظام ربوبیت سے توحید الٰہی پر استدلال کرتا ہے۔ جو رب العالمین تمام کائنات ہستی کی پرورش کر رہا ہے اور جس کی ربوبیت کا اعتراف تمہارے دل کے ایک ایک ریشے میں موجود ہے۔ اس کے سوا کون اس کا مستحق ہو سکتا ہے کہ بندگی و نیاز کا سر اس کے سامنے جھکایا جائے؟ " یہ بات نہ صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر بلکہ پورے ترجمان القرآن میں مختلف مواقع پر مولانا نے بار بار مختلف انداز میں بیان کی ہے اور اس طرح بیان کی ہے کہ اگر پڑھنے والے کا دل کھوٹ سے پاک ہے تو وہ اس میں پوری طرح جاگزیں ہو کر جزو حیات بن جاتی ہے۔

مولانا آزاد جمال فطرت کے دل سے معترف و مداح ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید میں اس جمال کی عکاسی پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی ہے اور اس کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جو تعمق فکر کے ساتھ حسن ادا کا بھی طلب گار ہے اور یہاں مولانا کے اسلوب کی رعنائی و زیبائی پوری طرح جلوہ گر ہے۔ آپ بھی اس سے لطف اندوز ہوں لکھتے ہیں :

" کائنات ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو یا اس کے ایک ایک گوشہ خلقت پر نظر ڈالو۔ اس کا کوئی رخ نہیں جس پر حسن رعنائی نے ایک نقاب زیبائش نہ ڈال دی ہو۔ ستاروں کا نظام اور ان کی سیر گردش، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضاء آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور دریاؤں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن کی رعنائیاں پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرہ خنداں اور شام کا جلوہ محجوب، غرض کہ تمام تماشا گاہ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے........ روشنی، رنگ، خوشبو اور نغمہ حسن و رعنائی کے وہ عناصر ہیں جن سے مشاطہ فطرت چہرہ وجود کی آرائش کر رہی ہے۔ "

پھر مولانا کو احساس ہوتا ہے کہ کائنات ہستی میں " قمری و بلبل کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زاغ و زغن کا شور بھی موجود ہے اور اس سے لوگ دھو کا کھا جا سکتے ہیں کہ یہاں صرف حسن و زیبائش ہی نہیں، بدہیئتی و بدصورتی بھی موجود ہے۔" یہاں مولانا آزاد کی نغمہ موسیقی کے ساتھ دلچسپی اور اس میں ان کی مہارت رونما ہوتی ہے اور وہ لکھتے ہیں : " تم بھول جاتے ہو کہ ارغنون ہستی کا نغمہ کسی ایک ساز سے نہیں بنا ہے اور نہ بنا چاہیے تھا۔ جس طرح تمہارے آلات موسیقی کے پردوں میں زیر و بم کے تمام آہنگ موجود ہوتے ہیں۔ اس میں ہلکے سے ہلکے سر بھی ہیں جن سے باریک اور سریلی صدائیں نکلتی ہیں موٹے سے موٹے سر بھی ہیں جو بلند سے بلند اور بھاری سے بھاری صدائیں پیدا کرتے ہیں، ان تمام سروں کے ملنے سے جو کیفیت ہوتی ہے وہی موسیقی کی حلاوت ہے کیونکہ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح موسیقی کی حقیقت بھی مختلف اجزاء کے امتزاج و تالیف سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک ہی سر سے نغمے کی حلاوت پیدا ہو جائے۔ اگر تم بین یا ستارا اٹھا کر صرف اس کے چڑھاؤ کا کوئی ایک پردہ چھیڑ دو گے یا پیانو کی بھاری سنجیوں میں سے کوئی ایک کنجی ہی بجانے لگو گے تو یہ نغمہ نہ ہوگا، بھاں بھاں کی ایک کرخت آواز ہو گی۔ یہی حال موسیقی فطرت کے زیر و بم کا بھی ہے۔ تمہیں کوے کی کائیں کائیں اور چیل کی چیخ میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی لیکن موسیقی فطرت کی تالیف کے لیے جس طرح قمری و بلبل کا سر ضروری تھا اسی طرح زاغ و زغن کا بھاری اور کرخت سر بھی ناگزیر تھا۔ بلبل و قمری کو اس سرگم کا اتار سمجھو اور زاغ و زغن کو چڑھاؤ۔" شاید ہی قرآن مجید کی کسی دوسری تفسیر میں موسیقی کے رموز اس طرح بیان ہوئے ہوں اور ان کا رشتہ جمال فطرت سے اس طرح استوار کیا گیا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا آزاد کی تفسیر کی روشنی میں قرآن مجید کی جمالیات پر پورا مقالہ لکھا جا سکتا ہے لیکن یہ دوسرا موضوع ہے۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر کے علاوہ ترجمان القرآن کے دوسرے حصے بھی مولانا آزاد کے تعمق فکر، فہم قرآن مجید اور حسن ادا پر شاہد عادل ہیں۔ یہاں ان سب کا جائزہ لینا ممکن نہیں، صرف تین سورتوں کی تفسیر کی طرف بعض اشارے کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ یہ تینوں سورتیں توبہ، یوسف، اور کہف ہیں سورہ توبہ کی تفسیر میں کئی ایسے رموز زیر بحث آئے ہیں جو مہمات امور میں داخل ہیں مثلاً جہاد، جزیہ، احکام زکوۃ اور اسلام کا اقتصادی نظام۔

اس سورت میں جہاد کا ذکر فتح مکہ کے بعد کے دور سے تعلق رکھتا ہے، اس کے بارے میں مولانا کا کہنا ہے کہ یہ حکم صرف ان کفار مکہ کے خلاف تھا جنہوں نے بدعہدی اور ظلم و تشدد کا راستہ اختیار کیا، نہ کہ عام کفار کے خلاف اور پھر " ارشاد و موعظت کا دروازہ اول الذکر کے لیے بھی کھلا رکھا گیا اور دین و اعتقاد کے معاملے کو جبر و اکراہ کے شبے سے بھی بالاتر رکھا گیا۔" اگرچہ یہ آیات ایک خاص موقع سے تعلق رکھتی ہیں تاہم ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جہاد کا اصلی مقصد بدعہدی اور ظلم و تشدد کا خاتمہ اور عبرت پذیری کا موقع فراہم کرنا ہے، نہ کہ تبلیغ اسلام یا قیام حکومت۔

جزیہ وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلم رعایا اسلامی حکومت کو ادا کرتی تھی۔ جزیے کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس پر سب سے اچھی بحث مولانا شبلی نعمانی کی ہے جس کا اعادہ یہاں غیر ضروری ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جزیہ ان تندرست اور جوان غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا جو فوجی خدمت سے استثنا چاہتے تھے۔ سورہ توبہ میں اس سلسلے میں آیت ملتی ہے : حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ مولانا نے اس کا ترجمہ کیا ہے : " یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر جزیہ دے دیں اور ان کا گھمنڈ ٹوٹ چکا ہو۔" پھر تشریح فرمائی ہے : " نہ صرف عربی زبان میں بلکہ تقریباً ہر زبان میں یہ محاورہ موجود ہے کہ کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے دے دینا رضا مندی سے دینا ہوتا ہے ..... پس مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا منظور کر لیں اور ان کا گھمنڈ اور ظلم ، جس نے انسان کے امن و راحت کو خطرے میں ڈال دیا تھا، باقی نہ رہے۔" یہاں "عن ید" کی تفسیر میں رضا مندی اور خوشی کی شمولیت اور "صاغرون" کی تفسیر میں گھمنڈ کے ساتھ ظلم کے ازالے کی طرف اشارے نے جو معنویت پیدا کر دی ہے اور معاملے کو جتنا خوشگوار بنا دیا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ جزیہ غیر مسلموں پر کیوں عائد کیا گیا اس بارے میں مولانا آزاد شبلی نعمانی کے ہم خیال ہیں یعنی یہ ان غیر مسلموں کے لیے تھا جو جنگی خدمات میں شریک نہ ہونا چاہیں۔ ساتھ ہی مولانا نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر ٹیکسوں کا بوجھ غیر مسلموں سے بہت زیادہ تھا اور اس اعتبار سے جزیہ ان کے لیے رعایت تھی ، نہ کہ زیادتی۔ یہاں یہ امر ضرور ملحوظ نظر رہنا چاہیے کہ اس طرح کی تفریق ، خواہ وہ کسی فریق کے حق میں ہو یا اس کے خلاف ، ایک مذہبی ریاست میں تو ممکن ہے ، کوئی سیکولر اسٹیٹ نہ اس کی متحمل ہو سکتی ہے اور نہ اس میں مباح قرار دی جا سکتی ہے۔

مولانا زکوۃ کے اجتماعی نظام پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے لیے اسلامی حکومت کا وجود ضروری نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے میں بھی جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں یہ نظام قائم کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے۔ مولانا کا ارشاد ہے کہ

" اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی پر موقوف تھا تو زکوۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے ؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایک امیر منتخب کر لیں یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہو جائیں ؟ "

غور فرمائیے کہ اگر آج اس ملک میں مسلمان زکوۃ کا اجتماعی نظام قائم کر لیں تو ان کے کتنے اقتصادی مسائل کس حسن و خوبی سے حل ہو جاسکتے ہیں! مولانا نے زکوۃ کا اصلی مقصد یہ بیان کیا ہے کہ " دولت سب میں پھیلے ، سب میں بٹے ، کسی ایک گروہ کی ٹھیکے داری نہ ہو جائے۔" پھر اس مفہوم کی بعض آیات اور بعض احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

" ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی روح دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آجائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد قوم میں پھیلے اور منقسم ہو۔"

مولانا نے قرآن مجید کے اس اقتصادی نظام سے تقسیم ترکہ اور حرمت سود کا رشتہ جوڑا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں : " قرآن مجید و سنت اور صحابہ کرام کی عملی زندگی کے مطالعے کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے اجتماعی نقشے میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار و اکتناز کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔" اسی لیے مولانا کے نزدیک اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس وہ سوشلزم کو ایک خاص حد تک اسلام کے نظام معیشت سے ہم آہنگ قرار دیتے ہیں البتہ ان کا خیال ہے کہ " معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدو جہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ بہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے۔" یہاں اسلام اور سوشلزم کی راہیں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہے ، مولانا کی رائے ہے کہ اسلام اور سوشلزم کچھ دور تک ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں جب کہ اسلام اور سرمایہ داری کا ساتھ چند قدم بھی نہیں رہ سکتا۔

سورہ یوسف میں کئی ایسے رموز زیر بحث آئے ہیں جو حیات انسانی میں بہت اہمیت کے حامل ہیں اور جن سے انسانی کردار کے مختلف گوشوں پر بڑی معنی خیز روشنی پڑتی ہے۔ انسانی سیرت کے زشت و خوب دونوں پہلو اس سورت میں نہایت وضاحت سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اس میں اگر ایک طرف حسد ، سازش ، فریب ، ظلم ، ہوس ، الزام تراشی ، دعوت معصیت ، دھمکی اور بدگوئی جیسی برائیوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے تو دوسری طرف صبر ، استقامت ، یقین ، عصمت و پاکی ، عفو و در گزر ، فہم و تدبر ، دانش و حکمت ، وفا کیشی ، حق پسندی و راست بازی ، فضیلت علم اور جود و سخا جیسے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا آزاد کے قلم کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں پوشیدہ رموز کو عین منشائے قرآنی کے مطابق آشکار کیا ہے اور ساتھ ہی قرآن مجید کے معنی و مطالب کی وسعت ، بیان و وقائع میں ایجاز بلاغت ، دقت بیان اور معجزانہ اسلوب کو نہایت حسن و خوبی سے واضح کیا ہے۔ نیز اس قصے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمن میں تورات اور قرآن مجید کی تصریحات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے ۔ تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ، صرف دو اقتباسات دیے جانے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ پہلے اقتباس کا تعلق قصے کے اس حصے سے ہے جس میں عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کو معصیت پر آمادہ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن حضرت یوسف اس سے دامن کشاں نکل جاتے ہیں۔ اس کشمکش میں ان کا کرتا پھٹ جاتا ہے۔ اس دوران عزیز مصر وہاں آ پہنچتا ہے اور اس کی بیوی الٹا حضرت یوسف پر الزام لگاتی ہے وہ اس بارے میں بری نیت رکھتے تھے ۔ حضرت یوسف قدرتاً اس الزام سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ خود اس عورت کے کنبے والوں میں سے ایک شخص مسئلے کا یہ حل بتاتا ہے کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہو ہے تو قصور وار یوسف ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت جھوٹ بول رہی ہے، قصور اسی کا ہے۔ کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا نکلتا ہے اور عزیز مصر عورت سے کہتا ہے " کچھ شک نہیں یہ تم عورتوں کی مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے اور تم لوگوں کی مکاریاں بڑی ہی سخت مکاریاں ہیں " ملحوظ خاطر رہے یہ عبارت ایک خاص واقعے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ بھی ایک انسان کا قول ہے ، نہ کہ اللہ تعالیٰ کا، قرآن مجید نے تو اسے محض دہرا دیا ہے۔ اس کے باوجود اس قول کو اس طرح پیش کیا جاتا رہا گویا یہ قرآن کی عورت ذات کی مکاری پر شہادت ہے ۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں : " عزیز کے اس قول میں کہ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ ظاہر ہے کہ اپنے وقت اور اپنے شہر کی عورتوں کی نسبت ہے ، نہ کہ دنیا جہاں کی تمام عورتوں کے لیے اور پھر جو کچھ بھی ہے عزیز کا قول ہے ، خود قرآن مجید کا حکم نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے اس مقولے کا اس طرح استعمال شروع کر دیا گویا عورتوں کی جنسی اخلاق کے لیے قرآن مجید کا فیصلہ ہے اور اس کے نزدیک عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلے میں زیادہ مکار اور بے عصمتی کی گھاتیں نکالنے میں زیادہ ہوشیار ہے ..... حالانکہ نہ تو قرآن مجید کا یہ حکم، نہ عزیز کا قول ایسے محل میں ہے کہ اطلاق و عموم کے یہ سوالات پیدا ہوں۔ بحث و تفسیر کی یہ پوری عمارت بنیاد سے لے کر چوٹی تک بالکل بے اصل ہے۔"

مولانا اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ آگے لکھتے ہیں :

" بلاشبہ مردوں نے اپنی ظالمانہ خود غرضیوں سے عورتوں کے بارے میں ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کیے ہیں لیکن قرآن مجید کا یہ فیصلہ نہیں ہے ۔ اس نے ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے اور فضائل و خصائل کے لحاظ سے وہ دونوں میں کسی طرح کی بھی تفریق نہیں کرتا۔"

حضرت یوسف کو عزیز مصر کی بیوی کی منشاء نہ پوری کرنے جرم میں قید و بند کی مصیبت بھگتنی پڑی۔ اس موقع پر مولانا آزاد نے جو نکتہ آفرینی فرمائی ہے اس نے اس واقعے کی عظمت کتنی بڑھا دی ہے یہ نکتہ مولانا آزاد سے قبل کوئی دوسرا مفسر اس طرح پیش نہیں کر سکا تھا۔ ارشاد فرماتے ہیں :

" دنیا میں انسانوں کو سزائیں اس لیے بھگتنی پڑتی ہیں کہ جرم و معصیت سے اپنے کو روک نہیں سکتے لیکن اب حضرت یوسف کے سامنے قید کی سزا اس لیے لائی جا رہی ہے کہ جرم و معصیت سے کیوں اپنے کو روک رہے ہیں۔ لوگوں کو قید و بند کی مصیبت اس لیے برداشت کرنی پڑتی ہے کہ عیش حیات ڈھونڈتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو جبراً لینا چاہتے ہیں لیکن حضرت یوسف کو اس لیے قید خانے کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ عیش حیات نے ساری دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انہیں دعوت دی، انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔"

سورہ کہف کی تفسیر مولانا کی تحقیقی اور علمی صلاحیتوں کا نقطۂ عروج ہے۔ اس میں انہوں نے ذو القرنین کی شخصیت کا جس طرح تعین فرمایا ہے اور کہف کے محل و نوعیت کو جس طرح واضح کیا ہے اس میں ان کا مثل کوئی دوسرا نہیں۔ ان کے علاوہ اس سورت کی تفسیر میں کئی اور ایسے مقام بھی آتے ہیں جو مولانا آزاد کے اختصاصات قرار دیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً واقعہ کہف سے نبی کریم ﷺ کے غار ثور میں قیام فرمانے اور پھر فتح و کامرانی حاصل کرنے کی طرف اشارہ یا یہ بحث کہ اصحاب کہف طویل مدت تک خوابیدہ رہنے کے بعد بیدار ہوئے یا ان پر موت طاری ہوگئی تھی اور انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا۔ مولانا کی رائے ہے کہ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ میں "ایقاظ" سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور " رقود " سے مردہ ہونا، نہ کہ بیداری اور خواب۔ چنانچہ عربی میں زندگی اور موت کے لیے یہ تعبیر عام و معلوم ہے۔" مولانا کی تحقیق ہے کہ " یہ واقعہ مسیحی دعوت کی ابتدائی صدیوں کا ہے اور جنہیں پیش آیا تھا وہ عیسائی تھے۔" ذوالقرنین کی حیثیت کے تعین میں مفسرین نے بڑی قیاس آرائیاں کی ہیں اور بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ زیادہ تر مفسرین کا خیال ہے کہ وہ سکندر ہے۔ مولانا آزاد نے نہایت حسن و خوبی سے ثابت کیا ہے کہ قرآنی آیات کی روشنی میں ذو القرنین فارس کا شہنشاہ سائرس ہے ۔ بعد کے مفسرین میں سے بیشتر نے مولانا کی اسی تحقیق کو صحیح تسلیم کیا ہے اور اس کی پیروی کی ہے اس سورت میں یاجوج ماجوج کا بھی ذکر آیا ہے اور ان کے بارے میں مولانا کا قول فیصل ہے کہ وہ منگول قبائل ہیں۔

مال کا انفاق قومی زندگی کی بنیاد ہے

" اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا ایمان کی نشانی، قومی زندگی کا ذریعہ ، سلطنت کی عزت اور انسانی فلاح کا سبب ہے ۔ اس بناء پر یہ اصول قرآنی مالیات اور اسلامی تہذیب و تمدن کی اصل بنیاد ہے ۔ "

علامہ سید رشید رضا مصری کی کتاب "الوحی المحمدی" سے ماخوذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ عمیر الصدیق دریابادی ندوی

تفسیر ماجدی اور سائنسی مباحث

مولانا عبد الماجد دریا بادی ، نامور فلسفی ، بہترین صحافی ، صاحب طرز ادیب و انشا پرداز کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں لیکن ان کا سب سے وقیع کارنامہ ان کی تفسیر ہے جو تفسیر ماجدی کے نام سے مشہور ہوئی ، اردو اور انگریزی میں ان کی یہ تفسیریں اہل علم کی خاص توجہ کا مرکز رہیں۔

اصلاً انہوں نے انگریزی تفسیر سے ابتدا کی ، 33ء میں وہ اپنے مربی و مرشد مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی خانقاہ میں تھے تو وہیں مولانا سراج الحق مچھلی شہری نے ان سے کہا کہ افسوس کا مقام ہے کہ ہم اہل سنت و جمہور امت کی طرف سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ ایک بھی نہیں ، آپ ضرور یہ کام کر ڈالیے ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں شاید صرف انگریزی ترجمہ قرآن کی فکر ہوئی لیکن جب کام شروع ہوا تو اصل افادیت اسی میں نظر آئی کہ ترجمہ کے ساتھ تفسیر بھی ہونی چاہئے ، چنانچہ اُنہوں نے اپنے دوسرے علمی اور ادبی کاموں کو روک کر حتیٰ کہ اپنے مقبول ہفتہ وار " سچ " کی اشاعت کو بھی روک کر صرف خدمت قرآن کو اپنا مقصد وحید بنا لیا اور سال ڈیڑھ سال کی مدت میں سینکڑوں مصادر و مآخذ کی مدد سے یہ کام پورا بھی کر لیا ، اسی سلسلے میں انہوں نے عرب ، شام ، مصر ، عراق کے جغرافیے ، ان ملکوں اور ان کی قوموں کی تاریخ ، روم و ایران کی تاریخ ، یہود و نصاریٰ کے مذہب کی تاریخ ، مجوس و مشرکین کے عقائد اور تمدن کی سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ بھی کیا ، انہوں نے لکھا بھی ہے کہ اس عرصے میں گویا دنیا ہی ترک کر دی ، یہ انگریزی ترجمہ و تفسیر مکمل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اردو میں بھی یہ کام ہو جائے ، چنانچہ تفصیل و وسعت کے ساتھ اردو ترجمہ و تفسیر کا مبارک کام بھی انجام پا گیا۔

تفسیر ماجدی کی خصوصیات و امتیازات کے بارے میں لکھا جا چکا ہے ، یہاں اس میں درج سائنسی مباحث کے متعلق گفتگو مقصود ہے ، حالانکہ یہ ان کے نزدیک بنیادی موضوع کبھی نہیں رہا لیکن ایک جگہ انہوں نے لکھا کہ خلائی پرواز نیز جدید سائنسی تحقیقات کا لحاظ بھی آیات طبعیات و تکوینیات میں ضروری تھا ، اسی لیے آخر دم تک مولانا نے جا بجا اس قسم کی تحقیقات کی جانب اشارہ جاری رکھا۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ میں نے انگریزی تفسیر نہیں دیکھی لیکن مولانا کی تحریروں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قریب تمام مباحث یا ان کا خلاصہ اردو میں آ گیا ہے ، اس لیے یقین ہے کہ ان دونوں زبانوں کی تفسیروں میں زیادہ فرق نہیں ہو گا۔

علم تاریخ ، جغرافیہ ، آثار قدیمہ اور دوسرے آسمانی صحیفوں اور آسمانی مذاہب کا مطالعہ اور تقابل کو اگر سائنس کے وسیع مفہوم میں شامل کر لیا جائے تو مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی کی اس رائے کو یہاں بیان کیا جا سکتا ہے کہ

"تفسیر ماجدی اپنی بعض خصوصیات میں منفرد ہے اور تمام تفسیری ذخیرے کی موجودگی میں بہر حال اس کی ضرورت تھی ۔ قرآن مجید کے بیسیوں مقامات ایسے ہیں کہ ان میں قرآن کا اعجاز اور وحی محمدی ﷺ کی صداقت پورے طور پر اس وقت تک عیاں نہیں ہو سکتی جب تک ان آیات کا تاریخی پس منظر سامنے نہ ہو اور جن اقوال کی تردید یا نفی کی گئی ہو ان کی حقیقت ، اصلیت اور ان کی اس دور میں اہمیت و مقبولیت اور عمومیت معلوم نہ ہو۔ مولانا دریابادی نے تقابل مذاہب اور تقابل صحف سماوی کا منظم ، وسیع اور مخلصانہ مطالعہ کیا ...... راقم الحروف کی نظر میں ان کا اس عہد میں نہ صرف ہندوستان بلکہ کسی اسلامی ملک میں بھی کوئی ہمسر اور نظر نہیں آتا۔" [1]

مولانا علی میاں کی یہ تحسین سخن شناس محض مداحی نہیں تھی ، اس تعریف اور مدح کی کچھ وجوہات بھی ہیں اور یہ مولانا علی میاں کی اس تحریر سے نمایاں ہیں کہ

" اب نیا دور تھا ، عقلی علوم اور فلسفہ یونان کے بجائے تجربی سائنس بالخصوص طبیعیات کا دور تھا ، ہر شعبہ میں نئے نئے اکتشافات و تحقیقات ہو رہی تھیں ، تاریخ و جغرافیہ کے علم نے وہ اہمیت اختیار کر لی تھی جو انہیں کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی ، تمدن ، علم المعیشت ، اقتصادیات اور قانون نے غیر معمولی وسعت و مقبولیت حاصل کر لی تھی ، بہت سے قدیم مسلمات اور جغرافیائی روایات ، محل نظر بلکہ خلاف واقعہ سمجھی جانے لگی تھیں ، نئی کھدائیوں اور آثار قدیمہ کی دریافت نے نئی نئی حقیقتوں کی نقاب کشائی کی تھی ، اس سب سے عالم اسلام بالخصوص اس کے علمی حلقے پر نئی ذمہ داری عائد ہوتی تھی ، اب ان جدید معلومات و تحقیقات کی روشنی میں اعجاز قرآن اور صداقت قرآنی کو اسی طرح عیاں اور عالم آشکار کرنا تھا جیسا کہ

---

1 مقدمہ تفسیر ماجدی، ص 2و3۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدیم علماء و متکلمین اور مفسرین قرآن کو اپنے زمانے میں یونانی فلسفہ و حکمت اور الحاد و باطنیت کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔"[2]

یہ کارِ عظیم تھا اور مولانا دریابادی نے اس کے لیے ہمت کی اور اس کے تمام تقاضوں کو نظر میں رکھا اور یہ ان کی تحریروں سے پوری طرح ظاہر ہے کہ

قرآن مجید کی مخاطب اول و براہ راست قوم عرب تھی، ساتویں صدی کے ثلث اول کی، اس لیے مخاطبات میں ان کے فہم و استعداد کی اور ان کے مسلمات عقل و نقل کی رعایت حد درجہ ضروری تھی، حکایات و امثال میں اگر ذکر ارجن و بھیم کا یا رستم و اسفندیار کا یا یونان کے مشاہیر کا چھیڑ دیا جاتا یا گردش ارض و آفتاب کے ضمن میں اگر نیوٹن اور آئن اسٹائن کے زمانے کے نظریات و تحقیقات کا حوالہ دیا جانے لگتا، تاریخ، جغرافیہ، عام علوم و فنون کے سلسلے میں کوئی بھی ایسی بات وضاحت و صراحت کے ساتھ فرما دی جاتی جو مخاطبین اول کی فہم و استعداد سے بالا تر ہوتی تو یہ سر تا سر خلاف حکمت و مصلحت ہوتی، اس لیے قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ ان ساری فرعی، ضمنی، ثانوی بحثوں سے متعلق اس نے صراحت تو ایک بار بھی مذاق عرب کے خلاف نہیں کی اور اہل عرب کے علمی، عقلی، فکری مزعومات کو ان کے حال پر چھوڑے رکھا لیکن اشارے ایسے برابر رکھ دیے اور کلام میں لچک اتنی پیدا کر دی کہ آئندہ نسلیں اپنے اپنے دور کے ماحول فکری کے مطابق اس کتاب الٰہی کی تشریح و تعبیر میں آزاد رہیں۔[3]

جدید مفسر کے لیے مولانا کی رائے تھی کہ وہ تاریخ اقوام پر بھی نظر رکھتا ہو اور جغرافیہ عالم پر بھی اور یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور عرب اور نواح عرب کے شرکیہ مذاہب سے بھی فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو اور جدید سائنس کے بھی مختلف شعبوں خصوصاً فلکیات سے بھی مطلقاً بے بہرہ نہ ہو ورنہ باوجود تدین و تقویٰ، صالحیت و مقبولیت کے سخت علمی غلطیوں کا شکار ہو سکتا ہے۔[4]

ایک اور موقع پر فرمایا کہ مفسر کا صالح و متقی ہونا اس کی ضمانت نہیں کہ اس کی تاریخی، جغرافیائی اور عام سائنسی معلومات بھی صحیح ہوں۔[5]

وہ خوب جانتے تھے کہ عقائد، عبادات، معاملات اخلاق کے مسائل ہیں لیکن قرآن میں صرف یہی کچھ نہیں ہے، بالواسطہ اور ضمناً ہی سہی لیکن تاریخ و جغرافیہ اور سائنس کے سینکڑوں نکتوں پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔

مولانا تفسیری ماجدی کا مطالعہ کرنے والوں کو بار بار ذہن نشین کراتے تھے کہ چاند، سورج اور ستاروں کے ذکر میں اس زمانے کے ایسے انداز میں بات کی گئی ہے کہ وہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن اس میں اتنی لچک بھی ہے کہ صدیوں بعد جب فلکیات کے نظریات بدلے تو الفاظ قرآنی کی تفسیر و تشریح، ذہنوں پر گراں نہیں گزری، زمین کی کرویت اور زمین کی گردش اور سورج، چاند کی خلائی گردشیں کھل کر قرآن مجید نے بیان نہیں کیں جبکہ یونان کے حکما، ہندوستان کے مہندس، عراق و مصر کے ستارہ شناس سب قائل تھے کہ آسمان ایک بڑی اور ٹھوس چھت ہے جس میں چاند ستارے جڑے اور جَنے ہوئے ہیں، اب اگر قرآن اسی مفروضے کو بیان کر دیتا تو اب کتنی بحثیں چھڑ جاتیں اور قرآن مجید کا اصل مقصد یعنی ہدایت پس پشت چلا جاتا، اس لیے حکمت خداوندی یہی تھی کہ ایسا اعجازی طریقہ کلام اختیار کیا جائے جس سے ہر زمانے کے دعووں اور مسلمات کے مطابق مطلب نکل سکے۔

اس سلسلے میں مولانا کا یہ نقطہ نظر بھی ذہن میں رکھنے والا ہے کہ سائنس اور ایک سائنس پر ہی کیا موقوف ہے، ریاضی کے ممکن استثنا کے بعد سارے ہی دنیوی علوم و فنون کا یہ حال ہے کہ ان کی یافت اور تحقیق برابر بدلتی رہتی ہے، ثبات و قرار کسی کو نہیں، اسی مسلسل بے ثباتی کا نام ان علوم کی ترقی اور ارتقا رکھ دیا گیا ہے، نظریات و ظنیات ہی نہیں ان علوم کے بڑے بڑے مقبول و معروف مسلمات و قطعیات تک ہر تھوڑی مدت گزر جانے پر کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔

اسی لیے مولانا کا بار بار اصرار ہے کہ مفسر کی نظر علوم طبعی و فلکی میں جتنی گہری ہو گی اس کو حکمت و صنعت تکوینی کے دلائل و شواہد بھی اتنے ہی ملتے جائیں گے، قرآن مجید میں دریا، پہاڑ، شجر و حجر، جمادات و نباتات اور حیوانات کی پیدائش کا جہاں جہاں ذکر ہے ان کی تعیین و تحقیق نے کتنے ہی سائنسی علوم کے دروازے کھول دیے ہیں، یَتَفَکَّرُوْنَ، یَفْقَهُوْنَ، تَعْلَمُوْنَ کی تفصیل اور تاکید سے مولانا کے نزدیک منطق اور استدلالات فکری کی طرف رہنمائی مقصود ہے۔

ایک جگہ مولانا نے قرآنی الفاظ کی لچک کے بارے میں لکھا ہے کہ مثلاً اللہ پانی کا برسانے والا ہے، یہ قرآنی حقیقت آج بھی صحیح اور یقینی ہے، جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سورج کی حرارت سے سمندر کے پانی سے بھاپ اٹھتی ہے، اوپر چڑھتی ہے، منجمد ہو کر خاص کثیف بادلوں کی شکل اختیار کرتی ہے پھر حرارت اور رطوبت ایک خاص درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو یہ بادل بوند بوند ہو کر زمین پر گرنے لگتے ہیں، یہ حقیقت اس وقت بھی پوری طرح صحیح اور یقینی تھی جب یہ کچھ معلوم نہ تھا اور انسان صرف اتنا جانتا تھا کہ بادل ایک قسم کے جانور ہیں جو سمندر سے پانی پی کر آسمان پر چلے جاتے ہیں اور آسمان پر پانی کے ذخیرے جمع رہتے ہیں جیسے دنیا میں لوگ ٹینکوں میں پانی جمع کر لیتے

---

[2] مقدمہ تفسیر ماجدی، ص 2و3

[3] افتتاحیہ طبع ثانی، ص 13

[4] ایضاً، ص 14

[5] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں ، اس صورت حال کا راز صرف یہ ہے کہ قرآن نے غیب کی باتوں کا تو پورا اور کافی علم اپنے اندر دے دیا ، اللہ ، روح ، وحی ، فرشتے ، جنت ، دوزخ کے متعلق تو ساری تفصیل بیان کر دی ، اس لیے کہ ان ماوراء عقلیات کے علم کا کوئی قابل اعتماد ذریعہ بجز وحی الٰہی اور آسمانی کتابوں کے ممکن نہیں ، باقی جتنے علوم و فنون کا تعلق ان کی عقل و دماغ سے ہے اور جن کو فلسفہ یا سائنس کہیے ان کی جزئی تفصیلات کی طرف تو قرآن گیا ہی نہیں ، اعجاز قرآنی یہی ہے کہ سائنسی تحقیقات جو کچھ بھی ہوں ، قرآن ان علوم عصری سے ٹکراتا نہیں بلکہ ہر دور میں ان کے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔

مولانا دریابادی کا یہی عقیدہ اور ان کا یہی انداز فکر پوری تفسیر میں نظر آتا ہے ، پوری تفسیر کی وضاحت بھی کر دوں کہ میں نے تفسیر ماجدی کی صرف تین جلدوں کو دیکھا ہے ، ادارہ تحقیقات و نشریات اسلام کی یہ اشاعتیں بالکل جدید ہیں ، سورہ الفرقان تک کی سورتیں ان میں آ گئی ہیں ، باقی اگلی جلدیں شاید ابھی شائع نہیں ہوئیں ہیں یا اگر شائع ہوئی ہیں تو وہ ہم کو مل نہیں سکیں ، بہر حال ہم نے تین جلدوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور کوشش کی کہ موضوع کی مناسبت سے ان حاشیوں کو دیکھا جائے جن کا تعلق سائنسی انکشافات وغیرہ سے ہے ، اگر تاریخ ، جغرافیہ اور آثار قدیمہ اور تقابل صحف کو اس میں شامل کرتا تو پھر یہ مطالعہ بہت دراز ہو جاتا ، اس مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ مولانا نے جدید تحقیقات کی تفصیل دینے سے گریز کیا ہے ، وہ صرف اشارہ کر کے اصل مقصد کو واضح کرنا چاہتے ہیں ، اختصار ، مولانا کی تحریر کی خاص خوبی ہے ، تفسیر میں بھی یہی خوبی نمایاں ہے البتہ جامعیت سے کوئی خالی نہیں ، مثلاً :

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ (22 : 2)

کے تحت لکھتے ہیں :

" قرآن مجید کا کام مسائل طبیعیات ، فلکیات ، جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم دینا نہیں بلکہ ان عالمگیر مشرکانہ عقائد اور جاہلی تخیلات کی تردید ہے ، کائنات میں جو کچھ ہے تمام تر قادر مطلق ہی کی کار فرمائی کا ثمرہ ہے۔"

بہ یعنی پانی کے واسطے اور ذریعے سے۔

لکھتے ہیں : "پانی خصوصاً بارشی پانی کو جو دخل ہر قسم کی زمینی پیداوار اور نباتات سے ہے اور پھر بالواسطہ اور براہ راست بھی حیوانی اور انسانی زندگی کے قیام و بقا میں ہے ان سب کی تفصیل اگر لکھی جائے تو بجائے تفسیر قرآن کے ایک ضخیم سائنسی مقالہ تیار ہو جائے۔"

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (29 : 2) کے تحت لکھتے ہیں :

" مرتبہ انسانی کا یہ شرف و احترام اسلام کا ہی قائم کیا ہوا ہے ، ڈارون کے ترقی یافتہ بندر غریب کو اس درجہ و مقام سے کیا واسطہ ، ارتقاء کائنات کا اصل اصول بالکل صحیح مان لیا جائے تب بھی اس کی ڈارونی تعبیر کی گمراہی تو بہ دستور رہے گی۔"

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ (29 : 2):

" قدیم اہل ہیئت نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لیے ہیں .... جدید ترین فلکیاتی تحقیق کے مطابق جو بھی تشریح کی جائے قرآن سے باہر نہیں بلکہ قرآن کے اندر ہی ہو گی۔"

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (30 : 2) :

" ...... انسان مادی مشینی ترقیاں جتنی بھی کرتا جائے گا وہ سب شواہد اس کی اسی خلافت تکوینی کے ہوں گے ، یہ نت نئے ایجادات و انکشافات ، اس کی فلاح روحانی اور نجات اخروی کے نقطہ نظر سے جتنے ہی لا حاصل ہوں وہ عبث اور بے کار ہوں ، بہر حال ہیں سب اس کی خلافت تکوینی کے ہی مظاہر۔"

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (36 : 2)

" ...... مسئلہ ارتقا کے علم برداروں نے جس قانون تنازع للبقا پر اتنا زور دیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں ایک پرتو اسی حقیقت قرآنی کا آ گیا ہو۔"

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ (50 : 2)

" البحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہو گیا ہے بلکہ بحر قلزم یا بحر احمر مراد ہے ، دریائے نیل تو بنی اسرائیل کے مسکن اور محلہ سے مغرب کی جانب واقع تھا اور اسرائیلیوں کا راستہ شام کے لیے مشرق کی طرف تھا ، نیل سے اس راستے کو دور کا واسطہ نہ تھا ، مصر سے شام کی راہ کے قریب بحر قلزم تھا ، اسی کے تنگ شمالی سرے کی جانب یہاں اشارہ ہے ، مصر کے مشرق میں جہاں بعد کو نہر سوئز کھد گئی اور پہلے خشکی تھی ، اس سے متصل جنوب میں سمندر دو مثلثوں کی شکل میں تقسیم نظر آئے گا ، یہاں ان دو میں سے مغربی مثلث مراد ہے ، اسرائیلیوں نے اسی کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھا تھا۔"

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (60 : 2)

" یعنی اس پہاڑی چشمے سے بارہ دھارے یا بارہ ٹونٹیاں الگ الگ جاری ہو گئیں ، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے عین مطابق ، بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں ، قرآن نے کہاں سے گڑھ کر کہہ دیا ، قدرت (اللہ) نے سوال کا جواب بھی مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا ، جارج سیل نے اسی آیت کے حاشیے پر لکھا ہے ، ایک مسیحی سیاح جو وہاں آیا ہوا تھا ، یہ تصریح بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا ، ایک دوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ ہے :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"چٹان میں اس وقت چوبیں سوراخ موجود ہیں جو بآسانی شمار کیے جا سکتے ہیں، بارہ ایک طرف ہیں اور بارہ ان کے مقابل جانب۔"

پادری ڈین اسٹینلی نے جو انیسویں صدی میں مسیحیت کے ایک ممتاز رکن ہوئے، صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے فلسطین اور اس کے ملحقات کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات و تحقیقات پر ایک مستقل کتاب Sinai and Palestine کے نام سے شائع کی، اس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے، آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور بیچا کی وسیع وادی میں واقع ہے، شگاف اور درار جا بجا پڑے ہوئے ہیں، کچھ مٹے ہوئے ہیں، کچھ بڑے ہیں، کچھ چھوٹے، گنتی میں اگر سب کو لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں، اگر بعض کو چھوڑ دیا جائے تو دس، سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے، یہ اشارہ ان ہی شگافوں کی طرف ہے۔(ص:27-36)

عرب کے امی کی لائی ہوئی کتاب کے اعجاز کے قربان جائیے، صدیاں گزر جانے پر اس کے بیان کی جزئیات تک کی تصدیق ہو رہی ہے اور وہ بھی منکرین و معاندین کی زبان سے۔

اهْبِطُوا مِصْرًا (2: 61)

مصرًا کوئی شہر، یہاں مراد جزیرہ نمائے سینا یا اس کے مضافات کا کوئی آباد شہر ہے مصر کے لفظی معنی شہر کے ہیں جس کی حد بندیاں ہو چکی ہو اور یہاں تنوین کے ساتھ کھلا ہوا اسم نکرہ ہے۔ لیکن بڑے بڑے فاضل انگریز مترجمین نے بے کھٹکے اس کا ترجمہ ملک مصر کر ڈالا ہے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ (2: 61)

میں ھم کی ضمیر کا مرجع مولانا نے الیہود یا الذین ھادوا کو نہیں مانا ہے بلکہ بنی اسرائیل کو مانا ہے جو متعین قوم و نسل ہے نہ کہ کسی مخصوص مذہب و ملت کے پیرو۔

يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ (2: 96)

کے تحت لکھا کہ ایک عجیب بات اسی سلسلے میں یہ ہے کہ تطویل عمر کے جو عجب عجب نظریے آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اس کے لیے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں پیش پیش جو ڈاکٹر اور اہل سائنس ہیں وہ عموماً یہودی ہیں۔

كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ (2: 116)

میں لکھا کہ بڑی یا چھوٹی وحشی یا ترقی یافتہ کس مخلوق کی مجال ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے دن اور اللہ کی بنائی رات کی چوبیس گھنٹوں کے علاوہ کوئی گھنٹہ، کوئی منٹ، کوئی لمحہ اپنے لیے پیدا کر سکے، بڑے سے بڑے ماہرین سائنس میں سے کس کے امکان میں ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی فضائے کائنات سے باہر ایک گز، ایک فٹ، ایک انچ جگہ اپنے لیے تلاش کر سکے؟ کون ایسا ہے کہ اللہ نے زمان و مکاں کی جو حدیں مقرر کر دی ہیں، ان سے قدم باہر نکال سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے خلق کیے ہوئے قانون حرارت و برودت و رطوبت سے بے نیاز رہ سکے؟ کون ہے جو اس کے باندھے ہوئے قانون کشش اجسام سے بغاوت کر سکے؟ عدد، وزن، مقدار کے جو ضابطے خدا نے مقرر کر رکھے ہیں، کسی میں اتنی ہمت ہے کہ گنجائش ان سے عدول و انحراف کی پا سکے۔ بڑے سے بڑے موجد، بڑے سے بڑے صناع کا کمال بجز اس کے کیا ہے کہ اس نے نظام تکوینی کے ضابطوں اور قاعدوں کی مزاج شناسی میں کمال پیدا کر لیا ہے اور مسبب الاسباب کے حضور میں دوسروں سے بڑھ کر بندہ قانت ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (2: 164)

میں السحاب کے تحت ایک طویل حاشیے کے آخر میں لکھا ہے کہ "جاہلی اور غیر مومن قوموں کے فلسفہ اور سائنس کا صرف نقطہ نظر غلط ہوتا ہے، اس کی اگر تصحیح ہو جائے اور ان علوم مادی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطہ نظر سے کیا جائے تو بجائے الحاد، ارتیاب و تشکیک کے عرفان و ایقان کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جاتی ہیں۔"

الشَّهْرَ (2: 185)

اس دنیا کے پردے پر کچھ ملک ایسے بھی آباد ہیں جہاں کا طلوع و غروب ہمارے معیار کے لحاظ سے بالکل غیر معمولی ہے، مثلاً فن لینڈ یا قطبین کے قریب کے علاقے جہاں رویت ہلال کے انتیسویں یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اور جب یہ نہیں تو وہاں شهود الشهر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیے کہ صرف ایک لفظ شهد الشهر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی بہ طور تطوع یا بہ خیال تقویٰ کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہو اسی انداز اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ

"ان غیر معمولی منطقوں کے لیے وہی اوقات سحر و افطار ہوں جو معمولی منطقے کے انتہائی اوقات سحر و افطار ہو سکتے ہیں۔"

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (2: 187)

کے تحت ضبط تولید کے نقصانات کو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے حوالوں سے دکھانے کے بعد لکھا کہ سائنس کے ماہرین نے اس جدید فیشن کی لغویت اور بے ہودگی پر اس سے بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے اور اس کی طبی مضرتیں کھول کر دکھائی ہیں خصوصاً عورت کے حق میں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ ...... لِأُولِي الْأَلْبَابِ (3: 190)

میں لکھتے ہیں کہ نظام فلکی اور اس کی تفصیلات چاند، سورج، تاروں کی تعداد، ان کے درمیانی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاصلے، ان کے باہمی تعلقات و تاثرات، ان کی گردشوں کی پیمائش، گہن کے اسباب و اوقات، ان کے طلوع و غروب، نور و حرارت وغیرہ کے قاعدے، ضابطے اس قسم کی تفصیلات سے علم ہیئت کی کتابوں کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں، رہی زمین تو ہیئت ارض، مساحت ارض، طبقات ارض، معدنیات ارض، کشش ارض، ہواؤں اور موسموں کے تغیرات وغیرہ کے لیے تو کوئی پورا فن بھی کافی نہیں ہوا بلکہ جغرافیہ، جغرافیہ طبعی، جیالوجی، فزالوجی، میٹرولوجی، آرکیالوجی، خدا جانے کتنے فنون پر فنون نکلتے چلے آرہے ہیں اور حکمت باری اور صنعت باری کے اندازے اور تخمینے ختم ہونے کے قریب بھی نہیں آرہے ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا (3 : 191)

کائنات کے ان عظیم الشان موجودات کے قوانین طبعی اور قوانین تکوینی سے صانع اعظم و خالق عالم کی قدرت، حکمت، صنعت پر استدلال کرتے رہنا عبادت ہی نہیں ایک اعلا و اشرف عبادت ہے۔ کاش آج ہماری قوم کے ماہرین فن ہیئت، فلکیات، ریاضیات وغیرہ علوم طبعی پر دینی و ایمانی نقطہ نظر سے قلم اٹھاتے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ..... الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (6 : 96)

یہ سارا عظیم الشان کارخانہ حیات، یہ نظام ارضی و نظام فلکی، اس کے قانون کے مطابق اور اس کے ضابطے کے تحت چل رہا ہے، حسبانا یعنی مصالح خلق کے بالکل متناسب، ایسے حساب کے مطابق جس میں نہ کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی کا، اعلا سے اعلا سائنسی قانونوں، ضابطوں کے ماتحت۔

وَهُوَ الَّذِي ..... نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (6 : 98)

مِن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ، یہاں وحدت انسانی کو بطور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کو صاف کیا ہے کہ سب نوع انسانی کا مورث اعلا ایک ہی ہوا ہے کئی نہیں ہوئے ہیں، جیسا کہ بعض ناقص فلسفیوں اور بعض باطل مذہب والوں نے خیال کیا ہے۔

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ (6 : 116)

وحی الٰہی کے نور مبین اور علم قطعی کے علاوہ دنیا میں عقل اور علوم کے نام سے جو کچھ بھی ہے وہ ارسطو کی منطق ہو چاہے کانٹ کے معقولات، سب ظن و تخرص ہی کے حکم میں داخل ہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ (6: 151)

میں برطانیہ کے ماہر معاشیات مالتھس کی تردید ہے۔

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ (6 : 158)

قرب قیامت کی نشانیاں مثلاً آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، اس کو ہیئت و فلکیات کے کسی قاعدے کے تحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے، ہیئت و فلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں سب موجودہ نظام تکوینی ہی کے ماتحت ہیں لیکن جب یہ نظام خود ہی شکست خوردہ ہو جائے گا تو اس کے کسی مخصوص جزیئے کے باقی رہ جانے پر اصرار سراسر بے معنی ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ (7 : 8)

یومئذ، قیامت، وہ دن تو کشف حقائق کا ہوگا کیا یہ ممکن نہیں کہ اعمال میں وزن تو آج بھی ہو لیکن آج ہمارے قویٰ کے لیے غیر مدرک ہو اور اس روز جب ہمارا ادراک خود ہی سوگنا اور ہزار گنا بڑھ چکا ہوگا، اعمال کی یہ کیفیت بھی ہمارے علم و شعور میں آنے لگے، بارکلے برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے جتنے بھی اغراض تسلیم کیے گئے ہیں ان کی اصل تو ان کی محسوسیت ہی ہے، اگر وہ سرے سے کسی کو محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں، اعمال کی صفت وزن آج ہمارے قویٰ کے لیے غیر محسوس ہے، کل ہمارے ترقی یافتہ قویٰ کے لیے محسوس و مدرک ہوگی۔

سِتَّةِ أَيَّامٍ (7 : 54)

یوم سے مراد ظاہر ہے کہ یہ متعارف یوم 24 گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ خود نتیجہ ہے حرکت ارضی کا، اور یہاں بیان اس وقت کا ہو رہا ہے جب یہ چاند، سورج، زمین، آسمان سرے سے موجود ہی نہ تھے بلکہ مراد یہاں مطلق زمانہ ہے، یعنی چھ مختلف زمانوں میں چھ مرحلوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ۔

كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (7 : 57)

یعنی یہ تکوینی داستان اس لیے سنائی گئی کہ تم اس مشاہدہ فطرت سے توحید الٰہی اور مردوں کے زندہ اٹھا کرنے کی قدرت پر استدلال کر سکو، اسباب نزول بارش اور اس کے سارے مراتب کی تفصیل اگر کی جائے تو یہ تفسیر خود ایک سائنسی مقالہ بن جائے لیکن قرآن مجید کا مقصود کسی درجے میں بھی مسائل طبیعیات کی تعلیم نہیں۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا (10:5)

ضیاء وہ روشنی جو اپنی ذاتی و مستقل ہو، نور وہ روشنی جو ضیاء سے مستعار ہو، اس کا انعکاس ہو، ضیاء اور نور کے فرق پر چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی کے لائے ہوئے قرآن نے دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود نور نہیں، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔

لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ (10 : 6)

سائنس نام ہی ہے ہر موضوع کے متعلق ترتیب و انضباط کے علم کا اور گردش شب و روز اور تمام اسباب موجودات میں ہر علم و فن کے ماہر فلکیات، طبیعیات، حیوانیات و ارضیات وغیرہ میں جو اپنے ہر فن سے متعلق قاعدوں، ضابطوں اور حسن ترتیب کی ہر دم فکر کرتے رہتے ہیں، ان کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی خلاقی، حکمت و صناعی کا سب سے بڑھ کر قائل ہونا چاہیے۔

كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى (2 : 13)

ہر ایک کی میعاد مقرر ہے، ایک منزل معین ہے، ہر ایک کے قوانین منضبط ہیں اور ایک عجیب بات ہے کہ سائنس کی جتنی ترقی ہوتی جاتی ہے، فلکیات کے قاعدے، ضابطے، اجرام فلکی کے باہمی فاصلے، ان کی رفتار کے حساب و کتاب سب سے زیادہ منضبط نظر آنے لگتے ہیں، قرآن مجید نے ان ہی کو آیات الٰہی ٹھہرایا ہے، ان کی جزئی تفصیلات میں گئے بغیر اور وہ تفصیلات تو ایسی ہیں کہ ان کی تحقیقات کا سلسلہ برابر ہی چلا جاتا ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ حرف آخر ان کے باب میں کب اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ (3 : 13)

سائنسی تحقیقات سے آج یا آگے چل کر جس جس قسم کا بھی تعلق اور جہت پھلوں کے درمیان منکشف ہو سب اسی آیت کے تحت آ جائے گا۔

مَدَّ الْأَرْضَ (3 : 13)

زمین کی سائنسی شکل جو کچھ بھی ہو قرآن کو اس سے مطلق بحث نہیں ہے بشری آنکھ کو تو بہر حال پھیلی ہوئی سطح ہی نظر آتی ہے اور آسمان جس طرح سب سے اونچی چھت کا نام ہے زمین پیر کے نیچے کا فرش کا نام ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (33 : 14)

وَسَخَّرَ لَكُمُ سائنسی ایجادات و انکشافات آج جتنے بھی ہوتے جا رہے ہیں سب انسان کی مادی عنصری، تسخیر کائنات ہی کے شواہد ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (33 : 14)

یہ شمس و قمر کی تسخیر کیا معنی، اور آج سے 14 سو سال قبل اس کا اعلان کس کی سمجھ میں آنے والی بات تھی، اب جا کر معلوم ہوا کہ انسان چاند تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، یہ کتاب الٰہی ہی ہے جس نے بے دھڑک یہ اعلان تسخیر قمر کر دیا تھا اور تسخیر شمس بھی اب محال نہیں معلوم ہو رہی ہے۔

شِهَابٌ مُّبِينٌ (18 : 15)

اہل سائنس کی تحقیق ہے کہ فضا میں بڑے بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہو جاتے ہیں اور کبھی زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں، انہیں قرآنی شہاب مبین و شہاب ثاقب سے اصلاً تعلق نہیں، قرآن کے شہابوں کا تعلق تمام تر فرشتوں اور شیطان سے ہے جو سر تا سر غیبی چیزیں ہیں۔

وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً (14 : 16)

ایک خبر دی ہے کہ روسی سائنس اکاڈمی کے ممبر مسٹر زنکرچ نے بیان دیا کہ دنیا کے سمندروں میں سونے چاندی نکل رہے ہیں اور دوسری نایاب دھاتوں کی بے پایاں مقدار موجود ہے، اندازہ ہے کہ سونا 80 لاکھ ٹن، چاندی 16 کروڑ 40 لاکھ ٹن، نکل 8 کروڑ ٹن موجود ہے۔

1400 سال قبل عرب یا کسی ملک کا بڑے سے بڑا دانشور بھی اس صورتحال کا تصور کر سکتا تھا؟

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً (66 : 16)

ان گھریلو جانوروں کی ساخت و پرداخت اور ان کے اعضا کے افعال میں جو صدہا عجائب ہیں، تفصیلات بیالوجی اور زولوجی کے ہر متعلم پر روشن ہیں۔

قرآن --- عزت وذلت کا پیمانہ

قال عمر رضی الله عنه :

اما ان نبیکم ﷺ قد قال :

" ان الله یرفع بهذا الکتاب اقواما و یضع به آخرین . "

ترجمہ: " سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سن رکھو تمہارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

"بے شک اللہ اس کتاب کی وجہ سے کسی کو بلند کرے گا اور کسی کو گرا دے گا۔"

(صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب: من یرفع بالقرآن)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر سہیل حسن

اضواء البیان اور اس کے مؤلف

تفسیر بالماثور قرآن کی تفسیر کا وہ طریقہ ہے جس میں قرآن کی تفسیر آیات قرآنی، احادیث نبویہ ﷺ اور آثار صحابہ کی روشنی میں کی جاتی ہے اور اس طریقے کے مطابق امام طبری اور امام ابن کثیر جیسی شخصیات نے تفاسیر لکھی ہیں۔

مذکورہ بالا طریقے کے مطابق لکھی جانے والی تفسیروں میں ایک اہم تفسیر " اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن " ہے، جس کے مؤلف علامہ محمد الامین بن محمد المختار الجکنی الشنقیطی (ف 1393ھ) ہیں۔

1 مولف کا تعارف

نام و نسب : علامہ محمد الامین بن محمد المختار الجکنی الشنقیطی، ان کی ولادت مغربی افریقہ کے ملک موریتانیا میں واقع شنقیط علاقے میں 1325ھ (1905ء) میں ہوئی۔

تعلیم : علامہ مرحوم کا بچپن یتیمی میں گزرا، ان کے والد اس وقت انتقال کر گئے تھے جبکہ وہ پارہ عم ناظرہ پڑھ رہے تھے، والد کی وفات کے بعد ان کا بچپن ماموں کے ہاں گزرا، دس سال کی عمر میں اپنے ماموں سے قرآن حفظ کیا، ماموں زاد بھائی سے تجوید اور رسم مصحف کی تعلیم حاصل کی، علمی اور ادبی علوم کی تحصیل اپنی ممانی سے کی، اس طرح ماموں کا گھر ان کا پہلا مدرسہ تھا۔

بقیہ علوم مختلف اساتذہ سے حاصل کیے، شیخ محمد بن صالح سے مالکی فقہ میں فقہ العبادات اور علوم نحو میں الفیہ ابن مالک کا درس لیا، اور اس طرح مختلف اہل علم سے دیگر علوم حاصل کیے، اور سب کا تعلق ان کے اپنے قبیلہ (الجکن) سے تھا اور یہ کہا جاتا تھا " العلم جکني " علم تو صرف جکنی ہے، یعنی علماء کا تعلق قبیلہ جکن سے ہے، اور ان کا طریقہ یہ تھا کہ طالب علم کسی ایک فن سے ابتداء کرتا تھا اور اس کتاب کا متن اپنی تختی پر لکھ لیتا تھا اور اس کو زبانی یاد کرتا تھا، یاد کرنے کے بعد پہلے سبق کو مٹا کر نیا سبق لکھ لیتا تھا۔ اسی طریقے سے قرآن کریم اور دیگر علوم کی کتب کو حفظ کیا جاتا ہے۔

علامہ مرحوم کی خدا داد صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ان کے اساتذہ نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ ایک کے بجائے دو فنون کی کتابیں پڑھ سکتے ہیں، اس طرح وہ تمام علوم کی تحصیل میں مصروف رہے اور ان کی شادی بھی کافی عرصہ کے بعد انجام پائی۔

حجاز میں آمد : علامہ مرحوم حج کی نیت سے اپنے ملک سے نکلے لیکن حج کے بعد مدینہ منورہ میں قیام کیا اور یہاں دو مرتبہ قرآن کریم کی تفسیر بیان کی، تیسری دفعہ شروع کی لیکن مکمل نہ کر سکے، سن 1371ھ میں ریاض میں معہد علمی، کلیہ شریعہ اور دیگر تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت شیخ محمد الامین کو ان اداروں میں تدریس کی غرض سے منتخب کر لیا گیا جہاں وہ سن 1381ھ تک تفسیر اور اصول فقہ پڑھاتے رہے، دس سال تک مقیم رہے، اپنی سالانہ چھٹیاں مدینہ منورہ میں گزارتے تھے تاکہ اپنی تفسیر مکمل کر سکیں۔

سن 1381ھ میں جب مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ (اسلامی یونیورسٹی) کا قیام عمل میں آیا تو علامہ مرحوم کو اس یونیورسٹی میں تدریس کے لیے مقرر کیا گیا، جہاں ان سے طلبہ ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی استفادہ کرتے تھے، سن 1386ھ میں ریاض میں معہد القضاء العالی کا افتتاح ہوا، اس میں لیکچرز کے لیے ریاض تشریف لے جایا کرتے تھے، جب علماء کی سپریم کونسل " هيئة كبار العلماء " تشکیل دی گئی تو وہ اس کے رکن رکین بنائے گئے، اس طرح رابطہ عالم اسلامی کی کونسل کے بھی رکن تھے۔

مولفات :

1 انساب العرب کے بارے میں نظم، (جو انہوں نے اپنی بلوغت سے پہلے لکھی تھی۔)
2 مالکی مذہب کے بارے میں اشعار
3 علم منطق کے بارے میں الفیہ
4 علم میراث کے بارے میں اشعار، (یہ چاروں کتابیں اب تک محفوظ ہیں)
5 منع الجاز فی المنزل للتعبد و الاعجاز
6 دفع ایہام الاضطراب عن آیۃ الکتاب
7 مذکرۃ اصول الفقہ (روضۃ الناظر کی شرح)
8 آداب البحث و المناظرۃ (منطق)
9 اضواء البیان ایضاح القرآن بالقرآن

وفات : بروز جمعرات 17 ذی الحجہ 1393ھ کو مکہ میں انتقال ہوا، جبکہ حج سے واپسی میں وہاں مقیم تھے اور معلاہ کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

2 کتاب " اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن " کا تعارف

یہ تفسیر سات اجزا پر مشتمل ہے، مولف اپنی حیات مستعار میں سورہ مجادلہ کی آیت نمبر 22 أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمُفْلِحُوْنَ کی تفسیر تک پہنچے تھے کہ ان کا باری تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا، ان کے بعد ان کے شاگرد شیخ عطیہ سالم مرحوم نے تفسیر مکمل کی۔

(الف) مقصد تالیف

علامہ شنقیطی نے کتاب کے مقدمہ میں مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس تفسیر کی تالیف میں دو مقصد زیر نظر ہیں:

1 بیان القرآن بالقرآن

2 قرآن کریم کی بعض آیات سے فقہی احکام کا بیان

(ب) منہج تالیف

اپنا منہج تالیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

1 قرآن کی تفسیر، قرآنی آیات کی روشنی میں کی جائے گی اور اس سلسلے میں قراءت سبعیہ متواترہ سے مدد لی جائے گی۔

2 آیات سے فقہی احکام کا بیان کرنے میں، قرآن کریم اور سنت مطہرہ سے مدد لی جائے گی اور اس بیان میں کسی خاص مذہب یا قول کو مد نظر رکھے بغیر اصل حکم واضح کیا جائے گا، اس لیے کہ ہمارے نزدیک اصل چیز قول ہے نہ کہ قائل۔

3 لغوی مسائل کی تحقیق علم و نحو و صرف اور عربی شاعری کی مدد سے کی جائے گی۔

4 اصول فقہ کے مسائل پر گفتگو کی جائے گی۔

5 احادیث کی استنادی حیثیت کو زیر بحث لایا جائے گا۔

6 اگر کسی آیت کی وضاحت قرآن کریم سے نہیں ہو سکے گی تو سنت سے واضح کیا جائے گا۔

7 اگر کسی آیت کے بارے میں ایک سے زائد اقوال ہیں اور ہر قول کے لیے قرآن سے شہادت ملتی ہے تو وہ تمام اقوال بغیر کسی ترجیح کے ذکر کیے جائیں گے، اس لیے کہ وہ سب صحیح ہو سکتے ہیں۔

اس منہج کی روشنی میں علامہ شنقیطی نے یہ تفسیر لکھی ہے، اور یہ تفسیر ہر مسئلہ میں اتنی جامع ہے کہ مطالعہ کرنے والا شخص اس سے مطمئن ہو جاتا ہے، اور ہر فن میں مفصل گفتگو پائی جاتی ہے، اگر کوئی شخص اصول فقہ کے حوالے سے دیکھنا چاہے تو اس میں اس فن کے دقیق اور عمیق مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، اگر کوئی محدث، علوم حدیث کی روشنی میں دیکھنا چاہے گا تو اس کے مسائل کو بھرپور انداز میں واضح کیا گیا، علم توحید کی بات ہو تو عقائد کے مسائل کو نہایت مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(ج) طریقہ تفسیر

1 قرآن کی تفسیر قرآن سے

علامہ شنقیطی نے اپنی کتاب کے مقدمہ کے ساتھ بیان القرآن بالقرآن کی وجوہ بیان کی ہیں، اور ان میں سے زائد وجوہ کی وضاحت مثالوں سے کی ہے، ان تمام وجوہ کی مثالوں سے صرف نظر کرتے ہوئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

اجمال کی وضاحت:

علامہ مرحوم نے اجمال کی وجہ اسم یا فعل یا حرف میں اشتراک ہونا قرار دی ہے۔

اسم میں اشتراک: وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (الحج: 29)، فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ عتیق کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

1 قدیم

2 اللہ تعالیٰ نے اسے ظالموں سے آزاد کیا

3 عتق سے مراد کرم ہے، اور عرب قدیم کو عتیق اور عاتق کہتے ہیں، اور اس قول کی تائید میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کعب بن زہیر کے اشعار لائے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں: "یہ جاننے کے بعد اب یہ جان لو کہ اس آیت میں عتیق کا معنی القدیم الاول ہے" اور اس کی تائید میں سورہ آل عمران کی آیت 96 کا حوالہ دیتے ہیں إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا جبکہ باقی دونوں قول بھی صحیح ہیں، لیکن قرآن سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے اور بہترین تفسیر قرآن سے قرآن کی تفسیر ہے۔ (اضواء البیان: 5 / 687)

بعض مرتبہ اجمال اسم جنس میں ابہام کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، چاہے وہ جمع ہو یا مفرد، اسم جمع یا صلہ موصول۔

اسم جنس جمع کی مثال: فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ (البقرۃ: 37)، اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: اس آیت میں کلمات کی وضاحت نہیں ہے، لیکن سورہ الاعراف کی آیت 23 میں یہ وضاحت ہے قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ (اضواء البیان: 1/3)

اسم جنس مفرد کی مثال: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا (الاعراف: 137) فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کلمہ حسنیٰ کی وضاحت نہیں، جو ہمیں سورہ القصص کی آیت 5 اور 6 میں ملتی ہے:

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ ﴿٥﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي ٱلْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَٰمَٰنَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾ (اضواء البیان: 2 / 297)

اسم جنس مفرد میں ابہام کی ایک مثال: وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ ٱلْعَذَابِ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٧١﴾ (الزمر: 71) فرماتے ہیں کہ کلمۃ العذاب کی وضاحت سورۃ السجدہ کی آیت 13 میں ملتی ہے وَلَٰكِنْ حَقَّ ٱلْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ ٱلْجِنَّةِ وَٱلنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٣﴾ (اضواء البیان: 1 / 8)

2 قرآن کی تفسیر سنت سے

احادیث نبویہ سے تفسیر کی بے شمار مثالیں اضواء البیان میں ملتی ہیں، ان مثالوں میں سے چند یہ ہیں: غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ (الفاتحۃ: 7)، کے بارے میں لکھتے ہیں جمہور علمائے تفسیر نے ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ یہود ٱلضَّآلِّينَ نصاریٰ سے تعبیر کیا ہے، اس کی تائید عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام آیات نقل کرتے ہیں جس میں یہودیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے غضب کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور وہ آیات جن میں نصاریٰ کے لیے گمراہی کا ذکر ہے۔ (اضواء البیان: 1 / 37)

وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ (البقرۃ: 228)، ثلاثۃ قروء کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو لوگ اس لفظ سے مراد لیتے ہیں انہوں نے فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق: 1)، سے دلیل لی ہے اور ان کا کہنا ہے، طلاق کے بعد جس عدت کا حکم دیا گیا ہے وہ طہر ہے حیض نہیں جیسا کہ آیت میں ہے۔

اس کی مزید تائید ابن عمر کی حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا" فان بدا له ان یطلقها فلیطلقها طاهرا قبل ان یمسها فتلك العدة کما امرها الله "
(صحیح بخاری: 6 / 67، صحیح مسلم: 2 / 1094)۔

یعنی اگر وہ طلاق دینا چاہتا ہے تو اس کو حالت طہر میں طلاق بغیر اس کو چھوئے ہوئے دے، یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔"

ان لوگوں کا قول ہے کہ اس متفق علیہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صراحت کی ہے کہ حالت طہر میں عورتوں کو طلاق دینی چاہیے اور یہی آیت کریمہ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ میں مذکور ہے، اور محل نزاع میں یہ آیت اور حدیث نص کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے بعد مؤلف کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کی یہ دلیل محل نزاع میں قطعی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کہ محل خلاف یہ بات ہے کہ قروء سے مراد حیض ہے یا طہر؟ اور مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد طہر ہے، کتاب اللہ اور سنت نبویہ میں اور کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جو ان دلائل کو رد کر سکے، صحت کے لحاظ سے نہ صراحت کے لحاظ سے، وہ اس لیے کہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے اور آیت کی تفسیر کے حوالے سے بالکل واضح ہے۔ (اضواء البیان: 1 / 130)

3 قرآن کی تفسیر اقوال صحابہ سے

علامہ شنقیطی مرحوم اپنی تفسیر میں جا بجا اقوال صحابہ سے مدد لیتے ہیں، مثال: وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ ءَامِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا (النحل: 112)

اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں: اس آیت کی نظر اہل مکہ ہیں جب وہ اپنے کفر و عناد میں حد سے بڑھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بد دعا کی: " اللّٰهم اشدد وطاتك علي مضر. و اجعلها عليهم سنين كسني يوسف "
(بخاری، کتاب التفسیر: 6 / 39، مسلم: 4 / 1557)

اس بد دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ وہ لوگ مردار اور اونٹوں کا گوبر کھانے پر مجبور ہو گئے، اور وہ لوگ خوف میں مبتلا کر دیے گئے، یعنی رسول اللہ ﷺ کے لشکر اور غزوات کا ڈر، یہ بھوک اور خوف جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا، اسی کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ دخان کی آیت کے سیاق میں ذکر کیا ہے، اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ابن مسعود کی تفسیر اس بات کی دلیل ہے کہ سورہ النحل میں مذکور بستی سے مراد اہل مکہ ہیں جنہیں بھوک میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ وہ ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے اور شدت بھوک سے انہیں فضاء میں دھواں دکھائی دیتا تھا، فرماتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر مرفوع حدیث کے درجے میں ہے جیسا کہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے صحابی کی تفسیر سبب نزول کے بارے میں مرفوع حدیث کا درجہ رکھتی ہے۔ (اضواء البیان: 1 / 340 - 342)

4 تفسیر میں اطنابی پہلو

مؤلف اضواء البیان میں بعض جگہوں پر انتہائی تفصیل اور اطناب سے کام لیتے ہیں کہ پڑھنے والا اکتاہٹ کا شکار ہونے لگتا ہے، لیکن ان کی بات فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت 9: إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ کی تفسیر میں وہ تمام پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں جن میں قرآن نے حدیث دی ہے مثلاً: توحید باری تعالیٰ اور اس کے دلائل، طلاق کے مسائل، تعدد زوجات، وراثت کے احکام میں عورت پر مرد کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضیلت ، غلامی کے بارے میں قرآن کا تصور ، قصاص کا نظریہ ، حدود کا فلسفہ ، ترقی دین پر عمل کرنے میں رکاوٹ نہیں ہے ، اور قرآن کریم کا تمام مشکلات کو حل کرنے کا طریقہ ، اس طرح نہایت تفصیل سے اس ایک آیت کی تفسیر تقریباً اڑتیس صفحات میں مکمل کی ہے ۔ (اضواء البیان : 3 / 17 - 54)

5 تحقیق مسائل

سورۃ النور کی آیت 31 : وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا " کی تفسیر میں زینۃ کے لفظ کی مکمل تحقیق کرتے ہیں۔

1 زینت کے بارے میں اہل علم کے اقوال ، آثار صحابہ اور تمام روایت

2 قرآن کریم میں زینت کا مفہوم ، تمام آیات کی روشنی میں اس سے مراد (اضواء البیان : 5 / 506 - 519) اس طرح تقریباً چودہ صفحات میں اس آیت اور اس سے متعلقہ احکام کی وضاحت کرتے ہیں۔

6 اضواء البیان میں اہم علمی نکات

اضواء البیان سے ماخوذ بعض اہم فوائد :

1 علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کی تفسیر کا سب سے اہم اور مفید طریقہ قرآن کی تفسیر قرآن سے ہے۔(1 / 7)

2 ملکہ سباء نے کفر کے باوجود حق کی تصدیق کی ۔ (1 / 7)

3 تعارض کی صورت میں غالب امر محمول کیا جائے گا۔(1 / 8)

4 علمائے اصول کا اجماع ہے کہ قطعی سبب نزول کو کسی مخصص کے ذریعے خارج نہیں کیا جا سکتا۔(1 / 13)

5 مبہم عموی طور پر مجمل سے عام ہوتا ہے ، اسی طرح ہر مجمل مبہم ہوتا ہے ، جبکہ ہر مبہم مجمل نہیں ہوتا۔(1 / 45)

6 فصیح عربی زبان کے مطابق ازواج زوج کی جمع ہے ، زوجہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اس میں بھی کوئی لحن نہیں۔(1 / 45)

7 مفرد اگر اسم جنس کے طور پر استعمال ہو تو عربی زبان میں اکثر جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(1 / 46)

8 امامت مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک امر سے منعقد ہو سکتی ہے ۔(1) منصوص طریقے سے (2) اتفاق کے ذریعے سے(3) سابقہ حاکم کی وصیت سے (4) غلبہ کی صورت میں (1 / 48)

9 امام اعظم کی شرائط : (1) قریشی ہو (2) مرد (3) آزاد ہو (4) بالغ ہو (5) عاقل ہو (6) عادل ہو (7) ایسا شخص ہو جو قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو (8) صحت مند ہو (9) انتظامی اور حربی امور کا ماہر ہو (1 / 49)

10 لمبی لمبی امیدیں باندھنے کے مریض کا علاج اس آیت میں ہے: أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَٰهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا۟ يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾ (الشعراء) ص 67۔

11 اصول فقہ کی رو سے اگر مفرد کی معرفہ کی طرف اضافت کی جائے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ص 71۔

12 کاغذی کرنسی کے بارے میں تفصلی گفتگو ۔ ص 200۔

13 قرآن میں دلالت استقراء سے معلوم ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی مخلوق سے نفی کرتے ہیں اور اپنی طرف ثابت کرتے ہیں ، تو اس اثبات میں کوئی شریک نہیں ہوتا۔

14 ارشاد باری تعالیٰ: أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا۟ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَٰهَدُوا۟ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّٰبِرِينَ ﴿١٤٢﴾ (آل عمران) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جو یہ سمجھتا ہے وہ جنت کا مستحق ہے جبکہ وہ کسی ابتلاء و امتحان سے نہیں گزرا ، اور اس سے صابر اور دین میں مخلص شخص اور دیگر لوگوں میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔

15 ارشاد باری تعالیٰ: فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ (البقرۃ : 256) اس آیت میں شرط سے واضح ہوتا ہے کہ جو طاغوت کا کفر نہیں کرتا اس نے عروۃ الوثقیٰ کو نہیں تھاما جس نے عروہ وثقی کو نہیں پکڑا ، اس کا ایمان ہی نہیں ہے ، اور عروہ وثقی ہی اللہ پر ایمان لانا ہے ، طاغوت پر ایمان اللہ پر ایمان کے ساتھ کسی صورت میں جمع نہیں ہو سکتا ، اس لیے کہ طاغوت کا کفر ایمان باللہ کی شرط ہے یا اس کا رکن ہے۔(1 / 46)

16 ارشاد باری تعالیٰ: مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ (الاعراف : 186) ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے کو انتہائی خشوع و خضوع سے دعا مانگنی چاہیے کہ وہ ہدایت پر قائم رہے اور گمراہ نہ ہو جائے ، اس لیے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے وہ گمراہ نہیں ہوتا ، اور جو گمراہ ہو جائے اس کے لیے ہدایت نہیں ہے ، اسی لیے راسخون فی العلم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران : 8) ص 262۔

17 ارشاد باری تعالیٰ: وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (النساء : 95) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین ، اس لیے کہ جہاد نہ کرنے والے اگر فرض ترک کرتے ہوں تو ان سے " الحسنی " کا وعدہ بند کیا جاتا ، اس سے مراد جنت اور ثواب عظیم ہے۔(1 / 126)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

18 ارشاد باری تعالیٰ : وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِى خَرَابِهَآ (البقرۃ : 114) بعض علماء کا قول ہے : یہ آیت اس وقت نازل ہوتی تھی جب مشرکوں نے نبی کریم ﷺ کو سن 6ھ میں عمرہ کرنے سے روکا تھا، اس قول کی رو سے : خراب سے مراد معنوی خرابی، یعنی مساجد میں عبادت کرنے سے منع کرنا مساجد کی ویرانی ہے، اور اس قول کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: هُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَصَدُّوكُمْ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ (الفتح:25)

19 تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ جبکہ اکثر مورخین کی رائے ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر سے پہلے ہوا تھا، اس کی دلیل صحیح حدیث ہے : .... جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے موقع پر مدینہ آئے تھے۔ (1 / 260)

20 ارشاد باری تعالیٰ : وَلَن يَجْعَلَ ٱللَّهُ لِلْكَٰفِرِينَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (النساء : 141) علامہ شنقیطی فرماتے ہیں : اس آیت کی تفسیر میں علماء کی کئی توجیہات ہیں :

1 قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی سبیل نہیں رکھیں گے اور یہ قول علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور اس کی تائید ابتدائے آیت سے ہوتی ہے : فَٱللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَلَن يَجْعَلَ ٱللَّهُ لِلْكَٰفِرِينَ اور یہ بالکل ظاہر ہے، ابن عطیہ کہتے ہیں : تمام اہل تاویل کا یہی قول ہے، قرطبی نے بھی یہی قول نقل کیا ہے، ابن العربی نے اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا کہ : انتہائے آیت کو ابتدائے آیت کی طرف لوٹانا صحیح نہیں ہے۔

2 اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ان کو اتنی طاقت حاصل نہیں ہو گی، یہاں تک مسلمانوں کی حکومت ختم ہو جائے، وہ نیست و نابود ہو جائیں اور حملہ آور غالب آ جائیں۔ اس کی تائید صحیح مسلم کی حدیث سے ہوتی ہے : حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا " اور میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ میری آیت کو عام قحط کے ذریعے ہلاک نہ کیا جائے، ان پر صرف بیرونی دشمن ہی مسلط ہو، جو ان پر غالب آ جائے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے میری امت کے لیے یہ عطا کیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور غلام بنائیں گے۔ اس توجیہ کی تائید مختلف آیات سے ہوتی ہے: إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا (غافر:51)، وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ (الروم)، وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ (النور : 55) اور دیگر آیات۔

3 کافروں کے لیے کوئی سبیل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب مسلمان باطل کی آپس میں وصیت کرنے لگیں، منکر سے منع کرنا ترک کر دیں اور توبہ و استغفار نہ کریں تو دشمن ان پر مسلط کر دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشوریٰ : 30) ابن العربی کہتے ہیں : یہ انتہائی نفیس قول ہے، اس کا مفہوم شروع کی طرف لوٹ رہا ہے، اس لیے کہ وہ اگر اطاعت کریں گے تو مدد کیے جائیں گے اور ان کے اپنے اوپر مصیبت دو طرح سے آئی ہے۔

4 کافروں کے لیے مومنوں پر شرعی طور کوئی راستہ نہیں بنایا گیا۔

5 سبیل سے مراد حجت اور دلیل ہے، یعنی کافروں کو مومنوں کے خلاف کوئی دلیل نہیں دی گئی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ (الفرقان)

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر قرآن کی قرآن سے تفسیر کے حوالے سے بہترین کاوش ہے اور جس موضوع پر مؤلف "تفصیل گفتگو کرتے ہیں تو اس کا حق ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قرآنی خدمت کا بہترین صلہ دے اور جنت الفردوس میں مقام دے۔ آمین

قرآنی آیات و
احادیث کا احترام
آپ پر لازم ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمد سلیم

ترجمہ قرآن کریم کے مسائل اور ان کا حل

لفظ ترجمہ کا مادّہ دو طرح سے بیان کیا جاتا ہے ، ایک ثلاثی مجرّد سے جو ر ، ج ، م ہے دوسرا رباعی مجرّد سے جو ت ، ر ، ج اور م ہے۔ عربی زبان میں لفظ ترجمہ درج ذیل چار معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے :

1 کلام کو ایسے شخص تک پہنچانا جس کی اس تک رسائی نہ ہو

2 کلام کی تفسیر صرف اسی زبان میں جس میں وارد ہوا ہے

3 کسی بھی زبان میں کلام کی تفسیر و توضیح کرنے کا عمل

4 کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنا۔[1]

علامہ زرقانی لفظ ترجمان کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں :

لفظ ترجمان ترجمہ سے ماخوذ ، جس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے اور اسے دو زبانوں سے واسطہ ہوتا ہے ، ایک وہ زبان جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اور دوسری وہ جس سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔[2]

ماہر لسانیات جوہری لفظ ترجمان کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ترجمان ، زعفران کی طرح ہے اور ترجمان القرآن کو مفسر قرآن سمجھا جاتا ہے ، اس لیے حضرت ابن عباس کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے ، کیونکہ اُنھوں نے قرآن کریم کو اسی زبان میں وضاحت سے بیان کیا ہے جس میں اس کا نزول ہوا تھا یعنی اس سے مراد ترجمے کی ایک وہ قسم ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں ، یعنی کلام کی تفسیر صرف اسی زبان میں جس میں وہ نازل ہوا ہے۔[3]

مناع القطان اپنی کتاب میں ترجمے کی درج ذیل تین اقسام کا ذکر کرتا ہے :

1 حرفی ترجمہ : اس ترجمے میں ایک ایک لفظ کے نیچے لسانی تراکیب کی پابندی کرتے ہوئے دوسری زبان کا لفظ لانا مقصود ہوتا ہے۔

2 معنوی یا تفسیری ترجمہ : اس ترجمے میں اصل زبان کے لفظ کا معنی بیان کرنا اس انداز سے کہ اصل عبارت میں زیادہ دوری نہ پڑ جائے ۔ اگرچہ مترجم زبان کی تراکیب و قواعد کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

3 مفہوم کو ترجمانی کے انداز میں اپنے الفاظ میں بیان کرنا۔

ترجمے کی اس قسم میں اصل کلام کے مفہوم کو کھل کر بیان کیا جاتا ہے ۔ اس میں یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ اصل زبان کی ترکیب ، نظم اور اصول و قواعد کہیں بگڑ نہ جائیں ۔ اس قسم کے ترجمے کو مفہومی ترجمہ کہتے ہیں۔[4]

حضرت شاہ ولی اللہ ترجمہ قرآن کریم کے حوالے سے ترجمے کی مختلف رائج الوقت اقسام کا ذکر یوں کرتے ہیں : ترجمہ نویسی میں مترجمین مختلف طریقوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں ۔ بعض کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جدا جدا ہر کلمے کا ترجمہ کرتے ہیں اور آخر مضمون تک اس کے پابند رہتے ہیں کہ ہر کلمے کا ترجمہ تحت اللفظ ہو اور اس کو " لفظی ترجمہ " کہتے ہیں ۔ مترجمین کی دوسری جماعت پسندیدہ اسلاف کی ہے کہ وہ اوّل پورے کلام میں غور و تامل سے کام لیتے ہیں ، مثلاً مجاز ، کنایہ ، تقدیم و تاخیر کی معرفت اور ترتیب کے ساتھ عبارت کے معنی ذہن نشین کرتے ہیں ۔ بعد ازاں اپنی صوابدید پر ان معانی کو موزوں اور مناسب الفاظ اور بندش کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اس ترجمے کو " بیانِ حاصل معنی " (معنوی ترجمہ) کہا جاتا ہے ۔ ترجمے کا طریق اوّل نقص و خلل سے خالی نہیں ہے ۔[5]

محمد خلیفہ اپنی کتاب The Sublime Qur'an and Orientalism : میں ترجمہ قرآن کریم کے متعلق یوں رقمطراز ہیں : جنھوں نے قرآن کریم کی فصیح و بلیغ عربی زبان کا ترجمہ

---

1 (الف) صابونی ، محمد علی ، التبیان فی علوم القرآن : 206 ، (ب) جامعہ پنجاب ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ : ج 16، 542

2 (الف) زرقانی ، عبد العظیم ، مناهل العرفان : ج 2 ، ص 542 (ب) علی اُدھم ، علی ھامش الادب والنقد : 224

3 الزبیدی ، محمد مرتضیٰ ، تاج العروس : مادہ (ر ، ج ، م) ج 2، ص 74

4 مناع القطان ، مباحث فی علوم القرآن :313

5 دہلوی شاہ ولی اللہ ، المقدمۃ فی قوانین الترجمہ بحوالہ المعارف ، اصول ترجمۃ القرآن، سیّد ابوالخیر المودودی: 71

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی زبان میں کرنے کی کوشش کی ہے ، انہوں نے اپنی زبان میں محدود الفاظ کی بنا پر ، اپنے آپ کو قرآن کریم کے ادبی جمال کی فراوانی کی بدولت دوسری زبان میں منتقل کرنے سے عاجز پایا ہے ۔ بلاشبہ چند انگریز مترجمین نے بھی اس مشکل کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ترجمہ قرآن کو ترجمہ کہنے سے اجتناب کیا ہے ، مثلاً پروفیسر اے ، جے آربری نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کا نام جو دو جلدوں میں ہے The Qur'an Interpreted رکھا[6]۔ اسی طرح نو مسلم مار ماڈیوک پکتھال نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کا نام Meaning of the Glorius Qur'an رکھا ہے ۔ یاد رہے شاہ عبد القادر دہلوی کے اردو ترجمہ قرآن کا نام " موضح القرآن " اور مولانا اشرف علی تھانوی کا " بیان القرآن " مولانا محمود حسن دیوبندی کا " موضح الفرقان " مولانا احمد رضا خان بریلوی کا " کنز الایمان فی ترجمہ القرآن " اور مولانا فتح محمد جالندھری کے ترجمہ قرآن کا نام " فتح الحمید " اور اسی طرح ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن کا نام " غرائب القرآن " ہے۔

مفسر قرآن محمد علی صابونی اپنی کتاب التبیان فی علوم القرآن میں ترجمے کے اصلاحی معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ترجمہ قرآن سے مراد قرآن کریم کے معانی کسی دوسری یعنی غیر عربی زبان میں منتقل کرنے کے ہیں ۔[7]

بعض علما کے نزدیک ترجمے سے مراد صرف کسی ایک زبان کے افکار کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہے ، اور بعض علما نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ صحیح ترجمہ صرف وہی ہے جو اصول و قوانین ترجمہ کے مطابق کیا جائے ۔[8]

ترجمے کے حوالے سے اہل علم کا اس بات پر اختلاف موجود ہے کہ ترجمہ ایک فن ہے یا علم ؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ ایک علم ہے اور دوسرے کا اصرار ہے کہ ترجمہ ایک فن ہے ۔ پیٹر نیو مارک (Peter new Mark) کے مطابق ترجمہ ایک فن ہے ، کیونکہ اس میں محنت و ریاضت ، ذہانت ، احساس اور خیال کی ضرورت ہوتی ہے ۔[9] ایک امریکی عالم نیدا (Nida) ، جس نے اپنی تمام زندگی ترجمے کو ایک علم کی حیثیت سے پڑھتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے گزار دی ، ترجمہ ایک علم ہے نہ کہ فن ، لیکن دیگر علما نے نیدا کے اس قول کی مخالفت کی ہے اور ان کے مطابق ترجمہ ایک فن ہے نہ کہ علم ۔ ایک مسلم عالم ڈاکٹر علی محمد حسن کا کہنا ہے کہ علم الترجمہ آنِ واحد میں علم بھی ہے اور فن بھی ، یہ علم ہے ، کیونکہ ترجمہ علم لسانیات کی اقسام میں سے ہے ، اور اس میں ذوق ، احساس اور معرفت کی ضرورت ہوتی ہے۔[10]

ایک مترجم قرآن کے لیے درج ذیل خصائل کا حامل ہونا بہت ضروری ہے :

1 ایک مترجم قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ سچا ، ایمان دار اور خوفِ خدا رکھنے والا ہو ۔

شیخ احمد عبد الرحمن اپنے ایک مقالے (جو مجلہ الفیصل میں شائع ہوا) میں لکھتے ہیں کہ اگر مترجم قرآن غیر مسلم ہو تو وہ اپنی مرضی سے ترجمہ کرنے کا مجاز ہوگا ، چاہے عمداً یا سہواً وہ قرآن کریم کی اصل عبارت کے مفہوم کو غلط انداز میں بیان کرے ۔ ایسا کرنا اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا ۔[11]

2 علامہ جلال الدین سیوطی ایک مترجم قرآن کی پندرہ خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں ، مثلاً اسے علم النحو ، الصرف ، اشتقاق ، معانی ، بیان ، بدیع ، قرآت ، اصول الدین ، اصول التفسیر ، اصولِ فقہ ، اسبابِ نزول ، قصص ، ناسخ و منسوخ ، حدیث اور وہبی علوم سے بہرہ مند ہونا چاہیے۔[12]

3 ایک مترجم قرآن کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے علاوہ اسلامی روایات اور ثقافت کے ساتھ ساتھ زمانہ جاہلیت کے ادب کو بھی بخوبی سمجھتا ہو ۔

4 ایک مترجم قرآن کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ دونوں زبانوں کی ثقافت اور ان کے اصول و قواعد کو اچھی طرح جانتا ہو ۔

5 قرآن پاک کے اسلوب کو سمجھنا ایک مترجم قرآن کے لیے بہت ضروری ہے ۔

6 قرآن پاک کے پیرایہ بیان کے پیش نظر زمانہ جاہلیت کی ثقافت کو سمجھنا ایک مترجم قرآن کے لیے بہت لازم ہے ۔

7 قرآن کریم کی اصطلاحات کے اسرار و رموز سے ایک مترجم کو مکمل واقفیت ہونی چاہیے۔

8 قرآن کریم کی ضمائر کے مراجع کے بارے میں مترجم کے پاس مکمل علم ہونا بہت ضروری ہے۔

---

6 Muhammad Khalifa : " The Sublime Qur'an and Orientalism P 64

7 صابونی ، محمد علی ، التبیان فی علوم القرآن، دہلوی، شاہ ولی اللہ: 206

8 ثمینہ یاسمین ، اردو تراجم کے مسائل اور ان کا حل ، مقالہ برائے ایم اے ، شعبہ اردو ، اوری اینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور: 30

9 (الف) محمد جاسم ، نظریۃ ترجمۃ الانجلیزیۃ و العربیۃ و تطبیقھا العملی : 80 (ب) {Peter new Mark : Approaches to Translation, }:130

10 الدکتور علی محمد حسن ، الادب و تاریخہ فی العصرین من الاموی و العباسی : 60 - 61

11 عبد الرحمن اکوانہ تشابہ ، الفیصل : صعوبات الترجمہ لمعانی القرآن الکریم: 63

12 سیوطی ، جلال الدین ، الاتقان فی علوم القرآن: 2 / 232

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

9 ایک مترجم قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس زبان میں ترجمہ کرنے جا رہا ہے، اس پر بھی مکمل عبور حاصل کرے۔

10 ترجمہ قرآن کے لیے ایک با ضابطہ نظام ہونا چاہئے ، جس میں اصطلاح سازی اور معیار بندی کا نظام موجود ہو اور ایک مترجم کو اس نظام پر عبور حاصل ہونا چاہئے۔

11 ایک مترجم قرآن کے لیے عاقل ، بالغ ، سریع الفہم ہونا اور حوصلہ مند ہونا بہت ضروری ہے۔

12 ایک مترجم کو وہبی ، علمی ، ادبی اور تفسیری اصطلاحات میں عبور حاصل ہونا چاہئے۔

13 ایک مترجم قرآن اس قدر ایمان دار ہو کہ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کی ایک ایک حرکت کے علم و معانی کو بھی اپنی زبان میں بیان کر سکے ، ڈاکٹر مسکین حجازی اپنے مضمون : " صحافت میں ترجمے کے مسائل و مشکلات " میں لکھتے ہیں کہ ہمیں مرکزی نظام کے فقدان ، اسم معرفہ کی پہچان ، تاریخ اور جغرافیہ ، فارسی زبان کے الفاظ بذریعہ انگریزی ، واقفیت عامہ ، لسانی مسئلے اور تربیتی سہولتوں کے فقدان جیسے مسائل ترجمے کے عمل میں در پیش ہیں ۔[13]

کسی عام کتاب یا کلام کا مترجم بھی کئی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے ، چہ جائے کہ کسی ایسے کلام کا ترجمہ کرنا مقصود ہو جو کسی بشر کا کلام ہی نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے ، کا کلام ہو تو ایک مترجم کو کتنی مشکلات و مسائل کا سامنا ہوگا ، اس بات کا اندازہ وہ مترجم ہی کر سکتا ہے جس نے اس میدان میں عمل آزمائی کی ہو اور اس کے دل میں خوف خدا اور درد مخلوق بھی ہو ۔

13 اعجاز راہی ، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل: 238،231

قرآن کریم کا ترجمہ کرنا تو بہت مشکل ہے ، ہاں اس کلام پاک کی ترجمانی ہو سکتی ہے ۔ جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کا ترجمہ فلاں زبان میں کیا ہے ، اس سے مراد غالباً ان کی قرآن کریم کے معانی و مطالب ادا کرنے کے لیے ترجمانی کا عمل ہے جو اُنہوں نے کسی ایک زبان میں کیا ہوگا ورنہ ترجمہ قرآن کیسے ہو سکتا ہے ؟ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

ہمارے بس کی بات نہیں ہے کہ ہم قرآن کریم کے بعض محاورات کا اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر سکیں مثلاً سورہ مریم کی آیت نمبر چار وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْباً کا ترجمہ کرنا تو درکنار ہم اس کا صحیح مفہوم بھی اپنی کسی بھی غیر عربی زبان میں کماحقہ ادا نہیں کر سکتے۔[14]

ترجمہ قرآن کریم کی مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے حافظ غلام سرور جنہوں نے قرآن کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ، رقم طراز ہیں :

There are numerious difficulties in the way of translation of the Holy Qur'an.[15]

مولانا مودودی نے " تفہیم القرآن " کے مقدمے میں لکھا ہے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب کی تاثیر کو ہم اپنے ترجمے میں بیان نہیں کر سکتے ۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے اپنے اردو ترجمہ قرآن کو ترجمانی سے تعبیر کیا ہے نہ کہ ترجمے سے ۔[16]

14 تھانوی ، اشرف علی ، بیان القرآن : ترجمہ قرآن بزبان اردو: دیباچہ

15 Hafiz Ghulam Surwar, Translation of the Holy Qur'an (Preface)

16 مودودی ، مولانا ، تفہیم القرآن : دیباچہ

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی جنہوں نے اپنے ترجمہ قرآن کا نام " غرائب القرآن " رکھا اس کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں کہ میں قرآن کریم کی چند آیات کی ضمائر کی وجہ سے کماحقہ ان کا ترجمہ کرنے سے قاصر رہا ہوں ۔[17]

الفرڈ گلیوم اپنی کتاب "The Legacy of Islam" میں عربی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں:

Arabic is fitted to express relations with more conciousness than the Aryan Languages because of extraordinary flexibility of the verb and noun.[18]

مناع القطان لکھتے ہیں کہ قرآن کریم چونکہ کلام الٰہی ہے اور یہ نبی علیہ الصلاۃ و السلام کی ذات پاک پر ایک معجزے کی حیثیت سے نازل ہوا ، اس لیے کوئی مترجم اپنے ترجمہ قرآن کو قرآن نہیں کہتا ، بلکہ ترجمہ یا ترجمانی ہی کہے گا اور نہ ہی اسے تلاوت کر سکتا ہے ، بلکہ اصل عبارت ہی یعنی قرآن کریم ہی کی تلاوت کرے گا ، کیونکہ قرآن کریم کا اعجاز صرف عربی زبان میں ہی سمو سکتا ہے ۔ اگر ہم عربی زبان ہی کے کسی دوسرے عربی لفظ کو اس کی جگہ پر لائیں تو وہ اعجاز باقی نہیں رہے گا ۔ جو اصل لفظ میں تھا اور قرآن کریم کا یہ اعجاز اس کے الفاظ اور حروف کے ساتھ منسلک ہے۔[19]

اسی طرح بر صغیر پاک و ہند میں قرآنی تراجم کی تحریک کے بانی حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی قرآن کریم کے ترجمے کی مشکلات کو نہ

17 دہلوی ، نذیر احمد ۔ غرائب القرآن : اردو ترجمہ قرآن ،دیباچہ

18 Arnold and Cuillaume- "The Legeacy of Islam", P:9

19 مناع القطان ۔ مباحث فی علوم القرآن : 314

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف اپنے فارسی ترجمہ قرآن میں محسوس کیا بلکہ اس کے دیباچے میں بھی اور دیگر کتب مثلاً ایک مختصر سے رسالے بہ نام المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ میں ترجمہ قرآن کے مسائل کا ذکر کیا ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں بحوالہ زرکشی لکھا ہے: قرآن کا فارسی یا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا درست نہیں، قرآن کی قرأت اس انداز سے کی جائے کہ جس سے اس کا اعجاز برقرار رہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ترجمے میں اعجاز باقی نہیں رہتا اور عربی کے سوا دوسری زبانوں میں وہ بات نہیں پائی جاتی جو عربی کی خصوصیت ہے[20]۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ عجمی کلام تو درکنار عربی کلام النبی ﷺ یعنی حدیث شریف کا متن بھی قرآنا عربیاً کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اصل قرآنی متن کے برابر نہیں ہو سکتا۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی قرأت بالمعنیٰ جائز نہیں، اس لیے کہ جبرائیل قرآن کریم کو اصل زبان یعنی عربی ہی میں پڑھتے تھے۔ اُنہیں اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ قرآن کریم کے معنی و مفہوم کو دوسری زبان میں حضور ﷺ تک پہنچاتے۔[21]

مالکیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک قرآن کریم کی قرأت عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں جائز نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ میں لکھتے ہیں کہ لفظی ترجمہ خلل و فساد سے خالی نہیں ہے، اس لیے اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کلام میں دو مستقل وجوہ کی گنجائش ہے اور مترجم اس درجے حاذق اور ماہر نہیں ہے کہ ہر دو وجوہ میں سے متکلم کی مدد کو پا سکے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ مترجم مراد متکلم کے خلاف ترجمہ کرے گا۔ اگر حقیقتِ امر پوچھتے ہو تو کتبِ سابقہ میں تحریف نے اکثر اسی سبب سے راہ پائی ہے۔[22]

ترجمہ قرآن کریم کے مسائل کو ہم درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کر سکتے ہیں:

1 اجنبی زبانوں میں مفردات کی عدم پست پا
2 غیر عربی زبانوں میں صیغہ تثنیہ کی عدم موجودگی
3 زبانوں کے اصول و قواعد میں عدم موافقت
4 قرآنی الفاظ کی ضمائر اور ان کے مراجع کا تعین
5 زبانوں کی مختلف علمی ادبی اصطلاحات
6 اسباب النزول کو ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے
7 قرآن کریم کا انوکھا اسلوب
8 قرآن کریم کا لفظی ترجمہ
9 زبانوں کا، ثقافتی، تہذیبی، فکری اختلاف
10 عربی زبان کی ترکیب نحوی کا دیگر زبانوں سے فرق
11 ترجمہ قرآن کریم کے با ضابطہ نظام عمل کا فقدان
12 قرآن کریم کی مذہبی اصطلاحات
13 عربی زبان کے ایک لفظ کا کئی معنوں میں استعمال
14 عربی زبان کے الفاظ کا عبرانی اور سریانی کے ساتھ اشتراک
15 کلام الٰہی کی مکمل معرفت کا نہ ہونا
16 عربی زبان کا اعجاز
17 عربی زبان کی فصاحت و بلاغت
18 زبانوں کے مختلف مزاج

یہ وہ مسائل و مشکلات ہیں جن کی وجہ سے ہم قرآن کریم کے ترجمے کو کماحقہ ادا نہیں کر سکتے، صرف ہم اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ ان تمام مسائل کو ہم مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔

ہر مترجم کو قرآن کریم کے بعض افعال مثلاً قَالَ اور قَالَت میں فرق واضح کرنے میں مشکل پیش آتی ہے بلکہ ان قرآنی الفاظ کے لیے اردو زبان میں علیحدہ علیحدہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ قَالَ جو کہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اس کا ترجمہ کوئی ایک مرد / مذکر نے کہا ہوگا اور قَالَت کا ترجمہ کوئی ایک مؤنث یا عورت ہوگا جو کہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ ان الفاظ کو ہم اردو میں " اس نے کہا " سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن اس ترجمے سے اس کلمہ کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا، جب تک ہم بین القوسین واضح نہ کریں کہ اس ایک مرد / عورت نے کہا۔ اسی طرح لفظ اَنْتَ اور اَنْتِ میں فرق واضح کرنا اردو اور انگریزی زبان میں صرف ایک ہی لفظ سے نا ممکن ہے، کیونکہ اَنْتَ واحد مذکر حاضر اور اَنْتِ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے۔ ان میں اگر ہم فرق نہ کریں تو قرآن کریم کی وہ آیت جس میں یہ الفاظ واقع ہیں، اس کا مفہوم کماحقہ ادا نہیں کر سکتے، اس لیے ہمیں بین القوسین تشریحی الفاظ لکھنا ہوں گے، مثلاً قول باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَٰمٌ[23]

ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ[24]

---

[20] جامعہ پنجاب۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ج 116 (ق)، ص 5410

[21] زرقانی، عبد العظیم۔ مناہل العرفان: ج 2، ص 56 - 57

[22] جالندھری، رشید احمد۔ المعارف: اکتوبر، دسمبر 2001ء۔ اصول ترجمہ قرآن۔ ابو الخیر المودودی: بحوالہ المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ: ص 73

[23] آل عمران: 40

[24] آل عمران: 48

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"مریم نے کہا: پروردگار میرے ہاں بچہ کیوں کر ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تو لگایا نہیں۔"

تشریحی الفاظ کے بغیر ہم کسی صورت میں بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ قال سے مراد کلام زکریا علیہ السلام اور قالت سے مراد کلام مریم علیہا السلام ہے، جب تک ہم بین القوسین ان الفاظ کی وضاحت نہ کریں۔

عربی زبان کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس میں دو کے اعداد کے لیے علیحدہ سے ایک صیغہ ہے جو صرف دو کے اعداد کو ظاہر کرتا ہے اور ان میں فرق واضح کرنا کسی بھی غیر عربی زبان کے ایک لفظ سے نا ممکن ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ ٱلْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٣٥﴾ [25]

"اور کہا ہم نے اسے آدم رہ تو اور جورو تیری بہشت میں اور کھاؤ تم اس سے با فراغت جہاں چاہو اور مت نزدیک جاؤ اس درخت کے پاس ہو جاؤ گے ظالموں سے۔"

اس آیت کریمہ کے ترجمے پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ درج ذیل افعال کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: کلا اور کھاؤ شئتما جہاں چاہو تکونا پس ہوجاؤ گے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ترجمے میں ان قرآنی افعال کا کماحقہ ترجمہ نہیں ہو سکا، کیونکہ یہ تمام افعال صیغہ تثنیہ سے ہیں جن کا ترجمہ یوں ہوگا اور کھاؤ تم (دونوں) جہاں چاہو (دونوں) اور نزدیک نہ جاؤ (دونوں)، ہو جاؤ گے (دونوں) ظالموں سے۔ کیونکہ یہ تمام افعال صرف دو افراد کے عمل کو ظاہر کرتے ہیں نہ کہ تمام کے لیے جیسا کہ عموماً ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے غیر عربی کسی بھی زبان میں جس میں تثنیہ کا صیغہ نہیں ہے، عربی زبان کے صیغہ تثنیہ کا ترجمہ کماحقہ نہیں ہو سکتا۔

ہر زبان کے اپنے ہی خاص اصول و قواعد ہوتے ہیں، اسی طرح عربی زبان کے اپنے ہی خاص صرفی، نحوی قواعد ہیں مثلاً فاعل، مفعول اور فعل کا مختلف جگہوں پر واقع ہونا۔ عربی زبان میں سب سے پہلے فعل پھر فاعل اور بعد میں مفعول واقع ہوتا ہے لیکن اردو زبان میں یہ ترکیب اس کے برعکس ہے۔ اردو میں پہلے فاعل پھر مفعول اور آخر میں فعل واقع ہوتا ہے۔ مثال کے لیے ہم قرآن کریم کی آیت کریمہ پیش کرتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَتَلَ دَاوُۥدُ جَالُوتَ [26]

اردو ترجمہ یوں ہوگا:

"داود نے جالوت کو قتل کیا۔"

ترجمے میں اصل متن کی ترکیب بدل جاتی ہے اور مترجم زبان کی اپنی خاص ترکیب کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ تقریباً نا ممکن ہے۔ اس کے علاوہ عربی زبان کے اپنے خاص اوزان و ابواب ہیں جن کے معنی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، مثلاً اَلرَّحْمٰن، اَلرَّحِیْم دونوں الفاظ کا مادہ ایک ہی ہے، معنی بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اَلرَّحِیْم فعیل کے وزن پر ہے اور اَلرَّحْمٰن جو بر وزن فعلان دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ رحیم جو بر وزن فعیل ہے، اس میں رَحْمٰن جو بر وزن فعلان ہے کی نسبت مبالغہ کم پایا جاتا ہے۔ اس فرق کو ترجمے میں بیان کرنا کسی مترجم کے بس کی بات نہیں۔ ہاں یا وہ ترجمانی کے انداز میں بین القوسین زائد الفاظ لکھے اور وضاحت کرے کہ رَحْمٰن یعنی نہایت رحم کرنے والا اور رحیم بڑا مہربان ہے۔

ترجمہ قرآن کے دوران ایک مترجم کو در پیش مسائل میں سے ایک مسئلہ ضمائر کے مراجع کے تعین کا ہے، قرآن کریم کے ایجاز اور اعجاز کی بدولت ہم اس کا کماحقہ ترجمہ نہیں کر سکتے۔ اس ترجمہ قرآن کریم کی مشکل کا اظہار شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے اپنے اردو ترجمہ قرآن "غرائب القرآن" کے مقدمے میں کیا ہے۔ اسی طرح بر صغیر پاک و ہند میں قرآنی تراجم کے بانی شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں بھی بیان کیا ہے کہ ہم قرآن کریم کی ضمائر کے مراجع کے پیش نظر قرآن کریم کی بعض آیات کریمہ کا کماحقہ ترجمہ نہیں کر سکتے۔

مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ قَرِينُهُۥ رَبَّنَا مَآ أَطْغَيْتُهُۥ وَلَٰكِن كَانَ فِى ضَلَٰلٍۭ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ [27]

"اس کے ساتھی (شیطان) نے کہا کہ ہمارے پروردگار میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا اور لیکن وہ دور کی گم راہی میں تھا۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ قَرِينُهُۥ هَٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ [28]

"اور اس کا ہم نشیں (فرشتہ) کہے گا یہ (اعمال نامہ) میرے پاس حاضر ہے۔"

ان ہر دو آیت کریمہ میں لفظ "قرینہ" استعمال ہوا ہے۔ "قرین" ساتھی کو کہتے ہیں اور "ہ" ضمیر ہے یعنی اس کا ساتھی۔ اول الذکر آیت کریمہ میں "قرینہ" سے مراد، شیطان ہے اور مؤخر الذکر میں لفظ "قرینہ" سے مراد فرشتہ (جو اعمال نامہ پیش کرے گا) ہے۔ اب ان دونوں ضمائر کے مراجع میں بہت زیادہ فرق ہے۔ جب تک ہم بین القوسین یہ لکھ کر واضح نہ کریں کہ "ہ" ضمیر شیطان کی جانب لوٹتی ہے اور دوسرے

25 البقرۃ: 35

26 البقرۃ: 251

27 ق: 27

28 ق: 23

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتے کی طرف ، اتنی دیر تک ہم صحیح ترجمہ کرنا تو درکنار ، ترجمانی کا حق بھی ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

بعض اوقات ایک ہی آیت کریمہ میں اتنی زیادہ ضمائر کا استعمال ہوتا ہے کہ اگر ہم ان کا ترجمہ دوسری زبان میں کریں تو تقریباً نا ممکن ہوتا ہے ۔ ایسی چند آیات کی نشان دہی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن " غرائب القرآن" کے مقدمے میں کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان اپنے قواعد اور لغت کے لحاظ سے اس قدر وسیع ہے کہ کسی بھی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا عموماً سمجھا جاتا ہے ۔ ہر زبان کی اپنی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں جن کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا مشکل ہوتا ہے ۔ اگرچہ کلام الٰہی کی اپنی خاص اصطلاحات ہیں جن کا ترجمہ کرنا تو بغیر تشریح کے ممکن ہی نہیں ہے بلکہ ان اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے دیگر قرآنی علوم پر دست رس رکھنا بھی بہت ضروری ہے ۔ ان اصطلاحات میں حروف مقطعات ، نادر اسمائے قرآنی مثلاً بابل ، ہاروت و ماروت ، زمہریر ، زنجبیل وغیرہ اور اسی طرح انبیائے کرام کے نام کا ترجمہ تو نہیں ہو سکتا ، بلکہ انہیں تشریحی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے ۔ قیامت کے مختلف نام مثلاً الطآمۃ ، الصآخۃ اور الساعۃ وغیرہ کا ترجمہ نا ممکن ہے ، اسی طرح قصص الانبیاء میں مختلف انبیاء کے قصے مثلاً سبت ، اصحاب ایکہ ، اصحاب الفیل اور واقعہ ابرہہ وغیرہ شامل ہیں ، جن کی تشریح کے بغیر ترجمہ مکمل نہیں ہوتا۔

اسباب النزول یا شان نزول سے مراد آیات قرآنیہ سے تعلق رکھنے والے وہ واقعات ہیں جو آیات کے نزول کا سبب بنے ۔ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب الفوز الکبیر میں اسباب نزول کے بارے میں رقم طراز ہیں :

اور اسی طرح قرآن کریم کے ترجمے کے مشکل مقامات میں ایک مقام یہ بھی ہے کہ اسباب النزول کی اصطلاح میں متاخرین و متقدمین کا اختلاف ہے مثلاً کسی بھی واقعہ کے ظہور کے بارے میں " نزلت کذا " کے الفاظ بیان کیے جاتے ہیں ۔ اس واقعے میں قرآنی سورت کے نزول کا واقعہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور واقعے کے بارے میں بھی اطلاع دینا مقصود ہو سکتا ہے ، لہٰذا اس میں فرق کرنا ایک مترجم قرآن کے لیے مشکل کا باعث ہے۔

اس طرح " نزلت کذا " کے ضمن میں صحابہ کرام کا استشہاد ، مناظروں کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود تھا اور اس کے ساتھ احادیث کے بارے میں یہی کلمات استعمال ہوتے تھے ، جس کی وجہ سے اسباب نزول کو سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔[29]

اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ ، آیات متشابہات وغیرہ کے بارے میں کم علمی ترجمہ قرآن کے مسائل و مشکلات ہو سکتے ہیں ۔ ان قرآنی علوم پر مکمل عبور کرنا ایک مترجم قرآن کا خاصا ہے ۔ ایسی آیات کریمہ کے ترجمہ و تشریح کے لیے درج ذیل امور پیش نظر ہونے چاہئیں۔

1 ہر آیت کا ترجمہ و تشریح آں جناب ﷺ اور صحابہ کی روایت کردہ تفسیر کے مطابق ہو یا تفسیر مرفوع اور اقوال صحابہ سے ماخوذ ہو
2 آیت کریمہ کی تفسیر سیاق و سباق کے مطابق ہو
3 ترجمہ قرآن قواعد عربی اور اہل لسان کے اصول و قواعد کے مطابق ہو
4 آیات کریمہ کا ترجمہ مقاصد قرآن کے مطابق ہو

قرآن کریم کے اعجاز کی کئی صورتیں ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے ۔ وہ انواع جو اکثر وجوہ اعجاز کے لیے جامع ہیں ، چار ہیں :

1 قرآن کریم کی حسن تالیف
2 کلمات و آیات قرآنیہ کا باہمی ربط
3 قرآن کریم کا معیارِ فصاحت و بلاغت
4 غیب کی خبروں اور آنے والے واقعات پر مشتمل آیات

علامہ سیوطی اعجاز القرآن کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ اعجاز القرآن کے ساتھ بدیع کی تمام اقسام کچھ اس طرح جمع ہیں کہ دنیا کے کسی کلام میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔[30]

قرآن کریم نے جس جگہ زوجین کے بارے باہمی قرب و اختلاط کو بیان کیا اس کے لیے لطیف کنایات اور استعاروں کو اختیار کیا ، کہیں فرمایا :

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ [31]

" وہ تمہارے واسطے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔"

مراد یہ کہ عورتیں مردوں کے لیے اور مرد عورتوں کے لیے ایک حیا اور راز داری کی علامت ہیں ۔ بغیر تشریح کے اور سیاق و سباق کے سمجھنے سے ایسی آیات کریمہ کا ترجمہ بہت مشکل ہے ۔ قرآن کریم کا ترجمہ بہت مشکل ہے ۔ قرآن کریم کی ہر آیت دوسری آیت سے جڑی ہوئی ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں يَـٰٓأُخْتَ هَـٰرُونَ [32] کے عنوان پر اشکال پیدا ہوا کہ حضرت مریم ، ہارون و موسیٰ علیہ السلام کی بہن کیسے ہو سکتی ہیں ، دونوں کے زمانے میں

29 دہلوی ، شاہ ولی اللہ ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،الفوز الکبیر : 103

30 سیوطی ، جلال الدین ۔ الاتقان فی علوم القرآن : ج 2 ، ص 119
31 البقرۃ : 187
32 مریم : 28

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدیوں کا فرق ہے ، آنحضرت ﷺ نے اس ابہام کو یوں دور فرمایا کہ وہ ہارون اور موسیٰ علیہما السلام نہیں بلکہ بنی اسرائیل اپنے پیغمبروں کے نام پر اپنے نام رکھ لیتے تھے ، لہٰذا مریم علیہا السلام اس ہارون کی بہن ہیں جن کا نام حضرت ہارون کے نام پر تھا ۔ اس آیت کریمہ کے طرزِ استدلال کو نہ سمجھتے ہوئے این جے داود نے غلطی کھائی اور اپنے ترجمہ قرآن بہ زبان انگریزی میں قرآن کریم کے اس طرزِ بیان کو سمجھنے سے معذوری کا اظہار کیا۔[33]

ہم دنیا کو قرآن کریم کی صحیح تصویر کسی دوسری زبان میں تب ہی پیش کر سکتے ہیں جب ہمیں جملہ قرآنی علوم پر عبور حاصل ہو۔

قرآن کریم کا لفظی ترجمہ تقریباً نا ممکن ہے ، مترجمین تو اپنی علمی استعداد کے مطابق لفظی ترجے کی کوشش کریں گے ، لیکن ترجمہ کے کماحقہ مقاصد حاصل کرنے میں ناکام ہوں گے۔ شاہ ولی اللہ لفظی ترجمہ قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں :

لفظی ترجے میں اکثر و بیشتر ترجے کا نظم درہم برہم ہو جاتا ہے ، کیونکہ اصل مضمون میں ایسی ترکیب ہوتی ہے کہ لغت میں اس ترکیب کا ترجمہ صحیح طور پر نا ممکن ہوتا ہے اور کم از کم کلام میں رکاکت ، تعقید (گنجلک) اور اس قسم کے چھوٹے چھوٹے ارتکابات تو ضروری پیش آ جاتے ہیں۔[34]

اس حوالے سے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں : قول باری تعالیٰ ہے :

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ[35]

شاہ رفیع الدین دہلوی اس آیت کریمہ کا لفظی ترجمہ یوں کرتے ہیں :

" اور مت کر ہاتھ اپنے کو باندھا ہوا گردن کے مت کھول دے اس کو نہایت کھول دینا۔"

مذکورہ بالا ترجے سے ہم خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے پڑھنے سے اس کے مفہوم کو ہم بخوبی نہیں سمجھ سکتے ۔ اگر کسی آیت کریمہ میں ایجاز یا دیگر ارکان فصاحت و بلاغت بیان ہوئے ہیں تو پھر تو ترجمہ اس سے بھی زیادہ مبہم ہوگا۔ مختصر یہ کہ لفظی ترجمہ تو کسی عام ادب پارے کا بھی بہت مشکل ہے ۔ یہ تو کلام باری تعالیٰ ہے کہ جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے بڑے بڑے ادبا و بلغا عاجز ہیں ۔

ہر زبان اپنی خاص تہذیب و ثقافت و فکر کی حامل ہوتی ہے ، کوئی بھی زبان دوسری زبان سے اپنے فکری زاویہ نگاہ کے لحاظ سے مشترک نہیں ہوتی ۔ اسی طرح عربی زبان و ادب کا بھی اپنا ایک خاص مزاج ہے جس کو دوسری زبان میں تبدیل کرنے کے لیے پوری طرح سمجھنا بہت ضروری ہے ، ورنہ یہی ہوگا کہ جس طرح ایک انگریزی مترجم قرآن پالمر (Palmer) نے سورۃ التغابن کی آیت نمبر نو ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ میں وارد ہونے والے لفظ التغابن کا ترجمہ و تفسیر یوں بیان کیا ہے ، ترجمہ ملاحظہ ہو :

That is the day of Cheating.

اور آگے تشریح میں لکھتا ہے:

Both the righteous and wicked will disappoint each other by reversing their Positions.[36]

اپنے اصول و قواعد کے لحاظ سے دیگر زبانوں کی طرح عربی زبان بھی جداگانہ ترکیب کی حامل ہے ۔ عربی زبان کے اپنے خاص اوزان ، صیغے اور ابواب ہیں جن کی وجہ سے ایک ہی عربی لفظ کی معمولی سی تبدیلی سے معنی میں بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہے ، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ : وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ[37] یعنی داود نے جالوت کو قتل کیا ۔ عربی عبارت میں اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پہلے فعل پھر فاعل اور پھر مفعول آتا ہے ۔ اس کے برعکس اردو زبان میں پہلے فاعل پھر مفعول اور اس کے بعد فعل آ رہا ہے ۔ اس باہمی اختلاف کی وجہ سے اردو جملے کی ترکیب بدل جائے گی اور اگر ہم لفظی ترجمہ کریں گے تو نہ صرف ترکیب بدلے گی بلکہ ترجمہ اتنا مشکل ہوگا کہ سمجھ میں نہیں آ سکے گا ۔ اگر ہم با محاورہ ترجمہ کریں گے تو وہ عربی زبان کے اصل متن سے دور چلا جائے گا ۔ دونوں صورتوں میں اصل متن یعنی عربی زبان اور ترجے کی فصاحت میں فرق پڑ جائے گا۔

اسی طرح عربی زبان کے اپنے خاص اوزان میں مثلاً لفظ الرحمن اور الرحیم دونوں ایک ہی مادے سے مشتق ہیں اور ایک ہی یعنی مبالغ کے صیغے میں ایک فعلان کے وزن پر اور دوسرا فعیل کے وزن پر ہے ، لیکن ان دونوں میں ہلکا سا فرق موجود ہے جو ان الفاظ کی انفرادیت اور فرق کو ظاہر کرے گا ، مثلاً الرحمن میں الرحیم کی نسبت رحمت و شفقت کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے اور اگرچہ رحیم بھی مبالغے کا صیغہ ہے لیکن اس میں مبالغہ رحمن کی نسبت کم ہے ۔ امام جعفر صادق کی طرف سے ان کلمات کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے :

الرحمان اسم خاص لصفة عامة و الرحيم اسم عام لصفة خاصة

لفظ رحمن اسم ہے عام صفت کے لیے اور لفظ رحیم عام اسم ہے خاص صفت کے لیے۔[38]

---

[33] N.J.Dawood: "The Qur'an" :Preface

[34] ابو الخیر المودودی ۔ المعارف : اکتوبر ، دسمبر 2001ء ۔ اصول ترجمہ قرآن ۔ بحوالہ المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ: ص 73

[35] بنی اسرائیل : 29

[36] Palmer E.H : "The Qur'an With an Introduction", P : 486

[37] البقرۃ : 251

[38] الاصفہانی ، ابو القاسم الحسین بن محمد ۔ المفردات فی غریب القرآن : 158

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواب صدیق حسن خان القنوجی ہندوستان میں بہت بڑے محدث گزرے ہیں ۔ یہ اپنی تفسیر فتح البیان میں لکھتے ہیں :

الرحمان و الرحیم اسمان مشتقان من الرحمة علي طريقة المبالغة و الرحمن اشد مبالغة من الرحيم [39]

الرحمن الرحیم دونوں رحم سے مشتق ہیں اور الرحمن میں الرحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔

مشہور لغوی محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں :

الرحمن الرحیم ، اسمان رقیقان احدهما ارق من الاخر۔

الرحمن الرحیم دونوں رقیق اسم ہیں اور ایک دوسرے سے زیادہ رقیق ہے۔[40]

اب ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم عربی زبان کے ایسے الفاظ کا کسی دوسری زبان میں ایک ہی لفظ کے ساتھ مطلب واضح کر دیں ۔ اس طرح قرآن کریم کے بعض ایسے اسما و افعال ہیں کہ جن کے کئی کئی معانی ہیں اور وہ اپنے سیاق و سباق کے مطابق خاص معنیٰ ادا کرتے ہیں ۔ مثلاً قرآن کریم میں لفظ " فرقان " ہے ۔ یہ لفظ متعدد مقام پر کئی معنوں میں مثلاً کہیں یہ لفظ قرآن کریم کے لیے ، کہیں یوم بدر کے لیے ، کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات وغیرہ کے لیے استعمال ہوا ہے ۔ اس لفظ کا مطلب حق و باطل میں فرق کرنے والے کے ہیں ۔ اگر ہم ایک ہی لفظ سے اس قرآنی لفظ کا ترجمہ شروع کر دیں اور ہر جگہ ایک ہی لفظ استعمال کریں تو غلط ہو گا اور ترجمہ مطالبِ قرآنی ادا نہیں کر سکے گا۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو ، قرآن کریم میں زندہ اور مردہ اجسام کے لیے علیحدہ علیحدہ الفاظ کا استعمال ہوا ہے ، لیکن عموماً مترجمین ان کا ترجمہ ایک ہی لفظ سے کر دیتے ہیں ۔ لفظ جسم جس کی جمع اجسام ہے ، مراد زندہ جسم ہے اور جسد سے مراد مردہ جسم ہے ، جس کی جمع اجساد ہے ۔ اس طرح لفظ عباد ، عبد کی جمع ہے اور عبید بھی اس کی جمع ہے لیکن دونوں میں ہلکا سا فرق ہے ۔ لفظ عباد نیک بندوں کے لیے اور عبید گناہ گاروں کے لیے استعمال ہوا ہے ۔ ان اسما میں فرق کرنا کسی اور زبان میں ایک ہی لفظ کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔

قرآن کریم فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے ، اس لیے اس کے ترجمے کے لیے کوئی با ضابطہ نظام درکار ہے ، ترجمہ قرآنِ کریم میں ایک مشکل یہ بھی در پیش ہے کہ ہم بعض قرآنی کلمات سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے اور پھر سیاق و سباق کے اعتبار سے ایک ہی قرآنی لفظ کے مختلف معنیٰ سے واقفیت ہونا قدرے مشکل بھی ہے جس کا حل ہمارے پاس ابھی تک عمومی صورت میں موجود نہیں ہے۔

ترجمہ قرآن کے ایک معیاری نظام عمل کے لیے درج ذیل امور پیش نظر ہونے چاہئیں۔

1 ایک مترجم کی تمام معتبر تفاسیر پر نظر ہونی چاہئے اور اسے علمی لحاظ سے مضبوط اور معتدل مزاج ہونا چاہئے۔

2 ترجمہ قرآن کی زبان شستہ سلیس اور عام فہم ہونی چاہئے۔

3 ترجمہ قرآن عربی متن کے ساتھ ہونا چاہئے ، بغیر عربی متن کے تراجم قرآنی درست نہیں ہیں ۔

4 ترجمہ قرآن کریم میں قرآن کی ترتیب نزولی کو ملحوظ رکھنا چاہئے نہ کہ اپنی طرف سے ترتیب پیش کی جائے ، جیسا کہ جے ایم راڈویل اور این جے داود جیسے بعض غیر مسلم مترجمین نے قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب زمانی کے اعتبار سے خود ساختہ رکھی ہے۔

5 عربی زبان و ادب پر عبور حاصل ہونا چاہئے۔

6 ترجمہ قرآن کو اس اعتبار سے بھی درست ہونا چاہئے کہ اس کی فصاحت و بلاغت جس قدر ہو سکے ملحوظ رکھی جائے۔

7 قرآن کریم کے افعال کا ترجمہ قرآنی سیاق و سباق کے مطابق ہونا چاہئے۔

8 قرآن کریم کے بعض الفاظ کو عبرانی و سریانی روایات سے گڈ مڈ نہیں کرنا چاہئے۔

9 ایک مترجم قرآن کے علمی معیار کا تعین ہونا چاہئے۔

10 مترجم کے اغراض و مقاصد نیک ہونے چاہئیں۔

11 جس زبان میں ترجمہ قرآن کیا جا رہا ہو ، اس زبان پر مترجم کو مکمل عبور ہونا چاہئے۔

12 اسباب النزول اور حروف مقطعات اور دیگر رموزِ قرآن سے مکمل آگاہی ہونی چاہئے۔

13 قرآن کریم کے اسلوب بیان سے مکمل شناسائی ہونی چاہئے۔

14 قرآنی اصطلاحات کا بخوبی علم ہو اور ان اصطلاحات کی تفسیر پر مشتمل ایک علیحدہ سے ڈکشنری ہونی چاہئے ، جس سے تمام مترجمین قرآن مستفید ہو سکیں۔

15 قرآن کریم کے ضمائر کے مراجع کے لیے دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں ایک کتاب علیحدہ سے ہو جس سے رہ نمائی حاصل کرنا ہر مترجم کے لیے آسان ہو۔

16 قرآن کریم کے تقدس و احترام کا لحاظ رکھا جائے۔

17 قرآنی تلمیحات ، فصاحت و بلاغت اور دیگر اصناف ادب سے کماحقہ واقفیت ہونی چاہئے۔

---

[39] القنوجی ، نواب صدیق حسن خان ۔ فتح البیان فی مقاصد القرآن : ج 1 ، ص 42

[40] الزبیدی ، محمد مرتضیٰ ۔ تاج العروس : مادہ ر ، ح ، م

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

18 دین اسلام کی تاریخ اور بانی اسلام کی حیات طیبہ کا مطالعہ ہونا چاہیے۔

ترجمہ قرآن کی مشکلات میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اصطلاحات کی ترجمانی کے لیے مختلف تفسیری اقوال پر انحصار کرنا پڑتا ہے ، اور اس صورت میں وقت بھی زیادہ درکار ہوتا ہے اور اختلاف ہونے کا شبہ ہوتا ہے ، مترجم کس قول کو دوسرے پر فوقیت دے اور کس کو چھوڑ دے ۔ بعض مترجمین قرآنی اصطلاحات مثلاً زمہریراً ، زنجبیلًا ، ھامیۃ ، الطآمۃ ، الصآخۃ اور ھاروت ، ماروت جیسے اسما کا ترجمہ بعینہ عربی زبان میں کرتے ہیں ، اور بعض ان اسما کا ترجمہ اپنی زبان میں اپنے انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، جس سے ایک طرح کی نا موافقت اور اختلاف کا شبہ پیدا ہوتا ہے ۔ اس مسئلے کے حل کے لیے قرآن کریم کی تمام اصطلاحات کی تفسیر علیحدہ سے اردو زبان میں ہونی چاہیے جس سے قرآنی تراجم کا معیار بڑھے گا اور غلطیوں کے امکان کم ہوں گے۔

قرآن کریم میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو اپنے سیاق و سباق کے اعتبار سے متعدد معنوں میں استعمال ہوتے ہیں ، مثال کے طور پر قرآنی لفظ " نعبد " ایک دفعہ سورہ فاتحہ میں اور دوسری مرتبہ سورہ الشعراء میں استعمال ہوا ہے ۔ ایک ہی مادے یعنی ع ، ب ، د سے ماخوذ ہے اور ایک ہی صیغہ ہے ، یعنی جمع متکلم کا صیغہ ہے۔

سورہ فاتحہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ [41]

" (اے اللہ !) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا:

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا [42]

" اور انھوں نے کہا ہم بتوں کو پوجتے ہیں۔"

غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک جگہ عبادتِ الٰہی مقصود ہے اور دوسری جگہ بتوں کی پوجا پاٹ ہے ۔ ان دونوں مقامات پر ترجمے میں فرق کو ملحوظ رکھنا ایک ماہر مترجم کا ہی کام ہے ورنہ اس خفیف سے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا ۔ جہاں عبادتِ الٰہی مقصود ہے وہاں عبادت کرنا اور جہاں بتوں کی پوجا پاٹ مراد ہے وہاں عبادت کرنا کے معنی کی بجائے پوجنا کا لفظ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح لفظ " قال " ہے جو بارہا قرآن کریم میں ذکر ہوا ۔ یہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے ، اس لفظ کے ترجمے کے استعمال میں ہمیں سیاق و سباق کو ملحوظ رکھنا پڑے گا ، کیونکہ جہاں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات یا نبی علیہ الصلاۃ و السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام اور برگزیدہ لوگوں کے لیے آیا وہاں اردو زبان میں یا کسی اور زبان میں تعظیماً جمع کا صیغہ لایا جائے اور بین القوسین واضح کیا جائے گا کہ (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا جہاں یہ لفظ شیطان یا اس کے دیگر ساتھیوں کے لیے استعمال ہوا وہاں " اس نے کہا " یا " شیطان بولا " کے الفاظ استعمال کیے جائیں ۔ اس فرق کو ملحوظ رکھنا ایک ماہر مترجم ہی کا خاصا ہے ، ورنہ ترجمہ درست نہیں ہوگا یا کم از کم مبہم ضرور ہوگا۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ ٱسْتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ فَسَوَّىٰهُنَّ سَبْعَ سَمَـٰوَٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ۝٢٩

شاہ عبدالقادر دہلوی اس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :

" پھر چڑھ گیا آسمان کو ، تو ٹھیک کیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔"[43]

مار ماڈیوک پکتھال اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :

He it is who created for you all that is in the earth, then turned, He to the heavens and fashioned it as seven heavens, and He is Knower of all things.[44]

اس آیت کریمہ میں لفظ استوٰی استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر علامہ اصفہانی یوں بیان کرتے ہیں :

و المراد ان ارادته توجهت الي مادّة السماء فالستوي قال في سورة فصلت ثُمَّ اسْتَوي إلي السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ۔[45]

قرآنی لفظ استوٰی کا ترجمہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آسمان و زمین کے بعد آسمانوں کی درستگی کی طرف توجہ فرمائی نہ کہ "He liffted himself to Heaven"، اس ترجمے کی نسبت مار ماڈیوک پکتھال کا انگریزی ترجمہ زیادہ بہتر ہے، اگرچہ یہ ترجمہ بھی عربی متن کے قریب ترین نہیں ہے مثلاً وہ لکھتے ہیں He turned ، ان تمام تراجم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارے پاس ممکنہ تمام معانی پر مشتمل متعلقہ زبان میں کوئی مستقل لغت ہو تو ہمیں ترجمہ قرآن کریم کرنے میں بہت حد تک آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کے غیر مسلم مترجمین کے لیے ایک مشکل یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کریم کے بعض الفاظ کو عبرانی یا سریانی روایات سے منسلک سمجھتے ہوئے ان کا ترجمہ غلط کر دیتے ہیں۔

مثلاً سورۃ الفتح کی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

---

41 الفاتحہ : 3

42 الشعراء : 71

43 دہلوی ، عبد القادر ، موضح القرآن : اردو ترجمہ قرآن ، کراچی ، تاج کمپنی

44 Marma Duck Pickthal : "The meaning of the Glorious Qur'an." Lahore. Taj Company

45 اصفہانی ، الراغب ۔ مفردات الفاظ القرآن : تحقیق ، صفوان عدنان داودی ، دار القلم ، دمشق 1416ھ ، 1996ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ فِى قُلُوبِ ٱلْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوٓا۟ إِيمَـٰنًا مَّعَ إِيمَـٰنِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤﴾ [46]

اس آیت کریمہ میں مذکور لفظ ٱلسَّكِينَةَ کو جیفری عبرانی لفظ شکینہ (Shekinah) سے منسلک کرتے ہوئے اصرار کرتا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم صفت یعنی پرنسپل نام (Principal Name) ہے ۔ عبرانی روایت کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ (Jehovah) اپنی رحم کی کرسی پر آرام فرما رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا آرام کرنا اسلامی عقیدۂ توحید کے سراسر خلاف ہے ، حالانکہ یہ خالصتاً عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب آرام و سکون و راحت کا نزول ہے ، یعنی کافروں کی بے چینی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں یعنی مومنین کے دلوں پر سکون و راحت کا نزول کیا ، یعنی وہ جنگی حالات سے بالکل مطمئن تھے ، جیسا کہ شاہ عبد القادر دہلوی اس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :

" وہی ہے جس نے اُتارا چین دل میں مومنوں کے ، کہ اور بڑھے ان کو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ ، اور اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ ہے خبردار حکمت والا۔" [47]

اس لفظ سَكِينَة سے مراد چین و سکون ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں پر اُتارا نہ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی صفاتی نام جس سے ہم یہ سمجھیں کہ گویا نعوذ باللہ ، اللہ اپنے رحم و کرم کی کرسی پر بیٹھ کر آرام کرتا ہے ۔ اگرچہ جان بوجھ کر بھی ایسا ترجمہ اور تشریح کی جاتی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایسے ترجموں کے مقابل ایک ٹھوس اور اسلامی روایات کے مطابق قرآنی الفاظ کی ڈکشنری مہیا کریں ، تا کہ کسی کو بھی قرآنی کلمات کے مفہوم کو غلط انداز میں بیان کرنے کی جسارت نہ ہو۔

اس طرح سورۃ الانعام کی آیت نمبر انسٹھ ، وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ " اور اس کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی " کے بارے میں پالمر (Palamer) لکھتا ہے :

The allusion is abvious to the Rabbanical tradition of the three keys in the hands of God.[48]

اس آیت کریمہ کے مذکورہ بالا انگریزی ترجمہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تین چابیوں والے سریانی تصور کی طرف کھلم کھلا اشارہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں تین چابیوں والے تصور کی تو بات نہیں ہوئی ، اگرچہ پالمر کو غلط فہمی ہوئی یا جان بوجھ کر ایسا ترجمہ کیا ، بہرحال یہ اس کی ذہنی اختراع ہے جس کا حل ہمارے پاس نہیں ، ہم اسے اس زاویہ نگاہ سے ضرور دیکھتے ہیں کہ مستشرقین کے جواب میں ہمیں صحیح اسلامی روایات پر مشتمل ایسی اصطلاحات کا مفہوم پیش کرنا ہوگا جو وقتِ حاضر کی اہم ضرورت ہے۔

اگر ہم قرآنی تراجم کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جہاں بہت سے ترجمے اس لیے کیے گئے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو اور عام مسلمان جو عربی زبان سے واقف نہیں ، وہ بھی اس عظیم رہ نما کتاب سے استفادہ کریں ، وہاں ایسے مترجمین بھی شامل ہیں جنھوں نے صرف تجارتی اغراض و مقاصد کے لیے قرآن کریم کے ترجمے کیے۔[49]

کچھ لوگوں نے خصوصاً مستشرقین نے اپنی مرضی اور انداز کے مطابق قرآن کریم کے ترجمے کیے تا کہ لوگوں کو گمراہ کیا جائے اور کلام الٰہی کے اسرار و رموز کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے مذہبی تعصب کی بنا پر اس کلام الٰہی کی غلط تعبیر کی۔

بہرحال ایک مترجم کو کلام الٰہی کی مکمل معرفت نہ ہونے کی صورت میں مختلف اقسام کی مشکلات پیش آتی ہیں ۔ ان میں اکثر ان کی خود ساختہ ہوتی ہیں جن کا حل صرف نیت کا صاف کرنا ہی ہے ۔ قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے لیے عربی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ اسلامی روایات ، عبادات و معاملات کے بارے میں آگاہی ہونا بھی بہت ضروری ہے ورنہ ایک انسان اس کلام پاک کی صحیح تعبیر نہیں کر سکے گا ۔ یاد رہے کلام الٰہی کے ترجمے کے لیے وہبی علم کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی ، اس کے لیے پارسائی و ریاضت ضروری ہے۔

قرآن مجید جہاں اپنی فصاحت و بلاغت میں بے مثال ہے ، وہاں اپنے اعجاز و ایجاز کے لحاظ سے بھی اس کی کہیں مثال نہیں ملتی ۔ قرآن کریم کے اعجاز کی بنیادی وجہ بہترین کلمات کا انتخاب ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

مَّا جَعَلَ ٱللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِى جَوْفِهِۦ ۚ [50]

" اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔"

اور ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

رَبِّ إِنِّى نَذَرْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا [51]

" جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں نے تیرے لیے نذر کیا سب سے آزاد رکھ کر۔"

---

[46] الفتح : 4

[47] دہلوی ، عبد القادر ۔ موضح القرآن : ترجمہ قرآن بزبان اردو : لاہور ، تاج کمپنی

[48] Palmer.E.H: The Kur'an with an introduction by R. Nicholson.

[49] تھانوی ، اشرف علی ۔ بیان القرآن : دیباچہ

[50] الاحزاب : 4

[51] آل عمران : 35

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا آیتوں پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ جوف اور بطن دونوں الفاظ متقارب اور اپنے حروف کی تعداد کے لحاظ سے بھی ایک جیسے ہیں ۔ بطن کا لفظ سینے تک کے جسمانی حصے کو شامل نہیں کرتا ، اس لیے بچے کی پیٹ میں موجودگی کے لیے اس لفظ کو استعمال کیا گیا جب کہ جوف کا لفظ سینے کے قدرتی حصے کو بھی شامل کرتا ہے ۔ اس لیے قلب کی موجودگی کے لیے اسے ذکر کیا گیا ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿١١﴾ [52]

" دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا۔"

ایک دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا :

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ [53]

" اس میں عبرت اس کے لیے ہے جس کے پاس دل ہو ۔ "

مذکورہ بالا آیات میں فواد اور قلب کے الفاظ استعمال ہوئے ۔ ترجمے میں ہم دونوں کے لیے دل کا لفظ لائیں گے لیکن ان میں خفیف سا فرق موجود ہے ۔ " قلب " کا لفظ دل کی دھڑکن کے ساتھ اور " فؤاد " کا لفظ ادراک اور معاملہ فہمی کے ساتھ مخصوص ہے ۔ ان دونوں الفاظ کے فرق کو ترجمے میں ہم ملحوظ نہیں رکھ سکتے ۔ اسی طرح صرف موت کے لیے مختلف الفاظ کا عربی زبان میں ہونا اور سیاق و سباق کے مطابق ان الفاظ کے ہلکے سے فرق کو ملحوظ رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے ۔ اس طرح قرآن کریم میں استعارہ ، مجاز ، کنایہ اور دیگر عناصر البلاغۃ کا ترجمہ کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

ہر زبان کا اپنا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔ اس کے اپنے خاص اوزان ، تراکیب ، محاورے ، کہاوتیں اور اصطلاحات ہوتی ہیں ۔ اس ایک زبان کو دوسری زبان میں ڈھالتے ہوئے کئی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ۔ ترجمہ کرتے ہوئے اگر کوئی لفظ دوسری زبان میں مل بھی جائے تو پھر عربی لفظ کے کئی مدارج ہوتے ہیں جس کی وجہ سے مطلوبہ معانی ادا کرنے سے یہ لفظ قاصر رہتا ہے ۔ مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کے ثبوت میں مختلف الفاظ ، خالق ، باری ، فاطر کے علیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں ۔ ان میں ہر ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہے اور اس فرق کو ترجمے میں ایک لفظ سے واضح کرنا بہت مشکل ہے ۔ اسی طرح عربی الفاظ کے ابواب کی وجہ سے جو فرق پڑ جاتا ہے ۔ اسے ہم اردو زبان یا کسی اور زبان کے ایک ہی لفظ سے ظاہر نہیں کر سکتے ۔ بعض اوقات تو ایک زبان کا لفظ ٹھیک اس معنی میں دوسری زبان میں ہوتا ہی نہیں ہے ۔ عربی زبان سے واقف ہر طالب علم جانتا ہے کہ عربی زبان کے ابواب کی خصوصیات اور الفاظ کے اوزان بدلنے سے معانی میں فرق کو ترجمے میں ایک لفظ سے ادا کرنا بلکہ بعض اوقات اس کے مفہوم کو بھی ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ عربی زبان کی جاذبیت کو تو ہم کسی صورت میں بھی اپنے ترجمے میں منتقل نہیں کر سکتے ۔ ترجمہ قرآن کے لیے تو مترجم کی نیت کا بھی بڑا عمل دخل ہے ۔ اگر مترجم بد نیت ہے تو بھی ترجمہ قرآن درست نہیں ہو سکے گا۔

مآخذ

1 الاصفہانی ، ابو القاسم الحسین بن محمد ۔ مفردات الفاظ القرآن : تحقیق ، صفوان داودی ، دمشق ، دار القلم ، 1416ھ / 1996ء

2 الاصفہانی ، ابو القاسم الحسین بن محمد ۔ المفردات فی غریب القرآن

3 اعجاز راہی ۔ اردو زبان میں ترجمہ کے مسائل

4 تھانوی ، اشرف علی ۔ بیان القرآن (اردو ترجمہ قرآن) ، لاہور ، تاج کمپنی ، تاریخ ندارد

5 ثمینہ یاسمین ۔ اردو میں تراجم کے مسائل اور ان کا حل : لاہور (مقالہ برائے ایم اے اردو) شعبہ اردو ، اورنیٹل کالج ، جامعہ پنجاب 1990ء– 1991ء

6 جامعہ پنجاب ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : لاہور ، طبع اول ، 1976ء

7 جالندھری ، رشید ۔ المعارف ، تراجم القرآن : لاہور ، ادارہ ثقافت اسلامیہ / اکتوبر ، دسمبر 2001ء

8 دہلوی ، شاہ ولی اللہ ۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر : کراچی ، مطبع سعیدی ، 1383ھ

9 دہلوی ، شاہ عبد القادر ۔ موضح القرآن : (اردو ترجمہ قرآن) کراچی ، تاج کمپنی ، تاریخ ندارد

10 دہلوی ، نذیر احمد ۔ غرائب القرآن : (اردو ترجمہ قرآن) ، لاہور ، تاج کمپنی ، 1991ء

11 زبیدی ، سیّد مرتضیٰ ۔ تاج العروس من جواہر القاموس : بیروت ، دار الفکر ، 1414ھ / 1994م

12 زرقانی ، عبد العظیم ۔ مناہل العرفان فی علوم القرآن : بیروت ، دار الفکر ، 1408ھ / 1988م

13 سیوطی ، جلال الدین ۔ الاتقان فی علوم القرآن : تحقیق محمد ابو الفضل ، بیروت ، دار الکتب العلمیۃ ، الطبعۃ الاولیٰ ، 1408ھ / 1978م

[52] النجم : 11

[53] ق : 37

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

14 صابونی، محمد علی ۔ التبیان فی علوم القرآن : دمشق، مکتبۃ الغزالی، مؤسسۃ مناھل الفرقان، 1998ء

15 صابونی ۔ صفوۃ التفاسیر: القاہرہ، دار الصابونی، ط: ۹، تاریخ ندارد

16 علی محمد حسن ۔ الادب و تاریخہ فی العصرین من الاموی و العباسی : القاہرہ، ادارۃ العامۃ الازہریۃ، 1398ھ

17 محمد حباسم ۔ نظریۃ الترجمۃ الانجليزية العربية و تطبيقها العملي : مقالہ برائے پی ایچ ڈی، لاہور، شعبہ عربی، اوری اینٹل کالج، جامعہ پنجاب، 1408ھ / 1978ء

18 مودودی، ابو الاعلیٰ ۔ تفہیم القرآن : لاہور ۔ ادارہ ترجمان القرآن، ط : 1421ھ / 2000ء

19 مناع القطان ۔ مباحث علوم القرآن : لاہور، دار النشر الکتب، 1408ھ /

1988ء

1 Arnold, Sir Thomas & Guillaume: "The legacy of Islam", Oxford, Oxford University Press, 1968

2 Gulam Surwer, Hafiz: "Translation of the Holy Qur'an",(PREFACE) Singapore, Malacca street, First Edition 1928

3 Marmaduek, Pickthal : "The meaning of the Glorious Qur'an", Lahore, Taj Company, Third Edition, Date not mentioned

4 Muhammad Khalifa : "The sublime Qur'an and Orientalism", London, The Penguin Classics, 1956

5 Palmer. E.H: "The Kur'an, London", The penguin classics, 1956

6 Palmer, E.H: "The Kur'an with an Introduction by R.Nicholson", London, Oxford University Press, 1928

7 Peter New Mark: "Approaches to translation", Oxford, pergaman Press, Date not mentioned.

بلاغت قرآني:

" آج سے کچھ سال قبل مصر کے ایک مسلمان طالب علم پیرس کی ایک یونی ورسٹی میں تعلیم پا رہے تھے۔ وہاں ایک مستشرق ان کا استاد تھا۔ اس نے ایک دن ایک مسلمان طالب علم سے پوچھا: کیا تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ قرآن مجید ایک معجزہ ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! بالکل یہی سمجھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تم جیسے پڑھے لکھے آدمی کو جو یہاں یا کسی بڑی یونی ورسٹی میں زیر تعلیم ہو تم کو تو کم از کم یہ نہیں کہنا چاہیے۔ مسلمان طالب علم نے اسے سمجھانا چاہا، اور سمجھانے کی غرض سے اس کے سامنے ایک تجویز رکھی۔ وہ یہ کہ ایسا کرتے ہیں کہ ہم 20، 25 لوگ جو عربی زبان سے واقف ہیں ایک ایسے مضمون کو عربی میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے۔ وہ مستشرق جو بہت بڑا عربی داں تھا اس بات کے لیے تیار ہو گیا اور ان سب نے قرآن مجید کی اس آیت کو منتخب کیا۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿٣٠﴾

جس دن جہنم سے کہا جائے گا کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کیا ابھی اور کچھ ہے؟

ان تمام لوگوں نے اپنی اپنی عربی میں اس مضمون کو بیان کیا۔ کسی نے کہا، جھنم کبیرۃ جداً، کسی نے کہا، جھنم واسعۃ جداً، کسی نے لکھا، جھنم لن تملا۔ یعنی مضمون یہ بیان کرنا تھا کہ جہنم کی وسعت بہت زیادہ ہے۔ سب لوگوں نے اپنی پوری پوری زبان دانی خرچ کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت سامنے رکھی اور بتایا کہ اس مضمون کو جس انداز سے قرآن مجید نے بیان کیا ہے اس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنا نا ممکن ہے۔ سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ قرآن مجید کے اس اسلوب کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔"

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی " محاضرات قرآنی " صفحہ 279 – 280 سے ماخوذ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ضیاء الدین اصلاحی

مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تجزیاتی مطالعہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہندوستان کے ان علمائے کبار میں ہیں کے علمی و دینی، فکری و تحقیقی و اصلاحی و تجدیدی کارناموں کا غلغلہ پوری دنیا میں مچا ہوا ہے، مولانا شبلی رقم طراز ہیں:

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہو گا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں کہ اسلام کا نفس واپسیں تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔"[1]

تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور علم اسرار الدین میں ان کی اولیت اور انفرادیت کے جلوے گوناگوں ہیں، ہر علم وفن میں ان کا انداز نظر واضح طور پر اپنے زمانہ سے جدا ہے، ان کی ذہانت، عقبریت اور مجتہدانہ ذوق نے ہر روش اور ہر چمن میں نئے گل بوٹے پیدا کیے ہیں اور علم وہنر کا ایک تازہ جہاں آباد کیا ہے۔

شاہ صاحب کے گوناگوں کارناموں میں سب سے نمایاں اور ممتاز کارنامہ قرآن مجید اور اس کے علوم و معارف کی ترویج و اشاعت ہے، انہوں نے اپنے عہد کی دفتری و تعلیمی زبان فارسی میں قرآن مجید کے ترجمہ و تحشیہ کا لازوال کارنامہ انجام دیا ہے جس کی بدولت ہندوستان میں قرآن فہمی کا عام چرچا ہوا اور اردو اور دوسری زبانوں میں بھی قرآن مجید اور احادیث نبوی کے ترجمے کا دروازہ کھل گیا۔

شاہ صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ جو کیا تھا اس کا ایک دیباچہ بھی تحریر کیا تھا جو ان کے مطبوعہ قرآن کے ساتھ چھپ گیا ہے اس میں متعدد اہم مسائل اور ترجمہ قرآن کے متعلق اصولی باتیں خود اپنے ترجمہ قرآن کے متعلق مفید چیزیں قلم بند کی ہیں۔ ذیل میں اس کا مفصل جائزہ لینے کے بعد الفوز الکبیر اور فتح الخبیر کا بھی اجمالی تعارف کرایا جائے گا اور آخر میں ان کے ترجمہ کا تکملہ بھی زیر بحث آئے گا۔

مقدمہ کی ابتداء ایک تمہید سے ہوتی ہے اس میں خدا کی حمد وثناء اور آنحضرت ﷺ کی پہلے مدح و منقبت کی ہے۔ شاہ صاحب نے اس میں کئی اہم اور لائق توجہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں مثلاً

1 قرآن مجید کو خدائے تعالیٰ نے اپنی رافت تامہ کی بناء پر اپنے بندوں پر نازل فرمایا ہے تا کہ وہ خدا کی مرضی اور ناراضگی سے واقف ہوں، نفس کے مکاید اعمال قبیحہ اور اخلاق رذیلہ کی تاریکیوں سے چھٹکارا حاصل کریں اور حظیرۃ القدس کی راہ پائیں۔

2 رسول اکرم ﷺ نے ہم کو سعادت دارین سے مطلع فرمایا اور دونوں جہاں کی مصلحتیں بوجہ اتم ہم پر واضح کیں، نہ آپ کے بیان سے واضح تر کوئی بیان ہے اور نہ آپ کی رحمت سے بڑھ کر کوئی رحمت ہے۔

3 نیک بخت ترین وہ ہے جو آپ کی اتباع کرے اور بد بخت ترین وہ جو آپ کی پیروی سے منحرف ہو جائے۔

دینی کتابوں کی تصنیف کا مقصد مسلمانوں کی خیر خواہی ہے

مسلمانوں کی باہمی خیر خواہی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی خیر خواہی کے نتیجہ میں علمائے دین اور اکابر اہل یقین نے ہر زمان و مکان میں تفسیر، حدیث، عقاید، فقہ اور سلوک میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ بعض نے اپنی تصنیفات میں اطناب سے اور بعض نے اختصار سے کام لیا، کچھ لوگوں نے عربی زبان میں علم وفن کے موتی بکھیرے اور کچھ نے عجمی زبان میں کتابیں لکھیں۔

موجودہ زمانہ میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنا مسلمانوں کی خیر خواہی کا اقتضا ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ جس زمانہ اور جس ملک میں رہتے ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی کا اقتضا یہ ہے کہ قرآن عظیم کا ترجمہ فارسی زبان میں ایسا سلیس اور روز مرہ کے مطابق کیا جائے جو تکلف و تصنع اور عبارت آرائی سے پاک ہو اور اس میں قصوں، حکایات اور مختلف النوع توجیہات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے تاکہ عوام و خواص اسے یکساں طور پر سمجھ لیں اور چھوٹے بڑے سب ہی اس کا ادراک کر لیں۔ اسی لیے اس اہم اور نازک کام کا داعیہ فقیر کے دل میں پیدا ہوا۔"

شاہ صاحب کا یہ بیان اگر اس روشنی میں پڑھا جائے تو اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو گا کہ ان کے زمانہ میں قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی بہت بڑھی ہوئی تھی، لوگ فقہ و معقولات اور کلام وعقائد کی لاحاصل اور پیچیدہ بحثوں میں الجھے ہوئے تھے، اس زمانہ کی علمی و تعلیمی زبان فارسی میں جو ترجمے ہوئے بھی تھے، وہ اولاً تو مفقود تھے ثانیاً سلیس، روز مرہ اور محاورہ کے مطابق نہ تھے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی سرگزشت

وہ اپنے ترجمہ قرآن کی تالیف کی روداد اس طرح بیان کرتے ہیں:

[1] علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام، کراچی 1964ء: 1/87

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"میں نے پہلے غور و خوض سے چند ترجموں کو دیکھا تا کہ ان میں سے جو ترجمہ میرے مقررہ معیار اور موجودہ دور کے مذاق کے مطابق ہو اس کی ترویج کی فکر و کوشش کی جائے ، مگر بعض ترجموں میں تطویل و اطناب تھا اور بعض میں خلل انداز تقصیر و اختصار تھا، کوئی بھی اس معیار کا نہ تھا جو مطلوب تھا اس لیے میں نے ترجمہ کی تالیف کا عزم مصمم کر لیا اور بقرہ و آل عمران کا ترجمہ تیار کر لیا لیکن اس کے بعد حرمین کے سفر پر روانہ ہوگیا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہوگیا، چند برس بعد ایک عزیز نے مجھ سے سبقاً سبقاً ترجمہ پڑھنا شروع کیا، اس تقریب سے پھر ترجمہ کی تحریک پیدا ہوئی چنانچہ طے ہوا کہ ان کو جس قدر قرآن کا ترجمہ پڑھاؤں گا اس کے بقدر ترجمہ لکھتا بھی جاؤں گا، اس طرح ابھی ایک تہائی قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہوگا کہ وہ عزیز سفر میں چلے گئے اور ترجمہ کا کام پھر رک گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہوگئی اس کی وجہ سے وہ پرانا خیال عود کر آیا اور دو ثلث تک ترجمہ مکمل ہوگیا، اسی اثنا میں بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ مسودہ کا مبیضہ تیار کر لیا جائے اور ترجمہ کے ساتھ ہی آیات قرآنی کا متن بھی ضبط تحریر لایا جائے تا کہ ایک مستقل نسخہ تیار ہو جائے۔

انہی سعادت مند دوست نے عید الاضحیٰ 1150ھ سے تبییض شروع کی اور جس قدر مسودہ تیار ہو چکا تھا اسے جب وہ صاف کر چکے تو پھر حرکت پیدا ہوئی اور آخیر تک کا مسودہ مکمل ہوگیا۔ اس طرح شعبان کے اوائل میں ترجمہ کی تالیف سے فراغت ہوئی اور اسی سال اوائل رمضان 1151ھ میں اس کی تبییض کا کام پورا ہوگیا۔ اس کے بعد 1156ھ میں برادر دینی عزیز القدر [2] خواجہ محمد امین اکرم اللہ تعالیٰ بشہودہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا درس شروع ہوا اور اس کے متعدد نسخے تیار ہوگئے اور اہل عصر بھی اس کی جانب ملتفت ہوگئے

للہ الحمد کہ آں نقش خاطری بست
آمد آخر زپس پردہ تقدیر پدید

مقدمہ کی اہمیت

شاہ صاحب کے نزدیک خود بھی اس کا مقدمہ کی بڑی اہمیت تھی اس لیے وہ ترجمہ قرآن کے مطالعہ سے قبل مقدمہ کا مطالعہ ضروری قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ میں خصوصاً اور فن ترجمہ میں عموماً علی وجہ البصیرت غور و خوض اسی پر موقوف ہے۔

شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کی نوعیت

یہ کتاب فن ترجمہ قرآن کی ہے جس میں نحو و قواعد کی رعایت کرتے ہوئے عربی مضامین و مطالب کو فارسی عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ مفہوم کو مقدم رکھا گیا ہے، محذوف کو ظاہر کیا گیا ہے، الفاظ کی ترتیب میں قرآن کے متن کی پابندی کی گئی ہے، سوائے ان جگہوں کے جہاں دونوں زبانوں کے فرق و اختلاف کی وجہ سے ترتیب کا لحاظ کرنے میں رکاوٹ اور مفہوم میں تعقید لازم آتی ہو۔ اسباب نزول کے بیان اور مشکلات کی توجیہہ پر بقدر ضرورت توجہ دینا ضروری سمجھا گیا ہے۔

ترجمہ قرآن کے مطالعہ کے لیے شاہ صاحب کی ہدایتیں اور مشورے

قرآن مجید کا متن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد جب فارسی زبان بے تکلف سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو اس ترجمہ کو شروع کرانا چاہیے خصوصاً سپاہیوں اور پیشہ ور لوگوں کے بچوں کے سن شعور کے پہنچنے کے ساتھ ہی اس کی تعلیم دینی چاہیے کیونکہ ان سے اس کی امید نہیں کہ وہ علم کی مکمل تحصیل کریں گے تا کہ ان کے دلوں میں پہلی چیز جو جاگزیں ہو وہ کتاب اللہ کے معنی و مطالب ہوں، اس سے ان کی فطری سلامتی باقی رہے گی اور وہ ملاحدہ کی باتوں کے دلدادہ نہ ہوں گے جو پاکباز صوفیہ کے خط و خال کو داغدار کرتے ہیں، خام عقلیت پسندوں اور غیر مسلموں کی پست اور بے ہودہ باتوں سے محفوظ رہیں گے اور ان کے افکار و باطل خیالات کی آلودگیوں سے ان کا قلب ملوث نہ ہوگا اور نصف عمر گزرنے کے بعد انہیں توبہ کی توفیق میسر آئے گی، اس کتاب کو اگر لوگ یاد کر لیں گے تو انہیں قرآن کی تلاوت میں لطف ملے گا اور جمہور مسلمانوں کو بھی اس سے نفع متوقع ہے۔

بچوں اور مبتدیوں کے لیے اس کا فائدہ ظاہر ہے مگر اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا زیادہ وقت فکر معاش میں گزرتا ہے، ان لوگوں کو چاہیے کہ فرصت کے وقت میں حلقے بنا کر بیٹھیں اور جس شخص کو فارسی عبارت پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد ہو اور اسے تھوڑا بہت فن تفسیر کا ذوق ہو یا جس عزیز کی نظر سے یہ ترجمہ گزر چکا ہو، وہ وقت کی گنجائش کے لحاظ سے ایک دو سورہ کا ترجمہ صفائی و روانی اور ترتیل کے ساتھ سمجھ کر پڑھے تا کہ سب لوگ اسے سن کر اس کے مفہوم سے مستفید ہو سکیں۔

حلقے بنا کر بیٹھنا صحابہ کرام کی مشابہت اختیار کرنا ہے، صحابہ اسی طریقہ سے دائروں اور حلقوں میں بیٹھتے تھے اور آدمی قرات کرتا تھا فرق صرف اتنا ہے کہ صحابہ کرام عربی زبان سمجھنے کی مکمل صلاحیت رکھتے تھے اور یہ جماعت فارسی ترجمہ کے واسطہ سے اس کو سمجھے گی۔

جس طرح مثنوی مولانا جلال الدین رومی، گلستان شیخ سعدی، منطق الطیر شیخ فرید الدین عطار، قصص فارابی، نفحات مولانا عبدالرحمن جامی اور اس

[2] خواجہ محمد امین کا اصل وطن کشمیر تھا لیکن انہوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کو اپنے شیخ سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ ولی اللّٰہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ یہ شاہ ولی اللہ کے ان چار بڑے خلفاء میں تھے جن سے ان کی تعلیمات کی اشاعت ہوئی۔ شاہ صاحب نے خاص طور پر ان کے لیے بعض رسائل بھی تالیف کیے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے خلف الرشید شاہ عبدالعزیز نے خواجہ محمد امین سے علوم کی تکمیل کی۔ ان کا انتقال 1187ھ یا اس کے قریب ہوا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح دوسری کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے لوگ مجلسوں میں بیٹھتے ہیں اسی طرح اس ترجمہ کو پڑھنے کے لیے بیٹھیں تاکہ ان کا دل اس کا ادراک کرلے۔ اگر وہ اولیاء اللہ کے کلام سے اشتغال تھا تو یہ کلام اللہ سے اشتغال ہے، اگر وہ حکماء کے مواعظ تھے تو یہ احکم الحاکمین کے مواعظ ہیں اگر وہ عزیزوں کے مکتوبات تھے تو یہ رب العزت کے مکتوبات ہیں اور دونوں کے مرتبوں میں کس قدر عظیم الشان فرق ہے۔

اگر انصاف سے دیکھو تو قرآن کا نزول موعظت وہدایت ہی کے لیے ہوا ہے۔ اس کے الفاظ فی نفسہ مقصود نہیں ہیں گو ان کو پڑھنا بھی غنیمت ہے لیکن غور کرو اس شخص کے حصہ میں کیا مسلمانی آئے گی جو قرآن مجید کے معنی و مطالب کو نہ سمجھے اور اس شخص کو بھلا کیسے حلاوت مل سکتی ہے جو کہ کلام اللہ کے مضمون ہی سے ناواقف ہو۔

البتہ جن لوگوں کو عربی زبان پر عبور ہے اور انہوں نے اساتذہ سے کتب تفسیر پڑھی ہیں انہیں اس ترجمہ کی احتیاج نہیں مگر اللہ کے فضل سے امید ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی اس کے مطالعہ سے فائدہ ہوگا۔ ان کے سامنے قرآن کا مفہوم روشن اور واضح صورت میں آئے گا اور وہ نحو کے مختارات، غریب الفاظ کی شرح اور دوسری باتوں سے مطلع ہوں گے اور انہیں بہت سے ایسے نئے اور تازہ فوائد حاصل ہوں گے جن کو اس کے مطالعہ سے پہلے نہ انہوں نے سنا ہوگا اور نہ دیکھا ہوگا۔

یہ ترجمہ چونکہ جمہور مخلوق کو پیش نظر رکھ کر ان کی شفقت اور ان کے فائدے کے لیے لکھا گیا ہے اور یہ لوگ اعراب کے مختلف وجوہ کلام کی تکمیل توجیہات اور قصوں کے استعیاب وغیرہ کے متحمل نہیں ہوتے اس لیے ان بحثوں سے تعرض نہیں کیا گیا ہے، رہے وہ لوگ جو علوم آلیہ کے واقف کار ہیں تو ان کو اس کے مطالعہ سے ان علوم میں تعمق کا داعیہ ہوگا اور وہ مدۃ العمر ان میں مصروف رہیں گے، یہ میرا مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے تھوڑا بہت علم تفسیر سیکھا ہے ان کے یہ معمولی علم وواقفیت علوم آلیہ میں تکمیل دستگاہ کے بعد بھی مدد معاون ہوتی ہے اور اگر علوم آلیہ میں وہ دستگاہ نہ بھی حاصل کرسکے تب بھی گوہر مقصود ان کے ہاتھ لگے گا اور وہ بالکل ہی خسارہ میں نہیں رہیں گے۔

ترجمہ میں کن باتوں کی رعایت کی گئی ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں تحریر کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر آیات کو جدا لکھ کر اس کا ترجمہ اسی کے ساتھ شامل کردیا گیا؛ اور ترجمہ میں مشہور اور رائج زبان اور روز مرہ محاورہ کا خیال رکھا گیا ہے اور متن کے اصل الفاظ سے جو بات زیادہ ہے اگر وہ دو ہی ایک کلمے کی حد تک ہے تو یعنی یا اسی طرح کے کسی اور لفظ سے اس کو متمیز کردیا گیا ہے اور اگر کلام تام کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے شروع میں مترجم گوید اور آخر میں واللہ اعلم کے لفظ سے اسے نشان زد کردیا گیا ہے۔

جہاں تک ممکن ہوا ہے قرآنی قصوں کے بارے میں ایک دو فقرے لکھ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے، اسباب نزول کے متعلق طویل قصوں کا اسی قدر ما حصل پیش کیا گیا ہے جو آیات کے سیاق وسباق کے لحاظ سے ضروری تھا، جن باتوں کا تعلق نقل سے تھا ان کے سلسلہ میں اس کتاب میں محدثین کی صحیح تفسیروں سے مدد لی گئی ہے جیسے بخاری، ترمذی اور حاکم کی تفسیریں اور بحد امکان ضعیف وموضوع حدیثوں سے احتراز کیا گیا ہے، علمائے اہل کتاب سے جو اسرائیلی قصے منقول ہیں ان کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کی حدیثیں نہیں ہیں، سوائے ان جگہوں کے جہاں معنی و مفہوم کی وضاحت قصوں کو نقل کیے بغیر نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ الضرورات تبیح المحظورات۔

ترجمہ کے بعض امتیازات

شاہ صاحب نے دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں اپنے ترجمہ کے امتیازات حسب ذیل بتائے ہیں:

1 قرآنی مفہوم کے بقدر ترجمہ میں فارسی کے الفاظ لائے گئے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی مراد و منشاء کی وضاحت و لطافت تعبیر کا خیال رکھا گیا ہے، دوسرے ترجموں میں ترجمہ کی عبارت میں جو اطناب، رکاکت، اغلاق اور تعقید پائی جاتی ہے، بقدر امکان ان سے احتراز کیا گیا ہے۔

2 دوسرے ترجموں میں یا تو متعلق قرآن قصوں کو مطلقاً نظر انداز کردیا گیا ہے یا ان پر طویل اور مفصل بحث کی گئی ہے مگر اس ترجمہ میں درمیانی راستہ اختیار کیا گیا ہے، جس جگہ آیت کا مفہوم قصہ پر موقوف نہیں ہے، اسے ترک کردیا گیا اور جہاں اس پر منحصر ہے بقدر ضرورت دو تین منتخب الفاظ و کلمات میں ان کی توضیح کردی گئی ہے۔

3 مختلف اور بکثرت توجیہات میں سے صرف اس توجیہہ کو لے لیا گیا ہے جو عربیت کے لحاظ سے زیادہ قوی اور علم حدیث و فقہ کی رو سے زیادہ صحیح معلوم ہوئی ہے، اس سے بہت کم ہی انحراف کیا گیا ہے۔

4 اس ترجمہ میں ایسا پہلو اختیار کیا گیا ہے کہ نحو سے واقفیت رکھنے والے اعراب قرآن کے وجوہ، محذوف، ضمیر کے مرجع اور ان لفظوں کے محل کو جان لیں جو عبارت میں مقدم و موخر ہوگئے ہیں، لیکن جو لوگ فن نحو سے واقف نہیں ہیں وہ بھی اصل غرض سے محروم نہیں رہیں گے۔

5 قدیم ترجمے دو حالتوں سے خالی نہیں ہیں یا تو وہ تحت اللفظ ہیں یا حاصل المعنیٰ اور ان دونوں صورتوں کی وجہ سے بہت سے خلل راہ پا گئے ہیں مگر یہ ترجمہ ان دونوں طریقوں کا جامع ہے اور اس میں قدیم ترجموں کے خلل انداز پہلوؤں کو دور کردیا گیا ہے۔

وجوہ اعراب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ صاحب نے بتایا کہ اس ترجمہ سے وجوہ اعراب کا علم ہوتا ہے، اس کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تفصیل طلب بحث ہے جس کو اختصار کے ساتھ تین، ساڑھے تین صفحوں میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے میں کیا کیا نزاکتیں ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں فعل، فاعل، مفعول، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول معہ حال، تمیز حروف ربط و عطف، صلہ، موصول اور تقدیم و تاخیر وغیرہ کے استعمال پر گفتگو کر کے دونوں زبانوں سے مثالیں دی ہیں اور دونوں کے نقطہ اتحاد و اختلاف کو واضح کیا ہے۔

اس مقدمہ سے جو اور باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

1 شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کی بنیاد تفسیر وجیز (واحدی) اور جلالین پر رکھی ہے۔

2 اپنے ترجمہ قرآن کا نام فتح الرحمان بترجمۃ القرآن بتایا ہے۔

3 ترجمہ کے اس حصہ کا نام انہوں نے مقدمہ رکھا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح عام مصنفین اصل کتاب سے پہلے اپنے کچھ مقاصد بیان کرنے کے لیے مقدمہ لکھتے ہیں، اسی طرح یہ مقدمہ بھی چند مقاصد پر مشتمل ہے۔

4 مقدمہ کے علاوہ انہوں نے ترجمہ کے اصول و قوانین پر بھی ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام اس مقدمہ میں انہوں نے قواعد ترجمہ بتایا ہے۔

کاتبوں کو وصیت

پہلے آج کل کی طرح طباعت کی سہولت نہ تھی اس لیے مصنفین کتابوں کے بکثرت نسخے نقل کرا لیتے تھے، شاہ صاحب نے بھی اس کا اہتمام فرمایا تھا اس مقدمہ میں ترجمہ کے سلسلہ میں انہوں اس کے کاتبوں کو مندرجہ ذیل وصیت کی تھی:

" قرآن کی عبارت کو جلی حرفوں میں لکھیں، اس پر اعراب دیں اور اسے سرخ روشنائی سے لکھیں تاکہ وہ ترجمہ سے ممتاز اور متمایز رہے اور اس کی احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ سے کسی طرح کی کوئی تحریف نہ پائے، اشتباہ کے موقع پر کلام تام کو سرخ نقطہ دیں تاکہ وہ ما بعد سے جدا اور نمایاں رہے اور ترکیب اضافی و توصیفی میں مضاف و موصوف پر بھی زیر کا نشان دے دیں تاکہ مبتدیوں کے لیے یہ چیزیں روشن اور واضح رہیں۔"

اگر ترجمہ میں مبتدیوں کی استعداد کے لحاظ سے مشکل لفظ و مفہوم آ گیا ہو تو سعادت مند لوگ اس کے معنی و مطلب کو کتاب کے حاشیہ پر تحریر کر دیں تاکہ کسی شخص کو بھی دشواری نہ ہو۔

سند قراءت

آخر میں شاہ صاحب نے ازل اول تا آخر قرات قرآن کی اپنی سند دی ہے جو بروایت حفص ہے جس کے بعد ہی یہ رسالہ تمام ہو جاتا ہے مگر تمت کے بعد اسی سطر میں تعوذ اور اس کا ترجمہ پہلے پھر بسملہ اور اس کا ترجمہ دیا ہے۔ تعوذ کا ترجمہ "می پناہم بخدا از شیطان راندہ شدہ" اور بسملہ کا ترجمہ یہ ہے "می آغازم بنائے خدائے بخشایندہ مہربان" مگر اصل ترجمہ میں سورتوں کے شروع میں جہاں بسم اللہ کا لفظ آیا ہے اس کے ترجمہ میں می آغازم نہیں ہے۔ اس میں قابلِ غور رحمن کا ترجمہ بخشایندہ ہے۔

ضمیمہ

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن کا تکملہ و ذیل بھی لکھا تھا۔ یہ بھی بڑا اہم اور مفید ہے جس کے متعلق شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ اس میں وہ حواشی درج ہیں جو ترجمہ کے نسخہ کے مسودہ کے حاشیے پر تحریر کیے گئے ہیں، ان کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

1 جس توجیہ پر ترجمہ کی بنا ہے ان کی اس میں بعض جگہ وضاحت و تبیین کی گئی ہے۔

2 بعض حواشی میں ترجمہ میں اختیار کیے گئے تفسیری پہلو کے شاہد و ثبوت کو واضح کیا گیا ہے۔

3 بعض میں شاہ صاحب کے تفردات و مرجحات کا ذکر ہے۔

حسبِ اتفاق و موقع یہ حواشی کہیں تو عربی زبان میں تھے اور کہیں فارسی زبان میں جب اس ترجمہ کی تبییض ہو گئی تو بہتر معلوم ہوا کہ اس نسخہ کے ذیل میں اسے لکھ دیا جائے تاکہ ترجمہ کا مطالعہ کرنے والے اس سے بھی مستفید ہو سکیں۔

شاہ صاحب کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس فصل کی حیثیت اصل ترجمہ کے ذیل اور ضمیمہ کی ہے، مگر یہ مطبوعہ ترجمہ قرآن میں شائع نہیں ہوا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں ان کی حیثیت تفسیری نوٹ کی ہے جو غالباً غیر مطبوعہ ہیں، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ (البقرۃ:178) کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

" مدارک میں ہے کہ قصاص مساوات کی تعبیر کے لیے آیا ہے، جمہور مفسرین نے قتلی سے مقتولین اور قاتلین دونوں کو مراد لیا ہے۔ ان لوگوں نے تغلیب کا لحاظ کیا ہے، آیت کا مدلول قاتل و مقتول میں برابری کا اعتبار ہے، اس صورت میں ان کے نزدیک آیت کو منسوخ ہونا چاہیے اس لیے کہ تمام مذاہب میں انثیٰ بالا نثیٰ پر عمل نہیں ہے کیونکہ انثیٰ کے مقابلہ میں ذکر بھی ہو سکتا ہے اسی طرح الحر بالحر بھی معمول بہ نہیں ہے کیونکہ حر کے مقابلہ میں عبد بھی ہو سکتا ہے، اس بنا پر بندہ ضعیف اس کی یہ توجیہ کرتا ہے کہ قتلی سے مراد محض مقتول ہے اور قصاص سے مساوات مراد ہے یعنی ہر مقتول کا حکم دوسرے مقتول کے حکم کے ساتھ برابر ہے۔ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ کا اضافہ اسی لیے فرمایا کہ مراد مساوات ہر صنف کے فرد کا حکم ہے یا دوسرے فرد کا حکم اسی صنف کے ساتھ ہے۔"

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرۃ:184) کے متعلق رقم طراز ہیں:

" فقیر اس آیت سے سمجھتا ہے کہ یہاں صدقہ فطر مراد ہے، مفہوم یہ ہوگا کہ يجب على الذين يطيقون طعام مسكين. طعام مسكين ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اھلہ یعنی جو لوگ مسکین کے طعام کی طاقت رکھتے ہوں ان پر مسکین کا طعام مع اہل و عیال واجب ہے۔ یہاں اضمار قبل الذکر ہے۔" اس کی مزید توضیح الفوز الکبیر کے دوسرے باب ناسخ و منسوخ کے سلسلہ میں اس طرح کی ہے۔

"کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے فمن شہد منکم الشہر الخ سے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت محکم ہے اور اس میں کوئی ضعف نہیں ہے، میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ طعام کی طاقت رکھتے ہیں، ان پر فدیہ ہے جس سے مراد طعام مسکین ہے، یہاں ضمیر قبل الذکر آئی ہے کیونکہ وہ رتبتاً مقدم ہے اور ضمیر اس لیے لائے ہیں کہ فدیہ سے مراد طعام ہے جس سے مراد ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، اللہ نے روزے کے حکم کے بعد اس آیت میں صدقہ فطر کا حکم دیا ہے جس طرح اس کے بعد دوسری آیت میں عید کی تکبیرات کا تذکرہ ہے۔"

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ (البقرۃ: 189) کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

" میرے نزدیک هذه الاشهر سے مراد شہر حج ہیں ہلال کو مطلق لانے کی وجہ یہ ہے کہ ہلال مہینہ کے اول کو بھی کہتے ہیں اور آخر کو بھی یہ اسی طرح کا اطلاق ہے جس طرح کا خریف کا سنہ پر اور جمعہ کا اسبوع (ہفتہ) پر ہوتا ہے، یہی مفہوم لینے پر جواب بغیر کسی تکلف کے سوال پر منطبق ہو جاتا ہے۔

اہلہ کا یہی مفہوم دور حاضر کے مشہور مصنف مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی لیا ہے فرماتے ہیں:

" اہلہ ہلال کی جمع ہے، ہلال شروع ماہ کے چاند کو کہتے ہیں اور اس سے مراد مہینہ بھی ہوتا ہے۔ خاص طور پر جمع کی صورت میں تو اس کا استعمال مہینوں ہی کے لیے معروف ہے اہلہ پر الف لام اس بات کی دلیل ہے کہ سوال کچھ مخصوص مہینوں سے متعلق ہے اور سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال اشہر حرم اور ان کے احکام و آداب سے متعلق تھا چنانچہ آگے کی آیات میں اس سوال کے جو جواب دیے ہیں وہ تمام تر حج اور اشہر حج ہی سے متعلق ہیں۔"[3]

آگے اس کو بہت مدلل طور سے ثابت کیا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ: 215، 219) یہ دو جگہ آیا ہے، پہلی جگہ انفاق کی نوع کے بارے میں سوال ہے، انفاق میں بھی مصارف کے متنوع ہونے کے لحاظ سے تنوع ہوتا ہے چنانچہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ خرچ کیے جانے والے مال کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان اصناف کے لیے ہو اور دوسری جگہ سوال یہ ہے کہ وہ کس مال کو خرچ کریں کیا اسے جو ان کی ضرورت کے لیے ہے یا اسے جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو چنانچہ جواب دیا گیا کہ عفو یعنی جو حاجات ضروریہ سے زائد ہوں، اس مفہوم کو بیان کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم تلاش و تفحص سے کام لو تو تفسیروں میں اس آیت کی اس سے بہتر توجیہہ نہیں پاؤ گے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (البقرۃ: 232) تحریر کے متعلق فرماتے ہیں:

" مفسرین کا مشہور قول یہ ہے کہ طلقتم میں خطاب ازواج سے ہے اور فلا تعضلوھن میں اولیاء سے خطاب ہے، یہ مفہوم معقل بن یسار کی ایک حدیث سے ماخوذ ہے مگر بندہ ضعیف کا رجحان اس طرف ہے کہ دونوں جگہ خطاب شوہروں سے ہے، معقل بن یسار نے جو معنی بیان کیے ہیں وہ بطریق منطوق کے بجائے بطریق مفہوم ہے۔"

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ کے متعلق لکھتے ہیں:

" اس سے بندہ ضعیف نے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ آیت مطلقہ و غیر مطلقہ والدات کے لیے عام ہے۔"

سورہ آل عمران کی آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (۸۱) کی توجیہہ اس طرح کی ہے:

" واذ اخذ اللّٰه من بني أدم الميثاق الذي اخذه لاجل النبين " یہ توجیہہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ اور تکلف سے خالی ہے، جس طرح اللہ نے بنی آدم سے توحید و عبادت کا یثاق لیا تھا جیسا کہ فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى، اسی طرح ان سے یہ دوسرا یثاق نبیوں کی تصدیق کے لیے تھا، اس قصہ کی بنیاد اللہ کے اس ارشاد فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ (البقرۃ) پر ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ (النساء: 101) کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ

" ابن عمر کے اثر اور آیتوں کے سیاق کے مطابق صحیح صورت یہ ہے کہ اس سے صلوۃ الخوف مراد ہے اور قصر کا مفہوم رکوع و سجود کو اشارہ سے ادا کرنا ہے، سفر کی قید اتفاقی ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے " و اذا کنتم فیھم " اس لیے اس کو صلوۃ الخوف ہی پر محمول کرنا صحیح ہو گا۔"

قرآنی آیات واحادیث کا احترام کیجیے۔

[3] مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، دار الاشاعت اسلامیہ، لاہور، طبع اول، جلد اول، ص 427

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابائے اردو مولوی عبد الحق

پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں

بابائے اردو مولوی عبد الحق کا یہ ایک اہم حوالہ جاتی مضمون ہے، جس میں قدیم اردو زبان میں کیے گئے تراجم و تفاسیر قرآنی کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ جس کے ملاحظہ سے اردو زبان کے مختلف ارتقائی مراحل کا اندازہ ہوتا ہے و نیز اس دور کے مترجمین و مفسرین قرآن کے فکر و فہم کے گوشوں کی وسعت کا بھی بخوبی ادراک ہوتا ہے۔ نمونے کے طور پر درج کی گئی عبارتیں اسی پس منظر میں ہیں اسے کوئی تحقیقی مؤقف نہ سمجھا جائے۔ (ادارہ)

آسمانی صحیفوں کے ترجمے کی مخالفت تقریباً ہر ملک اور ہر قوم میں کی گئی ہے اور یہ مخالفت ہمیشہ علمائے دین کی طرف سے ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کو علوم دینیہ کا خاص ماہر اور اسرار الٰہی کا وارث خیال کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ یہ باتیں عام ہو جائیں۔ عام ہوئیں تو لوگ ایک حد تک ان بزرگوں سے بے نیاز ہو جائیں گے اور اس سے ان کی بڑائی اور فضیلت میں فرق آ جائے گا۔ بعض اوقات مخالفت اس لیے بھی کی گئی کہ ترجمے اور تفسیریں ان کے منشاء کے خلاف تھیں اور ایسے مترجمین اور مفسرین کو تکلیفیں اور عقوبتیں پہنچائی گئیں۔ یہ روش کسی خاص ملک یا قوم سے مخصوص نہ تھی بلکہ ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ زمانہ وسطیٰ میں یورپ میں انجیل و توریت کے مترجمین کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں اور علماء کی مجلس نے ان صحیفوں کے ترجموں کے متعلق امتناعی احکام جاری کیے۔ ریس (علاقہ فرانس) کے ایک نان بائی ایشارۃ نامی کو بعض عقائد کی بنا پر جن کی وہ تلقین کرتا تھا علماء کی مجلس نے مردود ٹھہرایا، کفر کا فتویٰ صادر کیا اور زندہ جلا دیا اور اس کے ساتھ مجلس نے فرانسیسی زبان میں بائبل کے ترجمے کی ممانعت کر دی[1]۔ ترجمہ کرنا تو درکنار کسی کے پاس دیسی زبان میں ترجمے کا پایا جانا بھی جرم تھا۔ آکسفورڈ میں آرچ اور بشپ ارنڈل کی زیر سرپرستی سنہ 1408ء میں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اس میں یہ احکام صادر کیے گئے کہ "کوئی شخص اپنے اختیار سے بائبل کے کسی نسخے کا ترجمہ انگریزی یا کسی دوسری زبان میں کتاب یا کتابچے یا رسالے کی صورت میں کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ نیز کوئی شخص ایسی کتاب یا کتابچے یا رسالے کا نجی کے طور پر یا عام طور پر پڑھنے کا مجاز نہیں جو جان وکلف یا اس کے بعد یا اب لکھا گیا ہو۔ خواہ وہ ترجمہ کلاً ہو یا جزءً۔ ورنہ اس کی خلاف ورزی میں وہ کفر و معصیت کا حامی تصور کیا جا کر قابل سزا سمجھا جائے گا"[2]۔ اس زمانے میں انگریزی بائبل کے بعض ترجمے ہوئے لیکن کسی مطبع کو اُن کے چھاپنے کی جراءت نہ ہوئی۔ مثلاً ولیم ٹنڈیل نے ایک ترجمہ کیا اور جب اس نے دیکھا کہ یہاں اس کا چھپنا ممکن نہیں تو بھاگ کر ہیمبرگ میں پناہ لی اور کولون میں اپنا ترجمہ چھپوانا شروع کیا۔ ابھی کتاب زیر طبع تھی کہ فرینکفورٹ کے ڈین کو اس کی سن گن معلوم ہوئی اس نے نہ صرف کولون کی سینٹ کے ذریعے اس کی طباعت روک دی بلکہ ہنری ہشتم اور ولزی کو لکھا کہ انگلستان کی بندر گاہوں میں خاص طور پر نگرانی رکھی جائے کہ اس ترجمے کا کوئی نسخہ وہاں داخل نہ ہونے پائے۔ ٹنڈل نے یہ رنگ دیکھا تو Worms بھاگ گیا اور جس قدر چھپے ہوئے فرمے ہاتھ لگے ساتھ لیتا گیا۔ وہاں یہ ترجمہ طبع ہوا۔ سنہ 1526ء میں اس کے نسخے انگلستان پہنچے۔ لیکن ان کے برباد اور تلف کرنے میں اس قدر سعی اور جد و جہد کی گئی کہ سوائے چند ناقص اجزا کے جو برٹش میوزیم میں موجود ہیں اس کا کوئی نسخہ نہیں ملتا۔ اس کی عمر زیادہ تر جلا وطنی میں گزری۔ پادری اور حکومت اس کے درپے تھے۔ آخر 1535ء میں گرفتار ہوا۔ 1536ء میں پھانسی دی گئی اور لاش دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دی گئی۔ انگریزی بائبل کا کوئی حصہ 1525ء سے قبل طبع نہ ہوا اور پوری بائبل 1538ء سے پہلے شائع نہ ہوئی۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ (رحمہ اللہ) نے سب سے پہلے 1150ھ میں قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ مولف حیات ولی نے شاہ صاحب کے ایک فاضل ہم عصر کی زبانی بیان کیا ہے کہ جب " اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملاؤں کے گروہ میں برپا ہو گیا " اور وہ علاوہ کفر کے فتویٰ دینے کے وہ شاہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے اور ان کے قتل کی فکر میں رہنے لگے۔ یہ

1 متی اول کلچر مؤلف ہیکنس صفحہ 248
2 انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا جلد 3 صفحہ 897

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ شائع کرنے کا ذکر ہے ، زبانی ترجمہ پڑھانے کے بھی ہمارے ملا اور علماء شدید مخالف تھے ۔ میرے ایک دوست جن کے خاندان میں زمانہ دراز سے علم و فضل کا چرچا چلا آ رہا ہے ، فرماتے ہیں کہ ان کے جد امجد علاوہ دوسرے علوم کے درس قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھایا کرتے تھے ۔ جب شہر کے علماء کو یہ معلوم ہوا تو وہ سخت برہم ہوئے اور ان کے گھر پر چڑھ آئے اور زد و کوب پر اتر آئے ۔ فورٹ ولیم کالج میں جب بعض مولویوں کو قرآن شریف کے ترجمے کے لیے متعین کیا گیا تو اسی قسم کا ہنگامہ برپا ہوا۔

ابھی حال کا ذکر ہے کہ جب مسٹر پکتھال نے قرآن کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور وہ علمائے مصر سے مشورہ کرنے کے لیے مصر تشریف لے گئے تو علمائے مصر نے ترجمے کے لفظ پر سخت اعتراض وارد کیا اور اس بحث نے اس قدر طول کھینچا کہ آخر مسٹر پکتھال کو مجبور ہو کر ترجمے کے لفظ سے احتراز کرنا پڑا اور اس کا نام Meanings of the Koran یعنی " معانی قرآن " رکھنا پڑا ۔ بات یہ ہے کہ پرانی ریت مشکل سے جاتی ہے۔

خیر یہ تو ملاؤں اور مذہبی پیشواؤں کی کوتہ اندیشی ہے ، لیکن ایک مشکل اور بھی ہے ۔ وہ یہ کہ ان صحیفوں کا ترجمہ آسان کام نہیں ۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ زبان پر کامل قدرت ہونی چاہیے ۔ عقائد اور احکام کا دار و مدار الفاظ کے مفہوم پر ہے ۔ الفاظ کا مفہوم مرور زمانہ سے بدل جاتا ہے ۔ اس لیے مترجم کے لیے لازم ہے کہ وہ جانتا ہو کہ جس زمانے میں یہ کتاب نازل ہوئی اُس وقت ان الفاظ کے کیا معنی تھے اور قائل کا ان سے کیا مقصود ہے ۔ کبھی کبھی ذو معنی اور پہلو دار لفظ بھی آ جاتے ہیں ۔ ایک جماعت اس کا مفہوم کچھ لیتی اور دوسری جماعت کچھ اور ۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک لفظ کے معنی یا نحوی ترکیب کی وجہ سے عقائد میں اختلاف پیدا ہو گیا اور دو فرقے بن گئے ۔ ترجمے میں ایسے الفاظ استعمال کرنا کہ ان میں بھی دونوں پہلو قائم رہیں بہت دشوار بلکہ اکثر اوقات نا ممکن ہوتا ہے ۔ ان تمام احتیاطوں کے باوجود ترجمے میں اصل کی سی فصاحت اور قوت بیان اور اثر قائم رکھنا سب سے بڑا دشوار کام ہے ۔ ایک طرف علماء کی مخالفت ۔ دوسری طرف یہ دشواریاں مترجم کی ہمت پست کرنے کے لیے کافی ہیں ۔ باوجود ان مخالفتوں اور دشواریوں کے آخر ایک مدت کے بعد ان صحیفوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو کر رہے ۔ ترجمے نہ ہوتے تو ان کے مطالب تک اُن لوگوں کی رسائی کیونکر ہوتی جو غیر زبانوں سے نا آشنا تھے۔

اردو میں عام طور پر قرآن شریف کا پہلا ترجمہ شاہ رفیع الدین کا اور دوسرا شاہ عبد القادر کا خیال کیا جاتا ہے ۔ یہ دونوں ترجمے تیرہویں صدی کے آغاز میں ہوئے ۔ لیکن اس کی بہت کم لوگوں کو خبر ہے کہ اسی زمانے میں اور نیز اس سے قبل ہندوستان کے مختلف مقامات میں متعدد ترجمے اور تفسیریں لکھی گئی ہیں ۔ اس قسم کی جتنی کتابیں ہیں دستیاب ہوئیں یا ہماری نظر سے گزریں ، ان کی مختصر کیفیت یہاں لکھی جاتی ہے ، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی ہوں جن کا ہمیں علم نہیں ۔ ان میں زیادہ تر تفسیریں ہیں ۔ لیکن یہ برائے نام تفسیریں ہیں ، در حقیقت قرآن کے لفظی ترجمے ہیں ۔ کہیں کہیں ایک آدھا لفظ یا ایک آدھ سطر صراحت کے لیے بڑھا دی ہے ۔ ایک مشکل یہ آ پڑی ہے کہ بعض میں مؤلف کا نام اور سنہ تالیف ندارد ہے یا بعض اول و آخر ناقص ہیں اس لیے یہ معلوم کرنا غیر ممکن ہے کہ لکھنے والے کون تھے اور کب لکھی گئیں ۔ البتہ زبان سے زمانہ تالیف کا تھوڑا بہت قیاس ہو سکتا ہے ۔ بعض صرف ایک آدھ سورتوں یا چند سورتوں کے اور بعض پورے قرآن کے ترجمے یا تفسیریں ہیں ۔ بہر حال اس سے اندازہ ضرور ہو جائے گا کہ اس قسم کی کوشش مختلف زمانوں اور ملک کے مختلف حصوں میں برابر ہوتی رہی ہیں۔

اس قسم کی سب سے پرانی کتاب جو مجھے دستیاب ہوئی ہے وہ پرانی گجراتی اردو زبان میں ہے ۔ افسوس کہ یہ اول و آخر سے ناقص ہے اس لیے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتا چلانا غیر ممکن ہے ۔ البتہ زبان کے ڈھنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسویں صدی کے اواخر یا گیارہویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے کیونکہ اس کی زبان امین کی یوسف زلیخا کی زبان سے کہ وہ بھی گجراتی اردو میں ہے ۔ بہت پرانی ہے ۔ امین کی یوسف زلیخا 1109ھ میں لکھی گئی اور یہ یقیناً اس سے پہلے کی ہے ۔ یہ سورہ یوسف کی تفسیر ہے ۔ امین کی کتاب نظم میں ہے اور یہ نثر میں ۔ ظاہر ہے کہ نظم کی زبان زیادہ مشکل ہوتی ہے اور اس میں پرانے لفظ زیادہ آتے ہیں اور نثر اس کے مقابلے میں سہل ہوتی ہے ۔ اگرچہ یہ تفسیر سادہ زبان میں لکھی گئی ہے اور بالکل بول چال کی زبان ہے تاہم اس میں پرانے لفظ اور پرانی ترکیبیں نسبتاً بہت زیادہ ہیں یہاں میں اس کی عبارت کے ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

قَالَ رَبِّ ٱلسِّجۡنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدۡعُونَنِيٓ إِلَيۡهِۖ وَإِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّي كَيۡدَهُنَّ أَصۡبُ إِلَيۡهِنَّ وَأَكُن مِّنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ ﴿٣٣﴾

اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یوسف نے کہیا کہ اے بار خدا ھوں[3]
بھاکسی[4] کوں دوس[5] دھرتا ہوں اس کام تھیں کہ
جے کام مجھے اے فرماتی ہے انے[6] اگر تو مجھے
انہوں کی مکروں تھیں پنہ منے[7] نراکھے تو ھوں
ڈرتا ہوں کہ ھوں بھی انہوں کی بات اوپر خاطر
کروں، انی سکلے[8] گنہ گاروں منے ہووں۔"

اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"یوسف نے کہا لے جاؤ میری پیرہنی انے[9]
باپ کے منہ پر چھوڑو تو دیکھتے ہو ویں گے انے
پیچھیں سکلے[10] اپس کے گتم کوں لیو انے[11]
میرے نزیک[12] انو[13]۔"

تفسیر کی عبارت کا نمونہ یہ ہے:

"پیچھیں بھاکسی کے عہدہ دار نے کہیا کہ
وے دائم نماز گزارتا ہے انے روزے راکھتا ہے
انے تسبی[14] کرتا ہے انے ملولوں[15] کوں پوچھتا
ہے انے درویشوں کو کھان[16] دیتا ہے۔ انے جے[17]
کچھو[18] اس پاس اوتا ہے سو محتاجوں کوں بانٹ دیتا
ہے انے اپیں نہیں کھاتا۔ انے کدہیں اس تھیں
کوئی رنجیدا نہیں ھوا۔ انیں پیچھیں جب اے
صفتاں ملک... سنیاں تب کہیا کہ اے باتاں نہو ویں
کسی منے مگر پیغامبروں منے ہوویں یا پیغامبروں کے
پنگڑوں[19] منے ہوویں۔ انے دجیا یہ پوچھیا کہ
یوسف کی تتبع بھاکسی منے کوں) کرتا ہے، انے اس
پاس کسی پاس تھیں کچھ اوتا ہے۔ پچھیں انہوں نے
کہیا کہ عزیز کی بیر[20] چھپا کرنے بھیجتی ولیکن وے
قبول نہیں کرتا۔ انے وے پانچ بیراں دوجیاں کوئی
ھیں وے بھی بھیجتیاں ھیں انہوں کا بھی کچھو
قبول نہیں کرتا۔ انے انہوں کا بول بھی نہیں منتا۔"

اس تفسیر میں جگہ جگہ گجراتی لفظ آئے ہیں، اس پر سے یہ قیاس کرنا بالکل بجا ہے کہ یہ گجراتی اردو میں ہے اور اس کا مؤلف گجرات کا رہنے والا تھا۔ اس نوع کی اور بھی کتابیں پائی جاتی ہیں جن کے مؤلف گجرات کے باشندے ہیں یہاں اس تفسیر کے چند گجراتی لفظ معنوں کے ساتھ مثال کے طور پر لکھے جاتے ہیں انے (اور)، تی (سے، میں)، تلیک (تھوڑا)، ھمیں (اب)، ھوں (میں)، ڈوسی (بڑھیا)، جنا (دایاں)، بیر (عورت) وغیرہ۔

دکنی ترجمے کا ایک نسخہ ایسا ملا ہے جو اول و آخر سے ناقص ہے۔ اس میں قرآن شریف کے آخری پارے کی سورتوں کا ترجمہ ٹھیٹ دکنی میں کیا گیا ہے۔ زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ بہت قدیم ہے اور دسویں صدی کے اوائل کا ہے۔ اس میں ترجمے کے ساتھ کہیں کہیں مختصر تفسیر سی بھی ہے۔ نمونے کے طور پر سورہ البینہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿٢﴾ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾

(ترجمہ)

"انتی وو لوکاں جو کفر کیے کتاب کے لوکاں تے ہور شرک کرنہاریاں تے کنارے ھونہارے نتھے کفر تے تو لگ جو آئی اونوں کوں روشن حجت۔ سو ھجب[21] ھے خانے پڑتا ہے صحیفیاں کوں جو پاک ہیں جھوٹ تے۔ اوس میں لکھی تھی نیت بات[22]۔ ہور نیں تفرقا ھوے وو لوکاں جنوں کو دیے گیا تھا کتاب مگر روشن حجت کے آئے پیچھیں تے۔ ہور اونوں کوں تو نیں حکم کی کیا تھا مگر یو کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کوں نچھل عبادت اوتیچ کوں کرنہارے۔ کفر کا دین چھوڑ اسلام کے دین میں آکھ ہور یو کہ کھڑی کریں فرض نماز کوں اس کے وخت[23] میں ہور یو کہ دیویں مال کے فرض زکوۃ کوں ہور وو دین نیٹ[24] ہے۔ تحقیق وو لوکاں جو

---

3 میں
4 قیدخانہ
5 دوست
6 اور
7 میں
8 تمام
9 اور
10 تمام
11 اور
12 نزدیک
13 لاؤ
14 تسبیح
15 غمزدوں
16 کھانا
17 جو
18 کچھ
19 اولاد
20 عورت
21 غالباً "حاجب" ہے۔
22 سیدھا رستہ (صراط مستقیم)
23 وقت
24 مستقیم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کفر کے کتاب کے لوکاں نے ہور شرک کرنہاریاں تے (اوس کی عبادت میں) جہنم کی آگ میں اچھیں گے[25] قیامت کے دیس[26] ہمیشہ اچھیں گے اوس جہنم میں وو لوکاں اونوچ[27] بہوتیچ[28] بورے[29] لوکاں ہیں ساری پیدائش میں۔ ہور نیک عمل کے خالص خدا کے واستے[30] وہ لوکاں انوچ بھوتیچ خوب لوکاں ہیں ساری پیدائش میں۔ جزا انو کی انو کے پالنہارے کنیں ہے۔ باغاں دائم کی بہتے ہیں انوں کے تلار[31] تے کالوے[32] دائم اچھینگے اوس باغاں میں ہمیشہ اچھاں جسے نہایتے نیں۔ خشال[33] ہور اللہ تعالیٰ اونوں تے ہور اونوں خشال ہوئے اوس تے۔ وو خشالی اوسچ کوں[34] ہے جو ڈرتا اپنے پالنہارے کے عذاب کوں۔ عبادت کرکر۔"

اس کتاب کی قدامت اس کی زبان سے ثابت ہے۔ بہت سے الفاظ اور محاورے ایسے استعمال کیے گئے ہیں جو بعد کے زمانے کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے اور اسلوب بیان بھی قدیم ہے۔ مثلاً " کالفراش مبثوث " کا ترجمہ کیا ہے " پتنگ سری کی جھیلی کے "۔ یہ ٹھیٹ پرانی زبان ہے، جھیل یا جھیلی ہجوم اور قطار کو کہتے ہیں، اسی طرح " فمن یعمل مثقال ذرۃ " کا ترجمہ کیا " پس جکوئی کہ عمل کرے گا ذرے کے بھار یعنے لال چنی کے بھار یا ذرہ دھلا رے کا "۔ " دھلارا " کے معنی

25 رہیں گے
26 دن
27 وہ
28 بہت ہی
29 برے
30 واسطے
31 نیچے
32 نہر،ندی
33 خوش حال
34 اسی کو

گرد و غبار ہیں۔ الفاظ بھی ایسے استعمال کیے ہیں جو اس وقت بہت غریب معلوم ہوتے ہیں اور بعد کی دکنی کتابوں میں نہیں آتے۔ مثلاً " بلگی " بمعنی مصیبت یا آفت۔ " کدن " بمعنی طرف۔ " تلار " یا " تلاری " تلے یا نیچے کے معنوں میں۔ ایک لفظ جو اس کتاب میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے وہ " بجان " ہے۔ مثلاً " بجاں بولیا " یا " بجاں پوچھیا " بہت غور کے بعد سمجھ میں آیا کہ یہ " بزاں " کی خرابی ہے جو اکثر پرانی دکنی کتابوں میں آیا ہے " بزاں " بگاڑ ہے " بعد ازاں کا "۔

الفاظ کا ہجا بھی عجیب ہے۔ یعنی جیسے اس وقت بولتے تھے بجنسہ ویسے ہی لکھ دیے ہیں مثلاً خشال (خوش حال)، باد زاں (بعد ازاں)، شات (شہد)، منا (منع)، بازے (بعض)، ھود (حوض) وغیرہ وغیرہ۔

دکنی میں سورہ یوسف، پارہ عم اور سورہ الرحمن کے متعدد ترجمے اور تفسیریں پائی جاتی ہیں۔ مجھے سورۃ الرحمن کا ایک مقفیٰ ترجمہ بھی ملا ہے۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے:

الرَّحْمَٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾

(ترجمہ): اے لوگو ں تم کرو بکھان جس کا میٹھا نام رحمان، جن سکھایا ہے قرآن، جن سرجا ہے انسان۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿٦﴾

(ترجمہ): سکھایا تم کو سبھی بیان، چاند سورج سوں حساب پچھان، جھاڑ پیڑ بھی نمیں سجان[35]، سجدا کریں ہیں اوس کو مان۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿٧﴾

أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿٨﴾

35 جھکنا

(ترجمہ): اونچا کیتا اُن آسمان، راکھے ھیگی اُن میزان، اپنے دل سوں حق پچھان، کم زیادہ منہ کر جان۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾

(ترجمہ): جو تولو سو پورا تول، جو مول لو سو پورا مول، ڈنڈی داب ندیجو جھول، دغل نہ کیجو قول ابول۔

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾

(ترجمہ): لوگوں کا جیں[36] زمین بچھائے، میوہ خرما جھاڑ اگائے، دادہ[37] پیدا کر بکھلائے اوس میں اگل[38] ریحان کھلائے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾

(ترجمہ): تم پر رب کا اتناں مان، کس نعمت تم ہوئے اجان۔

تفسیر حسینی کا ترجمہ بھی کس صاحب نے پرانی دکنی میں کیا ہے۔ یہ تفسیر بہت مقبول ہے اور اس کے متعدد ترجمے دکنی زبان میں ہوئے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت پارہ عم کی تفسیر کا ترجمہ موجود ہے، اس کی زبان پرانی ہے۔ آخر میں کاتب نے، دن وقت اور تاریخ (روز جمعہ بوقت عصر دو ماہ جمادی الاخر) تو لکھی ہے لیکن سنہ نہیں لکھا۔ چند آیتوں کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ تفسیری جملے بھی ہیں:

(عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿١﴾) کس چیز نے پوچھتے ہیں او کافراں یعنی کی کافراں بعث پوچھتے ہیں آپس میں اے یا رسول کوں ہور مومناں کوں۔

36 لیے
37 کاتب کی غلطی ہے، دانہ ہونا چاہیے
38 اعلیٰ درجے کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(عَنِ ٱلنَّبَإِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٢﴾) بزرگ خبر تے (ٱلَّذِى هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿٣﴾) ایسی خبر کہ اونو اس میں اختلاف کرنہارے ہیں۔ (كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٤﴾) یوں نہیں پوچھتا ہے کہ انکار کریں ترت ہے کہ سمجھیں گے اونوں کوں، یو ڈرانے کا وعدہ ہے (ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥﴾) پچیں یوں نہیں پونچتا توت ہے کہ سمجھینگے اونو، دو بار لیا ایسے تاکید کے واستے ھور "ثمہ" سوں لیانا سمجیا کر دیتا ہے یو کہ دوسرا وعدہ بہت سخت ہے ھور بعضے بولے پیلا[39] سو جیو کا پڑتے وقت ھور دوسرا سو جزا کے وقت۔ (أَلَمْ نَجْعَلِ ٱلْأَرْضَ مِهَٰدًا ﴿٦﴾) آیا نہیں کیے ھمیں زمین گنوارا[40] جوں نہنو اواں[41] کا ہے۔ یو ذکر کرنا ہے تھوڑیاں باتاں کوں جو دیکھتے ہیں او خدا کے عجائب صفت تے یو اونو کوں سمجانے کے واستے اس کی کمال قدرت پر دلیل پکڑیں اس سے بعث کے درست ہونے پر۔ (وَٱلْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾) بولتا اللہ تعالیٰ آیا نہیں کیے ہمیں ڈونگراں[42] کوں میخاں زمیں کیاں یوں نا ہوتے تو ہلتی۔ (وَخَلَقْنَٰكُمْ أَزْوَٰجًا ﴿٨﴾) ھور کیا نہیں پیدا کیے ہمیں تمنا جوڑی جوڑی مرد عورت (وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾) ھور کیا نہیں پیدا کیے ہمیں تمارے سونے کوں توڑنا دیکھنے تے ھور ھلنے تے تمنا راحت حور آسودہ ہونے کے واستے۔ (وَجَعَلْنَا ٱلَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾) ھور کیا نہیں کیے ہمیں رات کوں پینہنا[43] اوھاں[44] پنی ہے اپنے اندھارے سوں جونکہ کپڑا ڈھانکتا ہے اپنے آنگ کوں۔ (وَجَعَلْنَا ٱلنَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾) ھور کیا نہیں کیے ہمیں دیس[45] کوں زندگانی[46] بدل[47] تا طلب کریں تیں زندگانی سیا نکو جونکہ کھانا پینا کپڑا (وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾) ھور کیا نئیں بنا کیا کیے ہمیں تمارے اوپر سات اسماناں گھٹ[48] کہ نہیں پورا نیاں ھوتیاں لئی[49] زمانے جانے سوں۔"

تفسیر تنزیل کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر سید بابا قادری نے سنہ 1147ھ میں لکھی۔ کتاب کے اختتام پر مؤلف نے خود اس کی تصریح کر دی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

"خدائے تعالیٰ نے جیسا کہ اس سورے (ناس) کے تیئں پانچ ناس پر تمام کیا اسی طرح اس تفسیر تنزیل کو بھی پانچ شخصوں پر تمام کیا۔ اول یہ تفسیر یعنے مصنف سید بابا قادری دوم حاجی میاں محمد علی سیوم محمد عبد الغفور خاں یہ دونوں اس امر میں بہت کوشش رکھتے تھے۔ چہارم محمد مسافر جوان صالح اور لائق خوش مزاج اور خوش نویس اور پنجم محمد واجد علی کہ یہ دو شخص تصنیف کے لکھنے والے تھے کہ خدائے تعالیٰ ان دو شخصوں کے لکھنے سے تفسیر تمام کروایا۔

خدائے تعالیٰ قرآن شریف کے تیئں حرف بے سے شروع کیا اور ختم قرآن کا حرف سین پر ہوا۔ ان دو حرفوں کے تیئں مرکب کرو تو لفظ بس کا حاصل ہوتا ہے یعنے ان دونو حرفوں کے بیچ میں جو تمام قرآن ہے بس کرتا ہے تیرے تیئں۔

(فرد) اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سیں
یعنے اندر وہ دیں رہبر تو قرآن بس

اور تصنیف بھی تفسیر کی پانچ سال میں تمام ہوئی کس واسطے کہ سن چالیس میں شروع ہوئی، اور سن سینتالیس میں تمام ہوئی، دو سال کامل ناغہ ہوئے۔ تمام شد تفسیر تنزیل بتاریخ بیست و پنجم شہر ذی قعدہ در سن یک ھزار یک صد و چہل و ھفت ھجر النبوی۔"

اس کتاب کی زبان صاف اور بارہویں صدی کے وسط کی زبان کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ زبان سے بظاہر یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ مصنف کس مقام کا ہے۔ چونکہ ایک آدھ لفظ کہیں کہیں دکنی کا آ گیا ہے اس لیے یہ خیال ہوتا ہے کہ دکن کا باشندہ ہے۔ تھوڑا سا ترجمے کا نمونہ یہاں دیا جاتا ہے:

"(فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ) کھول دیا ہم نے ان کے اوپر دروازا ہر شے کا یعنے جو اون کوں چاہا سو ملا۔ (حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟) تب تیں کہ وو خوش ھووے اوس چیز سیں کہ دی گئی۔ (أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً) پکڑے ہم نے اون کو یکایک۔ (فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾) پس یکایک وو پشیمان اور ناامید ہووے۔ (فَقُطِعَ دَابِرُ ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟) پس کاٹا گیا آخر اوس جماعت کا جنوں نے ظلم کیا تھا۔ (وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٤٥﴾) اور حمد خدا کوں ہے جو پروردگار عالم کا ہے۔ (قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ ٱللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَٰرَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ) کہو کہ دیکھتے ہو تم کہ اگر لیویں خدا تمہارے سننے کوں یعنی بہرہ کرے اور لیوے تمہاری آنکھوں کوں کہ اندھا کرے اور بہرا[50] کرے اوپر تمہارے دلوں کے کہ بے شعور کرے تو کون سا خدا ہے بغیر اوس کے کہ وو دیوے تم کوں یہ جو دیا ہے۔ (ٱنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ ٱلْءَايَٰتِ) دیکھو تم کہ کیسیاں پھیرتے ہیں ہم آیتوں کوں اون کے سمجھانے کے واسطے۔ (ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿٤٦﴾) پیچھے نہیں مانتے ہیں اور موں

---

39 پہلا
40 گہوارہ
41 بچوں
42 پہاڑوں
43 پہننا
44 وہاں

45 دن
46 معاش
47 واسطے
48 محکم
49 بہت

50 غالب کاتب کی غلطی ہے، "مہر کرے" ہونا چاہیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھیرتے ہیں (قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتَىٰكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً) کہو کہ کیا دیکھتے ہو تم کو آوے تمہارے پاس عذاب خدا کا یکایک یا ظاہر ہووے اوس کی ملامت۔ (هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٧﴾) نہ ہلاک کیے جائیں گے اوس وقت منے قوم ظالموں کا (وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ) اور نہیں بھیجے ہم نے پیغمبروں کوں (إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ) مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے۔"

اس عبارت میں صرف "منے" کا لفظ ایسا آیا جو دکنی ہے ورنہ باقی ساری عبارت ایسی ہے جس میں شمال و جنوب کی زبان کا مطلق کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ پوری تفسیر اسی زبان میں ہے۔

پارہ عم کی ایک تفسیر اور ہے۔ اس کا نام "خدا کی نعمت" معروف "مرادیہ" ہے۔ اس کے مصنف شاہ مراد اللہ سنبھلی ہیں اور سنہ تصنیف 1184 ہجری ہے۔ چنانچہ خاتمہ کتاب میں مصنف نے ان سب امور کی خود ہی تصریح کر دی ہے۔

" حمد اور شکر کا سجدہ لایق ہے سزاوار ہے پاک پروردگار کے تئیں جس خاوند نے اپنے فضل و کرم سے اور حضرت نبی ﷺ کے طفیل سے عم سپارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروا دی اور اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سنبلی قادری نقشبندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر توفیق بخش کر..... یہ خیر کا کام پورا کر دیا اور پھر اس تفسیر کا نام خدا کی نعمت مقرر کروایا۔ یہ تفسیر محرم کے مہینے کی چوبیس تاریخ جمعے کے دن اگیارہ سو چوراسی برس ہجری تمام ہو کر پچاسی شروع ہوا تھا جو تمام ہوئی۔"

یہ بڑی تقطیع کے 302 صفحوں پر ہے اور شہر ربیع الاول سنہ 1260 ہجری میں نستعلیق ٹائپ میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس سے قبل چھپی تھی۔ چنانچہ ناشر کتاب نے خاتمہ طبع میں یہ عبارت لکھی ہے:

" خاکسار سید عبداللہ ولد سید بہادر علی عفا اللہ عنہما نے صرف بہ نیت اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کی جزاء دے اور شاہ مراد اللہ رحمۃ اللہ کی روح مجھ سے خوش ہو جائے اس کتاب کی تصحیح کر کے چھپوایا اور غلطیوں کو رد کیا جس کو باور نہ ہو تو اگلے چھاپے کی کتاب سے مقابلہ کر کے دیکھے اور انصاف کرے۔"

تفسیر کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ متروک الفاظ خال خال ہیں اور وہ بھی بہت معمولی۔ مثلاً یہ (بجائے یہ)، وے (بجائے وہ)، اوپر (بجائے پر)، ہووے (بجائے ہو)، اندھیاری (بجائے اندھیرا)، اُن نے (بجائے اس نے) اور یہ اور اسی قسم کے اور لفظ ہیں جواب بھی بعض مقامات پر بول چال میں آتے ہیں۔ جملوں کی ساخت البتہ کسی قدر پرانی ہے۔ اس سے قبل جن کتابوں کا ذکر آیا ہے وہ برائے نام تفسیریں ہیں، در حقیقت ترجمے ہیں، تفسیر کی غرض سے کہیں کہیں ایک آدھ جملہ بڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں تفسیر شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے۔ اس کی زبان بارہویں صدی کے اواخر کی زبان کا اچھا نمونہ ہے۔ اس کی ایک عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے اس کی زبان اور جملوں کی ساخت وغیرہ کا اندازہ ہو گا۔

(وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿٥﴾)

اور مقرر شتاب عطا کرے گا دیو یگا بخشیگا تجھکو یا محمد پاک پروردگار تیرا پھر راضی ہووے گا تو وے وے نعمتیں خوبیاں بخشیگا تجکو یا محمد پیدا کرنے والا تیرا آخرت میں جو تو خوش ہو جاویگا، سب طرح کی فکریں جاتی رہیں گی تمام عالم کی شفاعت کا درجہ، مقام محمود، تمام امت کی شفاعت کا حکم، بہشت کی بڑی بڑی نعمتیں بے حد نہایت، ہمیشہ کا دیدار، ایسی بڑی خوبیاں تیرے واسطے رکھی ہیں۔ خاطر کو خوش رکھ، ان کافروں مشرکوں کے طعنے مارنے میں غمگین ناخوش مت ہو۔ کوئی دن میں بے سبب باتیں جاتی رہیں گی۔ تم کو خوشی ہمیشہ رہے گی۔ روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت رسول (ع م) خوش ہوئے اور فرمایا میں ایک آدمی کی بھی میری امت کے دوزخ میں رہنے کا راضی نہیں ہونے کا، یہ بات امت کے واسطے بڑی خوش خبری ہے۔ تھوڑے سے بہتایت ہے، پہلے حال سے آخر کا حال بہتر ہے۔ دنیا سے آخرت بہتر ہے۔"

ہندوستان کے نامور محدث اور عالم شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان نے جو دینی خدمات انجام دی ہیں وہ محتاج بیان نہیں، ان کا فیض سارے ملک کو پہنچا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے قرآن شریف کا ترجمہ فارسی زبان میں 1150ھ میں کیا جو بڑی خوبیوں کا ہے۔ ان کے فرزندوں میں سے مولانا شاہ رفیع الدین (متوفی 1249ھ) اور مولانا شاہ عبد القادر (متوفی 1242ھ) نے اردو زبان میں ترجمے کیے۔ شاہ عبد القادر کا ترجمہ بہت مقبول اور مشہور ہوا اور اب تک بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ٹھیٹ اردو میں ہے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کے لیے ہندی یا اردو کے ایسے برجستہ اور بر محل الفاظ ڈھونڈھ کے نکالے ہیں کہ ان سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ ترجمے کی زبان کے متعلق خود شاہ صاحب نے اپنے دیباچے میں صراحت فرما دی ہے:

" اب کئی باتیں معلوم رکھیے۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضرور نہیں کیونکہ ترکیب ہندی ترکیب عربی سے بہت بعید ہے۔ اگر بعینہ وہ ترکیب رہے تو معنی مفہوم نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہوا۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ صاحب نے یہاں ریختے اور ہندی متعارف میں جو فرق کیا ہے وہ قابل غور ہے۔ ہندی متعارف سے وہی زبان مراد ہے جسے آج کل ہندوستانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس ترجمے کے دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں۔

یہ ترجمہ 1205ھ (مطابق 1791ء) میں ہوا ہے یہ سلسلہ بھی خود شاہ صاحب ہی کا بتایا ہوا ہے۔ وہ دیباچے میں فرماتے ہیں "اس کتاب کا نام موضح القرآن ہے اور یہی اس کی صفت ہے اور یہی اس کی تاریخ ہے۔"

شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے کا سنہ صحیح معلوم نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس کا سنہ نہیں لکھا۔ مولوی عبد الجلیل صاحب نعمانی نے اس ترجمے کے ایسے الفاظ کی ایک فرہنگ شائع کی تھی جو آج کل استعمال میں نہیں آتے۔ اس کے دیباچہ میں وہ اس ترجمہ کا سنہ 1222ھ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ سنہ انہوں نے کہاں سے تحقیق کیا ہے۔ ایسی صورت میں وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سنہ درست ہے۔ عام طور پر مصنفین نے اس خیال سے کہ یہ شاہ عبد القادر سے عمر میں بڑے تھے ان کے ترجمے کو زمانے کے لحاظ سے مقدم رکھا ہے۔ لیکن یہ بھی محض قیاس ہے اور جب تک کوئی قطعی ثبوت نہ ملے اس کی صحت مشتبہ ہے۔ البتہ ایک بات ایسی ہے جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بعد کا ہے۔ شاہ عبد القادر نے اپنے ترجمے کے دیباچے میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ذکر تو کیا ہے لیکن اپنے بھائی کے ترجمے کا کہیں اشارہ نہیں کیا اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس وقت تک انہوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا تھا۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پہلی بار کلکتہ کے اسلام پریس میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ متن قرآن کے نیچے اردو ترجمہ نستعلیق ٹائپ میں ہے۔

یوں تو دونوں ترجمے لفظی ہیں لیکن شاہ رفیع الدین نے ترجمے میں عربی جملے کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے۔ ایک حرف ادھر سے اُدھر نہیں ہونے پایا۔ ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اردو زبان کے محاورے میں کچھ یا نہ کچھ انہیں کرنا ضرور ہے۔ شاہ عبد القادر کے ترجمے میں اس قدر لفظی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور اصل لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روز مرے اور محاورے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ دوسری خوبی ان کے ترجمے میں ایجاز کی ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ اس بات کو مد نظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں پورا مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے۔

ان دونوں ترجموں کا فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ رفیع الدین: شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے۔

شاہ عبد القادر: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اگرچہ شاہ عبد القادر نے جملے میں فعل نہیں لکھا کیونکہ اصل عربی میں بھی نہیں اور شاہ رفیع الدین نے فعل ترجمے کی خاطر داخل کی ہے تاہم شاہ عبد القادر کا ترجمہ زیادہ سلیس اور صاف اور فصیح ہے اور اصل عربی الفاظ کے زیادہ قریب ہے۔

اب پارہ الم کی ابتدائی آیتوں کے ترجمے دونوں ترجموں سے بالمقابل نقل کیے جاتے ہیں:

شاہ رفیع الدین: یہ کتاب نہیں شک بیچ اس کے۔ راہ دکھلاتی ہے واسطے پرہیز گاروں کے وہ لوگ کہ ایمان لائے ساتھ غیب کے یعنی بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور اس چیز سے کہ دیا ہے ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس چیز کے جو اتاری گئی ہے طرف تیری اور جو اتاری گئی پہلے تجھ سے۔ اور ساتھ آخرت کے وہ یقین رکھتے ہیں یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے اور یہ لوگ وہی ہیں چھٹکارا پانے والے۔ تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے برابر ہے اوپر ان کے کیا ڈرایا تو نے ان کو یا نہ ڈرایا تو نے ان کو نہ ایمان لائیں گے۔ مہر کی ہے اللہ نے اوپر دلوں ان کے اور اوپر کانوں ان کے اور اوپر آنکھوں ان کی کے پردہ ہے اور واسطے ان کے عذاب ہے بڑا۔

شاہ عبد القادر: اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔ راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو، جو یقین کرتے ہیں بن دیکھا اور درست کرتے ہیں نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں۔ انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے۔ وہ جو منکر ہوئے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ نہ مانیں گے۔ مہر کر دی اللہ نے ان کے دل پر اور ان کے کان پر ان کی آنکھوں پر ہے پردہ اور ان کو بڑی مار ہے۔

دونوں ترجموں کے مقابلے سے شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمے کی فوقیت ظاہر ہے۔ اول تو اس میں ایجاز ہے یعنی بلا وجہ کوئی لفظ اپنی طرف سے داخل نہیں کیا۔ دوسرے اردو روز مرہ اور جملوں کی ساخت کا خیال رکھا ہے۔ تیسرے (جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا ہے) ترجمہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریختے میں نہیں بلکہ " ہندی متعارف " یعنی ہندوستانی میں کیا ہے ۔ ان وجوہ سے ترجمہ زیادہ سلیس اور صحیح ہے ۔ مثلاً متقین کا ترجمہ بجائے پرہیز گاروں کے " ڈر والوں " کیا ہے ۔ یقیمون الصلوۃ کا ترجمہ " درست کرتے ہیں نماز " کیا ہے ۔ مفلحون کا ترجمہ " وہی مراد کو پہنچے " کیا ہے شاہ رفیع الدین نے اس کا ترجمہ " چھٹکارا پانے والے " کیا ہے ۔ اگر چہ یہ لفظ ہندی ہے لیکن شاہ عبد القادر کا ترجمہ زیادہ صحیح اور اصل سے قریب تر ہے اور اس سے اصل مفہوم بہتر طور پر سمجھ میں آتا ہے ۔ وہی جملوں کی ترکیب سو دونوں ترجمے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبد القادر نے اس کا زیادہ خیال رکھا ہے ۔ شاہ عبد القادر کا ترجمہ دوسرے ترجمے کے مقابلے میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کیوں سمجھی گئی۔

اسی زمانے (1206ھ) میں ایک تفسیر مع ترجمہ لکھی گئی جس کا نام تفسیر قرآنی موسومہ حقانی ہے ۔ اس کا ذکر جناب احسن صاحب مارہروی نے اپنی تاریخ نثر اردو میں کیا ہے ۔ اس کے مولف سید شاہ حقانی نبیرہ شاہ برکت اللہ مارہروی ہیں ۔ ترجمے کے ساتھ مختصر تفسیر بھی ہے۔یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔

نمونہ ترجمہ آیت آخر سورہ بقر پارہ 3

رنج میں نہ ڈالے گا خدائے تعالیٰ کسی کو مگر موافق طاقت اس کی کے ۔ اس کو ہے جو عمل کیا اور اوپر اس کے جو گناہ کیا ۔ اے پروردگار میرے عذاب مت پکڑ تو مجھ پر ، جو بھول جاؤں میں یا خطا کروں میں ۔ اے پروردگار میرے ، اور بوجھ مت دے تو اوپر میرے بوجھ بھاری ، جیسے بوجھ رکھا تو نے اوپر اس گروہ کے کہ پہلے تھے مجھ سے ۔ اے پروردگار میرے اور مت رکھ اوپر سر میرے کے بوجھ جو نہ اٹھا سکوں میں اور در گزر کر خطاؤں میری سے اور بخش تو گناہوں میرے کو اور رحم کر تو اوپر میرے ۔ تو ہے خداوند میرا ، پھر غالب کر تو مجکو اوپر قوم کافروں کے۔[51]

شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں قرآن پاک کے کئی ترجمے ہوئے ۔ شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمے بھی اسی زمانے کے ہیں ۔ ایک اور ترجمہ جو بادشاہ کے ایماء سے ہوا وہ دلی کے نامور طبیب حکیم محمد شریف خاں مرحوم کا کیا ہوا ہے ۔ یہ ترجمہ (قلمی) ہے اور مولانا ابو الکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اس کی زیارت نصیب ہوئی ہے ۔ فاضل مترجم نے ترجمے کے آخر میں جو عبارت تحریر کی ہے اس سے اس ترجمے کی کیفیت معلوم ہو گی ۔ وہ عبارت یہ ہے :

" للہ الحمد و المنۃ کہ این تفسیر سلاست تحریر حسب الامر ارفع اشرف اعلیٰ بادشاہ جمجاہ دیں پناہ .... السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان اسد المعارک و المغازی جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ ذرہ خاکسار بے مقدار حکیم محمد شریف خاں بن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خاں مرحوم شروع در تسوید و تحریر آں نمودہ بود ، بساعدت توفیق الٰہی و معاضدت اقبال شاہنشاہی در نیکو تریں از منہ و بہتریں اونہ زیب و زینت اختتام پذیرفت .... الحمد اللہ الذی توفیقہ تمت ہذہ التفسیر یوم الجمعۃ التاسع ن ذی القعدہ ید الحقیر حمد بدر الدین مفوض اللہ بن فیض اللہ ...."

کیا افسوس ہے کہ اختتام تفسیر کا دن اور تاریخ موجود ہے لیکن سنہ ندارد ۔ حکیم صاحب کا انتقال جیسا کہ حکیم محمد احمد خاں کی زبانی معلوم ہوا ہے 1216ھ (1801ء) میں ہوا ، اس سے ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ اس سے قبل کا ہو گا۔

حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں لیکن در حقیقت ترجمہ ہے ، البتہ موقع سے کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمے کی صراحت کے لیے بڑھا دیا گیا ہے جیسا کہ نمونے سے معلوم ہو گا۔

اس کی زبان شاہ عبد القادر مرحوم کے ترجمے کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے ۔ اردو زبان کی ترکیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے ۔ نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں بلکہ ریختے میں ترجمہ کیا ہے۔

الم کی ابتدائی آیات کا ترجمہ

میں ہوں اللہ بہت جاننے والا ۔ وہ کتاب کہ اگلی کتابوں میں وعدہ اتارنے کا تھا یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن کہ کچھ شبہ نہیں ہے بیچ اوس کے اللہ کی طرف سے آنے میں ۔ راہ دکھانے والی ہے پرہیز گاروں کو شرک سے اور گناہوں سے ۔ وہ پرہیزگار کہ ایمان لاتے ہیں بغیر دیکھے کہ اللہ موجود ہے یا ساتھ وحی کے اور قیامت کے یا قضا و قدر کے اور قائم رکھتے ہیں نماز پانچ وقت کی کو ساتھ شرطوں اور ادب کے اور جس چیز سے کہ روزی دی ہے ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں اوپر عیال کے اور فقیروں کے۔"

(اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم)

پناہ پکڑتا ہوں میں اور التجا کرتا ہوں میں ساتھ اللہ کے بدی شیطان وسواس دلانے والے کی سے کہ دور رحمت سے ہے اور نکالا گیا بہشت سے ۔ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) ۔شروع کرتا ہوں میں قرآن کو ساتھ نام اللہ لائق بندگی کے بہت بخشنے والا اوپر خلق کے وجود دینے سے دنیاں میں ، مہربان ہے اوپر اون کے آخرت میں۔

ترجمہ سورہ فاتحہ

51 تاریخ نثر اردو صفحہ 82

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو تعریف کہ اول سے آخر تک موجود ہے لایق واسطے اللہ کے کہ پالنے والا ہے تمام عالموں کو ، بخشنے والا وجود کا آخرت میں ، مہربان داخل کرنے کے بہشت کے سے ۔ مالک دن قیامت کے کا ، تصرف کرنے والا اوس دن جو چاہے گا کرے گا ۔ خاص تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں اوپر بندگی تیری کے ۔ دکھا تو ہم کو راہ سیدھی بیچ قول کے اور فعل کے اور اخلاق کے ، راہ اون آدمیوں کی ..... اور نہ راہ گمراہوں کی۔

سورہ یونس کی چند ابتدائی آیات کا ترجمہ

میں ہوں اللہ کہ دیکھتا ہوں سب چیز کو ۔ یہ آیتیں قرآن با حکمت کی ہیں یا محکم ہیں متشابہ نہیں ۔ آیا ہے واسطے آدمیوں کے تعجب یہ کہ وحی کی ہم نے طرف ایک مرد کے انہیں کی جنس سے یہ کہ ڈرا تو آدمیوں کو عذاب اللہ کے سے اور خوش خبری دے تو ان لوگوں کو کہ ایمان لائے ہیں یہ کہ واسطے اون کے ہے آگے آنا یا رضا (خوشی) خدا کی۔

شاہ عالم بادشاہ ہی کے عہد میں ایک اور ترجمہ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی سرپرستی میں ہوا ۔ بعض وجوہ سے یہ ترجمہ چھپ کر شائع نہیں ہونے پایا ۔ اس کے سر ورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

" ترجمہ قرآن شریف بزبان ہندی "

اس کے شروع میں تاریخ موافق سن ہجری کے تمام اس مصرع سے نکلتی ہے۔

صراط مستقیم الحق ہے بالکل (1218)

ترجمہ قرآن شریف کا ہند کے اہل اسلام کی خاطر سلطنت میں ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ اور حکومت میں زبدہ نو آئینان عظیم الشان مشیر خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان مار کوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام ظلہ کے ، حسب الحکم صاحب والا قدر عالیشان مدرس تفریق .... جان گلکرسٹ صاحب دام حشمتہ ، کے کیا اور ابتدا سے انتہا تک جو جو احوال گزرا ہے خاتمے میں لکھا ، اس کے مطالعہ کرنے سے تمام حقیقت معلوم ہو گی ۔"

جہاں تک اردو زبان کی ساخت اور ترکیب کا تعلق ہے یہ ترجمہ پہلے کے تمام ترجموں کے مقابلے میں زیادہ با محاورہ اور سلیس ہے ۔ اگرچہ الفاظ کی رعایت مد نظر رکھی ہے کیونکہ ایسے صحیفوں کے ترجمے میں اس کے بغیر چارہ نہیں ، تاہم حتی الامکان اردو کے روز مرہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور جملے کی ترکیب عربی کے نہج پر نہیں بلکہ اردو کے ڈھنگ پر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ترجمہ بغیر کسی دقت کے صاف صاف سمجھ میں آتا ہے۔

کاظم علی جواں جو فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھے اور جن کی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں ، اس ترجمے کی زبان کی اصلاح و درستگی پر مامور تھے ۔ انہوں نے آخر میں ایک خاتمہ لکھا ہے جس سے اس ترجمے کے آغاز و انجام اور اہتمام کی پوری کیفیت معلوم ہوگی ۔ خاتمے کی عبارت بجنسہٖ یہاں نقل کی جاتی ہے۔

" الحمد للہ و المنۃ کہ ماہ مبارک رمضان کی نویں تاریخ سنہ 1219 بارہ سے انیس ہجری میں پنج شنبے کے روز ظہر کے اول وقت قرآن شریف کا ترجمہ زبان ریختہ میں تمام ہوا ۔ شروع اس کی حسب الحکم صاحب عالی شان جان گلکرسٹ صاحب دام اقبالہ کے ذالحجہ میں کہ سن بارہ سے سترہ تھے ہوئی تھی ۔ مولوی امانت اللہ صاحب اور میر بہادر علی صاحب میر منشی اور احقر ترجمے اور محاورے کے لیے مقرر تھے اور چندے مولوی فضل اللہ کو بھی ارشاد حضور ہوا کہ تم بھی شریک ہو کہ بدون دو مولویوں کے یہ امر عظیم ترجمے کا بخوبی سر انجام نہ ہوسکے گا ۔ چنانچہ نام ان کا شروع میں مندرج ہے ۔ پانچ سیپارے جب ترجمہ ہوئے ، ایسی کچھ نزاع لفظی ان دونوں صاحبوں کے درمیان آئی کہ ان میں سے مولوی فضل اللہ صاحب رہے اور دوسرے صاحب کے عوض حافظ غوث علی صاحب مقرر ہوئے ۔ یہ دونوں بدستور ترجمہ کرتے تھے ۔ جب صاحب ممدوح ذیقعدہ کی دسویں تاریخ سن بارہ سے انیس (22 فروری سنہ 1804ء) میں ولایت کو تشریف لے گئے اور اصالتاً مدرسی کپتان سویٹ صاحب دام حشمتہ کو حضور پر نور سے مقرر ہوئی ، اسی طور سے موافق ان کے ارشاد کے کام ترجمے کا جاری رہا ۔ چنانچہ اس عرصے میں اکیس سیپارے ہوئے تھے کہ صاحب عالیشان نے بندے کو فرمایا مولویوں میں سے ایک مولوی ترجمہ کرے اور تو ہی محاورے کے درستی میں رہ ، قبول کرکے مولوی فضل اللہ صاحب ترجمہ کرتے رہے اور بندہ محاورہ کرتا رہا ۔ اور اب حق و سبحانہ و تعالیٰ کے تفضلات سے وہ کام سر انجام کو پہنچایا مگر نظر ثانی باقی ہے ، جس طرح سے ارشاد ہو گا کرنے میں آئے گی ۔ لیکن وہ لوگ جو ہمیشہ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کرتے ہیں ، ان کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ مہربانی سے نگاہ کریں ۔ قرآن شریف کہ کلام الٰہی ہے اور فصاحت و بلاغت ایسی کہ چشم و گوش فلک نے بھی دیکھی نہ سنی اور جس اثر میں کہ اس کا نزول ہوا ہے کیسے کیسے اہل عربستان میں تھے ، اس کی عبارت جو سراسر صنعتوں سے بھری ہوئی ہے اور تمام مسجع اور مقفا ہے ، نگاہ کر کے حیران تھے ۔ بشر کا کیا مقدور ہے کہ اس کے ایک حرف کی خوبی بیان کرے اور ایک زبان تو کیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر تمام روئے بدن کی زبان گویا ہوں دونوں جہاں کی جتنی خلقت ہے تو ذرے کے برابر مدح و ثنا نہ کر سکے ۔ الحق کہ کہاں کلام خالق کا اور کہاں زبان مخلوق کی ۔ پس جو صنائع و بدائع اس میں ہیں من و عن اس کا ترجمہ کس سے ہو سکتا ہے مگر فارسی ترجمے اور تفسیروں سے جس لفظ کو جو معنی مترجموں اور مفسروں نے لکھے ہیں ، زبان ریختہ میں اُن کے موافق لکھنے میں آیا ہے ، تفسیر بیضاوی اور مدراک و جلالین تین عربی تفسیریں ، بحر مواج اور تفسیر حسینی کہ یے دو فارسی ہیں ان سے ترجمہ کیا ہے ۔ جہاں کوئی جو کچھ اختلاف سمجھے انہیں پانچوں تفسیروں میں دیکھ لیں ۔ ایک نہ ایک میں موافقت پائی جائے گی ۔ اور کہیں کہیں جو الفاظ ماضی و حال و استقبال کے ہیں اور مفسروں نے ماضی کو حال اور حال کو استقبال کیا ہے ، یہاں بھی اسی طریق کی پیروی ہوئی ہے ۔ مگر جہاں کہیں زمانے کی مطابقت سے ہندی عبارت کے مطالب میں اختلاف نظر آیا ، چار و نا چار بطور محاورے کے رہنے دیا اور اگرچہ لفظ کے ترجمے کی رعایت سراسر رکھی ہے پر کہیں کہیں اصل مطلب لیا ہے کیونکہ لفظ کی متابعت سے معنوں کا فوت ہونا قباحت عظیم ہے ، اس بات کو ترجیح دی ۔ بہر نوع مطلب نہیں چھوٹا ، اس لیے محاورے کو چنداں دخل نہیں دیا کہ کتابی عبارت کا ادب روز مرے کی بول چال سے اور ہے۔

جزو مقطعات کا ترجمہ جو بالاتفاق نہ پایا نہ کیا ۔ اور مفعول مطلق ہندی میں شاذ و نادر ہے کہیں جو رہ سکا تو رکھا و الا نہ یا چھوڑ دیا یا لفظ تاکید زیادہ کیا کہ اس سے تاکید غرض ہے ۔ اور عربی میں التفات بہت سا ہے اور ہندی میں کم ، لیکن وہ قاعدہ رہنے دیا کہ وہ بہت بکرار ہے ۔ واو عاطفہ اور حرف ف اور وہ الفاظ کہ معنی میں تحقیق کے آتے ہی قرآن شریف میں بہت ہیں اور زبان عربی میں بہت فصاحت رکھتے ہیں ۔ ہندی میں گو کہ ان کی کثرت محاورے کی رو سے اس قدر نہیں لیکن ترک کرنا ان کا جائز نہ دیکھا ، اس سبب سے جس جملے میں جس قدر آئے ترجمہ کیا ۔ اور تمام کلام اللہ قلیل العبارت و کثیر المعنی ہے جتنے اہل اسلام کے فرقے ہیں سب کے دین و ایمان کی بناء اسی سے ہے ، اجتہاد کر کے ہر ایک اپنا اصل اصول یہیں سے راست کرتا ہے ۔ اور شان نزول ہر ایک آیت کی ہے ۔ اگر لکھنے میں آتی تو عبارت بہت طویل ہو جاتی ، اگرچہ بعض جگہ چاہا تھا کہ کچھ بیان کیجئے ۔ پہلے جس صاحب ممدوح کی فرمائش تھی انہوں نے ارشاد کیا کہ یہ ترجمہ کلام اللہ کا اگرچہ ہندی زبان میں ہے ہند کے لوگ بخوبی سمجھیں گے تاہم جب تک معلومات بوجہ احسن نہ ہو گی ، کیونکر مطلب کو پہنچے گے ۔ ہر ایک غبی کو کب یہ استعداد ہے کہ کتاب کی عبارت کا بیان گو کہ اس کی زبان میں ہو کر سکے ۔ یہ اہل فہم و ذکا کے لیے ہے کہ اگر آپ کماحقہ نہ سمجھ سکے کسی صاحب استعداد سے دریافت کرے ۔ یقین ہے کہ سچ کتابیں کی اس عصر میں عربی و فارسی سے ہندی ہوئی ہیں اور ان کے مطالب جس طرح چاہیے ہر ایک بیان نہیں کر سکتا ، یہ تو کلام اللہ کا ترجمہ ہے اس کو ہر ایک اس طرح کیونکر سمجھے کہ محتاج کسی استاد کے پوچھنے کا نہ ہو گا ۔ جہاں کہیں کے عالم و فاضل جس عبارت کو بخوبی سمجھتے ہیں اور جنہوں کو کم استعداد ہے وہ اس کی دریافت میں عاجز ہیں ، ان کی آسانی کے لیے بطور حاشیہ ایک خط فرضی کر کے مطلب کو بڑھا دیا ہے تو اس نشان سے معلوم ہو کہ یہ ترجمے سے جو زیادہ ہے ہندی زبان کے ربط کے لیے بڑھا دیا ہے ۔ پھر یہ اپنی طرف سے تصرف نہیں کیا ، تفسیروں کی رو سے ہے ۔ اور شروع ترجمہ میں خلقت نے اس بات میں بہت سی شورش کی تھی کہ بنا اس ترجمے کی ہوتی ہے نہایت دین و آئین سے بر خلاف ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی زبان میں ہوتا ہے ۔ آخرش جو اہل فہم اور فراست تھے انہوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے ۔ غرض کہ فضل الٰہی سے آغاز انجام کو پہنچا ۔ حق تعالیٰ انہیں اس کا بڑا اجر دے جنہوں نے اس کی ابتداء کی اور جنہوں نے انتہا کو پہنچایا ۔ اہل اسلام پر ان کا بڑا احسان ہے کہ جب تک کوئی صرف و نحو اور منطق و معقولات اور بہت سے علوم سے حاصل نہ کرتا ہرگز کلام اللہ کی عبارت کے معنی دریافت نہ کر سکتا ۔ مگر ترجمے جو فارسی اور فارسی تفسیریں ہیں ان سے معنی سمجھتا تو وقت پر یاد نہ رہتے ۔ یہ ان کا تفضلات ہے کہ برائے خود ایک ایسی کتاب ترتیب دی کہ جس سورت میں جس آیت کا ترجمہ چاہے پڑھ لے ۔ اور پہلے اس کی صلاح و مشورت بہت سی ہوئی ہے کہ ہر ایک صفحے پر کلام اللہ لکھا جائے اور اس کے مقابل دوسرے صفحے پر ترجمہ مثبت ہو ۔ لیکن صحت اعراب کے لیے یہ امر موقوف رکھا کہ ہر کتابت میں باوجود ہزاروں مقابلوں کے غلطی اعراب کی رہتی ہے ،اس کا تو منظور چھاپا ہے کیونکر غلطی نہ رہے گی اور جب کہ غلطی رہی یک زیر و زبر و پیش میں یا ساکن کرنے میں معنی لفظ کے اور ہو جائیں گے ، ترجمے کی مطابقت میں خلل عظیم واقع ہو گا ۔ ہاں جس کو یہ غرض ہو گی کہ قرآن کے جملے اور آیت و مطلق ترجمے سے مقابلہ کرے قرآن شریف بکثرت ہیں مقابلہ کرے گا ، چنداں دقت نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اس سرکار دولت مدار کو قائم رکھے کہ ان کی بدولت دین و دنیا کے امور بخوبی سر انجام پاتے ہیں، قیامت تلک نام نیک ان کا صحیفہ روزگار پر رہے گا۔

کاظم علی جوان نے یہ خاتمہ موافق ارشاد صاحب ممدوح کے لکھا ہے اور جو آغاز سے انجام تک حقیقت گزری ہے وہ سب اس میں مندرج ہے۔

یہ التماس ہے خدمت میں سب کے شام و سحر
امیدوار دعا ہے یہ بندہ مضطر"

ذیل میں بطور نمونے کے دو ایک سورتوں کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:

سورہ فاتحہ کا ترجمہ

خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا نعمت دینے والا ہے۔ ہر ایک حمد خدا کے لیے ہے کہ وہ مالک سب کا بخشنے ہارا، روزی دینے والا، خاوند روز قیامت کا ہے۔ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ دکھا ہم کو سیدھی راہ، ان کی راہ کہ جن کو تو نے نعمت دی نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔

الم کی چند ابتدائی آیتوں کا ترجمہ

یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں۔ راہ دکھانے والی ان پرہیزگاروں کی ہے جو بن دیکھے ایمان لائے ہیں اور نماز کیا کرتے ہیں اور جو کچھ کہ ہم نے روزی ان کو دی اس میں سے خیرات کرتے ہیں اور جو کہ ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو تجھے بھیجی گئی اور اس پر جو تجھ سے آگے نازل کی گئی اور قیامت پر وہی یقین لاتے ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں اور وہی مطلب کو پہنچیں گے۔ تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے انہیں برابر ہے خواہ تو ان کو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ خدا نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر کی ہے اور پردے ان کی آنکھوں پر ہیں۔ انہیں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

عہد شاہ عالم ہی کی یادگار "تفسیر چراغ ابدی" بھی ہے۔ اس کے مصنف عزیز اللہ بہرنگ اورنگ آباد دکن کے باشندے ہیں۔ سنہ تالیف 1221ھ ہے۔ یہ صرف آخری پارے کی تفسیر ہے۔ مولف نے دیباچے میں تفسیر کی ضرورت، زبان کی نوعیت، سنہ تالیف کی کیفیت وغیرہ کا ذکر وضاحت سے کر دیا ہے۔ اس کی نقل کر دی جاتی ہے تا کہ ان تمام امور پر بھی آگاہی ہو جائے۔

" اما بعد، عرض کرتا ہے دوستداروں سے، آشنائوں سے غمگساروں سے، زاویہ نشین کوچہ گمنامی و بے استعدادی، طالب منصب وارستگی و آزادی فقیر عزیز اللہ ابن میر عالم الحسینی القادری النقشبندی اورنگ آبادی المتخلص بہرنگ عفا اللہ عنہ و عن والدیہ و احسن الیہما و الیہ کہ جب دیکھا میں اکثر تفسیریں کلام اللہ کی زبان عربی اور فارسی میں واقع ہیں اور کم علمی بعض اہل ہند کی دریافت سے معنی ان کے مانع۔ اگر چہ بعض عزیزوں نے زبان دکنی ہندی آمیز میں تفسیر جز آخر کی لکھی ہے لیکن بہ سبب الفاظ دکھنی لطف زبان ہندی کا پورا نہیں پاتا اور دل یاروں کے واسطے مطالعہ اوس کے رغبت کم لاتا۔ اس واسطے خاطر قاصر میں اس فقیر کی آیا کہ تفسیر جز آخیر کی زبان ہندی میں کہ بالفعل اورنگ آباد کے لوگوں کا محاورہ ہے لکھے اور بعض فوائد کہ دوسری تفسیروں میں نہیں ہیں کتب معتبرہ سے جمع کر کے اس میں داخل کرے کہ عوام اس سے باوجود قلت بضاعت کے فائدہ تمام اٹھائیں اور اس حقیر کی دعائے مغفرت سے یاد دلائیں۔

تا اسے ہو وسلیہ عقبیٰ
اور سب کو مفید روز جزا

بعد تقدیم استخارے کے اور استعانت حضرت باری کے ہر سورہ کی فضیلت اور نفع اور تفسیر اور خاصیت اور خاتم اور تعبیر کو بعضی سورہ کی فضیلت اور خاصیت کہ مخصوص نماز کے اندر پڑھنے میں یا مخصوص آیت یا آیتوں میں تھی، تمام قید قلم لا کر اول تعوذ اور تسمیہ اور سورہ فاتحہ سے کہ سبب یمن اور برکت کا ہے، مناسب بوجھ کر شروع کیا اور واسطے نشانی کے اول حرف ایک سرخی سے علیحدٰہ لکھا اور اشارہ ان حرفوں کا اس قطعے میں کہا۔

قطعہ:

ف فضیلت کی نشانی عین سے ہے منفعت
اور صلوۃ و ختم کی ہیگی علامت صاد میم
خاصیت تعبیر کا ہیگا اشارا خ و ت
ہے امید ہرنگ کو حق سے سدا لطف عمیم

اور نام اس تفسیر کا "چراغ ابدی" (سنہ 1221) کہ سال تاریخ کا اس کے اسی کلمے سے نکلتا ہے، رکھا۔ توقع علمائے روزگار اور بلغائے ہر دیار سے اور تمام فضلائے اعصار اور فصحائے امصار سے وہ ہے کہ اگر اس میں سہو یا خطا کہ مقتضی بشریت کا ہے، پائیں تو قلم الطاف رقم سے اصلاح دیں اور راہ اعتراض اور اغماض کی نہ لیویں۔

قطعہ:

کاملوں سے توقع ہے ہرنگ
کہ توجہ سے ان کی ہووے فلاح
پاویں گر ہیچ اس کے سہو خطا
لطف اپنے ستی کریں اصلاح

ایک قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے جس سے تفسیر کا سنہ تالیف معلوم ہوتا ہے۔

قطعہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محنت اور کوشش بسیار سی اسے ہر رنگ
جب یہ تفسیر تمام ہوئی بعون صمدی
نام میں چاہا رکھوں ایسا کہ نکلے تاریخ
فکر کر دل نے اٹھا بول " چراغ ابدی "

اس میں ایک بات قابل غور ہے کہ مولف نے اورنگ آباد کی زبان کی علیحدہ حیثیت قرار دی ہے جس کا دکنی زبان سے تعلق نہیں ہے ۔ اور ہے بھی یہی کہ ابتداء سے اور خصوصاً شاہجہاں اور اورنگ زیب کی صوبہ داری میں اس کا تعلق زیادہ تر شالی ہند کی زبان سے رہا اور وہیں کے اہل زبان اور شعرا نے جو زبان لکھی ہے وہ حیدر آباد ، بیجا پور اور علاقہ مدراس کی زبان سے بالکل الگ ہے ۔ وہ زیادہ تر شالی ہند کی زبان کی تقلید کرتے ہیں۔

نمونہ تفسیر

(عم یتساءلون) کس چیز سے پوچھتے ہیں کافراں (عن النباء العظیم) پوچھتے بڑی خبر یعنی قرآن اور نبوت اور قیامت سے (الذي هم) ایسی دو خبر کہ کافراں (فیه) بیچ اس خبر کے (مختلفون) اختلاف کر نے والے ہیں ۔ یعنی قرآن کو ، جادو اور شعر اور کہانت سے نسبت دیتے ہیں اور نو پیدا اور کہانی بولتے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ اللہ الاکبر کو کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر ہے یا نہیں ، یا ساحر ہے یا شاعر یا مجنوں ، اور دن قیامت کا بعض کہتے تھے کہ ہو گا اور بتاں ہماری شفاعت کریں گے اور بعض کہتے تھے کہ دن قیامت کا ہرگز نہ ہو گا اور سوائے زندگی دنیا کی پھر اور زندگی نہیں ہے اور بعضے شک میں تھے کہ ہو گی یا نہیں ، حق سبحانہ تعالیٰ شانہ فرمایا (كلا سیعلمون) حقا کہ شابی ہے کہ جانیں گے کافراں دن قیامت کا نزدیک جان کندن کے اور مرنے کے ، وہ دن حق ہے واسطے ظاہر ہو نے نشانیاں اس دن کی بیچ اس وقت کے (ثم كلا سیعلمون) پیچھے تحقیق شابی ہے کہ جانیں گے دن قیامت کے جھوٹی باتیں اور اعتقاد پلید اپنے (الم نجعل الارض) آیا نہیں ہم نے کیا زمین کے تئیں (مهادا) فرش ایک بچھا ہوا کہ مکان رہنے کا تمہارے ہوے۔

بوجا چاہیے کہ اندر کرہ آب کے زمین مانند گیند کے پڑی ہے ایسے کہ آدمی سے زیادہ پانی میں غرق ہے اور آ ی سے کم باہر ہے اور جو کہ باہر ہے وہ دو قسم پر ہے۔ ایک قسم تو محض ویران ہے کہ نشانی معموری کی بیچ اس کے اصلا نہیں دوسری قسم معمور ہے کہ اسے ربع مسکوں کہتے ہیں اور اس میں دریائیں پہاڑیں اور میدانیں اور جنگلیں اور شہریں واقع ہیں اور مساحت اس کی ایک سو بیں برس کی راہ ہے ۔ اس میں سے نو د برس کی راہ تو یاجوج ماجوج جو فرزندوں سے یافت بن نوح علیہ السلام کے ہیں اور بارہ برس کی راہ عرب رہتے ہیں اور سات برس کی راہ تمام لوگ دوسرے ساکن ہیں ۔ امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح میں اس طرح کی تفصیل بعض کتابوں سے نقل فرمائی ہے اور یہی شرح مذکور میں لائے ہیں کہ زمین میں مخلوقات بہت ہے ، اتنی کہ بہ نسبت فرشتوں کے اور شیاطین کے اور جن بنی آدم کے ہزار میں کا ایک حصہ ہے۔

فائدہ : تفسیر بقائی میں لائے ہیں کہ زمین پانی پر ہے اور پانی مچھی اور مچھی تختے پر اور تختہ فرشتے کے سر پر اور فرشتہ بیل کے سر پر اور بیل مچھر پر اور مچھر کف پر دریا کے اور دریا ٹیری پر اور ٹیری دوزخ کے سر پر اور دوزخ اندھارے پر اور اندھارے کے نیچے سوائے خداے تعالیٰ کے کوئی جانتا نہیں ہے کیا ہے ۔ و اللہ اعلم و احکم (الجبال) اور نہیں کیا ہم نے پہاڑوں کے تئیں (اوتاداً) میخیں زمین کی تا بسبب ان کے زمین مضبوط رہے ۔ (و خلقنکم) اور پیدا کیا ہم نے تم کو (ازواجا) ہر طرح کے جوڑے نر مادہ تا کہ نسل تمہاری باقی رہے یا پیدا کیا ہم نے تمہیں طرح طرح کی کالی اور گوری دراز اور کوتی ، خوب اور ناخوب ۔ (و جعلنا) اور کیا ہم نے (نومکم) نیند کو تمہاری (سباتا) راحت بدن کی تمہاری کہ نیند حس حرکت کو موقوف کرے تا قوت حیرانی آرام پکڑے اور ماندگی تمہاری زائل ہو ے۔"

اسی عہد کی ایک اور تفسیر ہے ۔ یہ بھی پارہ عم کی ہے ، لیکن منظوم ہے ۔ اس کے مصنف مولانا شاہ غلام مرتضیٰ تخلص جنوں ہیں ۔ مصنف کے نام کی نسبت سے کتاب کا نام بھی " تفسیر مرتضوی " ہے ، میرے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے اور ایک مطبوعہ نسخہ جو سنہ 1259 ہجری میں نسخ ٹائپ میں چھپا ۔ مطبع کا نام مطبع طبی ہے جو مولوی عبد الماجد بن حکیم مولوی عبد المجید کا تھا ۔ لیکن عجب بات یہ ہے کہ مقام کا نام نہیں لکھا اور اس لیے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ مطبع کہاں تھا ۔ تصحیح اس کی " حافظ محمد صدیق صاحب اور مولوی محمد وجیہ صاحب مدرس مدرسہ کمپنی بہادر " نے کی ، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کلکتے میں ہوگا ۔ قلمی نسخے میں منظوم دیباچہ بھی ہے جو مطبوعہ نسخے میں نہیں ۔ اس دیباچے سے مصنف کا اتا پتا اور سنہ تصنیف معلوم ہوتا ہے ۔ اپنا نام کئی جگہ لکھا ہے :

سن غلام مرتضیٰ میرا ہے نام
تک سمجھ لیجو کہ ہوں کس کا غلام

مصحفی نے تذکرہ ریاض الفصحا میں ان کا ذکر ہے لیکن سوائے نام اور تخلص کے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ نہیں لکھا۔ اپنے مرشد کی تعریف میں بھی کچھ شعر لکھے ہیں۔

حضرت سید محمد تو ہے پیر
دونوں عالم میں میرا ہے دستگیر

اپنے والد کا بھی ذکر کیا ہے اور چند شعر ان کی خدمت میں عرض کیے ہیں۔

بیگماں اے شاہ تیمور ولی
علم ہے عالم میں تیرا منجلی
چاہیے ہو باپ کا بیٹا شبیہ
کیونکہ ہے الولد سر لابیہ

استاد کی بھی مدح کی ہے جن کا نام مولوی محمد برکت اللہ تھا۔

ہے میرا استاد فخر عالماں
مولوی برکت محیط بیکراں

اس کے بعد بادشاہ وقت شاہ عالم بادشاہ کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔

وارث تیمور و زیب تاج و تخت
شاہ عالم بادشاہ نیک بخت
کشور ہندوستاں کا شاہ ہے
حامیٔ دین رسول اللہ ہے

بادشاہ کے بعد وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کی مدح ہے:

آصف الدولہ وزیر مملکت
حامیٔ دیں ہے و شیر سلطنت
آصف وقت و سلیمان زماں
ہے سکندر بخت و دارائے جہاں

سبب تصنیف کتاب میں سنہ تالیف بھی بتا دیا ہے۔

سن تھا ہجری ان دنوں میں جان لے
یک ہزار و ایک سو چورانوے

تفسیر کا انداز ذیل کے نمونے سے ہوگا:

عم يتساءلون

اصل میں تھا عم عنا اے پسر
نون کیتیئیں کو میم پھر ادغام کر
کر الف کو حذف سن معنے بجاں
پوچھے ہیں کس چیز سے یہ کافراں

عن النباء العظيم الذي فيه مختلفون

اس خبر سے کہ بڑی ہے بے خلاف
کرتے ہیں سب جس میں باہم اختلاف
یا کتاب اللہ ہے نبا عظیم
قول شاعر جس کو کہتے ہیں لئیم
یا کہیں ہیں سحر یا ہے مفترا
نزد بعضے ہے کلام کبریا
یا محمد ہے کہ جمع مومنیں
اس کیتئیں کہتے ہیں ختم المرسلین
یا کہ ہے اس نبا سے محشر مراد
اس سے نہ آگاہ جز رب العباد

هولاء شفعاؤنا عند الله

حشر کو کہتے ہیں حق ہے مشرکاں
ہم کو بخشاویں گے پیش حق بتاں

ان هي الا حيوتنا الدنيا

منکران حشر کو کہتے ہیں ہنوز
نہ مگر یہ زندگی ہے چند روز

بل هم في شك منها

اور کہتے ہیں شک میں زاں نبا عظیم
کیونکہ ہوں گے زندہ یہ عظم رمیم
تا کہ رد ہو جائے قول نا صواب
یہ دیا کفار کو حق نے جواب

الم نجعل الارض مهادا

آیا یہ ہم نے کیا ہے خاک سے
فرش گسترده تمہارے واسطے
اور بچھائی ہے ہم نے پانی پر زمیں
مردہ اور زندوں کے رہنے کیتئیں

والجبال اوتادا

اور کیا کوہوں کو میخیں استوار
تا نہ کانپے اور زمیں پکڑے قرار

وخلقناكم ازواجا

اور تمہیں پیدا کیا ہے ہم نے جفت
اے نر و مادہ کو بے گفت و شنفت
یعنی زن اور مرد کو پیدا کیا
ایک کا دل ایک پر شیدا کیا
تا کہ ان دونوں سے پیدا ہو پسر
جیسے آب و خاک سے کشت و ثمر
بامراد ازواج سے ہے قسم قسم
مختلف در صورت و الوان و جسم

زبان صاف سیدھی ہے ۔ لیکن ایسی چیزوں کا ترجمہ اور وہ بھی نظم میں سراسر بے لطف ہو جاتا ہے۔

ایک صاحب سید بابا القادری متوطن حیدر آباد نے بھی ایک تفسیر لکھی ہے جس کا نام " فوائد البديهيه " ہے اصل میں یہ قرآن شریف کا ترجمہ ہے تفسیر برائے نام ہے ، کہیں ایک آدھ جملہ یا لفظ بطور تفسیر کے آ جاتا ہے خود مولف نے بھی اسے ترجمے ہی سے موسوم کیا ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہو گا ۔ یہ بھی شاہ عبد القادر کی طرح اپنی زبان کو ہندی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ سنہ تصنیف 1240 ہجری ہے ۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی میں موجود ہے ۔ آخری حصہ نہیں ہے ۔ اس کے خطبے (دیباچہ) میں اس کے مولف ، سبب تالیف اور سنہ تالیف کی صراحت موجود ہے ۔ خطبے کا وہ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

اما بعد فیقول الفقیر الحقیر بلا بضاعت سید بابا القادری الحیدر آبادی بن سیدی و مرشدی و علامۃ العصر الجامع بین العلوم الظاہر و الباطن و صاحب التصانیف ، فی العقول و المنقول و التصوف سید شاہ محمد یوسف القادری بن سید شاہ محمد اسکنہم اللہ الحبوبہ جنانہ انہ قد اخذۃ الخرقہ من اخی العینی حضرت شاہ عبد اللہ القادری المتعارف بہ قطبی صاحب نفعنا اللہ بہ و عمرہ الی کبر الاکبر روزے چند بتدریس و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعظ اشتغال داشت کہ بعضے از دوستان صمیمی سید لعل شاہ و سید قلندر بخش متوطن سرہند از اولاد حضرت بندگی اسمٰعیل قدس سرہ خصوصاً مرزا محمد بیگ بن مرزا حاجی بیگ خاں و میاں محمد علی باعث کہ شدن (؟) علمائے پیشیں علی قدانہم تفاسیر عربی و فارسی تالیف فرمودہ اند۔ الا کہ فہم مایاں مغلوب القصور از ادراک آں قاصر، باید کہ تفسیر بعنوان ترجمہ کلام مجید بزبان ہندی در تحریر آید کہ فائدہ وغیرہ از قصص مرتب الاحوال گردد۔ لہٰذا نظر وفور اشتیاق ایشاں نمودہ خواست کہ انچہ در فہم ناقص آید بزبان ہندی ترجمہ کلام ربانی و بعضے کلام شان نزول مفید بہ قلم آرد۔ لہٰذا متدعی از ناظران عالی فطرت آنست ہر جاکہ خطا و سہو واقع شود قلم اصلاح براں جاری دارند و از طعن معاف فرمایند۔ پس شروع کردم ایں کتابے فی شہر ذیقعدہ سنہ 1140 [52] اربعین و مائتین بعد الف الہجریہ المبارکہ۔ در عہد نواب مستطاب سکندر نژاد فریدوں عصر نواب سکندر جاہ بہادر ادام اللہ ملکہ و متع المسلمین بطول بقائیہ ... و نام نہادم تفسیر را " فوائد البدیہیہ "

ترجمے کا نمونہ یہ ہے :

(ذٰلک الکتاب) یہ کتاب یعنی قرآن شریف (لا ریب فیہ) نہیں شک ہے بیچ اس کتاب کے، اس کتاب کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مالک ابن ضیف یہودی تھا۔ مسلمانوں کے دل میں شک ڈالتا تھا کہ یہ کلام اللہ وہ کتاب نہیں ہے کہ جس کے نازل کرنے کا وعدہ خدائے تعالیٰ نے توراۃ میں کیا تھا، (ھدی للمتقین الذین) ہدایت کرنے ھارا ہے۔ یہ کلام اللہ واسطے پرہیز گاروں کے ایسے پرہیزگار (یومنون بالغیب) ایمان لاتے ہیں وہ لوگ ساتھ غیب کے یعنی کہ جو چیز کہ نہیں دیکھی۔ جیسا کہ جنت اور دوزخ اور سوائے اس کے۔ (یقیمون الصلوٰۃ) اور قائم کرتے ہیں نماز کے تئیں۔ (و مما رزقنھم ینفقون) اور اس چیز سے کہ رزق دیے ہم نے ان لوگوں کے تئیں خرچ کرتے ہیں وہ لوگ خدا کی راہ میں۔ (و الذین یومنون بما انزل الیک) اور ایمان لاتے ہیں اس چیز سے کہ نازل کیا گیا اوپر تمہارے یعنی توریت اور انجیل اور زبور۔"

پارہ عم کی ایک تفسیر سید شجاع الدین کی لکھی ہوئی ہے۔ خاتمے پر یہ عبارت ثبت ہے۔

" بعون عنایت الٰہی ایں تفسیر تصریح کہ سید شجاع الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بزبان میمنت ترجمان بیان فرمودند بتاریخ یاز دہم روز جمعہ شہر محرم الحرام 1248 ہجری مقدسہ اختتام یافت۔"

اگرچہ یہ سنہ کتابت ہے لیکن تالیف کا سنہ بھی یہی یا اسی کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ و تفسیر کا نمونہ یہ ہے (عم یتساءلون) کس چیز سے آپس میں ایک کو ایک پوچھتے ہیں کافر۔ پھر آپ ہی فرمایا (عن النباء العظیم) خبر بڑی سے کہ وہ قرآن ہے۔ (الذی ھم فیہ) ایسا قرآن کہ وہ کفار اس میں (مختلفون) اختلاف کرنے والے ہیں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ (کلا سیعلمون) تحقیق جلدی جانیں گے جب قیامت آئے گی کہ پیغمبر ﷺ سچے تھے اور قرآن خدا کا کلام تھا۔ (ثم کلا سیعلمون) پھر تحقیق جلدی جانیں گے کہ برا کیا ہم نے جو ایمان نہ لائے (الم نجعل الارض مھادا) آیا نہیں کہ ہم زمین کو بچھونا کہ اس پر سب ٹھہریں۔ (و الجبال اوتادا) اور پہاڑوں کو میخیں۔ جب زمین کو پیدا کیا تو وہ پانی پر ہلتی تھی پھر پہاڑوں کی میخیں اس پر رکھا تب زمین ٹھہری (و خلقنٰکم ازواجا) اور پیدا کیے ہم تمہیں جوڑے جوڑے کہ تم سے اولاد ہوئے بھانت بھانت کی جیسے کالی گوری اونچی نیچی بڑی۔ (و جعلنا نومکم سباتا) اور کیے ہم نیند کو تمہاری کہ بدن کو آرام پہنچے اور ماندگی دور ہوئے (و جعلنا اللیل لباسا) اور کیے ہم رات کو لباس کہ سب کو اندھارے سے ڈھانپے (و جعلنا النھار معاشا) اور کیے ہم دن کو وقت زندگی کا کہ اوس میں روزی پیدا کرو اور پھرو چلو پکاؤ کھاؤ۔"

سورہ فاتحہ کی ایک تفسیر اکرام الدین نے سنہ 1242ھ میں لکھی ہے۔ یہ نثر میں ہے۔ ختم مضمون پر سورہ فاتحہ کی فضیلت کا بیان ہے۔ دیباچے کی ابتدائی سطریں نقل کی جاتی ہیں جن میں مصنف نے تفسیر کے متعلق چند ضروری باتیں لکھی ہیں۔

" بندہ ضعیف حقیر کمترین اکرام الدین کہ اکثر مسلمان بھائی خصوصاً میر حسین علی نے رغبت دلائی اس بات پر کہ اگر سورہ فاتحہ کا زبان ہندی میں بیان ہو جاوے تو سب مسلمانوں کو اپنے ایمان کا دھیان ہو جاوے کیونکہ اس سورہ کا نام ام الکتاب ہے آخر رسالے میں اس ام الکتاب کی فضیلت کا بیان ہے اور اس مختصر کا نام تحفۃ الاسلام ہے۔ بارے الحمد للہ کہ یہ رسالہ سن بارہ سو بیالیس ہجری عشرہ محرم الحرام میں تمام ہوا۔"

پارہ عم کی ایک اور تفسیر بھی مجھے ملی جس کا سنہ کتابت 1254ھ ہے۔ یہ بھی ترجمہ ہے، کہیں کہیں بطور تشریح کے کچھ کچھ جملے اضافہ کر دیئے گئے ہیں۔ بطور نمونے کے شروع کی چند آیتوں کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

52 کاتب نے اصل کتاب میں غلطی سے 1204ھ لکھ دیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کس چیز سے سوال کرتے ہیں وہ کافر آپس میں پھر اپنے فرمائے۔ سوال کرتے ہیں وہ خبر تے کے بڑی ہے یعنی قرآن شریف اور نبوت اور قیامت سے۔ ایسی خبر عظیم کہ وہ کافر بیچ اس اختلاف کرنے والے ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ حق ہے کہ قریب جانیں کہ وہ جب قیامت آئے گی کہ پیغمبر سچے تھے اور قرآن حق تعالیٰ کا کلام تھا۔ پھر حق ہے کہ قریب جانیں گے وہ دن قیامت میں کہ برا کیا ہم نے جو ایمان نہ لائے۔ کیا نہیں کیے ہم نے زمین کے تئیں بچھونا تاکہ رہو تم اور پہاڑوں کے تئیں میخیں اور پیدا کیے ہم نے تمہارے تئیں جوڑے کہ تم سے اولاد ہوئے۔ اور کیے ہم نے نیند کے تئیں تمہاری آرام بدن کا تا ماندگی دن کی دور ہو۔"

اس کی زبان جیسا کہ اوپر کے نمونے سے معلوم ہوگا کہ دکنی ہے۔

ایک صاحب نے بعض سورتوں اور آیتوں کی تفسیر لکھی ہے۔ تفسیر برائے نام ہے زیادہ ترجمہ ہے اور ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب کا ہے۔ اس کا سنہ کتابت سنہ 1254ھ ہے۔

ایک اور تفسیر سورہ یوسف سے سورہ حج تک دستیاب ہوئی ہے۔ شروع کے دو چار ورق غائب ہیں۔ آخر میں نہ سنہ تالیف و کتابت ہے اور نہ مولف کا نام۔ زبان کسی قدر پرانی ہے مگر سلیس ہے۔ ایسی سلیس اور صاف کہ اگر دو چار ایسے لفظ جیسے لانڈکا (یعنی بھیڑیا)، اپرال (بمعنی اوپر)، کیلی (بمعنی کنجی) کہیں کہیں نہ آجائیں تو زمانے کے لحاظ سے اس کی شناخت مشکل ہو جائے کہ مصنف شمالی ہند کا ہے یا جنوبی ہند کا۔ ترجمے میں معروف عربی فارسی الفاظ بلا تکلف استعمال ہوئے ہیں۔ دو تین آیتوں کے ترجمے اور تفسیر کی نقل کی جاتی ہے۔

(قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾) کہا یوسف نے کہ میرے تئیں کر حکم کرنے والا زمین کے خزانوں کا، یعنی کاربار ممالک مصر کا مجھے سونپ۔ کہ تحقیق میں محافظت کرنے والا ہوں تیرے مالکوں اور خبردار ہوں امور ممالک میں۔ (وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ) جیسا کہ بادشاہ کوں مہربان کیا میں نے یوسف پر ویسا ہی مرتبہ دیا یوسف کوں زمین مصر میں۔ یعنی مقبول خلائق کیا بادشاہ کیاں۔ لاے ہیں کہ یوسف علیہ السلام ستر اور دو زبان جانتے تھے۔ بیچ تفاسیر معتبر مذکور ہے کہ بادشاہ نے تخت زر سرخ مرصع سیں اور بھانت بھانت کے جواہر لگے ہوئے واسطے یوسف علیہ السلام کے مقرر کیا، تاج مکلل اوپر سر اوس کے رکھ کر کیلیاں خزانے کیاں سوپ کر اختیار ملک کا بیچ ہات اس کے دیا اور عزیز کے تئیں کیا اور جو کام اس عزیز کے تھے عہدہ یوسف کے کیا۔ تھوڑے زمانے میں عزیز مر گیا اور بادشاہ التماس سیں زلیخا کوں بیچ عقد یوسف کے دیا اور حق سبحانہ تعالیٰ نے یوسف کے تئیں دو بیٹے دیا۔ (يَتَبَوَّأُ مِنْهَا) کہ تا جگا پکڑے زمین طے، یعنی زمین ملک مصر کے بیچ چالیس فرسخ کی عرض رکھتی تھی (حَيْثُ يَشَاءُ) جہاں چاہے زمین مصر میں سے (نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ) پہونچاتے ہیں ہم رحمت سیں جس کو چاہتے ہیں (وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾) اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکو کاروں کا۔"

بظاہر یہ تفسیر فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ جملوں کی ترکیب سے ظاہر لیکن ابتدا میں عام طور پر اردو زبان کا اور خاص کر ترجمے میں عبارت کا یہی ڈھنگ تھا چنانچہ جگہ جگہ "لاے ہیں" لکھا ہے جو "آوردہ اند" کا لفظی ترجمہ ہے۔

ایک تفسیر سورہ یوسف نظم میں حکیم محمد اشرف متوطن قصبہ کاندھلہ نے لکھی ہے۔ اس کا سنہ تصنیف سنہ 1268ھ ہے۔ طریقہ یہ رکھا کہ عنوان میں قرآن کی آیت ہے اور نیچے اس کا اردو ترجمہ نثر میں اس کے بعد نظم میں اس کی تفسیر بعض بعض مقامات کی تفصیل بہت طویل ہے۔ نظم رواں اور صاف ہے مگر فصیح نہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

(وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ) اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر اوس کا کھا گیا بھیڑیا اور تو آور نکرے گا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہوں۔

بٹھا ہم نے یوسف کو کپڑوں کے پاس
گئے دوڑتے سب کے سب بے ہراس
کہ اتنے میں بھیڑا اسے کھا گیا
یقین ہوگا تجھ کو کب اس بات کا
اگرچہ ہم آپس میں ہیں راست گو
دلے اس کو کب راست جانے ہے تو
یہ آیت کے منے ہوے ہیں بیاں
اب آگے سنو اس کی ہے داستاں
سنا جب کہ یعقوب نے یہ کلام
ہوا کام گویا کہ اس کا تمام
گرا کھا کے غش اور گیا دل دھڑک
غشی میں رہا شام سے صبح تک
لکن رونے اولاد اس کی تمام
کہا سب نے بھیجا ہوا ہم سے کام
کیا قتل بھائی کو اور باپ کو
گنہگار ہم نے کیا آپ کو
قیامت کو کیا دیں گے اس کا جواب
خدا جب کہ لیوے گا ہم سے حساب
یہ کہہ کر روتے تھے چھوٹے بڑے
اور آگے تھے یعقوب ان کے پڑے
جو دیتے تھے جنبش نہ ہلتے تھے وہ
کسی طرح سے نا سنبھلتے تھے وہ
کہا بعض نے ایک بادہ سے گم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا اس کا بیٹا یہ دیکھو ہو تم
عجب اس کی حالت ہے مرتا ہے یہ
نہ بولے ہے نے سانس بھرتا ہے یہ
وہ جس کی فقط ایک اولاد ہو
وہ مر جاتو پھر کیوں نہ برباد ہو

اس کے بعد ایک حکایت اسی مضمون کی بیان کی ہے۔

"تفسیر وہابی" پورے قرآن کی تفسیر ہے۔ مصنف نے تفسیر کے خطبے میں سبب تصنیف اور وجہ تسمیہ وغیرہ کا اظہار کر دیا ہے۔ خطبے کے اس حصے کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے:

" بعد حمد اور نعت کے کہتا ہوں کہ اس تفسیر کا نام تفسیر وہابی رکھا ہوں۔ اور اس تفسیر کے بنانے ھاوے کا نام عبد الصمد بیٹا نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبد الوہاب خاں بہادر نصرت جنگ کا فرزند[53]۔ ضعیف کے خاطر میں آیا کہ بہوت تفسیراں عربی اور فارسی ہیں لیکن دکنی تفسیر شاید کہ کم ہیں بلکہ نہیں ہیں۔ اس واسطے سب مرداں اور عورتوں کو قرآن مجید کے معانی معلوم ہو کر عالم کو فائدہ ہونے کے واسطے دکنی زبان سے بنایا ہوں۔ اگر کوئی عالم اور فاضل اس تفسیر کو پڑے تو کرم کی رہ سیں اس کے مطلب کی کمی اور زیادتی کو دریافت کر کر درست کریں اور مغفرت چاہیں۔ اور یہی التماس سب پڑھنے ھاروں کی خدمت میں ہے، چاہیے کہ اس تفسیر کے پڑھنے ھارے میری التماس قبول کر کر مہربانی کریں۔

آخر میں سنہ اور تاریخ ان الفاظ میں لکھی ہے۔

" فی شہر جمادی الثانی یوم السبت من عشرین ھذا اشہر سنہ ثمانین و سبع بعد الالف من ہجرۃ النبویۃ ﷺ "

سنہ 1078ھ جو اس میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

" ترک والا جاہی " سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ بہادر نصرت جنگ، امیر الہند والا جاہ کے برادر حقیقی تھے۔ امیر الہند والا جاہ کی ولادت سنہ 1235ھ میں واقع ہوئی۔ اس لحاظ سے یہ سنہ صریحاً غلط ہے۔ غالباً سنہ 1287ھ ہوگا۔ زبان بھی اس کی پرانی نہیں معلوم ہوتی بلکہ صاف ہے اور تقریباً ویسی ہی زبان ہے جیسی آج کل جنوبی ہند میں مروج ہے۔ نمونے کے لیے " سورہ قارعہ " کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

(اَلْقَارِعَةُ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قارعہ قیامت کے روز کو کہتے ہیں اور اس روز لوگاں ہول سے کہیں گے کہ قارعہ کیا ہے۔(وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندگان تم قارعہ کو کیا جانتے ہیں۔ (يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿٤﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿٥﴾) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک روز حشر کا ہے کہ اس روز تمام ادمیاں پتنگے کے مانند بکھرے جائیں گے یعنی پریشان ہوئیں گے اور پہاڑاں روئی کی مانند پنج جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے (فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿٦﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٧﴾) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کی نیکی کا وزن زیادہ ہوں گا او شخص نیک زندگی سے بہشت میں جاے گا۔(وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿٨﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿٩﴾) کے نیک عمل کا بوجھا ہلکا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ ھاویہ میں ڈالے گا اور ھاویہ بھی ایک دوزخ کا نام ہے۔ (وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿١٠﴾) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ھاویہ کیا چیز ہے کر کے تم جانتے ہیں۔(نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿١١﴾) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گرم آگ ہے یا جلانے ھاوی آگ ہے۔

ایک قلمی تفسیر سورہ کہف سے سورہ عنکبوت تک ہے۔ یہ بھی دراصل ترجمہ ہے البتہ کہیں کہیں تصریح کے لیے چند جملے اضافہ کر دیے گئے ہیں۔ زبان دکھنی ہے لیکن قدیم نہیں۔ نمونے کے طور پر سورہ قصص سے چند آیتوں کا درج کیا جاتا ہے:

(اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾) آیتاں ہیں کتاب ظاہر کی کہ ظاہر کرنے ھارا ہے راہ راست کے تئیں (نَتْلُوْا) تلاوت کرتے ہیں ہم (عَلَيْكَ) اوپر تمہارے اے محمد ﷺ (مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ) خبر سے موسیٰ اور فرعون کی (بِالْحَقِّ) سات راستی کے (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٣﴾) واسطے قوم جو ایمان لاتے ہیں (اِنَّ فِرْعَوْنَ) تحقیق فرعون (عَلَا فِي الْاَرْضِ) تکبر کیا بیچ زمین مصر کے (وَجَعَلَ) اور گردانا فرعون (اَهْلَهَا) لوگوں کے تئیں اوس مصر کے (شِيَعًا) گروہ گروہ اور ہر گروہ کے تئیں ایک کام مقرر کیا۔ (يَسْتَضْعِفُ) اور ضعیف کرتا تھا یعنی مقہور کیا (طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ) ایک گروہ کے تئیں اون بنی اسرائیل میں سے ( ) (يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ) ذبح کرتا تھا فرعون فرزندوں کے تئیں اون بنی اسرائیل کے ( ) (وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ) اور زندہ رکھتا تھا عورتوں کے تئیں اون کی واسطے خدمت قبطیوں کے ( ) (اِنَّهٗ كَانَ) تحقیق وہ فرعون تھا (مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤﴾) فساد کرنے ھاروں سے۔"

ایک تفسیر جو میاں شاہ مخدوم حسینی کی تالیف ہے مجھے دستیاب ہوئی لیکن آخر سے ناقص

53 یہاں "فرزند" کا لفظ کاتب نے غلطی سے بڑھادیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر لکھی تھی یا صرف چند پاروں کی ۔ مؤلف کا حال بھی کہیں نہیں ملا ۔ زبان سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ بھی تیرہویں صدی کی ہے ۔ ترجمے کے ساتھ کہیں کہیں تصریح کے لیے کچھ کچھ عبارت اضافہ کر دی گئی ہے ۔ ابتدا الم سے ہوتی ہے ۔ اس کی ابتدائی چند آیتوں کا ترجمہ مع تفسیر نقل کیا جاتا ہے ۔

(ذٰلِكَ) یہ وہ کتاب ہے کہ خداوند عالیشان دو کتابیں آگے کے ساتھ اتارنے اس کتاب کے وعدہ دیا تھا (الْكِتٰبُ) یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن مجید (لَا رَيْبَ) کچھ شک اور شبہ نہیں ہے ۔ (فِيْهِ) بیچ اس کتاب کے یعنی ظاہر ہونے سے حجت کے اور واضح ہونے سے دلیلوں کے یہ کتاب ساتھ اس مانند کے ہے کہ جو کوئی کہ بیچ اس کتاب کے ادنا فکر اپنی متوجہ کرے از شک خود کھڑے رہ جاوے اور جانے کہ شبہ کے تئیں بیچ اس کتاب کے طاقت اپنی کی نہیں ہے ۔ (هُدًى) دلالت کرنے والی اور راہ بتانے والی (لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾) خاص پرہیزگاروں کے تئیں ، کیونکہ یہ پرہیزگاراں ساتھ اوس کتاب کے فائدہ پائے ہوئے ہیں (الَّذِيْنَ) وہ لوگ کہ ساتھ نیے اعتقاد اپنے سے (يُؤْمِنُوْنَ) خواہش کرتے ہیں (بِالْغَيْبِ) ساتھ نہیں دیکھی ہوئی چیز کے ۔ وہ کون ہے یعنی حق تعالیٰ اور وہ کون یعنی فرشتے اور وہ کون ہے یعنی قیامت کا دن ساتھ علاقہ والے اس قیامت کے یا چھپا ہوا وحی ہے ۔ اور کہے ہیں مراد غیب سے قضا و قدر ہے کہ مسلمانوں نے ساتھ ان چیزوں غیب کے ایمان لاتے ہیں (وَيُقِيْمُوْنَ) اور قائم رکھتے ہیں اور ادا کرتے ہیں (الصَّلٰوةَ) نماز پانچ وقت کے تئیں ساتھ شرطیں اور ادبیں اس نماز کے یعنی واجبات اور مستحبات نماز کے ادا بخوبی کرتے ہیں ۔ (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ) اور اس چیز سے ساتھ ان متقیوں کے بخشش کیے ہم (يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾) نفقہ کرتے ہیں یعنی دیتے ہیں اوپر اہل اور عیال اور قرابتی اور ہمسایہ والے صاحب حق داروں کے ۔

یہ تفسیر بھی بعد کے زمانے کی ہے اس میں قدیم الفاظ کہیں نہیں آتے لیکن زبان دکنی ہے ۔ مثلاً چھینا چھونے کی جگہ استعمال کیا ہے ۔ اور اسما کی جگہ " ان " سے بنائی گئی ہے مثلاً لوگاں ، مایاں وغیرہ ۔ عبارت اکثر ناقص اور بے ربط ہے ۔

یہ ترجمے اور تفسیریں جن کا ذکر اس مقالے میں کیا گیا ہے تیرہویں صدی کے آخر تک کی ہیں ۔ ہر ایک کے ساتھ ترجمے یا تفسیر کا نمونہ بھی دے دیا گیا ہے تاکہ زبان کے اتار چڑھاؤ کی کیفیت معلوم ہوتی رہے ۔ پانچ کے سوا باقی سب قلمی ہیں ۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا
لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا
وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ
وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

" اور ڈرو اس دن سے
جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا ،
نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی
اور اس سے بدلے میں کچھ لیا جائے گا
نہ ہی اس کی مدد کی جائے گی۔"

(البقرۃ : 48)

منجانب: ایک اللہ کا بندہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد خان محمدی السندی
ملکانی شریف، بدین سندھ

قرآن پاک کے سندھی تراجم

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ آخری خطاب ہے۔ یہ خطاب (قرآن) بظاہر ایک کتاب ہے۔ لیکن ایک ایسی نعمت ہے کہ جب تک اس نعمت کا وجود قائم ہے تو اس سے اس دنیا کا وجود بھی قائم ہے۔ چنانچہ جناب حذیفہ بن یمان بیان فرماتے ہیں کہ

" اسلام ختم ہو جائے گا جس طرح کسی کپڑے کے نقش و نگار ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی بھی نہیں جانے گا کہ (دین کیا ہے) روزہ کیا ہے، نہ نماز کو جانے گا، نہ حج کو اور نہ ہی زکوٰۃ کو جانے گا، اور اللہ کی یہ کتاب ایک ہی رات میں (زمین سے) اٹھالی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس میں سے ایک آیت بھی زمین پر نہ ہو گی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا کا وجود اور بقاء بھی قرآن مجید کے باقی رہنے سے ہے۔

قرآن مجید ابدی و سرمدی تعلیمات کا مجموعہ ہے اور احکام خداوندی کا مآخذ بھی ہے جو ہر زمانہ میں پیدا شدہ مسائل کا حل کامیابی سے پیش کرتا ہے اور یہی قرآن مجید کا سب سے بڑا اعجاز ہے جس سے دوسری آسمانی کتب و صحائف محروم اور عاجز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دور رسالت سے لے کر آج تک مسلمانوں دینی علماء اور مشائخ عظام قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کرنا اور اس میں موجود نکات کو بیان کرنا اپنا نصب العین سمجھتے ہیں۔ جیسے جیسے اسلام کا ابدی پیغام جزیرۃ العرب کی حدود سے نکل کر غیر عرب اقوام اور عجمی علاقوں میں داخل ہو تو انہیں دین اسلام کے آفاقی پیغام خصوصا قرآن مجید کی وحی اور اس کے احکامات کو سمجھنے میں بہت دشواری پیش آئی تو اس کو اپنی اپنی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ کیونکہ یہ کتاب اسلام کا آئین، دستور اور شریعت مطہرہ کا منبع بھی ہے۔ اسے سمجھے بغیر اسلامی احکامات اور قوانین کا نفاذ ممکن نہیں۔ ایک اسلامی معاشرہ تو کیا ایک فرد کی اصلاح اور اسلامی طرز حیات و معاشرت کے لیے بھی قرآن مجید کا سمجھنا از حد ضروری ہے۔ انہیں وجوہات کی بناء پر ہر زمانے اور ہر خطہ کے متعدد علماء کرام نے اپنی مقامی زبانوں میں اس کے تراجم و تفاسیر کی کوشش کی ہے اور مستقبل میں بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ سرزمین سندھ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اسلام کے نور سے منور ہو چکی تھی۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ہاتھوں 31ھ کو دیبل (سندھ) کو فتح کیا۔ اور اس کے بعد وہ اپنی فتوحات کو آگے بڑھاتے رہے اور مفتوح علاقوں میں اسلام کے پیغام اور اس کی دعوت و تبلیغ خصوصا قرآن مجید کی تعلیم و تعلم عام کرنے کے لیے ان علاقوں میں تعلیمی مراکز اور مساجد تعمیر کروائیں۔ محمد بن قاسم نے سب سے پہلے دیبل میں مسجد کی بنیاد رکھی اور اسے تعمیر کروایا۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے الور (روڑ) کو فتح کیا اور لوگوں کو خراج ادا کرنے کا حکم دیا اور وہاں آپ نے مسجد بھی تعمیر کرائی۔ (فتوح البلدان: 427، بحوالہ خلافت امویہ اور ہندوستان از قاضی اطہر مبارکپوری: 373)

آپ نے بے شمار حفاظ قرآن و قراء اور مبلغین کو ان علاقوں میں دعوت و تبلیغ کے لیے مقرر کیے اس وقت اہل سندھ کو دین کی بنیادی تعلیم سکھانے کے لیے مقامی زبان خصوصا سندھی زبان میں کتابیں لکھی گئی ہوں گی۔ جن میں خاص کر قرآن مجید کا ترجمہ یا بعض سورتوں کا ترجمہ بھی شامل ہو۔ لیکن تاریخ اس معاملہ میں خاموش ہے۔ تاریخی لحاظ سے قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے میں یہاں کے علماء اور مبلغین نے بڑا علمی اور تحقیقی کام کیا ہے۔ جہاں تک قرآن کے تراجم کی روایت کا تعلق ہے تو اس کی ابتداء سب سے پہلے سندھی زبان میں ہوئی اور یہ ترجمہ تیسری صدی ہجری میں ہوا جو کہ ایک عراقی عالم نے کیا تھا، جو سندھ میں رہ کر سندھی زبان سیکھ چکے تھے اس نے یہ ترجمہ کیا۔

مشہور مورخ اور سیاح جناب بزرگ بن شہریار الرامہرمزی اپنی کتاب "عجائب الہند" میں لکھتے ہیں کہ 883ء / 270ھ میں الور (روڑ) کے ہندو راجا مہروک بن رائک نے منصورہ (سندھ) کے حکمران عبد اللہ عمر الهباری کو لکھا کہ اسلام کے عقائد و تعلیمات پر کسی اچھے عالم سے سندھی زبان میں ایک کتاب لکھوا کر بھیجے۔ عبد اللہ نے یہ کام ایک عراقی عالم کے سپرد کیا جو کہ کافی عرصہ سے سندھ میں مقیم تھے۔ وہ سندھی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ اس نے سندھی نظم میں کتاب لکھ کر راجا مہروک کو بھیجی۔ راجا نہ صرف اسلام سے متاثر ہوا بلکہ مصنف کے علمی مرتبہ سے بھی بے حد متاثر ہوا اور منصورہ کے حکمران عبد اللہ کو لکھا کہ عراقی عالم ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ عالم تین سال تک راجا مہروک کے پاس رہے اور 272ھ میں منصورہ واپس آئے۔ اس نے عبداللہ ہباری کو پوری صورتحال سے آگاہ کیا اور کہا راجا مہروک دل سے مسلمان ہو چکا ہے۔ لیکن مخالفین کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کر پا رہا ہے۔" (عجائب الہند ص3 طبع لیڈن 1886ء، بحوالہ تاریخ سندھ از مولانا ابوظفر ندوی ص 195)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ترجمہ کی ترتیب و املا کے متعلق وثوق سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تاہم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ یہی تھا اس طرح سندھی زبان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پہلی زبان ہے جس میں قرآن کریم کا ترجمہ ہوا۔ (برصغیر میں علم فقہ از محمد اسحاق بھٹی ص 47، کتاب سرائے لاہور)

عربی حکومت کے خاتمہ کے بعد سندھ پر کئی خاندان بر سر اقتدار آئے۔ مثلاً سومرہ خاندان، سمہ خاندان، ارغون، ترخان اور مغل حکمران خاندان وغیرہ، ان خاندانوں کے دور حکومت میں سندھ میں اسلامی علوم و فنون کے مراکز، مدارس و مکاتیب کا ذکر برصغیر پاک و ہند کی قدیم تاریخی تذکروں میں عام طور پر ملتا ہے۔ ان ادوار میں ضرور قرآن مجید کے تراجم پر کام کیا گیا ہو گا۔ لیکن افسوس ان ادوار میں لکھی گئی تفاسیر و تراجم کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ البتہ ارغون و ترخان دور حکومت میں سندھ کے ایک بزرگ عالم دین جناب مخدوم نوح ہالائی (متوفی 998ھ) نے باقاعدہ خالص قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ جو زمانہ کے انقلابات کے باوجود محفوظ رہا اور دستیاب ہے۔ (قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر، از ڈاکٹر عبد الرزاق گھانگھرو ص 28، مہران اکیڈمی شکار پور سندھ) مذکورہ قرآن مجید کو علامہ غلام مصطفی قاسمی (متوفی دسمبر 2003ء) کی سعی و کاوش سے سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد نے بسلسلہ جشن پندرہویں صدی ہجری 1401ھ میں شائع کیا یہ ترجمہ برصغیر پاک و ہند کے مشہور عالم دین اور مجتہد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی 1176ھ) کے ترجمہ سے بھی پہلے تالیف کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے ہم اس رائے میں حق بجانب ہیں کہ برصغیر میں فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا پہلا اعزاز بھی خطہ سندھ کو حاصل ہے۔ اس ترجمہ قرآن کے طبع ہونے سے پہلے عام طور پر اہل علم اور محققین میں یہ مشہور تھا کہ برصغیر میں سب سے پہلا فارسی ترجمہ قرآن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے۔ لیکن اب مخدوم نوح کے اس ترجمہ کی دستیابی اور طباعت کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ برصغیر میں پہلا ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے بھی تقریباً دو سو سال پہلے خطہ سندھ میں ہوا ہے (سہ ماہی مجلہ "فکر و نظر" اسلام آباد، برصغیر میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ از مولانا امیر الدین مہر، سال 1993 ص 3)

اس دور میں سندھ کے علماء میں ایک تحریک نے جنم لیا کہ اسلامی علوم و فنون کی تصانیف علاقائی اور مادری زبان سندھی میں کی جائیں تاکہ عام سندھی خواندہ طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے (کلہوڑا اور حکومت از ڈاکٹر محمد لاکھو ص 401 – 403، انجمن اتحاد عباسیہ پاکستان کراچی سال 2004ء) جب سندھ پر کلہوڑا خاندان کی حکمرانی کا دور شروع ہوا تو اس دور میں مقامی اور مادری زبان سندھی کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔ یہ دور سندھ کی تاریخ میں علمی، ادبی اور مذہبی نقطہ نگاہ سے نہایت اہم دور سمجھا جاتا ہے۔ اس دور کی جو قدیم دینی کتابیں اور لٹریچر موجود ہیں وہ سندھی زبان میں ہیں۔ مثلاً ابو الحسن ٹھٹوی (متوفی تقریباً 1165ھ) کی کتاب "مقدمہ الصلوٰۃ" قابل ذکر ہے جو قدیم سندھی نظم میں لکھی گئی ہے۔ ان کے بعد مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی (متوفی 1171ھ) اور دیگر بزرگوں نے بھی اس ضمن میں بڑا کام کیا ہے۔ اس کے بعد مخدوم ضیاء الدین ٹھٹھوی کے شاگرد رشید علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی (متوفی 1174ھ) نے بے شمار دینی کتابیں لکھیں۔ قرآن مجید کے تراجم کے کچھ نمونے اور ان کا حصہ پرانی سندھ رسم الخط میں موجود ہے۔ کلہوڑا دور حکومت کے بعد تالپور اور پھر انگریزی دور میں سندھی ایک مکمل زبان بن گئی۔ 1854ء میں انگریزوں نے موجودہ سندھی کو رسم الخط کی شکل دی جس کے بعد سندھی زبان میں تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ (تحقیق مجلہ علوم اسلامیہ بہاولپور، خصوصی اشاعت تراجم قرآن نمبر، قرآن مجید کے سندھی تراجم اور ان کی خصوصیات از عبد العزیز نہڑیو، سال 2008ء جلد 12، شمارہ 1، ص 223)

اس کے بعد قرآن مجید کے تراجم اور دینی کتب نثر و نظم کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ اب تک جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ برصغیر پاک و ہند میں قرآن مجید کے اردو تراجم کے بعد دوسرے نمبر پر جس زبان میں زیادہ تراجم ہوئے ہیں وہ سندھی زبان ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے کہ "اس وقت تک عربی زبان کے سب سے زیادہ قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر اردو میں ہیں۔ اس کے بعد سندھی زبان ہے جس میں دیگر زبانوں سے زیادہ تراجم اور تفاسیر ہیں۔ جن کی تعداد 67 ہے اور اس کے بعد فارسی کا نمبر آتا ہے۔" (دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور، 615/16/1)

در حقیقت یہ معلومات تقریباً نصف صدی قبل کی ہیں۔ اس کے بعد سندھی زبان میں قرآن مجید کے کئی تراجم، تفاسیر اور ان کی تلخیصات آ چکی ہیں۔ اس سلسلہ میں سندھی زبان میں قرآن مجید کے خالص سندھی تراجم پر جو کام اب تک ہو سکا ہے۔ اس کو اختصار کے ساتھ اس مقالہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے سندھی تراجم میں سے کچھ مکمل ہیں اور کچھ نا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکمل ۔ ان میں سے کافی مطبوعہ ہیں ۔ سب سے پہلے مکمل اور مطبوعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ ترجمہ قرآن مجید

مترجم میاں آخوند عزیز اللہ مٹیاروی (متوفی 1273ھ) ۔ قرآن مجید کے سندھی تراجم میں مکمل اولین ترجمہ میاں صاحب کا ہے ۔ موصوف ٹالپور دور حکومت کے بہت بڑے عالم اور فاضل تھے ۔ آپ کا تعلق سندھ کے مشہور شہر مٹیاری کے مشہور علمی خاندان سے ہے ۔ مولانا عزیز اللہ مٹیاروی سے پہلے قرآن مجید کے سندھی تراجم جتنے بھی دستیاب ہوئے ہیں ان کی نوعیت تفسیر کی ہے ۔ اس لیے ان کو فنی لحاظ سے تراجم میں شمار نہیں کیا جا سکتا ۔ آپ پہلے سندھی عالم ہیں جنہوں نے قدیم سندھی شاعری سے ہٹ کر خالص سندھی نثر میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے ۔ یہ ترجمہ بہت بڑا علمی کارنامہ ہے اور سندھی دینی ادب کی پہلی کڑی ہے ۔ ترجمہ تحت اللفظ ہے ۔ اس ترجمہ کو سب سے پہلے قاضی محمد ابراہیم نے 1257ھ میں گجرات سے لیتھو میں شائع کروایا۔ اس کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن 1293ھ میں عبد الصمد بن محمد مقیم نورنگ پوتہ نے بمبئی سے چھاپ کر تقسیم کیا اور اس کا تیسرا ایڈیشن بھی بمبئی سے 1320ھ میں شائع ہوا ۔ اس تیسرے ایڈیشن آخوند عزیز اللہ کے ترجمہ کے ساتھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فارسی ترجمہ شامل کیا گیا اور ساتھ حواشی پر آیات کا شان نزول بھی فارسی میں دیا گیا ہے جو کہ شیخ سعدی کی طرف منسوب ہے (مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور سال 2008ء، ص 82)

2۔ ترجمہ قرآن مجید

مترجم مولانا محمد صدیق نورنگ پوتہ (متوفی تقریباً 1319ھ) مولانا محمد صدیق بن مخدوم عبد الرحمن کا تعلق سندھ کے مذہبی و علمی خاندان مخدوم نور اللہ نورنگزادہ سے ہے ۔ تحصیل علم کے بعد بمبئی میں سکونت اختیار کی جہاں اپنا " مطبع حسینی " قائم کر کے دینی علوم خصوصاً سندھی کتابوں کی اشاعت کرتے تھے سال 1295ھ میں اپنے مطبع حسینی سے پہلی بار اپنے اس قرآن مجید کے سندھی ترجمہ کو شائع کیا ۔ فاضل مترجم ترجمہ کے ساتھ سندھی میں مختصر تفسیر و حواشی بھی لکھتے تھے ۔ ترجمہ میں عموماً جنوبی سندھ کے خطہ " لاڑ " کا لہجہ استعمال کیا گیا ہے ۔ سندھ میں یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا ، اس کی دوبارہ اشاعت 1312ھ اور تیسری بار 1317ھ مترجم کی زندگی ہی میں شائع ہوا ۔ ترجمہ لفظی ہونے کی وجہ سے نہایت ہی آسان اور دل کش ہے ۔ (تذکرہ مشاہیر سندھ از مولانا دین محمد وفائی ؟ جلد دوم ، ص 294 ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سندھ ۔ مقالات قاسمی از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی، ص 38 ، شائع کردہ نظیر احمد قاسمی)

3۔ ترجمہ قرآن مجید

مترجم مولانا سید تاج محمود امروٹی (متوفی 1348ھ) قرآن مجید کا یہ ترجمہ سندھ کی مشہور و معروف مذہبی اور روحانی شخصیت ، بلند مرتبت عالم دین اور اپنے دور کے مجاہد حضرت مولانا تاج محمود شاہ امروٹی صاحب کا ہے ۔ ان کی علمیت اور روحانیت سندھ اور بیرون سندھ میں بھی مشہور تھی لوگ دور دراز سے ان سے فیض حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے ۔مولانا خانوادہ سادات سے تعلق رکھتے تھے تحصیل علم کے بعد طریقت و سلوک کی طرف میلان ہوا تو حضرت مولانا محمد صدیق بھرچونڈی (متوفی 1308ھ) سے اکتساب فیض حاصل کیا اور ان سے بیعت بھی لی ۔ مولانا بھرچونڈی کی وفات کے بعد امروٹ شریف میں آکر مقیم ہوئے اور یہاں ایک دینی ادارہ کھولا جہاں طلبہ اور عام لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے ۔ مولانا امروٹی صاحب نے تحریک آزادی میں بھر پور حصہ لیا اور تحریک ہجرت میں بھی (تحریک آزادی میں سندھ کے علماء کا حصہ از ڈاکٹر مظہر الدین سومرو ، ص 286 ۔ 287 ، نقش پبلیکیشنز کراچی سال 2008ء)

مولانا تاج محمود امروٹی ایک فکری و انقلابی شخصیت کے حامل تھے ۔ان کی نظر میں مسلمانوں کی فکری و انقلابی تعمیر صرف قرآنی تعلیمات کو عام کرنے سے ہی ممکن تھی ۔ اسی وجہ سے آپ نے قرآن مجید کی تعلیم اور اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے قرآن مجید کی بعض سورتوں مثلاً سورۃ یاسین کا منظوم ترجمہ اور تفسیر بنام " تذکیر المومنین " اور اسی طرح سورۃ الرحمن کا بھی منظوم ترجمہ اور تفسیر بنام " نور الایمان فی تفسیر عروس القرآن " لکھا ۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کا سندھی زبان میں مکمل ترجمہ کیا ۔ مولانا امروٹی عربی زبان کے علاوہ سندھی زبان پر بھی دسترس اور مکمل عبور رکھتے تھے ۔آپ کے پاس امروٹ میں ایک بہت بڑا دینی کتب خانہ تھا ۔ جس میں مختلف علوم و فنون کے علاوہ قرآن مجید کے مختلف تراجم ، تفاسیر اور علوم القرآن کے موضوع پر وسیع ذخیرہ موجود تھا ۔ (مقالات قاسمی ، ص 40)

مولانا تاج محمود امروٹی نے قرآن مجید کا ترجمہ 1312ھ میں شروع کیا تھا ۔ مذکورہ ترجمہ کئی خصوصیات کا حامل ہے فصاحت ، بلاغت اور اتنا آسان و سادہ ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے ۔ یہ ترجمہ دیگر سندھی تراجم میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔ مولانا امروٹی کا یہ ترجمہ سب سے پہلے ان ہی کی زندگی میں بغیر عربی متن کے صرف مجرد سندھی ترجمہ کی صورت میں تین جلدوں میں

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1335ھ میں شائع ہوا اس کی دوسری طباعت مولانا امروٹی صاحب نے خود اپنے پریس محمود المطابع سے شائع کیا ، اس کے بعد یہ ترجمہ کئی مرتبہ مولانا احمد علی لاہوری (متوفی 1381ھ) کی کوششوں سے شائع ہوتا رہا ۔ یہ ترجمہ سندھ میں بہت مقبول ہے ۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا مشہور اشاعتی ادارہ تاج کمپنی اس کا نہایت خوبصورت ، اعلیٰ اور عکسی ایڈیشن مسلسل شائع کر رہا ہے ۔ اب حال ہی میں سعودی عرب سے شائع ہو کر سندھ میں تقسیم ہوا ہے (تحقیقی مجلہ علوم اسلامیہ بہاولپور ، خصوصی اشاعت تراجم قرآن نمبر ، 2008ء ص 85)

4- ترجمہ قرآن مجید و فرقان حمید

مترجم مولانا نور محمد عادلپوری (متوفی 1365ھ) مولانا نور محمد عادلپوری 1292ھ کو پیدا ہوئے ۔ تحصیل علم کے بعد کچھ تدریس کرتے رہے جب سندھ میں تحریک خلافت اور تحریک ترک مولات عروج پر تھی تو مولانا صاحب نے اپنی تدریسی عمل کو چھوڑ کر اس میں بھرپور حصہ لیا ۔ اس کے بعد پھر دوبارہ گھوٹکی شہر میں دینی مدرسہ " قاسم العلوم " (قائم شدہ 1333ھ) میں اپنے تدریسی عمل کو جاری کیا اور آخر دم تک اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے ۔ (ماہنامہ شریعت سکھر ، سوانح نمبر ، مولانا عبد الوھاب چاچڑ ، ص 31 ، سال 1981ء)

مولانا نور محمد عادلپوری مرحوم کا یہ ترجمہ با محاورہ اور عام فہم سندھی زبان میں ہے ۔ موصوف نے ترجمہ کے ساتھ مختصر حواشی اور تفسیری نکات بھی لکھے ہیں ۔ آپ نے ترجمہ کا کام 1346ھ میں شروع کیا تھا 1347ھ کو مکمل کیا ۔ ترجمہ تحت اللفظ نہیں ہے بلکہ جدید سندھی نثر کے اصولوں پر مبنی ہے ۔ مولانا کا تعلق کیونکہ شمالی سندھ سے ہے جس کے سبب سے ترجمہ میں اس علاقہ کے مروجہ سندھی الفاظ و اصطلاحات جا بجا نظر آتے ہیں ۔ اپنے دور کے حساب سے مذکورہ ترجمہ علمی اور لسانی خصوصیات سے پورے سندھ میں مقبول رہا ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 86 ، 2008ء)

5- ترجمہ قرآن مجید اور حواشی

مترجم مولانا عبد الرزاق قاضی (متوفی 1961ء) ۔ مولانا قاضی عبد الرزاق کا تعلق روہڑی کے ایک علمی خاندان سے تھا ، 1912ء میں مولانا عبید اللہ سندھی (متوفی 1944ء) کی ایک تقریر سے متاثر ہو کر علوم عصری کی تعلیم ترک کرکے مدرسہ دار الرشاد پیر جھنڈا (قائم شدہ 1901ء) میں پڑھنے چلے گئے ۔ جہاں سے سند فراغت حاصل کی ۔ تعلیم کی فراغت کے بعد سندھ مدرسۃ اسلامیہ میں کافی عرصہ تک خدمات انجام دیتے رہے ۔ جہاں آپ عربی ادب کے علاوہ فقہ بھی پڑھاتے رہے ، مولانا قاضی عبد الرزاق صاحب عربی ، فارسی اور سندھی کے علاوہ عصری علوم سے بھی آشنا تھے ۔ جس کے سبب آپ کی سندھی نثر میں پختگی اور روانگی خوب تھی ۔ آپ نے سندھی دینی ادب میں کئی کتب و رسائل تصنیف و تالیف کیے ہیں ۔ خاص طور پر ان کی خدمات قرآنی قابل ذکر ہیں ۔ (ماہنامہ شریعت ، سکھر ، سوانح نمبر ، ص 93 ، 1981ء)

مولانا قاضی عبد الرزاق موصوف نے قرآن مجید کے تین ترجمے کیے ہیں ان کا مختصر تعارف اور اشاعت کا ذکر درج ذیل ہے ۔

(۱) ترجمہ قرآن مجید و مختصر حواشی ۔

قاضی صاحب کا یہ ترجمہ اپنی طباعت کے لحاظ سے منفرد ترجمہ ہے ۔ جس میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور مختصر حواشی بھی شامل ہے ۔ ہر آدھے صفحہ پر عربی متن ہے اور اس کے نیچے ترجمہ دیا گیا ہے اور باقی نصف صفحہ پر آیات کا نمبر دے کر اس کی تفسیر اور علمی و فقہی توضیحات کی گئی ہیں اس سے پہلے جتنے بھی تراجم سندھی میں شائع ہوئے ہیں ان میں سے یہ پہلا ترجمہ ہے جس میں یہ انداز اپنایا گیا ہے ۔ اس کی کتابت خوش نویس جناب عبد الحلیم بلوچستانی نے کی ہے ۔ کتابت کا سال 1949ء درج ہے ۔ جس کے 926 صفحات ہیں مذکورہ ترجمہ با محاورہ ہے ترجمہ کرتے وقت قواعد صرف ، نحو اور لغت و املاء کا بہت خیال رکھا گیا ہے ۔ سندھی زبان اور انداز میں بہترین ترجمہ ہے ۔ کراچی کے مشہور اور قدیم مکتبہ عباسیہ کتب خانہ کراچی جونا مارکیٹ نے اسے شائع کیا ۔ (قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر ، عبد الرزاق گاگھرو ، ص 200)

(۲) قاضی عبد الرزاق صاحب نے قرآن مجید کا ایک اور ترجمہ بھی کیا تھا ۔ یہ ترجمہ موصوف سندھ کے مشہور صحافی ، ادیب ، مورخ اور نثر نگار محمد عثمان ڈیپلائی مرحوم (متوفی 1981ء) کے لیے کیا تھا ۔ محمد عثمان ڈیپلائی نے اس ترجمہ کی اصلاح کر کے جدید طرز پر دو کالموں میں اسے مرتب کیا ایک کالم میں قرآن مجید کے عربی متن کو رکھا جبکہ دوسرے کالم میں سندھی ترجمہ کو رکھا ۔ پھر اس ترجمہ کو اپنے پریس " عبرت پرنٹنگ پریس " سے " قرآن کمپنی " حیدر آباد کی طرف سے شائع کرایا ۔ یہ ترجمہ 442 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا سال طباعت معلوم نہیں ۔ مذکورہ ترجمہ پہلے ذکر کردہ ترجمہ کی نسبت مختلف نوعیت کا ترجمہ ہے ۔ سندھی عبارت کو ترجمہ میں گرامر کے اصولوں کے مطابق اور جدید نثر کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر کیا ہے ۔ جس کے سبب سے قرآن مجید کا یہ ترجمہ اپنی نوعیت اور خصوصیات کی بناء پر سندھ میں دینی ادب میں اہم مقام کا حامل ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور ، عبد العزیز نہڑیو ، ص 226، 2008ء)

(۳) مولانا قاضی عبد الرزاق صاحب مرحوم نے قرآن مجید کا تیسرا ترجمہ بھی کیا تھا۔ اس ترجمہ میں مرحوم قاضی صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی 1362ھ) کے اردو ترجمہ " بیان القرآن " کو سامنے رکھ کر کیا ہے ۔ اس ترجمہ پر بھی جو حواشی ہیں وہ بھی مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے حواشی کا سندھی ترجمہ ہیں ۔ یہ ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب لاہور کے تعاون سے کئی بار شائع ہوا ہے ۔ قاضی صاحب نے اس ترجمہ میں بھی قواعد و ضوابط کے علاوہ سندھی املاء کی طرف خوب نظر رکھی ہے اور وہ اس میں کامیاب رہے ہیں ، کیونکہ قاضی صاحب سندھ مدرسۃ الاسلامیہ کراچی کے استاد تھے درس و تدریس سے وابستگی کی بناء پر ان کی سندھی عبارت اور نثر نگاری میں پختگی آ چکی تھی ۔ اس کے 552 صفحات ہیں ۔ ان تین تراجم کے علاوہ قاضی صاحب نے قرآن مجید کی بعض سورتوں کا ایک الگ ترجمہ و تفسیر بھی لکھی ہے ۔ آخری عم پارہ کے اخیر ربع کی سورتوں پر ایک جامع اور مانع مختصر تفسیر بنام " معلم القرآن " اور اسی طرح سورۃ فاتحہ کی تفسیر " فتح الرحمان " کے نام سے لکھی ہے ۔(ایضاً ، ص 227)

6- ترجمہ قرآن مجید

مترجم مولانا عبد الرحیم گمبی ۔ مولانا گمبی مرحوم اپنے دور کے مایہ ناز عالم دین ، بہترین مدرس اور مفسر قرآن تھے ، حصول علم کے بعد 1990ء میں ان کے علمی مقام اور قابلیت کی بناء پر سندھ کے بڑی تعلیمی ادارہ " سندھ مدرسۃ الاسلامیہ " کراچی میں استاد کے طور پر تقرر ہوا جہاں عربی ادب ، فقہ اور دینیات پڑھاتے رہے ۔ مولانا گمبی سندھ مدرسۃ الاسلام میں تیس سال تک تدریس کرتے رہے ۔ (سندھ مدرسۃ الاسلامیہ کراچی کا سندھ کے علمی ، ادبی اور سماجی تاریخ میں حصہ از ڈاکٹر سید ممتاز حسین ص 173) مولانا عبد الرحیم گمبی درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے رہے ۔ تقریباً 22 کے قریب مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں ان میں سے اکثر مطبوع ہیں مولانا نے قرآن مجید کی خدمات پر بھی کافی کام کیا ہے ۔ کچھ سورتوں کے مختصر تفسیر ان کے تراجم کے علاوہ قرآن پر ان کا جو اہم کام ہے وہ قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ ہے ۔ یہ ترجمہ بڑی تختی کے سائز میں صابر الیکٹرک پریس لاہور سے شیخ عبد العزیز عرب نے 1940ء میں شائع کرایا۔ اس ترجمہ کے شروع میں مترجم کا نام درج نہیں صرف یہ مرقوم ہے کہ ترجمہ سندھ کے مستند علماء کی جماعت سے تیار کیا گیا ہے (تحقیق مجلہ علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 87) اس ترجمہ قرآن کے متعلق علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی (متوفی 1424ھ/2003ء) نے اپنے ایک مقالہ میں یوں وضاحت کرتے ہیں کہ " عباسیہ کتب خانہ کراچی کے مالک عبد الرسول صاحب کے توسط سے انہیں معلوم ہوا کہ اس قرآن مجید کے مترجم جناب مولانا عبد الرحیم گمبی ہیں ۔ (سہ ماہی " مہران "، قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر ، 1980ء شمارہ 1 - 2 ، ص 150) اس ترجمہ کے ساتھ دو ترجمے اور بھی شامل ہیں ۔ ایک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فارسی ترجمہ اور دوسرا ترجمہ ان کے لائق فرزند شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی 1233ھ) کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے ۔ اس طرح اس ترجمہ شدہ قرآن مجید میں تین ترجمے شامل ہیں اور اسی حاشیہ پر شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (متوفی 1239ھ) کی تفسیر " موضح القرآن " کو سندھی زبان میں ترجمہ کرکے اس میں شامل کر دیا گیا ہے ۔ سندھی ترجمہ با محاورہ عام فہم اور دلکش ہے اور سندھی املاء اور نثر بھی خوب ہے ۔ جس سے مولانا گمبی کی علمی قابلیت اور سندھی نثر میں مہارت معلوم ہوتی ہے ۔ اس ترجمہ کے 656 صفحات ہیں ۔ 2003ء میں سندھیکا اکیڈمی کراچی نے اس کا جدید ایڈیشن اعلیٰ معیار کے ساتھ شائع کیا ہے (مجلہ علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 87)

7- ترجمہ قرآن مجید (مترجمہ مقتدر و مستند کمیٹی علمائے سندھ)

قرآن مجید کا یہ ترجمہ مقبول عام کتب خانہ فریر روڈ سکھر سے شائع شدہ ہے ۔ اس کا مترجم نا معلوم ہے کسی کا نام درج نہیں ، اس پر صرف اتنا لکھا ہوا ہے کہ " اس ترجمہ کو سندھ کے مستند و مقتدر علماء کے ایک بورڈ (کمیٹی) نے اپنی نگرانی میں ترجمہ کرایا ہے (قرآن پاک مترجم ناشر مقبول عام کتب خانہ سکھر) ترجمہ با محاورہ سادہ اور عام فہم ہے ۔ ترجمہ کرتے وقت صرفی ، نحوی اور الفاظ کی لغوی معنیٰ کا خاص خیال رکھا گیا ہے ۔ جس سے اس ترجمہ میں فصاحت و بلاغت اور سندھی نثر اور املاء کی تمام خوبیاں موجود ہیں ۔ اس ترجمہ کو سندھ کی عوام اور علماء نے قبولیت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اپنے دور میں مقبول رہا ہے ۔ غلام مصطفیٰ قاسمی مرحوم اپنے ایک مقالہ میں تحریر کرتے ہیں کہ " قرآن مجید کا یہ ترجمہ علامہ شیخ عبد العزیز عرب کے شائع شدہ ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے ، علامہ عبد العزیز عرب اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور عربی کے ماہر تھے ۔ قرآن مجید پر بہت عبور حاصل تھا ۔ ان کا شمار علمائے عظام میں ہوتا تھا ۔ علامہ صاحب نے قرآن مجید کے کئی سندھی تراجم کی تصحیح بھی کی تھی ۔ (سہ ماہی " مہران " حیدر آباد ، مضمون

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر ، ص 150 ، 1980ء شمارہ 1 ، 2 ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد بحوالہ قرآن کے سندھی تراجم و تفاسیر از عبد الرزاق گھانگھرو ، ص 198)

قرآن مجید کے اس ترجمے کو ہم علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی مرحوم کی رائے کے مطابق مذکورہ ترجمہ علامہ عبد العزیز عرب کا ہے ۔ علامہ موصوف عبد العزیز عرب شیخ کے نام سے مشہور تھے ۔ دراصل نجد کے رہنے والے تھے ۔ کافی عرصہ سندھ میں رہے ۔ ان کی مادری زبان عربی تھی ۔ عربی النسل ہونے کے سبب سے ان کی عربی انتہائی فصیح و بلیغ تھی ۔ اس کے علاوہ سندھی زبان کے بھی وہ ماہر تھے ۔ سندھ میں رہ کر دعوت و تبلیغ اور مناظرے وغیرہ بھی کیے تھے ۔ (ضلع تھرپارکر سندھ کے مشہور گاؤں ڈونجھ میں 1943ء میں جو تاریخی مناظرہ ہوا تھا اس میں بھی علامہ شیخ عبد العزیز عرب موجودین کی طرف سے مناظرین میں شامل تھے ۔ دیکھیے کتاب " مناظرہ ڈونجھ " مطبوعہ 1404ھ) علامہ موصوف حدیث نبوی کے بہت بڑے عالم اور اس پر صحیح معنیٰ میں عامل تھے۔

قرآن مجید کے اس سندھی ترجمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اکثر سندھی تراجم میں توضیح کے لیے زائد الفاظ کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے جبکہ مذکورہ ترجمہ میں اصل عبارت و الفاظ کو قائم رکھتے ہوئے زوائد الفاظ سے گریز کیا گیا ۔ مجموعی طور پر یہ ترجمہ عام فہم اور آسان ہے ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور، 2008ء ، ص 229)

8- ترجمہ قرآن مجید

مترجم مولانا محمد مدنی رحمہ اللہ (متوفی 1399ھ/1978ء) قرآن مجید کا یہ ترجمہ سندھی کے مایہ ناز عالم دین ، کامیاب مدرس ، قرآن و حدیث اور علوم عربیہ کے ماہر مولانا محمد مدنی کا ترجمہ شدہ ہے ،مولانا مدنی نے ایک ہندو گھرانے میں جنم لیا ۔ اسلام اور قرآن مجید سے بچپن سے ہی محبت اور چاہت ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا ، اسلام قبول کرنے کے بعد بچپن ہی میں حرمین شریفین چلے گئے اور وہیں تعلیم حاصل کی ۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ مسجد الحرام مکہ مکرمہ میں تدریس کرتے رہے ۔ مولانا مدنی اپنے استاد مولانا عبید اللہ سندھی کے مشورہ سے سندھ واپس آ گئے جہاں آپ مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے مثلاً مدرسہ دار الرشاد پیر جھنڈو ، سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی اور مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی (قائم شدہ 1325ھ) وغیرہ مولانا صاحب سندھ مدرسۃ الاسلام میں جب پڑھاتے تھے تو ان کو قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ جس کے لیے وہ عربی ، فارسی ، تفاسیر ، علوم قرآن ، اصول تفسیر اور لغت کی کتب کا مطالعہ بڑے شوق اور گہرائی سے کرتے تھے ، مولانا نے قرآن مجید کا ترجمہ بڑی محنت ، ذوق اور شوق سے کیا ہے ۔ ترجمہ بڑی جانفشانی اور جدید طرز پر با محاورہ انداز میں کیا ہے ۔ ان کے ترجمہ میں روانی ، تسلسل اور سندھی الفاظ کے محاورہ کی رعایت کا خوب خیال رکھا گیا ہے ۔ تاکہ کوئی بھی لفظ ترجمہ سے خالی نہ رہ جائے ۔ مولانا مدنی کے سندھی ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیوں اور خصوصیتوں سے آراستہ ہے ۔ ترجمہ میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ جدید نثر نگاری کا اعلیٰ نمونہ اور اس میں سندھی عبارت اپنے مٹھاس سے عیاں ہے ، اور سندھی اصطلاحات و محاورات کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے ۔ مولانا مدنی مرحوم کا ترجمہ سب سے پہلے پاروں کی شکل میں الگ الگ طبع ہوا ۔ اس کے بعد 1376ھ میں اس ترجمہ کو جدید انداز میں مکمل کتابی شکل میں ایجوکیشنل پریس کراچی نے شائع کیا ۔ جو کہ 720 صفحات پر مشتمل ہے ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 91، 2008ء)

مولانا مدنی کے اس ترجمہ کے شروع میں ان کے داماد اور شاگرد رشید مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کا عالمانہ اور محققانہ مقدمہ بھی دیا گیا ہے اور ساتھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی " تفسیر فتح الرحمن " کے فارسی مقدمہ کا سندھی ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ جس سے مذکورہ ترجمہ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے ۔ نیز حاشیہ پر تفسیر فتح الرحمن کا سندھی ترجمہ بھی مولانا قاسمی صاحب نے شامل کر دیا ہے ۔ مولانا مدنی کا یہ ترجمہ موجودہ دور کے سندھی تراجم میں نہایت اعلیٰ ، معیاری اور فنی لحاظ سے بہترین ترجمہ ہے۔(ایضاً ، ص 228)

9- ترجمہ قرآن مجید

مترجم شاہ نواز پیر زادہ رحمہ اللہ (متوفی 1974ء) اس قرآن مجید کے لائق مترجم کوئی مستند عالم دین نہیں تاہم عصری علوم میں اعلیٰ پائے کے تعلیم یافتہ تھے ۔ حاجی شاہ نواز پیر زادہ کا سندھ کے شہر کنڈیارو سے تعلق تھا ۔ 1889ء میں ان کی ولادت ہوئی ۔ 1910ء میں شکار پور ہائی اسکول سے میٹرک اور 1914ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا ۔ 1918ء میں بمبئی یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی ۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد تدریس کے میدان میں آئے انگریزی کے استاد کے طور پر ان کا تقرر ہوا ، 1925ء میں حیدر آباد سندھ سے " سیاست " کے نام سے اپنا ایک اخبار جاری کیا ۔ 1951ء میں سندھ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۔ حاجی شاہ نواز کی زندگی کا زیادہ حصہ نواب شاہ میں گزرا ۔ (قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر عبد الرزاق گھانگھرو ص 184) حاجی صاحب نے سندھی زبان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و ادب کی بڑی خدمت کی ہے ۔ نہایت ہی عمدہ اور معیاری کتب سندھی زبان میں تصنیف و تالیف کی ہیں ۔ جن کی تعداد 41 کے قریب ہے اور وہ تمام کی تمام نثر میں ہیں ۔ حاجی شاہنواز پیر زادہ مرحوم نے قرآن مجید کا ایک سندھی زبان میں ترجمہ بنام " آلاھی آواز جو آلاپ " دو حصوں میں کیا تھا اور یہ ترجمہ بغیر عربی متن کے ہے ۔ پہلے حصہ میں شروع کے پندرہ پاروں کا ترجمہ ہے جبکہ دوسرے حصہ میں پندرہ پاروں کا ترجمہ دیا گیا ہے ۔ یہ ترجمہ سب سے پہلے 1947ء میں چندن پرنٹنگ پریس حیدر آباد سے جناب دیوان کرم چند ایک ہندو بنیے نے شائع کرایا ۔ یہ ترجمہ کراون سائز کے 520 صفحات پر مشتمل ہے ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 88 ، 2008ء) آزادی کے بعد قرآن مجید کے سندھی تراجم میں قرآن مجید کا یہ اولین ترجمہ ہے حاجی صاحب نے اس کے ابتداء میں ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں برصغیر پاک و ہند میں انگریزی حکومت کے خاتمے کے بعد سندھ میں آنے والی تبدیلیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے قرآن تعلیم اور اس کی معنی اور مفہوم کی افادیت پر زور دیا ہے اور باثر لوگوں کے حالات اور ان کے ذہنوں کو خوب جھنجوڑا ہے ۔ اس میں ان لوگوں کی اصلاح کا واحد ذریعہ قرآنی تعلیم کو قرار دیا ہے ۔ اس اہمیت کے پیش نظر انہوں نے قرآن مجید کا مذکورہ ترجمہ با محاورہ سندھی نثر میں کیا ہے ۔ (الاھی آواز جو الاپ ۔ مقدمہ شاھنواز پیر زادہ ، جلد اول ، ص 10 - 11 ، چندن پرنٹنگ پریس حیدر آباد سندھ سال 1947ء)

حاجی صاحب کا یہ ترجمہ با محاورہ شستہ زبان میں ہے ۔ سندھی عبارت کو انتہائی کمال مہارت اور بڑی قابلیت سے شروع سے آخر تک استعمال کیا ہے ۔ ترجمہ میں سندھی محاورے اور اصطلاحات کا خوب استعمال کیا ہے ۔ موصوف نے اپنے اس ترجمہ میں شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اردو ترجمہ سے کافی مدد لی ہے آیتوں کا نمبر دے کر آخر میں ان پر توضیحی نوٹ بھی لکھے ہیں جن کا انداز تفسیری ہے ۔ اکثر مقامات پر خطاب والے صیغہ کے انداز میں آیات کی وضاحت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے قرآن مجید میں جن مذہبی اور تاریخی مقامات کا ذکر آیا ہے ، ترجمہ کرتے وقت آیت کا نمبر دے کر ان تاریخی و مذہبی مقامات کے متعلق اپنے مشاہداتی تاثرات سے ان کی علمی انداز میں توضیح پیش کی ہے ۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کا یہ پہلا سندھی ترجمہ ہے کہ جس میں یہ منفرد انداز اختیار کیا گیا ہے ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 88)

10- ترجمہ قرآن مجید

مترجم مولانا محمد عالم سومرو رحمہ اللہ (متوفی 1988ء) ۔ مولانا موصوف نے یہ ترجمہ 1947ء سے شروع کیا اور 1952ء میں اس کو مکمل کیا ۔ آپ نے یہ ترجمہ سندھ کے کم خواندہ لوگوں کے لیے کیا تاکہ کم علم لوگوں کو عربی الفاظ کا لفظی معنٰی اور مفہوم سمجھ آ سکے ۔ مولانا موصوف اپنے اس مقصد میں کافی کامیاب رہے ترجمہ تحت اللفظ ہے قاری تھوڑی سی توجہ سے قرآن مجید کے عربی الفاظ کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے ۔ مذکورہ ترجمہ میں خالص سندھی الفاظ اور محاورے استعمال کیے گئے ہیں ۔ ترجمہ تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے جدید سندھی گرامر کا کم خیال رکھا گیا ہے ۔ تاہم پڑھنے میں آسان اور عام فہم ہے ۔ مولانا محمد عالم سومرو کے اس ترجمہ کو ہجرہ کونسل اسلام آباد کے تعاون سے 1983ء میں پرائما پرنٹرز مینارہ روڈ سکھر سندھ سے شائع کیا گیا ۔ (ترجمہ قرآن مجید ۔ مترجم محمد عالم سومرو ، ص 3 - 4 ، ہجرہ کونسل اسلام آباد 1983ء ، تحقیقی مجلہ علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 90 - 91)

11- ترجمہ قرآن مجید (منظوم)

مترجم ادیب سندھ مولانا حاجی احمد ملاح (متوفی 1967ء) ۔ قرآن مجید کا یہ پہلا منظوم سندھی ترجمہ ہے ، اس سے قبل قرآن مجید کے جو منظوم ترجمے ہوئے ہیں وہ چند سورتوں کے ہیں یا چند پاروں خاص کر عم پارہ وغیرہ ۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کے اس منظوم ترجمے کو اولیت حاصل ہے ۔ اس ترجمہ کے مترجم سندھ کے جلیل القدر عالم دین اور اپنے دور کے عظیم مجاہد حضرت مولانا حاجی احمد ملاح ہیں ۔ مولانا کا تعلق زیریں سندھ " لاڑ " خطہ کے شہر بدین سے ہے ۔ آپ کی ولادت 1314ھ میں ہوئی ۔ آپ کے والد ماجد کا نام ناگیو تھا ۔ مولانا کا پورا خاندان ناخواندہ تھا ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس خاندان میں سے ایک ایسے فرد کو پیدا کیا ۔ جس نے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور توحید کو عام کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور اپنے علاقہ کے مسلمانوں اور اپنی قوم و برادری میں مروج جاہلانہ رسوم و رواج ، بدعات اور شرک کو ختم کرنے میں کوشاں رہے اور عملی طور میدان میں بھی آئے (مقالات قرآنی کانفرنس منعقدہ اپریل 2008ء ۔ مضمون حاجی احمد ملاح کا سندھی میں قرآن کا منظوم ترجمہ اور اس کی خصوصیات ۔ پروفیسر ڈاکٹر شاہ اللہ بھٹو ، جلد دوم ، ص 550 ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ، 2009ء)

مولانا احمد ملاح کو اللہ تعالیٰ نے دینی اور دنیوی علوم کے ساتھ سیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا ۔ آپ سندھی زبان کے عالم و ادیب اور بے مثال شاعر تھے ۔ آپ نے دعوت و تبلیغ کے ساتھ قلم کے ذریعہ بھی جہاد کیا ۔ آپ کی اکثر کتب شاعری میں ہیں ۔ صرف ایک کتاب " معرفۃ الادلہ " نثر میں ہے ۔ باقی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام کتابیں سندھی شاعری میں ہیں مثلاً دیوان احمد ، گلشن احمد ، بیاض احمد ، پیغام احمد ، ہیکڑائی حق ، فتح لنواری وغیرہ ۔ مذکورہ کتابیں کئی بار چھپ چکی ہیں اور مارکیٹ میں دستیاب ہیں ۔ آپ کی جملہ تصانیف علمی و ادبی لحاظ سے اعلیٰ اور امثل ہیں ۔ مولانا حاجی احمد صاحب ملاح مرحوم کا سب سے بڑا علمی اور اہم کام قرآن کا سندھی زبان میں مکمل ترجمہ ہے ۔

آپ بر صغیر خصوصاً سندھ کے اولین مترجم ہیں جنہوں نے قرآن مجید کا مکمل خالص نظم کی صورت میں ترجمہ کیا ہے ۔ یہ ترجمہ ادبی اعتبار سے بہت بلند مقام کا حامل ہے جو خالص سندھی زبان و ادب میں اعلیٰ شہ پارہ ، فصاحت و بلاغت کا ایک بے نظیر اور عجیب نمونہ ہے ، اس ترجمہ اور اس کی زبان سے صحیح لطف اور مزہ وہی شخص لے سکتا ہے جو اس زبان سے خوب واقف ہو بلکہ ادبی و شعری ذوق بھی رکھتا ہو ۔ نور القرآن میں ترجمہ جس نظم کی صنف میں کیا گیا ہے وہ سندھ کی قدیم صنف "بیت" ہے ۔ اس میں (تجنیس) حرفی کی صنعت کو نہایت خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔ اس صنف کو سندھ کے قدیم شعراء نے اپنی شاعری عام ستعال کیا ہے ۔ (سندھی بیت ، ڈاکٹر عبد المجید میمن سندھی ، بحوالہ مقالات قرآن کانفرنس ، ص 550)

مولانا احمد نے سب سے پہلے قرآن مجید کے آخری " عم " پارہ کا منظوم ترجمہ کیا تھا جسے محمد عثمان ڈیپلائی نے اپنے اشاعتی ادارہ دار الاشاعت حیدر آباد سندھ سے شائع کیا ۔ اس کے بعد مولانا احمد ملاح نے قرآن مجید کو مکمل نظم کی صورت میں ترجمہ کیا ۔ آپ نے مذکورہ ترجمہ اپنی 65 سال کی عمر میں مکمل کیا ۔ اس ترجمہ کی تصحیح و ترتیب مولانا کے خاص شاگرد رشید مولانا عبد اللہ جونیجو (متوفی 1977ء) نے کی تھی ۔ (مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور ، 292)

مولانا احمد ملاح کے مذکورہ قرآن کو سب سے پہلے ان کے معتقد خاص اور دوست راس ضلع تھر پارکر سندھ کے ایک معزز زمیندار ، نیک اور سخی انسان حاجی ارباب الھجڑیو (متوفی 1988ء) جنہوں نے مولانا احمد ملاح سے اجازت لے کر اپنے خرچ سے اس وقت کے مشہور خطاط مولوی مشتاق احمد مرحوم کے فرزند عبدالرؤف سے کتابت کرواکر 1968ء میں حقی پرنٹنگ پریس کراچی سے عمدہ کاغذ پر شائع کرایا ۔ جو 800 صفحات پر مشتمل تھا ، مولانا احمد ملاح اس وقت حیات تھے اور بیماری کی عالم میں تھے ۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنا یہ علمی کارنامہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ۔ ان کی روح نے اس وقت پرواز نہیں کی جب تک انہوں نے اپنی آنکھوں سے مذکورہ ترجمہ چھپا ہوا خود نہیں دیکھا ۔ جب انہیں یہ اطمینان ہوا کہ ان کی ساری زندگی کی محنت رائیگاں نہیں گئی ہے ، اس کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی ۔ (نور القرآن ، احمد ملاح ، مقدمہ غلام مصطفیٰ قاسمی ، ص 7 ، مہران آرٹس کونسل حیدر آباد سندھ ، 1978ء) اس منظوم نور القرآن کی دوسری اشاعت 1978ء مہران آرٹس کونسل حیدر آباد ، تیسری اشاعت داؤد فاؤنڈیشن کراچی ، چوتھی اشاعت جمیل میمن بدین نے کی ۔ پانچویں اشاعت 1415ھ میں سعودی عرب کے شہزادے امیر ولید بن طلال بن عبد العزیز کی خوصی توجہ سے اعلیٰ معیار و طباعت سے سعودی عرب سے شائع ہوا ، اور سندھ میں ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا ۔ جبکہ چھٹی بار اس کی اشاعت 2004ء میں سندھیکا اکیڈمی کراچی نے اپنی نگرانی میں کرائی ہے ۔ ہمارے علم کے مطابق مولانا احمد ملاح کا یہ ترجمہ چھ مرتبہ مختلف اداروں کی طرف سے زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے

حقیقت یہ ہے کہ مولانا حاجی احمد ملاح کا سندھی زبان میں قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنا ان کی علمی قابلیت کے علاوہ ان کی شاعری میں بھی کمال کی دلیل ہے ۔ (مقالات قرآن کانفرنس بہاولپور ، ص 556 ، جلد دوم)

12- ترجمہ قرآن مجید مع حاشیہ

مترجم مولانا محمد رفیق خوشنویس ۔ قرآن مجید کا یہ سندھی ترجمہ مکمل ہے اور حاشیہ پر مختصر تفسیر بھی شامل ہے ۔ یہ ترجمہ بھی عام سندھی تراجم کی طرح با محاورہ اور جدید نثر کے مروجہ اصولوں کے مطابق ہے ۔ آسان اور عام فہم ہے ۔ اس ترجمہ کو حواشی سمیت بڑی تختی پر لاہور کے مشہور ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز نے لاہور سے شائع کیا ۔ جو کہ 552 صفحات پر مشتمل ہے ۔ مذکورہ ترجمہ سندھ کے دور دراز علاقوں میں بہت مقبول رہا ہے ۔ اس لیے یہ ترجمہ سندھ کے دیہی علاقوں کی اکثر مساجد میں عام طور پر نظر آتا ہے ۔(مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 94)

13- ترجمہ قرآن مجید بنام کلام پاک

مترجم مولانا عبد الوارث دل مرحوم ۔ موصوف مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں ۔ مولانا عبد الوارث دل صاحب اپنے مذکورہ قرآن مجید کے مقدمہ میں خود تحریر کرتے ہیں کہ " مولانا عبید اللہ سندھی کی صحبت کی وجہ سے میرے دل میں یہ آرزو اور تمنا تھی کہ قرآن مجید کے الہامی پیغام کو خصوصاً غیر مسلم نوجوانوں تک پہنچانا چاہیے تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ابدی پیغام کو آسانی سے سمجھ سکیں ۔" (کلام اللہ ترجمہ قرآن مجید ، مترجم مولانا عبد الوارث دل ، ص 3 ، مولانا عبید اللہ سندھی کتب خانہ نیو سعید آباد 1992ء) اس خیال کو سامنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھ کر انہوں نے قرآن مجید کا مذکورہ ترجمہ آسان سندھی زبان میں کیا ۔ یہ ترجمہ بغیر متن کے ہے ۔

مولانا عبد الوارث دل کے ترجمہ قرآن مجید کے متعلق سندھ کے مشہور عالم دین غلام مصطفیٰ قاسمی فرماتے ہیں کہ " یہ ترجمہ با محاورہ سندھی زبان میں ہے اور مولانا عبد الوارث نے ترجمہ کرتے وقت عربی زبان کے قواعد و ضوابط کو ہر لحاظ سے ملحوظ رکھا ہے ۔" (ایضاً ، 4) مولانا عبد الوارث دل صاحب کا یہ ترجمہ مولانا عبید اللہ سندھی کتب خانہ نیو سعید آباد نے 1992ء میں شائع کیا جو ڈیمی سائز کے 842 صفحات پر مشتمل ہے ۔ مذکورہ ترجمہ دراصل عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم طلبہ خصوصاً غیر مسلم طلباء کے اندر قرآن مجید کی روح اور پیغام کو عام کرنے کے لیے کیا گیا ہے ۔ (مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور ، 2008ء، ص 96)

14- ترجمہ قرآن مجید

مترجم پروفیسر عبد اللہ تنیو ۔ قرآن مجید کا مذکورہ ترجمہ دراصل مولانا ابو الاعلیٰ مودودی (متوفی 1979ء) کے مشہور و معروف تفسیر " تفہیم القرآن " میں قرآن مجید کے عربی متن کا جو خالص اردو ترجمہ ہے ۔ اس ترجمہ کو مولانا پروفیسر عبد اللہ صاحب نے سندھی زبان میں با محاورہ ترجمہ کیا ہے ۔ قرآن مجید کے اس مطبوعہ ترجمہ کے ایک ورق پر خالص عربی متن ہے جبکہ اس کے سامنے دوسرے ورق پر سندھی ترجمہ دیا گیا ہے ۔ اس ترجمہ کو با محاورہ اور آسان بنانے میں پروفیسر صاحب نے خوب محنت کی ہے ۔ یہ ترجمہ سب سے پہلے جماعت اسلامی صوبہ سندھ کے اشاعتی ادارہ " سندھ مسلم سوسائٹی " نے 1995ء میں شائع کیا ۔ یہ ترجمہ 297 صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کے بعد مذکورہ ترجمہ مسلسل شائع ہو رہا ہے ۔ (قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر از ڈاکٹر عبد الرزاق گھانگھرو ، ص 269 - 270) اس ترجمہ کو مہران اکیڈمی شکار پور نے ڈاکٹر عبد الحی ابڑو کی تصحیح و نظر ثانی کے بعد 2000ء میں اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا جو کہ 797 صفحات پر مشتمل ہے ۔

15- ترجمہ قرآن مجید

لفظ بلفظ چار زبانوں میں ، مترجم مولانا غلام اصغر وندیر ۔ یہ ترجمہ بڑی خصوصیت کا حامل ہے ۔ اس میں چار زبانوں کے تراجم بیک وقت شامل ہیں ۔ قرآن مجید کی ہر آیت کے لفظ کا ترجمہ اس آیت کے سامنے اردو ، سندھی ، فارسی اور انگریزی زبانوں میں دیے گئے ہیں ۔ اس نوعیت کا یہ پہلا ترجمہ ہے ۔ غلام اصغر مرحوم نے یہ ترجمہ بڑی محنت اور مطالعہ سے مرتب کیا ہے ۔ قرآن مجید کے جدید و قدیم سندھی ، اردو ، فارسی اور انگریزی تراجم سے مدد لی گئی ہے ۔ مثلاً مولانا عبد الماجد دریا آبادی (متوفی 1399ھ) مولانا فتح محمد جالندھری ، مولانا اشرف علی تھانوی کے اردو تراجم ، مخدوم محمد عثمان نورنگزادہ (متوفی 1918ء) کے تفسیر تنویر الایمان ، شاہ مردان شاہ (متوفی 1340ھ) کے سندھی تراجم و تفاسیر ، علامہ عبد اللہ یوسف علی اور مارما ڈیوک پکھتال کے انگریزی تراجم اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فارسی ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ خود مترجم جناب غلام اصغر وندیر مرحوم فرماتے ہیں کہ " چاروں زبانوں کے مختلف تراجم کو بیک وقت افقی طور پر لفظ بلفظ اور عمومی طور پر بعد امکان با محاورہ بنا کر ترتیب دینے کے اعتبار سے یہ ترجمہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال ہے ۔" (لفظ بلفظ ترجمہ ، غلام اصغر وندیر ، بحوالہ مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور ، مضمون از عبد العزیز نہڑیو ص 233)

قرآن مجید کے اس انوکھے ترجمہ کے مطالعہ سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ چاروں زبانوں میں " لغات القرآن " کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے ۔ انگریزی اور فارسی زبانوں کے صرفی و نحوی قواعد میں بہت حد تک مشابہت پائی جاتی ہے اس لیے ان دونوں زبانوں کو قرآن مجید کے عربی متن کے ساتھ رکھا گیا ہے تاکہ مبتدی کو ہر لفظ کے معنی اور مفہوم سمجھنے میں زیادہ سہولت رہے ۔ اسی بنا پر انگریزی ترجمہ کو عربی متن کے دائیں طرف جبکہ فارسی ترجمہ کو بائیں طرف رکھا گیا ہے ۔ اسی طرح اردو اور سندھی تراجم جن کے صرفی و نحوی قواعد قریباً یکساں ہیں ایک دوسرے سے ملتے ہیں ان کو آپس میں متصل رکھا گیا ہے ۔ اس ترجمہ کی خوبی یہ ہے حتی الامکان کوشش کر کے ترجمہ لفظ بلفظ ہر زبان کے قواعد اور تذکیر و تانیث میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کا بھی پوری طرح سے خیال رکھا گیا ہے ۔ اکثر مقامات پر عربی زبان کے واحد مونث کے صیغے کا ترجمہ دوسری زبانوں میں واحد مذکر اور جمع مذکر کے صیغوں میں کیا جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ ہر زبان میں صفت و موصوف میں تقدیم و تاخیر کا جو فرق ہے ۔ اسے ترجمہ میں اشاروں سے واضح کیا گیا ہے ۔ (ایضاً)

سب سے پہلے اس کے پندرہ پارے 1979ء میں مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی نے شائع کیے تھے ۔ اس کے بعد اس ترجمہ کو مکمل چار جلدوں میں 1988ء میں قرآن کونسل گڈو ضلع سکھر سندھ نے شائع کیا ۔ (مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور ص 97)

غلام اصغر وندیر مرحوم کے اس علمی و تحقیقی کام کو دیکھ کر ان کی علمی ، ادبی اور تحقیقی خدمات کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا ۔

16- ترجمہ قرآن مجید

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مترجم مولانا عبد الکریم قریشی مرحوم (متوفی 1999ء) قرآن مجید کا مذکورہ ترجمہ سندھ کے مشہور عالم دین ، علمی و روحانی شخصیت حضرت مولانا عبد الکریم قریشی صاحب نے کیا ہے ۔ مولانا موصوف اپنے آبائی قصبہ " بیر شریف " ضلع لاڑکانہ تحصیل قمبر علی میں 1922ء میں پیدا ہوئے ۔ آپ کو اپنے قصبہ کی نسبت سے سندھ میں " مولانا بیر شریف " والے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی ۔ اس کے بعد مختلف اساتذہ کرام مولانا قمر الدین ، مولانا جان محمد گمبی ، مولانا شاہ محمد ہکڑو ، مولانا عبد اللہ چانڈیو جن سے فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں ۔ آخر میں آپ نے سندھ کے مشہور و معروف عالم دین حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے تعلیم مکمل کی اور 1947ء میں سند فراغت حاصل کی ۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا عبد الکریم قریشی مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے ۔ مثلاً مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی ، مدرسہ جامعہ انوار العلوم کنڈیارو وغیرہ ۔ آپ نے 1959ء کے بعد اپنے آبائی قصبہ بیر شریف میں سراج العلوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جہاں آپ نے ظاہری اور باطنی علوم کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا ۔ مولانا عبد الکریم سندھ میں تحریک ختم نبوت کے سرگرم کارکن اور آخر میں اس کے روح رواں بھی تھے ۔ (سوانح حیات مولانا عبد الکریم قریشی مرتب محمد قاسم سومرو ص 655 روشنی پبلیکیشن کنڈیارو سندھ ، 2004ء) مولانا درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی طبع آزمائی فرمائی ہے ۔ چند اہم اور یادگار علمی و تحقیقی کتابیں لکھی ہیں ۔ ان میں سب سے اہم اور یادگار کام ان کا قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کا ہے ۔ مولانا بیر شریف مرحوم کا ترجمہ فنی نوعیت کا بہترین ترجمہ ہے ۔ اب تک جتنے بھی قرآن مجید کے سندھی زبان میں تراجم شائع ہوئے ہیں ۔ وہ یا تو با محاورہ یا تحت اللفظ ترجمے ہیں ۔ آپ نے ان سابقہ روایات و طریقہ سے ہٹ کر اپنے علمی اور مخصوص و دلکش انداز میں قرآن مجید کے ترجمہ کا طریقہ اختیار کیا ہے ۔ یہ ترجمہ تحت اللفظ اور محاورتی اصطلاحات کا حسین امتزاج محسوس ہوتا ہے ۔ ترجمہ کرتے وقت زائد الفاظ ، یا الفاظ کا بین القوسین کی صورت میں اضافہ کرنے سے گریز کیا گیا ہے ۔ آیت کے ہر لفظ کے نیچے اس کا سندھی زبان میں ترجمہ اس انداز اور قابلیت سے دیا گیا ہے کہ آیت کا کوئی لفظ بھی ترجمہ سے خالی نہ ہو ۔ اس اعتبار سے مولانا عبد الکریم کا یہ ترجمہ اپنی تمام فنی نوعیت اور علمی اعتبار سے بہترین اور مثالی ترجمہ ہے ۔ ان خصوصیات کی بناء پر مذکورہ ترجمہ سندھی دینی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

17- ترجمہ قرآن مجید

مترجم علی خان ابڑو (متوفی 1954ء) ۔

قرآن مجید کا یہ ترجمہ سندھ میں بہت معروف ہے ۔ اس ترجمہ کے مترجم علی خان ابڑو ہیں ۔ آپ کو سندھ میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ۔ موصوف 1888ء کو ضلع دادو کی تحصیل میہڑ کے ایک چھوٹے سے قصبہ " ساگی " میں پیدا ہوئے ۔ بچپن ہی سے آپ انتہائی ذہین اور فطین تھے ۔ والد نے آپ کو سندھ میں مدرسۃ الاسلام کراچی میں پڑھنے کے لیے داخل کرایا جہاں سے آپ نے میٹرک تک عصری تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد آپ اعلیٰ کے لیے بمبئی یونیورسٹی میں پڑھنے کے لیے گئے ۔ آپ نے بمبئی یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری اچھے نمبروں میں حاصل کی ۔ آپ کی قابلیت اور ذہانت کو دیکھ کر یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو فیلو مقرر کیا گیا ۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد عملی طور پر تعلیم کے میدان میں آئے ۔ آپ ایک اعلیٰ تعلیم دان اور قابل استاد تھے ۔ اس میدان میں بھی آپ نے اچھے طریقہ سے اپنی خدمات سر انجام دیں ۔ اس دوران مختلف عہدوں پر فائز رہے اور آخر میں پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرمنٹ حاصل کی ۔ علی خان ابڑو اپنی تعلیمی و تدریسی دور میں انتہائی شریف النفس ، ایماندار ، محنتی آفیسر اور تعلیمی ماہر تھے ۔ (قرآن مجید مترجم علی خان ابڑو ، مقدمہ از جمال الدین ابڑو ، ص 5 ، سندھیکا اکیڈمی کراچی 1996ء ۔ مارو جی ملیر جا مصنف خادم حسین چانڈیو ، ص 440 ، گنج بخش کتاب گھر حیدر آباد ، 2005ء)

علی خان ابڑو مرحوم نہ صرف انگریزی علم و ادب پر مہارت رکھتے تھے بلکہ انہیں عربی ، فارسی اور سندھی ادب و زبان پر بھی مہارت حاصل تھا ۔ قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر اور سیرت کی کتابوں کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کرتے تھے ۔ موصوف نے اپنے تعلیمی دور میں کافی درسی و نصابی کتابیں لکھی تھیں ۔ اپنی ریٹائرمنٹ کی زندگی میں آپ کو قرآن مجید کا سلیس ترجمہ و تفسیر لکھنے کا شوق پیدا ہوا ۔ 1945ء کو آپ نے قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا اور ۱۹۴۵ء میں اسے مکمل کیا ۔ (قرآن مجید مترجم علی خان مقدمہ ، ص 5)

اس ترجمہ کا نام آپ نے " تفسیر المنیر " رکھا اس ترجمہ کی خصوصیات یہ ہیں کہ ترجمہ نہایت ہی آسان اور شستہ زبان میں ہے ۔ ترجمہ کرتے ہوئے کہیں کہیں آیات کے حواشی طور پر مختصر تفسیری نوٹس بھی دیے ہیں ، ہر رکوع سے پہلے اس رکوع کے متعلق موضوع کو بھی بیان کیا ہے ۔ ترجمہ کی زبان سادہ اور عام فہم استعمال کی گئی ہے ، عربی و فارسی کے دقیق الفاظ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استعمال کرنے سے گریز کیا گیا ہے ۔ جس سے پڑھنے والے کو ذوق پیدا ہوتا ہے ۔ آپ نے اپنے قرآن مجید کے ترجمہ کے حواشی میں قدیم اقوام کے حالات کا موجودہ حالات و سماجی حالات زندگی سے موازنہ پیش کیا ہے ۔ علی خان ابڑو کی دلی خواہش کے باوجود ان کی زندگی میں مذکورہ ترجمہ شائع نہ ہو سکا ۔ البتہ 1996ء میں ان کے لائق فرزند جناب جمال الدین ابڑو (متوفی 2004ء) کی سعی و کوشش سے سندھیکا اکیڈمی کراچی نے اسے شائع کیا ہے ۔ یہ ترجمہ اعلیٰ چھپائی ، دلکش گیٹ اپ کے ساتھ ڈیمی سائز میں 1015 صفحات پر مشتمل ہے ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 98) ابڑو صاحب کا یہ ترجمہ و تفسیری حواشی کا شمار سندھ کے مقبول تراجم میں ہوتا ہے ۔ سندھ کے نوجوانوں کو قرآن مجید کی طرف مائل کرنے اور سمجھانے کے سلسلہ میں نہایت عمدہ اور کار آمد ہے ۔

18- بیان القرآن فی ترجمۃ القرآن

مترجم مولانا عبد الوحید جان سرہندی ۔

آپ نے یہ ترجمہ بڑی محنت اور عرق ریزی سے کیا ہے ، مولانا نے مذکورہ ترجمہ 27 رمضان المبارک 1419ھ میں مکمل کیا ۔ اس کی کتابت فقیر فیض محمد سکندری نے کی ہے جس میں ان کو دو سال کا عرصہ لگ گیا ۔ 1422ھ میں اس کی کتابت مکمل ہوئی (بیان القرآن فی ترجمۃ القرآن ، مترجم مولانا عبد الوحید جان سرہندی ، ص 926) مولانا سرہندی کا یہ ترجمہ دو حصوں میں شائع شدہ ہے ۔ 926 صفحات پر محیط ہے ۔ آپ نے ترجمہ کرتے وقت ترجمہ کے جملہ اصول و قواعد کا پورا پورا خیال رکھا ہے ۔ ترجمہ با محاورہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ جو کہ عام فہم اور شستہ زبان میں ہے ۔ یہ ترجمہ تقسیم ملک کے بعد شائع ہونے والے قرآن مجید کے سندھی تراجم میں سے جدید نثری اصولوں اور تقاضوں کے مطابق تحریر رکھا گیا ہے ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 98)

19- ترجمہ قرآن مجید

مترجم محمد محسن پنہور ، اس قرآن مجید کے مترجم جناب محمد محسن مرحوم ہیں ۔ موصوف اس ترجمہ کے مقدمہ کے شروع میں تحریر کرتے ہیں کہ " قرآن پاک کے اس ترجمہ کو مرتب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں میں قرآن فہمی اور قرآن شناسی کا ایسا ماحول پیدا کیا جائے تاکہ ان کے لیے قرآن سمجھنا دلچسپ اور آسان ہو سکے ۔ جب لوگوں کو ایسا ماحول میسر ہو گا تو عام آدمی کے لیے مختلف علماء ، مفسرین اور مترجمین کی کتب و تالیفات سے مستفید ہونا آسان ہو جائے گا ۔ اس مقصد کو رکھ کر انہوں نے برصغیر کے بلند مرتبت مفسرین و مترجمین کی کتابوں کا مطالعہ کر کے یہ ترجمہ مرتب کیا ہے ۔" (قرآن سے فرقان تک ، مترجم محمد محسن پنہور ، ص 1 – 2 ، سندھیکا اکیڈمی کراچی 2001ء)

اس ترجمہ میں روز مرہ زندگی سے تعلق رکھنے والے احکامات اور دنیا و آخرت کے نیک کاموں کی طرف رغبت رکھنے جیسی آیات کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے ۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے ، مذکورہ ترجمہ کے بغیر عربی متن 396 صفحات ہیں ۔ مترجم کے فرزند جناب طارق محسن پنہور صاحب نے 2001ء میں سندھیکا اکیڈمی کراچی کے تعاون سے شائع کروا کر مفت تقسیم کیا ہے جو کہ علمی و دینی لحاظ سے بہت بڑی خدمت ہے ۔ (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 100)

20- ترجمہ قرآن مجید

مترجم مولانا غلام اکبر مری ۔ مولانا موصوف 1980ء میں ضلع خیرپور کے قصبہ "گوٹھ مری " میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد کا نام ریاض محمد ہے ۔ عصری تعلیم صرف پرائمری تک ہے ۔ اس کے بعد آپ نے دینی علوم پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے ۔ سندھ کے مختلف مدارس میں پڑھتے رہے ۔ مثلاً مدرسہ دار القرآن و الحدیث بہریا روڈ ضلع نواب شاہ (قائم شدہ تقریباً 1990 - 1991) ، جامعہ بحر العلوم السلفیہ میر پور خاص (قائم شدہ 1983ء) ، جامعہ رحمانیہ سولجر بازار کراچی (قائم شدہ 1947ء) مولانا غلام اکبر مری نے 1999ء میں اسی جامعہ سے سند فراغت حاصل کی ۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سندھ کے مشہور شہر ہالا میں جامع مسجد مولوی فضل احمد غزنوی میں امامت و خطابت کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں ۔ ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا کام بھی کر رہے ہیں آپ نے اب تک مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھ چکے ہیں ان میں سے بعض صحیح بخاری کے مختلف ابواب کا الگ الگ ترجمہ سندھی زبان میں کیا ہے ۔ آپ کی اکثر کتابیں شائع شدہ ہیں ۔ ان کے علاوہ مولانا غلام اکبر مری کا اہم کام ان کا سندھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے ۔ مذکورہ ترجمہ آپ نے اردو و سندھی کے مطالعہ کے بعد مرتب کیا ہے ۔ ترجمہ با محاورہ اور عام فہم اور شستہ زبان میں ہے ۔ مذکورہ ترجمہ پہلی مرتبہ الگ الگ پاروں کی شکل میں شائع ہوا ۔ اس کا پہلا پارہ 1425ھ میں شائع ہوا جبکہ اس کا آخری پارہ 1427ھ میں شائع ہوا ۔ اس کے بعد اب تک مسلسل شائع ہو رہا ہے ۔ پاروں کی شکل میں طبع ہونے کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن (مکمل ایک جلد میں) 1429ھ ، تیسرا ایڈیشن 1431ھ اور چوتھا ایڈیشن 2013ء میں شائع ہوا ہے ۔ مذکورہ ترجمہ سندھی دینی ادب میں ایک نیا اضافہ ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

21- ترجمہ قرآن مجید

ترتیب و تصحیح ڈاکٹر عبد الحی ابڑو صاحب ۔

قرآن مجید کا یہ ترجمہ در اصل مولانا قاضی عبد الرزاق اور مشہور ناول نگار و صحافی جناب محمد عثمان میمن ڈیپلائی مرحومین کے تراجم کی تصحیح ، نظر ثانی اور اس کو نئے اسلوب و جدید نثر نگاری کے اصولوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے ۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد (قائم شدہ 1980ء) کے دعوتی شعبہ " دعوہ اکیڈمی " کے سندھی شعبہ کی مشاورتی کمیٹی نے سندھی زبان میں 1950ء کی دہائی میں شائع شدہ سندھی تراجم کو نئی جدید ترتیب اور ان کی تصحیح کر کے شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا یہ کام پہلے مولانا امیر الدین مہر صاحب کے سپرد کیا گیا تھا ۔ لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ دعوتی ذہن رکھنے والے قاری کے لیے یہ ترجمہ زیادہ سود مند نہیں ہو گا ۔ اس کے بعد مذکورہ ترجمہ کی تصحیح و تسوید کے کام کی ذمہ داری پروفیسر ڈاکٹر عبد المجید ابڑو صاحب کے حوالہ کی گئی ۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ترجمہ کو از سر نو ترتیب دیا اور اس کی تصحیح کی ۔ اس کی قدیم املا و محاروں کو تبدیل کر کے اسے نئے اسلوب سے تیار کیا ۔ عربی ، اردو اور سندھی تراجم کو سامنے رکھ کر بڑی محنت سے ترجمہ کو مرتب کیا ۔ (القرآن الکریم ، مرتب ڈکٹر عبد الحی ابڑو ، ص 3 ، ریجنل سینٹر دعوہ اکیڈمی کراچی ،2006ء)

مذکورہ ترجمہ اصلاح و تصحیح کے بعد اس قدر با محاورہ اور الگ نظر آتا ہے کہ یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ پہلے سے ہی شائع شدہ ہے ۔ اس ترجمہ کو ریجنل سینٹر دعوہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے تعاون سے 2006ء میں شائع ہوا ۔ تراجم قرآن مجید کے با محاورہ سندھی تراجم میں یہ ایک نیا اضافہ ہے ۔(مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور ، ص 101)

22- ترجمہ قرآن مجید و مختصر تفسیری

مترجم جناب ڈاکٹر امیر بخش چنہ ۔

ڈاکٹر صاحب ایک انتہائی غریب اور مفلوک الحال خاندان سے تعلق رکھتے ہیں والد ماجد ایک کسان تھے ۔ ڈاکٹر صاحب اپنی محنت اور ذہانت سے آگے بڑھے ۔ تعلیمی میدان میں ہمیشہ نمایاں کامیابیاں حاصل کرتے رہے ۔ میٹرک آپ نے نوشہرو فیروز سے پاس کیا ۔ 1968ء میں آپ نے mbbs کی ڈگری لیاقت میڈیکل کالج حیدآباد سے حاصل کی ۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے لیبیا اور انگلینڈ گئے ۔ جہاں آپ نے رائل کالج آف سرجن اور فیزیشن سرجن لندن سے ڈپلومہ کیا اور رائل کالج آف سرجن آئر لینڈ سے فیلو شپ کا امتحان پاس کیا ۔ 1976ء میں آپ ایران گئے جہاں میڈیکل کے شعبہ میں اپنی ملازمتی زندگی کا آغاز کیا 1978ء میں آپ سعودی عرب گئے جہاں جامعۃ الملک سعود الریاض میں (قیام 1394ھ) میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا ۔ آج اسی یونیورسٹی میں خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ کئی مرتبہ جامعہ کی طرف سے آپ کو بہترین و لائق استاد کے اعزازات سے نوازا گیا ہے ۔ (القرآن الکریم ، مترجم ڈاکٹر امیر بخش چنہ ، ص 1235 دار السلام لاہور 1430)

ڈاکٹر امیر بخش چنہ انتہائی شریف النفس اور رقیق القلب انسان ہیں ۔ آپ کا ہمیشہ تعلق طب (میڈیکل) کے شعبہ سے رہا ہے ۔ اپنے حلقہ احباب کے ساتھ مل کر سندھ خصوصاً حیدر آباد میں ایک عالمی سطح کا مرکز بنام " مرکز اسلامی سندھ " قائم کیا جس کا سنگ بنیاد 1984ء میں اس وقت امام کعبہ الشیخ محمد بن عبد اللہ السبیل (متوفی 1434ھ) نے رکھا تھا ۔ اب اس جگہ پر ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی اسریٰ کے نام سے قائم ہے ۔ ڈاکٹر صاحب اس یونیورسٹی کے ابتدائی بانیوں میں سے ہیں ۔ موصوف اپنے قرآن مجید کے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ " اس ترجمہ کو سلیس با محاورہ اور عام فہم بنانے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے ۔ تاکہ قاری کو قرآن مجید کے ترجمہ و مطالب کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو اور وہ آسانی سے اس کے مقصد کو سمجھ سکے ، اسے کسی دوسرے عام ترجمہ و تفسیر کی ضرورت نہ ہو ۔ اس ترجمہ و تفسیر میں بین القوسین میں مفہوم کو عام فہم صورت میں بیان کرنے کے لیے تفسیری نکات بیان کیے گئے ہیں ۔ جو کہ تفسیر کے اصول " القرآن یفسر بعضه بعضاً " کے مطابق ہیں اور صحیح احادیث کی روشنی میں اس کی وضاحت کی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ ترجمہ میں خاص طور پر جو الفاظ تاکید یا حصر کی معنیٰ دینے والے ہیں ان کا ترجمہ انتہائی احتیاط سے کیا گیا ہے اور وہ حروف جو قسم کی معنیٰ میں مستعمل ہیں یا لام تاکید و نون تاکید کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں ان کے معنیٰ بیان کرنے میں بھی عربی قواعد کا خاص خیال رکھا گیا ہے ان کے علاوہ اسم مبالغہ کے صیغوں کی معنیٰ میں مبالغہ کے معنیٰ ہی بیان کیا گیا ہے اس ترجمہ میں فنی اعتبار سے ترجمہ کی بجائے ترجمانی کو اہمیت دی گئی ہے ۔ تاکہ قاری کو قرآن سمجھنے میں آسانی ہو ۔ صحیح احادیث کی روشنی میں ان کے فقہی احکامات بیان کیے گئے ہیں تاکہ قرآن مجید کو پڑھنے والا ترجمہ کے ساتھ فقہی احکامات سے بھی باخبر ہو ۔ ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ اور تفسیر کرتے وقت مختلف عربی ، اردو اور سندھی تراجم و تفاسیر سے رہنمائی حاصل کی ہے (القرآن الکریم کا سندھی ترجمہ و تفسیر ۔ ترجمہ ڈاکٹر امیر بخش چنہ : ص 1238 دار السلام الریاض۔لاہور)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

23- ترجمہ قرآن مجید

مترجم فرمان علی ۔ قرآن مجید کا یہ ترجمہ اصل میں اردو سے سندھی میں ترجمہ شدہ ہے ۔ اردو ترجمہ مولانا فرمان علی کا ہے جو اہل تشیع مسلک سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اسی ترجمہ کو سندھی میں ترجمہ کیا گیا ہے اور ساتھ اس کے حواشی پر مختصر حواشی بھی ہیں ۔ اس کے سندھی مترجم کا نام نہیں لکھا ہوا ہے ۔ ترجمہ صاف اور آسان سندھی زبان میں ہے ۔ اس ترجمہ کو پیر ابراہیم ٹرسٹ کراچی نے 1975ء میں شائع کیا ہے جو 880 صفحات پر محیط ہے (مجلہ تحقیقی علوم اسلامیہ بہاولپور، ص 95)

24- ترجمہ قرآن مجید

مترجم خان بہادر میر گل حسن ٹالپر ۔ قرآن کا یہ ترجمہ بھی اہل تشیع کے تراجم سے ہے بلکہ یہ قرآن پاک کا کسی شیعہ مترجم کے قلم سے اولین ترجمہ ہے اور بہت قدیم ہے ۔ مذکورہ ترجمہ کو 1911ء میں میاں محمد جعفر رحمت اللہ خواجہ نے اپنے خرچ پر فل اسکیپ سائز میں شائع کرایا اور بغیر عربی متن کے صرف آیات کا نمبر دے کر ان کا سندھی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے ۔ یہ ترجمہ اب ناپید ہے (سہ ماہی مہران حیدر آباد ، مضمون : قرآن مجید کے سندھی تراجم و تفاسیر از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، ص 165 ، 1980ء شمارہ : 1)

ان کے علاوہ قرآن مجید کی تفسیر پر بھی سندھی زبان میں کافی کام ہوا ہے ان میں سے کچھ مختصر حواشی کی صورت میں ہیں ، کچھ تفسیریں الگ الگ پاروں کی شکل میں اور بعض مختلف سورتوں کے الگ الگ تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں ۔ ان میں سے کچھ مکمل ہیں اور بعض نا مکمل ہیں ۔ اس مختصر مقالہ میں ان کا ذکر ممکن نہیں ہے اور ان کے تذکرہ کے لیے الگ ایک کتاب درکار ہے تاہم چند ایک تفاسیر کا نام اور ان کی طباعت کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

" تفسیر فاضلین " مذکورہ تفسیر کے اول مفسر مولانا محمد فضل ہیں جنہوں نے قرآن مجید کی سورت فاتحہ سے لے سورت یوسف تک کی تفسیر مکمل کی تھی موصوف کا انتقال ہو گیا ۔ اس کے بعد اس تفسیر کو مولانا سید محمد فاضل شاہ (متوفی 1319ھ) نے مکمل کیا ۔ جس طرح اہل علم کے ہاں " تفسیر جلالین " معروف ہے اسی نمونے پر مذکورہ تفسیر سندھی زبان میں ہے ۔ اس کی ترتیب " جلالین " کی طرز پر ہے ۔ یہ تفسیر تین جلدوں میں ہے ۔ اب تک قلمی صورت میں ہے یہ تفسیر 1282ھ سے 1286ھ میں مکمل ہوئی۔

تفسیر " رغبۃ الطالبین " مفسر مخدوم مہرو دل ۔ مخدوم صاحب سندھ کے ٹالپور دور حکومت کے مشہور عالم تھے ۔ ان کی مذکورہ تفسیر قرآن مجید کے 29 پارے کی تفسیر ہے مولانا مہرو دل نے یہ تفسیر 1206ھ میں لکھی تھی جس کو قاضی ابراہیم بن قاضی نور محمد پلیندری اور نور الدین جیوان نے حیدری پریس بمبئی سے شائع کرایا اس تفسیر کے 574 صفحات ہیں۔

تفسیر کریمی مفسر مولانا قاضی عبد الکریم موصوف کا ہے سندھ کے کلہوڑا دور حکومت سے تعلق تھا ۔ مذکورہ تفسیر قرآن مجید کی سورہ یاسین اور سورہ الدھر کی منظوم تفسیر ہے غیر مطبوعہ ہے۔

تفسیر " احسن القصص " مفسر مولانا عبد اللہ نرئی والے (متوفی 1881ء) مذکورہ تفسیر قرآن مجید کی سورت یوسف کا سندھی زبان میں ترجمہ و تفسیر ہے ۔ یہ تفسیر تا حال قلمی صورت میں ہے جو کہ 490 صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس تفسیر کو 1196ھ میں لکھا گیا ہے ۔

" تفسیر ضیاء الایمان " مفسر مولانا محمد خان لغاری مرتضائی (متوفی 1362ھ) موصوف کا تعلق اہل تشیع مسلک سے تھا یہ ترجمہ و تفسیر مولانا محمد عثمان نورنگزادہ کے تفسیر " تنویر الایمان " کے رد میں لکھا گیا ہے ۔ اس تفسیر کو خان بہادر خیر بخش خان کربلائی نے 1921ء میں رفاہ عام پریس لاہور سے شائع کرایا ۔ یہ تفسیر 480 صفحات پر محیط ہے ۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1930ء میں کچھ اضافہ سے ضمیمہ کی صورت میں شائع ہوا ہے ۔

" تفسیر احمدی " مفسر مولانا احمد نورنگ پوٹہ ، موصوف کا تعلق سندھ کے علمی خانوادہ نورنگ سے ہے آپ کی یہ تفسیر قرآن مجید کے آخری پارہ " عم " کا سندھی ترجمہ و تفسیر ہے یہ تفسیر ڈیمی سائز کے 168 صفحات پر مشتمل ہے ۔ 1391ھ میں لیتھو میں شائع ہوئی۔

تفسیر " تسہیل القرآن " مفسر مخدوم اللہ بخش کھوڑوائی (متوفی 1916ء) یہ تفسیر قرآن مجید کے ابتدائی چار پاروں کی ہے ۔ اس تفسیر کو سندھ کی ریاست خیرپور کے ایک نو مسلم علی محمد شیخ نے اپنے خرچ پر انجمن حریت الاسلام پریس لاہور کے تعاون سے 1913ء میں شائع کرایا۔

تفسیر " حیات ملت " مفسر مولانا عبد الخالق کنڈیاروی (متوفی 1947ء) مذکورہ تفسیر قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورہ " الکوثر " کا ترجمہ و تفسیر ہے جو کہ مختصر اور جامع و مانع تفسیر ہے ۔ جسے محمد ہاشم کنڈیاروی نے کریمی پریس لاہور سے 1930ء میں لیتھو میں شائع کرایا اب حال ہی میں اس کا جدید ایڈیشن 1994ء کنڈیارو سے شائع ہوا ہے ۔ اس کے 46 صفحات ہیں ۔ مولانا عبد الخالق کنڈیاروی نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ و تفسیر لکھنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے ۔ موصوف نے شروع کے پانچ پاروں کا ترجمہ و تفسیر بنام " معارف القرآن " کے نام سے لکھ پائے تھے کہ داعی اجل نے آپ کو مہلت نہیں دی اور یوں یہ اہم علمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام نا مکمل رہا۔ اس تفسیر کے ابتدائی دو پارے آپ کی زندگی میں ہی شائع ہو چکے تھے۔ بقیہ پاروں کی تفسیر و ترجمہ تا حال قلمی صورت میں موجود ہے۔

" تفسیر مہری " مولانا علی محمد مہری (متوفی 1947ء) یہ تفسیر سورہ " الفتح " کا سندھی زبان میں منظوم ترجمہ و تفسیر ہے موصوف نے نہایت مہارت سے کیا ہے جسے انجمن اشاعت اسلام بجاری شریف ضلع بدین نے شائع کیا سال اشاعت درج نہیں ہے۔اس کے 17 صفحات ہیں۔

" تفسیر تنویر الایمان " مفسر مولانا محمد عثمان نورنگزدہ (متوفی 1918ء) موصوف سندھ کے مشہور عالم دین اور مفسر قرآن ہیں جنہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آپ نے مذکورہ تفسیر اپنے روحانی مرشد حضرت مولانا سید رشید الدین راشدی جھنڈے والے پیر سوم (متوفی 1317ھ) کے کہنے پر لکھی تھی۔ مولانا محمد عثمان قرآن مجید کے 25 پاروں تک لکھ سکے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے بعد اس تفسیر کو ان پوتے مولانا محمد نورنگزادہ (متوفی 1967ء) نے اسی طرز و نہج پر مکمل کیا۔ یہ تفسیر مختلف مراحل میں شائع ہوئی پہلا پارہ جناب مولانا عبد اللطیف نے اپنی پریس " مطبع حسینی " سے 1910ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اس کے مزید کچھ پارے محمد حنیف ہاشمی نے کراچی سے شائع کرائے۔ کچھ پاروں کو میاں احمد پاٹولی نے حیدر آباد سے شائع کرایا۔ اس کے بعد اس تفسیر کو شکار پور سندھ سے مولوی محمد عظیم نے الگ الگ پاروں کی شکل میں شائع کرایا اور اب تک وہی اس تفسیر کو شائع کر رہے ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی کا بھی تراجم و تفاسیر پر کام ہے۔ موصوف نے سورہ سبا، سورہ محمد اور پہلے پارے کا ترجمہ و تفسیر کیا ہے۔ مختلف مواقع پر ان کے تفسیری دروس کو مرتب کرکے کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ سورہ سبا کی تفسیر " تمدن عرب " کے نام سے شائع شدہ ہے۔ جس کو مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے مرتب کرکے 1947ء میں ادارہ بیت الحکمت کے تعاون سے شائع کیا جو 56 صفحات پر محیط ہے۔ اسی طرح سورہ محمد کی تفسیری تقریروں کو جمع کرکے " تفسیر جنگ انقلاب " کے عنوان سے سندھی میں اس کا ترجمہ ہوا جسے 1958ء میں کراچی سے شائع کیا گیا۔ جو 138 صفحات پر محیط ہے۔ اسی طرح پارہ اول " الم " کی تفسیر " الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن " موصوف کی جلاوطنی کے عرصے بالخصوص قیام مکہ کے دوران کے دروس پر مبنی ہے جسے ان کے لائق شاگرد علامہ موسیٰ جار اللہ نے کتابی شکل میں مرتب کیا۔ اس کا سندھی ترجمہ مولانا قاسمی نے کیا۔ 1966ء میں سعید آباد سے شائع ہوا۔ 166 صفحات پر مشتمل ہے۔

ترجمہ " بیان القرآن " مترجمہ مولانا عبد اللہ کھڈہری (متوفی 1384ھ) موصوف نے ابتدائی پانچ پاروں کا ترجمہ کیا تھا جسے شیخ عبد العزیز عرب نے 1948ء میں نذیر پرنٹنگ پریس سے شائع کرایا۔ یہ تفسیر 120 صفحات پر مشتمل ہے۔

" تفسیر عرفان القرآن " مفسر مولانا عبد الہادی جتوئی نے قرآن مجید پارہ عم کی تفسیر کی تھی جو کہ ڈیمی سائز کے 86 صفحات میں والس پریس سکھر سے شائع ہوئی۔

" الظھور فی تفسیر سورۃ النور " مفسر مولانا عبد اللہ چانڈیو (متوفی 1984ء) جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں سورہ نور کی تفسیر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا چانڈیو نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ و تفسیر لکھی تھی صرف اس کا ایک جزء سورہ نور کی تفسیر میں مشتمل 1980ء میں اسحاقیہ پرنٹنگ پریس کراچی سے ادارہ اشاعت قرآن خیر پور کی جانب سے شائع ہوا۔ 96 صفحات پر محیط ہے۔

" تفسیر خزائن الرحمٰن " مفسر مولانا رحیم بخش قمر (متوفی 1996ء) قمر صاحب نے قرآن مجید کی بعض سورتوں کا ترجمہ و تفسیر لکھا تھا۔ جس کا ایک مجموعہ " خزائن الرحمٰن " ہے۔ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے علاوہ موصوف نے قرآن مجید کی آیت " ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان " کا بھی عام فہم اور سلیس شستہ زبان میں ترجمہ و مفہوم بعنوان " العدل و الاحسان فی تفسیر آیۃ القرآن " کے نام سے لکھا ہے جو کہ حیدر آباد سے 1989ء میں شائع ہوا۔ 115 صفحات پر محیط ہے۔

" بدیع التفاسیر " مفسر علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی (متوفی 1996ء)۔ سندھی زبان میں یہ انتہائی جامع و مانع علمی تفسیر ہے۔ شاہ صاحب سورۃ الحجر تک تفسیر لکھ سکے تھے کہ آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ یہ تفسیر 10 جلدوں میں مطبوع ہے۔

مولانا محمد ادریس ڈاھری " احسن البیان فی تفسیر القرآن " کے نام سے قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ و تفسیر لکھ رہے ہیں۔ تاحال ان کی تفسیر مکمل نہیں ہوئی تاہم اس کی کچھ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔

تفسیر کوثر شاہ مردان شاہ مفسر مولانا محمد صدیق نور نگ پوتہ (طبع اول 1910ء)۔

تفسیر " مفتاح رشد اللہ " مفسر مولوی فتح محمد نظامانی (متوفی 1911ء) (طبع اول 1866ء بمبئی)۔

تفسیر آثار العرفان فی تفسیر سورۃ الفرقان مفسر فقیر ہدایت علی نجفی " تارک " (متوفی 1939ء غیر مطبوعہ)۔

علامہ سید محب اللہ شاہ راشدی (متوفی 1995ء) کی سورہ مریم کی تفسیر بنام " المنھج الاقوم فی تفسیر سورۃ مریم " (غیر مطبوعہ)۔

مولانا خیر محمد نظامانی (متوفی 1985ء) کا عم پارہ کا ترجمہ و مختصر تفسیر۔

مولانا محمد عمر جونیجو (متوفی 1983ء) شارح و مترجم مشکوۃ المصابیح نے عم پارہ کا ترجمہ بنام " مطالب القرآن " لکھا جو 1932ء میں طبع ہوا۔

ان کے علاوہ قرآن مجید کے بعض اردو تراجم و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفاسیر کا سندھی میں ترجمہ ہوا۔ ان میں سے اکثر شائع شدہ ہیں۔ مولانا مودودی کے تفسیر "تفہیم القرآن" کا سندھی میں ترجمہ مولانا جان محمد بھٹو (متوفی 1982ء) اور مولانا امیر الدین مہر دونوں نے کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا مودودی کے ترجمہ قرآن کو بھی سندھی میں منتقل کیا گیا۔ یہ دونوں مطبوع ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثانی (متوفی 1949ء) کی تفسیر عثانی کا ترجمہ مولانا محمد رمضان مہدیے کیا سندھ نیشنل اکیڈمی لطیف آباد حیدر آباد سے 1999ء میں شائع ہوا۔

مولانا احمد رضا بریلوی (متوفی 1921ء) کے ترجمہ قرآن و حاشیہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی (متوفی 1948ء) کا سندھی میں ترجمہ مفتی عبد الرحیم سکندری نے کیا جسے مکتبہ ضیاء القرآن لاہور نے شائع کیا۔

مولانا عبد الستار محدث دہلوی کے فوائد ستاریہ کا سندھی ترجمہ مولانا امام الدین جونیجو نے کیا جسے 1417ھ میں جامعہ ستاریہ کراچی سے شائع ہوا۔

تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ انجینئر عبد المالک میمن نے کیا جو مہران اکیڈمی شکار پور نے شائع کیا۔

جماعت احمدیہ (قادیانی) کی جانب سے پروفیسر عبد القادر ڈاھری نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ کیا۔ اس پر سن طبع و ناشر کا نام درج نہیں۔

پروفیسر احمد علی انصاری نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ کیا اس ترجمے کے ابتدائی پارے مطبوع ہیں۔

مولانا اللہ نواز ہر نے ماہنامہ دعوت اہل حدیث حیدر آباد میں ترجمۃ القرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا اب وہ سلسلہ منقطع ہے۔

حافظ محمد کٹھی قرآن مجید کا سندھی ترجمہ کر رہے ہیں کافی حد تک ترجمہ ہو چکا ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ کرنا شروع کیا ہے اب تک 4 پاروں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔

مراجع و مصادر

1　القرآن الکریم

2　برصغیر میں علم و فقہ ، محمد اسحاق بھٹی کتاب سرائے لاہور 2009ء

3　برصغیر کے خدام قرآن ، محمد اسحاق بھٹی ، مکتبہ قدوسیہ لاہور 2005ء

4　بیان القرآن فی ترجمۃ القرآن ، مترجم عبد الوحید جان سر ہندی

5　تاریخ سندھ ، ابو ظفر ندوی ، دار الاشاعت کراچی، 1995ء

6　تحریک آزادی میں سندھ کے علماء کا حصہ ، ڈاکٹر مظہر الدین سومرو ، نقش پبلیکیشنز کراچی 2008ء

7　تذکرہ مشاہیر سندھ ، مولانا دین محمد وفائی ، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد 1986ء

8　ترجمہ قرآن مجید بنام " الٰہی آواز جو الاپ " مترجم شاہنواز پیرزادہ ، چند پریس حیدر آباد 1947ء

9　ترجمہ قرآن مجید ، مترجم علی خان ابڑو ، سندھیکا اکیڈمی کراچی 1996ء

10　ترجمہ قرآن سے فرقان تک ، مترجم محمد محسن پنہور ، سندھیکا اکیڈمی کراچی 2001ء

11　ترجمہ القرآن الکریم ، ڈاکٹر عبد الحئی ابڑو ، ریجنل دعوہ اکیڈمی کراچی 2006ء

12　ترجمہ القرآن الکریم ، مترجم ڈاکٹر امیر بخش چنہ ، دار السلام لاہور 1430ھ

13　خلافت امویہ اور ہندوستان ، قاضی اطہر مبارکپوری ، اسلامک پبلیکیشنگ ہاؤس لاہور

14　دائرۃ المعارف اسلامیہ ، جامعہ پنجاب لاہور سنن ابن ماجہ ، دار السلام لاہور 1999ء

15　سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کا سندھ کے علمی ، ادبی اور سماجی تاریخ میں حصہ ، ڈاکٹر سید ممتاز حسین۔ (مقالہ پی ایچ ڈی)

16　سندھی بیت ، ڈاکٹر میمن عبد المجید سندھی مہران اکیڈمی شکار پور 2002ء

17　سوانح حیات مولانا عبد الکریم قریشی ، محمد قاسم سومرو ، روشنی پبلیکشن کنڈیارو 2004ء

18　سہ ماہی مہران حیدر آباد ، سندھی ادبی بورڈ ، 1980ء ، شمارہ : 1-2

19　سیارہ ڈائجسٹ کراچی قرآن نمبر 1969ء

20　عجائب الہند بزرگ بن شہریار ، طبع لندن ، 1886ء

21　فتوح البدان ، ابو الحسن احمد بن داؤد البلاذری ، مصر

22　قرآن مجید کے سندھی تراجم اور تفاسیر ، ڈاکٹر عبد الرزاق گھانگھرو ، مہران اکیڈمی شکار پور 1997ء

23　قرآن مجید مترجم ، مولانا عبد الکریم قریشی ، ناشر علمی مجلس سندھ 1416ھ

24　کلام اللہ ترجمہ قرآن مجید ، مترجم مولانا عبد الورث دل ، نیو سعید آباد 1992ء

25　کلہوڑا دور حکومت ، ڈاکٹر غلام محمد لاکھو ، انجمن اتحاد عباسیہ پاکستان کراچی 2004ء

26　مارو جی ملیر جا ، مصنف خادم حسین چانڈیو ، گنج بخش کتاب گھر حیدر آباد 2005ء

27　ماہنامہ شریعت سکھر ، سوانح نمبر 1981ء

28　مجلہ تحقیق علوم اسلامیہ بہاولپور ، خصوصی اشاعت قرآن مجید کے تراجم 2008ء

29　مجموعہ مقالات کانفرنس بہاولپور یونیورسٹی ، 2009ء

30　مقالات قاسمی ، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، مرتب : ڈاکٹر مظہر الدین سومرو ، ناشر نظیر احمد قاسمی حیدر آباد 2000ء

31　مناظرہ ڈونجھ ، مرتب حاجی صاحب ڈنو میمن 1404ھ

32　سہ ماہی مجلہ فکر و نظر اسلام آباد شمارہ اپریل۔ جون 1993ء

33　نور القرآن ، مترجم مولانا حاجی احمد ملاح ، مہران آرٹس کونسل حیدر آباد 1978ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا حمید اللہ خان عزیز

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم پر ایک نظر!!

(1) تعارف قرآن مقدس

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہے ، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب محمد ﷺ پر نازل فرمائی اور اس کتاب مقدس کی آفاقی تعلیم کو تا قیامت آنے والی تمام نسلوں اور اقوام کے لیے ہدایت کا منبع اور سر چشمہ قرار دیا گیا ۔

قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت کی کتاب ہے ، اس لیے قرآن میں بار بار تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ، قرآن مجید ایک محفوظ کتاب ہے ، جس کے متعلق فرمان الٰہی ہے :

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون

" بے شک ہم نے الذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی یقینی طور پر اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔"

یہ لا ریب کتاب ہے ، اس کی تعلیمات ابدی ہیں ، اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے لیے اس کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا بھی نہایت ضروری ہے ، فرمان نبوی ہے :

" تم میں بہتر وہ ہے ، جو (خود) قرآن پڑھے اور (دوسروں کو بھی) پڑھائے ۔" (الحدیث)

قرآن ہماری زندگی کو آسان بناتا ہے ، اگر انسان کے پاس اس کی تعلیم و تربیت کا ہتھیار موجود ہو تو اسے کوئی ناکام نہیں بنا سکتا ، یہ صحیفۂ ہدایت نہایت عمدگی و متانت سے بنی نوع انسانیت کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔

قرآن مقدس دنیا بھر کے انسانوں کے لیے دستور حیات بھی ہے اور دستور بندگی بھی ۔ اس میں نہ صرف اس عارضی دنیا میں زندگی گزارنے کے تمام مراحل کے اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں بلکہ آخرت کی کامیاب تیاری کے حوالے سے بھی رہنمائی کا مکمل سامان موجود ہے ، قرآن مجید کی ہر آیت اپنی بوقلمونی میں یکتا اور بے مثل ہے ، عوام الناس کے لیے قرآن مقدس وعظ و نصیحت کا مرقع ہے ، اصحابِ بصیرت کے لیے یہ علوم و معارف کا خزینہ ہے ، اس کی تفسیر و ترجمہ کے لیے علمائے کرام نے اپنی پوری پوری زندگیاں اس گلدستہ کی بہار آفرینی میں گزار دیں ۔

برصغیر پاک و ہند اور عرب میں قرآن مقدس کی تفہیم کی خاطر تراجم اور تفاسیر کی تاریخ کا سفر بہت طویل ہے ، اس کے لیے صدیوں کو کھنگالنا پڑے گا ۔ اس خطہ ارضی میں رائج تقریباً ہر زبان میں قرآن مقدس کا ترجمہ اور تفسیر لکھی گئی ، بے شبہ اب تک سینکڑوں تراجم و حواشی اور تفاسیر دنیائے علم میں جلوہ گر ہو چکی ہیں ۔

ہر ترجمہ اور تفسیر قرآن کا اپنا اپنا اسلوب ، رنگ اور خوشبو ہے جو قرآن مقدس کے پروانوں ، جاں نثاروں اور متوالوں کے مشام جاں کو معطر کر رہی ہیں ۔

قرآن مجید کے متعلق یہ چند تعارفی الفاظ کے بعد ، ہم آگے بڑھتے ہیں اور قرآن مجید کے سرائیکی تراجم پر ایک نظر ڈالتے ہیں!!-- جو ہمارا اصل موضوع ہے :

دنیا کی تقریباً ہر زبان کی طرح سرائیکی زبان میں بھی قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر لکھی گئیں ۔ یہ تراجم کن کن اہل علم نے تالیف کیے ، تفسیری خدمت کس عالی قدر شخصیت کے حصے میں آئی اور یہ کہ سرائیکی زبان میں کیے گئے تراجم اور لکھی گئی تفاسیر چھپی بھی یا نہیں ۔

اگر یہ مطبوعہ ہیں تو اس کی اشاعت کی خدمت کس ناشر کے حصے میں آئی اور غیر مطبوعہ ترجمہ و تفاسیر قرآن کہاں کہاں موجود ہیں اور کس عالی ہمت علم پرور کی ملکیت ہیں ، یہ ہے وہ تفصیل جو ہم ان صفحات قرطاس پر پھیلانا چاہتے ہیں ۔ قبل ازیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ہم سرائیکی زبان میں کیے گئے ترجمہ اور تفاسیر کی معلومات سے آپ کو آگاہ کریں ۔ وہاں ایک نظر اس زبان کی تاریخ اور زبان و ادب کے ارتقاء کے متعلق کچھ نہ کچھ آگاہی ضرور دیں ۔

(2) تاریخ سرائیکی زبان

سرائیکی زبان دنیا کی انتہائی قدیم زبانوں میں سے ہے ، اس کا شمار پاکستان کی علاقائی و مضافاتی زبانوں میں کیا جاتا ہے ، یہ ملک کے چاروں صوبوں میں بولی جاتی ہے ۔ سرائیکی زبان بہت بڑے خطے پر پھیلی ہوئی ہے ، بلا مبالغہ یہ کروڑوں لوگوں کی زبان ہے ، یہ پاکستان سے لے کر ہندوستان ، روس اور وسط ایشیاء کے متعدد علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے ۔

سرائیکی زبان میں عربی ، فارسی ، سندھی ، اردو اور دیگر بے شمار علاقائی زبانوں کے ساتھ گہرے اثرات پائے جاتے ہیں ۔

سندھی اور سرائیکی کا آپس میں گہرا رشتہ ہے ، حروف اور لب و لہجہ دونوں زبانوں کا ایک جیسا ہے ، فرق صرف رسم الخط کا ہے ، اس مناسبت سے سندھی کو سرائیکی کی بہن بھی کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح اردو زبان سے بھی سرائیکی کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص تعلق ہے ، اس لیے سرائیکی کو " اردو کی ماں " کہا جاتا ہے۔

سرائیکی زبان کے اثرات اس کرۂ ارض پر دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں ، برصغیر سے باہر بھی اس کے نمایاں خد و خال ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

اس کو ملتانی بولی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی قدامت ملتان کی تاریخ کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

مہاراجہ ہرکناشپ کے حالات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کے وقت یہ شہر موجود تھا۔

ملتان شروع ہی سے سندھ کا حصہ رہا ، بلکہ اسے مرکزی حیثیت حاصل رہی ، بلاد سندھ کی تہذیب و تمدن اور ثقافت دریائے سندھ اور دریائے گھاگھرا (ہاکڑہ) کے دامن میں نمو پاتی رہی ، وادی سندھ کو اول اول کس نے آباد کیا اور اس پر اپنی حکومت قائم کی ، اس کا طول و عرض اور حدود اربعہ کیا تھا ؟ یہ ایسے سوالات ہیں ، جن کے متعلق کوئی مستند حوالہ نہیں ملتا ۔ البتہ قدیم کھنڈرات سے اس کے آثار کا پتا چلایا جا سکتا ہے کہ آج سے کم و بیش پانچ ہزار سال قبل اس عظیم وادی میں موہنجو داڑو اور ہڑپہ جیسے قدیم شہر بستے تھے ۔ بعض تاریخی قرائن سے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں شہر مہذب اور علم و ادب ، ہنر اور فنون کے مراکز تھے۔

وادی سندھ میں دراوڑ قوم کے حالات ، تہذیب و ثقافت کی تاریخ 2300 قبل مسیح میں موجود ہے ۔ اس میں آریہ نسل کی آمد کے متعلق کئی متضاد شواہد ملتے ہیں ، واقعاتی اعتبار سے ایک حقیقت پر سب مورخین متفق ہیں کہ آریہ قوم دریائے سندھ کو پار کر کے ہندوستان کے تمام حصوں میں پھیل گئی ۔ آریاؤں کی زبان و ادب کے تعلقات سرائیکی سے جا ملتے ہیں۔

سرائیکی زبان کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے ظامی بہاول پوری لکھتے ہیں:

" بہاول پوری اور ملتانی کا اصل اور ابتدائی نام سری رام پوری تھا ۔ بس یہ لفظ کثرت استعمال سے سری رام پوری کی بجائے " سری کی " اور پھر سرائیکی سے مشہور ہوا ، بعض محققین کا کہنا ہے کہ پرانے زمانے میں اس علاقے کی بری اور بحری شاہراہوں پر جو سرائیں آباد تھیں ، ان سراؤں کا انتظام عام طور پر ملتانیوں کے ہاتھ تھا ، بلکہ دہلی سے لے کر ملتان تک کی سراؤں کے منتظمین یہی تھے اور یہ لوگ اپنے عملے سمیت بہاول پوری / ملتانی زبان بولتے تھے ، اس زبان کے سراؤں میں مروج ہو جانے کی وجہ سے سندھ کے لوگ اسے سرائیکی کہنے لگے۔"

ملتان کے معروف دانشور علامہ عتیق فکری لفظ سرائیکی کی تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت بی بی سارہ تک لے جاتے ہیں ، سارہ سین سرائکہ ، سرائکی وغیرہ ایسے الفاظ سے اس کا رشتہ جوڑتے ہیں۔

ڈاکٹر مہر عبد الحق نے سرائیکی کے دیگر ناموں میں ملتانی ، بہاول پوری ، اُچی ، ہندکو ، جگدالی ، یغدالی ، جٹکی اور " سرائے کی " کا ذکر کیا ہے۔

سرائیکی دانشور دلشاد کلانچوی کہتے ہیں:

" ایک روایت ہے کہ مسلمانوں کے وادی سندھ میں داخل ہونے سے پہلے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں " سراوا " شہر کو بھی کافی اہمیت حاصل رہی ہے ۔ آج بھی وہ شہر ضلع رحیم یار خان میں " سراواہی " کے نام سے موجود ہے ۔ ملک ملک سے تاجر برصغیر آتے جاتے ، عام بات چیت اور کاروباری معاملات کے لیے وہ یہاں کی اس وقت کی زبان سے واقفیت حاصل کرتے اور اپنی زبانوں کے لفظ اور محاورے یہاں کی زبان میں ملا جلا جاتے تھے ۔ یہ ملی جلی زبان سراوا کی قدیم اور اہم منڈی کی وجہ سے " سراوائی " کہلانے لگی اور سراوائی رسم الخط میں لکھی جاتی رہی۔"

سرائیکی زبان کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے معروف سرائیکی محقق و دانشور پروفیسر شوکت مغل لکھتے ہیں:

" پرانی کتابوں میں معلمین اور صوفیاء نے اس زبان کے لیے یہ نام استعمال کیے ، گن ، سارا ، ایکی ، ایکہ ، ایکم ، وانی ، اسرو ، اسور ، ساراکی ، آسورا اور آشورا ، بعد میں جو زبان بنی اس کو ساراکی یا سرائیکی کہا گیا۔"

جناب شوکت مغل مزید لکھتے ہیں:

" سرائیکی زبان کا یہ نام " سارا سین " سے نکلا ہے ، جو ان عرب قبائل کے لیے استعمال ہوا ، جن کی سرحدیں اباداں پر ختم ہوتی تھیں ، سراکین نام کا ایک ضلع بھی عرب میں موجود رہا ہے۔"

(3) سرائیکی زبان وادب کا ارتقاء

سرائیکی زبان علم و ادب کا خزینہ ہے ، یہ نہایت پر تاثیر اور فصیح و بلیغ زبان ہے ، دیگر زبانوں کی طرح یہ تمام اوصاف و محاسن سے بھرپور ہے ، اس میں بے مثال غنائیت ، سلاست ، جاذبیت ، حلاوت اور وسعت پائی جاتی ہے ۔ اس میں فکر و خیالات کی رنگینی ، تشبیہات اور استعارے کا چمنستان پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح اس دبستان میں محاوروں اور الفاظ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر آباد ہے۔

اس زبان کا علمی و ادبی پس منظر معلوم کرنے کے لیے صدیوں کا سفر کرنا پڑے گا ۔ پہلے پہل یہ گنجینۂ علمی سینہ بہ سینہ منتقل ہوا ، پھر جیسے ہی کتابت و طباعت کی سہولتیں میسر آئیں ، تو اس کو محفوظ کرنے کا کام شروع ہوا ۔ اکادمی ادبیات پاکستان کی تحقیق کے مطابق پاکستان کی علاقائی زبانوں میں سب سے زیادہ کتب سرائیکی میں شائع ہوئی ہیں۔

کیفی جام پوری لکھتے ہیں:

" مسلمانوں کی آمد سے پہلے سرائیکی زبان اور اس کے ادب کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں ، اس میں کوئی شک نہیں ، اس زمانہ کے لوگوں کے ہاں یقیناً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی رسم الخط مروج ہوگا ، مسلمانوں کے اولین زمانہ کی بھی کوئی تحریر محفوظ نہیں رہ سکی ۔ اگر اس زبان کا قدیمی ادبی سرمایہ دستبرد زمانہ سے بچ بھی گیا تو اس کا اکثر و بیشتر حصہ (انگریز اٹھا کر لے گئے) کہا جاتا ہے ، لندن کی " انڈیا آفس لائبریری " اور " ایفرو ایشین لائبریری " میں سرائیکی ادب کی دو بڑی الماریاں بھری رکھی ہیں ۔"

ڈاکٹر مہر عبد الحق لکھتے ہیں:

" سرائیکی کی دو قدیم تحریروں میں سے ایک قصیدہ بردہ شریف کا منظوم سرائیکی ترجمہ اور دوسری کتاب " حلیہ مبارک " جو سرائیکی زبان میں ہے ، یہ فقیر سعد اللہ ولد مولوی عبد اللہ ملتانی کا لکھا ہوا ہے ، قصیدہ بردہ شریف کا یہ ترجمہ سارے تراجم سے قدیم ہے ، لہٰذا اسے ہم پاک و ہند کی زبانوں کا پہلا ترجمہ کہہ سکتے ہیں ۔ ترجمے کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم پانچ سو سال پہلے کی زبان ہے ۔

"حلیہ مبارک" کی زبان نسبتاً آسان ہے جو قصیدہ بردہ شریف کے ترجمے کے ایک سو سال بعد کی زبان ہے ۔ بہت سارے " حلیہ مبارک" موجود ہیں مگر یہ سب سے قدیم لگتا ہے ، سعد اللہ کی ایک تحریر پر 1229ھ درج ہے ۔ عیسوی سن کے حوالے سے یہ 1814ء ہے ۔"

اہل علم و دانش کی تحریروں کی روشنی میں سرائیکی زبان و ادب کی تاریخ کے متعلق یہ مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا ہے ، ورنہ سرائیکی زبان کے منظوم ادب پر نگاہ ڈالیں تو گراں قدر سرمایہ موجود ہے ، سرائیکی منظوم لوک داستانوں کا غائر نظر سے مطالعہ کریں تو ایک بحر بیکراں نظر آئے گا ۔

سرائیکی زبان میں نثری ادب کا گراں مایہ خزانہ محفوظ ہے ، نظم ہو یا نثر ہر صنف میں منفرد اور قابل تحسین کام ہوا ہے ، اس میں دینی و تحقیقی اور تنقیدی ادب ، لسانیات ، شاعری ، سیاسی ادب اور صحافت وغیرہ سب شامل ہیں ۔ سرائیکی ادب میں تاریخی نوعیت کا ایک کام تراجم کا ہے جس میں احادیث و سیرت کے علاوہ ہزاروں صفحات پر مشتمل قرآن مجید کے سرائیکی تراجم منصۂ شہود پر آئے ۔ ان تراجم میں مترجم ، محشی اور مفسر سب شامل ہیں ۔

سیرت النبی ﷺ پر بے شمار کتب اس زبان میں شائع ہوئیں ، علاوہ ازیں منظوم دینی ادب کا ایک گراں قدر وقیع ذخیرہ سرائیکی میں موجود ہے ۔

آج سے ٹھیک 125 سال قبل 1888ء میں بائبل کا سرائیکی ترجمہ شائع ہوا ، جبکہ 1898ء میں اناجیل اربعہ کے سرائیکی تراجم منظر عام پر آئے ، جو بائبل سوسائٹی لاہور نے شائع کیے ۔

(4) مقامی زبانوں میں تراجم قرآن

عربی مسلمانوں کے دین کی زبان ہے ، اسے ہم مسلمانوں کے بین الاقوامی رابطہ کی زبان بھی کہہ سکتے ہیں ، اس کے علاوہ دوسری چھوٹی بڑی تمام زبانیں مثلاً اردو ، سرائیکی ، سندھی ، فارسی ، پنجابی ، ہندی ، سنسکرت ، بنگالی وغیرہ برصغیر پاک و ہند کی مقامی زبانیں کہلاتی ہیں ، ان تمام زبانوں کی اپنی ایک علمی و ادبی تاریخ ہے ، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کا آغاز کب ہوا ، ہمارا موضوع سخن سرائیکی زبان میں تراجم کے حوالے سے ہے ، تو اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے ۔ ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم مقامی زبانوں میں تراجم قرآن پاک کی تاریخ اور اہمیت کے متعلق رقم طراز ہیں:

" برصغیر کے علماء ایک عرصہ تک تراجم قرآن کے حوالے سے تذبذب کا شکار رہے ، بنگال میں اسے تقدس و احترام کے منافی اور سرحد میں تحریف تصور کیا جاتا تھا مگر مفاہیم قرآن سے کماحقہ آگاہی اور علوم و معارف کے مطالعہ کے لیے اس کے تراجم کی ضرورت بھی محسوس کی جاتی رہی ۔ بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں سید المفسرین شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے فارسی ترجمہ اور بعد ازاں ان کے خاندان کے دیگر تراجم نے صدیوں کی جھجک اور گومگو کی کیفیت ختم کر کے مطالعہ قرآن کے ہمہ پہلو وسیع میدان کا دروازہ کھولا ، بلاشبہ ولی اللّٰہی خاندان کی یہ خشت ہائے اول اور اصول تفسیر کا تعین ایسی خدمت ہے ، جسے اصلها ثابت و فرعها في السماء کے مصداق قرار دیا جا سکتا ہے ، آنے والی صدیوں اور عہدوں میں اسی شجرہ طیبہ ، یعنی تراجم و تفاسیر قرآن کے ہزاروں رنگ برنگ سدا بہار پھولوں سے چمنستانِ قرآن مہک رہا ہے ۔

مقامی زبانوں میں قرآنی تراجم کے آغاز کے ساتھ ہی علوم و معارف کی تفسیر و تفہیم کا لا متناہی سلسلہ نہ صرف جاری ہوا ، بلکہ عہد بہ عہد پھیلتا جا رہا ہے ، سینکڑوں تراجم وتفاسیر کی بارہا طباعت کے ہزاروں ، لاکھوں نسخوں نے ہر جویائے حق کو منزل مراد سے آشنا کیا ہے ۔

برصغیر میں پہلا ترجمہ قرآن ہندی / سنسکرت / سندھی زبان میں تھا ، جو 1883ء میں " الور " کے راجہ کی فرمائش پر لکھا گیا ، تاہم باضابطہ ترجمہ کی حیثیت شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ کو ہی حاصل ہے ۔

برصغیر کی مقامی زبانوں (سرائیکی ، سندھی ، پنجابی ، ہندی وغیرہ) میں تراجم وتفاسیر کے حوالے سے یہ امر پیش نظر رہے کہ کسی بھی زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے یہ نا ممکن ہے کہ لفظ بلفظ ترجمہ کر دیا جائے ۔ یہ امر لازمی ہے کہ ایسی کوشش کرتے ہوئے مقامی محاورے کے مطابق عربی الفاظ کے مفاہیم کو قدرے وضاحت سے یا مختلف انداز سے پیش کیا جائے ، ایسی صورت میں ترجمہ وتفسیر میں بسا اوقات تمیز کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے ۔ مزید یہ امر بھی ذہن میں رکھا جائے کہ مقامی زبانوں میں تراجم و تفاسیر کی ایسی بڑی تعداد موجود ہے جس میں ترجمہ صاحب تصنیف کا ہو اور تفسیر یا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حواشی کسی اور مفسر کے یا کسی اور زبان میں، یا اس کے برعکس ترجمہ کسی اور زبان یا مترجم کا ہو اور حواشی وفوائد صاحب تصنیف کے۔

تراجم وتفاسیر قرآن سے جہاں مطالعہ قرآن کے مزید اور وسیع مواقع حاصل ہوتے ہیں، اس خطہ میں اسلام کی مقبولیت اور قرآن کی اثر انگیزی نے دشمنوں کو پہلے سے بڑھ کر حاسد بنا دیا، اور انہوں نے اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کے لیے جہاں قرآن کے الٰہی کلام ہونے کی بجائے انسانی کلام ہونے کا تصور عام کیا، وہیں قرآن کے فاسد اور غلط تراجم کر کے نا پختہ ذہنوں کو اسلام سے دور اور مشکوک کر دیا۔"

(5) سرائیکی میں قرآن مجید کے تراجم

قرآن مجید کا سرائیکی زبان میں ترجمہ، حاشیہ اور تفسیر کی روایت کی تاریخ بہت پرانی ہے، عربی سے سرائیکی میں ترجمہ قرآن نہایت ہی ادبی چاشنی سے بھرپور اور وقیع صورت میں موجود ہے۔

سرائیکی تراجم قرآن منظوم اور منثور دونوں حالتوں میں پائے جاتے ہیں، قرآن مجید کے سرائیکی زبان میں ترجمہ و تفسیر کا آغاز کب ہوا، اس کا حتمی جواب دینا تو شاید مشکل ہوگا، تاہم برصغیر پاک و ہند کے مذہبی حالات و واقعات کے تناظر میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس خطہ ارضی پر اسلام کے اولین نقوش کے ساتھ ہی اس نوعیت کے علمی کام پر اہل علم وفضل نے توجہ دینی شروع کی ہوگی۔

یہ وہ زمانہ تھا، جب علم اور اہل علم تو دونوں موجود تھے، لیکن وسائل نہیں تھے، علمی لوازمات کے انحطاط کے اس دور میں کتابت اور طباعت کے مراحل طے کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اس پُر آشوب عرصہ میں عین ممکن ہے کہ کئی قرآن پاک کے تراجم ضائع ہو گئے ہوں یا مترجم کی رحلت کی صورت میں گم نامی کے اندھیرے میں چلے گئے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ سرائیکی زبان میں بعض قلمی نسخوں کے اسماء تو معلوم ہوتے ہیں، لیکن مسودوں کے سراغ صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔

بہر حال تاریخ کے اس یادگار سفر میں خوش آئند بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے سرائیکی زبان میں تراجم کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے، پھر رکا نہیں، کہیں نہ کہیں اس پر کام ہو رہا ہے۔

(6) سرائیکی زبان میں ترجمہ قرآن کی ابتدائی مساعی

ہماری معلومات اور تحقیق کے مطابق قرآن مجید کا سرائیکی زبان میں قدیم ترین ترجمہ مولوی احمد بخش مرحوم کا ہے جو عیسوی سن کے اعتبار سے 1890ء اور ہجری تقویم کے موافق 1313ھ میں شائع ہوا، لیکن یہ ترجمہ قرآن جزوی ہے، اس اولین ترجمہ کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سرائیکی تراجم کی تاریخ ایک سو تیئیس (123) برس پرانی ہے، جبکہ اردو تراجم کی تاریخ کو تین صدیاں گزر چکی ہیں۔ پہلا اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ کا ہے۔ اردو میں تراجم کی تعداد سرائیکی سے بہت زیادہ ہے، قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کی رفتار بہت سست ہے، اس کی بنیادی وجوہات اہل علم و سخن کے ہاں مسائل کی بھرمار اور وسائل کی عدم دستیابی ہے۔

مولوی احمد بخش مرحوم کے ترجمہ قرآن (1890ء/1313ھ) سے لے کر تا حال قرآن مجید کے سرائیکی تراجم پر جو کام ہوا ہے۔ ان میں معرای، محشی اور تفسیر کے علاوہ منظوم صورت بھی ہے، زیادہ تراجم منثور ہیں۔

مطبوعہ کامل تراجم پانچ ہیں۔ چھ تراجم معرای ہیں۔ اسی طرح مفسر تراجم کی تعداد تین ہے۔

مترجمین قرآن کا زیادہ تر تعلق جنوبی پنجاب کے اضلاع (ملتان، ڈیرہ غازی خان، بہاول پور، رحیم یار خان وغیرہ) سے ہے۔

ان تمام تراجم میں سرائیکی زبان کے تمام مشہور لہجے ریاستی (بہاول پور)، ملتانی اور ڈیروی نمایاں ہیں۔

(7) قرآن مجید کے کامل سرائیکی تراجم

قرآن مجید کے کامل سرائیکی تراجم کی تعداد نو ہے، پانچ تراجم مطبوعہ ہیں اور چار تراجم غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ تمام تراجم منثور ہیں۔ جن میں چھ معرّیٰ تراجم ہیں۔ پہلا کامل سرائیکی ترجمہ قرآن مولانا حفیظ الرحمن حفیظ (ابن مولانا عبد العزیز مرحوم: مؤرخ نوابانِ بہاول پور) نے "قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی" کے عنوان سے کیا، اسی طرح ڈاکٹر مہر عبد الحق نے "قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی" کیا۔ بعد ازاں جماعت احمدیہ (قادیانیوں) کے دو اہم پیروکار خان محمد لسکانی بلوچ اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ نے مل کر "قرآن مجید سرائیکی ترجمہ نال" کے عنوان سے ترجمہ کیا۔ اسی طرح معروف سرائیکی دانشور پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی مرحوم نے قرآن مجید کا مکمل سرائیکی ترجمہ لکھا جس کا نام "سوکھے ترجمے والا قرآن شریف" ہے۔

المرام اینکہ "المرجان (قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ)" کے نام سے مفتی عبد القادر سعیدی نے سرائیکی ترجمہ رقم کیا۔ قرآن مجید کی سرائیکی میں تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں، جن کی تعداد تین ہے۔ غلام محمد چاچڑانی نے "تفسیر اتالیق بزبان سرائیکی" لکھی۔ یہ پہلی باقاعدہ سرائیکی تفسیر ہے، بعد ازاں مولانا محمد نظام الدین نظامی نے تفسیر حسینی لکھی، جو "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" کے نام سے معروف ہوئی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" لکھی جو تفسیری تراجم میں سب سے زیادہ قابل قدر اور منفرد ہے۔

یہ قرآن مجید کی سات منزلوں کے اعتبار سے سات جلدوں پر محیط ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے کامل قرآن مجید کے پانچ سرائیکی تراجم موجود ہیں جن میں مولانا حفیظ الرحمن حفیظ مرحوم، ڈاکٹر مہر عبد الحق، خان محمد لسکانی بلوچ / رفیق احمد نعیم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لسکانی بلوچ ، پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے تراجم شامل ہیں ، جبکہ چار تراجم زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے ، جن کے مترجمین مولانا غلام محمد چاچڑانی ، مولانا محمد نظام الدین نظامی ، مفتی عبد القادر سعیدی اور ملک ریاض شاہد چنڑ وغیر ہم ہیں۔

(8) قرآن مجید کے معرّیٰ سرائیکی تراجم

قرآن پاک کے سرائیکی زبان میں جو تراجم اور تفاسیر موجود ہیں ، ان میں معرّیٰ ، محشی ، مفسر ، منظوم اور منثور سب شامل ہیں ۔ کچھ تراجم کامل ہیں اور کچھ جزوی صورت میں ، اسی طرح چند تراجم مطبوعہ حالت میں ہیں اور بہت کم تعداد غیر مطبوعہ ۔ ان سطور میں ہم معرّیٰ تراجم کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

وہ تراجم قرآن جن میں حاشیہ اور تفسیر موجود نہ ہو ، انہیں معرّیٰ تراجم کہتے ہیں ، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید کے زیادہ تر سرائیکی تراجم معرّیٰ ہیں ، جن کی تعداد بارہ کے قریب ہے ، ان میں بعض مکمل ہیں اور بعض نا مکمل ۔ ان تراجم کی زیادہ تعداد نثر میں ہے ، کم از کم تین معرّیٰ تراجم ایسے بھی ہیں ، جو منظوم شکل میں اور جزوی حالت میں ہیں۔

جزوی تراجم کا ذکر ہم آگے چل کر کرتے ہیں ، یہاں صرف کامل اور معرّیٰ تراجم کی تفصیل بیان کر رہے ہیں ، لیکن پہلے یہ دیکھ لیں کہ معرّیٰ تراجم کے مترجمین کون کون سے ہیں ۔ اس گروہ عالی قدر میں پہلا ترجمہ مولانا محمد حفیظ الرحمن حفیظ مرحوم کا ہے جو " قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی " کے نام سے چھپا ۔ ڈاکٹر مہر عبد الحق نے " قرآن مجید بزبان سرائیکی " کے عنوان سے مرتب کیا ۔ اسی طرح قرآن مجید کا تیسرا معرّیٰ ترجمہ دو مرزائیوں نے اپنے رہبر کی تجویز پر " قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال " کے نام سے کیا ۔ اسی طرح پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی مرحوم نے ایک ترجمہ کیا ، جو قرآنی دنیا کی تاریخ میں " سوکھے ترجمے والا قرآن شریف " کے عنوان سے معروف ہے ۔ یہ وہ معرّیٰ تراجم قرآن ہیں ، جو طبع ہوئے ، جبکہ دو تراجم غیر مطبوعہ ہیں ، ایک بھونگ (صادق آباد) کے مفتی عبد القادر سعیدی صاحب کا ہے ۔ جو " المرجان (قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ) " کے ٹائٹل سے طباعت کا منتظر ہے ، دوسرا ہمارے دوست ملک ریاض شاہد چنڑ نے " نور الایمان (قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ) " کے عنوان کے تحت ترجمہ رقم کیا۔

اب ہم سرائیکی تراجم کے مؤلفین کے مختصر حالات زندگی اور تراجم پر ایک نظر دوڑاتے ہیں۔

1- قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی

(از : مولانا محمد حفیظ الرحمن حفیظ مرحوم)

مولانا محمد حفیظ الرحمن حفیظ مرحوم نوابان بہاول پور کے مورخ دبیر الملک مولانا عبد العزیز مرحوم کے فرزند تھے ، آپ 27 ستمبر 1896ء / 18 ربیع الاول 1314ھ کو بہاول پور میں پیدا ہوئے ۔ انہیں تالیف ، تصنیف اور شاعری سے گہرا شغف تھا ۔ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے امیر آف بہاول پور سے ایک پریس کی منظوری حاصل کی، جس کا نام " عزیز المطابع " تھا ۔ یہ بہاول پور کا پہلا غیر سرکاری چھاپہ خانہ تھا جو انہوں نے 1939ء میں قائم کیا اور متعدد موضوعات پر علمی، ادبی، تاریخی، مذہبی کتب شائع کیں۔

مولوی صاحب مرحوم کا سب سے قابل ستائش کارنامہ قرآن مجید کا مکمل سرائیکی ترجمہ ہے، یہ ترجمہ " قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی " کے عنوان سے چھپا جو نہایت لطیف پیرائے میں نمایاں خوبیوں سے لبریز ہے ۔ یہ ترجمہ قرآن 1372ھ میں طبع ہوا ۔ تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۔ مترجم مرحوم نے خود اپنے پریس " عزیز المطابع " بہاول پور سے چھپوا کر تقسیم کیا۔

خواجہ غلام فرید کا سرائیکی دیوان ، جس کو اردو ترجمے کے ساتھ آپ کے والد مولانا عزیز الرحمان نے مرتب کیا تھا ، آپ ہی نے اسے شائع کیا۔ اس طرح اپنے والد کی سوانح حیات " حیاتِ عزیز " کے نام سے شائع کی ۔ انہوں نے گلستان عزیز ، بوستانِ عزیز ، نعت عزیز ، چیدہ شخصیتیں اور " دیوان فرید غیر مترجم " جیسی کتب مرتب کیں۔

آپ کی یادگار تصانیف میں مجاہد مصر ، زریں زندگی ، جذب القلوب ، حیاتِ آزاد ، گلدستہ اور میران شاہ شامل ہیں۔

آپ نے دو ناول " غازی احمد شاہ ابدالی " اور " سلطان غازی عالمگیر " بھی لکھے ، آپ کا ایک معروف کام بہاول پور کی تاریخ و ثقافت کے حوالے سے ہے ، اس پر آپ کی شاہکار کتب " تاریخ اُچ ، تمدنِ بہاول پور کی دو مختلف صورتیں ، مختصر تاریخ تاجدارانِ ریاست بہاول پور ، ذکر کرام اور حج نامہ (فارسی ، انگریزی ، اردو) قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد حفیظ الرحمن کو مذہب سے حد درجہ لگاؤ تھا ، اس لیے آپ نے بحیثیت عالم دین مذہبی کتب بھی شائع کیں ، جن میں اسلام کیا ہے ، اسلام کیا چاہتا ہے ، سیرت الرسول ﷺ، سیرت محمدی ﷺ، الحبیب (سوانح حیات پیغمبر اسلام ﷺ) ، سفر نامہ حجاز ، توحید کیا ہے ؟ ، احکام نکاح ، ذکر خیر (احوال خواجہ محکم الدین سیرانی) ، شعاع نور (سوانح خواجہ نور محمد مہاروی) لکھیں۔

آپ نے بطور مترجم بھی اچھا نام کمایا ۔ سرائیکی میں " نماز مترجم " کے عنوان سے کتاب لکھی ۔ ترجمے کے حوالے سے ان کی دوسری کتاب " باراں سورۃ شریف " ہے جس میں قرآن پاک کی مخصوص سورتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے ۔ اب یہاں مولوی صاحب مرحوم کے سرائیکی ترجمہ قرآن مجید کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں :

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (سورۃ الفاتحہ: 4)

" صرف تیڈی عبادت کریندے ہیں اساں اتے صرف تیں کنوں مدد منگدے ہیں اساں۔"

إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ (سورۃ العصر: 2)

" بے شک آدمی البتہ وچ زیان دے ہے۔"

إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝ (العدیت: 101)

" بے شک آدمی واسطے رب آپڑیں دے البتہ نا شکر ہے۔"

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (سورۃ البقرہ: 82)

" اتے جیڑھے لوک ایمان گھن آئے، اتے کم کیتونے چنگے ایہے لوک ہن بہشتی اے وچ اوندے رہسن ہمیشہ۔"

قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ ۖ (سورۃ یونس: 16)

" آکھ جیکر چاہندا اللہ تعالیٰ نہ پڑھدا میں اونکوں اُتے تساڈے اتے نہ چتویندا اللہ تساکوں نال ایندے۔"

2- قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی

(از: ڈاکٹر مہر عبد الحق مرحوم)

یہ قرآن مجید کا دوسرا مکمل اور مطبوعہ معرّیٰ ترجمہ ہے۔ 1404ھ میں پاکستان قومی ہجرہ کونسل اسلام آباد نے اسے شائع کیا۔ اس کے مترجم ڈاکٹر مہر عبد الحق ہیں۔ یہ ترجمہ بہت ضخیم ہے۔ نو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

مذکورہ ترجمہ قرآن کی تقریظ میں حافظ عبد اللطیف لکھتے ہیں:

" ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف سرائیکی بولنے والوں پر بلکہ دوسری علاقائی زبانیں بولنے والوں پر ایک عظیم احسان کیا ہے کیونکہ ان کا سرائیکی ترجمہ ٹھیٹھ سرائیکی کی بجائے عام فہم، ادیبانہ اور مستعمل زبان میں ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سرائیکی ترجمے کو تمام مسلمانوں کے حق میں مفید اور باعث نجات اُخروی ثابت فرمائے اور قرآنی حقائق کے سمجھنے کی توفیق بخشے اور مترجم کو اس کامیاب کارنامے پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ (آمین)

مہر عبد الحق نے سرائیکی ترجمہ قرآن کے علاوہ " الحمد للہ " (سرائیکی تفسیر سورۃ فاتحہ)، Quranic View of the Educational Philosophy of the Holy Quran اور Human Self بھی تصنیف کی۔

ڈاکٹر صاحب کے مختصر سوانحی حالات حسب ذیل ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبد الحق کا شمار اردو اور سرائیکی ادب کے ان چند معدودے افراد میں ہوتا ہے، جنہوں نے ان دونوں زبانوں کی تاریخ و تحقیق کے سرمایہ علمی میں بلند پایہ اضافہ کیا۔ آپ کثیر التصانیف علمی شخصیت اور ماہر لسانیات تھے، آپ یکم جون 1915ء کو لیہ میں پیدا ہوئے، ان کے خاندان کا تعلق سندھ کے معروف سمرا خاندان سے ہے۔ آپ نے اوائل تعلیم میں ہندی اور سنسکرت پڑھی۔ 1930ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کرنے کے لیے ایس ای کالج (صادق ایجرٹن کالج) میں داخلہ لے لیا۔ مشاہیر بہاول پور سے ان کے روابط قائم ہوئے۔ آپ کا میلان شعر و سخن کی طرف ہو گیا۔ یہیں آپ کا تعلق حفیظ جالندھری اور احمد ندیم قاسمی سے جڑ گیا۔ 1932ء میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال سے ملاقات کی، جس سے آپ میں علمی ذوق مزید بڑھ گیا۔ آپ نے متعدد ڈگریاں حاصل کیں۔ سرکاری اور پرائیویٹ ملازمتیں اختیار کیں۔

مختصر یہ کہ آپ نے 1944ء میں محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ دوران سروس P.H.D کی ڈگری حاصل کی۔ آپ ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، راجن پور کے اضلاع میں بطور آفیسر اپنی تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ 31 جنوری 1971ء کو طویل عرصہ تک اس مقدس پیشہ سے وابستہ رہنے کے بعد ریٹائرمنٹ لی اور مستقل طور پر تصنیف و تالیف کو شغل بنا لیا۔ آپ نے علم، ادب، لسانیات، تحقیق، تاریخ اور تراجم، سیرت نگاری کے حوالے سے 38 کتب تصنیف کیں۔ جن میں قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ بھی شامل ہے۔ آپ کا علمی اور تحقیق کام ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔ ترجمہ قرآن کے علاوہ قرآنی علوم پر آپ نے پانچ مزید مزید کتب مرتب کیں۔ فاضل مترجم نے 23 فروری 1955ء کو وفات پائی۔ سرائیکی زبان میں آپ کے ترجمے کے نمونہ کے طور پر سورۃ الفاتحہ یہاں درج کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

" اللہ دے ناں نال، جیڑھا بے حد خاص رحمتاں والا اتے بے انتہاء عام رحمتاں والا ہے۔"

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

" سب تعریفاں اللہ دیاں ہن، جیڑھا کل جہاناں دا پالن وِدھاون تے پھلاون والا ہے۔"

الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝

" خاص رحمتاں والا، عام رحمتاں والا۔"

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝

" کیتی اُہن دے ڈینہہ دا مختار کل۔"

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

" اَساں سب صرف تیڈی عبادت کریندے ہیں۔"

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

" ٹور اساکوں سدّھے ہموار رستے تے۔"

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

" اُنہاں لوکاں دا رستہ جنہاں تے تیں نعمتاں نال کیتین۔ انہاں دا نہ جنہاں تے تیڈا غضب ڈھٹھے۔ اتے نہ اُنہاں دا جیڑھے تھڑکیے ہوئین۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ترجمہ قرآن کی یہ خوبی ہے کہ شروع میں قرآن مجید کے موضوعات بھی دیئے گئے ہیں ، ہر موضوع میں سورۃ کا نام ، رکوع نمبر اور آیت کا پہلا جز لکھا گیا ہے۔

فاضل مترجم نے قرآن کا با محاورہ ترجمہ لکھا ہے ، اس سے قرآن کی تفہیم آسانی ہو جاتی ہے۔

3- قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال

(از : خان محمد لسکانی / رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ)

ترتیب زمانی کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کا تیسرا کامل سرائیکی ترجمہ ہے ۔ جو مغربی تراجم میں شامل ہے ۔ یہ 1991ء میں شائع کیا گیا ۔ یہ ترجمہ دو حضرات خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ کی مشترکہ محنت کا نتیجہ ہے ۔ قابل ذکر بات یہ ہے یہ دونوں حضرات مسلمان نہیں ۔ قادیانی فرقہ سے ان کا تعلق ہے ۔ یہ ترجمہ مرزائیوں نے ایک خاص مشن کو پانے کی غرض سے کیا ہے۔ جیسا کہ اس ترجمہ کے شروع میں " پہلی گال " کے عنوان سے اس کی وجہ تالیف بتائی گئی ہے کہ جماعت احمدیہ کے قیام کے صد سالہ سالگرہ کے موقع پر جماعت کے اکابرین نے فیصلہ کیا تھا کہ قرآن حکیم کے کم از کم پچاس زبانوں میں تراجم کروائے جائیں اور ان کو شائع کیا جائے تا کہ ان کے بقول قرآن مجید کی تعلیمات ان لوگوں تک پہنچ سکیں ، جن کی زبانوں میں اس مقدس کتاب کے ترجمے نہ ہوئے تھے ۔ پاک و ہند کی زبانوں میں سرائیکی ایک اہم زبان ہے ، جس کے بولنے والوں کی تعداد کروڑوں میں ہے تو اس زبان میں بھی ترجمے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

اس ترجمہ قرآن کے پہلے صفحہ پر لا یمسہ الا المطہرون لکھا ہے اور نیچے یہ الفاظ درج ہیں :

" زیر ہدایت امام جماعت حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ۔"

ان الفاظ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سرائیکی علاقوں میں قادیانیت کی ترویج کے لیے مرزائی کس قدر منصوبہ بندی سے کام کر رہے ہیں ۔ سرائیکی ترجمہ قرآن کے نام پر لوگوں کو ارتداد کی طرف دھکیلنے میں جدید بنیادوں پر اپنا نیٹ ورک استوار کر رہے ہیں ۔ علماء دین اور بالخصوص تحریک ختم نبوت کے کار پردازان سے گزارش ہے کہ اس ترجمہ قرآن کو حاصل کر کے مترجمین کی علمی خیانتوں کو آشکار اور ارتدادی سرگرمیوں سے دنیا کو آگاہ کریں۔

مترجمین نے اس سے قبل " قرآن کریم وچوں چو نویاں آیتاں "۔ (Selected verses of the Holy Quran in Saraiki) کا بھی ترجمہ کیا ہے ، جسے احمدیوں کے طباعتی ادارے نظارتِ اشاعت ربوہ نے 1989ء میں چھاپا ۔ زیر نظر ترجمے کے ناشر کا نام اس طرح لکھا ہے :

Islam International Publications Ltd . Islamabad, Sheephatch Lane, Til Ford, Surrey Gu 102AQ, U.K.

یہ ترجمہ قرآن سات سو چھیاسٹھ صفحات پر مشتمل ہے ، مترجمین نے یہ ترجمہ 1989ء میں شروع کیا اور دسمبر 1991ء یعنی تین سال میں مکمل کیا اور اسی سال اس کی طباعت واشاعت عمل میں آئی ۔ مترجمین کے مختصراً کوائف یہ ہیں :

ماسٹر خان محمد لسکانی بلوچ 14 جون 1926ء کو ڈیرہ غازی خان کے ایک مقام گل گھوٹو میں پیدا ہوئے ۔ اب یہ علاقہ بستی احمد پور کے نام سے معروف ہے ۔ جو ڈیرہ شہر سے 28 میل دور ہے ۔ آپ کے والد سردار پیر بخش ، لسکانی قبیلہ کے رہبر اور سردار تھے ۔ ماسٹر خان محمد نے ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان سے حاصل کرنے کے بعد 1939ء میں قادیاں گئے اور وہاں مدرسہ احمدیہ میں پڑھتے رہے۔

1950ء میں احمد نگر سے مولوی فاضل کیا اور محکمہ تعلیم میں عربی ٹیچر بھرتی ہو گئے ۔ ملازمت کے سلسلہ میں بہاول پور ، راجن پور ، ڈیرہ غازیخان کے اضلاع میں اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارا ۔ 1981ء میں ریٹائر ہوئے ۔ 1983ء میں جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخان کے امیر ضلع بنے اور 29 جون 2000ء کو اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ 4 اکتوبر بستی احمد پور (ڈیرہ غازیخان) میں ایک نمبردار کے گھر پیدا ہوئے ، آپ کے والد عرضی نویس تھے ، میٹرک کرنے کے بعد مرزائیوں کے ادارے جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخل ہو گئے ، چھ سال تک پڑھتے رہے۔ پرائیویٹ امیدوار کے طور پر ایف اے ، بی اے ، ایم اے اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ 1984ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ڈیرہ میں عربی معلم مقرر ہوئے ۔ تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔ ماسٹر خان محمد لسکانی بلوچ اور رفیق احمد نعیم بلوچ نے مل کر قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ کیا ۔ جس کا نمونہ یہ ہے:

وَقَالُوا رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾ (الاحزاب : 67)

" تے او آکھیسن اے ساڈے رب اساں تے اپنے سرداریں تے وڈیریں دا آکھا منیا تے انہیں ساکوں سدھی راہ کنیں گمراہ کر ڈِتے۔"

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ (الکہف : 4)

" تے انہیں لوکیں کوں ڈراوے جیرے آہدن جو اللہ سئیں پتر بنا گدے۔"

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ (البقرۃ : 18)

" بوڑھے گونگے تے اندھن ایں واسطے او ہدایت دو نہیں ولدے۔"

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر (البقرۃ : 174)

" بے شک تہاڈے اُتے حرام مردار تے رت تے جنائے دا گوشت۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (البقرۃ : 3)

" خدا کنیں ڈرن والے پرہیزگاریں کیتے رہنما۔"

4- سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف

(از : پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم)

پروفیسر دلشاد کلانچوی نے سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف پہلی مرتبہ 1993ء میں بہاول پور سے شائع فرمایا : زمانی ترتیب کے لحاظ سے زیر نظر سرائیکی ترجمہ چوتھا کامل معرّای نسخہ ہے۔

اس ترجمہ میں پرنٹنگ کے دوران کہیں کہیں غلطیوں کی نشاندہی ہوئی تو مؤلف اس کی تصحیح کرکے دوبارہ شائع کرنا چاہتے تھے، لیکن زندگی کی ڈور کٹ گئی ۔ پروفیسر صاحب 1997ء میں وفات پا گئے ۔ بعد ازاں آپ کی صاحبزادی مسرت کلانچوی اور مرحوم مترجم کے شاگردوں نے اس کی مکمل پروف ریڈنگ کر کے طباعت کا خاطر خواہ انتظام کیا ۔ چنانچہ 2000ء میں اس کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت مکمل ہو گئی ، یہ ترجمہ قرآن بڑی خوبصورتی کے ساتھ موٹے پیپر پر شائع ہوا ۔ اس کے صفحات سات سو بارہ ہیں ۔ جس میں ہر سورۃ اور ہر پارہ کی الگ الگ فہرست کے قیمتی ضمیمہ جات بھی دیئے گئے ہیں ، جس سے قرآن مجید کے معنوی حسن میں اضافہ ہوا ہے۔

پروفیسر صاحب مرحوم کی قرآنیات پر گہری نظر تھی ۔ انہوں نے اپنی زندگی میں سرائیکی ترجمہ قرآن کے علاوہ سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی رقم کی ، جو " دلشادیہ تفسیر القرآن " کے نام سے منظر عام پر آئی ۔ اس طرح انہوں نے سرائیکی میں دو مزید کتابیں " قرآن شریف کیا آہدے " اور " قرآن شریف تے اُنداپڑھن " رقم کیں۔

پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم کا اصل نام عطا محمد ہے ، آپ 24 مئی 1915ء / 13 رجب 1333ھ کو بہاول پور کے ایک دور افتادہ گاؤں کلانچ والا میں پیدا ہوئے ، ابتدائی تعلیمی مراحل گھر میں طے کیے ۔ اوائل عمری میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ اپنے عم زاد مولوی عبد القادر کی سر پرستی میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر صادق ایجرٹن ہائی سکول بہاول پور سے صادق ایجرٹن کالج بہاول پور تک نہایت عمدگی سے تعلیمی سفر طے کیا ۔ 1937ء سے 1939ء تک کالج کے میگزین " نخلستانِ ادب " کے مدیر رہے ۔ پروفیسر صاحب نے علم و ادب کے میدان میں خوب ترقی کی ۔ متعدد ڈگریاں حاصل کیں ۔ بہاول پور ، بہاول نگر ، ڈیرہ غازی خان ، احمد پور شرقیہ (ڈیرہ نواب صاحب) کے سرکاری کالجوں میں بطور پرنسپل ملازمت کرتے رہے ۔ 3 مارچ 1971ء کو ریٹائر ہوئے ۔ 16 فروری 1997ء / 1417ھ کو 82 سال کی عمر میں اس بے وفا دنیا کو چھوڑ کر چلے گئے۔

آپ نے درسی کتب کے علاوہ اردو سرائیکی ادب کے موضوع پر متعدد کتب تحریر کیں ، ادب و ثقافت کے حوالے سے چار کتابیں تصنیف کیں۔ تراجم کے حوالے سے یادگار کام کیا ۔ اسی طرح منظوم اردو کتب کا منظوم سرائیکی ترجمہ بھی کیا ۔ فریدیات ، اقبالیات اور ناول کے موضوع پر تحقیقی کام کیا۔

پروفیسر صاحب مذہبی حوالے سے کافی حساس تھے ، انہوں نے 1975ء میں چالیس حدیثوں کا سرائیکی میں ترجمہ لکھا اور اس کا نام " چالیہہ حدیثاں " رکھا۔

" سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف" کے علاوہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر " دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم " مرتب کی ۔ جس کا پہلا ایڈیشن 1984ء میں اور دوسرا 1998ء میں شائع ہوا۔

فاضل مترجم کو اپنی زندگی میں ہی دینی، علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں خصوصی سرٹیفکیٹ ، یادگار شیلڈز اور کئی ایوارڈ بھی دیئے گئے۔

اب آخر میں پروفیسر صاحب موصوف کے سرائیکی ترجمہ قرآن پر ایک نظر۔

ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (بقرہ : 3)

" جہڑے جو اَن ڈٹھے اُتے ایمان گھن آندن، اتے نماز قائم رکھیندن، اتے اساں انہا کوں جہڑا رزق بخشیا ہوئے اوکوں ہلائی چلائی رکھدن ۔"

انی تبت الیك و انی من المسلمین

" تے یقینا میں مسلماناں (فرمانبرداراں) وچوں ہاں۔"

ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ ۝ خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِنْ عَلَقٍ ۝

" (اے رسول ﷺ) توں آپڑیں رب داناں گھن تے پڑھ جئیں پیدا کیتے۔"

فَٱعْفُوا۟ وَٱصْفَحُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦٓ (البقرۃ : 109)

" بس تساں معاف کرڈیوتے پرے کرو جیتوڑیں جو اللہ آپڑاں (بیا) حکم نہ آوے۔"

أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُا۟ ٱلضَّلَٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ (البقرۃ : 16)

" ایہ تاں اولوک ہن جنہاں ہدایت دے عوض گمراہی مُل گھدّی ہوئی ہے۔"

5- المرجان قرآن مجید دا سرائیکی ترجمہ

(از : مفتی عبد القادر سعیدی)

" المرجان ، قرآن مجید دا سرائیکی ترجمہ " مفتی عبد القادر کی تصنیف ہے۔ ترتیب زمانی کے لحاظ سے یہ پانچواں مکمل معرّای سرائیکی ترجمہ ہے۔

یہ ترجمہ بریلوی مسلک کے عقائد و افکار کے عین مطابق کیا گیا ہے ، مترجم " المرجان " کے شروع میں لکھتے ہیں :

" ترجمہ کرتے وقت میرے سامنے کئی تراجم اور تفاسیر تھیں ، مگر میں نے خاص طور پر تین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تراجم سے استفادہ کیا ، ان میں امام اہلسنت احمد رضا خان بریلوی ، علامہ سید احمد سعید کاظمی اور جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کے تراجم شامل ہیں۔"

یہ ترجمہ 626 صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے ، تا ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا ، اب چند باتیں مترجم کی سوانح حیات کے متعلق

مفتی عبد القادر سعیدی 1954ء کو تحصیل خان پور کی ایک بستی موضع واگھون (ظاہر پیر) میں پیدا ہوئے۔

خان پور رحیم یار خان کی ایک تحصیل ہے ، یہ گاؤں اپنے ضلعی مقام سے کوئی ستر کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

مفتی صاحب کے خاندان کے اکابر پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے ۔ مترجم نے ظاہر پیر کے مولوی خورشید احمد فیضی سے اور بعد ازاں 1976-77ء میں علامہ احمد سعید کاظمی کے مدرسہ انوار العلوم ملتان سے فراغت حاصل کی۔

مفتی صاحب نے متعدد مذہبی کتب بھی لکھی ہیں ، ان دنوں مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن غازی جامع مسجد بھونگ صادق آباد میں عربی مدرس کے طور پر اپنے مسلک کے مطابق طلباء کو تعلیم دے رہے ہیں ۔ ان کے " سرائیکی ترجمہ قرآن" سے مذہبی سرائیکی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے ، اب چند سطور میں سرائیکی ترجمہ قرآن پاک کا جائزہ لیتے ہیں۔

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ (الفاتحہ : 5)

" ساکوں (ہمیشہ) سدھے راہ تے چلا۔"

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ (البقرۃ : 8)

" اتے لوکاں وچوں کئی اوہن جو آکھدن اساں ایمان آندا اللہ تے۔"

أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (البقرۃ : 25)

" یقیناً انہیں واسطے باغات ان وہندیاں ہن جنہیں دے تلے نہراں۔"

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر : 3)

" مگر جیرہے ایمان گھن آئے اتے نیک عمل کیتونے اتے ہک بے کوں حق دی نصیحت کیتونے اتے ہک بے کوں صبر دی نصیحت کیتونے۔"

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ (البقرۃ : 77)

" (بھلا) کیا اونہیں جانڑدے جو بے شک اللہ جانڑدے جو کجھ اے لوکیندن تے جو کجھ ظاہر کریندن۔"

(9) قرآن مجید کے مفسر سرائیکی تراجم

قرآن مجید کے کامل معرّای تراجم کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم مفسر تراجم کا ذکر کرتے ہیں ۔ قرآن مجید کے کامل تفسیری تراجم تین ہیں ۔ اس بارے میں سب سے اولین کوشش جو سامنے آئی ہے۔ وہ مولانا غلام محمد چاچڑانی کی ہے۔ ان کی تفسیر کا نام ہے۔ " تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی " تا حال یہ غیر مطبوعہ ہے۔ مفسر نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر اسے تصنیف کیا ، کافی ضخیم تفسیر ہے ، سرائیکی مفسر تراجم میں دوسرا نمبر مولانا نظام الدین نظامی کا آتا ہے ، جنہوں نے " سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی " کے نام سے ترجمہ و تفسیر لکھی ، بد قسمتی سے مصنف اس تفسیر کی اشاعت کی خواہش دل میں لیے دنیا سے چل بسے۔ تفسیر کے حوالے سے تیسری کاوش پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کی ہے ۔ اب نہایت ہی اختصار کے ساتھ مترجمین کی سوانح حیات اور ان کی سرائیکی تراجم و تفسیر پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

1- ترجمہ و تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی

(از : مولوی غلام محمد مستوئی چاچڑانی)

اس تفسیر کے متعلق سرائیکی علم و ادب سے وابستہ ارباب ذوق کہتے ہیں کہ " یہ تفسیر سرائیکی مذہبی ادب کا شاہکار نمونہ ہے۔"

مفسر کے دادا مولوی برخوردار معروف صوفی بزرگ خواجہ غلام فرید کے اتالیق تھے ۔ اس نسبت سے انہوں نے اپنی تفسیر کا نام " تفسیر اتالیقی " رکھا ۔ کوٹ مٹھن ضلع راجن پور میں ایک بہت بڑی لائبریری ہے ، جس کا نام " قصر فرید لائبریری " ہے ۔ وہاں اس تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں بریلوی مسلک کے امام اور پیشوا احمد رضا خان بریلوی نے " کنز الایمان " کے نام سے اردو ترجمہ متعارف کرایا ، جو ان کے اپنے مخصوص مسلک اور عقائد کی بھرپور عکاسی لیے ہوئے ہے ۔ مولوی غلام محمد مستوئی چاچڑانی نے اپنی " تفسیر اتالیقی " میں احمد رضا خان بریلوی کے اردو ترجمہ کے مطابق سرائیکی ترجمہ لکھا ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ خان صاحب کے اردو ترجمہ کو سرائیکی قالب میں ڈھالنے کا کام ان کے ایک پیروکار نے انجام دیاہے۔

یہ ضخیم تفسیر 791 صفحات پر مشتمل ہے ، جس کا مخطوطہ نہایت کشادہ تقطیع پر لکھا گیاہے۔ قلمی مخطوطہ کے شروع میں 77 صفحات کا مقدمہ بھی لکھا گیاہے جس میں بریلوی مسلک کے کافی مسائل درج کیے گئے ہیں۔

مولوی غلام محمد مستوئی ضلع رحیم یار خان کی ایک بستی چاچڑاں میں 1904ء کو پیدا ہوئے ، انہوں نے تمام تر تعلیم اپنے والد فقیر بخش چاچڑانی اور دادا مولوی برخوردار سے حاصل کی ۔ انہوں نے تا حیات بریلوی مسلک کی آبیاری میں اہم کردار ادا کیا ۔ انہوں نے 5 ستمبر 2007ء کو وفات پائی۔ اب مولوی صاحب کے ترجمہ اور تفسیر قرآن کا نمونہ:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ (سورۃ الفاتحہ : 4)

" اساں تیڈی عبادت کریندوں اتے تیں کنوں مدد منگدوں۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِذَا زُلْزِلَتِ ٱلْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ ٱلْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ (الزلزال : 10)

" جڈاں زمین کنبڑیں وِچ تھر تھرا ویسے جینویں ایندا کنبڑاں لوڑن ہے، بھوئیں انب اتے زمین اپنے بوجھ باہر سٹیسے۔"

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾

" ایندے وِچ ہدایت ہے ڈراویں کوں۔"

اس ترجمے کی تفسیر میں درج ذیل حدیث مبارکہ رقم کی ہے:

" حضرت سیدنا عباس سئیں کنوں روایت ہے، جو پرہیز گار او ہے جو شرک اتے وڈے گناہ توں اتے بدی کنوں بچے۔"

قُلْ إِنَّ ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ (الرعد : 27)

" تساں فرماوو بے شک اللہ جیں کوں چاہے گمراہ کریندے۔"

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ (الفجر : 13)

" انہاں تے تساڈے رب نے عذاب دا سوٹا قوت نال ماریا۔"

2-ترجمہ و سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی

(از : مولوی حکیم محمد نظام الدین نظامی)

ترتیب زمانی کے اعتبار سے یہ ساتواں ترجمہ ہے، جو مفسر بھی ہے، یہ غیر مطبوعہ کامل تفسیری قلمی نسخہ مصنف مولوی حکیم محمد نظام الدین نظامی کے بیٹے حکیم سلطان محمود (صادق آباد) کے پاس محفوظ ہے۔ مفسر نے اس کی تصنیف کا آغاز 10 مارچ 1980ء / 1400ھ کو کیا اور 1987ء میں اس کا بڑے احسن انداز میں اختتام کیا۔ یہ غیر مجلد قلمی نسخہ نہایت ضخیم صورت میں ہے۔ ہر پارہ کے دو سو صفحات ہیں، مصنف زبردست کاتب تھے، انہوں نے اپنے ترجمہ و تفسیر قرآن کی اپنے ہاتھ سے خود کتابت کی۔ عربی متن اور ترجمہ و تفسیر جاذب نظر ہے۔

حکیم صاحب گوٹھ جھورا تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں 1900ء کے پس وپیش پیدا ہوئے، طبابت اور تدریس خاندانی پیشہ تھا۔ گھر کا ماحول دینی تھا، ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ بعد ازاں گھوٹکی، ڈہرکی، صادق آباد اور احمد پور شرقیہ کے مدارس میں علم حاصل کرتے رہے۔ عربی فاضل کا امتحان پاس کرکے اوٹی ٹیچر کی حیثیت سے سکول میں ملازمت کرلی۔ 1978ء ریٹائر ہوئے، ریٹائرمنٹ کے بعد والد ماجد حکیم احمد دین کے مطب پر جا بیٹھے۔ تا دم حیات اس پیشہ سے وابستہ رہے۔ مترجم عربی، فارسی، اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ قرآن مجید کے موضوعات سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اس محبت کی بدولت اس کا سرائیکی میں ترجمہ اور تفسیر لکھی، موصوف مترجم 1987ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اب ایک نظر تفسیر حسینی کے ترجمہ اور نمونہ تفسیر پر۔

ٱلشَّمْسُ وَٱلْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَٱلنَّجْمُ وَٱلشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿٦﴾ (رحمان : 5-6)

" سجھ اتے چندر ہک حساب معلوم کنوں ہن اتے گھا، (انگوری) اتے درخت فرمانبرداری کریندے ہن۔"

اس آیت کی تفسیر میں نظامی صاحب لکھتے ہیں:

" سجھ (آفتاب) چندر (ماہتاب) چلدے ہن حساب معلوم نال۔"

وَلِلَّهِ ٱلْمَشْرِقُ وَٱلْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا۟ فَثَمَّ وَجْهُ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾ (البقرہ : 115)

" اتے واسطے اللہ تعالیٰ دے ہے، مشرق اتے مغرب، پچھے جیڈے منہ کرو تساں پس اوڈھائیں منہ اللہ تعالیٰ دا، تحقیق اللہ تعالیٰ ہے وڈا مغفرت کرن والا، جانن والا۔"

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ (القمر : 17)

" اے تحقیق آسان کرڈتا اساں قرآن واسطے یاد کرن دے پھر کوئی یاد کرن والا ہے۔"

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْـَٔلُوا۟ رَسُولَكُمْ (البقرہ : 108)

" کیا چاہندو تساں ایہ جو سوال کرو پیغمبر اپنے کنوں۔"

ءَ انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون

" جو دھمکاؤ تساں اے (محمد ﷺ) انہوں کوں یا نہ دھمکاؤ تساں انہاں کوں او ایمان نہ انیین۔"

3-تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر

(از : پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر)

یہ کامل مفسر ترجمہ قرآن مجید کی سات جلدوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ہر جلد میں قرآن پاک کی ایک منزل کا ترجمہ و تفسیر دیا گیا ہے، اس کے مصنف ڈاکٹر محمد صدیق شاکر ہیں۔ اس تفسیر کی پہلی جلد اکتوبر 2005ء / رمضان المبارک 1446ھ میں " سرائیکی سدھ سراں ملتان " نے شائع کی۔ یہ ضخیم تفسیر ہے، اس کے 2200 صفحات ہیں، اس میں قرآن مجید کی سورتوں کا تعارف بھی دیا گیا ہے۔ ترجمہ با محاورہ، سلیس اور روانی کے ساتھ ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ ایک طویل عرصہ سے کامل سرائیکی تفسیر کی جو کمی محسوس کی جارہی تھی، فاضل مترجم نے وہ کسی حد تک پوری کردی ہے۔ ڈاکٹر صاحب سرائیکی زبان و ادب کے نامور محقق اور دانشور کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ فاضل مترجم علامہ عبد الرشید طالوت مرحوم اور مولانا عبد الواسع ملتانی مرحوم سے از حد متاثر ہیں۔

پروفیسر صاحب 11 نومبر 1941ء کو کوٹلہ تولے خان (کوٹلہ تغلق خان) ملتان میں محمد شاکر کے گھر پیدا ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ لنگاہ (لاہوری) فیملی کے سرکردہ افراد میں سے تھے۔ آپ کے دادا حاجی نبی بخش اچھے عالم دین تھے اور ایک وقیع علمی لائبریری کے مالک تھے۔

پروفیسر صاحب کے آباء و اجداد رنجیت سنگھ کے دور میں ملتان آئے اور یہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو " جامع مسجد لاہوریاں " کے نام سے معروف ہوئی۔

پروفیسر صاحب نے عملی زندگی کا آغاز عربی اور اسلامیات کے لیکچرار کے طور پر کیا۔ ولایت حسین اسلامیہ کالج ملتان، گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ، گورنمنٹ ملت کالج ملتان میں درس و تدریس کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ 2001ء میں اسی کالج سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کتب کثیرہ کے مصنف ہیں۔ سیرت النبی ﷺ، سیرت انبیاء علیہم السلام، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم اور درسی کتب کے علاوہ اردو سرائیکی کی متعدد ادبی اصناف میں پچاس سے زائد کتب تحریر کیں۔ لیکن آپ کا سب سے اہم علمی کارنامہ "تفسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" ہے جو قرآن مجید کا کامل سرائیکی ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہے۔

1985ء میں پروفیسر صاحب نے ادبی مرکز کے طور پر ایک ادارہ "سرائیکی سدھ سراں" قائم کیا۔ اسی طرح 1992ء میں " اکادمی سیرت " کے نام سے ایک اور اُدارے کی بنیاد رکھی۔ سرائیکی اور اردو زبان میں سیرت النبی ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ کی سیرتوں پر کتب و رسائل شائع کرنا اس ادارے کے مقاصد میں شامل ہے۔ مصنف موصوف بقید حیات ہیں اور ایک قدیم تاریخی لائبریری کے مالک ہیں۔

اب پروفیسر صاحب کے ترجمہ قرآن کا مطالعہ فرمائیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ (الفاتحہ: 5)

"ساکوں سدھی راہ تے لا۔"

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ: 286)

" اللہ کہیں کوں تکلیف نی ڈیندا ھا جتی کہیں دی ہڈی سہوے۔"

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ (البقرۃ: 18)

" ڈورے ہن، گنگے ہن، اندھے ہن، بس کڈہیں نہ ولسن پچھاں ولن جوگے نی۔"

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (البقرۃ: 185)

" رمضان دامہینہ او ہے جیندے وچ قرآن لتھا، جیڑھا لوکاں کیتے ہدایت ہے، اتے اوندے وچ ہدایت تے (کُوڑ سچ) دے نکھیڑے دیاں نشانیاں ہن۔"

يا ايها الناس كلوا مما في الارض حللا طيبا و لا تتبعوا خطوت الشيطن انه لكم عدو مبين (البقرۃ)

" لوکو! زمین وچ جو کجھ حلال تے پاک ہے، کھاؤ، شیطان دا پیرا نہ چاؤ، بے شک او تہاڈا چٹا ویری ہے۔"

4- نور الایمان (سرائیکی ترجمہ قرآن پاک)

(از: ملک ریاض شاہد چنڑ)

بریلوی مکتب فکر کے ایک عالم مولانا رضاء المصطفی سعیدی نے " نور الایمان " کے نام سے اردو ترجمہ کیا، جس کا ملک ریاض شاہد چنڑ نے سرائیکی میں ترجمہ کر دیا۔ یہ قرآن بڑے منفرد انداز کا ہے، آرٹ کارڈ پر طبع کیا گیا ہے۔ کل صفحات کی تعداد 1682 بنتی ہے۔ قرآن مجید کا وزن تیرہ من کے لگ بھگ ہے۔

مترجم ملک ریاض شاہد نے 19 جنوری 2007ء بروز جمعرات کو اس نیک اور بابرکت کام کا آغاز کیا، چودہ مہینوں کی شب و روز کی مسلسل ریاضت کے بعد 16 مارچ 2008ء کو اس کی تکمیل ہوئی، " نور الایمان (سرائیکی ترجمہ قرآن پاک) " ابھی تک مخطوطہ ہی ہے۔ مؤلف کے بقول مالی حالات درست ہونے پر اس کی طباعت و اشاعت کا بندوبست کیا جائے گا۔

ملک ریاض شاہد کا خاندان زرعی رقبہ کاشت کرتا ہے، آپ کا گھرانہ ادبی مرکز ہے، آپ کے والد جناب ملک ممتاز زاہد کو سرائیکی وسیب میں نہایت قدر و منزلت سے دیکھا جاتا ہے۔

ملک ممتاز سرائیکی اردو کے نامور صحافی، ادیب اور ناول نگار ہیں، متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ ادبی سرائیکی رسالہ ماہنامہ " سنہڑا " کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ ملک ریاض نے 1979ء میں واہی حسین ضلع بہاول پور میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد کاشتکاری کرتے رہے۔ بعد ازاں کتابت اور صحافت کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ بہاول پور کی مقامی اخباروں میں کئی سال تک خدمات سر انجام دیتے رہے۔ اب ایک نظر ان کے سرائیکی ترجمہ قرآن پر ڈالتے ہیں۔

ويقول الكافر يليتني كنت ترابا

" اتے کافر کھیسی ہائے میں کہیں طرح خاک تھی ویندا۔"

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ (القارعۃ: 4)

" جیں ڈینہہ آدمی ہوسن جیوں کھنڈے پتنگے۔"

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الفاتحہ: 1)

" ساریاں خوبیاں اللہ کوں، جیہڑا مالک سارے جہان والیاں دا۔"

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (البقرۃ: 26)

" بے شک اللہ اوندے نال حیائیں فرمیندا جو مثال سمجھاون کوں جیہوں جہیں چیز دا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر فرمائے، مِھر ہووے یا اوندے توں وَدھ کے۔"

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ (البقرۃ: 57)

" تے اساں ابر کوں تیڈا سایاں کیتا۔"

(10) قرآن مجید کے جزوی سرائیکی تراجم

ہم تاریخ کی روشنی میں قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا مطالعہ کر رہے ہیں، قبل ازیں ہم کامل تراجم (مطبوعہ اور غیر مطبوعہ) کے متعلق تفصیل سے آگاہ کرچکے ہیں۔ اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ سرائیکی زبان میں قرآن مجید کے جزوی تراجم کون سے ہیں۔ ان میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتنے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ جزوی تراجم میں معرّیٰ، محشّٰی، مفسر اور منظوم سب شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر منثور ہیں، چند ایک منظوم بھی ہیں۔ اس وقت جزوی تراجم کی تعداد 14 ہے۔ ان میں 12 مطبوعہ اور 2 غیر مطبوعہ ہیں، اسی طرح 5 تراجم معرّیٰ، 2 محشّٰی، 3 مفسر اور 4 منظوم ہیں۔

جزوی تراجم میں سب سے پہلا نام مولوی احمد بخش کا ہے، انہوں نے پہلے پارے کا ترجمہ کیا، یہ مطبوعہ ہے، دوسرا ترجمہ مولانا خیر الدین ملتانی (م 1370ھ) کا ہے۔ انہوں نے " پارہ اول الٓمّ مترجم ملتانی" کے نام سے ترجمہ تالیف کیا۔ یہ 1344ھ میں شائع ہوا۔

سرائیکی زبان میں ترجمہ و حواشی قرآن کی تیسری کوشش نامور محدث اور ملتان میں اہل حدیث مکتبہ فکر کی ممتاز ترین شخصیت علامہ مولانا عبد التواب ملتانی مرحوم کی ہے۔ انہوں نے مکمل قرآن مجید کا سرائیکی میں ترجمہ کیا تھا، لیکن پہلا پارہ الٓمّ اور آخری تیسواں پارہ عمّا یتساء لون کے علاوہ باقی قرآن کا مترجم نسخہ سرقہ ہوگیا یا پھر کہیں ضائع ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

"عمّ یتساء لون، الٓمّ دا ترجمہ ملتانی زبان وچ" کے عنوان سے مولانا محدث ملتانی کے علمی جانشین مولانا عبد الواسع مرحوم نے اپنے مکتبہ سلفیہ ملتان سے اسے زیور طباعت سے آراستہ فرمایا۔

اسی طرح کہروڑ پکا (ضلع لودھراں) سے 1952ء میں حافظ محمد یوسف چغتائی نے "سرائیکی وچ ترجمہ قرآن مجید مترجم" کے نام سے کیا۔ نور احمد ابن شمس الدین سیال نے قرآن پاک کے پہلے تین پاروں کا ترجمہ کیا، جو انجمن حفظ قرآن بہاول پور سے شائع ہوا۔

الرام اینکہ پروفیسر دلشاد کلانچوی نے " دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ " کے عنوان سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھی:

اسی طرح ڈاکٹر مہر عبد الحق مرحوم نے " الحمد اللہ، سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر" کے نام سے جو تفسیر لکھی اسے 1986ء میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے چھاپی۔

" فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی " 1988ء میں کراچی سے شائع ہوئی، اس کے مؤلف علامہ محمد اعظم سعیدی ہیں۔

اب یہاں جزوی معرّیٰ تراجم کا ذکر کرتے ہیں:

جزوی معری تراجم میں مولانا خیر الدین ملتانی، الحاج حکیم حافظ محمد یوسف چغتائی، مولانا نور احمد بن شمس الدین سیال کے علاوہ مولانا محمد حفیظ الرحمن حفیظ کا " بارہاں سورۃ "، خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ کی مشترکہ کاوش سے کامل ترجمہ قرآن کے علاوہ " قرآن کریم وچوں چونویاں آیتاں " اور میانوالی قریشیاں ضلع رحیم یار خان کے ایک صاحب علم حافظ مختیار احمد شاہد عباسی کی کاوش فکر " قرآن کریم دی بارہاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ " شامل ہیں۔

قرآن مجید کے جزوی معرّیٰ تراجم میں منظوم تراجم بھی ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں عبد الوہاب عباسی کا " قرآن کریم کا منظوم سرائیکی ترجمہ " پروفیسر غلام رضا سیورا بھٹی کا "قرآنی سورتیں مع سرائیکی ترجمہ منظوم" اور محمد رمضان طالب کے تین منظوم تراجم سوجھل سوچاں، رحمت دعا اور سوجھل نعمتاں وغیرہ منظوم سرائیکی ادب میں شامل ہیں۔ اب ان کی تفصیل ملاحظہ ہو:

1- پارہ الٓمّ بزبان ملتانی

(از: مولوی احمد بخش)

سرائیکی زبان میں قرآن مجید کا اول معرّیٰ ترجمہ مولوی احمد بخش المعروف مولوی صادق نے کیا، مذکورہ سرائیکی ترجمہ سے قبل ہمیں کسی دوسرے ترجمہ کی شہادت نہیں ملتی۔ یہ ترجمہ قرآن 1313ھ میں طبع ہوا، اس کے ناشر عبد العزیز محمد، عبد الرشید علی محمد تاجر کتب کشمیری بازار لاہور ہیں۔ اس ترجمہ کے صفحہ اول پر ایک سطر یوں درج ہے:

"سیپارہ مترجم زبان ہندی وِچوں جیکوں مولوی احمد بخش صاحب ترجمہ کیتا۔"

یاد رہے کہ آج سے کم و بیش ڈیڑھ سو سال قبل ہندوستان میں بولی جانے والی ہر زبان کو ہندی کہا جاتا تھا، یہاں تک کہ اُردو کا شمار بھی ہندی زبان میں ہوتا تھا۔ یہ الفاظ اس مذکورہ ترجمہ کی قدامت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اس ترجمہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں ٹھیٹھ سرائیکی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، یہ ترجمہ قرآن صرف بتیس 32 صفحات پر مشتمل ہے، اس میں قرآن مجید کے عربی الفاظ اور سرائیکی ترجمہ خطِ نستعلیق پر لکھا گیا ہے۔

مترجم مولوی احمد بخش کا خاندان کسی دور میں ٹانک (ڈیرہ اسماعیل خان) سے قدیمی ڈیرہ غازی خان شہر میں آیا، ان کے خاندان میں بڑے بڑے سر برآوردہ لوگ ہوگزرے ہیں، آپ کے پردادا حافظ محمد شفیع نے علمی میدان میں بلند مقام حاصل کیا۔ انہوں نے اول سے لے کر منتہی درجے کی کتب لکھیں۔ بعض کتب کے حواشی تحریر کیے، ان کتب میں "توضیح و تلویح" اور "بیضاوی شریف" مشہور ہیں۔ مولوی احمد بخش کا خاندان بریلوی مسلک کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے، خود مولوی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب کے پوتے احسان الحق کے بقول موصوف تا حیات اسی مسلک کے داعی و علمبردار رہے ، انہوں نے 1945ء / 1364ھ میں وفات پائی۔

" پارہ الم بزبان ملتانی " کے ترجمہ کا نمونہ حسب ذیل ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾ (الفاتحہ : 4)

" ہک تیڈی بندگی کریندے ہیں، تیں ہک کنوں یاری منگدے ہیں۔"

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى (البقرۃ : 2)

" ایہا کتاب ایندے وچ کوئی شک نہیں راہ ڈکھالنڑ والی۔"

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ (البقرۃ: 21)

" اولوکو! بندگی کرو آپڑیں رب دی، جئیں تساکوں پیدا کیتے، اتے انہیں کوں جیڑھے تساں کنوں اگیں ہن متاں بچیدے ہووو۔"

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ (البقرۃ : 44)

" ہیں لوکیں کوں چنگی ڈیندیو اتیں آپ کوں وسریندیو۔"

إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ (البقرۃ: 128)

" تحقیق توں ایں توبہ قبول کرنڑ والا، مہربان۔"

2- پارہ اول الم بزبان ملتانی

(از : مولوی محمد خیر الدین صابر ملتانی)

مولوی خیر الدین صابر ملتانی صوفی مسلک کے سلسلہ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے ، آپ نے قرآن مجید کا با محاورہ سرائیکی (ملتانی) ترجمہ لکھا ، جو 1925ء / 1344ھ میں شائع ہوا ۔ یہ ترجمہ پہلے پارہ پر مشتمل ہے ۔ مؤلف نے اسے لاہور سے طبع کروا کر ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں بھیجا ، یہ ترجمہ کشادہ تقطیع کاغذ پر لکھا ہوا ہے ، اس کی لمبائی دس انچ ، چوڑائی ساڑھے سات انچ کے لگ بھگ ہے، کل صفحات 82 ہیں۔

عربی متن اور ترجمہ کا انداز بھی منفرد ہے، پورے ایک صفحہ پر پہلے ترجمہ قرآن دیا گیا ہے اور دوسرے صفحے پر سرائیکی ترجمہ مرقوم ہے ، مؤلف صابر ملتانی ،ملتان کے قرب میں واقع ایک بستی بہادر پور میں 14 جولائی 1884ء / 2 ربیع الاول 1284ھ کو پیدا ہوئے ، آپ اردو ، فارسی اور سرائیکی میں شاعری کیا کرتے تھے ، آپ کا ادبی کلام اس دور کے ہندوستان کے معروف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا، شعر و سخن کے فن میں داغ دہلوی آپ کے استاد تھے ، انہی سے اصلاح لیتے، آپ کا تخلص صابر ہے اور دیوانِ صابر کے نام سے آپ کا کلام طبع ہوا ۔ مولوی صاحب مرثیہ گوئی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ، ان کا مرثی کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔اب دیکھیے ان کے سرائیکی ترجمہ قرآن کی ایک جھلک:

یود احدھم لو یعمر الف سنۃ (البقرۃ)

" اونہاں وچوں ہک ہک ایہ چاہندا ہے جو میڈی ہزار وریہ عمراں ہووے ہا۔"

في طغيانهم يعمهون (البقرۃ)

" اوہ اندھیاں مندھیاں وانگوں او درے ہوئے پھردے ہن ۔"

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾

" ہر طرح دی تعریف خدا کوں ہی تھیندی ہے، جیڑھا جہاناں دے پالن والا ہے۔"

ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون (البقرۃ)

" جو تساں عذاب الٰہی کنوں اونہاں کوں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ، او ایمان گھناون والے اصلوں نہیں۔"

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم (البقرۃ)

" اے لوکو تساں اپنے پالن والے دی عبادت کرو۔"

3- ترجمہ قرآن ملتانی زبان وچ پارہ الم ، عم یتساءلون

(از : علامہ مولانا عبد التواب محدث ملتانی مرحوم و مغفور)

علامہ عبد التواب محدث ملتانی اپنے زمانے کی عظیم عبقری شخصیت کے مالک، نابغۂ عصر ہستی، عالم با عمل، بے باک مبلغ، توحید و سنت کی نشر و اشاعت کے علمبردار تھے۔ ان کا شمار جماعت اہل حدیث کے جلیل القدر علماء و مصنفین و محققین میں ہوتا ہے ۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی علم حدیث کے فروغ میں گزار دی ۔ حدیث و سنت کے سلسلے میں آپ کی علمی خدمات کا احاطہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ آپ نے اس موضوع پر متعدد کتب تالیف و تصنیف کیں ۔ جن میں حدیث سے متعلقہ موضوعات کی بیشتر کتابوں پر حواشی و تعلیقات لکھے، حدیث کی بعض کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا اور ان پر حواشی لکھے ۔ اس طرح صرف و نحو کی بعض کتابیں بھی آپ کے حواشی سے مزین ہوئیں۔

مولانا عبد التواب محدث ملتانی مرحوم نے سرائیکی میں مکمل قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور اس کے حواشی بھی تحریر کیے لیکن افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہمارے پاس پارہ الم اور آخری پارہ عم یتساءلون موجود ہے جبکہ مولانا کا تالیف کردہ بقیہ ترجمہ اور حواشی قرآن اخلاف کے تساہل کی نذر ہو گیا۔

مولانا محدث ملتانی مرحوم کے ترجمہ قرآن کی اس بلند پایہ خدمت کے متعلق علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ اپنی کتاب " برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن " میں لکھتے ہیں:

" حضرت مرحوم کی ایک بہت بڑی علمی اور دینی خدمت ، قرآن مجید کا سرائیکی یا ملتانی زبان میں ترجمہ ہے ، لیکن نہایت افسوس ہے ترجمے کا مسودہ گم ہو گیا ، صرف پہلے اور تیسویں دو پاروں کا ترجمہ چھپا ہے ۔ یہ دو ترجمے ہیں ۔ پہلا ترجمہ مولانا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرحوم کا اور اس کے ساتھ دوسرا حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ پہلے پارے کا ترجمہ مولانا مرحوم کی وفات کے نو سال بعد 1375ھ (1956ء) میں چھپا اور تیسویں پارے (عم یتساءلون) کا ترجمہ ان کی زندگی میں 1359ھ (1940ء) میں چھپ گیا تھا۔ ترجمے کے ساتھ ملتانی زبان میں مولانا کے حواشی بھی ہیں۔

تیسویں پارے کا ترجمہ جنب جمادی الثانی 1359ھ میں چھپا، اس وقت مولانا زندہ تھے۔ ان کی وفات رجب 1366ھ میں ہوئی۔ بلا جلد کا ہدیہ پانچ آنے اور مجلد کا آٹھ آنے ہے۔

سرورق پر یہ الفاظ مرقوم ہیں:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

" تحقیق سوکھا کرڈتا اساں قرآن کوں یاد رکھنڑ واسطے سو کوئی ہے یاد رکھنڑ والا۔"

" الحمد اللہ جو قرآن پاک دے ترھویں پارے عم یتساء لون دا ترجمہ ملتانی زبان وچ اللہ تعالیٰ دے فضل تے کرم نال لکھا گیا، اتے 1359ھ دے پنجویں مہینے جمادی الثانی وچ مولوی عبد الواسع و اولادہ تاجران کتب ملتان نے چھپوایا۔"

" مقبول عام پریس لاہور میں باہتمام محمد ابراہیم منیجر چھپوا کر مولوی عبد الواسع تاجر کتب نے محلہ قدیر آباد ملتان سے شائع کیا۔"

در اصل حضرت مولانا عبد التواب رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ ہر پارے کے ترجمے کو الگ الگ شائع کرنے کا تھا، تا کہ قاری پر اس کے حصول میں مالی بوجھ نہ پڑے۔ لیکن وہ کسی وجہ سے اس ارادے پر عمل نہ کر سکے۔

پہلے پارے کے سرورق پر بھی تقریباً یہی الفاظ مطبوع ہیں جو تیسویں پارے کے سرورق پر ہیں، سوائے اس کے کہ یہ " 1375ھ دے اٹھویں مہینے شعبان دے وِچ " شائع ہوا۔ نیز یہ سطر بھی پوٹ میں لکھی ہے۔

" اے آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ترتیب وار اینہ طرح نال ہک ہک سیپارہ چھپدا رہسی (اللہ دی توفیق نال)۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات کے نو سال بعد 1375ھ میں ترجمہ قرآن کا مسودہ موجود تھا۔ اس کے بعد کسی صاحب کی بے احتیاطی سے گم ہوگیا یا چوری کر لیا گیا اور سرائیکی اور ملتانی زبان جاننے والے لوگ اس بہت بڑی علمی اور دینی دولت سے محروم ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اب ذیل میں سورہ فاتحہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے، اس پر حواشی بھی ہیں لیکن ہم صرف ترجمہ درج کر رہے ہیں:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣﴾ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٤﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٦﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾

" شروع کریندا ہاں، نال ناں اللہ دے جو عام رحمت والا ہے، خاص رحمت والا۔ سب تعریف واسطے اللہ دے ہے جو پالنڑ والا ہے جہاناں دا' عام رحمت والا ہے خاص رحمت والا ہے' مالک ہے ڈینہ جزا دا۔ خاص تیڈی بندگی کریندے ہائیں اساں' اتے خاص تیڈی مدد چاہندے ہائیں، چلا سانوں راہ سدھا، راہ انہاں لوکاں دا جو انعام کیتا تیں اتے انہاں دے۔ نہ انہاں دا جو کاوڑ کیتی گئی اتے انہاں دے، اتے نہ گمراہاں دا آمین : یا الٰہی میڈی دعا قبول کر۔"

اب بہ صورت نمونہ تیسویں پارے کے پہلے صفحے سورۃ النباء کی چند آیات کا ترجمہ اور حواشی پڑھیے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ، عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿١﴾ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ﴿٢﴾ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿٣﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ﴿٦﴾ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿٨﴾ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ﴿١٣﴾

" (شروع) نال ناں اللہ دے (جو) عام رحمت والا ہے' خاص رحمت والا۔

(1) کیڑھی چیز کنوں پچھدے ہن مک بے کوں۔ کنوں اونہ خبر وڈی دے۔ جو اوھے وچ اوندے اختلاف کر رہے ہن۔

حاشیہ : یعنی قیامت کوئی منیندا ہے اتے کوئی نہیں منیندا' تے کوئی شک وچ ہے تے کوئی بے پروا ودا ہے۔ اتے کوئی آکھدا ہے خالی روح اتے۔ خوشی یا غم آسی نہ بدن تے۔

(2) منڈھوں اینویں نہیں جلدی جانڑ گھنسن۔ وت منڈھوا ینوین نہیں، جلدی جانڑ گھنسن۔

حاشیہ : یعنی پہلے ڈینہہ کنوں پیغمبر آ آ کے سمجھیندے رہے مگر لوگ اپنی پچھ پچھج کنوں نہ ہٹے اتے نہ ھٹسن۔ سوھنڑ حقیقت کھل و نجڑ دا وقت آ گیا۔ دیر کوئی نہیں۔

(3) آیا نہیں کیتا اساں زمین کوں وچھانو نڑاں۔

حاشیہ : جیندے اتے ارام نال رہندے اتے مکان بنڑیندے ہن۔

(4) اتے پہاڑاں کوں میخاں۔

حاشیہ : یعنی میخاں دی طرح زمین اتے جو رکھ ڈتے تاں زمین ہک جاء تے جم گئی۔

(5) اتے پیدا کیتاں اساں تساں کوں جوڑا جوڑا۔

حاشیہ : یعنی مرد دی پریشانی دور کرن واسطے عورتاں پیدا کیتیاں یا مراد ہوسن کئی قسم اوگ کئی رنگ کئی زباناں والے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(6) اتے کیتا اساں نندر تساڈی کوں آرام (دی شئی)۔

حاشیہ : یعنے ڈینہہ سارے دے تھکیڑے کنوں نندر آرام ڈیندی ہے۔

(7) اتے کیتا اساں رات کوں کج۔

حاشیہ : یعنے رات ہر چیز کوں اندھارے نال کج ڈیندی ہے' اتے شرم والے کم آدمی پردے نال کرسگدا ہے۔

(8) اتے کیتا اساں ڈینہہ کوں گذران (دا وقت)۔

حاشیہ : یعنی روزی دے سارے کم ڈینہ کوں کریندے ہن۔

(9) اتے بنڑائے اساں اتے تساڈے ست (اسمان) پکے۔

حاشیہ : جو اتنی لمبی مدت گذرن دے بعد وی تھے نہیں تھے۔

(10) اتے کیتا اساں ڈیو۔

ابہوں روشنی والا۔ جیندی وچ گرمی دا ہے۔ اتے روشنی تے گرمی ڈوھاں وچ آدمی دے ڈھیر فائدے ہن۔ (عبد التواب)

ہمارے دوست جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی ایڈیٹر ماہنامہ " الواقعہ" کراچی اپنی کتاب " اصحاب علم و فضل" میں مولانا ملتانی مرحوم کی دیگر علمی اور قلمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

" مولانا عبد التواب صاحب قلم تھے ، ان کی قلمی جولانیوں کا اصل میدان تراجم و تعلیقات تھے ۔ مولانا جو کتابیں طبع کرتے ، ان میں سے بیشتر پر مولانا مختصر مگر جامع تشریحی نوٹس بھی لکھتے جس سے اس کی افادیت دوچند ہو جاتی ۔ مولانا کا سب سے بڑا تحریری کارنامہ قرآن کریم کا مکمل سرائیکی ترجمہ تھا، جو افسوس کہ اخلاف کی بے احتیاطی کی نذر ہو گیا ۔ صرف پہلا اور تیسواں پارہ مولانا کے ترجمے کے ساتھ منظر مشہود پر آئے ۔ اس کے علاوہ دیگر تعلیقات و تراجم میں درج ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

1 بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام : امام شہاب الدین احمد بن حجر العسقلانی (773ھ- 852ھ) کی معروف کتاب ہے اور اکثر مدارس کے نصاب میں داخل ہے ۔ مولانا نے اس کا اردو ترجمہ اور حواشی تحریر کیے ہیں ، اس کا پہلا ایڈیشن دو جلدوں میں مطبع سلفیہ ملتان سے 1344ھ میں شائع ہوا ، متعدد مرتبہ مرحلہ طباعت سے گزر چکی ہے۔

2 ترجمہ صحیح بخاری : مولانا کا یہ کام صرف آٹھ پاروں تک پہنچ سکا تھا ، کچھ اجزاء طبع بھی ہوئے۔

3 ترجمہ وحواشی مشکوۃ المصابیح : حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ المصابیح کا اردو ترجمہ۔

4 ترجمہ وحواشی الحزب المقبول

5 ترجمہ وحواشی الحزب الاعظم

6 تعلیقات المصنف ابن ابی شیبہ

7 حواشی مسند عمر بن عبد العزیز

8 تعلیق تحفۃ الودود باحکام المولود لابن القیم

9 تعلیق حاشیہ صحیح مسلم لابی الحسن السندی

10 حواشی صرف بہائی

11 حواشی شرح مائۃ عامل

12 حواشی تفسیر عزیزی سورۃ المومنون تک

13 تعلیق المسارعۃ الی المصارعۃ للسیوطی

14 تعلیقات مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر للمروزی

15 تعلیق رسالہ ماذئبان جائعان لابن رجب الحنبلی البغدادی

16 حواشی الاشارات الی بیان اسماء المبہمات للنووی

17 تعلیقات علی کتاب القبل والمعانقۃ المصافحۃ لابن الاعرابی

مزید جستجو کی جائے تو مولانا کے حواشی کی یہ فہرست مزید طویل ہو سکتی ہے۔"

اب آخر میں مولانا کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

مولانا عبد التواب محدث ملتانی کے مؤرث اعلیٰ مولانا عبد القادر ، اویس قرنی سے نسبی تعلق رکھتے تھے ۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے:

محمد عبد التواب بن قمر الدین بن بدر الدین بن خواجہ علی مردان بن علی مدد بن حافظ عنایت اللہ بن فقیر عبد القادر اویسی قادری ، یمنی ، عراقی ثم الملتانی ۔ مولانا کے نسب میں ایک نام خواجہ علی مردان کا آتا ہے ، یہ وہی بزرگ ہیں ، جن کی خانقاہ چوک شہیداں ملتان میں واقع ہے۔

مولانا مرحوم کے والد قمر الدین نے 1868ء میں اپنے بزرگ کی قبر کی مجاورت ختم کرکے توحید و سنت کے راستے پر گامزن ہو گئے ۔ چنانچہ انہیں اس پاداش میں مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے ، مگر اللہ کے اس بندے نے راہ عزیمت کو نہ چھوڑا ، اللہ تعالیٰ نے مولانا قمر الدین کو تین بیٹے عطا فرمائے ۔ مولانا عبد الغفار ۔ مولانا عبد التواب اور مولانا عبد البر۔

یہ تینوں حضرات محدث ہند میاں سید نذیر حسین دہلوی کے نامور تلامذہ تھے اور اپنے والد کی طرح دعوت توحید وسنت کے علمبر دار رہے۔

مولانا عبد التواب محدث مرحوم 31 اگست 1871ء / 14 جمادی الثانی 1288ھ کو پیدا ہوئے ۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی ۔ آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے محدث وقت ، محقق کامل ، متبحر فی العلم حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کی بارگاہ علم میں حاضر ہوئے اور ان سے جی بھر کے دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں خصوصی استفادہ کیا اور اس کے نتیجہ میں آپ نے تمام علوم و فنون دینیہ پر عبور حاصل کر لیا ۔ آپ کا شمار میاں صاحب کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے ۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں شیخ احمد بن عبد الرحمن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البنا لساعاتی رحمہ اللہ محدث مصر ، علامہ شیخ راغب الطباخ حلبی رحمہ اللہ محدث شام (م 1370ھ)وغیرہ کے اسماء گرامی کے نام شامل ہیں۔

مولانا مرحوم نے محلہ قدیر آباد ملتان میں عربی درسگاہ مدرسہ " دار التوحید و السنۃ " اور جامع مسجد اہل حدیث کی بنیاد رکھی اور اپنی علمی زندگی کا آغاز درس و تدریس سے کیا ۔ تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ کتب دینیہ کی اشاعت و طباعت کا کام بھی شروع کیا ۔ اس دور میں ان کا " مکتبہ سلفیہ " سعودی عرب ، مصر ، شام اور لبنان تک مشہور تھا ، آپ ان ممالک کے کتب خانوں سے براہ راست کتابیں منگواتے اور معمولی نرخ پر اہل علم کو فروخت کرتے۔

آپ کے نامور تلامذہ میں تینوں بیٹے مولانا عبد الواسع ، مولانا عبد الصبور ، مولانا حافظ عبد الودود (انہی کے نام سے ملتانی سوہن حلوہ مشہور ہے) کے علاوہ مولانا عبد الحق الہاشمی ، مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری ، علامہ فیض الرحمان ثوری ، شیخ علامہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ، علامہ عبد العزیز المعروف مولانا عزیز زبیدی ، علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی ، مناظر اسلام ملک عبد العزیز ملتانی ، مولانا عبد الرزاق فاروقی محدث احمد پوری ، مولانا ابو النعیم عبد الکریم ندیم ڈیروی ، مولانا حکیم عبد الرشید بقراط ، مولانا محمد شاکر ڈیروی ، مولانا مشتاق احمد ڈیروی ، مولانا عبد الحمید کدنوی ، مولانا حکیم عبد المجید کدنوی ، مولانا محمد ابراہیم کدنوی وغیرہم کے نام آتے ہیں۔

مولانا عبد التواب محدث انتہائی مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے ، اعلیٰ درجے کے مہمان نواز تھے ، شب زندہ دار بزرگ تھے ، آپ کا حافظہ نہایت تیز تھا ، ہمیشہ کم گو رہے ، پوری زندگی علمی سرگرمیوں میں منہمک رہے ، جامع مسجد قدیر آباد ملتان میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے اور تا حیات درس و تدریس کا فریضہ نہایت ہی مستحسن انداز میں ادا کیا۔

ایک طویل عرصے تک قرآن وحدیث کے علوم وفنون کی نمایاں خدمات انجام دینے کے بعد 9 رجب 1366ھ / 29 مئی 1947ء کو رحلت فرما گئے۔

آپ کے پیچھے مدرسہ و مسجد سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں ۔ حضرت مولانا عبد التواب محدث ملتانی مرحوم و مغفور کا صدقہ جاریہ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرقد پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین نصیب فرمائے۔ آمین۔

4- بارہاں سورۃ شریف سرائیکی ترجمے نال

(از : مولوی محمد حفیظ الرحمن حفیظ)

مولوی حفیظ الرحمن نے 1372ھ میں " قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی" شائع کیا ، یہ قرآن مجید کا کامل ترجمہ ہے ، اس ترجمہ قرآن کی اشاعت سے ایک سال قبل یعنی 1371ھ میں انہوں نے اپنے پریس عزیز المطابع بہاول پور سے قرآن مجید کی بارہ منتخب سورتوں کو سرائیکی ترجمہ کے قالب میں ڈھالا ۔ وہ سورتیں یہ ہیں ۔ سورۃ یٰسین ، الفتح ، الرحمان ، الواقعہ ، الملک ، نوح ، المزمل ، النساء ، الفجر ، الاخلاص ، الفلق اور الناس۔ "بارہ سورۃ شریف" خوبصورت لکھائی اور مضبوط جلد کے ساتھ شائع ہوئی۔ اس کے کل صفحات 40 ہیں ۔ اس میں سورتوں کے با محاورہ تراجم دیئے گئے ہیں ۔ مؤلف کا تفصیلی تعارف، سابقہ اوراق میں ہو چکا ہے۔

با محاورہ ترجمے کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِىٓ أَعْنَـٰقِهِمْ أَغْلَـٰلًا (یٰسین : 8)

" اساں انہاں دے گردناں وِچ طوق گھت ڈتے ۔"

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

" شروع نال ناں اللہ تعالیٰ دے (جیڑھا) وڈا بخشش والا نہایت مہربان ہے۔"

خَلَقَ ٱلْإِنسَـٰنَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ ٱلْبَيَانَ ﴿٤﴾

(الرحمان : 3 - 4)

"پیدا کیتا آدمی کوں سکھایا اوکوں بولنڑ۔"

الم تر کیف فعل ربک بعاد

" کیا نہ ڈٹھا تیں کیا کیتا پروردگار تیڈے نال عاد۔"

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْمُزَّمِّلُ ﴿١﴾ قُمِ ٱلَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢﴾

(المزمل : 1-2)

" اے کپڑا اوڑنہڑ والے کھڑا ریہا کر رات کوں پر تھوڑا جہیاں ۔"

5- تفرید القرآن

(از : مولوی نور احمد بن شمس الدین سیال)

" تفرید القرآن " قرآن مجید کے شروع کے تین پاروں کا سرائیکی میں ترجمہ ہے ، یہ مقرّی ترجمہ الگ الگ تین پاروں میں شائع ہوا۔

پارہ اول ، انجمن حفظ قرآن ۔ بہاول پور 1393ء میں 28 صفحات پر مشتمل طبع ہوا ۔ دوسرا پارہ 1394ھ / 1976ء میں انجمن حفظ قرآن بہاول پور نے چھپوایا ۔ اس کے کل صفحات 32 ہیں ۔ دونوں پارے کشادہ تقطیع میں اردو ترجمہ کے ساتھ منظر عام پر آئے ، ان کے ناشر معروف ادبی شخصیت بریگیڈیئر سید نذیر علی شاہ مرحوم تھے ، جو انجمن حفظ قرآن بہاول پور کے صدر کے عہدے پر فائز تھے ۔ اردو ترجمہ فضل شاہ کا ہے جو انہوں نے ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کی تحریک پر کیا - یہ دونوں پارے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپے۔

تیسرے پارے کا ترجمہ سرائیکی ادبی مجلس بہاول پور نے کتابی سائز میں چھاپے ، اس کی طباعت 1986ء میں عمل میں آئی۔

اب مؤلف کا نمونہ تراجم دیکھئے :

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّـٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾ (البقرہ : 153)

" اے ایمان والیو ! صبر اتے صلوٰۃ نال مدد گھنو بیشک اللہ سئیں صبر کرن والیاں دے نال ہے۔"

يَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

(البقرۃ : 142)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" جیکوں چاہے صراط مستقیم دی طرف ہدایت فرما ڈیندے۔"

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ (آل عمران:8)

" (جیڑھے اکھیندے را ہندن کہ) رب سئیں آں ! اساڈیاں دلیں کوں ڈنگانہ تھیون ڈیویں بعد ایندے جو اساکوں ڈے ڈتی ہو وی ہدایت۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا (البقرۃ : 254)

" اے (من گھنڑ والے) مومنو ! کریندے رہائے خرچ۔"

مولوی نور احمد 15 نومبر 1908ء کو بہاول پور کے ایک مقام سمہ سٹہ میں ریلوے ملازم حاجی شمس الدین سیال کے گھر پیدا ہوئے ، انہوں نے بیس سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو اوائل عمر میں ادب سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔ معاش کی غرض سے آپ نے محکمہ ریلوے میں ملازمت کرلی ۔ 28 ستمبر 1967ء کو ریٹائرڈ ہوئے ۔ بہاول پور کے سید نذیر علی شاہ سے تعلقات بڑھے ، تو آپ سرائیکی ادبی مجلس اور انجمن حفظ قرآن بہاول پور کے رکن بن گئے ۔ علم و ادب سے خصوصی لگاؤ کے پیش نظر آپ نے بے پناہ تحریری کام کیا۔

سرائیکی ترجمہ " تفرید القرآن " اس سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ آپ ایک ادبی تنظیم " مجلس احباب " کے سر پرست رہے ، اردو اور سرائیکی میں شاعری کرتے تھے ۔ ان کا تخلص " شہید " تھا ۔ آپ نے متعدد کتب تالیف کیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

تفرید القرآن (پارہ اول) ، تفرید القرآن (پارہ دوم) ، تفرید القرآن (پارہ سوم) ، الحروف و الالوف ، بخت و تخت ، ذی شان کریما ، فارسی سے سرائیکی منظوم ترجمہ ۔ نوائے نور (اردو شاعری) ، آئینہ حیرت ، پاک سی حرفی ، سرائیکی حروف تہجی ، دریا بہ حباب اندر وغیرہ شامل ہیں۔

6- قرآن کریم وِچوں چونڑویاں آیتاں سرائیکی ترجمے نال

(از : خان محمد لسکانی بلوچ ، رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ)

یہ دونوں حضرات فرقہ ضالہ قادیانیت سے تعلق رکھتے ہیں ، انہوں نے اپنے امام چہارم مرزا طاہر احمد کی ہدایت پر مکمل قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا تھا ، جس کا مکمل تعارف پیچھے ہو چکا ہے ، ان سطور میں یہ بتانا ہے کہ انہوں نے " قرآن کریم وِچوں چونڑویاں آیتاں سرائیکی ترجمہ نال " کے عنوان سے قرآن کریم کی بعض منتخب آیات کا سرائیکی میں ترجمہ کیا ہے ۔ اس کا سرورق نہایت جاذب نظر ہے ۔ اس پر انگریزی میں لکھا ہے۔

Selected verses of the Holy Quran in Saraiki

یہ کتاب 1989ء میں مرزائیوں کے اشاعتی ادارے نظارتِ اشاعت ربوہ نے چھاپی ہے ۔ نمونہ کے لیے صرف تین آیات دیکھیں۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾

" توں آکھ ڈے جو میں مخلوق دے رب دی پناہ منگداں۔"

قدافلح المومنون

" بے شک مومن کامیاب تھی گئے ۔"

حافظوا علي الصلوٰت و الصلوٰۃ الوسطي

" نمازیں دی حفاظت کروتے اوھلی نماز دی۔"

(11) چند محشّی تراجم

اب جزوی تراجم میں ان تراجم کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر مؤلفین یا مصنفین نے حاشیہ تحریر کیا ، اس وقت ہمارے سامنے چھ محشّی تراجم کے مجموعے موجود ہیں۔

1 عم یتساءلون ، المٓ دا ترجمہ ملتانی زبان وچ

2 قرآن پاک دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح

3 قرآن پاک دیاں چالہیہ آیتاں سرائیکی ترجمے نال

4 پندھراں سورۃ مع سرائیکی ترجمہ

5 قرآن مجید کی گیارہ منتخب سورتوں کا سرائیکی ترجمہ

6 اللہ دی سنجان تے اوندا حق

اب ان مذکورہ پانچ جزوی محشّی تراجم کا نمونہ اور مترجم کے سوانحی حالات پر ایک طائرانہ نظر۔

1- پارہ عمایتساءلون مترجم سرائیکی

(از : محمد رمضان طالب ڈیروی)

محمد رمضان طالب ڈیروی نے قرآن پاک کے سرائیکی تراجم کے حوالے سے سات کتابچے تصنیف کیے ۔ ان میں سے تین مجموعے منظوم ہیں اور چار منثور۔

زیر نظر ترجمہ قرآن آخری پارہ پر مشتمل ہے ، اس کے کل صفحات 32 ہیں ۔ اسے ڈیرہ غازی خان کی فرید سرائیکی سنگت نے 2001ء میں شائع کیا ۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ (التکویر : 1)

" جڈاں سجھ کوں ولیٹیا ویسی۔"

الْقَارِعَةُ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾ (القارعۃ : 2-1)

" کڑواکرن والی کیا ہے ، کڑواکرن والی۔"

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ (الزلزال : 1)

" جیں ویلے زمین تے بھوئیں انب آسی۔"

مترجم محمد رمضان طالب ، ڈیرہ غازی خان میں 1935ء کے پس و پیش پیدا ہوئے ، آپ کے باپ دادا طبابت پیشہ تھے ۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے مراحل گھر میں طے کیے ، 1952ء میں آپ نے اسلامیہ ہائی سکول ڈیرہ غازی خان سے میٹرک کی ، مختلف ٹیچر کورسز کے بعد ٹیچنگ کا شعبہ اختیار کیا ، ان کا تعلق معروف ادیب و دانشور محمد علی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیفی جام پوری سے جڑا، تو آپ نے ادب کے میدان میں کئی معرکے سر انجام دیئے۔ دسمبر 1982ء میں ریٹائرڈ ہوئے تو اساتذہ کی تنظیم سازی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اسی طرح کئی ادبی تنظیموں کی سرپرستی کرتے رہے، ان میں فرید سرائیکی سنگت اور بزم سائل بہت نمایاں ہیں۔

انہوں نے سیرت النبی ﷺ اور قرآنیات پر سرائیکی زبان میں متعدد کتب لکھیں۔ اسی طرح شاعری اور سفرناموں کے حوالے سے بھی کئی کتب مرتب کیں۔ فرید سرائیکی سنگت کے زیر اہتمام اُردو سرائیکی جریدہ ماہنامہ "فرید رنگ" جاری کیا۔ اس کا پہلا شمارہ مارچ 1988ء میں چھپا۔ مصنف کو اپنی زندگی میں بے پناہ عزت ملی۔ کئی اعزازات اور ایوارڈز سے نوازا گیا۔ مصنف موصوف نے 11 نومبر 2009ء کو وفات پائی۔

2- قرآن پاک دی آخریں ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح

(از: محمد رمضان طالب ڈیروی)

سرائیکی زبان و ادب میں قرآنیات پر جو نمایاں کام ہوا ہے، زیر نظر کتابچہ "قرآن پاک دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح" اس کا حصہ ہے۔ اس کتابچہ کے صفحات صرف 56 ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس میں قرآن مجید کی آخری دس سورتوں کے علاوہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر بھی دی گئی ہے۔ وہ سورتیں الفیل، القریش، الماعون، الکوثر، الکافرون، النصر، اللہب، الاخلاص، الفلق اور الناس ہیں۔ یہ کتابچہ یکم رمضان المبارک 1409ھ کے اوائل میں ڈیرہ غازی خان سے شائع ہوا۔ اس کے ناشر اخلاق احمد سعید بھٹی ہیں جو فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان کے نائب صدر ہیں۔ اس کتابچے کے مصنف محمد رمضان طالب ہیں جو ادیب اور شاعر تھے انہوں نے سرائیکی زبان میں دینی ادب کی آبیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ نمونے کے طور پر چند آیات کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ (الفاتحۃ: 5)

"ساکوں سدھا رستہ ڈکھا۔"

اسی طرح سورت الماعون کی پہلی دو آیات کا ترجمہ پڑھیں۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝١

فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝٢

"کیا تیں اوں شخص کوں ڈٹھے، جیں قیامت دے ڈینہہ کوں کوڑا کیتے اے اوہو ہے جیڑھا یتیمیں کوں دھکے ڈیندے۔"

سورۃ الماعون کی ایک آیت فی جیدھا حبل من مسد کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ہک ڈینہہ او بارسی اوندی گیچی وچ پھس گئی اوں رسی کوں کڈھن دی بہوں کوشش کیتی پر رسی انجھا گھوگھا ڈتہ جو او تڑپ تڑپ کے مرگئی۔"

3- قرآن پاک دیاں چالھیہ آیتاں سرائیکی ترجمہ نال

(از: محمد رمضان طالب ڈیروی)

یہ کتابچہ بھی محمد رمضان طالب ڈیروی کا ہے، قرآنیات پر ان کی خدمت خراج تحسین کی مستحق ہے، انہوں نے جہاں سرائیکی نثر میں گراں قدر اضافہ کیا ہے وہاں تاریخ میں اپنا نام خادمان قرآن کی فہرست میں بھی رقم کروایا ہے۔ زیر تبصرہ کتابچہ میں انہوں نے قرآن مجید کی چالیس منتخب آیات کا سرائیکی زبان میں ترجمہ کے ساتھ مختصر تشریح بھی دی ہے۔ اس میں مترجم نے قرآن مجید کی سورتوں میں سے چھوٹی چھوٹی آیات کو چن کر ایک مجموعہ تیار کیا ہے۔

کتابچے میں انہوں نے طریق کار یہ رکھا ہے کہ پہلے عربی متن دیا گیا ہے۔ دوسری لائن میں ترجمہ اور تیسری لائن میں اس آیت کی مختصر سی تشریح لکھی گئی ہے۔ ہر آیت کا اپنا موضوع ہے۔ یہ آیات نماز، روزہ، زکوۃ، ذکر و فکر، منافقین کی مذمت، عذاب الیم کی وعید، شرک کی تردید، توحید کا بیان وغیرہ کے متعلق ہے۔

یہ کتابچہ بھی اخلاق احمد سعید بھٹی نائب صدر "فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان" نے یکم جنوری 1995ء کو چھپوا کر تقسیم کیا ہے۔

اب منتخب آیات کے نمونہ کے لیے درج ذیل آیات کا ترجمہ و تشریح دیکھیے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝٤

"بے شک اساں انسان کوں سوہنی شکل وچ پیدا کیتے۔"

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

"سنو! اللہ تعالیٰ دے ذکر نال دل کوں تسلی تھیندی اتے۔"

اب ایک آیت کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ کیجیے:

و انا نحن نحي و نميت و نحن الوارثون

"تے بے شک اساں جیندا کریندے ہیں تے مریندے ہیں، تے اساں ای وارث ہیں۔"

تشریح میں لکھتے ہیں:

"انویں رب العالمین ڈوجگ دا خالق مالک تے پاک ہے، پرایں آیت پاک وچ اللہ تعالیٰ فرمیندے جو مارن تے جوالن صرف میڈے ہتھ وچ ہے، جو میں ای اصل وارث تے مالک ہاں۔"

ایک اور آیت کا ترجمہ دیکھیے۔

کل نفس ذائقۃ الموت

"ہر ذی روح موت دا ذائقہ چکھسے۔"

4- پندرھاں سورۃ مع سرائیکی ترجمہ

(از: محمد رمضان طالب ڈیروی)

سرائیکی قرآنیات پر محمد رمضان ڈیروی مرحوم کا یہ تیسرا جواہر پارہ ہے جو انہوں نے "پندرھاں سورۃ مع سرائیکی ترجمہ" کے عنوان سے لکھا ہے۔ عالی قدر مترجم نے اس کتابچہ میں قرآن کی پندرہ منتخب سورتوں کا سرائیکی میں ترجمہ کیا ہے۔ ان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں الفاتحہ ، الضحیٰ ، القدر ، العصر ، الھمزہ ، الفیل ، القریش ، الماعون ، الکوثر ، الکافرون ، النصر ، اللھب ، الاخلاص ، الفلق اور الناس شامل ہیں ۔

" پندھراں سورۃ مع سرائیکی ترجمہ " کا نمونہ ملاحظہ ہو:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

" اللہ دے ناں نال جو وڈا رحمان تے ول ول رحم کرن والا ہے۔"

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴿١﴾ اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ﴿٣﴾

" (اے محمد ﷺ) آکھ ڈے اللہ ہک ہے ، اللہ بے نیاز ہے اوں کہیں نی جڑیا تے نہ او جڑیا گئے۔"

وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ﴿٤﴾

" تے کوئی وی اوندی برابری کرن والا نئیں۔"

5- قرآن مجید کی گیارہ منتخب سورتوں کا سرائیکی ترجمہ

(از : حافظ مختار احمد شاہد عباسی)

یہ قرآن مجید کی منتخب گیارہ سورتوں کا سرائیکی میں ترجمہ ہے جسے حافظ مختار احمد شاہد عباسی نے تالیف کیا ہے ، یہ منتخب سورتیں آخری پارہ سے لی گئی ہیں ، جن میں سورۃ العلق ، التکاثر ، العصر ، الھمزہ ، الفیل ، القریش ، الکوثر ، الماعون ، الکافرون ، النصر اور المدثر شامل ہیں ۔

فاضل مرتب ادیبانہ صلاحیتوں سے بھرپور شخصیت ہیں ، انہوں نے عوامی مزاج کو سامنے رکھ کر نہایت عام فہم انداز میں ترجمہ اور حاشیہ تحریر کیا ہے ، عربی متن اور ترجمہ دونوں آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں ، عربی متن عربی رسم الخط یعنی خط نسخ میں ہے ۔ خط دیوانی ، خط نستعلیق سے زیادہ خوبصورت ہے ، یہ ترجمہ معرای ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔

فاضل مترجم حافظ مختار احمد شاہد عباسی آہستہ آہستہ پورے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں ، موصوف عربی زبان سے خاص شغف رکھتے ہیں کیونکہ آپ خود ایم اے عربی ہیں ، کچھ عرصہ عربی کے لیکچرار بھی رہے ۔

حافظ صاحب نے قرآن کی ان مجوزہ اور منتخب سورتوں کا ترجمہ اس لیے کیا ہے ، ان کے بقول عربی ادب کے لحاظ سے ان سورتوں کا ترجمہ و تفہیم اور تلاوت قدرے مشکل ہیں۔

مؤلف موصوف سرائیکی ترجمہ کے شروع میں لکھتے ہیں:

" یہ میرے دل کی خواہش تھی کہ میں خود قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ کروں اور اسے پڑھوں میں کسی اور کا مرقوم ترجمہ نہیں پڑھنا چاہتا تھا۔ اس لیے میرے اندر کی خواہش اور جذبہ تھا کہ ایسا ترجمہ ہو جو گرائمر کی رو سے صحیح اور عام فہم ہو۔"

اب سرائیکی ترجمے کے نمونہ کے لیے سورۃ النصر کا مطالعہ کیجیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

" اللہ دے ناں نال جیڑھا مہربان تے رحم کرن والائی۔"

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ﴿٢﴾

" جڈاں اللہ دی مدد تے فتح آونجے ، تے توں لوکیں کوں اللہ دے دین وچ ٹولیاں ٹولیاں بن آندا ڈیکھ گھنے۔"

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

" تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کرتے اوندے کنوں۔"

وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابًۢا ﴿٣﴾

" مغفرت منگ ، بلاشک اوہو توبہ قبول کرن والائی۔"

یہ سورت النصر کا ترجمہ ہے ، جو نہایت آسان ہے ، اس میں سرائیکی زبان کی بیارت واضح موجود ہے۔

مؤلف حافظ مختار احمد شاہد عباسی 3 اپریل 1962ء کو بستی میاں والی قریشیاں ضلع رحیم یار خان میں پیدا ہوئے ، آپ کے گھر کا ماحول دینی اور ادبی تھا ، اوائل عمر سے ہی آپ کو عربی زبان سے خاص انسیت پیدا ہوگئی۔

آپ نے قرآن پاک حفظ کیا ، ابتدائی تعلیم مقامی سکولوں سے حاصل کی ۔ گورنمنٹ خواجہ فرید کالج رحیم یار خان سے ایف اے اور بی اے کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے ۔ بعد ازاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے عربی زبان و ادب میں ماسٹر کیا ۔ اسی ڈگری کی بنیاد پر 1990ء میں گورنمنٹ کالج صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں عربی کے لیکچرار مقرر ہوئے ۔ 3 سال بعد 1993ء میں اس شعبہ سے الگ ہو گئے۔

موصوف علمی ، ادبی ، سماجی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں ، آپ ایک شاعر کی حیثیت سے ادبی محافل کی جان سمجھے جاتے ہیں۔

آپ نے 1977ء میں اپنی مادری زبان سرائیکی میں قرآن مجید کی منتخب سورتوں کا ترجمہ لکھنا شروع کیا ، تا حال اس خدمت میں لگے ہوئے ہیں ، ان دنوں آپ واپڈا میں ملازم ہیں اور پوری تندہی کے ساتھ تالیفی کام بھی کر رہے ہیں۔

6- اللہ دی سخان تے اوندا حق

(از : الیاس فاروقی احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور)

احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور کا قدیمی شہر ہے ، علم و ادب کے لحاظ سے جنوبی پنجاب میں اسے دوسرا لکھنؤ بھی کہا جاتا ہے ، یہاں کے جن اصحاب علم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے سرائیکی ترجمہ پر کام کرنے کی توفیق سے نوازا ، ان میں ہمارے دوست الیاس فاروقی صف اول میں نظر آتے ہیں ۔ موصوف ایک دینی و علمی خاندان کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چشم و چراغ ہیں ، آپ کے والد گرامی علامہ مولانا محمد حسین محمدی الفاروقی رحمہ اللہ ایک معروف مدرس ، مصنف ، مترجم ، خطیب ، مقرر اور مناظر تھے ۔ مولانا مرحوم ریاست بہاول پور کے عالم اجل علامہ مولانا ابو محمد عبد الحق الہاشمی العمری محدث مہاجر مکی کے تلمیذ رشید تھے ۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کی خاطر اپنی حیات مستعار کے 38 برس سندھ میں گزارے ۔ ان کی دینی و علمی خدمات سے ایک زمانہ آگاہ ہے ۔ آپ مسلک اہل حدیث کے بے باک مبلغ اور ترجمان تھے۔ آپ نے 22 جولائی 1997ء کو وفات پائی۔

جناب الیاس فاروقی 13 دسمبر 1961ء کو احمد پور شرقیہ کے محلہ فتانی میں پیدا ہوئے ، آپ کا پورا نام ممتاز الحسین الیاس فاروقی ہے ، جبکہ تحریروں میں قلمی نام صرف الیاس فاروقی لکھتے ہیں ۔ آپ جنوبی پنجاب کے ممتاز سرائیکی دانشور و ادیب جناب رحیم طلب (ڈپٹی ڈائریکٹر انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ لودھراں ، پنجاب) کے قریبی رفقاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

موصوف کی دینی تعلیم و تربیت میں والد مرحوم علامہ مولانا محمد حسین محمدی اور دادا مولوی نور دین مرحوم کا حصہ ہے۔ انہوں نے اسکول کی تعلیم سے فراغت کے بعد مبلغ اسلام ، داعی اتحاد امت مولانا عبد الرزاق فاروقی (ابن شیخ علامہ ابو محمد عبد الحق الہاشمی محدث مہاجر مکی) سے مروجہ دینی علوم و فنون پڑھے اور اس میں مہارت حاصل کی۔

فاروقی صاحب کا شمار جنوبی پنجاب کے سرائیکی اہل علم و دانش حضرات میں ہوتا ہے ، آپ کی علمی، دینی اور ادبی خدمات سرائیکی ادب کا گراں قدر اثاثہ ہیں ۔ انہوں نے کئی سال کی ریاضت کے بعد سرائیکی رسم الخط تیار کیا ہے ، جو ترتیب کے آخری مراحل میں ہے ، آپ نے عملی زندگی کا آغاز مقامی صحافت سے کیا ۔ " نوائے احمد پور شرقیہ " ، " جھوک " ، " یادر " ، " قلزم " ، " بہاول پور ٹائمز " جیسی اخبارات میں ادبی مضامین لکھتے رہے ۔ ایک عرصہ ان اخبارات کی کتابت کی ذمہ داری بھی نبھائی ۔ موصوف متعدد ادبی اخبارات اور سرائیکی ادبی انجمنوں کے رکن بھی رہے ، وہ ادارہ تفہیم الاسلام احمد پور شرقیہ کے مشاورتی رکن ہیں ، ماہنامہ مجلہ تفہیم الاسلام میں آپ کی تحریریں شائع ہو رہی ہیں ۔ آپ ایک طویل عرصے سے لکھنے اور پڑھنے میں مصروف ہیں ۔ ان کے پاس " مکتبہ المحمدیہ " کے نام سے ایک بڑی شاندار لائبریری ہے ۔ جس میں اردو ، عربی ، سرائیکی اور پنجابی ادب و زبان کے حوالے سے علمی ، ادبی ، تحقیقی ، سیاسی اور اصلاحی موضوعات پر ضخیم سرمایہ موجود ہے۔

مولانا الیاس فاروقی صاحب کی سب سے منفرد اور اہم علمی کاوش " اللہ دی سنجان تے اوندا حق " ہے ۔ منتخب قرآنی آیات کے سرائیکی ترجمے پر مشتمل کتاب ہے ۔ یہ ایک قلمی نسخہ ہے جو ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا ۔ یہ سرائیکی ترجمہ ، تحقیق و کاوش کے اعتبار سے منفرد حیثیت کی حامل ہے ۔ اس لیے جب یہ شائع ہو گی تو اسے قبول عام کا درجہ حاصل ہو گا ۔ انشاء اللہ ۔ انہوں نے سرائیکی وسیب کے باسیوں کو عقیدہ توحید اور مسنون زندگی سے آشنا کرنے کے لیے پورے قرآن مجید کا سرائیکی میں ترجمہ کرنے کے علمی سفر کا آغاز کر دیا ہے ۔ زیر نظر کتاب بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

" اللہ دی سنجان تے اوندا حق " کی وجہ تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ:

" سرائیکی وسیب دینی علم اور تحقیقی حوالے سے تہی دست ہوتا جا رہا ہے ، سرائیکی ادبی لٹریچر میں ایسا ایسا مواد شائع ہو رہا ہے ، جو فطرتی عقیدہ توحید و سنت کے بالکل منافی ہے ۔ متعدد سرائیکی رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین میں شرکیہ مواد بھرا پڑا ہے اور یہ بات کسی بندہ موحد کے لیے قطعاً برداشت کے قابل نہیں ہے ، بلکہ توحید پرستوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہمارے سامنے صحیح عقائد و افکار کو بگاڑ کر پیش کیا جا رہا ہے اور ہم اس سلسلے میں کوئی خاص پیش رفت نہیں کر رہے ۔ چنانچہ اس صورتحال سے متاثر ہو کر میں نے قرآن مجید کی منتخب آیات کا سرائیکی میں ترجمے کا آغاز کیا کہ لوگوں میں اسلام کا حقیقی پیغام عام کر کے عقائد فاسدہ کا رد کیا جائے۔"

فاضل مترجم کی یہ علمی کاوش لائق تحسین ہے کہ انہوں نے اپنی بے حد مصروفیت اور علالت و بیماری سے وقت نکال کر قرآن مجید کی تعلیمات کے فروغ کے لیے اپنی علمی اور فنی مہارت سے سرائیکی ترجمہ قرآن کو موضوع بنائے ہوئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں اس نیک کوشش کے بدلے صحت مند زندگی عطا فرمائے ۔ آمین۔

سرائیکی ترجمہ کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

" اللہ دے ناں نال جھیڑا وڈا مہربان تے بہوں رحم کرن والا ہے۔"

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿١﴾

" آکھ ڈیو ! او اللہ ہکو ای ہے۔"

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾

" اللہ ای بے نیاز ہے۔"

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿٣﴾

" نہ اوں کہیں کوں جنے تے نہ اونکوں کہیں جنے۔"

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

" تے نہ ای اوندا کوئی سیگا ہے۔"

الیاس فاروقی صاحب کے ترجمہ کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں سرائیکیت کو پیش نظر رکھا ہے اور یہی ترجمے کا اصل حسن ہے کہ آپ جس زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں ، اس زبان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے الفاظ زیادہ سے زیادہ استعمال کریں ، اگر دوسری زبانوں کے الفاظ لیے جائیں گے ، تو ترجمہ کا حسن جاتا رہے گا، زیر نظر قرآن مجید کی سورتوں کے تراجم میں سرائیکی الفاظ استعمال کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے ، مثال کے طور پر سورۃ الفلق کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿١﴾

" آکھ ڈیو ! میں پناہ اَپڑینداں سویل دے رب دی۔"

مِن شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿٢﴾

" ہر اوں شئے دے شر کنوں جہڑی اُوں پیدا کیتی۔"

وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ﴿٣﴾

" تے اندھاری رات دے شر کنوں جہڑے ویلے او ڈلھیٹ گھنے۔"

وَمِن شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ﴿٤﴾

" تے گنڈھیں وچ پھوکے مارن والئیں (رناں) دے شر کنوں۔"

وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾

" تے سڑولیں دے شر کنوں جہڑے ویلے او ساڑ کُڈے۔"

فاضل مترجم سرائیکی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں، ان کے ترجمے کا ایک وصف فصاحت و بلاغت بھی ہے ، سرائیکی زبان کے قواعد کے مطابق بہتر ترجمہ وہی ہو سکتا ہے جو متن کے مفہوم کا حق ادا کر رہا ہو ۔ اس میں کسی قسم کا کوئی سقم اور کجی نہ ہو۔ بلکہ کھلے الفاظ میں مفہوم ادا ہو رہا ہو۔

ذیل میں ہم ان کے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو فصاحت و بلاغت کی اثر آفرینی سے بھرپور ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

" اللہ دے ناں نال جہڑا وڈا مہربان تے بہوں رحم کرن والا ہے۔"

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾

" سبھیاں تعریفاں اللہ کیتے ای ہن جہڑا سمو وے جہانیں دا رب ہے۔"

الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣﴾

" وڈا مہربان تے بہوں رحم کرن والا ہے۔"

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٤﴾

" مالک ہے بدلے دے ڈینہہ دا۔"

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾

" اساں چھڑی تیڈی ای عبادت کریندوں تے چھڑی تیں کنوں ای مدد منگدوں۔"

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٦﴾

" ساکوں سدھی راہ ڈکھا۔"

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾

" اُنہیں لوکیں دی راہ جنہیں تے تیں انعام کیتے جنہیں تے تیڈی کاوڑ کینی تے نہ ای او تھڈ کے ہوئے ہن۔"

سرائیکی مترجمین نے اپنے اپنے ذوق اور لہجے میں قرآن مجید کے تراجم رقم کیے ہیں ، جس میں ہر صاحب علم کا لہجہ جدا جدا ہے۔ "اللہ دی سنجان تے اوندا حق" میں جناب فاروقی صاحب نے خالص ریاستی لہجہ کا استعمال کیا ہے ، مثلاً سورۃ الناس کا ترجمہ دیکھیے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

" اللہ دے ناں نال جہڑا وڈا مہربان تے بہوں رحم کرن والا ہے۔"

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾

" آکھ ڈیو ! میں پناہ اَپڑینداں انسانیں دے رب دی۔"

مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾

" انسانیں دے بادشاہ دی۔"

إِلَٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾

" انسانیں دے معبود دی۔"

مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾

" وسوسہ پاکراہیں پچھونہاں پھرونجن والے دے شر کنوں۔"

الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ

" جہڑا لوکیں دے دلیں وچ وسوسے پاتی رکھدے۔"

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

" اوجناں وچوں ہووے بھانویں ، انسانیں وچوں۔"

فاروقی صاحب ایک خوش نویس کاتب ہیں ، وہ کتابت کے تمام اسرار و رموز سے واقف ہیں ۔ انہوں نے اپنی زیر طبع کتاب کی خود کتابت کی ہے، جو نہایت ہی دلکش ، دیدہ زیب اور منفرد اسٹائل لیے ہوئے ہے ۔ موصوف کمپیوٹر کمپوزنگ سے بھی آشنا ہوگئے ہیں ۔ اس لیے جدید دور کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے ، کتاب کے مسودہ کو خود ہی کمپوز کر رہے ہیں ۔ امید کی جا سکتی ہے کہ جلد ہی ان کی یہ کتاب پرنٹنگ کے مراحل سے گزر کر جلوہ گر ہو گی۔

(12) جزوی مفسر تراجم

سرائیکی میں قرآن مجید کے جزوی تفسیری تراجم میں تین نامور علماء کی خدمات نمایاں ہیں ، ان میں : پروفیسر عطاء محمد دلشاد کلانچوی کی " دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ فاتحہ "، ڈاکٹر مہر عبد الحق کی تالیف " الحمد للہ ، سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر " کے علاوہ علامہ محمد اعظم سعیدی کی کاوش فکر " فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی " کے نام آتے ہیں۔ ان تفاسیر کا تعارف ذیل کی سطور میں پڑھیے۔

1- دلشادیہ تفسیر القرآن سورۃ فاتحہ

(از : پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی)

پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی کے مختصر حالات اور علمی تعارف پچھلے اوراق میں ان کے کامل معرّیٰ ترجمہ " سوکھے سرائیکی ترجمے والا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن شریف" میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں ۔ ان سطور میں ان کی تفسیر" دلشادیہ" کا تعارف کرانا مقصود ہے۔ "دلشادیہ تفسیر القرآن سورۃ فاتحہ"...... سورۃ فاتحہ کی مکمل سرائیکی تفسیر ہے۔

اس کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں ۔ 1984ء/1404ھ میں سرائیکی لائبریری بہاول پور نے اس کا اول ایڈیشن کتابی سائز میں چھاپا۔ اس وقت مصنف خود زندہ تھے ۔ دوسرا ایڈیشن اکادمی سرائیکی ادب بہاول پور نے شائع کیا۔

پروفیسر صاحب " ایاک نعبد " کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" عبادت روحانی تعلیم تے تربیت کیتے ہے، عبادت کرن نال انسان کوں اپڑیاں کمزوریاں تے کوتاہیاں دا شعور حاصل تھیندے، اللہ تعالیٰ دی مغفرت تے اوندیاں صفاتاں دا احساس تھیندے، اوندے مختار کل ہوون دے یقین آندے۔"

" اھدنا " کی تفسیر میں رقمطراز ہیں :

" اللہ تعالیٰ نے عقل تے سمجھ دے ذریعے انسان دے اگوں اوندی ترقی تے عروج وکمال کیتے ساریاں راہیں کھول ڈتن تے سارے وسائل تے ذریعے موجود کر ڈتن، انہاں گالھوں پتہ لگدے جو انسان اللہ تعالیٰ دی ساری مخلوقات دا حاصل تے مرکز ہے، تے اشرف المخلوقات ہے۔"

2- الحمد للہ، سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر

(از : ڈاکٹر مہر عبد الحق مرحوم)

ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم نے " قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی " میں مکمل قرآن مجید کا ترجمہ کیا، ان کا یہ ترجمہ 1404ھ میں طبع ہوا۔

زیر نظر تفسیر ان کا ایک اور علمی کارنامہ ہے ۔ سورۃ فاتحہ کی یہ تفسیر 207 صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ 1986ء میں اسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے چھاپا تھا ۔ مؤلف نے 37 صفحات میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر بیان کی ہے ، اور اس کے تمام حروف کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے ایک ایک لفظ کی تشریح کی ہے۔ مثلاً اسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عربی زبان دے وچ ہر لفظ دا ہک مادہ ہوندے جیڑھا اوں لفظ دے بنیادی معنیاں کوں ظاہر کریندے ، اسم دا مادہ " س-م-و " ہے۔" سماء " ہر اچی شئے کوں آہدن، اچی شئے پرے کنوں نظر آویندی ہے، تے سنجاتی ویندی ہے، جیڑھی نشانی یا علامت کنوں کوئی شے سنجاتی ونج سگدی ہے، اوکوں اسم آہدن۔"

3- فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی (اول پارہ)

(از : علامہ محمد اعظم سعیدی)

قرآن مجید کی یہ تفسیر بریلوی مکتب فکر کے عالم علامہ محمد اعظم سعیدی کی ہے، خواجہ غلام فرید کی نسبت سے انہوں نے اپنی تفسیر کا نام " فرید التفاسیر " یعنی تفسیر سرائیکی رکھا ہے۔

یہ تفسیر قرآن مجید کے صرف پہلے پارہ الٓمّ پر مشتمل ہے ۔ 1988ء میں اسے سرائیکی ادبی سنگت یونیشیالائن کراچی نے چھپوائی۔

اس تفسیر میں فاضل مترجم نے گرائمر کے حوالے سے کچھ مشکل مقامات کا حل بتایا ہے ، اور قرآن کی بعض آیات کی تفسیر خود آیات قرآن سے کی ہے۔

تفسیری نمونہ ملاحظہ کریں۔

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

" اتے تیں کنوں مدد منگدوں۔"

تفسیر میں لکھتے ہیں:

" انسان اقرار کریندے جو یا اللہ جیویں اساں تیڈی عبادت کریندوں ایویں مدد وی صرف تیں کنوں منگدوں ، حقیقی مالک وی توں ہیں اتے ڈیون والا وی توہیں...الخ۔"

علامہ محمد اعظم سعیدی 17 اکتوبر 1950ء / 1369ھ کو ضلع رحیم یار خان کی ایک تحصیل لیاقت پور کی بستی گھوکا دڑہ مورا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولوی خورشید احمد فیضی اور احمد سعید کاظمی بریلوی اور مفتی محمد حسین نعیمی وغیرہم، جیسے بریلوی اکابر سے تلمیذ ہونے کا شرف حاصل کیا۔

محمد اعظم سعیدی نے کچھ وقت صحافت میں گزارا ۔ انہوں نے سرائیکی ادبی سنگت کے زیر انصرام سرائیکی مجلہ ماہانہ " سدھ سدھار " جاری کیا ۔ بعدازاں " فکر پرہاروی " کے نام سے ایک اور مجلے کا آغاز کیا۔ آج کل مجلہ "التفسیر" کے ایڈیٹر ہیں ۔ یہ رسالہ ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے۔

آپ کی علمی و ادبی خدمات کی فہرست بہت طویل ہے ، آپ کی چھتیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں ، جو مذہب و ادب کے موضوع پر ہیں ، اس طرح چودہ کتابیں زیر طبع ہیں ۔ فاضل مترجم کو متعدد ایوارڈز بھی دیے جا چکے ہیں۔

(13) منظوم سرائیکی تراجم

قرآن مجید کے منظوم سرائیکی تراجم کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔

اس سلسلے کی اولین کوشش جو ہمیں نظر آتی ہے، وہ محمد رمضان طالب کی ہے ،انہوں نے تین منظوم سرائیکی تراجم کے مجموعے مرتب کیے اور وہ شائع بھی ہوئے ۔ ان میں سے ایک سوجھل سوچاں ، دوسرا رحمت دعا اور تیسرا منظوم ترجمہ سوجھل نعمتاں ہے۔

قرآن مجید کا منظوم سرائیکی ترجمہ میں ایک معروف نام عبد الوہاب عباسی کا ہے اور تیسرا اہم نام جناب غلام رضا سیور بھٹی کا آتا ہے۔

یہاں ایک بات یاد رہے، ان منظوم تراجم کا اگر تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا جائے تو شاید یہ علمی معیار پر پورے نہیں اترتے اور نہ ہی معنوی تقاضے پورے کرتے ہیں ۔ بہر حال سرائیکی زبان میں قرآن مجید کو منظوم شکل میں ڈھالنے کی ایک کاوش ہے ، جنہیں ان خادمان قرآن نے انجام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینے کی سعی کی ہے۔ اب ایک جھلک مترجمین کے تعارف اور منظوم تراجم کے نمونے پر۔

1- قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی

(از : عبد الوہاب عباسی)

جناب عبد الوہاب عباسی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کا پہلا جامع منظوم سرائیکی ترجمہ کیا ہے ۔ وہ پہلے دس پاروں کو منظوم سرائیکی زبان میں مکمل کر چکے ہیں اور دس دس پاروں کی تین جلدیں مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے منظوم ترجمے کا آغاز 1998ء میں کیا تھا ، جو تاحال جاری ہے۔

مترجم 14 اگست 1957ء کو لاہور میں پیدا ہوئے ، آپ نوابان بہاول پور کے خاندان سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔

آپ کے والد عبد القادر جوہر عباسی نے علی گڑھ کالج سے ایم اے فارسی کیا تھا اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں درس و تدریس پر مامور رہے۔

جوہر صاحب فارسی اور سرائیکی کے ممتاز شاعر تھے ، جوہر تخلص کرتے تھے ۔ یونیورسٹی نے ان کی بے پناہ علمی و ادبی خدمات کی بناء پر اردو، فارسی اور سرائیکی میں ان کی فن اور شخصیت پر مقالے لکھوائے ہیں ۔ مترجم جناب عبد الوہاب عباسی نے ابتدائی دینی تعلیم مدرسہ فاروقیہ عربیہ بہاول پور سے حاصل کی۔ آپ نے قرآن مجید حفظ کیا ، ثانوی تعلیمی بورڈ ملتان سے " عالم اردو " کا امتحان دیا اور کامیاب ٹھہرے، اسلامیہ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

14 مئی 1976ء کو " متروکہ وقف املاک حکومت پاکستان " میں ملازمت اختیار کی ۔ ان کا قافلہ حیات ما شاء اللہ ترقی پذیر ہے ۔ انہوں نے سرائیکی میں منظوم قرآن مجید کا وہ یادگار کارنامہ سر انجام دیا ہے ، جسے عوام وخواص میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ نمونہ دیکھئے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرة : 125)

بنڑایا جب اساں کعبہ کوں سب دا امن و معبد
بنڑاؤ جا مقام پاک ابراہیم کوں مسجد

اس طرح ایک اور آیت دیکھئے:

إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ (البقرة: 32)

" تو بے شک اے خدا ہیں علم والا صاحب حکمت۔"

2- قرآن مجید دی چونڑیاں سورتاں دا منظوم سرائیکی ترجمہ

(از : غلام رضا سیور بھٹی)

یہ قرآن مجید کی چند مخصوص سورتوں کا سرائیکی میں منظوم ترجمہ ہے ۔ سورۃ فاتحہ کا مکمل ترجمہ سرائیکی اخبار " جھوک " ملتان کی 28 اکتوبر 2007ء کی اشاعت میں چھپ چکا ہے ۔ منظوم نمونہ ملاحظہ ہو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

" اللہ دے ناں رحمان توں تے رحیم توں ہے ابتداء۔"

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴿١﴾ اللَّهُ الصَّمَدُ

آکھ ! او اللہ ہے ہک
نئیں لوڑ جیکوں کجھ ذرا

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ﴿٣﴾

نہ تاں اوں جایا کا ہیں کوں
تے نہ او کاہیں توں جمیا

وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿٤﴾

تے کڈا ہیں نئیں تھیا
اوندا جھیاں کوئی بیا

فاضل مترجم 17 مارچ 1976ء کو بستی حاصل والا تحصیل کہروڑ پکا ضلع لودھراں میں پیدا ہوئے ، آپ نے قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے M.B.A کیا اور متعدد انجینئرنگ کورسز کر چکے ہیں ۔ پاکستان کے متعدد انجینئرنگ اداروں میں ملازمت کرتے رہے ، ان دنوں پاکستان کے اسکالر شپ پر جرمنی (سٹوٹگارٹ میں) کمپیوٹر لنگوئسٹکس کے موضوع پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔

موصوف انگلش ، اردو ، سرائیکی ، عربی ، فرانسیسی ، ہسپانوی ، فارسی ، جرمن زبان میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ انہوں نے مستقبل میں پورے قرآن مجید کے منظوم سرائیکی ترجمہ کا عزم کیا ہوا ہے ۔ اللہ تعالی ان کے اس منصوبے کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

3- سوجھل سوچاں

(از : محمد رمضان طالب ڈیروی)

" سوجھل سوچاں " رمضان طالب ڈیروی کا قرآن مجید کی آیات کا منظوم ترجمہ ہے ۔ یہ انگریزی اور سرائیکی دو زبانوں میں ہے ، اس میں کہیں کہیں آیات کی تشریح بھی کی گئی ہے ۔ فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے اسے 25 دسمبر 2003ء / 30 شوال 1426ھ میں اسے شائع کیا۔ اس کے صفحات 96 ہیں۔

رمضان طالب ڈیروی نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے سرائیکی میں تراجم کیے ہیں، ان کا تفصیلی تعارف پیچھے جزوی تراجم میں ہو چکا ہے۔

زیر نظر کتاب میں ایک آیت کا منظوم ترجمہ یوں ہے۔

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ (النور : 38)

سب دی پالک ذات رب دی ہے جناب
جیئنکوں چاہے رزق ڈیوے بے حساب

انگریزی ترجمہ یوں دیا ہے:

Allah giveth blessings with out stint to whome he will.

مذکورہ آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

" ایں آیت کریمہ دے ذریعے اللہ تعالی ہک خاص گال دی وضاحت کیتی ہے ، جو میں ساری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیا دا خالق تے پالک ہاں، تے سب دا روزی رساں ہاں، تے رزق ڈیون وچ بس میڈی اپنی مرضی شامل ہے، کہیں کوں ڈھیرڑے کے غنی کراں یا کہیں کوں تھوڑاڈے کے محتاج کراں۔"

کتابیات

1 عبد الحق مہر، ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاول پور اردو اکادی، 1967ء

2 اناجیل اربعہ، سرائیکی تراجم، بائبل سوسائٹی لاہور۔ 1898ء

3 کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت 1968ء

4 عتیق فکری، العتیق العتیق : بہاول پور، سرائیکی ادبی مجلس 1967ء

5 دلشاد کلانچوی، سرائیکی لسانیات، 1990ء

6 شوکت مغل، آؤ سرائیکی پڑھوں تے سرائیکی لکھوں

7 ظامی محمد بشیر احمد، سرائیکی زبان دا ارتقاء: بہاول پور مرکز سرائیکی زبان تے ادب

8 مولانا اسحاق بھٹی، برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن، مکتبہ قدوسیہ، لاہور 2005ء

9 پروفیسر ڈاکٹر سلیم طارق خان، مقالات قرآن کانفرنس، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور 2008ء

10 حفیظ الرحمن حفیظ، مولانا، قرآن مجید مترجم، بہاول پور، عزیز المطابع، 1372ھ

11 دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان ابن کلیم پبلشرز 2000ء

12 عبد الحق مہر، ڈاکٹر، قرآن مجید بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ 1404ھ

13 خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز 1991ء

14 شوکت مغل، دلشاد کلانچوی، فن اور شخصیت، بہاول پور، اکادمی سرائیکی ادب 2004ء

15 سعیدی عبد القادر مفتی، المرجان سرائیکی ترجمہ قلمی نسخہ، بھونگ صادق آباد

16 غلام محمد چاچڑانی، مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی نسخہ، قصر فریدلائبریری کوٹ مٹھن 1413ھ

17 نظام الدین نظامی، مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ 1987ء

18 محمد صدیق شاکر، ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں 2005ء

19 ریاض شاہد ملک، نورالایمان، قرآن مجید سرائیکی ترجمہ، بہاول پور، قلمی نسخہ 2008ء

20 احمد بخش مولوی، پارہ الٓمّ مترجم ملتانی، لاہور گلزار محمدی، 1890ء

21 صابر ملتانی، خیر الدین، مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی 1925ء

22 عبد التواب ملتانی، عم یتساءلون، الٓمّ سرائیکی ترجمہ قرآن، ملتان، عبد الواسع تاجران کتب 1940ء

23 محمد یوسف چغتائی، قرآن مجید مترجم، کہروڑ پکا، دار الشفاء، 1952ء

24 نور احمد سیال، تفرید القرآن، بہاول پور، انجمن حفظ القرآن، 1975ء

25 حفیظ الرحمان، مولانا، بارھاں سورۃ، بہاول پور، مکتبہ عزیزیہ 1371ھ

26 خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن کریم وچوں چونڑویاں آیتاں، ربوہ، نظارت اشاعت 1989ء

27 طالب، محمد رمضان، پارہ 30 عمّ، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت 2001ء

28 محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، اصحاب علم و فضل، کراچی، اصلاح المسلمین پبلشرز 2005ء

29 محمد رمضان طالب، قرآن پاک دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت 1409ھ

30 محمد رمضان طالب، قرآن پاک دیاں چالھیہ آیتاں، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت 1995ء

31 محمد رمضان طالب، پندھراں سورۃ، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت 2002ء

32 عباسی، مختار احمد شاہد، قرآن مجید کی گیارہ منتخب سورتوں کا سرائیکی ترجمہ، 2006ء

33 دلشاد کلانچوی، دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ، طبع دوم، 1999ء

34 عبد الحق مہر، ڈاکٹر، تفسیر الحمد للہ، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، 1986ء

35 سعیدی محمد اعظم، علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت پاکستان 1988ء

36 عبد الوہاب عباسی، قرآن کریم دا منظوم ترجمہ، غیر مطبوعہ

37 غلام رضا سیور بھٹی، قرآن مجید دیاں چونڑویاں سورتاں سرائیکی ترجمہ نال، منظوم سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ، 2007ء

38 محمد رمضان طالب، سوجھل سوچاں، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت 2003ء

39 الیاس فاروقی، اللہ دی سنجان تے اوندا حق، احمد پور شرقیہ، ضلع بہاول پور، 2013ء، غیر مطبوعہ

> "یہ آوارہ نوجوان ہی وہ خام مال ہیں جو دین کی طرف متوجہ ہوں گے تو اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ جبکہ روایت پسند مسجد نشین اپنے ذہنی پس منظر کی وجہ سے کلامی بحثوں اور لفظی موشگافیوں میں ہی آپ کو الجھانے کی کوشش کریں گے۔"
>
> (حسن البنا شہید)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد سلیم اسماعیل

مولانا فتح محمد جالندھری بہ حیثیت مترجم قرآن

مولانا فتح محمد جالندھری کا تعلق ایک علمی، ادبی اور دینی گھرانے سے تھا۔ آپ کے آباء و اجداد افغانستان سے ہندوستان آئے تھے اور آپ افغانی الاصل روہیلوں کے یوسف زئی قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ یہ وہ قبیلہ تھا جس کے بارے میں بہ قول حفیظ جالندھری، سیّد احمد شہید نے کہا تھا کہ "اس خاندان میں انوارِ ولایت متوارث چلے آ رہے ہیں۔" آپ کے جد امجد جناب یار محمد خان فوجی افسر کی حیثیت سے ہندوستان آئے، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس صاحب شمشیر کی اولاد سے ایک صاحب قلم بھی پیدا ہوگا، جو پورے ہندوستان میں آفتاب بن کر چمکے گا اور بے شمار لوگ اس کے علم و فضل سے مستفید ہوں گے[1]۔ آپ کے جد امجد یار محمد خان افغانستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تو ریاست رام پور میں قیام کیا، وہیں ان کی شادی ہوئی، لیکن تلوار کے اضطراب نے انہیں رام پور سے پنجاب پہنچا دیا اور وہاں کے مشہور و معروف ضلع جالندھر میں انہوں نے سکونت اختیار کی۔

مولانا فتح محمد خان جالندھری کی پیدائش گاؤں ٹانڈا ضلع ہوشیار پور میں 1281ھ / 1864ء کو ہوئی۔ لیکن آپ کے والد محترم کی ملازمت چونکہ جالندھر میں تھی، اس لیے آپ کی پرورش جالندھر میں ہی ہوئی[2]۔ مولانا فتح محمد کے ذاتی حالات پردہ خفا میں ہیں۔

اپریل 1928ء کو حفیظ جالندھری نے لاہور سے نکلنے والے علمی و ادبی رسالے "مخزن" میں لکھا تھا:

"میں نے آپ کے حالات فراہم کرنے کی کوشش کی، لیکن مجھے ناکامی ہوئی، کیونکہ جالندھر میں بھی، جو میرا وطن ہے، بہت کم لوگ ہیں جو آپ کے ذاتی حالات سے کماحقہ واقف ہوں۔"[3]

علمی و ادبی خدمات

1938ء میں لاہور کے ایک بڑے پریس "عطر چند اینڈ کپور سنز" نے اپنی گولڈن جوبلی کے موقع پر ایک خاص شمارے کا اہتمام کیا، جس میں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے علماء و ادباء، جن میں ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سب شامل تھے ان کو ان کی علمی ادبی خدمات پر خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس میں مولانا فتح محمد جالندھری کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا:

"پریس نے مولانا فتح محمد جالندھری سے پرائمری، مڈل اور اعلیٰ درجات کے لیے اردو اور فارسی گرامر کی کتابیں تصنیف کرنے کی درخواست کی۔ وہ اپنی اعلیٰ صلاحیت کی بنا پر اس کام کے لیے بہت موزوں تھے۔ انہوں نے کافی محنت اور بہت وقت صرف کر کے ایسی کتابیں تصنیف کر دیں جو اس وقت ہندوستان کی معیاری کتابیں تھیں اور آج بھی انہیں اہم مقام حاصل ہے۔"[4]

مولانا جالندھری کی اردو زبان میں مہارت کا ثبوت ہمیں ان کی تصنیف کردہ ان کتب سے ملتا ہے جو پرائمری، مڈل، ہائی اور اعلیٰ تعلیمی نصابات میں شامل تھیں۔ ان کی ایک کتاب "مبادی القواعد" (اردو قواعد کا ابتدائی رسالہ) تھی، جسے محکمہ تعلیم پنجاب نے اپر پرائمری جماعتوں کے لیے ٹیکسٹ بک مقرر کیا۔ یہ کتاب رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز سے شائع ہوئی[5]۔ مولانا کی ایک دوسری کتاب "افضل القواعد" کے نام سے شائع ہوئی، جو اردو گرامر پر مشتمل تھی اور اسے بھی پرائمری جماعتوں کے نصاب میں شامل کیا گیا تھا۔ اس پر مولانا ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب کے ممبران کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:

"یہ میرے لیے خوشی اور عزت کا موجب ہے کہ ممبران ٹیکسٹ بک کمیٹی پنجاب نے ازراہ قدر دانی کتاب و نفع رسانی طلاب جناب ڈائریکٹر صاحب سر رشتہ تعلیم کی خدمت میں اس کے داخل درس کیے جانے کے لیے سفارش کی اور صاحب موصوف نے اسے ٹیکسٹ بک مقرر فرمایا۔ میں ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔"[6]

تیسری کتاب "مصباح القواعد" کے نام سے ہے۔ اسے لکھ کر مولانا جالندھری نے نہ صرف اردو دان طبقے کی، بلکہ عربی اور فارسی سمجھنے والوں کے لیے بھی بہت بڑی خدمت سر انجام دی۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 25 اگست 1923ء کو انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں طے ہوا کہ اردو قواعد پر ایک مکمل اور بسیط کتاب تیار کروائی جائے اور اس کام کے لیے شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، مولوی حیدر علی طباطبائی، مولوی عبد الحلیم شرر وغیرہ سے مشورہ کیا گیا۔ ان کی باہمی مشاورت

---

[1] ظہور الدین پبلشرز، مخزن، لاہور، ج 2، ص 6، مقالہ نگار: حفیظ جالندھری، عنوان: "مولوی فتح محمد جالندھری"، گیلانی الیکٹرک پریس 1948ء

[2] سفینہ خانم سے حاصل ہونے والی براہ راست معلومات (سفینہ خانم مولانا فتح محمد خان جالندھری کے بڑے صاحبزادے نذیر احمد خان کی صاحبزادی ہیں، جو مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد میں رہائش پذیر ہیں۔)

[3] مقالہ "مولوی فتح محمد جالندھری"، از حفیظ جالندھری، ص 6

[4] Uttar Chand Kapur and Sons: House of Kapur's Golden Joblee, 1983, P 18

[5] جالندھری، فتح محمد خان، مبادی القواعد، منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور، 1919ء، سرورق

[6] جالندھری، فتح محمد خان، افضل القواعد، لاہور، سرورق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مولانا جالندھری کی کتاب " مصباح القواعد " اس مقصد کی تکمیل کے لیے تجویز کی گئی [7]۔ اس کتاب پر جن لوگوں نے تعریفی و توصیفی کلمات کہے ان میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، مولوی علی حیدر طباطبائی، مولوی عبد المغنی، رائے بہادر، لالہ پیارے لال، سر محمد اقبال، مولوی ذکاء اللہ، خلیفہ عماد الدین، لالہ شیو لال وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ چوتھی کتاب " منہاج القواعد " کے نام سے مولانا جالندھری نے لکھی جو پنجاب یونی ورسٹی کے حکم سے انٹرنس کے نصاب تعلیم میں شامل تھی۔ یہ کتاب عطر چند کپور اینڈ سنز نے لاہور سے 1919ء میں شائع کی [8]۔ اس سے یہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ فن قواعد اور زبان دانی میں مولانا جالندھری کا رتبہ بہت بلند تھا۔ اردو زبان میں دینیات کے موضوع پر مولانا کی تصنیف کردہ دیگر کتب میں الورد الریحان، الیاقوت المرجان، نفیس تحفہ، طریق الاملاء، نفائس القصص و الحکایات، ارشادات القرآن اور الاسلام قابل ذکر ہیں [9]۔

ترجمہ قرآن

مولانا فتح محمد خان جالندھری کی سب سے اہم خدمت ان کا ترجمہ قرآن ہے، جو بہ عنوان " نور ہدایت " بغیر عربی متن کے اور " فتح الحمید " عربی متن کے ساتھ برصغیر پاک وہند میں بہت مشہور ہوا۔ یہ ترجمہ قرآن پہلی بار غالباً 1318ھ مطابق 1900ء میں امرتسر سے، اس کے بعد 1335ھ مطابق 1908ء میں رفاہ عام پریس لاہور سے شائع ہوا [10]۔

مولانا اپنے ترجمہ قرآن کے بارے میں رقمطراز ہیں: " اس ترجمے میں جس امر کی زیادہ تر کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سہل، سلیس اور با محاورہ ہو، اور اس کے ساتھ مطالب قرآنی صحیح ادا ہوں، نیز الفاظ و معانی میں مناسبت اور مطابقت تام ہو۔" [11]

مولانا جالندھری اپنے ترجمہ قرآن کی خوبیاں درج ذیل اشعار میں یوں بیان کرتے ہیں:

ہیں قرآن میں خوبیاں جمع اتنی
زباں کو بیاں کی نہیں جن کے طاقت
مضامین ہیں عرش اعظم سے اترے
اتاری فرشتوں نے ایک ایک آیت
فصاحت کا سرمایہ ناز ہے وہ
ہوئی جاتی ہے اس پہ صدقے بلاغت
یہ ازبس کہ ہے ترجمہ بھی اسی کا
ہے اس میں بھی برکت سے اس کی سلاست
نہیں رائے کو دخل اس میں دیا کچھ
کہ ہے یہ سراسر خلاف دیانت
جو رکھتے ہیں اللہ سے خوف ان کو
خلاف دیانت سے ہے سخت نفرت
زبان و قلم پر وہی بات آئی
جو فرما گئے اہل عہد نبوت
یہی سمجھا جو سمجھے تھے اہل قرآن
وہی لکھا جو لکھتے ہیں اہل سنت [12]

مولانا فتح محمد جالندھری نے یہ ترجمہ قرآن عوامی ذہن کے مطابق سلیس، آسان اور عام فہم اردو زبان میں کیا ہے۔ انہوں نے اردو میں ہندی اور سنسکرت کے مستعمل الفاظ کی بجائے عربی و فارسی کے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ترجمہ قرآن اپنے دور سے لے کر آج تک مسلسل مشہور ترین ترجمہ قرآن سمجھا جاتا رہا ہے۔

اہل علم کے تاثرات اور تبصرے

فتح الحمید کا منظر عام پر آنا تھا کہ برصغیر پاک وہند کے مشرق و مغرب سے جید علماء کے تحسینی و توصیفی کلمات مولانا کو وصول ہونے شروع ہو گئے۔ کئی علمی و ادبی اخبارات و جرائد نے بھی اس کی علمی افادیت کا تذکرہ کیا۔

مولانا سیّد شاہ محمد بدر الدین امیر شریعت صوبہ بہار نے مولانا کے نام اپنے ایک خط میں اس ترجمہ قرآن کے بارے میں لکھا: " کئی سال ہوئے کہ جب سے تقریراً یا تحریراً جس کسی نے مجھ سے پوچھا کہ رائج اردو تراجم کلام اللہ میں کون سا ترجمہ اچھا ہے؟ کس کا ترجمہ منگواؤں؟ تو میں نے جواب میں یہی کہا کہ " فتح الحمید " نام کا ترجمہ سبھوں میں بہترین ہے۔" [13]

مزید فرماتے ہیں: " میں نے فتح الحمید کا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن کے ساتھ تقابل کیا۔ ڈپٹی صاحب کے ترجمے میں ہلالی خطوط کے درمیان ضرورت سے زیادہ الفاظ پائے، جب کہ مولانا جالندھری کے ترجمے کو ان عیوب سے پاک پایا۔ اس بنا پر میں آپ کے ترجمے کو اصح التراجم اور بہترین ترجمہ جانتا ہوں۔" [14]

مولوی سیّد ممتاز علی، جو دار الاشاعت پنجاب لاہور کے مالک تھے، انہوں نے مولانا کا ترجمہ قرآن پڑھا تو پھڑک اٹھے اور برملا کہا: " جتنے ترجمے اس وقت شائع ہوئے وہ سب ہماری نظر سے گزرے ہیں، مگر جس ترجمے کو ہم نے زیادہ پسند کیا اور جس میں فی الواقع سب سے بڑھ کر خوبیاں ہیں، وہ فتح الحمید ہے، ایسے ترجمے کی مسلمانوں کو اشد ضرورت تھی۔ زبان کی نفاست و سلاست اور متانت، جو اس ترجمے میں ہے، وہ اوروں میں نہیں۔ آسان ایسا کہ پڑھنے والا بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ کسی فصیح اللسان دہلی نژاد کا کیا ہوا ہے۔" [15]

مولانا عبد اللہ عمادی اس ترجمہ قرآن کے بارے میں فرماتے ہیں: " ہماری رائے میں یہ ترجمہ مختصر اور مطلب خیز ہے۔" [16]

---

7 جالندھری، فتح محمد خان، مصباح القواعد، ناظم برقی پریس لاہور، 1919ء، سرورق

8 جالندھری، فتح محمد خان، منہاج القواعد، عطر چند اینڈ کپور سنز لاہور، 1913ء، سرورق

9 ملاحظہ کیجیے کتابوں کے سرورق

10 صالحہ عبد الحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، طبع کراچی، ص 262

11 جالندھری، فتح محمد خان، فتح الحمید، قرآن مجید ترجمہ جدید، تاج کمپنی لاہور، 1354ھ، دیباچہ

12 حوالہ بالا

13 حوالہ بالا

14 حوالہ بالا

15 حوالہ بالا

16 حوالہ بالا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زاہد ملک نے اپنی کتاب " مضامین قرآن " میں مولانا کے ترجمہ قرآن کے خصائص کا ذکر کرتے ہوئے اسے تمام مسائل کے لیے قابل قبول، سلیس، عام فہم اور جمہور تفاسیر کے مطابق قرار دیا ہے[17]۔

ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین نے مولانا جالندھری کے مذکورہ ترجمہ قرآن کے بارے میں لکھا ہے: " ترجمہ فتح الحمید میں ان کا اسلوب نہایت سلیس، سادہ اور عام فہم ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ ترجمہ عوام میں بہت مقبول ہوا۔ ان کے ترجمے میں مشکل پسندی قطعاً نہیں ہے ۔ آسان ترین الفاظ اور بندشوں کا استعمال کیا ہے۔ یہ ترجمہ لکھ کر مولوی فتح محمد نے واقعی عوام کی بڑی خدمت کی ہے ۔ اس میں انہوں نے عالمانہ اسلوب اور وقت پسندی کو بالکل خیر باد کہہ دیا ہے۔ ہر بات کو سیدھے، بلا واسطہ اور بغیر ہیر پھیر کے بیان کر دیا ہے۔ "[18]

رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور نے اس ترجمہ قرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: " قرآن مجید کا سب سے آخری ترجمہ جس پر ملک کے تمام انگریزی اور اردو اخبارات کے ذریعے اہل ملک اور اچھے اچھے عربی زبان سے واقف نقاد مبصروں کی طرف سے بے حد پسندیدگی کا اظہار ہو رہا ہے وہ مولوی فتح محمد جالندھری کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بامحاورہ ہے ۔ اس میں لفظی ترجمے کی رعایت کا بھی حتی الوسع التزام کیا گیا ہے۔ زبان ایسی پاک اور شستہ جیسی کہ اس مقدس کلام کی شان کے لیے ضروری تھی ۔ آیتوں کی ترتیب ایسی اچھی ہے کہ ہر آیت کے ساتھ نمبر دے کر اس کے ترجمے کے ساتھ بھی نیچے وہی نمبر دیا گیا ہے۔ "[19]

اس ترجمے کے بامحاورہ اور فصیح ہونے کے علاوہ اس کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ معتبر تفاسیر اور مسلمہ اصولوں کے مطابق قرآن کریم کے معانی کو ادا کیا گیا ہے ۔ بعض مقامات پر مفید حواشی بھی درج ہیں ، جو کتب صحاح اور مستند تفسیروں سے اخذ کیے گئے ہیں۔

حضرت خواجہ حسن نظامی نے اس ترجمہ قرآن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے :

" جناب مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری کا ترجمہ قرآن مجید میں نے پڑھا۔ یہ ترجمہ مزے دار اردو میں ہے ، یعنی جس زبان میں چٹخارے نہ ہوں ۔ نہایت سنجیدہ، شائستہ اور عام فہم صاف سلیس زبان میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفہوم قرآنی کو اردو کے بہت سے تراجم کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ جو لوگ زبان کے چٹخارے کو پیش نظر رکھتے ہیں وہ بعض اوقات ایسی غلطی کر جاتے ہیں کہ منشائے قرآنی بدل جاتا ہے اور قرآن کا سنجیدہ لہجہ عامیانہ شکل اختیار کر لیتا ہے۔ میرے نزدیک یہ بہت بڑا عیب ہے۔ قرآن مجید کی شان و متانت ترجمے میں باقی رکھنی چاہیے جو اس ترجمے میں موجود ہے۔ جہاں تک متن قرآنی کی شان اردو ترجمے میں آسکتی ہے۔ مترجم نے کوشش کی ہے کہ اردو کے صحیح محاوروں میں اس کو ادا کرے ۔ خطوط وحدانی کا بہت کم استعمال کیا ہے ان اعتبارات سے اس ترجمے کو بہت پسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ مسلمان اس کو پڑھیں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھائیں۔ "[20]

مولوی محمد حلیم انصاری نے اس ترجمہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھا:

" مولوی صاحب نے قرآن مجید کا اردو میں ایسا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے جو اپنی سلاست و متانت اور لطافت کے لحاظ سے بالکل اچھوتا ہے اور الفاظ وحشیہ و لغات متنافرہ سے بالکل پاک ہے۔ "[21]

مولانا احسان اللہ خان نجیب آبادی فاضل دیوبند نے اس ترجمہ قرآن کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا: " جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اس وقت دو ترجمے رائج ہیں، ایک ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا اور دوسرا مولوی فتح محمد خان جالندھری کا، جو فتح الحمید کے نام سے موسوم ہے۔ "[22]

مولانا فتح محمد جالندھری اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں خود لکھتے ہیں: " میرے دل میں تو کبھی یہ خیال نہیں پیدا ہوا تھا کہ قرآن مجید کا بالاستیعاب ترجمہ کر دوں، مگر چونکہ یہ سعادت میری قسمت میں لکھی تھی، اس لیے ارشادات القرآن اور نفائس القصص و الحکایات کا شائع ہونا تھا کہ سخن شناسان اہل ذوق نے تمام قرآن کا ترجمہ کر دینے کی فرمائش کر دی۔............ اگر یہ معتبر تفاسیر سے جانچا جائے گا تو کسوٹی پر کسا ہوا سونا نظر آئے گا۔ "[23]

ایک دفعہ تاج کمپنی نے ایک نہایت دیدہ زیب رنگین عکسی قرآن مجید کی اشاعت کی تجویز پیش کی، تو ضروری سمجھا کہ اس کی طباعت کے حسن صوری کے دوش بدوش حسن معنوی بھی پیدا کیا جائے، مگر آخر کار ایک مجلس شوریٰ قائم کی گئی جس میں حضرت مولانا داود غزنوی (امرتسری) ، حضرت مولانا احمد علی صدر انجمن خدام الدین لاہور ، حضرت مولانا غلام مرشد صاحب بھائی دروازہ لاہور، اور دیگر معزز علمائے کرام کو دعوت مشورہ دی گئی ۔ .... چنانچہ تبادلہ خیالات اور غور و فکر سے قرار پایا کہ کوئی اعلیٰ پائے کا موجود ترجمہ شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ نظر انتخاب اس مقبول و معروف اردو ترجمہ پر ٹھہری جو حضرت مولانا فتح محمد خان مرحوم جالندھری کی طرف منسوب اور فتح الحمید کے نام سے موسوم ہے۔[24]

مفتی مولانا محمد کفایت اللہ ، صدر جمعیت العلماء ہند نے مولانا جالندھری کے ترجمہ قرآن کا مطالعہ کیا، پھر انہیں بذریعہ خط لکھا:

---

17 زاہد ملک ، مضامین قرآن ، العمر پرنٹر ، مطبوعات حرمت، اسلام آباد، 1978ء، ص 52

18 صالحہ عبد الحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص 262

19 جالندھری، فتح محمد خان، فتح الحمید، لاہور، دیباچہ

20 حوالہ بالا

21 حوالہ بالا

22 حوالہ بالا

23 حوالہ بالا

24 حوالہ بالا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" خاکسار نے تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کی خواہش پر مولانا فتح محمد جالندھری مرحوم کے ترجمہ قرآن، جو فتح الحمید کے نام سے معروف ہے، کا مطالعہ کیا۔ تمام قرآن مجید کا ترجمہ تو میں دیکھ نہ سکا، مگر چند مقامات کو بغور دیکھنے کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ترجمہ بھروسے اور اعتماد کے قابل ہے۔ قابل مترجم نے قرآن مجید کا مفہوم ادا کرنے میں سلف صالحین کے مسلک کا اتباع کیا ہے اور ترجمہ کو با محاورہ، مطلب خیز، عام فہم بنانے کے باوجود الفاظِ قرآنیہ کی پوری رعایت رکھی ہے اور توضیحات تفسیریہ کی غرض سے بین القوسین عبارتیں بڑھانے سے حتی الامکان اجتناب کیا ہے۔ الغرض یہ ترجمہ اپنے محاسن کے لحاظ سے ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔" [25]

حضرت مولانا احمد علی، ناظم انجمن خدام الدین لاہور نے اپنے ایک خط میں مولانا کے ترجمہ قرآن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

" حضرت مولانا فتح محمد خان مرحوم و مغفور کا ترجمہ قرآن مجید مسمی فتح الحمید میں نے مقامات عدیدہ سے دیکھا اور کئی جگہ سے حواشی کا مطالعہ بھی کیا۔ جس سلیس اور عام فہم زبان میں مولانا ممدوح نے ترجمہ کیا ہے، دل ان کی محنت اور عرق ریزی کی بے ساختہ داد دیتا ہے۔ ترجمہ با محاورہ اور حشو و زوائد سے بالکل بری ہے۔ باوجود اس کے ایسا معنی خیز ہے کہ معمولی استعداد کا انسان بہ آسانی مراد الٰہی سمجھ سکتا ہے۔ کوئی بات اس میں ایسی نظر نہیں آتی جو سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سنت یا قرون اولیٰ کے خلاف ہو۔ میرے خیال میں اردو داں مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ غیر مستند اشخاص کے انگریزی ترجموں کے بجائے فتح الحمید کا مطالعہ کریں۔" [26]

پروفیسر ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی مولانا کے ترجمہ قرآن کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

" ان کا ترجمہ قرآن مجید با محاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ مستند اور مفید سمجھا جاتا ہے اور امت مسلمہ کے تمام فرقوں کے لیے قابل قبول ہے۔" [27]

فتح الحمید کا تنقیدی جائزہ

مولانا فتح محمد جالندھری نے فتح الحمید میں تفسیری ترجمہ قرآن کیا، جو کہ لفظی ترجمہ قرآن سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اس میں اردو زبان کی تراکیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور بڑے شان دار الفاظ میں اصلی عربی متن سے زیادہ دور گئے بغیر قرآنی آیات کے مفہوم میں ادا کیا گیا ہے۔ اردو قارئین کی سہولت کے لیے کہیں کہیں بعض قرآنی الفاظ کی تشریح بین القوسین زائد الفاظ سے بھی کی گئی ہے۔ بعض جگہوں پر جہاں کسی بلاغی پہلو کی تشریح ناگزیر تھی، وہاں کم از کم اشارے سے مفہوم سمجھانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

اس ترجمہ قرآن کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہندی اور سنسکرت الفاظ کی بجائے اردو زبان میں مستعمل عربی و فارسی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ ترجمہ قرآن تقریباً سو سال گزرنے کے بعد بھی آج ترو تازہ دکھائی دیتا ہے۔ قرآن پاک کی بعض اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کے بجائے انہیں اسی طرح عربی میں ہی رہنے دیا گیا ہے۔ البتہ جہاں ابہام کا ڈر ہوا وہاں اس کی توضیح کر دی گئی ہے۔ اس ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں بعض اہم مسائل سے مستند و مدلل بحث بھی کی گئی ہے، جو قارئین کی دلچسپی کا موجب ہے۔ مولانا نے قرآن کریم کی بعض آیات کے مفہوم کو بیان کرنے کے لیے اسباب النزول کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس ترجمہ قرآن میں ترجمہ کے بعض اصولوں کی سختی سے پیروی کی گئی ہے۔ اس کی شہرت کی بڑی وجہ اس کا معتبر تفاسیر سے ماخوذ ہونا ہے۔ مولانا نے جمہور تفاسیر سے استفادہ کیا ہے اور شاہ ولی اللہ، شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے تراجم قرآنی کو سامنے رکھا ہے۔

اس ترجمہ میں سہولت کے پیش نظر اردو ترجمہ میں بھی آیتوں کے نمبر درج کر دیے گئے ہیں۔ اس میں ایک خاص بات کا اہتمام یہ بھی کیا گیا ہے کہ ترجمہ میں زائد الفاظ نہ آنے پائیں۔ اس میں مولانا نے بعض ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو پہلے اردو میں مستعمل نہیں تھے، لیکن عربی و فارسی دان طبقے کے ہاں مانوس تھے۔ مولانا نے ترجمہ میں بعض مقامات پر کچھ جدت پسندی کا اظہار بھی کیا ہے مثلاً قرآن کریم کے لفظ " بقرۃ " کا ترجمہ بجائے گائے کے " بیل " کیا ہے۔

اس ترجمہ قرآن میں بعض کوتاہیاں بھی سرزد ہوئی ہیں، جو قابل درگزر تو ہیں، لیکن انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً مولانا نے ہر جگہ اسم الجلالہ (اللہ) کا ترجمہ " رب " سے کیا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے تمام معانی کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح سورۂ فیل میں " طیراً ابابیل " کا ترجمہ " جھلڑ کے جھلڑ جانور " کیا ہے، جو ترجمہ " جھنڈ کے جھنڈ پرندے " سے بہتر نہیں ہے۔ ایک تو " طیراً " کا ترجمہ جانور کیا، جبکہ دیگر اکثر مترجمین نے " پرندے " یا " چرند پرند " کیا ہے، دوسرے " ابابیل " کا ترجمہ " جھلڑ کے جھلڑ " کیا ہے۔ اس کے بجائے " جھنڈ کے جھنڈ " زیادہ سلیس اور عام فہم معلوم ہوتا ہے۔

بعض مقامات پر فارسی کے مشکل الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے مثلاً خَلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا (البینۃ: 8) کا ترجمہ " وہ ابد الآباد ان میں بسیں گے " کے الفاظ سے کیا ہے، جبکہ شاہ عبد القادر نے اس کا ترجمہ " سدا رہیں ان میں ہمیشہ " کیا ہے، جو زیادہ بہتر اور آسان لگتا ہے۔

---

25 حوالہ بالا

26 حوالہ بالا

27 محمد عثمانی، ڈاکٹر، اردو میں تفسیری ادب پر ایک تاریخی تجزیاتی جائزہ، عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ کراچی، سنہ طباعت درج نہیں، ص 93

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاوید احمد غامدی — تلخیص و ترتیب : شکیل عثمانی

پرویز صاحب کا فہم قرآن

> یہ جناب جاوید احمد غامدی کا ایک خطاب ہے جسے شکیل عثمانی صاحب نے تحریری شکل میں قرطاس پر منتقل کیا ۔ یہ کتابچے کی شکل میں طبع ہوا ۔ جس کا عنوان تھا ـــــ" پرویز صاحب کا فہم قرآن " ـــــ عثمانی صاحب نے اپنا مرتب کردہ کتابچہ بھیجا اور ساتھ ہی لکھا کہ
>
> " جاوید غامدی صاحب کی میں نے چند ہی تحریریں پڑھی ہیں اور ان سے دو چار ہی مختصر ملاقاتیں ہوئی ہیں ۔ میرے پاس ٹی وی نہیں ہے ، اس لیے ٹی وی پر وہ جن خیالات کا اظہار کرتے ہیں ، ان کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں ۔ تاہم جہاد کے بارے میں ان کے نقطہ نظر کے چند پہلوؤں سے مجھے اختلاف ہے ۔ غامدی صاحب کے مذکورہ خطاب کا کیسٹ میں نے 2003ء میں سنا ۔ ان کے طرز استدلال میں اپیل محسوس کی اس لیے اسے transeribe کر دیا ۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس خطاب کو الواقعۃ میں شائع کر دیں ۔ " (مکتوبہ 13 جولائی 2013ء)
>
> " الواقعۃ " کی اس اشاعت خصوصی میں اس مضمون کی اشاعت اسی غرض سے کی جا رہی ہے کہ فکر غامدی کا ایک پہلو یہ بھی ہے ، جس سے شاید بہت سے لوگ ناواقف ہوں گے ۔ (ادارہ)

جناب غلام احمد پرویز کے دینی نقطہ نظر کا جائزہ لیتے وقت دو باتیں پیش نظر ہو سکتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے قرآن مجید کی اپنے تئیں عقل عام سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے جو فکر پیش کی ہے وہ تفصیلات میں کیا ہے ؟ اس باب میں ممکن ہے کہ ہمیں قدم قدم پر ان سے اختلاف ہو اور اگر ہم ان اختلافات کو بیان کرنا شروع کر دیں تو پھر یہ حکایت اگر چہ کہ لذیز تر نہیں ہے لیکن بہت دراز ہو سکتی ہے ۔ کسی فکر کا جائزہ لینے کا دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس بات کو موضوع بحث بنائیں کہ وہ فکر جن اصولوں پر قائم ہے وہ اصول صحیح ہیں یا غلط ۔ اگر وہ اصول صحیح ہیں تو پھر ہم اس بات کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے کہ نتائج میں غلطی ہو گئی ہو ۔ اصول میں اگر ایک آدمی صحیح ہے ، اس نے نقطہ نظر درست قائم کیا ہے تو یہ ممکن ہے کہ جب وہ اپنے اصولوں کا اطلاق کرتا ہے تو اس میں غلطی کر جاتا ہے کیونکہ وہ پیغمبر نہیں ہوتا ۔ اس سے غلطی ہوتی ہے ، غلطی ہو سکتی ہے اور ایک دو نہیں دس بیس بھی ہو سکتی ہیں ۔ یہ وہ چیز ہے جو ہر صاحب علم کے ہاں پائی جاتی ہے اس سے اگر کوئی ہستی مستثنیٰ ہو سکتی ہے تو وہ اللہ کے پیغمبر کی ہو سکتی ہے ۔ پرویز صاحب کی فکر کا معاملہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کی کجی اصولی ہے ۔ ان کی فکر کو ہم نہ صرف غلط سمجھتے ہیں بلکہ اسے امت کے لیے ضلالت سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک اس زمانے میں ان کو اس ضلالت کی پیشوائی کا شرف حاصل ہے ۔ اظہار کے ایک اسلوب کے طور پر یہ ایک سخت بات دکھائی دیتی ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی تحقیقات کا جائزہ لینے کے بعد اس کے علاوہ شاید ہی کوئی تاثر قائم کیا جا سکے ۔ پرویز صاحب کی فکر کی اساس ہی غلط ہے اور جب اساس ہی غلط ہو تو پھر نتائج کے معاملے میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ تاثر یامی رود دیوار کج ۔ بنیاد صحیح نہیں ہے تو پھر جہاں تک دیوار اٹھایے ٹیڑھی ہی رہے گی ۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جو ان کے ہاں اصولی لحاظ سے صحیح نہیں ہے ۔

پرویز صاحب کے اصول فہم قرآن

جناب غلام احمد پرویز کا اصل امتیاز یہ رہا کہ انہوں نے بہت شد و مد کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ وہ قرآن مجید کے طالب علم ہیں اور ان کے نتائج فکر تمام تر قرآن مجید سے ماخوذ ہیں ۔ ان کے ماننے والوں نے بھی ان کو قرآن مجید کے ایک جلیل القدر مفکر کی حیثیت سے پیش کیا ۔ وہ اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ وہ قرآن ہی سے سب کچھ لیتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں قرآن ہی کی بنیاد پر کہتے ہیں ۔ قرآن ہی ان کی فکر کا محور ہے اس وجہ سے ان کے ہر نتیجہ فکر پر اس کی روشنی ہے ۔ چنانچہ ماخذ کے اس تعین سے یہ آسانی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کی فکر پر تنقید کے لیے ایک بنیاد ہاتھ آ جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ، قرآن مجید کیا ہے ، ظاہر ہے کہ یہ کوئی اختلافی امر نہیں ، اور ظاہر ہے کہ اس کے متفقہ حاکم کی موجودگی میں ہم پرویز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب کے دعوے کی صداقت جانچ سکتے ہیں۔ اس تعین کے بعد دوسرے مرحلے میں اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید کے فہم کے لیے یا قرآن مجید تک رسائی کے لیے انہوں نے جو اصول قائم کیے ہیں وہ اصول کیا صحیح ہیں ؟ اگر قرآن مجید پر تدبر کے اصولوں میں صحت ہے تو نتائج پر گفتگو ہو سکتی ہے اور ان میں سے کوئی چیز تسلیم بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے۔ ہماری علمی روایت میں یہ کوئی اجنبی چیز نہیں ہے۔اگر فہم قرآن کے اصولوں میں صحت نہیں ہے اور اس میں بنیادی غلطی ہے تو اس کے بعد یہ ممکن ہے کہ کوئی ایک آدھ نتیجہ فکر صحیح ہو ، لیکن یہ ایک حادثہ ہو گا ۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسی نہیں جس سے کوئی صاحب علم اختلاف کرے۔ اس حوالے سے جب ہم پرویز صاحب کے ان اصولوں کو دیکھتے ہیں جو انہوں نے فہم قرآن کے ضمن میں قائم کیے ہیں تو وہ کسی طور درست معلوم نہیں ہوتے اب ہم ان اصولوں کو زیر بحث لاتے ہیں۔

قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے پرویز صاحب نے جو اصول اپنائے ہیں ان میں سب سے اہم اور بنیادی چیز ، زبان کے بارے میں ان کا تصور ہے ۔ یہ بات تو واضح ہے کہ قرآن مجید زبان کے لبادے میں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا مفہوم ہم میں سے ہر شخص اپر القا کر دیا ہے ۔ پیغمبر ﷺ پر بھی وہ باللفاظ نازل ہوا اور آپ ﷺ سے یہ قرآن امت کو بھی باللفاظ ہی منتقل ہوا ہے ۔ اب اس کی ہدایت کے غوامض اور اسرار جو بھی ہوں ، ان کا دروازہ بہر حال زبان ہی ہے ۔ یعنی اس کے شہرستان معنی میں داخل ہونے کا صرف ایک دروازہ ہے ، اور وہ ہے زبان ۔ زبان کے اصول ، زبان کے قواعد جو کچھ بھی ہیں ، وہ ایک حاکم کی حیثیت سے موجود رہیں گے ۔ اگر کوئی شخص اس دروازے کے سوا کسی اور دروازے سے داخل ہونا چاہے گا تو ظاہر بات ہے کہ وہ کہیں اور چلا جائے گا اور اس پر کتاب کا مدعا کبھی واضح نہیں ہو گا کیونکہ وہاں جانے کا دروازہ تو وہی ہے ، اس کے سوا کوئی اور دروازہ نہیں ہے ۔ اس وجہ سے ہم اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے فہم کے لیے اس کی زبان سے اعلیٰ سطح کی واقفیت ضروری ہے ۔ ہمارے ہاں جب لوگ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے تو انہیں ہماری یہ بات اجنبی لگتی ہے کہ فہم قرآن کے لیے عربی زبان و ادب کا بڑا اعلیٰ ذوق ہونا چاہیے۔

اس سے پہلے کہ ہم جانیں کہ پرویز صاحب نے قرآن مجید کی زبان تک رسائی کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا ہے ، زبان کے متعلق چند اصولی باتیں جان لینا ضروری ہیں ۔ زبان اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہے ۔ انسانوں میں ایک قدر مشترک ہے کہ وہ سب نطق اور ادراک کی صلاحیت لے کر پیدا ہوئے ہیں ۔ ہم ایک زبان بولتے ہیں ۔ عرب بھی ایک زبان بو لتے ہیں ۔ برطانیہ میں رہنے والے بھی ایک زبان بولتے ہیں المانیہ میں رہنے والے بھی ایک زبان بو لتے ہیں ۔ ان سب زبانوں میں الفاظ ، محاورے ، اسالیب مختلف ہوتے ہیں ۔ لیکن زبان کی کچھ اقدا ر مشترک ہوتی ہیں۔

زبان کی تاریخ کا اگر علمی مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتداء اصوات سے ہوئی یعنی ہمارے منہ سے جو آوازیں نکلتی ہیں ، انہی کے مختلف گروپ بن گئے اور وہ رفتہ رفتہ تعامل سے با معنی ہوتے چلے گئے ۔ یعنی لفظ بنے ، پھر جملے اور یوں با معنی کلام وجود میں آتا گیا ۔اس کا مشاہدہ ہم اپنے گھروں میں کرتے ہیں ۔ جب بچے کو ان مراحل سے گزرتا دیکھتے ہیں ۔ غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس مفردات سے مرکبات تک پہنچتا ہے ۔ اسی طرح انسان کی زبان وجود میں آئی ۔اب ظاہر ہے کہ زبان میں مسلسل ارتقاء سے یہ چیز پیدا ہو گئی ہے کہ آج جو لفظ بھی ہم بولتے ہیں ۔ اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے ۔ یعنی اگر آپ کسی لفظ کی تاریخ کا تتبع کریں ، اس کے پیچھے پیچھے چلیں اور یہ جانیں کہ یہ کیسے بنا ہے تو ممکن ہے کہ آپ اس لفظ کی اصل تک پہنچ جائیں کہ یہ لفظ حقیقت میں کیا تھا ؟ ارتقاء کے کن مراحل سے گزرا ؟ ابتداء میں کس مفہوم کا حامل تھا ؟ بعد میں اس کے معنی میں کیا تبدیلی آئی ؟ یہ وہ سوالات ہیں جو زبان کے ماہرین زیر بحث لاتے ہیں اور اس طرح لغوی تحقیق کا علم وجود میں آتا ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات ایسی تحقیق کسی نتیجے تک نہ پہنچے لیکن بالعموم اس طریقہ تحقیق سے ہم اس لفظ کی حقیقت تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں ۔ یہ وہ چیز جو دنیا کی ہر زبان میں ہوتی ہے ۔ عربی زبان کا معاملہ یہ کہ وہ دوسری زبانوں کے اختلاط سے نہیں بنی ۔ اس لیے اس میں یہ تحقیق اور بھی آسان ہو جاتی ہے اور اس میں ہم بہت آسانی کے ساتھ بتا دیتے ہیں کہ یہ ایک مادہ ہے جس سے مختلف الفاظ مختلف مراحل میں بنتے چلے گئے ۔ ہماری اپنی زبان اردو میں بھی یہی ہوتا ہے ۔ اردو چونکہ مختلف زبانوں کے اختلاط سے وجود میں آئی ہے ، اس لیے ایک لفظ جو آج مستعمل ہے ، اس کے بارے میں یہ بتایا جا سکتا ہے کہ وہ کس زبان کا لفظ ہے ۔ مثلاً وہ ہندی سے آیا ہو گا ، وہ فارسی سے آیا ہو گا ، وہ عربی سے آیا ہو گا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی اصل زبان میں وہ لفظ ظاہر ہے کہ کسی طریقے سے بنا ہوگا ۔ اس زبان کی کتابوں میں اس کے بننے کی تاریخ موجود ہوگی ۔ اس طرح ہم تحقیق کرتے کرتے اکثر اوقات اس کی بالکل انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ بتا دیتے ہیں کہ یہ لفظ مختلف ادوار میں ان مراحل سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہے ۔ یہ لسانیات کا بڑا دلچسپ موضوع ہے ۔ اس موضوع پر عربی زبان میں بہت سی چیزیں لکھی گئی ہیں ۔ اردو میں بھی لکھی گئی ہیں ۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی یہ جان لیتا ہے کہ ہم جس لفظ کو آج بول رہے ہیں یہ لفظ اپنا کیا پس منظر رکھتا ہے ، اس میں یہ معنی کیسے پیدا ہوئے ہیں ؟ لیکن اس ساری بحث میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس کا تعلق علم لسانیات سے ہے ، زبان کے فہم یا کسی کے کلام پر تدبر سے نہیں ، یہ بالکل دوسری چیز ہے ۔ کسی کلام کا متکلم جب اپنا مدعا بیان کرتا ہے تو اس میں کوئی چیز یہ اہمیت نہیں رکھتی کہ جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے ، اس لفظ کی تاریخ کیا ہے ؟ اس میں جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے یہ لفظ جب استعمال کیا اس وقت یہ کس معنی میں بولا جاتا تھا ؟ جو محاورہ استعمال کیا گیا اس زمانے میں اس کا کیا مفہوم تھا ؟ یہ چیز بالکل بدیہی ہے ۔ تفہیم کلام کے لیے ہم اردو زبان سے چند مثالیں پیش کر رہے ہیں ۔ جو اصول یہاں پیش نظر ہے ، ظاہر ہے ، ان کا اطلاق دیگر زبانوں پر بھی ہوگا۔

(1)ہم اردو زبان میں ایک لفظ کثرت سے بولتے ہیں " شوربا " ۔ آج بھی ہم یہ لفظ بولتے ہیں اور آج سے پہلے بھی یہ لفظ بولا جاتا رہا ہے ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے شوربے کے ساتھ روٹی کھائی ہے تو اس کا ایک مفہوم جو اس زمانے میں جب ہم یہ لفظ بول رہے ہیں ، ہر ایک بآسانی سمجھ سکتا ہے ۔ ہم یہ جملہ زبان سے ادا کرتے ہیں تو ہمارا مخاطب فوراً اس کا مفہوم سمجھ لیتا ہے ۔اس مفہوم کو سمجھ لینے کے بعد وہ ہمارے مدعا کو پا لیتا ہے ۔ اس میں اس کو کوئی دقت نہیں ہوتی ۔ یعنی وہ " میں نے شوربے سے روٹی کھائی ہے " کا جملہ سن کر نہ تو " میں " کی لسانی تاریخ سے بحث کرتا ہے ، نہ " نے " کی تحقیق کرتا ہے نہ تو اسے " روٹی " کا لسانی پس منظر جاننے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی اسے " کھائی " کی لغوی تاریخ سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے ۔ وہ اگر اردو زبان سے واقف ہے تو ہم جیسے ہی یہ جملہ بولتے ہیں وہ اپنے متعارف علم کی بنیاد پر ہمارا مفہوم سمجھ لیتا ہے ۔ یہی بات زبان میں اصل اہمیت رکھتی ہے ۔ اب فرض کیجیے کہ علم و دانش کی کسی مجلس میں کوئی لسانیات کا ماہر ہے ۔ اس سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یہ لفظ " شوربا " کیسے بنا تو وہ مثال کے طور پر کہتا ہے کہ اصل میں یہ لفظ قدیم دری زبان سے ہوتا ہوا آیا ہے ۔" شور " نمک کو کہتے ہیں ۔ اب بھی فارسی میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ سمندر کو اسی وجہ سے دریائے شور کہا جاتا ہے اور " با " پانی کو کہتے ہیں ۔ تو یہ لفظ نمکین پانی کے لیے مستعمل تھا ۔ رفتہ رفتہ ایک خاص طرح کے سالن کے لیے استعمال ہونے لگا ، ایک ماہر لسانیات کی اس تحقیق سے ہمیں یہ روشنی ملی کہ یہ لفظ کیسے بنا ، اس کا پس منظر کیا ہے ۔ لیکن وہ مفہوم جو متکلم نے یہ جملہ بول کر " میں نے شوربے سے روٹی کھائی ہے " ادا کرنا چاہا تھا ، اس نے نہ اس کی تحقیق میں اضافہ کیا اور نہ رد و بدل کیا ۔ وہ مفہوم اپنی جگہ ہے ۔ اب دیکھیے کہ یہ بحث اگر لسانیات کے دائرے میں رہے تو اس میں ایک حسن بھی ہے ، اس کی داد بھی دی جا سکتی ہے ، اس سے لطف بھی اٹھایا جا سکتا ہے ۔ لیکن یہ جملہ اگر ایک مصنف نے اپنی کتاب میں لکھ دیا کہ میں نے شوربے سے روٹی کھائی ہے ۔ یعنی کوئی مضمون بیان کرتے ہوئے یا کوئی روداد لکھتے ہوئے یہ جملہ لکھ دیا ۔ اب کتاب پر دو چار پانچ دس صدیاں گزر گئیں ۔ اب اس کے بعد ایک آدمی نے اس کتاب کی شرح لکھنے کا ارداہ کیا ۔ شرح لکھتے وقت فطری اصول یہ ہوگا کہ شارح یہ دیکھے کہ جب یہ کتاب لکھی گئی اس وقت شوربا کس مفہوم میں استعمال ہوتا تھا ۔ وہ اگر اس زمانے کی تحقیق کرے گا اور اس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ خاص طرح کے سالن کو شوربا کہا جاتا تھا تو وہ مصنف کا مفہوم صحیح سمجھ لے گا ۔ لیکن اس کے بر خلاف اگر اس نے کہیں سے لسانیات کی کوئی کتاب اٹھا لی اور شوربے کی تاریخ پر تحقیق کرنا شروع کر دی اور تحقیق کرنے کے بعد اس نے یہ معلومات حاصل کر لیں کہ " شور " اصل میں نمک کو کہتے ہیں اور " با " اصل میں پانی کو کہتے ہیں اور پھر اس جملے کا یہ مطلب بیان کر دیا کہ مصنف نے نمکین پانی سے روٹی کھائی ہے ، تو اصل میں اس نے نہ صرف علم پر ظلم کیا ، نہ صرف زبان پر ظلم کیا بلکہ مصنف پر بھی ظلم کیا ۔ وہ یہ بات نہیں کہنا چاہتا تھا یہ اس کا مدعا ہی نہیں تھا ۔ اس نے نمکین پانی سے ہرگز روٹی نہیں کھائی بلکہ ایک خاص طرح کے سالن سے روٹی کھائی ۔ شارح نے چونکہ لفظ کے استعمال اور رائج مفہوم کو نظر انداز کیا ، اس لیے وہ مصنف کی بات کو صحیح طور پر بیان کرنے میں ناکام ثابت ہوا۔

(2)ایک لفظ ہے " ٹیلی وژن " ۔ فرض کر لیجیے کہ ایک شخص کہتا ہے " میں نے ایک ٹیلی وژن خریدا " اس زمانے کا ہر آدمی جانتا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ " ٹیلی وژن " کیا ہے ۔ ایک خاص آلہ ہے ، زبان سے لفظ ادا کرتے ہی اس کا ایک تصور ذہن میں آتا ہے ۔ لیکن اگر کوئی اس جملے " میں نے ایک ٹیلی وژن خریدا " کی لسانی تحقیق شروع کر دے اور کہے یہ لغت کے مطابق ٹیلی کا مطلب ہے انتقال اور وژن کے معنی ہیں منظر ، اس لیے اس شخص نے ایک " انتقالِ منظر " خریدا ، تو لسانیات کی یہ تحقیق صحیح ہونے کے باوجود ایک لغو بات ہے اور کلام کی غلط تفہیم ہے ۔ اب ٹیلی وژن کو ٹیلی وژن کا نام کیوں دیا گیا ہے ؟ اس لیے کہ لسانیات کی تحقیق کیجیے ۔ " شوربا " کا لفظ کیسے وجود میں آیا ہے اور اس سالن کو شوربا کیوں کہتے ہیں ، اس کے لیے لسانیات کی تحقیق کیجیے ، لیکن کسی متکلم کی بات کا مفہوم جاننے کے لیے اس تحقیق کی پر کاہ کے برابر اہمیت نہیں ۔ جو آدمی اس طرح کی حرکت کرے گا ، اس کے بارے میں دو ہی باتیں کہی جا سکتی ہیں یا تو اس بے چارے کو زبان سے ، ادب سے ، اسالیب کلام سے کوئی واقفیت نہیں ہے ، وہ اس معاملے میں قطعاً لاعلم ہے اور یا یہ کہ وہ جان بوجھ کر اپنی بات متکلم کے منہ میں ڈالنا چاہ رہا ہے ۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک بات لازماً کہنی پڑے گی ۔ یعنی یا تو یہ صورت ہو سکتی ہے کہ وہ بے چارہ ایسا لاعلم ہے کہ اس کو یہ نہیں معلوم کہ میں نے شوربے کے ساتھ روٹی کھائی اور میں نے ٹیلی وژن خریدا جیسے جملوں کا مفہوم متعین کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟ کہیں سے اس کو لسانیات کی کوئی کتاب مل گئی ہے اور وہ اس نے پڑھ لی ہے ، کہیں سے اسے معلوم ہو گیا ہے کہ لفظوں کی ایک تاریخ بھی ہوا کرتی ہے ، اور اسی بنیاد پر اس نے جو کہنا تھا کہہ دیا ۔ اگر یہ صورت نہیں ہے اور وہ جانتا ہے کہ ٹیلی وژن کے معنی کیا ہوتے ہیں اور وہ جانتا ہے کہ شوربے کا مفہوم کیا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اسے متکلم کے کلام کو سمجھنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے ، لیکن جو بات متکلم کے کلام سے نکل رہی ہے وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس کو وہ مفہوم دینا چاہتا ہے جو اسے پسند ہے تو پھر اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنے مخاطب کو بھول بھلیوں میں الجھا کر ، لسانیات کی اس طرح کی غیر متعلق بحثیں کر کے ، متکلم کے مدعا کو بدل دے یعنی یا تو وہ بے علم ہے یا وہ اپنے مدعا کو متکلم کے منہ میں ڈالنا چاہتا ہے ۔ ان دو باتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت ممکن نہیں ۔ زبان ہی سے متعلق ایک اور بات جان لیجیے کہ ہر زبان میں تشبیہ بھی ہوتی ہے ، استعارہ بھی ہوتا ہے ، تمثیل بھی ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر ایک شخص کہتا ہے " جب سے میں نے دوپہر کا کھانا کھایا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ سینے میں آگ لگی ہوئی ہے ۔" اس جملے کو سننے کے بعد اردو زبان سے واقف کوئی عامی بھی یہ نہیں کہے گا کہ متکلم کے سینے میں کسی نے دو چار لکڑیاں گھسا دی ہیں اور ان کو آگ لگی ہوئی ہے ۔ ہر آدمی یہ جانتا ہے کہ آگ کا لفظ یہاں مجازاً بولا گیا ہے ۔ یعنی اس سے مراد وہ آگ نہیں ہے جو چولہے میں جلتی ہے ۔ اب اس جملے پر غور کیجیے " خاتون نے چولہے میں آگ جلائی ۔ غلطی سے ساتھ رکھے ہوئے کپڑے نے آگ پکڑ لی اور تھوڑی دیر میں پورا گھر آگ کی لپیٹ میں تھا " ان جملوں میں جو لفظ " آگ " استعمال ہوا ہے ، اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ اس سے مراد سینے کی آگ ہے ، تو ظاہر بات ہے کہ اس بارے میں کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے ۔ یعنی ہم یہ تو مانتے ہیں کہ آگ کا ایک حقیقی مفہوم ہے اور آگ کا ایک مجازی مفہوم بھی ہے ۔ لیکن یہ بات کہ یہ لفظ ایک جملے میں حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے یا مجازی ، اس کا تعین جملے کا اسلوب کرے گا ۔ یعنی ہر آدمی جانتا ہے کہ کہاں سینے کی آگ لگی ہوئی ہے اور کہاں چولہے کی آگ لگی ہوئی ہے ۔ جب ہم یہ مصرع پڑھتے ہیں " دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی " تو ہم جانتے ہیں کہ یہاں کون سی آگ مراد ہے جو برابر دونوں طرف لگی ہوئی ہے ۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ صاحب تو غالباً موم بتی کو دونوں طرف سے جلا کر بیٹھ گئے ہیں ہر آدمی جانتا ہے کہ یہاں دونوں طرف کون سی آگ برابر لگی ہوئی ہے ۔ لیکن اگر کوئی آدمی اس طرح کے سیاق میں آگ کا لفظ استعمال کرتا ہے جس میں سینے کی آگ کے معنی لینے کے لیے کوئی قرینہ ہی موجود نہیں ہے تو دو ہی باتیں ہوں گی ۔ یا تو وہ اس زبان کے اسالیب سے جاہل محض ہے ۔ یا وہ کوئی خاص مقصد ہے جس کے تحت وہ سینے کی آگ کو چولہے کی آگ بنانا چاہتا ہے ، اور چولہے کی آگ کو سینے کی آگ بنانا چاہتا ہے ۔

ایک اور مثال لیجیے ایک شخص استاد سے کہتا ہے " آپ کے فلاں شاگرد نے تو کمال کر دیا ۔ ایسے حسن و خوبی سے بات کی ، ایسی شان وقار سے بات کی کہ بس مخاطب کے چھکے چھڑا دیے ۔ ہم نے کہا کہ تم تو شیر آدمی ہو " ان جملوں سے کسی مخاطب کو بھی یہ شبہ نہیں ہو گا کہ اس شیر سے مراد وہ شیر ہے جس کو اس کے بچے چڑیا گھر میں دیکھ آئے ہیں اور ہم بھی جانتے ہیں کہ یہاں شیر کا کیا مفہوم ہے ۔ لیکن فرض کیجیے اگر کوئی یہ کہے صبح سے بچے ضد کر رہے تھے کہ ہم چڑیا گھر جا کر شیر دیکھیں گے اور آپ یہ کہیں " وہ چڑیا گھر ایک بہادر آدمی کو دیکھنے گئے تھے " ظاہر ہے زبان سے واجبی سا تعلق رکھنے والا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص اس سخن فہمی کا ماتم کرے گا۔

تمثیل کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ہم کسی چیز کو جب مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں تو اس میں ایسے ایسے جملے لے آتے ہیں، جس سے ہمارا مخاطب یہ جان لیتا ہے کہ یہ بات ہم مثال کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام ایک بہت اعلیٰ درجے کے خطیب ہیں وہ بالعموم تمثیل کے اسلوب میں کلام کرتے ہیں۔ انجیل ان کے ایسے خطبوں سے بھری پڑی ہے، جس میں وہ اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک موقع پر انہوں نے ارشاد فرمایا:

" تم کو میں کیا کہوں، تم جس کے انتظار میں ہو، تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم گیارہ کنواریاں ہو۔ تیل کی کپیاں بھر کے بیٹھی ہو۔ تم کو معلوم نہیں کہ دولہے نے کس وقت آنا ہے۔ تم انتظار کر رہی ہو کہ دیا جلاتی رہیں گی۔ لیکن جب دولہے کے آنے کا وقت ہوا تو تم سو گئیں۔"

یہ تمثیل ہے اس کلام میں ہر آدمی جانتا ہے کہ ایسے قرائن موجود ہیں جو واضح کر رہے ہیں کہ یہ نہیں کہ واقعی حضرت مسیح علیہ السلام کی قوم میں گیارہ دلہنیں تھیں اور وہ تیل کی کپیاں لیے بیٹھی تھیں۔ اسی طرح ایک موقع پر حضرت مسیح علیہ السلام اپنی قوم کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

" تم زمین کا نمک ہو۔ اگر یہ نمک ہی اپنی نمکینی سے محروم ہو گیا تو پھر باقی کیا رہ جائے گا۔"

یہ معلوم ہے کہ یہاں زمین کا نمک کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد کوہستان نمک کا نمک نہیں ہے۔ تمثیل کو سنتے ہی آدمی جان لیتا ہے کہ مدعا کیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام فریسیوں اور فقیہوں سے خطاب کر کے کہتے ہیں:

" بد بختو! تم نے میرے شاگردوں پر اعتراض کیا کہ انہوں نے ہاتھ دھو کر کھانا نہیں کھایا۔ تم تو وہ ہو کہ مچھروں کو چھانتے ہو اور اونٹوں کو نگلتے ہو۔"

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہاں اونٹ کو نگلنے سے کیا مراد ہے۔ یعنی وہ اونٹ جو صحرائے عرب میں پایا جاتا ہے، اس کو سموچا نگل لینا مراد نہیں۔ یہاں مجاز کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ایک بڑی عمدہ تمثیل میں انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا ہے۔ یہاں الفاظ و اسالیب اپنا مفہوم خود بتا رہے ہیں۔ اس کے لیے تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کے موقع پر اپنی امت کی طرف سے دو اونٹ ذبح کیے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اصل میں بعض بڑی بڑی حقیقتیں ذبح کر دیں اور ذبح کرنے سے مراد یہ تھا کہ انہوں نے ان سب حقیقتوں کا لیا جو اس وقت عرب کی جاہلیت میں پائی جاتی تھیں اور اپنے پاؤں کے نیچے رکھ دیا تو ظاہر ہے کہ اس سیاق میں اس سیاق میں اس مفہوم کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ الفاظ کسی کلام میں حقیقی یا مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں تو یہ جملوں کا در و بست ہے، جو یہ تعین کرتا ہے کہ کہاں کون سا لفظ حقیقی مفہوم میں اور کہاں مجازی۔

قرآن مجید بھی ظاہر ہے کہ ایک زبان میں نازل ہوا ہے پھر وہ ایک مربوط کلام ہے۔ اس کی تفہیم میں بھی یہ تمام امور پیش نظر رہیں گے۔ یعنی اس میں جتنے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ہم ان کے مادوں کی تحقیق بھی کر سکتے ہیں کہ وہ مختلف ادوار میں ترقی کرتے ہوئے اس مفہوم تک کیسے پہنچے ہیں۔ لیکن یہ تحقیق اس مقصد کے لیے کی جائے کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ لفظ میں معنی کیسے پیدا ہوئے ہیں؟ یہ تو لسانیات کی بڑی اعلیٰ بحث ہوئی اور اگر یہ تحقیق اس مقصد کے لیے کی جائے کہ لفظ کا وہ مفہوم جس میں وہ آج استعمال ہوتا ہے یا اس وقت استعمال ہوتا تھا، اس کو تبدیل کر کے ایک نیا مفہوم اس میں شامل کر دیا جائے تو اس کا وہی نتیجہ نکلے گا جو ہم مثالوں سے واضح کر چکے ہیں۔ یعنی قرآن کی آیات کا صحیح مفہوم ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ ہم اس کو عربی کی ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ " لفظ " عربی زبان کا مصدر ہے۔ مصدر عربی قاعدے کے مطابق اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہ لفظ کے معنی میں عربی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ دونوں زبانوں میں اس کے معنی ایک ہیں۔ لیکن اگر اس کے مادے کی تحقیق کی جائے تو اس کا مطلب ہے " پھینکی ہوئی چیز " کسی چیز کو اگر پھینک دیں تو کہیں گے " لفظ "۔ اب فرض کیجیے کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے " میں نے ایک لفظ بولا " اور آپ یہ کہیں کہ اس نے ایک پھینکی ہوئی چیز بولی، تو اس تحقیق کی کوئی کیا داد دے گا؟ وہ یہی کہے گا کہ آپ زبان سے بالکل واقف نہیں، آپ کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ لفظ کا کوئی مادہ بھی ہوتا ہے اور اس ادھورے علم کے ساتھ آپ نے اسالیب کلام پر اس کا اطلاق شروع کر دیا اور پھر وہ مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو گئی جس کا ذکر " لفظ " کے استعمال کے ضمن میں ہوا ہے۔ عربی زبان میں ایک دو حضرات نے لغت اس اصول پر ترتیب دی ہے۔ ان میں ایک تو امام راغب ہیں، جن کی مشہور لغت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کے مفردات پر ہے اور دوسرے ایک اور صاحب ہیں جنہوں نے " مقاییس اللغۃ " لکھی ہے ۔ ان دونوں نے لسانیات کے پہلو سے اپنے لغات میں بتایا ہے کہ کوئی لفظ حقیقت میں کیا تھا ۔ اب فرض کیجیے کہ یہ چیز کسی آدمی کے سامنے آگئی ۔ اس نے سوچا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ، اب ایک راز میرے ہاتھ لگ گیا ہے ، تو اب میں اس کے ذریعے تشبیہوں کو ، استعاروں کو ، مطالب کو ، مفاہیم کو ہر چیز کو بدل ڈالوں گا ۔ یہ حرکت جیسا کہ ہم نے عرض کیا ایسا شخص کر سکتا ہے جو زبان اور اس کے قواعد اور اسالیب سے بالکل ناواقف ہو اور یا اس صورت میں کر سکتا ہے کہ وہ جانتے بوجھتے ایک بات کو نہیں ماننا چاہتا اور ایک دوسری بات متکلم کے منہ میں ڈالنا چاہتا ہے ، اور اب اس نے زبان کے اس پہلو کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

زبان میں "عُرف" کا مقام

عربی زبان ہی نہیں اردو زبان کا بھی ایک اورپہلو ہے جسے عرف کہتے ہیں ۔ زبان کے علاوہ یہ عرف نہ صرف یہ کہ ایک معاشرے میں ہوتا ہے ۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض اوقات ایک شاعر اور ایک ادیب اور ایک محقق اور ایک فلسفی کے کلام میں بھی ہوتا ہے ۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں " خودی " کو جس معنی میں استعمال کیا ہے وہ اس سے پہلے شاید ہی کسی نے استعمال کیا ہو ۔ جس مفہوم میں یہ لفظ انہوں نے استعمال کیا ہے ، اس سے بالکل مختلف ہمارے ہاں یہ ایک برے مفہوم میں مستعمل تھا ۔ لیکن اس لفظ کو انہوں نے ایک مخصوص مفہوم دیا اور اس کو اپنے فلسفے میں ایک اعلیٰ جگہ دی ۔ یہ ان کا عرف ہے ۔ یہ لفظ اب اقبال کے ہاں اپنے لغوی مفہوم میں نہیں رہا علامہ اقبال کے کلام میں اس کو اس کے عرف کی روشنی میں دیکھا جائے گا اور عرف کی روشنی میں سمجھا جائے گا ۔ مثال کے طور پر اب یہ لفظ سرسید کے ہاں ایک منفی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے ۔ سر سید کے مضامین کا مطالعہ کرتے وقت اگر ہم خودی کو اس کے مخصوص عرف سے اٹھا کر لغوی یا پھر اقبال کے عرف میں لینا شروع کر دیں تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سر سید کی بات کا مفہوم کتنا بدل جائے گا ۔ ایک اور مثال لیجیے ۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ وہ گاڑی جس کو ہم تیز گام کہتے ہیں پیسینجر ٹرین ہے اور وہ گاڑی جو ساہیوال سے چلتی ہے اور اسٹیشن پر رکتی ہے ، وہ بھی پیسینجر ٹرین ہے ۔ لغت کے لحاظ سے تو دونوں ہی مسافر گاڑیاں ہیں لیکن اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ میں پیسینجر ٹرین سے آیا ہوں تو کوئی آدمی اسے تیز گام نہیں سمجھے گا ۔ یہ معاشرے کا عرف ہے ۔ یعنی لغت میں لفظ کا ایک مفہوم موجود ہے ۔ لیکن معاشرے کے عرف نے اس کو بالکل دوسرے مفہوم میں مستعمل کر دیا ہے یہ وہ چند معروف باتیں ہیں جو کسی زبان اور اس میں موجود کلام کی تفہیم میں پیش نظر رہنی چاہییں ۔ اُن کو نظر انداز کرنے سے ہم کلام کے مفہوم سے دور سے دور تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

پرویز صاحب کی اصل غلطی

قرآن مجید کے ساتھ پرویز صاحب نے دراصل وہی سلوک کیا ہے جس کو ہم نے گزشتہ صفحات میں بعض مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے ۔ انہوں نے قرآن کی زبان کو اس کے استعمال ، عرف ، ہر چیز سے جدا کر کے لغت سے سمجھنے کی کوشش کی ہے ۔ یعنی قرآن مجید کے اس عرف کو جو معاشرے نے پیدا کیا ، وہ عرف جو سیاق و سباق نے پیدا کیا ، وہ عرف جو متکلم نے پیدا کیا اسے ملحوظ رکھے بغیر اس کے الفاظ کو وہ معنٰی پہنائے جیسے کوئی علامہ اقبال کے کلام میں خودی کا وہ مفہوم داخل کر دے جو لغت میں لکھا ہوا تھا ۔ اسی طرح سے ایک مقام پر کوئی قرینہ موجود نہیں کہ لفظ کو مجازی ،مفہوم میں لیا جائے لیکن وہ اس کا مجازی مفہوم ہی لینے پر مصر ہیں ۔ مثلاً جملہ یہ ہے کہ میری بیوی چولہے میں آگ جلا کر چائے بنا رہی ہے اور وہ اس بات پر مصر ہیں کہ یہاں آگ سے مراد حسد کی آگ ہے ۔ ایک مقام پر تشبیہ اور استعارے کا کوئی امکان نہیں ہے ۔ زبان ابا کرتی ہے کہ وہاں حقیقی مطلب کے علاوہ کوئی اور مفہوم مانا جائے لیکن وہ اس کو تشبیہ اور استعارے کے مفہوم میں لے رہے ہیں ۔ اب اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو بات متکلم کہنا چاہتا ہے وہ کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے ۔ اس کے وہ وہی طریقے استعمال کرتے ہیں جو اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں ۔ یعنی جہاں لفظ کے ایک مفہوم کو وہ قبول کرنا نہیں چاہتے ، یا یہ کہیے کہ ان کو غلطی لگی ہے ، دونوں ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ، تو ایسے موقع پر وہ مادے کی تحقیق پیش کریں گے ، اس مادے کی تحقیق سے اس لفظ میں ایک نیا مفہوم پیدا کریں گے ، جس سے ضروری نہیں کہ اہل عرب بھی واقف ہوں ۔ لیکن وہ نیا مفہوم پیدا کر کے آیت کی تاویل کر دیں گے ۔ جیسے ہم نے گزشتہ سطور میں بیان کیا کہ وہ مادے کی تحقیق کریں گے اور یہ جملہ کہ میں نے ایک ٹیلی وژن خریدا ، کا مطلب بیان کر دیں گے کہ میں نے ایک " انتقال منظر " خریدا ۔ وہ عرف کو نظر انداز کر دیں گے اور تمثیل اور تشبیہ وہاں پیدا کر دیں گے جہاں ان کا کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرینہ ہی نہیں ہے ۔ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ تنقید سے پہلے ایک فرد کے بارے میں ممکن حد تک حسن ظن سے کام لینا چاہیے ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تفہیم کلام میں غلطی لگ جائے اور یہ وہ بات ہے جس سے کوئی غیر معصوم مستثنیٰ نہیں ہے ۔ تاہم بعض " تحقیقات " ایسی ہوتی ہے کہ حسن ظن سے کام لینا آسان نہیں ہوتا ۔ پرویز صاحب کا مطالعہ کرتے وقت بھی ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جب صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی بعض صریح باتوں کو نہیں ماننا چاہتے اور جب نہیں ماننا چاہتے تو پھر اس کے بعد وہ یہ رَویّے اختیار کر لیتے ہیں ۔ اس تاثر کے باوجود کہنا یہی چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کو غلطی لگی ہو ۔

ہمارے پیش نظر ان کی تصانیف " مفہوم القرآن " اور " لغات القرآن " ہیں ۔ " مفہوم القرآن " میں انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کا مفہوم بیان کیا ہے اور " لغات القرآن " میں انہوں نے بیان کردہ مفہوم کا پس منظر اور اس کا علمی استدلال واضح کیا ہے ۔ ہم اپنے اس تاثر کی تائید میں ان دونوں کتابوں سے چند مثالیں پیش کر رہے ہیں ۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ قرآن کی آیات سے کس طرح نئے معنی دریافت کرتے ہیں ۔ مفہوم القرآن میں ایک جگہ جناب غلام احمد پرویز نے سورہ نمل کے ان مقامات کی تشریح کی ہے ، جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داود علیہ السلام کے واقعات زیر بحث ہیں ۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ان مقامات کے انتخاب کا سبب یہ نہیں کہ پرویز صاحب کے ہاں یہی چند مثالیں ہیں ، جہاں انہوں نے اپنا مخصوص انداز تحقیق استعمال کیا ہے ۔ اس انتخاب کا سبب یہ ہے کہ یہ مقامات تفہیم مدعا کے لیے سہل ہیں ، ورنہ صورت حال یہ ہے کہ " مفہوم القرآن " کی تینوں جلدیں اگر ابتداء سے پڑھنی شروع کر دی جائیں تو ان میں سے ہر صفحہ اس کی مثال ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے ۔ اس بات کی وضاحت کے بعد اب آیئے سورہ نمل کی طرف ۔ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی روانگی کا ذکر ہے :

قرآن اس کو اس طرح بیان کرتا ہے :

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَٰنَ جُنُودُهُۥ مِنَ ٱلْجِنِّ وَٱلْإِنسِ وَٱلطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾ (النمل:17)

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سارا لشکر اکٹھا کیا گیا جس میں جن بھی تھے ، انسان بھی تھے اور پرندے بھی تھے ۔ اب اس آیت میں استعمال ہونے والا لفظ " جن " عربی زبان کا معروف لفظ ہے یہ اردو زبان کا بھی معروف لفظ ہے ۔ اسی طرح لفظ " انس " عربی کا معروف لفظ ہے جو اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ انس و جان کے علاوہ " طیر " بھی اردو میں استعمال ہوتا ہے اور عربی میں بھی ۔ پرویز صاحب کے لیے یہ تسلیم کرنا تو آسان تھا کہ " انس " کا مطلب آدمی ہے ۔ اس لیے کہ اس دنیا میں آدمی تو بہر حال پائے جاتے ہیں ۔ لیکن یہ بات کہ جن اور پرندے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے ۔ ان کے لیے ماننا آسان نہیں تھا ۔ اس مسئلے کا حل انہوں نے یہ دریافت کیا کہ " جن " اور " طیر " دونوں کو اس طرح تختہ مشق بنایا جیسے ہم نے گزشتہ صفحات میں شوربے کی مثال پیش کی ہے ۔ " جن " عربی کا معروف لفظ ہے ۔ اگر کوئی آدمی اس پر تحقیق کرے گا تو یہ کہے گا کہ جنوں کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ عربی میں جن ، جنا ، جنون کے معنی ہیں چھپا ہوا ۔ یہ چونکہ نظر نہیں آتے اس وجہ سے ان کو جن کہا جاتا ہے ایک دوسرا محقق داد تحقیق دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ جنہ کے معنی ہوتے ہیں " چھپا ہوا " ۔ لہٰذا چھپی مخلوق سے مراد صحرا کے باشندے بھی ہو سکتے ہیں ۔ (لغات القرآن جلد اول ص 447) ۔

پرویز صاحب چونکہ " جن " کو " انس " کی طرح الگ سے کوئی مخلوق ماننے پر آمادہ نہیں ، اس لیے انہوں نے لغت کو سامنے رکھتے ہوئے جنوں کو صحرا کے باشندے بنا دیا ۔ اسی اصول کا اطلاق انہوں نے " طیر " پر بھی کیا ، لیکن وہاں معاملہ کچھ الجھ گیا ۔

" طیر " عربی زبان میں اتنا معروف اور عام استعمال ہونے والا لفظ ہے کہ کوئی دوسرا لفظ تلاش کرانا شاید مشکل ہو جائے ۔ چونکہ وہ یہ مان کر دینے کے لیے تیار نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندے بھی ہو سکتے ہیں ، اس لیے انہوں نے اس معروف معنی سے انحراف کی جو کوشش کی ، وہ علم کی دنیا میں ایک عجوبہ ہے ۔ لفظ " طیر " کی تحقیق کے ضمن میں اس کے مختلف مفاہیم بیان کرتے ہوئے " لغات القرآن " میں لکھتے ہیں :

" فرس ، مطار ، طیار ہوشیار اور تیز گھوڑے کو کہتے ہیں ۔ سورہ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر جن ، انس ، طیر پر مشتمل تھے ۔ " جن " سے مراد وحشی قبائل ہیں " انس " مہذب آبادیاں اور " طیر " تیز رفتار گھوڑے ۔ " (لغات القرآن ج 3 ص 1104)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ مفہوم کہاں سے برآمد ہوا ۔ عربی زبان کی تمام لغتوں میں اگر اس کے تمام استعمالات کو دیکھا جائے تو ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی کہ طیر گھوڑے کے لیے استعمال ہوتا ہو ۔ ہم یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ کہہ سکتے ہیں " یہ گھوڑا کیا ہے ؟ یہ تو اڑتا ہوا پرندہ ہے " یہاں یہ جملہ خود بتا رہا ہے کہ گھوڑے کے لیے مجازاً پرندے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ زبان و بیان کا ایک عام اسلوب ہے۔ لیکن اگر قرینہ موجود ہی نہیں ہے تو پھر " طیر " کے معنٰی پرندے ہی کے ہوں گے۔ پرویز صاحب نے مثال دی فرس طیار یعنی تیز رفتار گھوڑا۔ اس مقام پہ بات واضح رہنی چاہیے کہ فرس لفظ بولا جائے گا اور ساتھ طیار بولا جائے گا تو یہ معنیٰ اس میں پیدا ہو جائیں گے لیکن یہ معنی مجازاً پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم مجازی مفہوم میں جہاز کو طیارہ کہہ دیتے ہیں۔ لیکن جب " لفظ " طیر " ان سارے قرینوں سے بالا تر ہو کر آئے گا یعنی اس کے ساتھ فرس نہیں لکھا گیا تو اس کے معنیٰ گھوڑے کے کیسے ہو جائیں گے ؟ وہ تو پرندہ ہی رہے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ پرویز صاحب کو بعد میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ دور از کار تاویل ہے تو انہوں نے " مفہوم القرآن " میں اس کو مختلف انداز سے بیان کیا۔ یہاں انہوں نے لکھا :

"سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں شہروں کے مہذب باشندی ، جنگلوں اور پہاڑوں کے دیو ہیکل وحشی اور قبیلہ طیر کے شاہ سوار سب شامل تھے۔ " (مفہوم القرآن ج 2 ص 864)

گویا " لغات القرآن " سے " مفہوم القرآن " تک آتے آتے تیز رفتار گھوڑے قبیلہ طیر کے شاہ سواروں میں تبدیل ہو گئے۔ اگر پہلا مفہوم لیا جائے تو غرابت محسوس ہوتی ہے اس لیے یہاں انہوں نے یہ ترجمہ کر دیا۔ اب اس تاویل پر بھی نظر ڈالیے۔ یہ " قبیلہ الطیر " کیا چیز ہے ؟ کسی قبیلے کا نام قرآن نے لینا ہو تو کیا اس کا یہی طریقہ ہے ؟ یعنی " الطیر " کہہ دیا جائے کہ ساری دنیا اس مصیبت میں پڑی رہے کہ " پرندے " ہیں اور اس سے اصلاً مراد ہو قبیلہ۔ اگر کسی قبیلے کا نام بھی الطیر ہو تو اس کے لیے بھی زبان اور بیان کا ایک قرینہ ہو گا شواہد ہوں گے۔ زبان اور بیان کے قواعد میں وہ چیز موجود ہو گی کہ اس کو جان لیا جائے۔ قرآن مجید میں صحرا کے باشندوں ، جنگل میں رہنے والوں کے لیے معروف لفظ " اعراب " استعمال ہوا ہے فرض کریں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ لشکر میں یہ لوگ تھے تو قرآن نے جہاں صحرا کے باشندوں کا ذکر کیا ہے تو کہا ہے " وقالت الاعراب امنا " اعراب ایک معروف لفظ ہے۔ اب ایک معروف لفظ چھوڑ کر قرآن نے ایک نیا لفظ استعمال کیا جن ، جس سے نہ عربی زبان واقف تھی نہ عرب واقف تھے۔ گویا کسی طرح بھی یہ تاویل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد پرویز صاحب فرماتے ہیں :

" جب یہ سب لشکر تیار ہو گئے حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ یہاں تک کہ وہ وادی نمل میں آئے۔"

نمل عربی زبان کا معروف لفظ ہے جو چیونٹیوں کے لیے بولتے ہیں۔ یعنی مطلب ہو گا کہ چیونٹیوں کی وادی میں آئے۔ یہ قرآن مجید کا مشہور مقام ہے لوگ اسے جانتے بھی ہیں لیکن پرویز صاحب کے لیے یہ بڑا مشکل مقام ہے جو آگے بات بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں چیونٹیوں نے گفتگو کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے سن لی۔ ان کے لیے یہ ماننا بہت مشکل کام ہے۔ وہ اپنے ذوق کے تحت اس کو نہیں ماننا چاہتے۔ اس لیے انہوں نے جو راستہ اختیار کیا ، وہ بہت دلچسپ ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

" ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ سبا کی مملکت ان کے خلاف سرکشی کا ارادہ رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ بطور حفظ ما تقدم اس کی طرف لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ راستے میں وادی نمل پڑتی تھی۔ ملکہ سبا کی طرح اس مملکت کی سربراہ بھی ایک عورت تھی۔ جب اس نے اس لشکر کی آمد کی خبر سنی تو اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر پناہ گزیں ہو جائیں۔" (مفہوم القرآن ، ج 2 ، ص 864)

یہاں ان کے نزدیک نملہ ایک عورت کا نام ہے جو وادی نمل کی تھی۔ اب دیکھیے یہ تسلیم کرنے سے کیا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے کہا قَالَتْ نَمْلَةٌ نمل اسم جنس ہے۔ نملہ چیونٹی کو کہتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ عورت اس قبیلے کی سربراہ تھی تو عربی کے کس قاعدے کی رو سے یہ نکرہ استعمال ہو سکتا ہے۔ اسے ایک نملہ (A NAMLA) تو نہیں کہہ سکتے THE NAMLA ہی کہیں گے۔ لیکن قرآن میں تو یہاں قَالَتْ نَمْلَةٌ ہے یعنی نکرہ استعمال ہوا ہے۔ دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ نملہ اس کا نام تھا یہ بات تو نمل سے معلوم ہوتی ہے جو صحیح نہیں کیونکہ یہ عربی زبان کے معروف استعمال کے خلاف ہے۔ سوال یہ کہ اگر کوئی عورت قبیلہ اوس کی ہو تو اس کو عربی میں کیا کہیں گے ؟ اوسہ یا اوسیہ۔ اگر کوئی قبیلہ بنی عبد الشمس کی ہو تو کیا کہیں گے ؟ عبد الشمسیہ ؟ یعنی اگر فرض کیجیے کہ قرآن مجید نے یہاں کہنا ہوتا کہ قبیلہ نمل کی عورت تو قرآن کہتا قالت نملیة جب آپ ایک پاکستانی بولیں گے تو نسبت کے لیے " ی " لگائیں گے ، اس کے بعد لفظ میں یہ مفہوم پیدا ہو گا۔ پرویز صاحب نے ان سب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے جو زبان کے مسلمہ اصول ہیں۔ ان سب کو نظر انداز کر کے فرمایا : " ان کی سربراہ بھی ایک عورت تھی " اور اس کا نام اس لیے نملہ آیا کہ وہ قبیلہ نمل سے تعلق رکھتی تھی۔ یعنی یہاں اگر فرض کر لیجیے کہ اس کو قبیلہ نمل کی عورت کے معنی میں لیں تو یہ کہا جائے گا کہ ایک عورت نے کہا قالت نملۃ اگر اس کو ان معنوں میں لینا چاہیں تو عربی زبان کی رو سے یہ ضروری ہو گا کہ قالت نملیۃ کہا جائے گویا علاقے سے نسبت کریں یا قبیلے سے بہر حال اسی طرح بولیں گے۔ اب اسی سورہ میں پہلے ذکر ہوا کہ عُلِّمۡنَا مَنطِقَ ٱلطَّيۡرِ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اوپر اللہ کا یہ احسان بیان کیا ہے کہ ہم کو پرندوں کی زبان سکھائی گئی ، منطق معروف لفظ ہے۔ طیر بھی معروف لفظ ہے۔ پرویز صاحب کے لیے یہ ماننا مشکل ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی زبان سکھائی گئی ان کے نزدیک طیر سے مراد ہے گھوڑوں کا لشکر اور عُلِّمۡنَا مَنطِقَ ٱلطَّيۡرِ سے مراد گھوڑوں کے لشکر کو سدھانے اور استعمال میں لانے کے قواعد اور ضوابط اللہ تعالیٰ نے ہم کو سکھائے (مفہوم القرآن ، ج 2 ، ص 863) سوال یہ ہے کہ عربی زبان کا کوئی جاننے والا منطق کو اس معنی میں بولے گا ، طیر کو اس معنی میں بولے گا۔ اس کا کوئی امکان نہ اردو میں ہے نہ عربی میں۔

اس کے بعد دیکھیے کہ جہاں پر ملکہ سبا کا تخت لانے کا ذکر ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا قَالَ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلۡمَلَؤُاْ أَيُّكُمۡ يَأۡتِينِي بِعَرۡشِهَا یعنی مجھے کون اس کا تخت لا کر دے گا سادہ ترجمہ ہے۔ اس کے سوا لفظوں کا مفہوم وہ بھی کوئی اور نہیں کر سکتے۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ اصل میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ مجھے اس کے پایہ تخت کو کون فتح کر کے دے گا ؟ اگر جملے کا سیاق و سباق ، زبان کے قواعد اور استعمالات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہاں بھی اس مفہوم کو اختیار کرنا ممکن نہیں۔

اب اگر بعد کے واقعات کو بھی دیکھا جائے جن میں ملکہ بلقیس کے تخت کو لانے ، اس کے مفتوح ہونے اور ایک کتاب کا علم رکھنے والے صاحب کا ذکر ہے جنھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا ، وہ پلک جھپکنے تک ملکہ کے تخت کو اس کے حضور میں پیش کر دیں گے ، تو عجیب و غریب صورت حال پیش آتی ہے۔ چونکہ پرویز صاحب اس طرح کی کسی بات کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں اس لیے وہ ان مقامات پر عربی زبان اور قرآن مجید کے الفاظ کو تختہ مشق بناتے ہیں اور وہ مفہوم بر آمد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو متکلم کے پیش نظر نہیں تھا۔ قرآن مجید کے ایک سچے طالب علم کا رویہ تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ قرآن مجید کو خالی الذہن ہو کر پڑھے گا اور اس پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے ، اسے قبول کرتا جائے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن نے غور و فکر کی دعوت دی ہے لیکن یہ غور و فکر کسی قاعدے اور ضابطے کا پابند ہونا چاہیے۔ اگر ہم قرآن کے الفاظ اس کے اسالیب اور ہر چیز کو نظر انداز کر کے ، اس سے وہ خیالات بر آمد کرنا چاہیں جو ہمیں پسند ہیں تو منطق اور عقل کے ہر پیمانے سے یہ تحریف کہلائے گی۔ سورہ نمل کے ساتھ جو سلوک پرویز صاحب نے کیا وہ در اصل ان کی قرآن فہمی کی ایک مثال ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کو کیا سمجھتے ہیں اور انھیں کتاب اللہ کا کتنا احترام ہے اور اپنے خیالات کے سامنے قرآن کو کس مقام پر رکھتے ہیں ؟ اگرچہ یہی مثال پرویز صاحب کے فہم قرآن کے اصول سمجھنے کے لیے کافی ہے لیکن اپنے نقطہ نظر کی مزید وضاحت کے لیے ہم قرآن کا ایک اور مقام دیکھتے ہیں۔

سورہ تکویر قرآن مجید کی معروف سورہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ انسان کو خبر کے انداز میں اس طرح مخاطب کرتے ہیں :

إِذَا ٱلشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۝١ وَإِذَا ٱلنُّجُومُ ٱنكَدَرَتۡ
۝٢ وَإِذَا ٱلۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ۝٣ وَإِذَا ٱلۡعِشَارُ
عُطِّلَتۡ ۝٤ وَإِذَا ٱلۡوُحُوشُ حُشِرَتۡ ۝٥ وَإِذَا
ٱلۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۝٦ وَإِذَا ٱلنُّفُوسُ زُوِّجَتۡ ۝٧
وَإِذَا ٱلۡمَوۡءُۥدَةُ سُئِلَتۡ ۝٨ بِأَيِّ ذَنۢبٖ قُتِلَتۡ ۝٩
وَإِذَا ٱلصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۝١٠ وَإِذَا ٱلسَّمَآءُ كُشِطَتۡ ۝١١
وَإِذَا ٱلۡجَحِيمُ سُعِّرَتۡ ۝١٢ وَإِذَا ٱلۡجَنَّةُ أُزۡلِفَتۡ ۝١٣
عَلِمَتۡ نَفۡسٞ مَّآ أَحۡضَرَتۡ ۝١٤

جب کہ سورج کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور تارے بے نور ہو جائیں گے پہاڑ چلا دیے جائیں گے اور دس ماہہ گابھن اونٹنیاں آوارہ پھریں گی۔ وحشی جانور اکٹھے ہو جائیں گے اور سمندر ابل پڑیں گے۔ جبکہ نفوس کی جوڑیں ملائی جائیں گی اور زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی ! جبکہ اعمال نامے کھولے جائیں گے اور آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ جبکہ دوزخ بھڑکا دی جائے گی اور جنت قریب لائی جائے گی۔ تب ہر جان کو پتہ چلے گا کہ وہ کیا لے کر آئی ہے۔

اس سورہ میں قیامت کے اس زلزلے کا ذکر ہے ، جس سے پہاڑ اپنی جگہ سے چل پڑیں گے۔ ستارے اپنے مقام سے گر پڑیں گے۔ سورج پر تیرگی چھا جائے گی اس میں وہ آیت بھی آتی ہے جو قرآن مجید کے اسلوب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا شاہکار ہے کہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس گناہ میں قتل کیا گیا ۔ کیونکہ عرب لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے ۔ اس لیے " موودۃ " کا لفظ کلام عرب میں اتنا عام لفظ ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں ۔ اب ذرا دیکھیے پرویز صاحب ان آیات کا مفہوم کس طرح بیان کرتے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں :

" کسی آنے والے دور میں جب انسانوں کے خود ساختہ نظام تمدن و معاشرت کی جگہ قرآنی نظام لے لے گا تو اس وقت انقلابی کیفیت سے متعلق یوں سمجھو کہ ملوکیت کا نظام لپیٹ دیا جائے گا اور ان کے اہلی موالی (چھوٹی چھوٹی ریاستیں) سب جھڑ کر نیچے گر جائیں گی ۔ ان کا شیرازہ بکھر جائے گا ۔ ان کی قوت ماند پڑ جائے گی اور پہاڑوں جیسے محکم امرا و روسا اپنی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے اور جن ذرائع رسل و رسائل (مثلاً اونٹوں) کو اس وقت اتنی اہمیت دی جا رہی ہے ، وہ سب بے کار ہو جائیں گے اور وحشی اور نا مانوس قومیں بھی اجتماعی زندگی کی طرف آتی جائیں گی اور سمندروں میں آمد و رفت کا سلسلہ اتنا وسیع ہو جائے گا کہ ہر وقت بھرے بھرے دکھائی دیں گے اور ان کے کناروں کی بستیاں بھی بڑی آباد ہو جائیں گی اور اطراف و اکناف کی آبادیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملتی جائیں گی ۔ جب ان لڑکیوں کے متعلق جنہیں معاشرہ زندہ درگور کر دیتا ہے اور ان بے چاریوں کا پرسان حال کوئی نہیں ہوتا ، پوچھا جائے گا کہ انہیں بالآخر کس جرم کی پاداش میں ذبح کیا جاتا رہا (یعنی عورتوں کو ان کے حقوق دلائے جائیں گے) اور اخبارات و رسائل جگہ جگہ پھیل جائیں گے اور اجرام فلکی پر پڑے ہوئے پردے ایک ایک کر کے اٹھتے چلے جائیں گے (ان کے حالات دریافت کیے جائیں گے) تو اس وقت خدا کے قانون مکافات کا عمل تیز تر ہو جائے گا ۔ کیونکہ اس وقت آخر الامر وہ نظام متشکل ہو جائے گا جس میں ہر معاملہ انصاف اور قانون کے مطابق طے پائے گا ، لہٰذا اس کی رو سے) مجرمین کے لیے جہنم کے شعلے زیادہ تیزی سے بھڑک اٹھیں گے اور اس نظام کی پابندی کرنے والوں کے لیے جنتی معاشرہ قریب تر لایا جائے گا یعنی اس وقت ہر شخص اپنے اپنے عمل کے نتائج اپنے سامنے بے نقاب دیکھے گا ۔" (مفہوم القرآن ، ج 3 ، ص 1419-1418)

اب اس پر کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے ۔ زبان و بیان کے جن اصولوں کا ہم نے اس سے قبل ذکر کیا ہے اس کی روشنی میں دیکھ لیجیے انہوں نے کیا کیا ہے ؟ انہوں نے زبان کے عرف کو ، زبان کے سیاق کو اس کے سباق کو ، الفاظ کے ان مدلولات کو جو واضح ہیں ، تشبیہ اور تمثیل کے ان طریقوں کو ، جن میں دوسری رائے نہیں ہو سکتی ، بالکل تلپٹ کر کے ہمیں اخبارات اور رسائل کی دنیا میں پہنچا دیا ہے اور وہ " زندہ گاڑی ہوئی لڑکی " ، واقعہ یہ ہے کہ اس آیت کو پڑھ کر طبعیت لرز اٹھتی ہے معلوم ہوا کہ قرآن نے اس زمانے کا ذکر کیا ہے جب عورتوں کو ان کے حقوق دلائے جا رہے ہیں ۔ یعنی یہ تحریک آزادی نسواں (FEMINISM) کا تذکرہ ہے اس ترجمہ کی روشنی میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پرویز صاحب نے قرآن مجید کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی کوئی چیز ان کے مدعا کے خلاف محسوس ہوئی اس کو انہوں نے تبدیل کر دیا ۔ وضاحت کے لیے ہم ایک مرتبہ پھر سورہ نمل کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ سبا کو شکست دے دی اور وہ سارے معاملات ہو گئے ۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں وہ آئیں ۔ پرویز صاحب کے نزدیک اس سے پہلے تک سب کچھ تمثیل تھی یعنی اس میں مجازی مفہوم تھے " تخت " سے مراد " پایہ تخت " تھا اس کو لانے سے مراد اس کو فتح کرنا تھا اس کے بعد قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ جب وہ آئیں تو ان سے کہا گیا کہ آپ ذرا شیش محل میں داخل ہو جائیے ۔

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا

جب انہوں نے اس کو دیکھا کہ یہ تو پانی موجیں مار رہا ہے تو انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا نہیں یہ تو اصل میں شیشہ لگا ہوا ہے اور بہت صفائی سے لگا ہوا ہے ۔ یہ مشہور واقعہ ہے پرویز صاحب کو کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا تو انہوں نے اس کا بالکل وہی مفہوم بیان کیا جو ہم نے بیان کیا ہے یہاں نہ مجاز ہے نہ تمثیل اگر انہی کے اصولوں پر اس کی تشریح کی جائے تو یہ کہا جائے گا " جب وہ آئیں تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کے شیش محل میں داخل ہو جائیے جب وہ اس میں داخل ہوئیں اور انہوں نے اس کو دیکھا پھر اپنی آرزوؤں اور تمناؤں پر ایک نظر ڈالی تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ تو اصل میں سراب ہی ہے ۔ اس وقت وہ بے چاری اپنی تمناؤں سے پیچھے ہٹنے کے لیے فوراً اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا کر بالکل مستعد ہو گئیں (یہ عربی کا محاورہ ہے ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے) تو سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے در حقیقت تمہاری تمنائیں شیشے کا محل ہی تو تھیں جن میں تم زندگی بسر کر رہی تھیں ۔"

اب کوئی کس اصول کے تحت اس مفہوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نفی کر سکتا ہے اس لیے کہ ان میں وہ سارے الفاظ بھی موجود ہیں وہ سب چیزیں بھی موجود ہیں یہاں مسئلہ کوئی نہیں ہے یہاں وہ ہی مفہوم ہے اس سے دو آیتیں پہلے تخت پایہ تخت ہو گیا اس کا لانا فتح کرنا ہو گیا پلک جھپکنے میں اس کو فتح کرنے کی تاویل بھی ہو گئی یہ سب ہو گیا اوپر جو ہدہد گیا تھا وہ اصل میں رسالوں کے لشکر کا آدمی تھا۔

یہ پرویز صاحب کے ترجمے اور تفسیر کا انداز ہے اس بنیاد پر ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اب دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ وہ زبان اور اس کے اسالیب ، اس کے مفہوم کو طے کرنے کے طریقوں سے نا واقف محض ہیں یا یہ ہے کہ وہ ان حقائق کو جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ماننا نہیں چاہتے چنانچہ جہاں جہاں وہ ماننا نہیں چاہتے وہاں انہوں نے تمثیل ، تشبیہ اور عرف کے یہ اصول اختیار کر کے قرآن کی وہ تشریح کی ہے ، جس کی تصویر سورہ تکویر کے مفہوم کی سورت میں پیش کی گئی ہے اور جہاں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی وہاں محل بھی شیشے کا ہے وہاں ملکہ سبا آئی بھی ہیں وہ آ کر اس شیشے پر کھڑی بھی ہوئی ہیں انہوں نے سب کام کیے ہیں یعنی وہاں حقیقت اپنی جگہ موجود ہے حالانکہ ان کے اصول پر اس کی بھی بہت اعلیٰ تاویل ہو سکتی ہے اس کو بیان کیا جا سکتا ہے ۔ یہ بنیادی اور اصولی چیز ہے جس کی وجہ سے ہم پرویز صاحب کے سارے نقطہ نظر ہی کو ضلالت سمجھتے ہیں اور چونکہ انہوں نے بڑے زور و شور کے ساتھ ہمارے نئے تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے جو ان چیزوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہے اسے پیش کیا اس لیے اس کی حقیقت واضح کرنی پڑی ۔ قرآن فہمی کے باب میں یہ اتنی بنیادی اور بڑی غلطی ہے کہ اس کے بعد کوئی چیز اپنی جگہ پر باقی نہیں رہتی ۔ اس لیے پرویز صاحب کی فکر کا معاملہ یہ نہیں ہے کہ وہ دین کو سمجھنے کا ایک زاویہ ہے ، جیسے اس سے قبل امت میں مختلف نقطہ ہائے نظر رہے ہیں ۔ پرویز صاحب کی تعبیر نہ تو علمی ہے اور نہ ہی امت کے اجتماعی تعامل کے مطابق ہے ، اس لیے اسے اس روایت سے الگ دیکھنا پڑے گا ، جسے ہم امت کی علمی روایت کہتے ہیں ۔

قرآن اور ھامان

" قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ فرعون کے وزیروں میں ایک ہامان بھی تھا۔ لیکن یہودیوں کے کسی لٹریچر سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی تھی کہ ہامان بھی فرعون کا کوئی ہمراز یا وزیر تھا۔ دستیاب قدیم مصری ادب سے بھی اس بات کی تائید نہیں ہوتی تھی۔ مغربی مفکرین نے اس پر ایک طوفان اٹھا دیا اور کہا کہ یہ نعوذ باللہ غلط ہے۔ جب یہ بات پھیلی تو مسلمان اہل علم نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن آج سے کچھ سال قبل جب مصر سے وہ دستاویزات نکلنی شروع ہوئیں اور قدیم فراعنہ کے بارے میں ساری معلومات جمع ہو کر سامنے آنا شروع ہوئیں تو آج سے کچھ عرصہ قبل ایک میت دریافت ہوئی جس کے تابوت پر پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی کہ یہ کون شخص ہے اور کس زمانہ کا شخص ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اس کا نام ہامان ہے اور یہ اس دور کا ایک بہت با اثر انسان تھا اور یہ اسی زمانے میں تھا جس میں فرعون مصر کا حکمران تھا۔ اس سے قرآن کے اس بیان کی بھی تصدیق اور تائید ہو گئی۔ ایسی اور بھی مثالیں ہیں کہ مغربی اہل علم نے قرآن مجید کے بیان کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن پھر بعد میں ایسے شواہد مل گئے جن سے قرآن مجید کے بیان کی خود بخود تصدیق ہو گئی۔ "

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی " محاضرات قرآنی " صفحہ 276 - 277 سے ایک اقتباس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

تفسیر قرآن کا اسلوب جدید

اور خیر و شر کا معرکہ ازلی

اس عنوان سے راقم کی ایک کتاب زیر تالیف ہے الواقعۃ کی اس اشاعت خصوصی کے موقع پر اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔ اللہ رب العزت نے چاہا تو اصل کتاب جلد ہی منصہ شہود پر آئے گی۔ (تنزیل)

جس طرح اس سطح ارضی پر خیر اپنا مستقل وجود رکھتی ہے، بعینہ اسی طرح شر کا بھی وجود حقیقی ہے، اور جس طرح خیر اپنا ارتقائی سفر طے کرتی ہے، اسی طرح افکار و نظریات کی دنیا میں شر کا سفر بھی جاری رہتا ہے۔ انسان جب کبھی اپنی عقل کو الہام و وحی سے بالاتر سمجھتا ہے تو اپنے ہی ہوائے نفسانی کے دام فریب کا شکار ہو جاتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات سادہ اور فطری تھیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ربانی علم نے فکر و نظر پر پہرے لگا دیئے ہوں اور افکار کو پابند اور تخیل کو مقید کر دیا ہو، بلکہ فہم انسانی کا نکھار تو وحی ربانی کی ضوریزیوں ہی میں ممکن ہے۔ جب انسان مادی اسباب و ظواہر سے مغلوب و متاثر ہو کر وحی ربانی کے دائرہ علم سے تجاوز کرتا ہے تو کائنات میں اس کی مثال اس کرہ کی طرح ہوتی ہے جو خود اپنا وزن نہیں رکھتا بلکہ کسی بھی کشش کی ثقالت سے مغلوب ہو سکتا ہے۔

انسان مادہ ظاہر اور روح لطیف کا مرکب ہے۔ اس کی زندگی کے مادی تقاضے ہیں تو روحانی تشنگیاں بھی۔ اس نے سمجھا کہ جس طرح اس نے اپنی مادی ضرورتوں کا ادراک کر لیا ہے، اسی طرح وہ اپنی روحانی تشنگیوں کو دور کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ انسان اس فریب نفس کا شکار ہو گیا کہ جب وہ فضائے بسیط کے سینے کو چیر کر آسمان کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے، سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر سکتا ہے اور ذرے کی طاقت کو توڑ کر ایٹم بم بنا سکتا ہے تو پھر وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کسی ان دیکھی قوت کے اصولوں کے مطابق کیوں کرے؟ اس نے سمجھ لیا کہ گویا اسے قوانین طبیعی کی مکمل معرفت حاصل ہو گئی ہے اور اسی فریب نفس نے اسے خود اپنی ہی عقل کا بندہ بے دام بنا دیا ہے۔

یہی عقل پرستی تھی جس نے بڑے بڑے سر کشوں کو آمادہ پیکار کیا۔

قوم نوح علیہ السلام

جب علم ربانی کے پہلے صاحب شریعت رسول نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت حق دی:

يَٰقَوۡمِ إِنِّي لَكُمۡ نَذِيرٞ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغۡفِرۡ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمۡ وَيُؤَخِّرۡكُمۡ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمًّى (نوح: 2 – 4)

"اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لیے ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کرو، اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور تمہیں ایک مدت معین تک مہلت دے گا۔"

تو نتیجہ کیا نکلا؟ جو لوگ وحی ربانی کی پابندیوں سے آزاد اپنی فکر میں غلطاں تھے، انہیں نہ ماننا تھا اور نہ وہ مانے۔ ان کی اشرافِ قوم کا جواب تھا:

مَا نَرَىٰكَ إِلَّا بَشَرٗا مِّثۡلَنَا وَمَا نَرَىٰكَ ٱتَّبَعَكَ إِلَّا ٱلَّذِينَ هُمۡ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ ٱلرَّأۡيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمۡ عَلَيۡنَا مِن فَضۡلِۭ بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كَٰذِبِينَ ﴿٢٧﴾ (ھود: 27)

"ہم تو تم کو بس اپنی ہی طرح کا ایک آدمی دیکھتے ہیں، اور ہم (تمہارے پیروی کرنے والوں میں) انہیں کو پاتے ہیں جو ہمارے اندر کے رزیل لوگ بے سمجھے بوجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لیے اپنے مقابل میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے، بلکہ ہم تو تم کو بالکل جھوٹا خیال کر رہے ہیں۔"

اور نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لیے بایں الفاظ شکوہ کناں ہوئے:

رَبِّ إِنِّي دَعَوۡتُ قَوۡمِي لَيۡلٗا وَنَهَارٗا ﴿٥﴾ فَلَمۡ يَزِدۡهُمۡ دُعَآءِيٓ إِلَّا فِرَارٗا ﴿٦﴾ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوٓاْ أَصَٰبِعَهُمۡ فِيٓ ءَاذَانِهِمۡ وَٱسۡتَغۡشَوۡاْ ثِيَابَهُمۡ وَأَصَرُّواْ وَٱسۡتَكۡبَرُواْ ٱسۡتِكۡبَارٗا ﴿٧﴾ (نوح: 5 – 7)

"اے میرے ربّ! بے شک میں نے اپنی قوم کو شب و روز پکارا، لیکن میری پکار نے ان کے گریز میں اضافہ ہی کیا، اور جب جب میں نے ان کو دعوت دی کہ تو ان کو بخشے تو انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں، اپنی چادریں اپنے اوپر لپیٹ لیں، اپنی ضد پر اڑ گئے اور نہایت گھمنڈ کا اظہار کیا۔"

نوح علیہ السلام نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا، مژدہ عذاب سن کر بھی منکرین حق کا استکبار مزید بڑھا کوئی کمی نہ آئی، بلکہ کہا:

يَٰنُوحُ قَدۡ جَٰدَلۡتَنَا فَأَكۡثَرۡتَ جِدَٰلَنَا فَأۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٣٢﴾ (ھود: 32)

"اے نوح تم نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی، اگر تم سچے ہو تو وہ چیز ہم پر لاؤ جس کی تم برابر ہمیں دھمکی دیتے ہو۔"

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر کیا ہوا؟ حجتِ ربانی ان پر آوارد ہوئی اور وہ یک قلم مٹا دیے گئے۔

ہود علیہ السلام اور قوم عاد

اور جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کو دعوتِ حق دی:

وَيَٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ (ھود: 52)

" اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو، پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ وہ تم پر اپنا ابر کرم خوب خوب برسائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا اور مجرمانہ روگردانی کی روش اختیار مت کرو۔"

تو قوم نے کیا کہا:

يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِىٓ ءَالِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن نَّقُولُ إِلَّا ٱعْتَرَىٰكَ بَعْضُ ءَالِهَتِنَا بِسُوٓءٍ (ھود: 53 - 54)

" اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی لے کر تو آئے نہیں، اور ہم صرف تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں، اور ہم ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔"

یہاں بھی سنتِ الٰہی نے اپنی تکمیل کر دی:

وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَٰهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ (ھود: 58)

" اور جب ہمارا عذاب آ دھمکا تو ہم نے ہود اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، اپنی رحمت خاص عطا کی، اور انہیں عذاب غلیظ سے نجات دی۔"

صالح علیہ السلام اور قوم ثمود

اور جب صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کو پیغامِ ربانی سنایا:

يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَٱسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّى قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ (ھود: 61)

" اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا اس سے مغفرت مانگو، اور پھر اس کی طرف رجوع کرو، بیشک میرا رب قریب بھی ہے اور قبول کرنے والا بھی۔"

تو قوم نے یہ جواب دیا:

يَٰصَٰلِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَآ أَتَنْهَىٰنَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِى شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ (ھود: 62)

" اے صالح اس سے پہلے تو تم ہمارے اندر ہمارا مرکز امید تھے۔ کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی بندگی ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے، اور ہم تو اس چیز کی طرف سے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو بڑی ہی سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔"

انسانی عقل کی یہ بڑی نارسائی ہے کہ وہ اپنی عقل پر نازاں ہوتا ہے مگر خود اس کی عقل کبھی تقلید آباء کے بندھنوں میں مقید ہوتی ہے، کبھی سماج کے رسوم و عوائد کی پابند ہوتی ہے، اور کبھی اپنے عصر و عہد کے روشِ عام کے خوف کے زیر اثر۔ جب کبھی دلائل و حجت میں ناکامی اٹھائی، فوراً ہی تقلیدِ آباء و رسوم حاضرہ و رائجہ کا عذر پیش کر دیا۔ بایں ہمہ قوم ثمود کے ساتھ بھی سنتِ الٰہی نے اپنی سرگزشت دہرا دی:

وَأَخَذَ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ ٱلصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا۟ فِى دِيَٰرِهِمْ جَٰثِمِينَ ﴿٦٧﴾ (ھود: 67)

" اور ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، ہماری چیخ نے آ پکڑا اور وہ اپنے ہی گھروں میں چپٹے پڑے رہ گئے۔"

ابراہیم علیہ السلام اور دین حنیف

اور جب بابل کے ایک بادشاہ نے اپنی سرکشی و طغیانی میں ہدایت کی تمام حدود سے گزر کر ابراہیم علیہ السلام سے ان کی دعوتِ حق کے جواب میں حجت کی تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّىَ ٱلَّذِى يُحْىِۦ وَيُمِيتُ (البقرۃ: 258)

" میرا رب تو وہ ہے جو زندگی عطا کرتا اور موت سے ہمکنار کرتا ہے۔"

تو جواب میں اس نے کہا:

أَنَا۠ أُحْىِۦ وَأُمِيتُ (البقرۃ: 258)

" میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔"

گویا اس نے موت و حیات کے سررشتہ حقیقی کو بھی زیر اسباب امور میں سے ایک امر سمجھ لیا۔ اس کا ذہن الوہیت کا ادنیٰ سا تصور بھی نہیں رکھتا تھا کہ جان سکے کہ ایک معبود کی شان کے مطابق زندگی عطا کرنے اور موت سے ہمکنار کرنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ اس بیمار ذہن میں اتنی سکت بھی نہیں کہ یہ بدیہیات کا بھی ادراک کر سکے۔ اس لیے بحث و مباحثہ نہیں کیا بلکہ ایک ایسی دلیل پیش کی جو اس کی سطح ذہنی کے عین مطابق تھی۔ فرمایا:

فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِى بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ (البقرۃ: 258)

" بے شک میرا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم اسے مغرب سے نکال لاؤ۔"

یہ سن کر وہ حیرت سے مبہوت رہ گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ دنیا میں جتنے بھی دعویداران الوہیت گزرے ہیں خواہ ان کے معتقدوں نے ان سے کتنا ہی رشتہ عبودیت کیوں نہ قائم کر لیا ہو مگر وہ خود اپنی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اپنی بے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چارگی کا مکمل ادراک رکھتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان معبودانِ باطلہ میں کوئی پیوند خاک نہ بنتا۔ انسانی زندگی کی یہ ایک عالمگیر سچائی ہے مگر افسوس کہ شرک انسانی ذہن کو کس قدر مفلوج کرکے رکھ دیتا ہے کہ عالمگیر سچائیاں بھی زیر حجاب چلی جاتی ہیں۔

اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا:

أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ (الانعام:74)

"کیا آپ نے ان بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ بے شک میں آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔"

اور صاف لفظوں میں اپنی قوم سے کہہ دیا:

يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٧٨﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾ (الانعام:78 - 79)

"اے میری قوم! بے شک میں اس سے بری ہوں جن سے تم شرک کرتے ہو، میں نے تو اپنا چہرہ (رخ) کامل یکسو ہو کر اس کی طرف کرلیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

شرک میں پروردہ قوم آمادہ ہدایت نہ تھی اس لیے جھگڑنے لگی۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے مزید واضح لفظوں میں اپنا اور ان کا فرق بیان کیا:

أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ ۚ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ (الانعام:80 - 82)

"کیا تم اللہ کے بارے، میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے میری رہ نمائی فرمائی ہے اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ کوئی بات میرا رب ہی چاہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے؟ اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے جن کے بارے میں تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری گئی پس ہم دونوں گروہوں میں سے امن و اطمینان کا کون زیادہ سزاوار ہے؟ اگر تم جانتے ہو؟ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہ کیا وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن و چین ہے اور وہی راہ یاب ہیں۔"

ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم کی ذہنی نارسائی کا بخوبی ادراک ہو گیا انہوں نے جان لیا کہ ان کی قوم کے طفلانہ ذہن کو اس سے بھی زیادہ واضح اور روشن حجت درکار ہے۔ چنانچہ تنبیہ فرمایا:

وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ﴿٥٧﴾ (الانبیاء:57)

"اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلونگا، جب تم سب پیٹھ پھیر کے چل دوگے۔"

لہٰذا جیسے ہی موقع ملا تو:

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿٥٨﴾ (الانبیاء:58)

"سو اس نے ان بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا صرف ایک بت جو ان میں (بلحاظ مرتبہ) بڑا تھا اسے چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس سے رجوع کریں۔"

قوم نے جب اپنے ہاتھوں تراشیدہ اپنے معبودوں کو زمین میں گرا پایا اس حال میں کہ ان کی کرچیاں سطح ارض پر بکھری پڑی تھیں تو وہ شدت غضب سے مغلوب ہو گئے۔ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا:

أَأَنتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٢﴾ (الانبیاء:62)

"اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟"

ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِن كَانُوا يَنطِقُونَ ﴿٦٣﴾ (الانبیاء:63)

"بلکہ (یوں سمجھو) کہ اس بت نے کی ہے جو ان میں سب سے بڑا ہے، اگر یہ بول سکے تو اسی سے دریافت کرلو۔"

یہ دلیل ان کے ضمیر کو جھنجوڑ گئی انہیں بخوبی احساس ہو گیا کہ وہ افکار کے ظلمت کدوں میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مگر وہ پھر بھی ہار ماننے والے نہ تھے۔ ان کی زبانیں بول پڑیں:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنطِقُونَ ﴿٦٥﴾ (الانبیاء:65)

"تم بخوبی جانتے ہو کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔"

ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ (الانبیاء:66 - 67)

"کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ضرر دے سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟"

ان کے فکر و فہم کی ساری توانائی ختم ہو چکی تھی۔ عقل درماندہ و عاجز تھا مگر انکار و جحود کی خو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب بھی باقی تھی ۔ جب کسی کی عقل درماندہ ہو جائے اور فہم نارسائی کی آخری حدوں کو جا پہنچے تو اس کے پاس اپنی ضد وہٹ دھرمی کی تسکین کے لیے ایک ہی راہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے مخالف کا خاتمہ ۔ وہ زبان ہی ختم کر دی جائے جو حق کا اظہار کرتی ہے ۔ چنانچہ قوم نے بھی اب یہی راہ اختیار کی۔ اعیان قوم نے کہا:

حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ (الانبیاء:68)

"اسے آگ میں جلا دو، اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر کچھ کرنے کا ارادہ ہے۔"

مگر ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت عطا ہو چکی تھی وہ اب خود حجت الٰہی کا ایک مظہر بن چکے تھے ۔ نبی مر سکتا ہے اسے قوم جسمانی طور پر مغلوب کر لے سکتی ہے مگر رسول، اللہ کی حجت ہوتا ہے ناممکن ہے کہ کسی بھی طور پر مغلوب ہو سکے۔

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (المجادلۃ:21)

"اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔"

قوم نے آتش نار کے دہکتے ہوئے انگاروں کو سلگایا مگر اذنِ الٰہی نے محض ایک لمحہ میں اس بھڑکتی ہوئی آگ کو جسدِ ابراہیمی کے لیے باعث سلامتی بنا دیا:

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ (الانبیاء:69)

"اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور باعث سلامتی ہو جا۔"

معجزے ضرور رونما ہوتے ہیں مگر ان کے لیے جن کے دل میں ہدایت و سعادت کی تسلیم کا جذبہ ہو ورنہ کٹ حجتوں کے لیے تو معجزے ان کی ضلالت و گمراہی کی دلیل مزید بن جاتے ہیں۔

قوم لوط علیہ السلام

اور قوم لوط جو اپنی اخلاقی گراوٹ کی انتہائی حد تک جا گرے تھے ان کی سرکشی و طغیان بھی پُر از تاثیر قلوب کے لیے باعث عبرت و آگہی ہے۔ ان کی قوم داد و دہش کی دلدادہ اور عیش و نشاط و طرب کی خوگر تھی مگر معاملہ یہیں پر بس نہیں تھا، ایک ایسی برائی ان کے نفسِ شیطانی نے ایجاد کر لی تھی کہ دنیا میں قبل ازیں اس کا وہم بھی کسی پر نہ گزرا تھا۔ فطرت کے اصولوں کے بر خلاف ان کی شہوانی طبیعتوں کا میلان اپنی ہی جنس کے لیے اُمڈتا تھا اور صنفِ مخالف کے لیے ان کے دل میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حتیٰ کہ لوط علیہ السلام بھی پکار اٹھے:

أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿٧٨﴾ (ھود:78)

"کیا تم میں کوئی بھی مردِ معقول نہیں؟"

اور جب عذاب الٰہی کے فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے مہمان بنے تو قوم کی وارفتگی نے تمام حدودِ اخلاق کو پھاند کر لوط علیہ السلام کے دروازے پر دستک دی۔ لوط علیہ السلام نے قوم کے مردہ ضمیر کو جھنجوڑنا چاہا:

يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ (ھود: 78)

"اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اور یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہیں (کہ تم ان سے رشتہ ازدواج قائم کرو۔)"

مگر قوم سرکشی پر آمادہ تھی۔ جواب دیا:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿٧٩﴾ (ھود:79)

"تم بخوبی جانتے ہو کہ تمہاری ان بیٹیوں سے ہمیں کچھ سروکار نہیں اور تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ ہمارا ارادہ کیا ہے۔"

کس درجہ بے غیرتی اور کیسی بے شرمی ان الفاظ میں پوشیدہ تھی۔

إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾ (الحجر:72)

"اس وقت ان پر ایک نشہ چڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپے سے باہر ہوئے جاتے تھے۔"

پھر کیا ہوا؟

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾ (الحجر:73 - 74)

"غرض دن نکلتے ہی ایک ہولناک چیخ نے انہیں آ لیا، پس ہم نے وہ بستی زیر و زبر کر ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کر دی۔"

یہ اقوام گزشتہ کی چند مثالیں تھیں۔ جو سب کی سب واضح انکار و جحود پر مبنی تھیں۔ مگر جیسا کہ عرض کیا گیا فکر شیطانی بھی ارتقائی سفر طے کرتی ہے۔ اس لیے اب اس انکار و جحود نے بھی ایک نئی راہ اختیار کی۔ کل تک واضح انکار تھا اب عہد بنی اسرائیل میں منافقانہ اقرار کی روش کا آغاز ہوا۔

بنی اسرائیل

قرآن کریم میں جس قدر بنی اسرائیل کا ذکر ہے اور کسی قوم کا ذکر نہیں۔ یہ ذکر اس لیے بھی ضروری تھا کہ آنے والے جان لیں کہ ذہن انسانی کی شرارتوں کی انتہا کیا ہو سکتی ہے۔ مکاری و عیاری کون کون سی راہیں اختیار کر سکتی ہیں۔ سرکشی کیسے کیسے لبادے اوڑھ سکتی ہے۔

تفصیل کا موقع نہیں اور طوالت کی گنجائش نہیں۔ مگر بنی اسرائیل نے جو جو طریقے اختیار کیے وہ گویا ایک پیمانہ ہے انسانی ضلالتوں کی انتہا کو جانچنے کا۔

ان کے احبار و رہبان نے کتاب الٰہی میں اپنی پسند کے مطابق تحریفات کیں اور دنیوی زندگی کی معمولی آسائشوں کے عوض اللہ کی آیات کو بیچا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرۃ:78 - 79)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شریعت تصنیف کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کر لیں۔ پس ہلاکت ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور ہلاکت ہے جو وہ اس سے کماتے ہیں۔"

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُۥنَ أَلْسِنَتَهُم بِٱلْكِتَٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ (آل عمران:78)

"اور ان میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو کتاب الٰہی کو اپنے زبان سے مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب کا ایک حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔"

يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِۦ (المائدۃ:13)

"وہ کلام کو اس کے صحیح محل سے ہٹاتے (تاویل وتحریف کرتے) ہیں۔"

یہ تحریف وہ مکمل شعور و ادراک کے ساتھ کرتے تھے:

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُۥ مِنۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ (البقرۃ:75)

"اور ان میں سے ایک گروہ ہے جو کلام اللہ کو سنتا ہے اور سمجھ لینے کے بعد اس میں تحریف کرتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔"

وَمَا ٱخْتَلَفَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ (آل عمران:19)

"اور جنہیں کتاب دیا گیا انہوں نے علم رکھنے کے باوجود اس میں اختلاف محض باہمی ضد کی وجہ سے کیا۔"

ان کے مذہبی تقشف نے انہیں غرور نفس کی انتہا تک پہنچا دیا تھا وہ خود کو فرزند الٰہی سمجھنے لگے تھے۔

وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ وَٱلنَّصَٰرَىٰ نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا۟ ٱللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥ (المائدۃ:18)

"اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔"

انہوں نے گمان کر رکھا تھا کہ انہیں جہنم کی آگ نہ چھوئے گی اور بالفرض محال اگر وہ جہنم گئے بھی تو محض چند دنوں کے لیے ہی جائیں گے۔

لَن تَمَسَّنَا ٱلنَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً (البقرۃ:80)

"ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔"

اللہ نے ان کی تمام تحریفات کے جواب میں بارہا کہا:

أَمْ تَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ (البقرۃ:80)

"کیا تم اللہ پر وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟"

ہدایت و شقاوت کی دنیا میں انسانی قلب کی بدترین بیماری صاف و واضح انکار نہیں بلکہ منافقانہ اقرار ہے۔ ایک منافق جب اپنی منافقت کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا ضمیر حق و باطل کی تمام تر حجتیں دیکھ کر بھی اپنی قساوت قلبی کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

کیا وہ تمام فراعنہ و نمارده عالم جو صفحہ ہستی پر گزرے، نہیں جانتے تھے کہ گوشت پوست سے بنے معمولی انسان ہیں، خدا نہیں۔ کیا فرعون نے بسر چشم نہیں دیکھ لیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام الہام ربانی کی دلیل بین ہیں۔ ان کا اپنی عصا سے سمندر کو دو ٹکروں میں تقسیم کرنا کیا انسانی ذہن کے عاجز کر دینے کے لیے کافی نہ تھا مگر وہی فرعون ان تمام نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود بھی ان کے تعاقب سے باز نہ آیا۔

اور کیا اس سے بڑھ کر قوم بنی اسرائیل کی مردہ تمناؤں کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی ایک تازیانہ حق نہیں تھی۔ پھر وہ کونسی چیز تھی جس نے انہیں مسلسل سرکشی پر آمادہ رکھا۔ وہ کونسا جذبہ تھا جو انہیں بار بار طلب ہدایت کی راہ سے روکتا رہا۔

کیا بنی اسرائیل کے احبار و رہبان مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش سے بے خبر تھے؟ کیا انہیں خبر نہ تھی کہ گہوارے میں کلام کرنے والا وہ شیر خوار بچہ جوانی میں ملکہ نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے؟ اور کیا اندھوں کو بینائی دینے اور کوڑھیوں کو شفایاب کرنے کا معجزہ بھی ان کی قساوت و شقاوت میں کوئی کمی لا سکا؟

کیا فرزندان قریش اس سے بے خبر تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ جس شخص کی پوری 40 سالہ زندگی حق و صداقت کی ترجمان رہی ہے۔ جس نے کسی انسان پر کبھی کوئی بہتان نہیں لگایا کیا ممکن ہے کہ اللہ پر بہتان باندھے؟ کیا وہ بے خبر تھے کہ کعبہ کی حفاظت کعبۃ اللہ کے مالک نے کی تھی کعبہ میں موجود 360 بت عاجز و درماندہ تھے۔ نہ وہ کسی کو شفا دے سکتے تھے اور نہ ہی کسی کو ضرر پہنچا سکتے تھے۔

یہ ساری سرکشی اگر غور کرو تو اسی منافقانہ روش کی انتہا ہے۔ جس کی ابتدا بنی اسرائیل کے عہد تشتت وزوال میں ہوئی۔

ظہورِ صداقت کی حجتِ عظیم

اور پھر دنیا میں حجت الٰہی کی تکمیل بجامعیت کا وقت آ پہنچا۔ سلسلہ ہدایت و رہبری کے خاتم اور سطح ارضی پر وحی ربانی کے نزول کی آخری تجلی فاران کی بلندیوں سے چمکی اور ہر خطہ ارضی کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روشن و منور کر گئی ۔ تقاضا اب بھی وہی تھا، ایک معبودِ یگانہ کی تنہا پرستش ، مگر سرکشی اب بھی برقرار تھی ۔ مگر اب تک جو نشانیاں برہان حجت بن کر پیش ہوئی تھیں وہ مادی نگاہوں میں آ جانے والی تھیں لیکن اب جو چیز خود حجت و برہان بن کر آئی تھی وہ کتاب تھی ۔ جس کا ہر ہر لفظ ایک معجزہ تھا ۔ جو لوگ اس کے مخاطبِ اوّل تھے انہیں اپنی زبان دانی پر بڑا غرہ تھا ۔ ایک سے بڑھ کر ایک شاعر و ادیب ان میں موجود تھا ، جس کی نظم و نثر پڑھنے اور سننے والوں پر سحر طاری کر دیتی تھی مگر ان میں سے کوئی آگے بڑھ کر اس کتاب کا مثل لکھنے پر آمادہ نہ ہوا ۔ اس جیسی دس آیتوں کے لکھنے کا تقاضا کیا گیا ، مگر جواب ندارد ۔ یہاں تک کہ صرف ایک آیت لانے کی تحدی دی گئی اور تمام انصار و اعوان کو شریک کر لینے کی رعایت بھی ۔ مگر دنیا کو "گونگا" سمجھنے والے اپنی فصاحت پر نازاں کسی " عرب مبین " نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا ۔ مخالفین کے لیے بہت آسان تھا کہ وہ اسلام کی عمارت کی اساس ہی منہدم کر دے سکتے تھے صرف ایک آیت اس کے مثل بنا لاتے ۔ مگر ان کی عقل جان چکی تھی کہ یہ انسانی کلام نہیں جس کا مثل پیش کیا جاسکے، یہ علم ربانی کی تجلی ہے، لسانِ غیب کی آمد ہے ۔ یہ الہام الٰہی کا نمونہ ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے اعلیٰ سے اعلیٰ ذہن انسانی قاصر ہے مگر صد حیف ان کا قلب اس فہم و ادراک کے قبول سے عاری ہی رہا ۔

دل و دماغ کی قبولیت کا بھی دلچسپ پیمانہ ہے ۔ اگر دماغ ایمان کی حقانیت تسلیم بھی کر لے مگر دل محروم سعادت رہے تو نسبتِ ایمانی سے محرومی ہی رہتی ہے ۔ اس کے برعکس اگر دل آمادہ تسلیم و رضا ہو جائے بے شک دماغ نے ادراک نہ بھی کیا ہو تب بھی دائرہ ایمان کی شمولیت اسے نصیب ہو گی ۔

نبی کریم ﷺ تاریخ انسانی کے سب سے با اثر شخصیت تھے ۔ ان کی شخصیت کا جمال و جلال آج بھی اپنی تازگی رکھتا ہے ۔ صاحبِ ایمان قلب ان کی محبت سے اپنی زندگی کو آراستہ کرتے ہیں اور ان کے نام پر مرنے کو سعادت سمجھتے ہیں ۔ خود رب تعالیٰ نے انہیں وہ بلندی عطا کی ہے کہ اب کسی کی توحید کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لے آئے ۔ یہ عطیہ الٰہی کی انتہا ہے جو انہیں نصیب ہوئی : ورفعنا لك ذكرك

یہی وجہ تھی کہ ان کی موجودگی میں طبعیتوں کا شر موجود ہونے کے باوجود بھی کوئی برگ و بار نہ لا سکا ۔ منافقین موجود تھے مگر ان کا نفاق مسلم معاشرے پر کارگر نہ ہو سکا ۔ " ما انا عليه و اصحابي " کی روش نے بہیترے فتنوں کا خاتمہ کر دیا ۔

مگر انسانی تہذیب کے سلسلہ ارتقاء اور مذہبی فکر کی وسعت کے عین مطابق انکار و جحود اور پھر منافقانہ اقرار کی روش کا در آنا یقینی امر تھا ۔ امت مسلمہ فتنہ اعتزال سے آشنا ہوئی ۔ جو ثمرہ تھا فلاسفہ یونان و روما کی عقلیت پرستی کا ۔ جب تک مسلمان خالص کتاب و سنت سے وابستہ رہے ۔ جب تک انہوں نے اپنی فکر کی بالیدگی کے لیے کتاب و سنت کے چشمہ صافی کو اپنا نصابِ علم و دانش بنائے رکھا ہر قسم کی اعتقادی و فکری گمراہی سے دور رہے ۔ لیکن جیسے ہی مسلمانوں نے اپنی فکری توانائیاں کتاب و سنت کی بجائے افرادِ انسانی کی قیل و قال میں صرف کرنی شروع کیں تو اس کے نتائج بد بھی ظہور پذیر ہونے لگے ۔

اعتزال اور عقیدہ خلق قرآن

چنانچہ اعتزال کی شکل میں عقلیت پرستی مسلم فکر میں داخل ہوئی ۔ اعتزال کے دورِ عروج کا سب سے بڑا فتنہ عقیدہ خلق قرآن تھا ۔ وہی بنی اسرائیل منافقانہ اقرار کی روش ، علم یقینی کے بعد بھی تحریفِ کتاب کی دھن اور اربابِ اقتدار کے در دولت سے وابستگی کے لیے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی ضد ۔ چنانچہ لاحاصل قسم کے کلامی مباحث تھے جو آئے دن پیدا کیے جاتے مگر ان میں سب سے زیادہ شہرت عقیدہ خلق قرآن کو ملی ۔ جس نے ایک طرف اعتزال کو عروج عطا کیا تو دوسری طرف علمائے حق کے سروں کو تختہ مشق بنا ڈالا ۔ عباسی خلیفہ اس عقیدے کا سب سے بڑا مدعی بن گیا اور اس عقیدے کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی ۔ امام اہل سنت احمد بن حنبل ان کی ظلمتوں کا مشق ستم بنے ۔ کتنوں نے مارے خوف کے اپنے ہونٹ سی لیے اور کتنے پردہ گمنامی میں چلے گئے کہ اپنی آبرو بچا سکیں ۔ بشر المریسی ، خلیفہ عباسی مامون کا درباری مناظر تھا جو اپنی " چھوٹی سی عقل " سے بڑے بڑے معرکے سر کر لینا چاہتا تھا ۔

عقل کی خواہ کتنی ہی بڑی گمراہیاں کیوں نہ ظاہر ہو جائیں مگر قرآن کو اللہ نے کتاب ہدایت ہی نہیں بلکہ فرقان حق و باطل بنا کر بھی بھیجا ہے ۔ اس لیے لازم ہے کہ ہر گمراہی کا جواب بھی اس کے پاس ہو ۔

ایک دن مامون کے دربار میں اعتزال کے اس ادعائے باطل کے خلاف ایک آوازہ حق گونجی ۔ یہ مردِ حق شیخ عبد العزیز الکنانی کی آواز تھی ۔ وہ بشر المریسی سے مناظرے کے لیے تیار تھے ۔ مناظرے کی درباری شرط یہ تھی کہ اگر شیخ مناظرہ ہار گئے تو ان کا خون مامون کے لیے حلال ہو گا ۔ شیخ نے قبول کیا ۔ یہ حق کی تاثیر ہے کہ وہ موت کا خوف نہیں رکھتا ۔ بشر المریسی کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ

" قرآن نے صدہا مقام پر اللہ کو خالق کل شئ کہا ہے اور چونکہ قرآن بھی شئے میں داخل ہے اس لیے وہ بھی مخلوق ہوا ۔ "

یہ عقیدہ اور استدلال کے ایسے پہلو در حقیقت اسی ذہنی خرافات کی کرشمہ سازیاں ہیں جس میں علم پر عمل کی حیثیت تو ثانوی ہو جاتی ہے مگر استدلال کی وسعتوں کو دریافت کرنے کے شوق میں تحریف حقیقت سے بھی گریز نہیں کیا جاتا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ عبد العزیز وحی ربانی کی پیروی کے انہی اصولوں پر گامزن تھے جس کی بنیادیں "ما انا علیه و اصحابي" میں پنہاں تھیں۔ اللہ نے ان کے صدرِ ایمانی کو اپنے انشراح سے نوازا تھا۔ انہوں نے اس گمراہ کن استدلال کی دھجیاں بکھیر دیں۔ فرمایا:

"قرآن کہتا ہے: " و یحذرکم اللّٰه نفسه" یعنی اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا بھی نفس ہے اور پھر قرآن کہتا ہے: " کل نفس ذائقة الموت" یعنی ہر نفس کے لیے موت کا مزہ چکھنا لازم ہے۔ پس اگر اشیاء میں قرآن داخل ہو کر مخلوق ہو گیا تو کیا اللہ بھی "کل نفس" میں داخل ہو کر موت کا مزہ چکھے گا؟"

شیخ کے الفاظ زبان سے ادا ہونے والے محض کلمات نہ تھے بلکہ صاعقہ حق کی ایک بجلی تھی جو اعتزال کے ایوانوں میں یکایک کوندگئی اور اعتزالی استدلال کے تمام بال و پر جلاگئی۔

اس مناظرے کے بعد اعتزال کا سارا عروج مبدل بہ زوال ہو گیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٨﴾ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٩﴾ (الحج: 8)

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بغیر علم، بلا کسی ہدایت اور کتاب منیر سے محرومی کے باوجود تکبر کرتے ہوئے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم انہیں عذاب آتش کا مزہ چکھائیں گے۔"

اعتزالی اسلوبِ تفسیر

اعتزالی فکر نے قرآن کریم کی تفسیر میں بھی اپنی عقلیت پسندی کا بھرپور اظہار کیا۔ اعتزالی فکر کے ان گوشوں سے اندازہ ہوگا کہ دین میں عقلیت پرستی کا پیوند لگانے کا شوق نیا نہیں ہے بلکہ عہد گزشتہ میں ایسے "ذہین و فطین" افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے دین کو اپنی مزعومہ عقل کے تابع کرنے کی کوشش کی اور حصولِ مطلب کے ہر قسم کے استدلالی روّیے اختیار کیے۔

احمد بن حابط معتزلی کا اعتقاد تھا کہ "چوپایوں اور پرندوں اور حشرات میں یہاں تک کہ مچھر اور پسو اور مکھی میں بھی انبیاء ہوتے ہیں۔"[1]

اس کا استدلال ان دو آیات سے تھا:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ (فاطر: 24)

"اور ہر امت کے لیے ان میں ایک ڈرانے والا ہے۔"

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم (الانعام: 38)

"اور زمین میں چلنے والا کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو بازوؤں سے اڑے مگر یہ کہ تمہاری طرح ایک گروہ ہے۔"

فرقہ باطنیہ کی شاخ مہدویہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک مرد کو 18 عورتوں کے ساتھ شادی کر لینا جائز ہے اور تمسک اس آیت سے کرتے تھے:

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء: 3)

"نکاح کرو جو خوش لگے تم کو عورتوں میں سے دو دو، تین تین اور چار چار۔"

ان کے نزدیک سب اعداد کا مجموعہ یعنی اٹھارہ عورتوں کا شخص واحد کے نکاح میں ہونا جائز ہے۔[2]

معتزلہ کے دو بڑے اکابر المرداد اور ابو اسحاق ابراہیم بن سیار نظام معتزلی کی قرآن فہمی کا حال یہ تھا کہ بقول ان کے بے شک لوگ اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ وہ قرآن کی طرح یا اس سے بھی بہتر کتاب تالیف کر سکتے ہیں۔[3]

اس میں شبہ نہیں کہ معتزلی بڑے عقل پرست تھے، ان میں ایک سے بڑھ کر ایک ذہین و طباع موجود تھے مگر عقل ذہانت کو درماندہ تو کر سکتی ہے قلوب کی فاتح نہیں بن سکتی۔ ورنہ آج امت مسلمہ کی 80 فیصد آبادی معتزلانہ اعمال و عقائد سے اپنی فکر کو آراستہ کرتی۔ معتزلہ کے عقلی پیچ و خم کی شکست قوانین فطرت صالحہ کی فتح تھی کیونکہ انسان اپنے یقین کے لیے قلب کا اطمینان چاہتا ہے نہ کہ عقل و فہم کا اضطراب۔ طمانیت کا مصدر حقیقی قلب ہے نہ کہ عقل۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ (الحج: 46)

"کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

عہدِ اکبری کا الحاد

برصغیر میں سلطنتِ مغلیہ کے سب سے بڑے بادشاہ کو بھی درباری مولویوں نے مذاہب کی جمع تفریق کے شوق میں اس مقام تک جا پہنچایا کہ جہاں ہوائے نفسانی ہی درجہ عبودیت کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔

اکبر کا پورا دربار علمائے دنیا پرست کی تفریح مذہبی کا مرکز تھا۔ ایک دنیا پرست مولوی نے جب فتویٰ دیا کہ بادشاہ کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز ہے تو دوسرے دنیا پرست مولوی کو تا عمر یہ قلق رہا کہ یہ فتویٰ اس نے کیوں نہ دیا۔

اکبر اور اس کے درباری مولوی عہد بنی اسرائیل کے تہذیبی رویے کے عکاس تھے۔ وہی حبِّ جاہ کی خواہش اور تحریف کتاب کا دانستہ ارتکاب۔

[1] مذاہب الاسلام از حکیم نجم الغنی خاں رام پوری، ص 124

[2] حوالہ مذکور، ص 237

[3] الفرق بین الفرق للامام عبد القاهر الجرجانی، ص 165، مکتبہ دار التراث القاهرة

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بایں ہمہ، یہ فتنہ بھی زیادہ نہیں چلا۔ اکبر کیا مرا اس کے ساتھ اس کا یہ فتنہ بھی مر گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

سر سید کا شوقِ اعتزال

بر صغیر میں مغلیہ حکومت کے خاتمے کے بعد جب انگریزوں کی استعماری قوتیں غاصب ہوئیں تو مسلمان اچانک فاتح سے مفتوح بن گئے اور مفتوح قوم میں جو فکری تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں، یہاں بھی ہوئیں۔ ان فکری تبدیلیوں نے مسلمانوں کے سرچشمہ علوم یعنی قرآن و حدیث میں بھی اپنا اثر ڈالا۔ اس سلسلے کی سب سے بہترین مثال سر سید احمد خان کی ذات گرامی ہے۔

انہوں نے اپنے تفسیری روّیے کو واضح الفاظ میں بیان کیا کہ

" اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ جس بات پر متعلق دلیل دلالت کرتی ہے۔ اس پر کوئی عقلی معارضہ تو نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی عقلی معارضہ پایا جائے گا تو ضرور نقلی دلیل پر اس کو ترجیح ہوگی اور اس نقلی دلیل کو ضرور دوسرے معنوں میں تاویل کرنا پڑے گا۔"[4]

یعنی قرآن کی کوئی بھی بات بظاہر خلاف عقل ہو تو اس کی تاویل کرنی چاہیے، اور یہ تو معلوم ہی ہے "خلاف عقل" ہونے کا کوئی مستقل پیمانہ تو ہے ہی نہیں۔

یہی ذہنی مرعوبیت تھی کہ جس کی بنا پر سر سید نے تمام معجزات کی تاویل کی حتیٰ کہ اللہ کو بھی تحت الاسباب بنا ڈالا۔

سر سید کے نزدیک احرام وحشیانہ لباس ہے۔[5]

سر سید کے بقول: " انصاف سے ہم کو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیے کہ چھری اور چمچ سے کھانا اور ہر قسم کے کھانے کے لیے جدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھ سے کھانا کھانے کے زیادہ عمدگی و صفائی اور نفاست رکھتا ہے۔"[6]

فرشتوں سے متعلق فرماتے ہیں: " جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قوتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں ملک یا ملائکہ کہا ہے۔"[7]

شیطان سے متعلق فرماتے ہیں: " حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان کا خمیر اور اس کی بناوٹ ایسی قوتوں سے مرکب کی ہے جس میں خیر و شر دونوں ہیں اور قویٰ ملکوتی اور قویٰ بہیمی کہے جاتے ہیں۔ ان میں سے قویٰ بہیمی، جو انسان کو برائی اور شرارت کی طرف ترغیب دیتے ہیں ان کا نام شرع میں شیطان رکھا گیا ہے، نہ یہ کہ وہ انسان سے علیحدہ کوئی مخلوق ہے۔"[8]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں: " میرے نزدیک قرآن مجید سے ان کا بے باپ ہونا ثابت نہیں ہے۔"[9]

مزید یہ کہ حضرت مریم حسب قانونِ فطرت انسانی اپنے شوہر یوسف سے حاملہ ہوئیں۔[10]

الغرض سر سید کی کتب اسی قسم کی خرافات ذہنی سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن سر سید کی اس روش نے بر صغیر کے مسلمانوں کے لیے تفسیری ذخیرہ ادب میں عقلیت پرستی کی راہ کھول دی۔[11]

کلامی مباحث

اسی دور استعماریت میں جہاں مسلمانوں میں فقہی اختلافات پر بحث و جدل نے فروغ پایا وہیں متعدد کلامی مباحث بھی پیدا ہوئے۔ عقلیت جب بھی آتی ہے اپنے خرافات ساتھ لاتی ہے۔ چنانچہ یہ بحث کی گئی کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ اور جنہیں معلوم نہیں انہیں یہ جان کر شدید حیرانی ہوگی کہ اس مسئلہ پر طرفین کی جانب سے کئی کتابیں لکھی گئیں اور علماء نے اپنی صلاحیتیں اس لغو مسئلے پر برباد کیں۔

آخری تاجدار ہند بہادر شاہ ظفر کے آخری برسوں میں دہلی کے مولویوں کا پسندیدہ موضوع بحث یہ رہا کہ الو حلال ہے یا حرام۔

اس دور میں متعدد تفسیریں لکھی گئیں مگر ان کے مفسرین اپنے عہد سے بیگانہ نہ رہ سکتے تھے، نہ رہ سکے۔ عجائبات کے شوق نے ان کے تفسیری ذوق کو بھی متاثر کیا۔ ایک طرف قدامت پرستوں کا گروہ تھا جو ہر واہی روایت کو بھی حرزِ جاں بنائے بیٹھا تھا اور اسرائیلی قصوں میں تفسیری نکات و افادات کی تلاش کرتا تھا تو دوسری طرف سر سید اور ان سے متاثر "مفکرینِ قرآن" کا گروہ تھا جو اپنے مزاجِ فکر کے مطابق قرآن کی تاویل و تشریح کرنے پر تلا تھا۔ اور معلوم ہے کہ سلامتی تو صرف راہِ اعتدال میں ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ (الکہف: 28)

" اور اس کی پیروی نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہو، اور جو ہوائے نفسانی کی پیروی کرتا اور اپنے امور میں حد سے بڑھ گیا ہو۔"

معتزلہ جدید

آج بھی عقلیت پرستی کا یہ شوق جاری و ساری ہے۔ نہ کوئی اصول اور نہ کوئی ضابطہ، مگر مفکرِ قرآن بننے کا شوق ان کے سر پر سوار ہے۔ ان کے اس ذوق تجدد کا اثر قرآن مجید کے اسلوب تفسیر میں نمایاں ہوتا ہے۔ اپنے نقطہ ہائے نظر کی تائید کے لیے وہ دلائل و براہین قرآن ہی سے اخذ

---

4 تفسیر قرآن از سر سید احمد خاں، جلد 1، ص 119

5 جلد 1، ص 246 - 247

6 تہذیب الاخلاق، جلد 2، ص 77

7 تفسیر قرآن، جلد 1 م ص 49

8 تبیین الکلام: 2/146

9 مکتوبات سر سید: 2/ 116

10 تفسیر قرآن: 2/ 36

11 ماضی قریب کے ایک " مفکر قرآن " غلام احمد پرویز بھی سر سید ہی کی ڈگر پر گام فرسا تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں اور اس اخذ کرنے کے لیے کیا کچھ کر گزرتے ہیں اس کا اندازہ ان کے اسلوب تفسیر سے لگایا جا سکتا ہے۔

ان کا سب سے بڑا غرہ " تفسیر القرآن بالقرآن " ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پورے قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ مشیت الٰہی اس کے خلاف ہے۔ اگر قرآن کی مکمل تفسیر خود قرآن ہی سے ممکن ہوتی تو معلم قرآن کی ضرورت باقی ہی نہ رہتی۔

حدیث رسول ﷺ ان کی خواہشات کی راہ میں سب سے بڑی مانع ہے کیونکہ حدیث نبوی ان کی من چاہی تاویلات کی تردید کر دیتی ہے۔ اس لیے سر سید اور پرویز نے تو سرے سے حدیث ہی کا انکار کر دیا اور آج بھی ایک قلیل گروہ اس روش پر قائم ہے۔ تاہم دور جدید کے متجددین نے بخوبی ادراک کر لیا کہ انکارِ حجیت حدیث کے دعوے کو نبھانا آسان نہیں۔ اس لیے ان کے نفس نے انہیں " منافقانہ اقرار " کی راہ سجھائی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف اسی حدیث کو مانیں گے جو قرآن کے مطابق ہوگی جو حدیث قرآن کے خلاف ہوگی، قابل تسلیم نہ ہوگی۔ بظاہر یہ بڑا ہی معصومانہ دعویٰ ہے۔ مگر خبثِ باطن سے بھرپور۔ اس بات کا فیصلہ ان کی عقل ہی کرے گی کہ کونسی حدیث مطابق قرآن ہے اور کونسی نہیں۔ جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں۔ علمائے حق نے آج سے نہیں پہلی صدی ہجری سے صحیح، ضعیف و موضوع کا امتیاز برقرار رکھا ہے۔

بایں ہمہ ان کے ذوق تجدد پسندی نے ذخیرہ تفسیر پر جو اثر ڈالنے کی کوشش کی اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صغر سنی میں نکاح : یہ مسئلہ جمہور اہل سنت و الجماعت کے مابین قطعاً اختلافی نہیں۔ انعقاد نکاح پر تو سب ہی متفق ہیں۔ لیکن کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے " نسائیات " جس میں عورتوں سے متعلق " چند فکری و نظری مباحث " ہیں۔ اس میں " کم سنی کی شادی، بچوں سے زیادتی " کے عنوان سے مولف نے دادِ تحقیق دی ہے۔ اس سلسلے میں اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے سورہ النساء کی ایک آیت نامکمل پیش کی تاکہ مطلب کی بات اخذ کی جا سکے۔ فاضل مؤلف فرماتے ہیں:

" کم عمری میں شادی نہ ہونے کا اشارہ ہمیں اس آیت سے بھی ملتا ہے:

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ

پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو، جو اچھی، عمدہ اور پاکیزہ ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ فانکحوا صیغہ امر ہے یعنی حکم شرعی ہے اور یہ حکم کسی غیر مکلف کو نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ بچہ اپنی طفولیت کے باعث، اس حکم کا مخاطب نہیں۔ اس لیے وہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں " ما طاب لکم " بھی آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو ان عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو عمدہ اور پاکیزہ ہوں اور صغر سنی میں بچہ، عورت کی عمدگی اور پاکیزگی کو نہیں جان سکتا، اس لیے بھی چھوٹی عمر میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ آیت میں " النساء " کا لفظ موجود ہے۔ جس کا مفہوم " عورتیں " ہیں نہ کہ بچیاں۔ چنانچہ النساء کا لفظ، خود انگلی رکھ کر بتا رہا ہے کہ شادی کے لیے فریق ثانی کا " عورت ہونا " ضروری ہے۔ غرض کہ یہ آیت بھرپور طریقے سے کم سنی کی شادی کی ممانعت کا اعلان کر رہی ہے۔ "[12]

سب سے پہلے تو آیت کے ابتدائی حصے کے ساتھ اسے ملاحظہ کیجئے اور اس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی کے قلم سے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ

" اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔ "

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

" اس حکم کے مخاطب وہ اولیاء ہیں جن کی تولیت میں یتیموں کا جان و مال ہو۔ اس آیت کریمہ سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اگر قسط و عدل کا یقین ہو تو ان اولیاء کو نابالغہ یتیموں سے نکاح کر لینا و کر دینا درست ہے۔ پس باپ کا اپنی نابالغہ کا نکاح کر دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

اس آیت میں یہ شبہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ " الیتامیٰ " سے مراد وہ یتیم عورتیں ہیں جو اب بالغ ہو چکی ہیں، بدو وجہ:

اول : اس لیے کہ اولاً شرع میں یتیم کا حقیقتاً اطلاق نابالغ پر ہوتا ہے اور بالغ پر اس کا اطلاق مجازاً ہے۔ پس جب تک معنی حقیقی ممتنع نہ ہو مجازی معنی نہیں لیا جا سکتا ہے۔ و قال شیخ شیخنا العلامة الآلوسي في تفسيره روح المعاني: و في الآية دليل لجواز نكاح اليتيمة و هي الصغيرة اذ يقتضي جوازه الا عند خوف الجور۔

ثانیاً : عام عورتوں سے نکاح کرنے میں عدل نہ ہونے کا خوف ہو تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے علیحدہ کر کے اسی کے بعد بیان فرمایا ہے۔ بقوله: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سورۃ النساء: 3) (ترجمہ " لیکن اگر تمہیں انصاف نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی۔ ")

اس سے معلوم ہوا کہ سابق الذکر حکم صرف ان نابالغہ لڑکیوں کا ہے جن پر شرعاً یتیم کا اطلاق صحیح ہے۔ "[13]

مؤلف نے نبی کریم ﷺ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق اپنا خیال

---

[12] نسائیات، از ڈاکٹر محمد شکیل اوج، ص 39 - 40

[13] فتاویٰ عظیم آبادی، ص 64

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر کیا ہے کہ " یہ شادی آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے " و نیز " یہ شادی ، نکاح کے سلسلہ میں قرآنی احکام نازل ہونے سے بہت پہلے واقع ہوئی۔ مطلب یہ کہ شادی مکہ میں ہوئی تھی اور نکاح کے سارے احکام مدینہ میں اترے، اس لیے یہ نکاح الا ماقد سلف کے تحت درست قرار پاتا ہے۔"[14]

جناب مؤلف کا یہ خیال بھی درست نہیں ۔

چنانچہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں:

" اس واقعہ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ کا ہے اور صحیحین میں ابوہریرہ سے مروی ہے : ان النبي ﷺ قال: لاتنكح الايم حتي تستامر، ولاتنكح حتي تستأذن۔ انتهي (ترجمہ : نبی ﷺ نے فرمایا " ایم - یعنی طلاق یافتہ یا بیوہ - کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہیں کیا جائے گا - اس کی اجازت کے بعد ہی اس کا نکاح کیا جائے گا۔) اور یہ حدیث مدنی ہے ، پس حضرت عائشہ کا واقعہ قبل ورود الامر باستئذان البکر (کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں رائے معلوم کرنے کا حکم آنے سے پہلے کا ہے) پر محمول ہوگا، اور حدیث نہی (یعنی طلاق یافتہ ، بیوہ اور کنواری لڑکی کا نکاح زبردستی کرنے سے منع کرنے کی حدیث) علی حالہ باقی رہے گی - كما ذكره الامام الحافظ ابن حجر في فتح الباري وتبعه العلامة الشوكاني في النيل۔

لیکن یہ احتمال مخدوش (انتہائی کمزور) ہے ، اور حدیث ابوہریرہ سے خلاف واقعہ نکاح حضرت عائشہ کے عدم صحت نکاح نا بالغہ پر استدلال لانا صحیح نہیں ہے، بہ دو وجہ۔

اول : یہ کہ اگرچہ نکاح حضرت عائشہ مکہ معظمہ میں ہوا ہے ، لیکن مسئلہ مبحوث عنہا یعنی صحت نکاح نا بالغہ کی تائید سورۃ النساء کی آیت : وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا (سورۃ النساء: 3) (اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم (یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے) انصاف نہ کر سکو گے) اور سورۃ الطلاق کی آیت : وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ (سورۃ الطلاق: 4) (تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں) حیض سے نا امید ہو گئیں ہوں) سے ہوتی ہے، اور وہ دونوں سورہ مدنیہ ہیں۔ انتھی

دوم : یہ کہ حدیث ابو ہریرہ میں اگر " لا تنكح " (کسی دوسرے کا نکاح نہیں کرائے گا) کا مفہوم عدم صحت نکاح لیا جائے تو کل نکاح بصورت عدم استئمار اور عدم استئذان کے فاسد و باطل ٹھہرے گا - حالانکہ احادیث صحیحہ سے چند واقعات ایسے ثابت ہیں کہ عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء نے بغیر اذن (اجازت) بلکہ خلاف مرضی ان کے کر دیا تھا ، اس کو رسول اللہ ﷺ نے فاسد و باطل نہیں کیا ، بلکہ عورت کو اختیار دیا کہ نکاح باقی رکھے یا فسخ کر دے۔

کما روي احمد و ابو داود و ابن ماجه و الدارقطني عن ابن عباس : ان جارية بكراً اتت النبي ﷺ فذكرت أن أباها زوجها و هي كارهة ، فخيرها النبي ﷺ - (ترجمہ : ایک دوشیزہ نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کر دی ہے ، تو نبی ﷺ نے اس کو اختیار دیا (کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو برقرار رکھے اور چاہے تو انکار کر دے)۔"[15]

محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح : یہی مؤلف اپنی کتاب اہل کتاب مردوں سے مسلم عورتوں کے رشتہ ازدواج کی تائید میں لکھتے ہیں :

"جس طرح کوئی مسلمان اہل کتاب عورت سے از روئے قرآن نکاح کر سکتا ہے تو کیا کوئی مسلمان عورت بھی کسی کتابی سے نکاح کر سکتی ہے ؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب بظاہر سکوت کی صورت میں دے دیا ہے - گویا قرآن کے سکوت نے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ کر دیا ہے - جو مثبت اور منفی ہر دو طرح سے قابل فہم اور لائق شمول ہو سکتا ہے - یعنی ضروریات زمانہ کے اقتضاء سے کوئی بھی صورت اختیار کی جا سکتی ہے - بہر حال ہمیں اس سکوت کا اثباتی پہلو زیادہ قرین صواب لگتا ہے - کیونکہ مثبت معنی کے متعدد قرائن خود قرآن کریم کے اندر موجود ہیں۔"[16]

یہ مسئلہ ہے جو چودہ صدیوں سے پوری امت مسلمہ میں اجماعی رہا ہے، پوری امت کا تعامل اسی پر رہا ہے کہ کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم سے ازدواجی تعلق ازروئے شریعت قائم نہیں کر سکتی - لیکن پندرہویں صدی ہجری کے ایک مجتہد اعظم پر انکشاف حقیقت ہوتا ہے کہ پوری امت لاعلمی کا شکار رہی ہے اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے بطیب خاطر رشتہ ازدواج میں منسلک ہوں -

مسجد اقصیٰ کا حق تولیت : ہماری رائے کے مطابق ہر وہ شخص جو اپنے باطل نظریات کے لیے قرآن سے استدلال کرتا ہے وہ کبھی بھی آیت قرآنی کو اس کے صحیح ترین سیاق و سباق کے ساتھ پیش نہیں کرتا - بلکہ اس کے برعکس محض اپنے مطلب کی بات " لے اڑنے " کی روش اختیار کرتا ہے - ہمیں جناب عمار ناصر کی نیت پر شبہ نہیں۔ امید ہے کہ انہوں نے اپنا مؤقف پوری دیانتداری سے اختیار کیا ہو گا۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ زیر بحث مسئلے پر قرآنی استدلال کرتے ہوئے ان کا طریقہ بھی مذکورہ روش ہی کا عکاس ہے۔ فرماتے ہیں :

" اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کی تباہی و بربادی اور اس سے یہود کی بے دخلی کے دو معروف واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ یہ ان کی سرکشی اور فساد کے نتیجے میں رونما ہوئے تھے - مسجد اقصیٰ کے بارے میں یہ بات

[14] نسائیات، ص 46

[15] فتاوی عظیم آبادی ، ص 65 - 66 - محدث عظیم آبادی نے اس ضمن میں مزید احادیث بھی بیان کی ہیں جسے ہم نے بخوف طوالت درج نہیں کیا۔

[16] نسائیات، ص 100

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت وہ یہود کے زیر تصرف نہیں تھی ، بلکہ تباہ شدہ کھنڈر (Ruins) کی صورت میں ویران پڑی تھی۔ یہ بات بھی ، ظاہر ہے ، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ مستقبل قریب میں اس عبادت گاہ کو آباد کرنے کا شرف عملاً مسلمانوں کو حاصل ہونے والا ہے۔ اگر یہود کے حق تولیت کی شرعی بنیادوں پر قطعی تنسیخ مقصود ہوتی تو یہاں یہود سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے تھا کہ فساد اور سرکشی کے نتیجے میں اس مسجد سے بے دخلی کے بعد اب تمہارے اس پر دوبارہ متصرف ہونے کا کوئی امکان نہیں اور اس عبادت گاہ کی آبادی اور تولیت کا حق اب تمہارے بجائے ہمیشہ کے لیے ، مسلمانوں کے سپرد کردیا جائے گا ، لیکن اس کے برعکس قرآن مجید صاف لفظوں میں یہ فرماتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے پہلے کی طرح اب بھی اس مسجد کے دوبارہ بنی اسرائیل کے تصرف میں آنے کا امکان موجود ہے: عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا (بنی اسرائیل:8) "توقع ہے کہ تمہارا رب تم پر پھر رحمت کرے گا اور اگر تم نے دوبارہ یہی روش اختیار کی ہم بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔"[17]

سب سے پہلے آیت کے اس ٹکڑے کو اس کے صحیح ترین سیاق و سباق کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے۔

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٥﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ ٱلْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَٰكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ ٱلْـَٔاخِرَةِ لِيَسُۥٓـُٔوا۟ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا۟ مَا عَلَوْا۟ تَتْبِيرًا ﴿٧﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَٰفِرِينَ حَصِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ وَأَنَّ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْـَٔاخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾ (بنی اسرائیل: 4-10)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلا دی تھی کہ تم سر زمین میں دوبارہ خرابی کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ کر دیں گے اور مال اور بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور ہم تمہاری جماعت بڑھا دیں گے۔ اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے نفع کے لیے اچھے کام کرو گے اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لیے پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرماوے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیلخانہ بنا رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے ایک درد ناک سزا تیار کر رکھی ہے۔" (ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دو مرتبہ یہود پر ان کی نا فرمانیوں کے سبب اپنے سخت عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر اللہ رب العزت نے انہیں ایک موقع دیتے ہوئے مزید فرمایا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ "قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔" لیکن اگر تم نے پھر وہی روش اختیار کی تو ہم بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے جیسا کہ پہلے کر چکے ہیں۔ اس بیان کے بالکل متصل اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم کا ذکر فرمایا ہے۔ سیاق و نظم کلام کا تقاضا یہی ہے کہ یہود کے لیے وعدہ رحمت نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔

ائمہ مفسرین اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ کی تفسیر: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "یعنی اگر تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ گے اور قرآن کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کر لو گے تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔"[18]

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یہ ان یہود سے خطاب ہے جو ان آیات کے نزول کے وقت موجود اور قرآن کی مخالفت میں کفار قریش کی ہمنوائی و پشت پناہی کر رہے تھے۔ ان سے خطاب کرکے فرمایا جا رہا ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے وہ تمہیں سنایا جا چکا۔ اب اگر خیریت چاہتے ہو تو اس نبی امی (ﷺ) کی دعوت نے تمہارے لیے نجات کی جو راہ کھولی ہے ، اس کو اختیار کرو ، اور اپنے مستقبل کو سنوار لو۔ اگر تم نے توبہ اور اصلاح کی راہ اختیار کر لی تو خدا بھی تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم نے پھر اسی طرح کی حرکتیں کیں جیسی کہ پہلے کرتے آئے ہو تو ہم بھی تمہاری اسی طرح خبر لیں گے جس طرح پہلے لے چکے ہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس دنیا میں جو ذلت و رسوائی ہوئی ہے وہ تو ہوگی ہی۔ آگے تمہارے

17 براہین ، از محمد عمار خان ناصر ، ص 260

18 تفسیر مظہری : 7 / 26 ، مترجمہ عبد الدائم جلالی مطبوعہ دار الاشاعت کراچی 1999ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسے کافروں کے لیے جہنم کا باڑا ہے جس میں سارے کے سارے بھر دیے جائیں گے۔"[19]

ایک تابعی ہیں ضحاک ان کی رائے بھی یہی ہے۔مولانا احمد حسن دہلوی لکھتے ہیں :

" ضحاک نے کہا ہے کہ یہ رحمت جس کا اللہ پاک نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا جناب سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ ہیں اور یہ بھی اللہ پاک نے انہیں جتلا دیا تھا کہ اگر پھر تیسری دفعہ وہی کام کرو گے اور وہی فساد اٹھاؤ گے تو یاد رکھو ہم وہی عذاب تم پر نازل کریں گے۔ ہمارے ہاتھ سے تمہیں رہائی نہیں مل سکتی۔"[20]

سر دست یہ محض چند مفسرین کی آراء ہیں ورنہ اس پر تقریباً اتفاق ہی ہے۔" روح المعانی " ، " تفسیر النسفی " اور " فتح القدیر " دیکھ لیجیے اس میں ہمارے ہی مؤقف کی تائید ملے گی۔ قرآنی نظم بھی اسی تفسیر کا تقاضا کرتی ہے۔ حیرت ہے نظم قرآن کے اتنے بڑے داعی اتنی معمولی سی بات نہ سمجھ سکے۔

جناب عمار ناصر کو یہ احساس تو ہے کہ یہود کو دوسری مرتبہ جس سخت عقوبت سے گزرنا پڑا وہ مسیح علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

" ہیکل کی تباہی اور فلسطین سے یہودیوں کی بے دخلی کی پیش گوئی دوسری مرتبہ 70ء میں پوری ہوئی۔ اس مرتبہ اس کا سبب بنی اسرائیل کا وہ رویہ تھا جو انہوں نے من حیث القوم سیدنا مسیح علیہ السلام کی تکذیب کے حوالے سے اختیار کیا تھا۔"[21]

کیا یہ امر تعجب انگیز نہیں ہوگا کہ مسیح علیہ السلام کی تکذیب پر تو یہود کو سزا دی جائے لیکن نبی آخر الزماں ﷺ جو " عہد کے نبی " ہیں ان کی تکذیب پر یہود سے کچھ سرزنش نہ کی جائے بلکہ مستقبل میں ان سے رحمتِ الٰہی کا وعدہ بھی استوار کر لیا جائے ؟؟؟

قرآنی بیان بالکل واضح ہے اس میں توڑ مڑوڑ کرنے اور تاویلات کے پھندے بچھانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی رحمت ایمان کے ساتھ ہی مشروط ہو سکتی ہے اور اب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی ایمان قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ یہود اجتماعی یا انفرادی طور پر رسالتِ محمدی ﷺ پر ایمان لے آئیں تو وہ یقیناً وعدۂ رحمت الٰہی کے حقدار ہونگے ورنہ دائمی ذلت و مسکنت ان کا مقدر ہوگی۔

تفسیر قرآن کا ایک اہم اصول نظم قرآن ہے اور دوسرا اہم اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ اس پہلو سے بھی دیکھیں تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ جب دنیا میں اس کتاب مقدس کا نزول ہوا تو یہود اس وقت سطح ارضی پر منتشر تھے۔ کچھ اطمینان و سکون انہیں میسر تھا تو مدینہ میں۔ لیکن یہاں بھی وہ اپنی سرکشی اور فساد فی الارض کے باعث نکالے گئے۔ تاآنکہ اللہ ربّ العزت نے ان پر ذلت و خواری مسلط کر دی۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾ (البقرۃ: 61)

" اور ان پر ذلت اور پست ہمتی تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ اس سبب سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نا فرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے۔" (ترجمہ از مولانا امین احسن اصلاحی)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ (آل عمران: 112)

" وہ جہاں کہیں بھی ہیں ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے۔ بس (اگر کچھ سہارا ہے تو) اللہ اور لوگوں کے کسی عہد کے تحت۔ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں۔ اور ان پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کا ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ نا فرمان اور حد سے بڑھنے والے رہے ہیں۔" (ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی)

جہاں تک اللہ ربّ العزت کے سہارے کا تعلق ہے تو دنیا میں ایسی کوئی مخلوق نہیں جو ربّ العزت کے سہارے کے بغیر کوئی بھی کام انجام دے سکے۔ ایک چیز اللہ ربّ العزت کی رضا مندی ہے اور ایک اس کی امر تکوینی۔ شیطان کا اس کے خلاف آمادہ سرکشی ہونا ایک تکوینی حقیقت ہے۔ ظاہر ہے اسے تبارک و تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں۔ اسی طرح یہود جب تک ایمان کی راہ اختیار نہیں کر لیتے ان پر اللہ کی جانب سے ذلت و مسکنت ہی رہے گی۔ اس لیے معنوی طور پر دیکھا جائے تو یہود کو دنیا میں محض کسی قوم کا سہارا ہی وقتی طور پر کسی قدر کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ تنہا ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ ان آیات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آج یہود کو سیاسی سطح پر جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں وہ اللہ ربّ العزت کی رضا اور خوشنودی کا نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک تکوینی حکمت و ضرورت کا تقاضا ہیں۔

ان آیات کے نزول کے وقت یہود اپنے قبلے سے محروم تھے۔ ان پر ذلت و مسکنت مسلط کی گئی۔ اب اگر وہ اپنے قبلے کو اپنے زیر تصرف لے آئیں تو یہ " دائرہ ذلت و مسکنت " سے اخراج کی ایک صورت ہوگی جو یقیناً مشیتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 1967ء سے بیت المقدس پر یہودی قبضے کے باوجود آج تک وہ اسے مکمل طور سے اپنے زیر تصرف نہیں لا سکے۔ خود عمار ناصر صاحب بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ

---

[19] تدبر قرآن: 4 / 483، لاہور 2000ء

[20] احسن التفاسیر: 4 / 21 - 22

[21] براہین: 242

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے دعوائے تولیت کو ایک عملی وجہ ترجیح حاصل ہے۔ انہوں نے یہ عبادت گاہ نہ یہودیوں سے چھینی تھی اور نہ ان کی پہلے سے موجود کسی عبادت گاہ کو ڈھا کر اس پر اپنی عبادت گاہ تعمیر کی تھی۔ نیز وہ بحالتِ موجودہ اس کی تولیت کے ذمہ دار ہیں اور یہ ذمہ داری وہ گزشتہ تیرہ صدیوں سے، صلیبی دور کے استثنا کے ساتھ، تسلسل کے ساتھ انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس کی تولیت کا حق دار مسلمانوں ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔"[22]

مرد و عورت کی دوستی: سورۃ توبہ کی آیت مبارکہ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ کا ترجمہ و تشریح کرتے ہوئے "امراۃ القرآن" کے مؤلف لکھتے ہیں:

"ترجمہ: اور مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور ان کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کریں گے بے شک اللہ زبردست اور حکمت والے ہیں۔"

(سورۃ توبہ آیت نمبر 71) میں اللہ تعالیٰ نے ایک مومن مرد و عورت کو ایک رشتہ دیا ہے اور وہ ہے دوستی اور ایک دوسرے کی مدد یعنی دین کے کاموں میں اب یقیناً یہ کام حالات کے تقاضے کے تحت اجتماعی یا انفرادی دونوں شکل میں ہوسکتے ہیں۔ مزید سورہ "مجادلہ" میں آیت نمبر 7 میں ارشاد ہوتا ہے کہ "جب بھی تین سرگوشی کرتے ہیں تو ان کے چوتھے خدا ہوتے ہیں، اور اگر پانچ ہوتے ہیں تو چھٹے خدا ہوتے ہیں اور نہ اس سے کم اور زیادہ تعداد ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں جہاں کہیں وہ ہوتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم مثبت تعلیم ہے یعنی اس تصور کو اجاگر کرانا کہ اگر خلوت میں مرد اور عورت ہوتے ہیں تو ان کے تیسرے خدا ہوتے ہیں۔ جبکہ باطل روایت سے ثابت کیا گیا کہ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اب آپ غور فرمایئے کہ اگر مثبت سوچ دی جاتی اور خلوت میں خدا کے وجود کے تصور کو باور کرایا جاتا تو شاید گناہوں میں کمی ہوتی لیکن منفی سوچ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلوت تلاش کی جاتی ہے شیطانی عمل کو انجام دینے کے لیے، فرق ظاہر ہے قرآنی تعلیم یعنی خدائی تعلیم اور خود ساختہ منفی سوچ میں۔"[23]

انہیں نہ معاشرت اور سماجیات کا علم ہے۔ نہ انسانی نفسیات اور تمدنی تقاضوں سے واقف ہیں۔ اس پر مستزاد سخن فہمی کی جو صلاحیت مبدء فیض سے انہیں حاصل ہوئی ہے ان کا ایک ایک حرف اس پر ماتم کناں ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اسی طرح سورہ البقرۃ آیت 235 کی تشریح میں لکھتے ہیں: "مرد و عورت چھپ کے خلوت میں مل سکتے ہیں۔"[24]

ان مختلف عوامل و محرکات پر غور کرو تو یہ وہی ضلالتِ قدیمہ ہے جس کا آغاز نوح علیہ السلام کے عہد میں ہوا اور جس کے شر کا سامنا ہود، صالح، ابراہیم، لوط، شعیب علیہم السلام نے کیا اور جس نے بنی اسرائیل کے اجتماعی تہذیبی رویے میں ارتقاء کے منازل طے کیے۔ گویا ایک پیمانہ مقرر کر دیا۔ اب قومیں خواہ اجتماعی زندگی کی کیسی ہی پستی میں جا اتریں مگر ان کا کوئی طرزِ عمل بھی بنی اسرائیل کے دائرہ ضلالت سے باہر نہیں ہوگا۔

اور جیسا کہ معلوم ہے کہ امت مسلمہ میں بھی یہ فکر پہلی صدی ہجری کے اختتام ہی میں رونما ہونے لگی تھی۔ یعنی وحی ربانی کی سادہ و فطری تعلیمات کی جگہ جود و ضلالت کا پیوند ذہنی۔ فتنہ اعتزال کی شکل میں مسلم معاشرے میں یہ فکر تنومند ہوئی۔ اب قال اللہ و قال الرسول کی جگہ واصل بن عطاء اور بشر مریسی کی قیل و قال نے لے لی۔ الفاظ و اسالیب کے ایسے جامے تراش لیے گئے جنہوں نے قرآنی مفاہیم و مطالب کو سیاق منظر سے ہٹا کر اک نئے معانی سے ہمکنار کیا۔

یہ وہی فکر ہے جو ملل گزشتہ کے انکار و جحود میں پوشیدگی سے پنپتی رہی۔ پھر عہد بنی اسرائیل میں اپنے برگ و بار لائی۔ اسی یہودیانہ تقشف اور فریسیانہ لبادے میں فکر اسلامی میں بھی داخل ہوئی۔ یہ وہی فکر ہے جو کبھی زمخشری کے "الکشاف" میں چمکی، جسے ابراہیم بن سیار نظام معتزلی، قاضی عبد الجبار اور عبید اللہ القیروانی نے سہارا دیا اور برصغیر میں سر سید کے ہاتھوں اس فکر کی تجدید ثانی ہوئی۔ آج بھی وحی کے الہامی ضابطوں کے بر خلاف تفسیر کے نام پر تحریف کی جو جو عقلی مساعی انجام دی جاتی ہیں سچ پوچھو تو یہ سب اسی ابتدا کا ایک تسلسل ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اعتزال نے اعمال و عقائد کے بڑے بڑے فتنے جگائے۔ خوب چمکی، بہت ابھری مگر بالآخر ماند پڑگئی۔ لیکن اعتزال صرف ایک مکتبہ فکر نہ تھا جو ختم ہوجاتا یہ ایک رجحانِ فکر ہے۔ یہ کہیں باہر سے نہیں، اندر سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے پیدا ہوتا رہتا ہے اور آج بھی اعتزال کی تجدید و نشاط کا دور جدید ہے۔ تمام فتنہ اعمال و عقائد یکجا ہو کر در آئے ہیں۔ یہ چنگاری باہر سے نہیں اندر سے سلگتی ہے إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ اور اس کا تریاق إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا میں پنہاں ہے۔

[22] براہین: 245 - 246

[23] امراۃ القرآن، از ابو خالد المدنی، ص 76 - 77

[24] امراۃ القرآن، ص 74

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابو موحد عبید الرحمٰن

تلاوت قرآن اور تشکیل معنویت

کیا تلاوت قرآن، فہم قرآن سے غیر متعلق شے ہے؟

مقدمہ تجدد کا تحلیلی و تنقیدی جائزہ

خیال و خامہ

عصر جدید کی علمیت کی بنیادی خامی یہ ہے کہ اس نے عقل پر ضرورت سے زیادہ جو بوجھ ڈال دیا ہے اس کے سبب ظاہریت پسندی معاشرے میں ہر خاص و عام میں سرائیت کر گئی ہے، نتیجۃً حقیقت صرف " معنیٰ " کو باور کیا جاتا ہے اور " معنویت " کہ جس کی آغوش میں خود اس معنیٰ کا تولود ہوا ہے اس کو لائق اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔

زاویے کی یہی وہ مبتدعانہ روش ہے جس کی وجہ سے ہمارے یہاں کے معاصر علمی حلقے تلاوت قرآن کو فہم و تدبر قرآن سے ماسوا ایک اضافی شے خیال کرتے ہیں [1]، بلکہ بعض احباب تو یہاں تک گلہ کرتے نظر آتے ہیں کہ امت مسلمہ کے زوال کا سبب یہی ہے کہ وہ مطالعہ قرآن ترک کرتے محض تلاوت قرآن میں مشغول ہے۔ یہ عمومی گلہ بھی کم سے کم راقم کی نگاہ میں نہ صرف غیر واقعی ہے بلکہ مقدماتی تعارض پر مبنی ہونے کی وجہ سے تعجب انگیز بھی ہے، کیونکہ معلوم ہے کہ مطالعہ قرآن ایک مستقل عمل ہے اور تلاوت قرآن ایک دوسرا مستقل عمل ہے۔ دونوں ہی کا مقصود فی الحقیقت رضائے باری تعالیٰ اور فہم کتاب اللہ ہے۔ ایسے میں یہ مقدمہ تو قابل فہم ہو سکتا ہے کہ کسی ایک شے کا ترک کسی دوسرے شے کے ترک سے جنم لے لیکن عمومی سطح پر یہ دعویٰ کہ کسی ایک شے کی تکمیل، کسی دوسرے شے کی تکمیل کے سبب نہ ہو سکی غیر واقعی اور غیر منطقی دعویٰ محض ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسرا تکمیلی عمل (تلاوت قرآن) پہلے تکمیلی عمل (فہم کتاب اللہ) کی وسیع تر تناظر میں "معنوی تکمیل" کرتا ہو۔

اب حقیقت تو یہ ہے کہ جہالتِ جدیدہ اس قدر عام ہو گئی ہے کہ آپ نہ ہی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی تلاوت قرآن، اس لیے یہ امید لگانا کہ قاری قرآن، قرآن کو "پڑھ" "کر" "سمجھے" لیکن تلاوت قرآن "سمجھ" "کر کرے، جب "سمجھنے" اور "پڑھنے" کی اس تقدیم و تاخیر کو آپ اب تک خود اپنے فکری انتشار کے سبب برقرار نہیں رکھ سکے تو ایسے میں دوسروں سے تلاوت قرآن کا گلہ کم فہمی یا پھر کج فہمی ہے۔ اس لیے راقم پورے وثوق سے کہتا ہے کہ تلاوت قرآن کے حوالے سے ہمارے علمی حلقوں کی یہ خاموش تشویش جس کا اظہار کبھی کبھار اشارۃ النص میں بھی ہو جاتا ہے، اصلاً مغربیت سے متاثر ہونے کے سبب پیدا ہوئی ہے۔ جس کے پیچھے مغربی علمیت کا "پڑھ" "کر" "سمجھنے" کا استقرائی زاویہ کار فرما ہے کہ جس کا ہدف فقط " معنیٰ " ہے نہ کہ " معنویت "، فتدبر۔۔۔۔

اصولی یا مبادیاتی زاویے سے تلاوت قرآن کا فہم قرآن میں جو حصہ محصور ہے اس کا کوئی متبادل تلاش کرنا خود مدعا قرآن اور منشاء قرآن سے غفلت برتنے کے مترادف ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قرآن مجید اور دیگر کتبِ سماویہ کے مابین یہ امتیازی فرق ہے کہ دیگر کتبِ سماویہ، کتاب اللہ تو تھیں لیکن کلام اللہ نہ تھیں یعنی ان کتب میں پیغام باری تعالیٰ تو تھا لیکن الفاظ کتاب بارگاہ خداوندی سے نازل شدہ نہ تھے جبکہ قرآن مجید میں پیغام باری تعالیٰ اور اسی ذات حق کے وہی الفاظ بذریعہ وحی ہم تک منتقل ہوئے ہیں، یوں معنیٰ کی معنویت اور دوچند ہو گئی۔ اب محض معنیٰ کی تلاش میں مطالعہ قرآن کرنا اور تلاوت کو اس فہم میں غیر مؤثر خیال کرنا خود اعجاز قرآن سے صرفِ نظر کرنا ہے، یعنی کہ قرآن کو فقط کتاب اللہ سمجھنا ہے نہ کہ کلام اللہ، اعتقاد خواہ کچھ بھی ہو تاہم ظاہری تاثر اس مذکورہ رویے سے یہی کچھ برآمد ہوتا ہے۔ تلاوت قرآن، تدبر قرآن اور فہم قرآن کا ایک مستقل جزو لا فانی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن تلاوت قرآن کو تعلیم قرآن کے شعبے سے الگ کر کے بیان کرتا ہے اس حوالے سے بعض شواہدِ نصوص پیش خدمت ہیں۔

---

[1] در اصل شعوری یا لاشعوری طور پر یہ نقطہ نظر اسی متجددانہ معتزلی مؤقف کا تسلسل ہے چنانچہ معلوم ہے کہ مسئلہ خلق قرآن کے عنوان کے تحت الفاظ کو معنیٰ سے غیر متعلق خیال کیا جاتا تھا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ معنیٰ کی ترجیحات خود مبنی عقل (پرستی) ہے کہ جہاں کسی شعور کو محض اس کے عقلی پہلو سے غرض ہوتا ہے۔ اس عقل پرستی کے نتیجے میں علم صحیح محل (قلب) میں منتقل نہیں ہو پاتا اور یوں نتیجتاً وہ اس محل میں منتقل نہ ہونے کے سبب آنے والی نسلوں کو بھی منتقل نہیں ہونے پاتا اور یوں یہ نظریاتی خیال و خامہ آثار قدیمہ کا تاثر دینے لگتا ہے۔ معتزلہ کا باوجود اپنے علمی دبدبے کے یہی کچھ حال ہوا اور اب معتزلہ جدید کا مستقبل بھی اسی قدر مشکوک نظر آتا ہے خواہ وہ دبستان شبلی کے سخن میں پناہ لیں یا دبستانِ سرسید۔۔۔۔۔۔۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾ (الجمعۃ: 2)

" اسی نے مبعوث کیا امیوں میں سے ایک رسول جو ان کو اس (کتاب) کی آیتیں تلاوت کرکے سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ (البقرۃ:129)

" اور اے ہمارے رب! تو ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں تلاوت کرکے سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔"

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ (البقرۃ: 151)

" ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

مذکورہ بالا نصوصِ قرآنیہ میں تلاوت قرآن کو تعلیم قرآن سے الگ کرکے بیان کیا گیا ہے، قرآن کے اس اسلوب بیان سے تلاوت قرآن کا، معرفت قرآن اور فہم قرآن سے کس قدر قوی ارتباط ہے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر اس فہم و شعور کی بالیدگی کو تلاوت قرآنی میں کس قدر دخل ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت انسان کی ملائکہ پر فضیلت "العلم" کے سبب قائم ہے بلاشبہ وحی ربانی پر مبنی ہے، پھر اس وحی ربانی کے ذریعے جو ترجیح حضرت انسان کو ملائکہ پر حاصل ہوئی اس میں تلاوت قرآن سر فہرست ہے۔ امام محدث ابن الصلاح سے صاحب الاتقان ناقل ہیں:

" قال ابن الصلاح في فتاويه : قراءة القرآن كرامة اكرم الله بها البشر ، فقد ورد ان الملائكة لم يعطوا ذلك ، وانها حريصة لذلك على استماعه من الانس۔"

" علامہ ابن الصلاح اپنے فتاوے میں فرماتے ہیں: " قرآن کی قرات ایک ایسی کرامت ہے جو باری تعالیٰ نے خاص کر انسان کو عطا کی ہے کیونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ملائکہ کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ وہ انسانوں کی زبان سے قرآن سننے کی حرص رکھتے ہیں۔ " (الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1/ 211)

یہاں ایک عام ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ فہم قرآن میں تلاوت قرآن کا بڑا اہم دخل ہے لیکن عملاً یہ فہم تلاوت کی آغوش میں نمو کس طرح پاتا ہے؟ گو اس سوال کا جواب علی قیل و قال سے ماوراء ہے کیونکہ یہ خالص کسی شے کو برتنے کا مسئلہ ہے۔ تاہم اس " حال غیر محیط " کو ہم اپنے قلم کے " قال محیط " کے ذریعے اس مخصوص طرزِ تفہیم کے بعض نقوش علیہ واضح کریں گے۔ تاہم اس وہبی فہم کے نقوش واضح کرتے ہوئے ہمیں اپنے " لکنت قلم " کا ادراک و اقرار ہے۔

1۔ استماعِ قلبی

تلاوت قرآن، فہم قرآن کے دریچے کو " استماعِ قلبی " کے ذریعے مفتوح کرتی ہے، قرآن تصریح کرتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ (سورۃ ق: 37)

" جو شخص قلب رکھتا ہے یا قلب سے متوجہ ہو کر سنتا ہے اس کے لیے اس (کتاب) میں نصیحت ہے۔"

یعنی قلب مومن اگر رشد و ہدایت کی معنویت سے معمور ہے اور وہ طلب صدق اور طلب رشد کا متمنی ہے تو لامحالہ یہ کتاب استماعِ قلبی کے ذریعے اپنے مفاہیم عالیہ کو ایسے ذکی قلب پر منشرح کرے گی۔ علامہ ابو منصور ماتریدی اپنی " تفسیر الماتریدی " میں رقمطراز ہیں:

" ان في ذالك لذكر لمن كان له قلب يطلب الرشد و الصواب۔ " (تاویلات اہل السنۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت: 9/366)

" یقیناً اس شخص کے لیے اس کتاب میں نصیحت ہے جس کا قلب طالب رشد و صواب ہو۔"

امام قرطبی اندلسی رقمطراز ہیں:

" القلب قلبان ، قلب محتش الدنيا حتى اذا حضر امر من الامور الآخرة لم يدر ما يصنع ، وقلب قد احتشى باحوال الآخرة حتى اذا حضر امر من امور الدنيا لم يدر ما يصنع لذهب قلبه في الآخرة۔ " (تفسیر القرطبی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت: 17 / 17)

علامہ ابن قتیبہ محدث فرماتے ہیں:

" استماع كتاب الله وهو شاهد القلب و الفهم۔ " (الفوائد، مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ بیروت: 10)

"کتاب اللہ کا استماع قلب و فہم پر شاہد ہے۔"

علامہ شہاب الدین محمود السید الآلوسی رقمطراز ہیں:

" اي قلب واع يدرك الحقائق فان الذي لا يعي و لا يفهم بمنزلة العدم۔ " (روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت: 26 / 476)

علامہ نسفی تصریح فرماتے ہیں: " لان من لا يعي قلبه فكانه لا قلب له۔ " (تفسیر المدارک، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی: 2 / 369)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی " تفسیر مظہری " میں تحریر فرماتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یعنی یہ سورت اس شخص کے لیے عبرت اور موعظت ہے جس کا قلب سلیم ہو یا قرآن کو بحضور قلب سنے خواہ حضور قلب بناوٹی ہو یعنی صورت حضور قلب والے کی ایسی بنے جیسے غافل نہ ہو۔" (تفسیر مظہری، مترجم مولانا سید عبد الدائم جلالی، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی: 11 / 56)

پھر یہ "استماعِ قلبی" بھی اپنے استماع کو بذریعہ قلب برتنے کے لیے کس کس اندازِ فکر کی ندرت کو جنم دیتی ہے، اس کی ایک لطیف مثال عارفین میں سے حضرت شاہ والدین انبالوی ہیں۔ آپ اپنے اس استماعِ قلبی کو خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اس وقت قرآن شریف ہی سے مدد ملتی ہے اور ترقی حاصل ہوتی ہے اور آگے عروج ہو جاتا ہے، جب ہم پر وہ وقت آیا تو ہم نے دیکھا کہ ہماری روح قرآن شریف پڑھ رہی ہے، پھر ہم نے حقیقت قرآن کا فیض لینا شروع کیا تو دیکھا کہ ہمارے دل میں گھوں گھوں کی آواز آ رہی ہے۔ جب ہم نے اس آواز کی طرف غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارا دل قرآن شریف پڑھ رہا ہے، تو اس وقت ہم دو دو گھنٹے تک دل کی طرف کان لگا کر سنتے رہے اور سب سمجھ میں آتا رہتا۔ اس طرح ہم قرآن شریف سنا کرتے تھے۔" (ذکر خیر، مطبوعہ زاویہ پبلشر لاہور: 299)

2۔ ترتیلِ قرآنی

استماعِ قلبی کے بعد مفاہیم قرآن کو مفتوح کرنے والا دوسرا عمل خود ترتیل اور تلاوت قرآن ہے:

وَرَتِّلِ ٱلْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا ﴿٤﴾ (المزمل: 4)

"اور قرآن کو خوب ترتیل (ٹھہر ٹھہر) کے ساتھ پڑھا کرو۔"

اب اگر محض معنی قرآن ہی سے واقفیت مطلوب تھی تو ایسے میں محض مطالعہ قرآن اس مقصد کے لیے کافی تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مطلوب "معنویت" بغرضِ اصلاح ہے، اس لیے تلاوت قرآن پر صرف اکتفاء نہ کیا گیا بلکہ خوش الحانی کو بھی ترجیح دی گئی تاکہ وہ ذوقِ قرآنی نمود پائے جو محض معنی کی ظاہریت سے ماوراء ہے۔ حسن صوت کے حوالے سے آنحضرت ﷺ سے منقول بعض احادیث ملاحظہ ہوں:

"حسن الصوت زينة القرآن۔" (رواه مسند البزار)

"حسن آواز قرآن کی زینت ہے۔"

"زينوا القرآن باصواتكم۔" (رواه ابن حبان)

"قرآن کو اپنی آوازوں کے ذریعہ زینت بخشو۔"

"حسنوا القرآن باصواتكم فان الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا۔" (رواه الدارمی)

"تم لوگ قرآن کو اپنی اصوات کے ذریعہ حسن بخشو کیونکہ آواز کا حسن قرآن کے حسن کو اور نمایاں کر دیتا ہے۔"

"ما اذن الله بشئ ما اذن لنبي يتغني بالقرآن۔" (متفق علیہ)

"اللہ تعالیٰ کسی (آواز) کی طرف اتنی توجہ نہیں فرماتے جتنا کہ اپنے اس نبی کی آواز کو بغور سنتے ہیں جو کلام اللہ خوش الحانی سے پڑھتا ہے۔"

دورانِ تلاوت و ترتیل قرآن آواز کی خوش الحانی کو برقرار رکھنا، اس کے استحباب پر ائمہ محققین کا اجماع ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی تصریح فرماتے ہیں:

"نقل الاجماع علي استحباب سماع القرآن من ذي الصوت حسن۔" (فتح الباری، مطبوعہ دار السلام، سعودیہ عرب ریاض: 9 / 116)

پھر اس خوش الحانی میں کہیں نسوانیت کی آمیزش نہ ہو جائے اور کلام اللہ کا جلالی و قہری پہلو کہیں اپنی معنویت کھو نہ دے، تو پیغام ہے اس جلالی تاثر کو بھی قائم رکھنے کا انتظام کیا گیا، ارشاد آپ فرماتے ہیں:

"نزل القرآن بالتفخيم۔" (رواه الحاكم)

"نزول قرآن تفخیم کے ساتھ ہوا ہے۔"

تفخیم کے معنی کیا ہیں، امام علامہ حلیمی علیہ الرحمۃ وضاحت فرماتے ہیں:

"ومعناه انه يقرؤه علي قراءة الرجال و لا يخضع الصوت فيه ككلام النساء۔" (زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت: 51)

"اور اس (تفخیم) کے معنی یہ ہیں کہ قراءت مردوں کے طرز پر کی جائے اور ایسی آواز کو اختیار نہ کیا جائے جو کہ عورتوں کی سی ہو۔"

پھر ترتیل و تلاوت کے اس جلالی پہلو کو برتنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا کہ قلب کو رقیق بنانے کے لیے قرآن نے جس جمالیاتی زاویہ کو نمایاں کیا ہے، وہ بھی اپنی معنویت اس گزشتہ جلالی کیف کے ساتھ برقرار رکھے۔ چنانچہ ائمہ مفسرین و ائمہ محققین نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ تلاوت و ترتیل کے وقت رقتِ قلب کو اختیار کیا جائے، اللہ کے کلام کے حضور رویا جائے، اشک بار ہوا جائے۔ اس رقت اختیار کرنے کو علماء نے مستحب قرار دیا ہے۔ حرم مکی کے مشہور محدث و عالم ربانی فضیلۃ الشیخ علامہ سید محمد بن علوی المالکی المکی الحسینی اپنی تالیف لطیف "زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن" میں تصریح فرماتے ہیں:

"ويستحب البكاء عند قراءة و التباكي لمن لا يقدر عليه و الحزن و الخشوع۔" (زبدۃ الاتقان، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1432ھ: 49)

اس شرعی مسئلہ کا اثبات ہمیں حسب ذیل نصوص قرآنی میں بھی ملتا ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَآ أُنزِلَ إِلَى ٱلرَّسُولِ تَرَىٰٓ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ ٱلْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَٱكْتُبْنَا مَعَ ٱلشَّٰهِدِينَ ﴿٨٣﴾ (المائدۃ: 83)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی، اور وہ (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے (پس) تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے۔"

قُلْ ءَامِنُوا۟ بِهِۦٓ أَوْ لَا تُؤْمِنُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ مِن قَبْلِهِۦٓ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحَـٰنَ رَبِّنَآ إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۩ ﴿١٠٩﴾ (بنی اسرائیل: 107 - 109)

"کہہ دو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے)۔ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ تھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے اور بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا، اور وہ جو تھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے جاتے ہیں اور (یوں) اس (طرز عمل) سے ان کے خشوع میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔"

رقت و خشیت کی اسی طرز عمل اور اسلوب کی تاکید رسالت مآب ﷺ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"اقرووا القرآن بالحزن، فانہ نزل بالحزن۔" (رواہ مسند ابی یعلیٰ)

"قرآن کو حزن (یعنی دکھ) کے ساتھ پڑھا کرو کیونکہ اس کا نزول بھی حزن و ملال کے ساتھ ہوا ہے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سیدنا داؤد علیہ السلام سے متعلق روایت کرتے ہیں کہ جب آپ علیہ السلام قراءت فرماتے تو حسن صوت میں دکھ کی آمیزش اس قدر ہوتی کہ خشکی اور تری کے بیچارے جانور بھی آپ کے ساتھ رو پڑتے۔ تصریح ملاحظہ ہو:

"وکان اذا اراد ان یبکی نفسہ لم تبق دابۃ فی بر و لا بحر الا انصتت لہ و استمعت و بکت۔" (فتح الباری، مطبوعہ دار السلام ریاض: 9/95)

اب اس مقام پر تلاوت و ترتیل کی اس "معنوی" پرواز پر غور کیجیے جو مجرد "معنی" کی ظاہریت سے بلند ہے، عارفین اور اس امت کا طبقہ زہد صفات باری تعالیٰ کو عمومی سطح پر جلال و جمال پر تقسیم کرتا ہے اور پھر اس کا ارتباط اس کائنات سے قائم کرتا ہے تاکہ صفات باری تعالیٰ کے عملی اطلاقات و مظاہر قابل فہم ہو سکیں، یوں ایک انسان فطرت میں ودیعت کردہ داعیہ ایمان کی خارج میں عملی تفہیم پاتا ہے اور پھر ظاہر و باطن کا یہ نظری اشتراک اس پوری کائنات کے نظم کی جس مخصوص زاویے سے تفہیم کرتا ہے وہ تفہیم ہی در حقیقت تفہیم القرآن ہے، جس کی تفصیل ہم ابتدائی سطور میں بیان کر چکے ہیں۔

جلال و جمال کے یہی تنقیح مطالب و مفاہیم ترتیل و تلاوت قرآن میں متحرک نظر آتے ہیں۔ ایک صاحب ایمان تلاوت قرآن میں بذریعہ "تفخیم" کلام کے جلالی پہلو کو اور بذریعہ "حزن و رقت" کلام کے جس جمالی پہلو کو متحرک پاتا ہے اور اس مجموعے کا معنوی اشتراک جس مخصوص نوعیت کی معنویت Meaning fullness کو اظہر من الشمس کرتا ہے، وہ نہ صرف کتاب اللہ کی تفہیم میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے بلکہ اس کتاب کائنات کی تفہیم و تعبیر کا ایک اہم موحدانہ زاویہ نظر ہے۔ ظاہر ہے کہ معنویت کی اعلیٰ و ادنیٰ پرواز ایک ظاہر بین کو مجرد لفظی مطالعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ترتیل قرآن کی اسی وسیع تر معنویت کی اثر آفرینی کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام کے مجرد مطالعے پر ترتیل قرآن کو ترجیح دیتے تھے۔

امام المفسرین حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

"اقراء سورۃ ارتلہا احب الی من ان اقراء القرآن کلہ بغیر ترتیل۔" (تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث بیروت: 8/ 241)

"قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے بغیر ترتیل کے پڑھا جائے۔"

پھر اس سادہ سی حقیقت کو اگر سمجھ لیا جائے تو زیادہ طول بیان کی حاجت نہیں رہتی کہ علمی دنیا کے منصہ شہود پر نمایاں ہونے والی جمیع کتب اپنا مدعا عقل انسانی پر نقش کرنے کے لیے "الفاظ" کی محتاج ہوتی ہیں اور ان الفاظ کے ذریعے ہی انتقال معنی ممکن ہوتے ہیں، جبکہ ادھر کلام اللہ کے باب میں یہ احتیاج ذات باری تعالیٰ کی صفت کلام سے غیر متعلق ہے کیونکہ یہاں الفاظ بھی اسی طرح مقصود ہیں جس طرح کہ خود ذات باری تعالیٰ کی ذات مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا بحیثیت اہل سنت و الجماعت یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کی صفت کلام کا مظہر ہے۔ معتزلہ کہ جن کو اپنی "چھوٹی سی" عقل پر "بڑا" اصرار رہا ہے، ان کی عقلیت پرستی نے انہیں یہ بات سجھائی کہ قرآن تو مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ جب مخلوق حادث ہے تو (العیاذ باللہ) قرآن بھی حادث ہے۔ فکر کے اس فطور نے معتزلی علیت میں "الفاظ" کو غیر مقصود اور فقط "معنی" کو بطور مقصود پیش کیا، نتیجہ ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے الفاظ و معنی جو کہ دونوں بیک وقت مقصود و مطلوب تھے، جن کے مجموعہ اشتراک سے معنویت تشکیل پاتی تھی، اسی عدم اشتراک و تجرد نے معنی کو نہ صرف معنویت سے ماوراء خیال کیا بلکہ غیر مقصود بھی ثابت کیا۔ اس کے نتیجے میں معنی، معنویت کی روشنی و استناد سے محروم ہو گئے اور معاملہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ گیا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ معتزلہ کی اسی "چھوٹی سی عقل"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے چرچے تو خوب ہوئے لیکن آج تک مداحین اعتزال یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ وہ کون سا بڑا مسئلہ ہے جو ان کی اس چھوٹی سی عقل نے سلجھا دیا ہو۔ فکر کا یہ تضاد اس درجہ بڑھا کہ اعتزالی علمیت قصہ پارینہ بن گئی جبکہ ان کے مقابلے میں ائمہ اہل سنت کا مدبرانہ ضمیر تھا، جو کال کوٹھری سے لے کر عین وسطِ دربار تک میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرتا تھا القرآن کلام اللہ و لیس بمخلوق۔ طالبانِ علم و تاریخ اس مقام پر اہل سنت کے مزاج شناسائی دین کے آگے سر تسلیم خم کرتے اور زبان حال سے معترف ہیں کہ حقیقی فہم قرآن مکتبہ تسنن کو حاصل ہے۔ اس لیے تاریخ، ائمہ اہل سنت کے اس مدبرانہ مؤقف میں پنہاں بصیرت کو تا قیامت سلام کرتے رہے گی بالخصوص جب جب فہم قرآنیات کا عنوان بزم سخن میں چھڑے گا:

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں

اس لیے کم سے کم وہ کہ جن کے اسلاف نے الفاظ و معنی کے اس اساسی مقدمے کی اہمیت تاریخ میں اپنے خون جگر سے تحریر کی ہو، ان کے لیے الفاظ و معنی کا یہ مقدمہ اور بھی معنی خیز ہو جاتا ہے۔ پھر اس تاریخی تناظر کے ماسوا، خود احادیث نبوی ﷺ میں بیان کی گئی فضیلت "الکلام" کو اگر ایک نظر دیکھ لیا جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ کتاب اللہ کی جلالتِ کلام کا یہ عالم ہے کہ یہاں مقصود الفاظ و معنی دونوں ہی ہیں۔ رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں:

" انکم لا ترجعون الی اللہ بشیٔ افضل مما خرج منہ۔" (رواہ الحاکم)

" تم لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب اس شے سے بڑھ کر کسی اور شے کے ذریعے نہ پا سکو گے جو خود باری تعالیٰ سے نکلی ہے (یعنی قرآن)۔"

" و فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ۔" (رواہ الترمذی)

" اور اللہ تعالیٰ کے کلام (یعنی قرآن مجید) کو دیگر سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے کہ خود حق تعالیٰ کو تمام مخلوقات پر۔"

مذکورہ بالا روایات میں مما خرج فیہ (وہ شے جو حق تعالیٰ سے نکلی) اور کفضل اللہ علی خلقہ (خود ذات باری تعالیٰ کی فضیلت جمیع مخلوقات پر) کے الفاظ جلیلہ اس حقیقت کو منقح کرنے کے لیے بہت کافی ہیں کہ قرآن مجید کو ذات باری تعالیٰ کی طرف یہ کتابی انتساب سے بڑھ کر، کس درجہ کا "کلامی" انتساب حاصل ہے۔ اس صراحت کے بعد بھی اگر الفاظ قرآن کسی کو "اضافی" شے معلوم ہوں، تو پھر یہ مسئلہ "فہم" سے زیادہ "ضمیر" کا خلل معلوم ہوتا ہے، جس کی طرف اقبال اشارہ فرماتے ہیں:

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے رازی نہ صاحب کشاف

تفاعلِ قلبی

تیسرا اہم زاویہ فہم جو تلاوت کتاب کے ذریعہ مفاہم قرآن کو منقح کرتا ہے وہ "تفاعل قلبی" ہے، یعنی فعل قلب۔ قلبِ انسانی کے حوالے سے معلوم ہے کہ وہ علم و معرفتِ ربانی کا محل حقیقی و محل اساسی ہے۔ امام العارفین مخدوم شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری قدس سرہ اپنے مکتوبات میں کیا خوب فرماتے ہیں:

" اللہ ربّ العزت نے دل سے زیادہ پیاری کوئی چیز پیدا نہیں کی، وہی خزانہ معرفت ہے۔ اگر خداوند عز و جل کے نزدیک کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز ہوتی تو اپنی معرفت کے جواہرات کو ضرور اس میں رکھتا۔"

(قلب انسانی، مصنفہ سید امام حیدر رضوی: 8)

قلب و ایمان کے اسی معنوی و ایمانی ارتباط کے سبب ائمہ اہل سنت نے "تصدیق قلبی" کو خلاف فرق باطلہ "جزء ایمان" و "شرطِ ایمان" قرار دیا ہے۔ جبھی امام اہل سنت امام طحاوی (المتوفی 321ھ) ایمان کی تعریف ہی یہ بیان فرماتے ہیں:

" والایمان ھو الاقرار باللسان و التصدیق بالجنان۔" (العقیدۃ الطحاویۃ، مطبوعہ دار الہدیٰ کراچی رقم 72)

" ایمان اقرار لسانی اور تصدیق قلب کا نام ہے۔"

امام ابو عبد اللہ بن احمد النسفی (المتوفی 715ھ) مکتبہ تسنن کے مؤقف کی کچھ یوں تصریح فرماتے ہیں:

" قول اھل السنۃ : انہ اقرار باللسان و تصدیق بالجنان۔" (تفسیر المدارک، مطبوعہ قدیم کتب خانہ کراچی: 1/ 48)

" اہل سنت کا قول یہ ہے کہ (ایمان نام ہے) اقرار لسانی اور تصدیق قلب کا۔"

امام محدث ملا علی قاری (المتوفی 1014ھ) کی اہم عمیق تصریح ملاحظہ ہو:

" جمہور المحققین الی ان الایمان ھو التصدیق بالقلب و انما الاقرار شرط۔" (شرح ملا علی القاری، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی: 86)

" جمہور ائمہ محققین کا مؤقف یہ ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے جبکہ اقرار (بنی) شرط ہے۔"

امام علامہ ابن ابی العز الحنفی (شارح العقیدۃ الطحاویۃ) جمہور ائمہ سلف کے مؤقف کی تفصیلی تصریح فرماتے ہیں:

" فذھب مالک و الشافعی و احمد و الاوزاعی و اسحاق بن راھویۃ و سائر اھل الحدیث و اھل المدینۃ رحمھم اللہ و اھل الظاھر و جماعۃ من المتکلمین الی انہ تصدیق بالجنان ۔ و اقرار باللسان و عمل بالارکان ۔" (شرح العقیدۃ الطحاویۃ، مطبوعہ مکتبہ عصریہ بیروت: 357)

" امام مدینہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ اور جمیع محدثین و اہل مدینہ (اللہ تعالیٰ کی ان سب پر رحمتیں ہوں)،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل ظواہر اور ائمہ متکلمین کی جماعت (ان سب کا موقف یہ ہے کہ) ایمان نام ہے تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور جوارح سے کا۔"

تصدیق قلب جو کہ مذکورہ بالا تعریفات ایمان میں قدر مشترک ہے، اس تصدیق قلبی کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو یہ بھی دراصل تفاعل قلب ہی ہے یعنی فعل قلب۔ قرآن کا مطالعہ ہماری رہنمائی اس رمز کی طرف کرتا ہے کہ ایمان کا طائر قدس محل قلب کو اپنا آشیانہ پہلے پہل اسی اقرار ایمانی کے وقت بناتا ہے، اور پھر ایمان کا یہ طائر قدس اس محل سے فرار نہ ہو اس کے لیے ایمان کی حرارت، قلب میں بیدار کی جاتی ہے اور پھر یہ حرارت ایمانی ایمان کے اس پرندہ کو اس محل میں بقاء و دوام عطا کرتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ خود یہ حرارت ایمانی کس شے سے برآمد ہوتی ہے؟ قرآن کریم اس سوال کے جواب میں تلاوت قرآن تجویز کرتا ہے، کیونکہ معلوم ہے کہ اقرار ایمانی کا تفاعل قلب اپنے تفاعل میں دوام چاہتا ہے، سو اسی دوام کو تلاوت قرآن کے ذریعہ تحرک و تفاعل بخشا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ حرارت ایمانی، قلب کے جس تفاعل کو جنم دیتی ہے، اس تفاعل قلب کے ذریعہ معنویت و مفاہم قرآنیہ کا باب مفتوح ہوتا ہے۔ اسی قلبی و معنوی حقیقت کو قرآن عظیم کچھ اس پیرایے میں بیان کرتا ہے۔

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ (الانفال: 2)

" اور جب ان (اصحاب ایمان) پر آیتیں پڑھی جائیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَٰبًا مُّتَشَٰبِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ (الزمر: 23)

" اللہ نے بہترین کلام نازل کیا جس کی آیتیں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور جو بار بار دہرائی جاتی ہیں، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے جسم اور دل اور پھر وہ اللہ کی یاد کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔"

تلاوت کتاب کے نتیجہ میں جنم لینے والی یہ حرارت ایمانی "تفاعل قلب" ہی کا ایک دوسرا عنوان ہے، یہ تفاعل بذریعہ تلاوت کتاب جس قدر منتہاء کو پہنچتا ہے اسی قدر معارف قرآنیات و ایمانیات کی تفہیم حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ یہ تفاعل قلب درحقیقت مبنی ایمان ہے اور اس کا یہ تحرک ممکن ہی ایمان کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے عملاً یہ ممکن نہیں رہتا کہ قلب کا یہ تفاعل ایمانی، اسباق ایمانی کو منقح و متشرح نہ کرے۔

پھر اس مذکورہ بالا نکتہ کی مزید عام فہم تفہیم اس اصولی و منطقی مقدمہ کے ذریعہ ہو جاتی ہے کہ کسی بھی دلیل کی معنویت خود بر بنائے دلیل نہیں ہوا کرتی بلکہ دلیل کے پیچھے کار فرما قوت یقین و تیقن اس میں وہ مخصوص معنویت پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ دلیل قاری و سامع کے لیے متاثر کن ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کی نفوس قدسیہ جہاں شک کو "یقین" سے بدلتی ہیں، وہیں خود یقین کو بھی "یقین" سے تبدیل کرتی ہیں، بہرکیف دونوں مراحل تبدل میں اصل قوت محرکہ یہی "یقین" ہوا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تلاوت کتاب جو کہ فعل واحد ہے اس کے نتیجہ میں ایک موحد کے قلب میں تحرک پیدا ہوتا ہے تو دوسرے مشرک کے قلب میں انجماد پیدا ہوتا ہے، کیونکہ دونوں کا اصل قوت محرکہ یقین ہے، ایک مومن کا یقین اپنے رب پر ہوتا ہے تو اس تلاوت کتاب سے اس کا یقین مزید ترقی کر جاتا ہے اور ادھر ایک معاند کافر کا یقین اپنے کفر پر قائم ہوتا ہے، اس لیے اس ساعت تلاوت سے وہ اپنے کفر پر مزید ہٹ دھرمی اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن اس پورے منطقی مقدمہ کو بڑے عمدہ پیرایے میں صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿١٢٥﴾

(التوبہ: 124 - 125)

"اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں زیادتی ہوئی، پس وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں ان کے ایمان میں تو زیادتی ہوئی اور وہ ہی عنقریب خوشی سے ہمکنار ہوں گے۔ لیکن جن کے قلوب میں بیماری ہے ان کی خباثت ہی میں اضافہ ہو گا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مریں گے۔"

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تفاعل قلب و ایمان، اسلامی نظام حیات کی روح و جوہر حقیقی ہے۔ عمارت اسلام جو کہ امر و نہی کے ستونوں، حدود اللہ کے ابواب اور صراط مستقیم کی مثل کشادہ صحن و دالان پر مبنی ہے، اس پوری عمارت کو نورانیت و روحانیت بخشنے والی شہ یہی تفاعل قلب و ایمان ہے، اسی کے دم سے اس پوری امارت کی تابناکی قائم و دائم ہے اور اس پوری عمارت کے قالب میں پنہاں یہ قلب اس عمارت کی فلک بوسی کا ضامن ہے۔ اس لیے اس قلب (تفاعل قلب و ایمان) کو ایک پل کے لیے بھی اگر اس قلب سے جدا کر دیا جائے تو پوری عمارت ہی زمین بوس ہو جائے گی۔ امام ترمذی اپنی مشہور زمانہ کتاب جامع الترمذی میں، باب: المعجم التحفة المفتاح کے ذیل میں بڑی معنی خیز روایت لائے ہیں، ملاحظہ ہو:

" قال رسول الله ﷺ: ان الله ضرب مثلاً صراطا مستقيما، على كنفي الصراط زوران لهما ابواب مفتحة، على

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الابواب ستور و داع يدعو علي راس الصراط وداع يدعوا فوقه. وَاللَّهُ يَدْعُوٓاْ إِلَىٰ دَارِ ٱلسَّلَٰمِ وَيَهۡدِي مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ ﴿٢٥﴾ (یونس: 25)، و الابواب التي علي كنفي الصراط حدود الله. فلا يقع أحد في حدود الله حتي يكشف الستر، و الذي يدعو من فوقه واعظ ربه" (جامع الترمذی، رقم 2859)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی اس طرح مثال دی ہے کہ وہ ایسا راستہ ہے جس کے دونوں جانب دیواریں ہیں جن میں جا بجا دروازے لگے ہوئے ہیں جن پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر ایک منادی اس راستے کے سرے پر کھڑا پکار رہا ہے: اللہ جنت کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلا دیتا ہے۔ اور وہ دروازے جو راستے کے دونوں جانب ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حدود (حرام کی ہوئی اشیاء) ہیں۔ ان میں سے اس وقت تک کوئی گرفتار نہیں ہو سکتا جب تک پردہ نہ اٹھائے (یعنی گناہ نہ کر بیٹھے)۔ اور اس راستے کے اوپر سے منادی کرنے والا (پکارنے والا) اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ (ربانی) واعظ ہے۔"

یہاں یہ فطری سوال جنم لیتا ہے کہ اس عبارت میں اسلام میں وہ کونسا ذریعہ رشد و معرفت ہے جو فکر و وجدان کے اس کوچہ میں یوں رہنمائی کرتا رہتا ہے اور اپنے انوار و تجلیات کی ضیاء پاشیوں سے قالب و قلب کا معنوی احتیاط (ارتباط) اظہر من الشمس کرتا ہے۔ امام الفقہاء حضرت عبد اللہ بن مسعود یہ عقدہ کشائی فرماتے ہیں:

"و الداعي من فوقه هو واعظ الله في قلب كل مومن" (تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی: 8/ 158)

محدث شہیر امام طیبی فرماتے ہیں:

"هو واعظ الله في قلب كل مومن، هو لمة الملك في قلب المومن" (تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت: 8/ 158)

پس قلب کا یہی تفاعل ایمان ہے جو حقائق کی معنویت کو کیف ایمانی کے ذریعہ برتتا ہے، اس لیے نصوص قرآنی کا فہم درجہ کمال و یقین کے اسی قدر قریب ہوتا ہے کہ جس قدر قلب میں تفاعل ایمان متحرک ہوتا ہے۔ خود فضیلت قرآن کے بارے میں بھی کسی بھی سورۃ کی تلاوت کا کم یا زیادہ ثواب اسی تفاعل قلب و ایمان پر منحصر ہے۔ اس حوالے سے امام ابو شکور سالمی کی ایک اہم تطبیقی تصریح ملاحظہ ہو:

"كما جاء في الاحاديث ان من قرء سورة الاخلاص فله من ثواب كذا وكذا و يكون اكثر من قراءة سورة تبت و نحو ما و هذا التفضيل يرجع الي فعل العبد و اعتقاده في اختياره بقراءة ما هو معناه الاخلاص و انه و هو ذكر صفات الله فان قراءته بهذه السورة يكون افضل من قراءته بسورة اخري" (التمہید، الباب الثامن فی شرائط الایمان: 112)

"جیسا کہ احادیث نبوی میں آتا ہے کہ سورۃ اخلاص کے پڑھنے والے کو اتنا اور اتنا ثواب ملتا ہے جبکہ اس کے مقابل سورۃ تبت پڑھنے والے کو اس کی نسبت اتنا ثواب نہیں ملتا۔ درحقیقت یہ فضیلت (قرآن) پڑھنے والے کے اس اعتقاد (قلبی) کی طرف لوٹتی ہے جو اس نے اختیار کی ہے (یعنی کہ) اس (سورۃ) میں میرے رب کی صفات ہیں اور اس کا خالص ذکر ہے تو اس کا پڑھنا بہ نسبت سورہ تبت (وغیرہ) کے افضل ہے۔"

اس لیے بالعموم تفاعل ایمانی کی معنویت و اثر آفرینی کے دائرہ کو حقائق و نصوص کی تفہیم میں غیر محدود حد تک مؤثر پاتا ہے۔

پھر یہ تفاعل جس قدر ترقی کرے گا اسی قدر فہم و ادراک کے ابواب قرآنی مفتوح ہوتے چلے جائیں گے، وہ نہ ہوا اگر تفاعل قلب و ایمان سے مجرد کر کے سمجھا جائے تو محض مطالعہ ربانی معارف کو جذب کرنے سے قاصر ہے۔

تعقل قلبی

قرآن مجید فرقان حمید کے فہم میں تعقل قلبی کا اساسی کردار ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ کلام اللہ کا نزول رسالت مآب ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا۔ قرآن مجید اس معلوم حقیقت کی یاد دہانی ان الفاظ میں کراتا ہے:

نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلۡأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلۡبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلۡمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ (الشعراء: 193-194)

"اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے، تا کہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو متنبہ کرنے والے ہیں۔"

اس مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں قلب محمدی ﷺ پر نزول قرآن کو محض اتفاقی پیرایے میں بیان نہیں کیا گیا ہے اور "انذار عالم" اس کا ایک اہم مقصد قرار دیا گیا ہے۔ فتدبر!

قرآن مجید فرقان حمید کا دیگر اشیاء مادی و اعضاء بدنی پر نازل ہونے کے بجائے، خاص کر قلب محمدی ﷺ پر نازل ہو جانا اس اصولی حقیقت کا بیان ہے کہ قلبی علیت و عقلیت کا مقام و مقدمہ شرع میں کیا ہے۔ جدید مادی سائنس گو قلب کو محض خون پمپ کرنے کی ایک مشین باور کرے تو یہ اس کی مادیت کی محدودیت ہے۔ لیکن اصحاب فکر و دانش پر یہ رمز مخفی نہیں کہ گوشہ قلب در حقیقت وہ خانہ خدا ہے جہاں اسرار و معارف کے لا محدود تسلسل کا اجتماع ہے۔ اس قلبی سانچہ کی جاذبیت و کاملیت بھی یہی ہے کہ اس کی محدودیت لا محدودیت کو محیط ہے۔

قلب کی اسی اہمیت کے پیش نظر ائمہ محققین اہل سنت کا یہ متفقہ مدبرانہ موقف رہا ہے کہ حضرت انسان کا محل عقل اس کی عقل کھل نہیں بلکہ "قلب" ہے۔ مسئلہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر ائمہ اہل السنۃ نے با قاعدہ ملفوظی کتب عقائد میں قلب کا "محل عقل" ہونا بیان کیا ہے۔ ترجمان اہل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت امام ابو شکور سالمی اپنی عقیدے کی کتاب "التمہید" میں بالفاظ تصریح فرماتے ہیں:

" نحن فيه العقل محله القلب "

(التمہید ، باب الاول فی العقل ، مطبوعہ لاہور 1434ھ : 7)

"ہم اسی پر قائم ہیں کہ محل عقل ، قلب ہے۔"

پھر قلب کا محل عقل ہونا اس موقف کو امام ابو شکور سالمی علیہ الرحمۃ کا تنہا موقف نہ سمجھا جائے یا اسی طرح بعض دیگر ائمہ کی ذاتی رائے اس کو باور نہ کیا جائے بلکہ فی الحقیقت یہ موقف ائمہ اہل سنت و مکتبہ اہل سنت کا موقف ہے۔ جس کی ان عنوان کو عقائد اہل سنت کی کتب میں بیان کیا گیا ہے اور جمہور ائمہ اہل السنت سواد اعظم کا یہی تحقیق موقف رہا ہے۔ امام اندلس علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (المتوفی 671ھ) تصریح فرماتے ہیں:

" القلب محل العقل في قول الاكثرين "

(تفسیر القرطبی ، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 1426ھ)

" جمہور (ائمہ اہل سنت) کے یہاں (تحقیق موقف یہی ہے کہ) قلب محل عقل ہے۔"

گو بعض اقوال عقل کو محل عقل قرار دینے کے حوالے سے بھی موجود ہیں لیکن وہ کسی صورت بھی لائق اعتنا نہیں۔ اولاً تو اس لیے کہ ائمہ محققین نے ان اقوال کو خلاف تحقیق قرار دیا ہے ، تصریح ملاحظہ ہو:

" فاختلفوا في العقل ، هل هو في القلب ام في الراس ؟ و الصحيح انه في القلوب " (شرح الاربعین النوویۃ ، مطبوعہ مکتبۃ الصفا بیروت: 96)

" اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ محل عقل قلب ہے یا دماغ ؟ تحقیق اور صحیح موقف یہی قرار پایا ہے کہ یہ (محل عقل) قلب میں ودیعت ہوا ہے۔"

ثانیاً ، اس لیے کہ یہ تفردات خلاف جمہور ہیں۔ ثالثاً ان اقوال کے حوالے سے امام اہل سنت علامہ ابو منصور محمد الماتریدی (المتوفی 333ھ) نے جو تطبیق بیان کی ہے ، اس کے نتیجہ میں حقیقی محل عقل قلب ہی قرار پاتا ہے ، تفسیر الماتریدی سے تصریح ملاحظہ ہو:

" و قال بعضهم : محله الراس لكن نوره يصل الى قلب " (تاویلات اهل السنة ، تحقیق ڈاکٹر مجدی ، مطبوعہ بیروت ، 9 / 366)

پھر قلب کا محل عقل ہونا ایک ایسا تحقیقی و مدلل موقف ہے جس پر قرآن مجید کی نص قطعی شاہد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا (الاعراف : 179)

" اور ہم نے بہت سے جن و انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں ، ان کے قلب ہیں لیکن ان سے وہ سمجھتے نہیں۔"

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾ (الکہف : 57)

" اور اس (شخص) سے زیادہ ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیات سے سمجھایا جائے تو وہ ان سے منہ پھیرے اور جو اعمال وہ آگے کر چکا ہے ان کو بھول جائے۔ پس ہم نے ان کے قلوب پر پردے ڈال دیئے تاکہ اسے سمجھ نہ سکیں اور کانوں پر ڈاٹ لگا دیئے ہیں اور اگر تم ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ تو کبھی (اس) سیدھے راستے کی طرف نہ آئیں گے۔"

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ (ق : 37)

" جو شخص قلب رکھتا ہے یا قلب سے متوجہ ہو کر سنتا ہے اس کے لیے اس (کتاب) میں نصیحت ہے۔"

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ (آل عمران: 167)

" یہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے (یہ) وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے قلب میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔"

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ (الحج: 46)

" سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جس سے ان کے قلوب ایسے ہو جائیں کہ اس سے سمجھنے لگیں اور کان ایسے ہو جائیں کہ ان سے سن سکتے۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں آنکھیں اندھی نہیں ہو تیں بلکہ قلوب جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہو جاتے ہیں۔"

قرآن مجید فرقان حمید کی یہ مذکورہ بالا آیات بینات اسی حقیقت کا بیان ہیں کہ قلب انسانی ہی محل عقل و مہبط عرفان و معارف ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ اگر مزید غائر نگاہ سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ قرآن عقل کا ذکر اسم کے بجائے فعل کی حیثیت سے تو کرتا ہے لیکن خود عقل کو محل تعقل قرار دینا اس کتاب ناطق سے یکسر خاموش ہے اور نہ صرف خاموش ہے بلکہ اس کے برخلاف وہ اس حقیقت پر مصر ہے کہ حضرت انسان کا محل قلب ہی اس کا مہبط تعقل و وجدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ، حضرت انسان کی ضلالت میں مبتلا ہو جانے کا سبب "تغافل قلبی" بیان کرتا ہے نہ کے " تغافل عقلی " اور یہ اس لیے ہے کہ خود نصوص قرآنیہ کی روح سے قلب ہی محل تعقل و تفکر قرار پایا ہے ، فتدبر!

قلب کے تعقل و وجدان کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ تعقل قلبی کا یہ عنوان "مسلمانوں کا خالی نظری موقف نہیں ہے بلکہ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحرک پذیر دنیا میں یہ نظریہ اپنا غیر معمولی عملی وجود بھی رکھتا ہے۔ پھر اس کی غیر معمولیت کا یہ عالم ہے کہ دنیا اس طرزِ تعقل کے حوالے سے تحیر میں تا حال مبتلا ہے، اس تحیر کا سبب یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی دلدادہ عصر جدید کی یہ علیت عقل پرستی میں مبتلا ہے اور عقل محض کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ اپنے مقدمات مقیس و مقیس علیہ کے ذریعہ سلجھاتی ہے، یوں وہ مطالعہ جزء پر تو قادر ہے لیکن مطالعہ کلیت سے عاجز ہے۔ جبکہ قلب کا تعقل و وجدان حقیقت کی کلیت کو مقیس و مقیس علیہ کے صغریٰ و کبریٰ میں تقسیم کرنے کے بجائے اس کے کل کو غیر منقسم حالت میں قبول کرتا ہے اور اس پر "آمنا" و صدقنا" کی مہر ایمان ثبت کرتا ہے۔ اس طرز تعقل کی اس تنوع اور تعقل کو عصر جدید کی عقلیت سمجھنے سے معذور ہے لیکن جب وہ اس نظریہ کے عملی تحرک کی شدت و حدت کو دیکھتی ہے تو سوائے تحیر و تعجب کے اظہار کے کوئی اور شہ اسے میسر نہیں آتی۔ مشہور مغربی ڈاکٹر الیگزینڈر کانن اس وجدانی تعقل کو بیان کرتا ہے جسے جدید عقل پرست ماننے سے قاصر ہیں:

"Like the earth, man also has magnetic vibrations which produce different impressions in different cases. The vibrations thrown out by a person having purity in thoughts and actions will produce the effect of love and others are despired." (Invisible influence: 297)

علامہ عبد الحلیم لکھنوی فرنگی محلی یونان کے مشہور فلسفی افلاطون کے تعقل وجدان کو بیان کرتے ہیں:

"الکاس المصنوع لافلاطون المسمي بجام جهان نما كان يعاين به الجميع۔"

(التحقیقات المرضیۃ احل لحل الحواشی الزاھد علی القطبیۃ:64)

"افلاطون کے لیے ایک پیالہ بنا ہوا تھا، جس کو جہاں نما کہا جاتا تھا۔ اس کے ذریعہ پوری کائنات کا مشاہدہ مکمل وضاحت و امتیاز کے ساتھ کیا جاتا تھا۔"

اب افلاطون کا معاملہ تو یہ ہے جبکہ وہ نہ ہی ملا ہے نہ ہی صوفی۔ لیکن اس کے باوجود جدید دنیا کے ظاہر بین حیران ہیں کہ یہ محیر العقول " افعالِ افلاطونی" بھلا کیونکر ممکن الوقوع ہیں، یہ اس لیے کہ مقیس و مقیس علیہ کا مقدمہ جزء اس باب میں ان کو منطبق ہوتا نظر نہیں آتا۔

تعقل و وجدان کے حوالے سے ائمہ اشاعرہ اہل سنت کا حسب ذیل مؤقف افلاطون کی اس زیرِ بحث مثال کی روشنی میں " مدرک " ہی نہیں " معقول"(معقولِ قلبی) بھی قرار پاتا ہے۔

" ان الاشاعرة جوز وارديه ما لا يكون مقابلا و لا في حكمة بل جوز و اردية اعمى الصين بقة الاندلس ۔ "(شرح مواقف:64)

" اشاعرہ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک شہ سامنے نہ ہو اور وہ نظر آئے بلکہ ان کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ چین میں موجود ایک نابینا شخص اندلس میں موجود مچھر کا مشاہدہ کرے۔"

یعنی اشاعرہ اہل سنت کے تصورِ تعقل و وجدان کی بلند پروازی کا یہ عالم ہے کہ وہ "موجود" کے "وجود" کو "مشاہدے" کے ساتھ مشروط نہیں کرتے، بلکہ خود موجود کے وجود کو تیقن کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

یہاں یہ خیال بھی رہے کہ قلب کا یہ تفاعل اسلامی تہذیب میں خالی ایک کلامی و نظری مؤقف نہیں تھا بلکہ اسلامی معاشرے کا پورا نظام حیات قلب کے اسی وجدانی تطہیر پر مبنی تھا۔ اسلامی معاشرے و نظام حیات کے اگر خالی شعبہ طب ہی کو لے لیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ روایتی اطباء و حکماء کا تفاعل و تعقل قلب جس قدر قوی و متحرک ہوتا تھا، اسی قدر معاشرے میں ان کا مقام نمایاں تر ہوتا تھا۔ ترجمانِ حکماء اسلامی علامہ حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب (فاضل اجمیر) تاریخ اسلامی میں اطباء اسلامی کی اس ندرت قلب و نظر پر یہ لطیف واقعہ بیان فرماتے ہیں:

"ابو الحسن ثابت الحرانی (المتوفی 369ھ) کے ملکہ نباضی کا ایک واقعہ قفطی نے ایک شخص کی زبانی نقل کیا ہے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ ایک دن میں اور ابو الحسن ابو محمد مہلبی وزیر کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ابو عبد اللہ بن الحجاج شاعر نے ابو الحسن کی طرف نبض دکھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ابو الحسن نے نبض دیکھ کر کہا آج تم نے بہت غلیظ غذا کھائی ہے، تم نے غالباً پھٹا ہوا دودھ، بچھڑے کا گوشت کھانے کے بعد پیا ہے۔ شاعر نے جب تصدیق کی تو حاضرین دنگ رہ گئے۔ اس کے بعد ابو العباس نے ہاتھ بڑھایا تو اس کی نبض دیکھ کر ابو الحسن کہنے لگا آپ بہت ٹھنڈی چیزیں کھاتے ہیں۔ آج پورے گیارہ انار کھائے ہیں۔ ابو العباس کہنے لگا یہ طب نہیں نبوت ہے (نعوذ باللہ) میں خود بھی بہت حیران ہوا اور ابو الحسن سے کہا: بھائی! طب تو میں نے بھی پڑھی ہے لیکن یہ کہیں نہیں لکھا کہ کھائی ہوئی چیزوں کی تعداد تک بتائی جا سکتی ہے۔ ابو الحسن نے کہا کہ نبض دیکھ کر جو دل میں بات آتی ہے کہہ دیتا ہوں، طب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔" (تاریخ الحکماء، قفطی:174، بحوالہ مشکولِ برکاتی:7)

اس حوالے سے ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:

" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے والد شاہ عبد الرحیم (المتوفی 1131ھ) کے متعلق لکھا ہے کہ طب میں ان کا حدس بہت سلیم و رسا تھا اور اس فن میں ان کے ذہن کی رسائی اور ملکہ کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ سادات بارہہ کے کسی گاؤں میں آپ تشریف لے گئے تو لوگوں نے ایک بیمار کا قارورہ آپ کو دکھایا۔ آپ نے صرف قارورہ دیکھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر بغیر نبض دیکھے اور سوالات کیے، نسخہ لکھ دیا۔ ایک ہندو طبیب نے جو وہاں موجود تھا سوال کیا کہ حضرت! تشخیص مرض بھی فرمائی ہے؟ آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا یہ کام ہے، یہ شکل و صورت ہے، یہ اخلاق و عادات ہیں، یہ شکایات ہیں، اور بہت سے کام جو وہ کرتی ہے ہمیں معلوم ہو گئے۔ ہندو طبیب نے سوال کیا یہ باتیں کسی طبی کتاب میں لکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا: جی نہیں، یہ طب نہیں ہے، یہ ہم غلامانِ محمد ﷺ کی فراست صادقہ ہے۔" (بوارق الولایت (انفاس العارفین) مطبوعہ دہلی: 84)

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ قلب و نظر کی یہ وسعتیں در حقیقت وسعتِ ایمان سے وابستہ تھیں۔ جس قدر یہ جوہر حقیقی قلب میں سرایت کر گیا اسی قدر تعقل و وجدان اپنی منزلیں زینہ بہ زینہ طے کرتا اور ترقی کرتا چلے جاتا ہے۔ امام علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی (المتوفی 792ھ) حدیث جبرائیل کی شرح میں اسی حقیقت کو بڑے عمدہ اسلوب میں زیر بحث لاتے ہیں:

"نور یقذفه الله بالحق من ملکوته الي قلوب عباده، فباشر اسرارهم و هو متصل بالحضرة، ثابت في قلوبهم، فاذا انکشف جلال الحق له از داد ذلک النور، فیتقوي الي ان یبسط و ینشرح له الصدر، و یطلع العبد علي حقائق الاشیاء، و یتجلي له الغیب و غیب الغیب، و یظهر له صدق الانبیاء، و ینبعث من قلبه داعیة الاتباع، فینضاف الي نور معرفته انوار الاعمال و الاخلاق، نور علي نور، یهدي الله لنوره من یشاء۔" (شرح التفتازاني، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت: 69)

"یہ نور ہے جس کو حق تعالیٰ اپنے ملکوت سے اپنے بندوں کے قلوب میں ودیعت کرتے ہیں، پس ایسے میں وہ شخص ان کے اسرار سے متصل ہو جاتا ہے جو ان کے قلوب میں ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب حق تعالیٰ کا جمال منکشف ہوتا ہے تو یہ نور بڑھ جاتا ہے پھر یہ (تسلسل کے ساتھ) تقویت پکڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ سینہ میں انشراح و انبساط واقع ہو جاتا ہے (یوں) بندہ اشیاء کے حقائق پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اور (پھر) اس کے لیے غیب اور غیب الغیب اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے، اس کے لیے انبیاء کا صدق ظاہر ہو جاتا ہے، اور (پھر) اس کے دل میں اتباع کا داعیہ اٹھتا ہے اور اعمال و اخلاق کے انوار اس کی معرفتِ نور کی طرف (سے اخذ ہوتے) اور ملتے ہیں، نور علیٰ نور یهدي الله لنوره من یشاء۔"

علامہ تفتازانی کے بیان کردہ اس مذکورہ بالا رمز کو علامہ پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب گولڑوی بذریعہ امثال بڑے عمدہ طرز پر ایک دوسرے پیرایے میں بیان کرتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کا مسیح اور دجال دونوں کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خیال منفصل اور عالم رؤیا میں عالم شہادت کے محالات، ممکنات نظر آتے ہیں اور اسی طرح مجردات مجسم ہو کر نظر آتے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کا بروزِ حشر ایک صورت پر جلوہ گر ہونے پر مومنین کا انکار کرنا اور دوسری صورت میں متجلی ہونے پر اقرار، نیز آنحضرت ﷺ کا علم بصورت لبن یعنی دودھ مشاہدہ فرمانا اسی قسم سے ہے۔ ہر شخص اپنے خیالات اور اعتقادات و اعمال اپنے مرکزِ استعداد ذاتی کے ارد گرد گھومتا ہے۔" (مہر منیر، مطبوعہ اسلام آباد 1435ھ)

بہر کیف، تعقل قلبی کی اس تمام تر بحث سے یہ حقیقت متشرح ہو جاتی ہے کہ عقل محض کے ذریعہ لفظی مطالعہ قرآن کے ماسوا بھی، بذریعہ قلب و وجدان قرآنی معارف کے اعلیٰ ترین مفاہم کا فہم حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ معلوم ہے کہ کلام الناس و کلام اللہ کی معرفت میں ایک بنیادی و اہم فرق یہ ہے کہ کلام الناس کے فہم میں نظم المعنی سے واقفیت ضروری ہے تاکہ مدعا کلام جاننے میں کوئی معنوی خلاء حائل نہ رہ جائے۔ جبکہ کلام اللہ میں مدعا ذات باری تعالیٰ سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے نظم المعنی سے زیادہ خود صاحب کلام سے شناسائی ناگزیر ہے، اس شناسائی کو ہم اصطلاحی زبان میں ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ایمان جس قدر قوی ہوگا اسی قدر ذات باری تعالیٰ اور اس سے وابستہ نظم المعنی، معنی خیز ہوتا چلے جائے گا۔ ایمان کی یہ تقویت محض لفظی مطالعہ کے ذریعہ نمود نہیں پاتی بلکہ ان کارخانہ قدرت میں اور بھی کئی ابواب رشد و معرفت ہیں، انہی میں سے ایک اساسی اور اہم ترین باب تعلق قلبی کا بھی ہے، جو تلاوت قرآن کے ذریعہ نمود پاتا اور پروان چڑھتا ہے۔ قلب کی اس فطری و تفاعلی ندرت کو کس کس زاویہ سے زیر بحث لایا جائے کہ یہ ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ ہے، تاہم اہل ذوق کے لیے حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کا ایک خط پیش خدمت ہے، جس سے یہ عقدہ کشا ہوگا کہ بذریعہ تلاوت، قلب کس طرح عارفانہ معارف کلام اللہ سے کشید کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

"اے فرزند! مولانا فخر الدین زرادی قدس سرہ نے اپنے پیر و مرشد سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ

مشغول شدن بکلام اللہ فاضل تر یا زبد کر؟

آپ نے فرمایا:

ذاکر را وصول زود تر بود اما خوف زوال هم بود و اما تالی (قرآن) را وصول دیر تر بود و لیکن چنداں خوف زوال بود۔

پس ہمارے حلقہ محمدیہ کو چاہیے کہ خاص کر ماہ مبارک رمضان میں تلاوت قرآن ہی کو شعار اختیار کریں۔ مگر یہ تلاوت معمولی نہ ہو بلکہ مراقبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد یہ خالصۃ کے ساتھ ہو۔ (شمس المعارف (مجموعہ مکاتیب شاہ محمد سلیمان پھلواروی)، مرتبہ مولانا شاہ غلام حسنین پھلواروی و مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی، مطبوعہ مرکز علوم اسلامیہ، 1969ء: 653)

تجلی قلب

استماعِ قلبی، تفاعل قلبی، تعقل قلبی وغیرہ کے علاوہ دنیائے قلب میں فہم قرآن کا جو ایک اور دریچہ کھلتا ہے وہ "تجلی قلب" ہے گو "تجلی" کا یہ عنوان ہی بڑا دقیق و عمیق ہے، تاہم ہم اپنے مخصوص زاویہ سے اس عنوان کو زیر بحث لائیں گے۔

احادیث و آثار کا مطالعہ تلاوت قرآن کے حوالے سے اگر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بوقت تلاوت قرآن باری تعالیٰ کی طرف سے قاری قرآن نورانی و ربانی ضیاء پاشیوں سے اپنے روحانی وجود کو تر پا رہا ہوتا ہے اور یوں انوار و تجلیات کا ایک عالم متحرک میں آ جاتا ہے یہاں تک کہ یہ "عالم انوار" قاری قرآن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ ایسے میں ان انوار کے نزول میں عالم قدسی سے فرشتے اترتے ہیں ان کا یہ جم غفیر قاری قرآن کا احاطہ کر لیتا ہے، ادھر یہ قاری قرآن کلام اللہ میں مستغرق اپنے روحانی وجود کو مادی وجود پر بوجہ تجلیات ربانی غالب پاتا ہے، قواء روحانیہ کا قواء مادیہ پر یہ تحاکم مادی قیود کی حد بندیوں کو توڑ دیتا ہے اور پھر حضرت انسان عملاً اپنی باطنی آنکھ کے بینا ہونے کے سبب اپنی ظاہری "آنکھ بینا" سے انوار و تجلیات کے نزول کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ مشاہدہ اس درجہ روحانی بالیدگی حاصل کر لیتا ہے کہ انسان خود اپنی آنکھوں سے نزول ملائکہ کو دیکھتا ہے، تصریح ملاحظہ ہو:

"وقال الليث حدثني يزيد بن الهاد عن محمد بن ابراهيم عن اسيد بن حضير قال: بينما هو يقرا من الليل سورة البقرة وفرسه مربوط عنده اذ جالت الفرس فسكت فسكنت، فقرا وجالت الفرس فسكت فسكنت الفرس، ثم قرا فجالت الفرس فانصرف، وكان ابنه يحيي قريباً منها فاشفق ان تصيبه، فلما اجتره رفع راسه الي السماء حتي ما يراها، فلما اصبح حدث النبي ﷺ فقال له: اقراء يا ابن حضير، اقراء يا ابن حضير قال: فاشفقت يا رسول الله ان تطا يحي، وكان منها قريباً۔ فرفعت راسي فانصرفت اليه، فرفعت راسي الي السماء، فاذا مثل الظلة فيها امثال المصابيح فخرجت حتي لا اراها، قال و تدري ما ذلك؟ قال لا. قال: تلك الملائكة دنت لصوتك و لو قراءت لاصبحت ينظر الناس اليها، لا تتواري منهم۔" (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، رقم 5018)

امام بخاری نے اس مذکورہ بالا حدیث نبوی پر بڑا معنی خیز باب قائم کیا ہے، لکھتے ہیں:

"باب: نزول السكينة والملائكة عند قراءة القرآن۔"

امام ابن حجر العسقلانی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں تصریح فرماتے ہیں:

"قال النووي: في هذا الحديث جواز رؤية آحاد الامة للملائكة۔" (فتح الباری، مطبوعہ ریاض 1421ھ: 9 / 81)

سنن ترمذی کی ایک حدیث ہے:

"حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا ابو داود، انبانا شعبة، عن ابي اسحاق قال: سمعت البراء، يقول: بينما رجل يقراء سورة الكهف اذ راي دابته تركض، فنظر فاذا مثل الغمامة او السحابة فاتي رسول الله۔ فذكر ذلك له، فقال النبي ﷺ: تلك السكينة نزلت مع القرآن او نزلت على القرآن۔" (جامع الترمذی، کتاب فضائل القرآن، رقم 2885)

امام نووی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

"المختار انها شئ من المخلوقات فيه طمانية و رحمة و معه الملائكة۔" (تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1435ھ)

علامہ طیبی فرماتے ہیں:

"فان المومن تزداد طمانيته بامثال هذه الآيات اذا كوشف بها۔" (تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت 1435ھ: 8 / 196)

انوار و تجلیات کا یہ نزول بذریعہ کشف و وجدان دوران تلاوت قرآن قاری پر ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ محدث طیبی نے لکھا۔ نیز انوار کا یہ محض ملائکہ کی صورت میں ہی نہیں ہوتا بلکہ دنیا کی اور ندرتوں و اثر آفرینیوں کو بھی یہ نورانی سانچہ اپنے اندر سمایا ہوا ہوتا ہے۔ اس نورانی دائرہ و سانچہ کی اثر آفرینی کی آخری حد کیا ہے؟ یہ بات بیان سے باہر ہے۔ خطہ ہند کے مشہور مفکر قرآن مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی جب ہی قرآنی اصطلاح "تجلی" کا ترجمہ یہ فرماتے تھے:

"کچھ دیکھا، کچھ نہیں دیکھا۔" (فضل رحمانی: 2 / 78)

در اصل تجلی قلب و فہم قرآن کے عنوانات کے مابین ارتباط دریافت کرنے کے لیے چند اہم مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔ اس حوالے سے سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ قرآن مجید فرقان حمید "روح کائنات" ہے۔ یہ زمین و آسمان اسی کلام باری تعالیٰ کے دم سے قائم ہے۔ اسی مقدمہ کو ہم ایک دوسرے پیرایے میں یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ خود حضرت انسان "روح کائنات" ہے، اور خود یہ کلام اللہ "روح انسان" ہے، جس کے وجود کے بغیر وہ جی نہیں سکتا کیونکہ معلوم ہے کہ انسان روح اور جسم کا مرکب ہے۔ روح کیونکہ وجود مادی (جسم) سے افضل و اشرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اس لیے اس کی غذا کا بندوبست "عالم علوی" سے کیا گیا جبکہ جسم اخسس ہے چنانچہ اس کی خوراک کا انتظام "عالم سفلی" سے کیا گیا۔ پس ایسے میں کلام اللہ انسان کے "وجودِ روحانی" کا "جوہر حقیقی" ہے کہ جس کے بغیر یہ وجود اپنا دوام و استقلال قائم نہیں رکھ سکتا۔

اس مذکورہ بالا مقدماتی تسلسل کے نتیجہ میں کلام اللہ "روحِ انسان" قرار پاتا ہے اور خود انسان "روحِ کائنات" قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اگر حضرت انسان کو اس دنیا سے باہر کر دیا جائے تو یہ ممکن نہیں کہ اس روحِ کائنات کے اخراج کے نتیجہ میں نظامِ فطرت قائم رہ سکے، کیونکہ وجودِ کلام باری تعالیٰ کو اٹھانے کی سکت اس عالم میں صرف انسان ہی کے اندر ودیعت کی گئی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ (الحشر: 21)

"اگر ہم نازل کرتے یہ قرآن پہاڑ پر تو تم دیکھ لیتے کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے۔"

پھر خود انسان کی تخلیق کا مقصد اس دنیا میں اگر کچھ ہے تو صرف یہی کہ تعلیم و تعلم قرآن کے لیے خود کو وقف کر دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الرَّحْمَٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْإِنسَانَ ﴿٣﴾ (الرحمٰن: 1-3)

"(اللہ جو) نہایت مہربان (ہے) اسی نے (انسان کو) قرآن کی تعلیم دی۔ اسی نے انسان کو پیدا فرمایا۔"

مذکورہ بالا آیت میں "تخلیقِ انسانی" پر "تعلیمِ قرآن" کو جو مقدم کیا گیا ہے، اس سے مقصود اسی حقیقت کی تنقیح ہے کہ وجودِ انس خود "قرآن" کے دامن وجود سے وابستہ ہے۔

اب اس زیرِ بحث مقدمہ کے تناظر میں اگر وحدتِ روح کو تلاش کیا جائے اور اس کا اس مقدمہ سے ارتباط کو واضح کیا جائے تو "روحِ کائنات" و "روحِ انسان" کی تراکیب کے مابین اصل حقیقی شہ خود "روح" برآمد ہوتی ہے، اس روح کو اب کسی بھی زاویہ سے زیرِ بحث لایا جائے اور کسی بھی تعبیر میں منقلب کر دیا جائے اس سے اس کی فی الاصل حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی یعنی کہ وہ فقط "امرِ ربی" ہے۔ یہی عنوان اس کا ایک غیر متبدل، حقیقی اور مطلق و مستقل عنوان ہے!

چنانچہ عنوانِ روح جیسے پُر معنی و پُر مغز عنوانِ معنویہ میں فہمِ قرآن کی ایک پوری دنیا آباد ہے، ہمارے اس موقف کو مبالغہ آرائی یا لفاظی پر محمول نہ کیا جائے بلکہ اس امرِ واقعہ پر نظر کی جائے کہ روح کا امرِ ربی ہونا خود وہ نمایاں ترین واقعہ قرآنی ہے جو محض لفظی ترجمہ سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ دوم یہ کہ جس طرح انسان روح کو "پڑھ" نہیں سکتا بلکہ منہجِ حال و کیف میں داخل ہونے کے بعد "سمجھ" سکتا ہے بعینہ اسی طرح ظواہر و عموم کی سطح پر وہ خود عملاً اصطلاح "روح" کا ترجمہ کرنے سے بھی قاصر ہے۔ سوم، یہی وجہ ہے کہ روح کی یہ وسیع تر معنویت کوزائے عقل میں سما جانے سے قاصر ہے البتہ قلب کا تعقل اس کے معنوی نشیب و فراز سے بخوبی شناسا ہے۔ یہ وہی بات ہے کہ عقل مجرد ذاتِ باری تعالیٰ کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے لیکن "قلب" میں وہ ذات کچھ اس طرح سما جاتی ہے کہ یہ دیدہ بینا کو یقین نہیں آتا!

اب قلب و روح کا یہ اشتراکی زاویہ فہم، معنی کی سطحیت سے بلند ہو کر کس طرح معنی کی تہہ میں پوشیدہ معنویت کے بحر میں غوطہ زنی کرتا ہے اور کس کس انداز سے غوامض و اسرارِ شرعیہ سے کسبِ فہم و کسبِ فیض کرتا ہے، اس کی اصولی تصریح مذکورہ بالا سطور میں کر دی گئی ہے، تاہم اہلِ ذوق کے لیے اس کا عملی انطباق بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت امام شیخ زادہ (المتوفی 951ھ) جو مشہور مفسر قرآن و محشی بیضاوی ہیں، آپ کے تذکرہ میں علامہ نواب صدیق حسن خان الحسینی القنوجی البخاری (المتوفی 1307ھ) رقمطراز ہیں:

"اذا اشکلت علیه آیة من آیات کتاب الله، توجه الی الله، فیتسع صدره حتی یکون قدر الدنیا، فیطلع فیه القمران، لا یدری ای شیء هما، ثم یظهر نور فیکون دلیلاً الی اللوح المحفوظ۔" (التاج المکلل، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ 1424ھ)

"جب (علامہ شیخ زادہ) کو کتاب اللہ کی آیات میں سے کسی آیت پر اشکال وارد ہوتا ہے تو اس وقت آپ (تنہائی میں) ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اس وقت آپ کا صدر مثل دنیا وسیع تر ہو جاتا اور پھر دو چاند آپ پر ظاہر ہوتے اور اس وقت آپ یہ بات نہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا شے (و امور مخفی) ہے۔ پس اس کے بعد (ان دونوں چاندوں میں سے کسی ایک چاند سے) نور ظاہر ہوتا اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ (معنی و تفہیم مستخرج ہے) لوح محفوظ سے۔"

واقعہ یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنی اس تجلی میں اہل القرآن کے لیے فہمِ قرآن اور اس کے اسرار و رموز کو سمویا ہوا ہے۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

"واللہ لقد تجلی اللّٰہ عز و جل لخلقه فی کلامه ولکنهم لا یبصرون۔" (احیاء العلوم الدین، مطبوعہ بیروت: 524)

"اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مخلوق کے لیے تجلی فرمائی ہے لیکن وہ اس کا مشاہدہ نہیں کرتے۔"

تجلی قلبیہ کی ان مذکورہ بالا علمی و عملی تصریحات کے بعد اس مسئلہ میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ تجلی قلب اپنے علمی وجود کے ساتھ عملی وجود بھی رکھتا ہے اور یہ محض فلسفہ نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ائمہ محققین اس تجلی قلب کو جس قدر کھول کر بیان کر سکتے تھے اور اس حال کو قال میں منقلب کرنے کی کوشش کر سکتے تھے انہوں نے یہ کی۔ اس حوالے سے امام شاہ عبد الحق محدث دہلوی اپنی تالیف لطیف "اخبار الاخیار" میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے ناقل ہیں:

"حال نتیجہ ہے اچھے اعمال کا اور عمل دو اقسام پر منقسم ہے۔ ایک عمل اعضاء ہے یعنی ہاتھ پاؤں کا کام، جسے سب جانتے ہیں۔ دوسرا عمل قلب جسے مراقبہ کہتے ہیں۔ مراقبہ کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے دل میں اس چیز کا یقین کر لو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا پہلے پہل عالم علوی سے روح پر انوار نازل ہوتے ہیں پھر دل پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے پھر اس کا اثر اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے اور کیونکہ اعضاء دل کے تابع ہیں لیے جب دل متحرک ہوتا ہے تو اس سے اعضاء میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔" (اخبار الاخیار مع مکتوبات، مطبوعہ لاہور 2009ء: 83)

اس تجلی قلب کے فلسفے کو حضرت چراغ دہلوی نے جس عمدہ پیرایے میں بیان کیا ہے اور اس نظری حقیقت کی جس طرح عملی تفہیم کی ہے وہ یقیناً قابل دید ہے۔ لیکن مقام تحیر مدرسہ و مکتب ابن تیمیہ الحرانی کے نمائندہ امام، علامہ ابن القیم کی وہ تصریح ہے جس میں انہوں نے عملاً ان تجلیات اور اس کی معنویت کا انطباق قرآنی کیا ہے اور بہت تفصیل و وضاحت سے بتایا ہے کہ کون سی صفت باری تعالیٰ دوران تلاوت، قلب پر تجلی کس طرح کرتی ہے اور اس کے نتیجہ میں قاری قرآن کی عملی شخصیت پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں، یہ اہم تصریح ملاحظہ ہو:

"القرآن كلام الله، وقد تجلى الله فيه لعباده بصفاته، فتارة يتجلي في جلباب الهيبة و العظمة و الجلال، فتخضع الأعناق، و تنكسر النفوس، وتخشع الأصوات، ويذوب الكبر كما يذوب الملح في الماء، و تارة يتجلي في صفات الجمال و الكمال، و هو كمال الاسماء، و جمال الصفات، و جمال الافعال الدال على كمال الذات، فيستفد حبه من قلب العبد قوة الحب كلها، بحسب ما عرفه من صفات جماله ونعوت كماله، فيصبح فؤاد عبده فارغاً الا من محبته، فاذا اراد منه الغير ان يعلق تلك المحبة به ابي قلبه و احشاؤه ذلك كل الاباء۔ و اذا تجلي بصفات الرحمة و البر و اللطف و الاحسان، انبعثت قوة الرجاء من العبد، وانبسط امله، وقوي طمعه، وسار الى ربه وحادي الرجاء يحدو ركاب سيره۔ وكلما قوي الرجاء جد في العمل، كما ان الباذر كلما قوي طمعه في المغل غلق ارضه بالبذر، و اذا ضعف رجاؤه قصر في البذر۔

و اذا تجلي بصفات العدل و الانتقام و الغضب و السخط و العقوبة، انقمعت النفس الامارة، و بطلت او ضعفت قواها: من الشهوة، و الغضب، و اللهو، و اللعب، و الحرص على المحرمات، و انقبضت اعنة رعوناتها. فاحضرت المطية حظها من الخوف والخشية والحذر۔

و اذا تجلي بصفات الامر والنهي والعهد و الوصية و ارسال الرسل و انزال الكتب و شرع الشرائع، انبعثت منها قوة الامتثال و التنفيذ لاوامره، والتبليغ لها، والتواصي بها، و ذكرها، و تذكرها، و التصديق بالخبر، و الامتثال للطلب، والاجتناب للنهي۔

و اذا تجلي بصفات السمع البصر والعلم، انبعثت من العبد قوة الحياء، فيتحيي من ربه ان يراه على يكره، او يسمع منه ما يكره، او يخفي في سريرته ما يمقته عليه، فتبقى حركاته و اقواله و خواطره موزونة بميزان الشرع، غير مهملة و لا مرسلة تحت حكم الطبيعة والهوي۔" (الفوائد، فصل : تجلیات فی القرآن، مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ بیروت، 1433ھ: 88-89)

"قرآن مجید فرقان حمید ذات باری تعالیٰ کا کلام ہے کہ جس کے ذریعے ذات باری تعالیٰ اپنی صفات اپنے بندوں پر تجلی فرماتا ہے۔ پس وہ ذات جب اپنی ہیبت و عظمت و جلال کی تجلیات کا (پس پردہ رہ کر) اظہار کرتا ہے تو گردن مارِ انکسار کے اس کے آگے جھک جاتی ہیں، نفوس حال انکسار ہو جاتی ہیں اور آوازیں مبتلائے خشوع ہو جاتی ہیں اور تکبر گھل جاتا ہے کہ جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ یوں وہ (ذات باری تعالیٰ) تجلی فرماتا ہے اپنی صفات کمال و جمال کے ساتھ کہ جو کمال اس کے اسماء میں جلوہ گر ہے اور جو جمال اس کی صفات میں پنہاں ہے اور وہ افعالِ جمال جو اس کی کمال ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ پس ایسے میں بندہ کا قلب ذات باری تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہو جاتا ہے جو کہ اس کے جلال و کمال سے مستفید ہوتا ہے، یوں یہ قلب عبد اس ذات کی محبت کے لیے خاص ہو جاتا ہے اس درجہ کہ اس میں اب کسی غیر کی محبت گھر نہیں کر سکتی (بلکہ) دوسرے (لوگ اب) اگر چاہیں بھی کہ قلب کی محبت و الفت کا یہ سلسلہ تھم جائے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ اب کسی غیر کی محبت کو قبول کرنے سے یہ اِباء کرتا ہے۔ چنانچہ ذات باری تعالیٰ اگر اپنی صفات رحمت ولطف و احسان کے ذریعہ تجلی فرماتا ہے تو اس کے نتیجہ میں بندہ میں قوت امید جاگ اٹھتی ہے اور یہ امید و طمع اس کی اپنے رب سے اور قوی تر ہو جاتی ہے۔ یہ امید جس قدر قوی سے قوی تر ہوتی چلی جاتی ہے، بندہ کی جہد میں بھی اسی قدر ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ ایک کسان زمین میں بیج بوتا ہے اب اس کی فصل جتنی زر خیز ہوگی اسی قدر وہ کسب کرے گا۔ لیکن اگر یہ امید ہی کمزور پڑ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو اس نا امیدی کے سبب بویائی و کاشت کے عمل میں سستی و ضعف واقع ہو جائے گا۔ اسی طرح جب ذات باری تعالیٰ اپنی صفتِ اعتدال و انتقام و غضب و عقوبہ کے ذریعہ تجلی فرماتا ہے تو اس کے نتیجہ میں نفس امارہ ذلیل ہوتا ہے اور پھر اس کی قوت شہوت، غضب، لہو و لعب، حرص، ارتکاب محرمات میں ضعف واقع ہوتا ہے اور خشیت طاری ہوتی ہے۔ اسی طرح ذات باری تعالیٰ جب صفات امر و نہی و ارسال رسول و نزول کتاب و شرائع کے ذریعہ تجلی فرماتا ہے تو اس کے نتیجہ میں قوت نافذہ اوامر خداوندی، اس کی تبلیغ و تلقین کے خصائص (عبد میں) پیدا ہوتے ہیں، اور لوگ اوامر کی اتباع و نواہی سے اجتناب کرتے ہیں۔ نیز ذات باری تعالیٰ جب اپنی صفتِ سماعت و بصارت و العلم کے ذریعہ تجلی فرماتا ہے تو اس کے نتیجہ میں بندہ کے اندر حیا نمود پاتی ہے۔ ایسا شخص کراہت محسوس کرتا ہے کہ اس کا رب اسے ایسا کام کرتا دیکھے یا سنے (جو شنیع ہے) یوں (اس خیال کے نتیجہ میں) خیالات و حرکات و اقوال کے مابین میزان شرع کی روشنی میں (معتدل) تناسب قائم ہو جاتا ہے۔"

خلاصہ کلام

اس تمام بحث سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ محض لفظی ترجمہ کو فہم قرآن سے متعلق سمجھنا اور باقی دیگر "ظروف عبودیہ و روحانیہ" کو نہ صرف فہم قرآن سے غیر متعلق سمجھنا بلکہ اس میں ان مبادیات روحانیہ کو حائل سمجھنا، یہ صراصر کج فہمی اور نگاہ کی محدودیت ہے۔ اس لیے ہم نے قرآن کی تلاوت اور اس سے متعلق فہم کو جو واضح کیا ہے اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ یہ حقیقت منشرح ہو جائے کہ فہم قرآن کا جو حصہ تلاوت قرآن میں پنہاں و محصور ہے (خواہ وہ تعقل قلبی ہو یا تفاعل قلبی یا تجلی قلب) وہ اس کے غیر سے بر آمد نہیں ہو سکتا۔ اگر محض مطالعہ و لفظی ترجمہ سے ہر کوئی شیخ التفسیر بن سکتا تو امت میں شاہ عبد الرحیم و شاہ ولی اللہ کی مثالی شخصیتیں ہی بے معنی ہو کر رہ جاتیں اور ہر دوسرا شخص ذاتی مطالعے کی بنیاد پر "مسند دہلی" پر فائز ہوتا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جن کا واسع الاطلاع ہونا علمی دنیا میں ایک معلوم شے ہے، آپ کثرت مطالعہ کے باوجود جب کسی نتیجہ پر نہ پہنچ پاتے تو پھر ایسے میں آپ اسی "علیت قلب" کی طرف مراجعت فرماتے۔ شیخ خود فرماتے ہیں:

" طالعت علي الاية الواحدة نحو ماة تفسير ثم اسال الله الفهم واقول يا معلم آدم وابراهيم علمني وكنت اذهب الي المساجد المهجورة ونحوها وامرغ وجهي في التراب واقول يا معلم ابراهيم فهمني۔" (العقود الدریۃ، مطبوعہ مکتبہ عصریہ بیروت: 27)

" مجھے بعض اوقات ایک آیت کی تفسیر کے لیے سو تفسیریں دیکھنا پڑیں۔ مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم عطا ہو۔ میں اللہ کی بارگاہ میں التجا کرتا کہ اے آدم و ابراہیم کے معلم میری تعلیم فرما۔ ایسے میں میں ویران اور غیر آباد مساجد و مقامات کی طرف جانکلتا اور وہاں جا کر اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور (بارگاہ خداوندی) میں کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے مجھے بھی تو فہم کی دولت عطا فرما۔"

مقصود و حاصل کلام یہ ہے کہ مغربیت سے در آنے والے افکار مثل استقرائیت (Micro-Analysis) سطحیت اور ظاہریت (Literalism) کی جکڑ بندیوں سے عقل و خرد کو آزاد کیا جائے اور مفروضات کی سطح سے بلند ہو کر قلب کے نہاں خانہ میں پنہاں حقائق ایمان و معارف عہد الست کو پھر سے منہج اہل سنت کے تناظر میں دریافت کیا جائے۔ بہت سارے وہ مسلمہ حقائق جو ایک دور میں معلوم و معارف تھے۔ آج ہمارے لیے اجنبی اس لیے ہو گئے ہیں کہ مدرسہ سلف کے منہج و طرز فکر کو ہم نے عرصہ دراز سے ترک کر رکھا ہے، انہی مسلمہ اسباق میں سے "علیت قلب" ایک اہم ترین واساسی سبق تھا جس کو ہم نے اپنی اس تحریر میں موضوع بحث بنایا ہے، باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے قواء عقلیہ وبدنیہ کو فکر و فہم کی وہ قوت عطا فرمائے جس کے نتیجہ میں مدرسہ سلف کا مسلمات ہمارے علمی حلقوں میں پھر سے معارف و معلوم قرار پائیں۔

> **الصمد**
>
> "اللہ رب العزت نے سورہ اخلاص میں فرمایا ہے: اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾ عامہ الناس میں اس کا ترجمہ جو معروف ہے، وہ یہ ہے: "اللہ بے نیاز ہے" جبکہ محبت میں بے نیازی ممکن ہی نہیں۔ حق یہ ہے کہ "الصمد" کا مترادف زبان اردو میں موجود ہی نہیں، یہی وجہ تھی کہ حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ "نرادھار" کیا ہے جو ہندی زبان کا لفظ ہے اور جس کا مطلب ہے: "وہ ذات جو اپنے امور کی تکمیل میں کسی کی محتاج نہ ہو اور اس کے سوا ہر کوئی اپنے امور میں اس کے محتاج ہوں۔"
>
> حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے "الصمد" کا ایک مفہوم "مقصود" بھی منقول ہے۔
>
> امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "الصمد" کی تفسیر کی بابت لکھتے ہیں: "اسم صمد کے متعلق سلف سے متعدد تفسیریں منقول ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ تفسیریں باہم مختلف ہیں لیکن در حقیقت وہ سب درست ہیں، ان میں سے دو اقوال سب سے زیادہ مشہور ہیں ایک یہ کہ صمد وہ ہے جس میں کھوکھلا پن نہ ہو، دوسرا یہ کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس کی طرف لوگ اپنی حاجتیں لے جائیں۔"
>
> محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کی "اللہ کی تلاش میں" سے ایک انتخاب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد اقبال کیلانی

قرآن مجید کا چیلنج کیا ہے؟

قرآن مجید کے بارے میں کفار کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب نہیں بلکہ محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا جواب یہ دیا کہ اگر یہ قرآن مجید محمد ﷺ کی تصنیف ہے تو اس جیسی ایک سورۃ یا اس جیسا کلام تم بھی تصنیف کرکے دکھاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾

"کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن خود گھڑ لیا ہے، کہو اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو اس جیسی تم دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس جس کو (مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلا لو۔" (سورہ ہود، آیت نمبر 13)

دس سورتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف ایک سورۃ تصنیف کرنے کا چیلنج بھی دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾

"اگر تم اس کلام کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے سارے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔" (سورہ بقرہ، آیت نمبر 23)

ایک سورت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک آیت کا چیلنج بھی دیا کہ ایک سورۃ تو بڑی دور کی بات ہے تم اس جیسی ایک آیت بھی نہیں بنا سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾

"کیا یہ کہتے ہیں کہ محمد نے اسے خود ہی بنا لیا ہے؟ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لانا چاہتے اگر سچے ہیں تو یہ اس جیسی ایک آیت ہی بنا لائیں۔" (سورۃ الطور، آیت نمبر 33-34)

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج ایسے زور دار انداز میں دیا ہے جو کسی دوسری جگہ موجود نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے محمد! کہہ دیجئے اگر تم سارے کے سارے جن و انس مل کر بھی اس جیسی سورت بنانا چاہو تب بھی اس طرح کی سورت نہیں بنا سکتے خواہ سارے ایک دوسرے کے مددگار بن جاؤ۔" (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 88)

سوال یہ ہے کہ گزشتہ چودہ سو سال سے عرب و عجم میں موجود قرآن مجید کے بدترین دشمنوں میں سے کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ چند مثالیں تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں کہ بعض دشمنان اسلام نے قرآن مجید سے ملتی جلتی سورتیں بنانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً

1 مسیلمہ کذاب نے رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ثبوت کے طور پر درج ذیل سورت پیش کی: "يا ضفدع نق ما تنقين، لا الشراب تمنعين و لا الماء تكدرين" "اے ٹرانے والے مینڈک! تو کس قدر ٹراتا ہے نہ تو کسی کو پینے سے روکتا ہے اور نہ ہی پانی کو گدلا کرتا ہے۔"

2 مسیلمہ کذاب پر "نازل شدہ" ایک اور سورت ملاحظہ ہو: "الفيل، وما الفيل، و ما ادراك ما الفيل، له ذنب قليل و خرطوم طويل" "ہاتھی، اور کیا ہے ہاتھی، اور تو کیا جانے ہاتھی کیا ہے؟ اس کی دم چھوٹی اور سونڈ لمبی ہے۔"

3 اہل تشیع کے ایک فرقہ کا دعویٰ ہے کہ درج ذیل سورت "الولایت" کے نام سے قرآن مجید کا حصہ ہے: "بسم الله الرحمن الرحيم. يا أيها الذين آمنوا آمنوا بالنبي و بالولي بعثنا هما يهديانكم الى صراط مستقيم. نبي و ولي بعضهما من بعض و انا العليم الخبير. ان الذين يوفون بعهد الله لهم جنت النعيم و الذين اذا تليت عليهم ايتنا كانوا باياتنا مكذبين. ان لهم في جهنم مقاما عظيما اذا نودي لهم يوم القيمة اين الظلمون المكذبون المرسلين. ما خلقهم المرسلين الا بالحق و ما كان الله ليظهرهم الى اجل قريب. وسبح بحمد ربك و علي من الشاهدين۔"[1] بسم اللہ الرحمن الرحیم، اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ نبی پر اور ولی پر، جن کو ہم نے بھیجا ہے، وہ دونوں تمہاری رہنمائی کرتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔ نبی اور ولی دونوں ایک دوسرے سے ہیں اور میں جاننے والا ہوں خبردار ہوں۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ کا وعدہ پورا کرتے ہیں ان کے لیے نعمتوں والی جنت

1 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، از مولانا محمد منظور نعمانی، ناشر الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ، صفحہ 278

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے وہ لوگ جو جھٹلاتے والے ہیں ہماری آیات کو جب ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں بے شک ان کے لیے جہنم میں بڑا مقام ہے جب انہیں قیامت کے روز پکارا جائے گا کہاں ہیں ظالم جھٹلانے والے رسولوں کو۔ نہیں پیدا کیا اس نے رسولوں کو مگر حق کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ البتہ غالب کرے گا ان کو ایک مقرر وقت تک اور تسبیح کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور علی گواہی دینے والوں میں سے ہے۔"

4 1999ء میں ایک فلسطینی یہودی ڈاکٹر انیس سورس نے درج ذیل چار سورتیں تصنیف کیں۔ (1) سورۃ المسلمون (گیارہ آیات) (2) سورۃ التجسد (پندرہ آیات) (3) سورۃ الایمان (دس آیات) (4) سورۃ الوصایا (سولہ آیات) اور یہ دعویٰ کیا کہ میں نے قرآن مجید کا چیلنج قبول کرتے ہوئے یہ سورتیں تصنیف کی ہیں[2]۔ ان میں سے ایک سورۃ المسلمون کی چند آیات ملاحظہ ہوں: "الصمر۔ قل یآیھا المسلمون انکم لفي ضلال بعید۔ ان الذین کفروا باللّٰہ ومسیحه لھم في الاٰخرۃ نار جھنم و عذاب شدید۔ وجوہ یومئذ صاغرۃ مکفھرۃ تلتمس عفو اللّٰہ و اللّٰہ یفعل ما یرید۔" "الف لام صاد میم، کہہ اے مسلمانو! تم دور کی گمراہی میں مبتلا ہو۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے مسیح کا انکار کیا ان کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ ہے اور شدید عذاب ہے۔ اس روز کئی چہرے ذلیل اور سیاہ ہوں گے۔ اللہ سے معافی چاہیں گے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

5 2005ء کے آغاز میں یہودیوں اور عیسائیوں نے مل کر امریکہ میں "فرقان الحق" نامی ایک کتاب طبع کی ہے جس میں قرآن مجید کی طرز پر 77 سورتیں تصنیف کی ہیں۔ ان سورتوں کی بعض آیات آپ کو انہی صفحات میں مل جائیں گی۔

قرآن مجید کی طرز پر آیات اور سورتیں تصنیف کرنے کی مثالوں سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ (نعوذ باللہ) باطل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس بات کو چیلنج کیا گیا ہے وہ یہ ہے ہی نہیں کہ کوئی شخص عربی زبان کے حروف یا الفاظ جوڑ کر ایسے فقرات کبھی مرتب نہیں کر سکے گا جیسے قرآن مجید میں ہیں۔ غور فرمائیے! جس معاشرے میں فصیح و بلیغ عربی زبان کے نامور ادیب اور امراؤ القیس جیسے قادر الکلام شاعر موجود تھے، آخر ان کے لیے عربی میں چند عبارتیں یا فقرات مرتب کرنا کون سا مشکل تھا؟ دراصل قرآن مجید نے جس بات کا چیلنج دیا ہے وہ یہ ہے کہ قیامت تک کوئی آدمی ایک سورت تو کیا ایک آیت بھی ایسی تصنیف نہ کر سکے گا جو فصاحت و بلاغت، روانی و سلاست، اثر پذیری اور قبولیت عامہ کے اعتبار سے قرآن مجید کی آیات جیسی شان رکھنے والی ہو۔ اس چیلنج کے سامنے پورا عالم عرب عاجز اور بے بس تھا اور دل سے اعتراف کرتا تھا کہ یہ قرآن انسانی کلام نہیں ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

1 حضرت ضماد ازدی رضی اللہ عنہ نے جب پہلی بار قرآن مجید سنا تو فوراً پکار اٹھے "میں نے ایسا کلام پہلے کبھی نہیں سنا، میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، شاعروں اور ساحروں کا کلام بھی سنا ہے، مگر یہ کلام تو سمندر کی تہ تک پہنچنے والا ہے۔"

2 حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورہ طٰہٰ کی آیات پڑھیں تو سارا غصہ کافور ہو گیا، کہنے لگے "کیا عمدہ اور بلند پایہ کلام ہے۔"

3 قبیلہ بنو عبد الاشہل کے سردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زبانی قرآن مجید سنا تو کہنے لگے: "واہ! کیسا اچھا دین اور کیسا اعلیٰ کلام ہے۔"

4 ایام حج میں سرداران قریش کی ایک مجلس مشاورت دار الندوہ میں منعقد ہوئی جس میں آپ ﷺ کے بارے میں کاہن یا دیوانہ یا شاعر یا ساحر کہہ کر حجاج کو آپ ﷺ سے بدگمان کرنے کا منصوبہ طے پانا تھا، لوگوں کی مختلف تجاویز پر اسلام کے بدترین دشمن ولید بن مغیرہ نے یہ فیصلہ دیا کہ محمد ﷺ کاہن ہے نہ دیوانہ، شاعر ہے نہ ساحر، واللہ اس کی بات بڑی شیریں ہے اس کی جڑ بڑی مضبوط ہے اور شاخ پھلدار ہے۔ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ جادوگر ہے، اس کا کلام سن کر باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر بیوی میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور اسی بات پر سب کو اتفاق کرنا پڑا۔

5 قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ نے رسول اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے سورہ حٰم السجدہ کی آیات سنیں تو سرداران قریش کو آ کر بتایا: "واللہ میں نے ایسا کلام سنا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا، وہ کلام نہ شاعری ہے نہ کہانت۔ میری مانو تو اس آدمی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ واللہ! اس کلام کے ذریعہ زبردست معرکہ برپا ہو گا۔ اگر یہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہو گی اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور اگر عربوں نے اسے مار ڈالا تو تمہارا مقصد بدنامی مول لیے بغیر حاصل ہو جائے گا۔"

6 اللہ کے دشمن ابو جہل اور اس کے دیگر دو ساتھیوں، ابو سفیان اور اخنس بن شریق تینوں نے رات کی تاریکی میں الگ الگ حرم میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن مجید سنا، دن کو ایک دوسرے سے مخفی بھی رہنا پھر

[2] http://dialspace.dial.pipex.com/town/park/geq96/original/muslimoon.htm

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرے روز بھی سنا، تیسرے روز اخنس بن شریق ابو سفیان کے گھر گیا اور پوچھا: "بتاؤ محمد (ﷺ) کے کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" ابو سفیان نے بلا تامل جواب دیا: "یہ کلام انسانی کلام نہیں ہو سکتا۔" اخنس نے کہا: "میری بھی یہی رائے ہے۔" پھر اخنس ابو جہل کے پاس گیا اور پوچھا: "محمد (ﷺ) کا کلام کیسا ہے؟" ابو جہل نے جواب دیا: "ہمارے خاندان اور بنو عبد مناف میں ہمیشہ سے مسابقت چلی آ رہی ہے، سیادت اور سخاوت میں ہم دونوں برابر رہے ہیں۔ اب ان کو یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے ہاں نبی پیدا ہوا ہے اس کا ہم مقابلہ کیسے کریں، لہٰذا ہم نے طے کر لیا ہے کہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔"

7 ہجرت حبشہ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق بھی ہجرت کے ارادے سے نکلے لیکن ابن دغنہ آپ کو واپس مکہ لے آیا اور حرم شریف میں آ کر حضرت ابو بکر صدیق کو امان دینے کا اعلان کیا۔ قریشی سرداران نے کہا: "ابن دغنہ ہم تمہاری امان رد نہیں کرتے لیکن ابو بکر سے کہنا کہ گھر کے اندر رہ کر نماز اور قرآن پڑھے۔ اگر اس نے اونچی آواز میں قرآن پڑھا تو ہمارے بچے اور عورتیں فتنہ میں پڑ جائیں گے۔" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ تو قرآن مجید آہستہ پڑھتے رہے پھر بلند آواز سے پڑھنے لگے۔ جب اونچی آواز سے قرآن پڑھتے تو مشرکین کے بچے، بوڑھے، عورتیں سننے کے لیے اکٹھی ہو جاتیں۔ مشرکین مکہ اس سے پریشان ہو گئے۔ ابن دغنہ کو بلا کر شکایت کی۔ ابن دغنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے سے روکا تو حضرت ابو بکر صدیق نے ابن دغنہ کی امان واپس کر دی۔ فرمایا: "میں تیری امان واپس کرتا ہوں اور اللہ کی امان پر راضی ہوں۔" (بخاری)

8 نبوت کے پانچویں سال کا واقعہ ہے کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ حرم شریف میں باآواز بلند سورۃ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ سننے والوں میں مسلمان اور کافر دونوں طرح کے لوگ موجود تھے۔ قرآن مجید کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع مکمل خاموشی کے ساتھ قرآن مجید سنتا رہا، سورۃ کے آخر میں جب آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا تو آپ کے ساتھ سارا مجمع بے اختیار سجدہ میں گر گیا۔ کفار کو یہ ہوش ہی نہ رہا کہ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں، سجدہ کرنے کے بعد کفار کو اپنی اس حرکت پر سخت ندامت محسوس ہوئی۔ قرآن مجید کی تلاوت کا یہ معجزانہ اثر تو تھا اہل زبان پر لیکن اس کی شدت تاثیر کا حیران کن پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید جس طرح اہل عرب کے دل و دماغ کو مسخر کرنے کی بے پناہ قوت رکھتا ہے اسی طرح اہل عجم کے دل و دماغ کو مسخر کرنے کی بھی بھرپور قوت رکھتا ہے۔

قرآن مجید کی تاثیر کے حوالہ سے روس کے صدر خروشیف کا یہ واقعہ قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہو گا۔ مصر کے صدر جمال عبد الناصر، روسی صدر خروشیف سے ملنے گئے تو اپنے ساتھ مصر کے ممتاز قاری عبد الباسط کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ ملاقات پر جمال عبد الناصر نے قاری عبد الباسط کا تعارف کروایا اور ان کی زبان سے کلام اللہ سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ خروشیف نے کہا "میں تو اللہ کو مانتا ہی نہیں، اس کا کلام کیوں سنوں؟" ناصر کے اصرار پر خروشیف آمادہ ہو گیا۔ قاری عبد الباسط نے سورۃ طٰہٰ کی وہی آیات تلاوت کرنی شروع کیں جنہیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ سورۃ طٰہٰ کی تلاوت سن کر خروشیف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تلاوت کے اختتام پر ناصر نے خروشیف سے پوچھا: "آپ تو اللہ کو مانتے نہیں پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے؟" خروشیف نے جواب دیا: "میں واقعی اللہ کو نہیں مانتا لیکن یہ کلام سن کر ضبط کے باوجود آنسو نہیں روک سکا، اس کا سبب میری سمجھ میں نہیں آیا۔"[3]

خروشیف واقعی بہت ہی بدنصیب انسان تھا۔ اس کے دل و دماغ پر مہر لگ چکی تھی، لہٰذا اس نے یہ سوچنا گوارا نہ کیا کہ ان آنسوؤں کا سبب کیا ہے، لیکن ایسی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں نے حالتِ کفر میں قرآن مجید کے مطالب و معانی سمجھے بغیر قرآن مجید کی قراءت سنی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، جذبات میں تلاطم برپا ہو گیا، دل و دماغ مسخر ہو گئے اور پھر دل مضطر کو قرار تب ہی آیا جب وہ ایمان لے آئے۔

اہل ایمان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ حرمین شریفین میں رمضان المبارک کے دوران قیام اللیل میں بلا مبالغہ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ایسے مسلمان موجود ہوتے ہیں جو قرآن مجید کی آیات کا مطلب کم ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن ائمہ حرم کی پرسوز آواز میں جب قراءت سنتے ہیں تو آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے، دل کی دنیا یوں زیر و زبر ہوتی ہے کہ ہچکیاں رکنے کا نام نہیں لیتیں۔ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے والوں کا تو کیا ہی کہنا؟ تلاوت کرتے وقت ان پر اس قدر رقت طاری ہوتی ہے کہ الفاظ ادا کرنے کے لیے زبان ساتھ نہیں دے پاتی، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل نرم پڑ جاتے ہیں، ذوقِ تلاوت میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے، بے خودی اور جذب کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ آدمی گرد و پیش کی دنیا سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے۔ امام حرم شیخ سعود الشریم حفظہ اللہ کی قراءت سننے والے جانتے ہیں کہ نماز میں قراءت کے دوران اکثر ان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات رقت کی وجہ سے سورۃ فاتحہ مکمل نہیں کر پاتے۔ فوراً آواز ٹوٹنے اور ڈوبنے لگتی ہے اور بے اختیار آنسو بہہ نکلتے ہیں۔

---

[3] اردو ڈائجسٹ، مارچ 2006ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے وہ چیلنج جو قرآن مجید نے قیامت تک آنے والے تمام جن و انس کو دیا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو قرآن مجید محمد ﷺ کا تصنیف کردہ ہے تو پھر تم بھی ایک سورۃ یا کم از کم ایک آیت ہی ایسی تصنیف کرکے دکھاؤ جسے پڑھ کر مردہ دلوں کی کھیتی ہری ہو جائے، جسے سن کر آنکھوں میں آنسو بہنے لگیں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں، دلوں پر رقت طاری ہو جائے، جو انسان کے اندر کی دنیا میں تلاطم بپا کر دے، جذبات میں آگ لگا کر کچھ کر گزرنے کا عزم پیدا کر دے، جسے بار بار پڑھنے سے ذوق تلاوت یا سماعت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جائے۔ انسان کی تشنہ روح بے اختیار پکار اٹھے کہ یہ کلام تو بس میرے ہی لیے نازل ہوا ہے، میں اسی کا محتاج تھا اس کے بغیر میری زندگی بے مقصد اور لاحاصل تھی۔ اس پر ایمان لا کر میں نے اپنا مقصدِ حیات پالیا ہے۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ بھی قرآن مجید کے اعجازی پہلو بہت سے ہیں [4] اور ان میں سے ہر ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان اعجازی پہلوؤں میں سے ایک اہم اعجازی پہلو کم سن بچوں کا مکمل قرآن مجید اس طرح حفظ کر لینا ہے کہ کہیں زیر، زبر تک کا فرق نہیں آتا حالانکہ یہ بچے قرآن مجید کی عربی مبین تو کیا عام عربی زبان کے الفاظ تک کے معانی اور مطالب سے واقف نہیں ہوتے، انہی بچوں کو اگر ان کی اپنی زبان کی کسی کتاب کے چند صفحات یاد کرنے کے لیے دیے جائیں تو وہ انہیں یاد نہیں کر پائیں گے، اگر یاد کر لیں گے تو چند دن سے زیادہ محفوظ نہیں رکھ پائیں گے جبکہ قرآن مجید یاد کرنے والے حفاظ کرام زندگی کے آخری سانس تک اسے پڑھتے پڑھاتے اور سنتے سناتے رہتے ہیں[5] کم سنی میں دس گیارہ سال کی عمر تک قرآن مجید حفظ کر لینا تو عام سی بات ہے لیکن اس سے بھی کم عمر میں قرآن مجید یاد کر لینے کی مثالیں موجود ہیں[6]۔ کم سنی کے علاوہ کبر سنی میں بھی قرآن مجید حفظ کرنے کی مثالیں موجود ہیں حالانکہ اس عمر میں قوت حافظہ کمزور ہونی شروع ہو جاتی ہے[7]۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آج دنیا میں تورات اور انجیل کے ماننے والے اربوں کی تعداد میں موجود ہیں، لیکن ان میں ایک بھی تورات یا انجیل کا حافظ نہیں جبکہ قرآن مجید کے حفاظ بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ دل و دماغ میں اتنی آسانی سے اترنے والی اور یاد ہونے والی آیات اگر کوئی بنا کر دکھا سکتا ہے تو بنا کے دکھائے۔

یہودی اسکالر ڈاکٹر انیس نے جو "فرقان الحق" تصنیف کیا ہے اس کا پہلا کلمہ ہی اس قدر بے ربط، بے ڈھبا اور مبہم ہے کہ نہ تو آسانی سے زبان پر آتا ہے نہ ہی انسانی فطرت اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہے۔[8]

حقیقت یہ ہے کہ کفار کی قرآن دشمنی کی اصل وجہ یہی چیلنج ہے جس نے چودہ سو سال سے انہیں عاجز اور بے بس کر رکھا ہے۔ حسد اور بغض کے مارے وہ ہمیشہ تلملاتے رہتے ہیں، لیکن کچھ کر نہیں پاتے جس کا اظہار گاہے گاہے ان کی زبانی ہرزہ سرائیوں سے ہوتا ہے اور کبھی قرآن مجید کی عملی توہین اور گستاخی سے بھی ہوتا ہے۔

پس کسی بھی مسلمان کو فرقان الحق یا اس جیسی کسی دوسری تصنیف کو دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن مجید میں دیا گیا چیلنج قبول کر لیا گیا ہے یا اس کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ وہ چیلنج الحمد للہ! آج بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح عہد نبوی ﷺ میں موجود تھا اور قیامت تک اسی طرح موجود رہے گا۔

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

"باطل نہ آگے سے قرآن مجید پر حملہ آور ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ نازل کردہ اس ذات کی طرف سے ہے جو حکمت والی اور تعریف کے لائق ہے۔" (سورہ حٰم السجدہ، آیت نمبر 42)

فرقان الحق کا فتنہ

کفار و مشرکین کی قرآن دشمنی اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

ماضی قریب اور حال میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی قرآن دشمنی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

---

[4] قرآن مجید کے دیگر اعجازی پہلوؤں میں درج ذیل اعجازات شامل ہیں: (1) قرآن مجید میں بیان کی گئی وہ پیش گوئیاں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ (2) گزشتہ اقوام کے حالات، جنہیں آج تک کوئی جھٹلا نہیں سکا۔ (3) سائنسی حقائق، جنہیں آج تک کوئی غلط ثابت نہیں کر سکا نہ آئندہ کر سکے گا۔ (4) غیب کی خبریں مثلاً دابۃ الارض کا ظہور، یاجوج ماجوج کا ظہور۔

[5] الحمد للہ! والدہ محترمہ نے بغیر کسی استاد کے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا ساری عمر لڑکیوں کو قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے گزاری۔ نوے سال کی عمر میں بھی روزانہ تین پارے پڑھنے کا معمول اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نبھا رہی ہیں۔

[6] مدرسہ فاروقیہ اسلام آباد میں ایک چینی بچے نے 5 سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور سات سال کی عمر میں الحمد للہ مکمل قرآن مجید حفظ کر لیا۔ (تکبیر 20 نومبر 2002ء)

[7] محترم والد حافظ محمد ادریس کیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے 59 برس کی عمر میں الحمد للہ دو سال کی مدت میں قرآن مجید حفظ کیا۔ کبر سنی میں قرآن مجید حفظ کرنے کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

[8] یاد رہے "فرقان الحق" کی پہلی سورۃ "الفاتحہ" کا آغاز درج ذیل کلمے سے ہوتا ہے "بسم الاب الکلمۃ الروح الالٰہ الواحد الاوحد" یعنی میں شروع کرتا ہوں باپ کے نام سے، کلمے کے نام سے اور روح القدس کے نام سے جو ایک اور صرف ایک اللہ ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1) برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ولیم ای گلیڈ سٹون نے پارلیمنٹ میں یہ ہرزہ سرائی کی: "جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے ہاتھوں میں یا ان کے قلوب و اذہان میں موجود رہے گا اس وقت تک یورپ مسلم ممالک پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکتا اگر قائم کرلے تو اسے برقرار رکھنے میں زیادہ دیر کامیاب نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ یورپ کا اپنا وجود بھی اسلام کی جانب سے محفوظ یا مامون نہیں رہ سکتا۔"[9]

2) 1908ء میں برطانیہ کے وزیر نو آبادیات نے یہ ہرزہ سرائی کی "جب تک مسلمانوں کے پاس قرآن مجید موجود ہے وہ ہمارے راستے میں مزاحم رہیں گے ہمیں قرآن کو ان کی زندگیوں سے خارج کر دینا چاہیے۔"[10]

3) غیر منقسم ہندوستان میں یوپی کے گورنر سر ولیم میور نے قرآن مجید کے بارے میں اپنے خبث باطن کا اظہار ان الفاظ میں کیا: "دو چیزیں انسانیت کی دشمن ہیں محمد (ﷺ) اور محمد (ﷺ) کا قرآن۔"[11]

4) الجزائر پر فرانسیسی تسلط کے سو سال مکمل ہونے پر فرانسیسی صدر نے اپنی تقریر میں کہا: "مسلمانوں کے روز و شب سے قرآن کا اخراج اور عربی زبان سے ان کا تعلق توڑنا ضروری ہے تاکہ ہم آسانی سے ان پر اپنا تسلط قائم رکھ سکیں۔"[12]

5) 1984ء میں ہندوستان میں ہندوؤں نے باقاعدہ ایک تحریک شروع کی: "ہندوستان چھوڑو یا قرآن چھوڑو۔" 1989ء میں کلکتہ کی ایک عدالت میں ہندوؤں نے باقاعدہ مقدمہ درج کروایا کہ "قرآن مجید پر پابندی عائد کی جائے۔"[13]

6) ہالینڈ میں ایک فلم ساز نے "اطاعت" کے نام سے فلم بنائی جس میں ایک فاحشہ عورت کی پیٹھ پر سورہ نور کی یہ آیت مبارکہ لکھی ﴿ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِى فَٱجۡلِدُواْ كُلَّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا مِاْئَةَ جَلۡدَةٖۖ وَلَا تَأۡخُذۡكُم بِهِمَا رَأۡفَةٞ فِي دِينِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۖ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٞ مِّنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٢﴾ ترجمہ: "زانی عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ تم کو اللہ کے دین کے معاملے میں دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے گا۔" (سورۃ النور، آیت نمبر 2) اور اس کے ساتھ اس کی پیٹھ کو کوڑوں سے زخمی دکھایا گیا۔ فلم کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں۔[14]

7) حال ہی میں ایک امریکی دانشور نے واشنگٹن ٹائمز میں قرآن مجید کے بارے میں اپنے خبث باطن کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "مسلمانوں کی دہشت گردی کی جڑیں خود قرآن مجید کی تعلیمات ہیں، یہ کہنا صحیح نہیں کہ (مسلمانوں میں سے) ایک دہشت گرد اور انتہا پسند اقلیت نے مسلمانوں (کی اکثریت کو) یرغمال بنا رکھا ہے بلکہ اصل مسئلہ خود قرآنی تعلیمات کا پیدا کردہ ہے۔ اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ اعتدال پسند مسلمانوں کو قرآن مجید کی تعلیمات کو بدلنے پر آمادہ کیا جائے۔"[15]

8) 7 جولائی 2005ء کو لندن میں ہونے والے بم دھماکوں پر گفتگو کرتے ہوئے برطانوی وزیر اعظم نے یہ ہرزہ سرائی کی "اسلامی دہشت گردوں کو عراق پر قبضہ جمانے کے لیے مغربی پالیسیوں کے بجائے شیطانی نظریات نے حملوں پر اکسایا ہے۔"[16] (اللّٰھم العنھم لعناً کبیراً)

9) اٹلی کی مشہور صحافی خاتون اوریانہ فلاسی نے ہرزہ سرائی کی ہے کہ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن مجید آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ دہشت گردی معدودے چند مسلمانوں کا کام ہے بلکہ سارے مسلمان یہی فکر رکھتے ہیں۔[17]

قرآنی دشمنی کے یہ کلمات تو وہ ہیں جو ائمہ کفر کی زبانوں سے نکلے ہوئے ہیں، لیکن جو دشمنی ان کے سینوں میں چھپی ہے وہ اس زبانی دشمنی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ﴿قَدۡ بَدَتِ ٱلۡبَغۡضَآءُ مِنۡ أَفۡوَٰهِهِمۡ وَمَا تُخۡفِي صُدُورُهُمۡ أَكۡبَرُۚ﴾ (سورہ آل عمران، آیت 118)

ترجمہ: "ان کا بغض ان کی زبانوں پر نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔"

عہد نبوی میں قرآن مجید کے خلاف حسد اور بغض پر مبنی کفار کے پروپیگنڈے کا سارا زور اس بات پر تھا کہ یہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں محمد (ﷺ) نے اسے خود تصنیف کیا ہے۔ آج بھی کفار کا سارا زور اسی بات پر ہے کہ کسی نہ کسی طرح قرآن مجید کو محمد (ﷺ) کی تصنیف ثابت کر دیا جائے تاکہ اسلام کی ساری کی ساری عمارت آپ سے آپ منہدم ہو جائے۔

اس غرض کے لیے قرآن مجید میں بار بار تحریف کی کوششیں کی گئیں۔ پہلے عربی زبان میں تحریف شدہ قرآن مجید شائع کیا گیا پھر عبرانی زبان میں تحریف شدہ قرآن مجید شائع کیا گیا۔ یہود و نصاریٰ کے ان ناپاک عزائم کو بھانپتے ہوئے حکومت سعودی

---

9 امت مسلمہ کے دلخراش حالات از محمد انور بن اختر، ص 204

10 اسلام ایک نظریہ، ایک تحریک از مریم جمیلہ ص 220

11 موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص 163

12 موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص 163

13 ماہنامہ محکمات، جون 1989ء، لکھنؤ ص 31

14 ہفت روزہ تکبیر، کراچی یکم دسمبر 2004ء

15 ماہنامہ محدث، لاہور، مارچ 2005ء، صفحہ 22

16 ہفت روزہ تکبیر، کراچی، 21 جولائی 2005ء

17 ماہنامہ طیبات، لاہور، اگست 2005ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عرب نے آج سے اکیس سال قبل 1405 ہجری میں "شاہ فہد قرآن اکیڈمی" کا عظیم الشان منصوبہ شروع کیا جو ہر سال کم و بیش 3 کروڑ قرآن مجید طبع کر کے پوری دنیا میں تقسیم کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے[18]۔ یوں شاہ فہد قرآن اکیڈمی کے قیام نے یہود و نصاریٰ کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

یہود و نصاریٰ نے اپنی سازشوں کو پروان چڑھانے کے لیے ایک نیا طریقہ اختیار کیا آج سے کم و بیش دس سال قبل (نائن الیون کے حادثہ سے پانچ چھ سال پہلے) دو فلسطینی یہودیوں، المہدی اور صفی کو عربی زبان میں قرآن مجید کی طرز پر ایک کتاب تصنیف کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی جنہوں نے سورتوں کی طرز پر ستتر (77) سورتیں تصنیف کی ہیں اور ان کے نام قرآن مجید کی سورتوں جیسے ہی رکھے گئے ہیں مثلاً سورۃ الفاتحہ، سورۃ السلام، سورۃ النور، سورۃ الایمان، سورۃ التوحید، سورۃ المسیح، سورۃ النساء، سورۃ النکاح، سورۃ الطلاق، سورۃ الصیام، سورۃ الصلاۃ وغیرہ۔ ان سورتوں میں قرآنی آیات کی طرز پر چھوٹی چھوٹی آیات تصنیف کی گئی ہیں۔ نوے فیصد الفاظ اور کلمات قرآن مجید سے لیے گئے ہیں۔

کتاب کا نام "فرقان الحق" رکھا گیا ہے پہلی اشاعت میں ہی عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کا اہتمام کیا گیا ہے، ہر صفحے کے آدھے حصہ پر عربی عبارت اور آدھے حصہ پر انگریزی ترجمہ ہے۔ 20x15 سم سائز کے 366 صفحات پر مشتمل یہ کتاب امریکی یہودی کمپنی Project Omega 2001 اور Wise Press نے طبع کی ہے جس کی قیمت 19.99 ڈالر رکھی گئی ہے۔ ناشر کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ فرقان الحق کا پہلا پارہ ہے اس کے بعد مزید گیارہ پارے اور طبع ہوں گے فرقان الحق کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم اس کی تعلیمات پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

فرقان الحق کی تعلیمات

فرقان الحق کی تعلیمات تحریر کرنے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ فرقان الحق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ کتاب کے طور پر پیش کیا گیا ہے مثال کے طور پر ایک جگہ لکھا گیا ہے "و لقد انزلنا هذا الفرقان الحق وحياً" ترجمہ: "ہم نے اس فرقان الحق کو وحی کے طور پر نازل کیا ہے۔" دوسری جگہ لکھا ہے "فرقان حق انزلناه لنخرج الضالين من الظلمات الى النور" ترجمہ: "فرقان حق کو ہم نے اس لیے نازل کیا ہے تاکہ گمراہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔" (سورۃ مسیح، آیت نمبر 6) مذکورہ آیات کے مطابق فرقان الحق لکھنے والے کے درج ذیل دعاوی ثابت ہوتے ہیں خواہ وہ بظاہر دعویٰ کرے یا نہ کرے۔

1 بات کہنے والا اللہ کا نبی ہے۔

2 جبریل علیہ السلام وحی لے کر اس پاس آتے ہیں۔

3 جو کچھ فرقان الحق میں لکھا گیا ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

قرآن مجید کی رو سے یہ تینوں دعاوی اس حکم میں آتے ہیں وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ ترجمہ: "اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا یوں کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی وحی نہیں آئی۔" (سورہ الانعام، آیت 93) پس فرقان الحق میں جو کچھ تصنیف کیا گیا ہے وہ سراسر کذب، افتراء، اور باطل ہے۔ ان ابلیسی اقوال کو یہاں درج کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ شاید یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور اتحادی سمجھنے والوں کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں احساس ہو جائے کہ جو لوگ اللہ اور رسول کے دشمن ہیں وہ مسلمانوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے ہیں؟

اب فرقان الحق کی ابلیسی تعلیمات میں سے بعض تعلیمات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شرک کی تعلیم

فرقان الحق کی ہر سورہ کا آغاز درج ذیل شرکیہ کلمات سے کیا گیا ہے "بسم الاب الكلمة الروح الاله الواحد الاوحد" "شروع کرتا ہوں باپ کے نام سے اور روح قدس کے نام سے جو کہ ایک اور صرف ایک الٰہ ہے۔" یہی عقیدہ تثلیث ہے جو اس قدر مبہم اور ناقابل فہم ہے کہ آج تک کوئی بڑے سے بڑا عیسائی عالم بھی اس کی تسلی بخش وضاحت نہیں کر سکا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی توہین

فرقان الحق میں جابجا قرآن مجید کی آیات اور احکام کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی سخت توہین کی گئی ہے۔ صرف ایک مقام بطور مثال ملاحظہ ہو: "و اذ قال الشيطان: اني اصطفيتك على الناس برسالاتي ووحيي فخذ ما آتيتك واذكر نعمتي عليك واقنت شكراً" ترجمہ: "اور جب کہا شیطان (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) نے (اے محمد ﷺ) میں نے تجھے اپنی رسالت اور وحی کے لیے سارے لوگوں میں سے چن لیا ہے پس جو میں تجھے دوں اس پر عمل پیرا ہو اور میری نعمت کو یاد رکھ اور شکر کرنے کے لیے عاجزی اختیار کر۔" (سورہ الغرانیق، آیت نمبر 9) یاد رہے سورہ الاعراف کی آیت مبارکہ 144 میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے: إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

(۳) رسول اکرم ﷺ کی توہین

انبیاء کرام کا استہزاء توہین اور ان کا قتل یہود کا ایک ایسا جرم ہے جس کا قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا

[18] یاد رہے "شاہ فہد قرآن اکیڈمی" عربی کے علاوہ اردو، بنگالی، فرانسیسی، البانی، کوری، تھائی، جرمن، رشین، جاپانی، ترکی، پرتگالی اور انڈونیشی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم بھی شائع کر رہی ہے۔ حال ہی میں "شاہ فہد اکیڈمی" نے نابینا افراد کی تلاوت کے لیے بھی قرآن مجید تیار کر لیا ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے اس کی زندہ مثال فرقان الحق ہے جس کی ایک آیت یوں ہے "واذا خلا به قال: "انی معلت"فقد اتخذ الشیطان ولیا من دوننا " ترجمہ:"اور جب محمد (ﷺ) شیطان کے ساتھ علیحدہ ہوا تو کہا" میں تیرے ساتھ ہوں" پس محمد (ﷺ) نے ہمیں چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لیا۔" (سورہ الغرانیق آیت نمبر 8) ایک اور جگہ لکھا ہے : " و علم الامیین امی کافر فزادھم جھلاً و کفراً" ترجمہ: "ایک امی اور کافر (نعوذ باللہ!) نے امیوں کو تعلیم دی اور ان کی جہالت اور کفر میں اضافہ کر دیا۔" (سورہ الشہادۃ، آیت نمبر 4)

(4) حضرت جبرائیل علیہ السلام کی توہین

نزول قرآن کے وقت سے ہی اہل کتاب جناب جبرائیل علیہ السلام کے دشمن ہیں ان کا اعتراض یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام بنو اسحاق کا گھرانہ چھوڑ کر بنو اسماعیل کے گھرانے میں کیوں آیا؟ چنانچہ انہوں نے فرقان الحق میں اپنے بغض اور حسد کا اظہار یوں کیا۔" وما اوحی الیه الا ما تنزلت به الشیاطین افتراء و مکراً " ترجمہ:"اور انہیں وحی کی گئی ہے محمد ﷺ کی طرف مگر جھوٹ اور فریب جسے شیطان لے کر نازل ہوتے ہیں۔" (سورہ الغرانیق، آیت نمبر 15) اس شیطانی آیت میں جناب جبرائیل علیہ السلام کو شیطان (معاذ اللہ!) اور قرآن عظیم کی آیات کو جھوٹ اور فریب کہا گیا ہے (معاذ اللہ!)۔

(5) جہاد حرام ہے

بلاشبہ جہاد کا لفظ آج پوری دنیا میں کفار کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے، جہاد نے کفار کی نیندیں حرام کر دی ہیں ایسا لگتا ہے، فرقان الحق لکھنے کا اصل مقصد ہی مسلمانوں کو جہاد سے برگشتہ کرنا ہے۔ چند ابلیسی ہفوات ملاحظہ ہوں:

1 " و افتروا علی لساننا الکذب بانا اشترینا من المومنین انفسھم بان لھم الجنة یقاتلون في سبیلنا وعداً علینا حقا في الانجیل الا ان المفترین لکاذبون۔" ترجمہ: " انہوں نے ہماری طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے کہ ہم نے مومنوں سے جنت کے بدلے ان کی جانیں خریدی ہیں اور وہ ہماری راہ میں قتل کرتے ہیں انجیل کی رو سے یہ وعدہ پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے آگاہ رہو! اس قسم کی بات گھڑنے والے جھوٹے ہیں۔ " آگے لکھا ہے " فانا لا نشتري نفوس المجرمین اشتراھا الشیطٰن اللّعین " ترجمہ:"ہم مجرموں کی جانیں نہیں خریدتے مجرموں کی جانیں تو شیطان ملعون خریدتا ہے۔" (سورہ الطاغوت، آیت نمبر 8) اور مثال ملاحظہ ہو:

2 " وزعمتم بانا قلنا: "قاتلوا في سبیل اللّٰه و حرض المؤمنین علي القتال[19] و ما کان القتال سبیلنا و ماکان لنحرض المؤمنین علي القتال ان ذٰلک الا تحریض الشیطان رجیم لقوم مجرمین " ترجمہ: "اور تم نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے کہا" اللہ کی راہ میں لڑو اور مومنوں کو قتل پر ابھارو" حالانکہ قتال ہمارا راستہ نہیں ہے نہ ہی ہم نے مومنوں کو قتال پر ابھارا ہے بلکہ مجرموں کو شیطان مردود نے قتال پر ابھارا ہے۔" (نعوذ باللہ!) (سورہ الموعظ، آیت نمبر 2) ایک اور جگہ لکھا ہے:

3 " وبزت جنتهم جنتکم التي استشهدتم في سبیلها فرحین طمعا و عدتم به من زنی و فجور " ترجمہ:"اور غالب آ گئی (اہل کتاب کی) جنت مسلمانوں کی اس جنت پر جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور جس کے لیے وہ خوشی اور لذت محسوس کرتے ہیں، اس کی راہ میں جانیں دیتے ہیں وہ دراصل زانیوں اور فاجروں کی جنت ہے۔" (سورہ الروح، آیت نمبر 3)

(7) اموال غنیمت کی مذمت

جہاد کے ذریعے حاصل ہونے والے اموال غنیمت کا تصور بھی کفار کے لیے بڑا تکلیف دہ ہے اسے کہیں ڈاکہ، کہیں چوری، کہیں لوٹ مار، کہیں ظلم کہا گیا ہے۔ فقط ایک مثال ملاحظہ ہو:

" و قیل لکم قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰه و کلوا مما غنمتم حلالا طیبا و ھذا قول الظالمین[20]۔" ترجمہ:"اور تمہیں کہا گیا جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے ان سے قتال کرو اور جو مال غنیمت ملے اسے کھاؤ وہ حلال ہے اور پاک ہے۔" یہ ظالموں کا قول ہے۔ (نعوذ باللہ!) (سورہ العطاء، آیت نمبر 7)

(7) قرآن مجید کی بے حرمتی

یہود و نصاریٰ نے قرآن مجید کی دشمنی میں قولاً فعلاً کوئی کسر نہیں چھوڑی، فرقان الحق کے ابلیسی اقوال اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں ایک جگہ لکھا ہے "یایّھا الناس انما تتلیٰ علیکم اٰیات الشیطان مضلات لیخرجکم من النور الي الظلمٰت فلا تتبعوا وحي الشیطان واتخذوه عدوا لدودا" ترجمہ: " اے لوگو! تمہارے سامنے شیطان کی گمراہ کن آیات پڑھی جاتی ہیں تاکہ تمہیں روشنی سے نکال کر تاریکی کی طرف لے جائیں پس تم لوگ شیطان کی پیروی نہ کرو اور اسے بدترین دشمن سمجھو۔" (سورہ العطاء، آیت نمبر 15)

(۸) قرآن مجید میں تحریف

اہل کتاب الہامی کتب میں تحریف کے عادی مجرم ہیں تورات اور انجیل کے بعد قرآن مجید میں بھی بدترین تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں لفظی تحریف کی مثالیں تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں احکام میں تحریف کی مثالوں میں سے ایک ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ لکھا ہے: " لقد افتریتم علینا کذبا حرمنا القتال في الشهر الحرام ثم نسخنا ما

---

[19] و حرض المؤمنین علی القتال کے الفاظ سورہ الانفال کی آیت نمبر 65 سے لیے گئے ہیں۔

[20] یاد رہے قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ کے الفاظ سورۃ توبہ آیت 29 سے لیے گئے ہیں اور وکلوا مما غنمتم حلالا طیبا کے الفاظ سورۃ الانفال کی آیت نمبر 69 کا حصہ ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرمنا فحللنا فيه قتالا كبيرا " ترجمہ: "تم نے ہماری طرف جھوٹ منسوب کیا ہے کہ ہم نے حرمت والے مہینوں میں قتال حرام کیا ہے جس کو ہم نے حرام کیا تھا اسے ہم نے منسوخ کر دیا ہے اور اب حرام مہینوں میں ہم نے بڑی جنگ حلال کر دی ہے۔" (سورہ السلام، آیت نمبر 11)

(۹) مسلمانوں سے دشمنی

فرقان الحق میں مسلمانوں کو کہیں تو " یا ایھا الذین ضلوا "[21] (اے گمراہ لوگو!) کہیں " یا اھل الکفران "[22] (یعنی اے کافرو!) کہیں " یا اھل النفاق "[23] (یعنی اے منافقو!) کہیں " یا ایھا الذین اشرکوا "[24] (یعنی اے مشرکو!) کہیں " یا اھل العصیان "[25] (یعنی اے نافرمانو!) کہیں " یا اھل الافك "[26] (اے بہتان باندھنے والو!) کہیں " یا اھل الجھل "[27] (اے جاہلو!) اور کہیں " یا اھل التحریف "[28] (اے تحریف کرنے والو!) کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اور اہل کتاب کو ہر جگہ " یا یھا الذین آمنوا " کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح بنی اسرائیل کے جرائم کی نشاندہی کی گئی ہے اسی طرز پر فرقان الحق میں مسلمانوں پر بہت سے الزامات لگائے گئے ہیں اور جس بات کو سب سے زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان قاتل، ڈاکو، چور، دہشت گرد اور فساد پھیلانے والے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

1 " و ھدمتم بیعاً و بیوتاً یذکر فیھا اسمنا و ھدمتم کنائس عبادنا المؤمنین الذین أووکم و احسنوا الیکم و علموا کم فغدرتم بھم ظالمین " ترجمہ: "اور تم نے گرجے اور عبادت خانے گرائے جن میں ہمارے نام کا ذکر کیا جاتا تھا اور تم نے ہمارے ان مومن بندوں کے معبد گرائے جنہوں نے تم کو پناہ دی، تمہارے ساتھ حسن سلوک کیا تمہیں علم سکھایا تم نے ان کے ساتھ جنگیں کیں پس تم ظلم کرنے والے ہو۔" (سورہ الاساطیر، آیت نمبر 4)

2 " و قلتم لا اکراہ في الدین و تکرھون عبادنا المؤمنین علي الکفر فمن استسلم سلم و من استمسك بدین الحق قتل قتلة المجرمین " ترجمہ: "اور تم کہتے ہو دین میں جبر نہیں لیکن ہمارے مومن بندوں پر کفر اختیار کرنے کے لیے جبر کرتے ہو جو اسلام لے آیا وہ بچ گیا اور جو دین حق پر قائم رہا وہ مجرموں کی طرح قتل کر دیا گیا۔" (سورہ الملوک، آیت نمبر 1)

3 "فسیماؤکم کفر وشرك وزني وغزو وقتل و سلب وسبي وجھل وعصیان "ترجمہ: "تمہار طرز عمل، کفر کرنا، شرک کرنا، زنا کرنا، جنگیں کرنا، قتل کرنا، لوٹ مار کرنا، عورتوں کو قیدی بنانا، جہالت سے کام لینا اور نافرمانی کرنا ہے۔" (سورہ الکبائر آیت نمبر 3، ص 249)

مذکورہ ابلیسی اقوال میں مسلمانوں کا جو گھناؤنا کردار پیش کیا گیا ہے فرقان الحق کا بیشتر حصہ ایسے ہی ابلیسی اقوال پر مشتمل ہے۔

(۱۰) کتمانِ حق

اہل کتاب کے جرائم میں سے ایک جرم کتمانِ حق ہے (حق کو چھپانا) بھی ہے۔ فرقان الحق میں اس کی بھی جابجا مثالیں ملتی ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ "جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین یا چار چار نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو یا ان عورتوں سے (تمتع کرو) جو تمہارے قبضے میں ہیں (سورہ النساء، آیت نمبر 3)

فرقان الحق کے مصنف نے قرآن مجید کی اس آیت کو یوں لکھا ہے:

" تشرکون بھا مثني و ثلث و ربع او ما ملکت ایمانکم " ترجمہ: "تم نکاح کرتے ہو دو دو، تین تین چار چار عورتوں سے یا لونڈیوں سے۔ درمیان سے فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً کا حصہ حذف کر دیا ہے (سورہ النساء، آیت نمبر 8 تا 9) جس میں ایک سے زائد شادیوں کے لیے لازمی شرط "عدل" کا ذکر کیا گیا ہے، عدل کے بغیر دودو، تین تین چار چار نکاحوں کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی شریعت کے قوانین سراسر ظالمانہ ہیں۔

(۱۱) محبت اور سلامتی کا فریب

فرقان الحق میں یہود و نصاریٰ کو " یا ایھا الذین اٰمنوا "[29] کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اور فرقان الحق کی تعلیمات کو " دین حق "[30] بتایا گیا ہے اور جگہ جگہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ محبت، انصاف، امن اور سلامتی کے علمبردار ہیں۔ مثلاً " یاایھا الناس انا نامر بالمحبة و الرحمة و الاحسان و العدل و السلام " " اے لوگو! ہم محبت، رحمت، احسان، عدل اور سلامتی کا حکم دیتے ہیں۔" (سورہ القتل، آیت نمبر 3) دوسری جگہ لکھا ہے " انما الدین الحق ھو دین المحبة و الاکوة و الرحمة و السلام " ترجمہ: "بے شک دین حق ہی محبت، اخوت رحمت اور سلامتی کا دین ہے۔" (سورہ الاضحی، آیت نمبر 5)

محبت، اخوت، رحمت اور سلامتی کے علمبردار، افغانستان اور عراق کی جیلوں یا کیوبا کے عقوبت خانے میں مسلمان قیدیوں سے جس محبت و اخوت اور

---

21 سورہ السلام، آیت نمبر 1
22 سورہ التوحید، آیت نمبر 1
23 سورہ مسیح، آیت نمبر 1
24 سورہ الثالوث، آیت نمبر 1
25 سورہ الموعظ، آیت نمبر 1
26 سورہ الافک، آیت نمبر 17
27 سورہ الخاتم، آیت نمبر 1
28 سورہ الاساطیر، آیت نمبر 1
29 سورہ الانجیل، آیت نمبر 6
30 سورہ الاضحی، آیت نمبر 5

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلامتی کا سلوک کر رہے ہیں اس کا ساری دنیا مشاہدہ کر رہی ہے۔

(۱۲) مذہبی تعصب

ساری دنیا کے سامنے روشن خیالی، اعتدال پسندی اور رواداری کی رٹ لگانے والی "مہذب دنیا" اندر سے کس قدر مذہبی تعصب، انتہا پسندی اور جنون میں مبتلا ہے اس کا اندازہ فرقان الحق کے ان دو فقروں سے لگائیے:

" انما دین الحق هو دین الانجیل الحق و الفرقان الحق من بعده فمن ابتغیٰ غیر ذٰلك دیناً فلن یقبل منه"

ترجمہ: "سچی انجیل اور سچا فرقان ہی دین حق ہے اور جو شخص اس دین کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔" (سورہ الجزیہ، آیت نمبر 13)

" و انزلنا الفرقان الحق مذکراً بالدین الحق و مصدقاً للانجیل الحق لنظهره علی الدین کله ولو کره الکافرون"

ترجمہ: "ہم نے دین حق کی یاد دہانی کے لیے فرقان الحق نازل کیا ہے جو انجیل کی تصدیق کرنے والا ہے تاکہ اسے باقی تمام ادیان پر غالب کریں خواہ کافروں (یعنی مسلمانوں) کتنا ہی برا لگے ؟" (سورہ الاضحیٰ، آیت نمبر 6)

دوسری آیت سے نہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ عیسائی اور یہودی اپنے مذہب کے معاملے میں کس قدر متعصب اور جنونی ہیں بلکہ یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ وہ ہر قیمت پر اسلام کو مغلوب کرنے اور عیسائیت و یہودیت کو غالب کرنے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔

اب ہم فرقان الحق سے روشن خیالی پر مشتمل بعض تعلیمات کا ذکر بھی کرنا چاہیں گے تاکہ قارئین کو علم ہو سکے کہ موجودہ روشن خیالی کا اصل منبع کہاں ہے؟

(۱) حجاب عورت کی توہین اور تذلیل ہے

"المہدی" نے فرقان الحق میں لکھا ہے:

" واقعتم بینکم و بین النساء سداً و حجاباً مستوراً فاذا سالتموهن فمن وراء حجاب فکان ذلك هوناً لخلقنا و احتقاراً"

ترجمہ: "تم نے اپنی عورتوں کے درمیان یہ کہہ کر رکاوٹ اور پردہ حائل کر دیا ہے کہ جب ان سے کوئی سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے کرو اور یہ ہماری مخلوق کی توہین اور تذلیل ہے۔" (سورہ النساء، آیت نمبر 10)

(۲) عورتوں کو گھر میں بٹھانا ظلم ہے

" احتبستموهن بقولکم " قرن في بیوتکن" الا ساء حکم الظالمین قرارا"

ترجمہ: "تم نے عورتوں کو اپنے اس قول کے مطابق قید کر رکھا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں، سنو! گھر میں بیٹھنے کا حکم بہت برا ہے جو ظالموں نے دے رکھا ہے۔" (سورہ النساء، آیت نمبر 11)

(۳) مرد کو حاکم بنانا درندگی اور وحشیانہ پن ہے

" تقولون ان الرجال قوّامون علی النساء و اللاتي تخافون نشوزهن فعظوهن و اهجروهن في المضاجع و اضربوهن فما مزتم بشرعة الغاب بین الانسان و بین البهائم و الانعام"

ترجمہ: "تم کہتے ہو مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا ڈر ہو انہیں نصیحت کرو، بستر سے الگ کر دو اور انہیں مارو تو پھر انسانوں اور جنگلی درندوں، وحشیوں اور چوپایوں کے قانون میں کیا فرق ہوا؟" (سورہ النساء، آیت نمبر 4)

(۴) میراث میں عورت کا آدھا حصہ اور عورت کی آدھی گواہی ظلم ہے

" فالمراة بشرعتکم نصف وارث فلذکر مثل حظ الانثیین و هي نصف شاهد فان لم یکن رجلان فرجل و امراتان فللرجال علیهن درجة و هذا عدل الظٰلمین"

ترجمہ: "تمہاری شریعت میں عورت نصف حصہ کی وارث ہے کیونکہ مرد کے لیے عورت سے دوگنا حصہ ہے اور تمہاری شریعت میں عورت کی گواہی بھی آدھی ہے کیونکہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں پس مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے اور یہ ظالموں کا عدل ہے۔" (سورہ النساء، آیت نمبر 5)

(۵) طلاق حرام ہے

" وقد وصینا عبادنا بان لا تقربوا الزنیٰ او الطلاق"

ترجمہ: "اور ہم نے بندوں کو تاکید کی کہ زنا اور طلاق کے قریب نہ جاؤ۔" (سورہ الطہر، آیت نمبر 9)

(۶) مطلقہ سے نکاح کرنا زنا اور کفر ہے

" ومن تزوج مطلقة فقد زنیٰ و کان فعله کفراً و فجراً"

ترجمہ: "اور جس نے کسی مطلقہ سے نکاح کیا اس نے زنا کیا اور اس کا یہ فعل کفر اور گناہ شمار ہو گا۔" (سورہ الطلاق، آیت نمبر 3)

(۷) ایک سے زائد نکاح زنا ہے

" و قلتم انکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و ربٰع او ما ملکت ایمانکم فرجعتم الی الجاهلیة الغرائز و نجس الزناء و الفجور فانتم لا تطهرون"

ترجمہ: "اور تم نے کہا ہے کہ نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند آئیں دو دو، تین تین، چار چار تک یا ان لونڈیوں سے (تمتع کرو) جو تمہارے قبضے میں ہوں یہ کہہ کر تم جاہلانہ فطرت، زنا کی گندگی اور گناہ کی طرف پلٹ گئے لہٰذا تم پاک نہیں کیے جاؤ گے۔" (سورہ المیزان، آیت نمبر 9)

(۸) عورت اور مرد کے غیر مساوی حقوق کی مذمت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درج ذیل ابلیسی اقوال میں نہ صرف نکاح کو غلامی باور کرایا گیا بلکہ مرد و زن کے غیر مساوی حقوق کو عورت پر سراسر ظلم قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ اس بات کا جواز بھی پیش کیا گیا ہے کہ جب مرد چار چار بیویاں رکھ سکتے ہیں تو عورت چار چار شوہر کیوں نہیں رکھ سکتی۔

" و اتخذتم من المراة مورد غريز تطلبونها اني شئتم و لا تطلبكم و تطلقونها اني شئتم و لا تطلقكم و تهجرونها و لا تهجركم و تضربونها و لا تضربكم و تشركون بها مثني و ثلاث و رباع او ما ملكت ايمانكم و لا تشرك بكم احداً تملكونها و لا تملككم و لا تملك لشان امرها رشدا"

ترجمہ: " تم نے عورت کو اپنی خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے تم اسے طلب کرتے ہو جہاں چاہتے ہو لیکن وہ تمہیں طلب نہیں کر سکتی، تم اسے جب چاہو طلاق دے سکتے ہو لیکن وہ تمہیں طلاق نہیں دی سکتی، تم اس کے ساتھ دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی یا لونڈی رکھ سکتے ہو لیکن وہ دوسرا شوہر نہیں رکھ سکتی، تم اس کے مالک ہو لیکن وہ تمہاری مالکن نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اپنے کسی معاملے کی اچھی بات کا اختیار بھی نہیں رکھتی۔" (سورہ النساء، آیت نمبر 8 تا 9)

(۹) قصاص میں ہلاکت ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰأُولِي الْأَلْبَٰبِ

ترجمہ: " اے عقل مند لوگو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔" (سورہ البقرہ، آیت نمبر 179)

جس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل قتل کے بدلے قتل کیا جائے، جبکہ مغرب میں قصاص کا قانون رائج نہیں ہے ۔ اس " روشن خیالی " کی ترجمانی کرتے ہوئے فرقان الحق کا مصنف لکھتا ہے:

" ما كتبنا عليكم القصاص فلكم في القصاص بوار يا اولي الالباب"

ترجمہ: " ہم نے تمہیں قصاص کا حکم نہیں دیا اے عقل مند لوگو! تمہارے لیے قصاص میں ہلاکت اور بربادی ہے۔" (سورہ المہتدین، آیت نمبر 7)

فرقان الحق کے ابلیسی اقوال پڑھنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ دراصل یہود و نصاریٰ کے دلوں میں قرآن مجید کے خلاف چھپا ہوا حسد اور بغض ہے جو کتابی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

ان ابلیسی اقوال کے حوالہ سے ہم جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو، رسول اکرم ﷺ کو، حضرت جبریل علیہ السلام کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بار بار شیطان لکھنے والے ملعون یہود و نصاریٰ کیا مسلمانوں کے دوست ہو سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ شیطانی آیات لکھنے والے ملعون یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دوست ہو سکتے ہیں؟ کیا فرقان الحق کی شیطانی آیات کو ماننے والے یہود و نصاریٰ اور قرآن مجید کی رحمانی آیات پر ایمان لانے والے مسلمانوں کے مفادات ایک ہو سکتے ہیں؟ سورج بے نور ہو سکتا ہے، چاند ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے، آسمان گر سکتا ہے، زمین پھٹ سکتی ہے، لیکن مسلمانوں اور کافروں کے درمیان دوستی نہیں ہو سکتی۔ یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ کی مسلمانوں سے دشمنی کا معاملہ ان شیطانی آیات کی طباعت تک محدود نہیں بلکہ بہت آگے تک ہے۔

مصر کے اخبار " الاسبوع " نے یہود و نصاریٰ کی ایک خفیہ دستاویز کے حوالہ سے فرقان الحق کی تصنیف کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ ذیل میں وہ مذموم مقاصد بھی بیان کر رہے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

1 مسلمانوں کو یہ باور کرانا کہ قرآن مجید آسمانی کتاب نہیں بلکہ انسان کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔

2 اقوام عالم کو یہ باور کرانا کہ قرآن مجید منفی نظریات کی حامل کتاب ہے جو انسانیت کے تحفظ اور امن کے خلاف ہے جبکہ فرقان الحق مثبت نظریات کی حامل کتاب ہے جس میں حقوق انسانی، حقوق نسواں اور جمہوریت کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے۔

3 اقوام عالم کو یہ باور کرانا کہ فرقان الحق محبت، اخوت اور سلامتی کا علمبردار ہے۔

4 دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنا۔

5 یہودیت اور عیسائیت کی مشترکہ تہذیب کو پوری دنیا پر غالب کرنا۔

یہ ہیں مذموم مقاصد جن کی خاطر " فرقان الحق " تصنیف کیا گیا ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے خفیہ دستاویز میں دیا گیا ایجنڈا یہ ہے۔

1 ابتداً فرقان الحق اسرائیل اور یورپی ممالک میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے بعد تدریجاً دوسرے ممالک میں تقسیم کیا جائے گا۔[31]

2 بنیاد پرست مسلمانوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ قرآن مجید کو چھوڑ کر فرقان الحق کو مضبوطی سے تھامیں انکار کرنے والوں کے خلاف ظلم اور جبر کے تمام طور طریقے استعمال کیے جائیں گے۔

3 تین، چار سال بعد یورپی، امریکی اور اسرائیلی افواج اسلامی ممالک کا محاصرہ کریں گی حتیٰ کہ اسلامی ممالک فرقان الحق کی تعلیمات پر عمل کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

4 آئندہ بیس سالوں میں زمینی دنیا کو اسلام سے پاک کر دیا جائے حتیٰ کہ کوئی ایک مسلمان ایسا باقی نہ رہے گا جس کے افکار و نظریات اسلامی ہوں۔[32]

---

31 کویت کے فلاحی ادارہ " احیاء التراث الاسلامی " کی رپورٹ کے مطابق کویت کے انگلش میڈیم اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء میں فرقان الحق ہدیۃً تقسیم کیا گیا ہے۔ (پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث، 28 جنوری 2005ء)

32 مصری جریدہ الاسبوع کی رپورٹ کی تفصیلات کراچی کے مؤقر پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث 12 تا 28 جنوری 2005ء سے لی گئی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخ کا بدترین المیہ یہ ہے کہ ایک طرف تو یہود و نصاریٰ کا یہ ایجنڈا ہے جس کے مطابق وہ پوری دنیا سے جلد از جلد اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے ہیں [33] اور دوسری طرف مسلم ممالک کے بزدل اور بے مغز حکمران ہیں جو اب بھی یہود و نصاریٰ سے اتحاد اور دوستی کا راگ الاپ رہے ہیں اور اس پر فخر کر رہے ہیں۔ کیا ہم اندھے ہیں، دیکھتے نہیں؟ کیا ہم بہرے ہیں سنتے نہیں؟ کیا ہمارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے کہ ہم غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا ایسا نہیں کہ کفار جس پھانسی کے پھندے پر ہمیں لٹکانا چاہتے ہیں ہم اسی پھندی کی تیاری میں ان کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں؟ کیا ایسا نہیں کہ جس گڑھے میں کفار ہمیں زندہ دفن کرنا چاہتے ہیں، وہ گڑھا کھودنے میں ہم مزدوروں کی طرح کام کر رہے ہیں؟ کیا ایسا نہیں کہ جن تلواروں سے کفار ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں انہی تلواروں کو ہم اپنے ہاتھوں صیقل کر رہے ہیں؟ پھر ہے کوئی جو طاغوت اکبر کی روشن خیالی اور گمراہی کے آگے بند باندھنے کی کوشش کرے؟ ہے کوئی جو امّہ کفر کی سازشوں کو روکنے کا عزم کرے؟ ہے کوئی جو اللہ کی دین کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی نصرت کرے؟ إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد:7)

کتاب اور سنت میں تعارض ممکن نہیں

"امام احمد اس مسلک پر بڑی سختی کے ساتھ قائم ہیں کہ سنت نبویہ قرآن کی مفسر ہے وہ اسے بھی فرض نہیں کرتے کہ ظاہر قرآن اور سنت میں تعارض واقع ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ظاہر قرآن اسی چیز پر محمول کیا جائے گا جس جانب سنت رہنمائی کر رہی ہے، کیونکہ سنت قرآن کا بیان ہے اور قرآن کے احکام و فقہ کی مفسر ہے، امام احمد نے ایک کتاب ان لوگوں کے ردّ میں لکھی ہے جو ظاہر قرآن کو لے لیتے ہیں اور سنت کو ترک کر دیتے ہیں اپنی مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"خدائے بزرگ و برتر نے محمد ﷺ پر اپنی کتاب نازل فرمائی، جو اس کی پیروی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور نور ہے، خدا نے اپنے رسول کو قرآن کے ظاہر اور باطن، خاص و عام اور ناسخ و منسوخ کا رہنما بنایا، پس رسول اللہ ﷺ، کتاب الٰہی کی تعبیر اور اس کے مفہوم و معنیٰ کی وضاحت کرنے والے تھے، اس بات کو ان صحابہ نے دیکھا جنہیں خدا نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے چنا تھا اور انہوں نے رسول کی تعبیریں نقل کیں۔ پس وہ لوگ اپنے مشاہدہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ اس حقیقت کے آشنا تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد وہی قرآن و سنت کے تعبیر کنندہ رہ گئے ہیں!"

شیخ محمد ابو زہرہ مصری کی کتاب
"حیات امام احمد بن حنبل"
سے ایک اقتباس

---

33 اپنے ابلیسی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کفار کس حد تک جانے کو تیار ہیں اس کا اندازہ "شرق اوسط میں نیو سائنٹسٹ" میگزین کے حوالہ سے شائع ہونے والی درج ذیل خبر سے لگا لیجیے "امریکی وزارت دفاع نے دشمن فوجیوں کے اخلاق پر اثر انداز ہونے والے غیر مہلک کیمیکل بم تیار کرنے کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا ہے یہ بم فوجیوں میں ہم جنس پرستی کا زبردست رجحان پیدا کرے گا جس کی وہ کسی بھی شکل میں مزاحمت نہیں کر سکیں گے دشمن فوجی ہم جنسیت میں اس قدر غرق ہو جائیں گے جس سے ان کی صلاحیتیں ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں گی اور وہ جنگ پر توجہ مرکوز کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔" (اردو نیوز، جدہ، 23 جنوری 2005ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الاستاد محمد احمد جمال
ترجمہ: مولانا حسن مثنیٰ ندوی

قرآنی زبان کے خلاف دشمنوں کی سازش

جن لوگوں نے عربی زبان کے خلاف حیلہ سازیاں اور مکر و فریب سے کام لیا ان میں بہت سے مستشرقین ہیں اور ان میں مستغربین بھی شامل ہیں، ان سب کی غرض و غایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس وحدت کا خاتمہ کیا جائے جو ثمرہ ہے زبان واحد پر آ ملنے کا۔ یہ زبان قرآن کی زبان ہے، سنت نبوی کی زبان ہے، اسلام کے عظیم الشان تمدنی ورثے کی زبان ہے۔

مستشرقین میں سے

1 انگریز جج "دروز" ہے جو مصر میں رہا۔ اس نے 1902ء میں ایک کتاب "لغت القاہرہ" کے نام سے لکھی اور اس کے قواعد وضع کر کے یہ تجویز پیش کی کہ اس کو علم و ادب کی زبان کے طور پر اختیار کیا جائے اور ساتھ ہی یہ تجویز بھی اس کی تھی کہ اس زبان کی کتابت لاطینی رسم الخط میں ہو۔

2 "ولیم ویلکوکس" نے 1926ء میں یہ دعوت دی کہ عربی زبان کو چھوڑا جائے۔ یہ شخص اس وقت مصر کے محکمہ آبپاشی میں انجینئر تھا۔ اس نے اپنی اس دعوت کے ساتھ ایک عملی قدم بھی اٹھایا۔ انجیل کا ترجمہ اس زبان میں کیا جس کو لغت مصریہ کا نام اس نے دیا۔

3 جن لوگوں نے عربی زبان کی اہمیت کا اور مسلمانوں کی وحدت ملی پر اس کی تاثیر و قوت کا اعلان کیا ہے ان میں ایک "پادری زویمر" (1906ء) ہے اس نے بھی اسلام کے خاتمے کی تمہید کے طور پر، عربی زبان کا خاتمہ کرنے کی دعوت دی۔ دوسرا شخص اسی کی طرح "ولیم جیفرڈ بلگراف" ہے جس نے یہ کہا کہ "قرآن اور شہر مکہ جب بلاد عرب سے غائب ہو جائیں تب ہمارے لیے یہ ممکن ہو گا کہ عربی کو ہم صحیح تہذیب و تمدن قبول کر نے میں تدریجاً بڑھتا دیکھیں گے جس سے صرف محمد ﷺ نے اور ان کی کتاب نے اس کو دور کر رکھا ہے۔"

4 "آرنلڈ ٹوئن بی" کا گمان یہ ہے کہ "عربی زبان" ایک دینی زبان ہے وہ رسومات Rituals اور شعار کے علاوہ جیسے صلوۃ ہے، تلاوت قرآن ہے، اور دعا ہے، باقی اور کسی چیز کے لیے مفید و ساز گار نہیں ہے۔"

5 ایک جرمن مستشرق "سپیتا" ہے جس نے 1880ء میں یہ دعوت دی تھی کہ "عامی لہجے" کا استعمال اس طرح شروع کیا جائے کہ وہ عربی زبان کی جگہ لے لے۔

اور مستغربین

یعنی وہ لوگ جو دشمنان اسلام کے اندھے مقلد اور پیروکار ہیں اور جو تمام چیزوں کو دشمنوں کے پیمانے سے ناپتے ہیں ان میں:

1 عبد العزیز فہمی ہے جو مصر کی "مجمع علمی" کا رکن رہا۔ اس نے 1943ء میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ "عربی حروف کو لاطینی حروف اور رسم الخط سے بدل دیا جائے۔" اور اس کی اس تجویز پر "مجمع علمی" تین سال تک بحث میں مشغول رہا یہاں تک کہ "مجمع" نے ایک انعام خاص کا اعلان بھی کیا کہ جو شخص عربی کو آسان تحریر و کتابت میں بدلنے کی سب سے اچھی تجویز پیش کرے گا یہ مالی انعام اس کو ملے گا۔

2 سلامہ موسیٰ ہے وہ مسیحی مصری اہل قلم جو اپنی اسلام دشمنی کے اعتبار سے خاصا معروف ہے، اس نے ولیم ویلکوکس کی تائید میں آواز بلند کی کہ کتاب و تالیف کے لیے مصری زبان ہونی چاہیے، اور کہا کہ "عربی زبان بدویوں کی زبان ہے اور رجعت پسند ہے پسماندہ ہے۔"

3 قاعہ الطہطاوی ہے..... اس نے 1885ء میں فرانس سے واپس آنے کے بعد یہ دعوت دی کہ "عامی زبان استعمال کی جائے اور کتابیں اسی زبان میں تصنیف کی جائیں، اور انہیں کی مثل مصری اہل قلم ڈاکٹر لویس عوض ہیں۔

4 اسی طرح لبنانی اہل قلم سعید عقیل نے دعوت دی کہ عامی زبان سے کام لیا جائے اور اس کو لاطینی رسم الخط میں لکھا جائے اور عجیب بے غیرتی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ "جس کو قرآنی زبان کی خواہش ہو اس کو سر زمین قرآن کی طرف رخصت ہو جانا چاہیے۔"

5 اور احمد لطفی سید مصری بھی اسی گروہ میں شامل ہے، اس نے دعوت دی کہ اجنبی ناموں اور الفاظ کو قبول کرنے اور عربی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان میں ان کو داخل کرنے میں کشادہ دلی سے کام لینا چاہیے ۔ ان کا گمان یہ تھا کہ مفردات عامیہ کا اور اس کی تراکیب کا استعمال کرنا کلام و خطاب کی زبان کو زندگی بخشتا ہو گا اور اس طرح ہم خواص کی تحریروں کو ، ان کے خطبات کو اور ان کی گفتگو کو سمجھنے کے قابل خود عوام کو بنالیں گے۔"

طوالت سے بچنے کے لیے ہم آپ کی توجہ اب ان کتابوں کی طرف مبذول کراتے ہیں جن میں سے ایک کتاب کا نام " الاتجاهات الوطنيه " ہے ، یہ کتاب ڈاکٹر محمد حسین کی ہے اور دوسری کتاب " اباطیل و اسمال " ہے جو استاد محمد محمود شاکر کی ہے ۔ اور تیسری کتاب " الدعوة اللغة العاميه " ہے یہ تالیف ، د نفوسہ زکریا سعید کی ہے اور چوتھی کتاب " کتاب التبشیر و الاستعمار " ہے جو دو استادوں عمر فروخ اور مصطفیٰ الخالدی کی لکھی ہوئی ہے۔

1393ھ (1973ء) میں ایک کانفرنس لبنان میں منعقد ہوئی جس میں امریکہ یورپ اور بلاد عربیہ کی جامعات کے اساتذہ کی بڑی تعداد جمع تھی ۔ اس کانفرنس میں " جاک بیول " اور " اندریہ دہان " اور " رولان مانیہ " کی پیش کردہ فرانسیسی تجویز زیر بحث آئی کہ " جدید عربی زبان ایجاد کی جائے جس کے مفردات وہ ہوں جو (عام بول چال کی بازاری زبان) عربوں کے درمیان اکثر و بیشتر رائج اور متداول ہیں ۔ لیکن لہجات عامیہ دارجہ استعمال کیے جائیں ، اس دلیل پر کہ استعمال ہی اصل چیز ہے۔

غرض اس گمان فاسق کی تکرار اسی طرح ہوتی رہی کہ فصیح عربی زبان جدید تہذیب و تمدن کو قبول نہیں کرتی ۔ اس میں ہمہ گیری نہیں ہے ، یہ ان لوگوں کے لیے مشکل ہے جو اس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں ، اور ضروری ہے کہ حروف کو لاطینی حروف سے بدل دیا جائے اور اس کی کتابت و تحریر لہجات عامیہ دارجہ میں ہو اور اس پر فریب و مکر آلود تجویز کی مطابقت میں اور اسلام کے خلاف اور عربیت کے خلاف سازشیں کرنے والوں کو تقویت پہنچانے کے لیے عرب ادیبوں کی ایک ٹولی نے ایسی کتابوں کی تالیف بھی شروع کر دی ، اشعار بھی نظم کرنے لگی ، لہجات عامیہ میں افسانے بھی لکھنے لگی اور یہ کہہ کر عامۃ الناس کی آنکھوں میں دھول بھی جھونکنے لگے کہ ادب عربی میں اور صحافت عربیہ میں عامی زبان کا استعمال ، اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ عوام کے حق کا اعتراف کیا جا رہا ہے کہ علم و فہم میں اور رائے عامہ کے تاثر و تاثیر میں عوام کا ایک مقام ہے ۔ یہ بیانات عوام کو خوش کرنے کے لیے تھے تا کہ وہ مطمئن رہیں۔

اسی زمانے میں دوسری طرف وہ لوگ اٹھے جو آزاد شاعری کے علمبردار ہوئے جس کو عربی میں شعر مرسل کہتے ہیں اور عربی قصیدے اور عربی شعر گوئی کے قواعد و اصول کے ناقد و نکتہ چیں بن کر نکلے ، نظام وزن قوافی کے خلاف ۔ یہ لوگ بھی اس سازش کے حلقے سے دور نہیں تھے جو عربی زبان کے خلاف ، اس کی اثر انگیز بلاغت کے خلاف اور اس کے دلکش و دلنشین و مسحور کن ادب کے خلاف جاری ہے۔

عربی زبان......اور اتہامات

یہ ساری آوازیں جو بلند ہوتی رہی ہیں اور یہ تمام دعوتیں جن کا شور مچتا رہا ہے مستقل حیلہ سازیاں ہیں ، فریب کاریاں ، افتراء پردازیاں اور جھوٹ اور مکر کی کارراوئیاں ہیں ، جن کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل وہ حقائق ہیں اور عملی و تربیتی تجربات ہیں جو آپ کے سامنے ہیں :

اول تو عربی زبان پر یہ اتہام لگایا کہ اس میں خامی ہے ، حالانکہ نفس زبان میں کوئی خامی نہیں ہے ۔ اصلاً تقصیر یا کمی یا خامی زبان کی نہیں ان مدرسین کی ہے جو جامعات اور درسگاہوں میں ہمارے طلبہ کی تدریس کے ذمہ دار بیٹھے ہیں اور ایسی ایسی کتابیں تالیف کرتے ہیں جن کے مراجع و مآخذ کا حال ڈاکٹر عمر فروخ نے بیان کر دیا ہے۔

دوسرے ، عربی زبان کی تعلیم حاصل کرنے میں بچوں کو جو دشواری لاحق ہوتی ہے اس کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ اوائل عمر ہی میں ان بچوں پر اجنبی زبان کا سیکھنا لازم کر دیا گیا ۔ اس عمر میں ایسی دو دو زبانوں کا ایک ساتھ ان کو سیکھانا اصل خطرہ ہے جس سے دنیا کی تمام مملکتیں اجتناب کرتی ہیں ... اجنبی زبان کی تعلیم دینے کی ضرورت پڑے تو وہ تین مہینوں میں دی جا سکتی ہے ۔ لبنان کے ماہرین تربیت میں سے ایک نے حال ہی میں بتایا ہے ۔ (مجلہ الحوادث اللبنانیۃ 1973ء)

تیسرے ، عربی زبان کے اندر عالمی ورثہ اور خاص علمی ورثہ محفوظ ہے اور یہ جامعیت و کمال اس کی طویل صدیوں کا سرمایہ ہے ۔ ایسی زبان آج اپنا کردار ادا کرنے سے عاجز و قاصر کس طرح ہو جائے گی۔

چوتھے ، اگر اس زبان میں کچھ مشکلیں ہوں بھی تو ان کا سامنا دنیا بھر کی زبانوں میں ہے ، ایسی مشکلات پر غلبہ پانے کے طریقے اور اسالیب بھی وہیں موجود ہیں جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ اس کی تدریس کے طور طریقے اور تدریج و تطویر کی جانب توجہ کی جائے اور اس پر زور دیا جائے ۔

پانچویں ، انگلستانی اہل قلم " بکیلے " یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتا ہے کہ " علوم و آداب کو عامی زبان میں لکھنا مواہب علمیہ کو کمزور کرنا ہوگا اور فصیح تر اعلیٰ زبان کی انشاء پردازی کا ملکہ بھی یکسر ختم ہو جائے گا لہٰذا چاہیے یہ کہ عوام کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ علمی زبان اور ادب عالیہ کو سمجھیں ، ان کے فہم و ادراک کو ترقی دی جائے ۔ ان کو بلند کیا جائے ، یہ نہ ہو کہ اہل علم کو اور اہل ادب کو نیچے اتار کے عوام کی سطح پر پہنچا دیں ۔"

مجھے پورا یقین ہے کہ یہ تمام نا پاک کوششیں اور چالبازیاں جو عربی زبان .... یعنی قرآن کی زبان .... اور دین اسلام کی زبان ..... کے خلاف معرکہ آراء ہوئیں وہ خائب و خاسر ہو چکی ہیں ۔ وہ آج بھی ناکام و نامراد ہیں کل بھی ناکام و نامراد رہیں گی ۔ وہ ماضی قریب اور ماضی بعید میں بھی ناکام ہو چکی ہیں ۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ ایک ذرا دیر ہم لوگ ٹھہریں اور ان من گھڑت شکوک و شبہات کی بھی تردید کر دیں جو یہ اہل سازش ، عربی زبان کی قدرت بیان اور اس کی کفایت اور بلاغت کے بارے میں پیدا کرتے اور ان کو پھیلاتے رہتے ہیں اور ہم اس پہلو سے بھی ان کی فضیحت کر کے ان کو رسوا کر دیں جو ان لوگوں کی اس نابکار دعوت کے اندر پنہاں ہے کہ کسی طرح عربی زبان کا مجد و شرف اور مرتبہ غارت ہو جائے اور خالص و اصیل عربی شخصیت اس سے چھین کر اسے تحلیل کر دیا جائے جو بحیثیت ادب و بحیثیت تاریخ اور بحیثیت حضارت و تمدن اس کو حاصل ہے ۔

عربیت فصحیٰ (عربی معلّی) کی طرف سے مدافعت در حقیت خود قرآن مجید کی مدافعت ہے ، دین اسلام ، قرآن پاک اور حدیث رسول کی مدافعت ہے ، اس کی روشن تاریخ اور اس کی تراث فقہی کی مدافعت ہے ، اس کے پائیدار ذخائر فکریہ اور شاندار خزانہ ادبیہ کی مدافعت ہے جن کو بہت بڑا مجد و شرف اور مرتبہ دوام حاصل ہے ۔

یہ عربی زبان جو اسلام کی دینی و فکری اور علمی تہذیب و تمدن کے طویل زمانوں پر محیط و مشتمل ، ضخیم و قیم میراث کی حامل ہے اور چودہ سو سال سے حامل ہے اس نے کسی اعتبار سے بھی اور کسی زمانے میں بھی اپنے آپ کو عاجز و قاصر محسوس نہیں کیا ، نہ آئندہ کسی اعتبار سے عاجز و قاصر ہو گی ، رسالت بیانیہ برابر جاری رہے گی ، الاباد تک ۔

رہی یہ بات کہ جو لوگ اس کو سیکھنا چاہتے ہیں ان کو دشوار محسوس ہوتی ہے ، تو دشواری تو ہر اجنبی زبان کے سیکھنے میں ہوتی ہے جو اس کی اپنی زبان نہ ہو ..... مثلاً انگریزی زبان اور فرانسیسی زبان ، اہل عرب سیکھنی چاہتے ہیں تو ان کو بڑی دشواری پیش آتی ہے کیونکہ ان زبانوں کے قاعدے اور بول اور کتابت میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں مگر عربی زبان میں ان کی مثال اور نظر نہیں ملے گی ۔

عربیت فصحیٰ کو ختم کر دینے کے نتائج

تمام عربی بولنے والے ممالک میں ان کے یہاں کی عامی زبانوں اور عامی لہجوں کو استعمال کرنے کی جو تجویز سامنے لائی جاتی رہی ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ عربیت فصحیٰ نمک کی طرح یا شکر کی طرح گھل کر ختم ہو جائے ، اس کی تخریب کا کام پورا ہو جائے تو ہر خطے اور ہر علاقے اور ہر ملک میں فصیح عربی زبان کی جگہ وہاں کے مقامی لہجے اور بولیوں کو رائج کر دینے کا پہلا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام قبائل و شعوب ایک دوسرے سے کٹ کر جدا ہو جائیں گے ، ان کی ہر شاخ اپنی اپنی مقامی بولیوں پر اکتفاء کر لے گی ۔ تفاہم میں بھی ، تعلم میں بھی ، تعلیم میں بھی ، صحافت میں بھی اور تصنیف و تالیف میں بھی ، ..... اور یہ تمام شعوب عربیہ ، علم یا ادب یا فکر یا عمل کسی نقطے پر بھی ایک دوسرے سے ملنے اور باہم یکجا ہونے سے معذور ہو جائیں گے ۔ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو کر رہ جائیں گے اور یہی مقصود ہے جو اہل صلیب استعمار پسندوں کے دلوں میں شروع سے رہا ہے کہ وحدت عربیہ کو کس طرح توڑا جائے اور ان کو ٹکڑیوں میں بانٹا جائے جن کی وحدت عربی زبان پر قائم ہے اور جس کا قوام دین اسلامی ہے ۔

اور ہم یہ کہتے ہیں کہ وحدت عربیہ کا قوام خالص دین اسلامی ہے اس لیے اسلام کو عربی زبان سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ امت عربیہ سے الگ کیا جا سکتا ہے جسے اللہ نے اسلام کے ذریعے سے عزت و غلبہ بخشا ہے اور اسلام کے کرامت بخش اور عزت رساں سائے کے نیچے رہے بغیر اس کو مجد و شرف اور سعادت فلاح کی زندگی مل ہی نہیں سکتی ، وہ زندہ نہیں رہ سکتی ۔

عربی زبان کی تخریب کے عواقب میں سے یہ بھی ہے جو مکارانہ مگر نامراد سازش کا مقصود رہا ہے کہ وہ تمام کتب قدیمہ و جدیدہ جو فصیح ترین عربی زبان میں ہیں ، عرب ان سب کو چھوڑ کے الگ ہو جائیں ... کیونکہ عقیدہ و شریعت کے مراجع و مصادر سب یہی ہیں اور سب کچھ انہیں میں ہے جن میں سب سے اوپر قرآن کریم ہے ۔ نئے سرے سے عامی زبان میں کتابیں لکھنے کا یا لاطینی حروف سے عربی حروف کو بدل دینے کا اور اسکولوں ، کالجوں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں پرانے نظام تعلیم ختم کرنے کے بعد جدید طریقے سے درس و تدریس رائج کرنے کا ...... اور عامی نظام اور لاطینی نظام کی بنیاد پر معلمین و مدرسین تیار کرنے کا ...... مقصد صاف ظاہر ہے ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقوام متحدہ میں عربی زبان کا قبول کیا جانا

اس وقت جب ہم عربی زبان کے دشمنوں کو عربی زبان کے خلاف سازش کرتے دیکھ رہے ہیں ، ہم نے یہ خبر بھی سنی کہ فرانسیسی ، انگریزی ، ہسپانوی ، روسی اور چینی زبانوں کے ساتھ عربی زبان کو بھی اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی میں سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ۔ بلا شبہ یہ عربوں کی اور اسلام کی کھلی کامرانی ہے اور یہ بھی ایک ثبوت ہے عربی زبان کے عالمی زبان ہونے کا جو قرآن کی زبان ہے اور رسول قرآن کی زبان ہے ، اس کی شہادت تو امریکی مندوب نے بھی اپنی تقریر میں دی ، جو اس نے عالمی ادارے کی تجویز پر کی کہ عربی زبان کو عالمی ادارے کی ایک سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے ۔ اس امریکی مندوب نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا اس میں یہ بھی تھا کہ یورپ کے اس ورثہ قدیم کے درمیان جس نے یونان و روما تہذیب سے نشو نما پائی ہے عربی زبان ہمزہ وصل کی حیثیت رکھتی ہے اور نہایت ہی اہم ثقافتی کڑی ہے ۔ بہت سے یورپی اعمال اور کلاسیکی تصنیفات کا ترجمہ اگر عربی زبان میں نہ ہو چکا ہوتا اور جن کو دوبارہ یورپی زبان میں منتقل کیا گیا تو یہ علمی سرمایہ ناپید اور یہ کتابیں بیشتر مفقود ہو جاتیں۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک تجویز بھی آئی اور 1973ء کے اٹھائیسویں اجلاس میں بالاتفاق منظور ہوئی کہ عربی زبان نے تہذیب انسانی اور تراث ثقافتی کی حفاظت کرنے اور ان کو پھیلانے اور عام کرنے میں بڑااہم رول ادا کیا ہے ۔

مصری مندوب نے اسی عالمی ادارے میں اپنی تقریر کے دوران عربی زبان کی اہمیت کا اظہار یوں کیا کہ سو ملین سے زیادہ افراد اس منطقے میں جو مشرق میں خلیج سے کر اوقیانوس کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے اور شمال میں جبل الطارق سے لے کر صحرائے جنوب میں بحرہ ہند تک وسیع ہے ، عربی زبان بولتے ہیں اور جو انیس مملکتوں کی سرکاری زبان بھی ہے ...... اور یہی عربی زبان قرآن کی زبان ہے جو سوا ارب سے زیادہ افراد کے نزدیک کتاب مقدس ہے۔

اسلام اور عربی زبان کے درمیان نسبت تلازم ہے

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ عربی زبان اور دین اسلامی دونوں کے پھولنے پھلنے میں ، چودہ سو سال سے مستقل اور مسلسل نسبت تلازم اور گہرا ارتباط رہا ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کی بڑی مساعدت کی ہے۔

اور دوسری حقیقت یہ بھی واضح اور ثابت ہے کہ دین اسلام اور عربی زبان دونوں میں سے ہر ایک کی ذاتی قوت اور استعداد ایسی ہے جو غلبہ و انتصار کی کفیل ہے۔

عربی زبان بذات خود ایک زندہ زبان ہے جس نے رسالت کا حق بہترین طریقے سے ادا کیا ہے اورابتدائی زمانوں میں جب ان معاشروں نے اس کو اپنی زبان کے طور پر اختیار کیا تو اس نے ان سب کی ضروریات و حاجات کو پورا کیا ، ان کے مطالب و مفادات ، ان کے مصائب و آلام ، ان کے علوم و آداب اور ان کے فنون کی تعبیریں مہیا کیں اور زندگی کے مسائل و معاملات میں جو کچھ بھی جدید سے جدید صورت پیش آئی ان کی تعبیر کرنے میں ہمیشہ مستعد رہی اورپہلے سے بھی زیادہ مستقبل کے ہر جدید علمی ضروریات ایجادات و اختراعات کے لیے اس کا دامن وسیع رہا ۔ استاد احمد عبدالغفور عطار نے اپنی کتاب " الفصحیٰ و العامیہ " میں اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے ، نیز عربی زبان انسانی زبانوں میں اپنی ثروت لفظی کے اعتبار سے بھی امیر ترین و غنی ترین زبان ہے ، امت کی تمام حسی و غیر حسی ، ظاہری و معنوی ضروریات و حاجات پر حاوی ہے ۔ یہ بات استاذ مصطفیٰ السقاء نے ڈاکٹرحسین نصار کی کتاب " المعجم العربی " کے مقدمے میں واضح کی ہے۔

عصر جاہلی کے آخری زمانوں سے عربوں نے اپنی زبان کے تحفظ کا بڑا اہتمام رکھا ہے اور اپنے ادبی ورثہ کی دل جمعی سے حفاظت کی۔کہا گیا ہے کہ " الشعر دیوان العرب " (شعر عربوں کا مستقل دفترہے) لیکن ان کا یہ اہتمام اور ان کا یہ اعتزاز و افتخار ، ظہور اسلام کے ساتھ اور زیادہ بڑھا کیونکہ اللہ عز و جل نے عربی زبان کو عطا کردہ دین کی زبان ، قرآن کی صورت میں ، سنت کی صورت میں ، عبادت کی تشریح کی صورت میں اختیار فرمایا جس کی تفصیل بعد میں آئے گی ۔ پھر اسی عربی زبان کا اہتمام اور اس پر فخر و افتخار کا جذبہ اور شدت سے زیادہ ہوا۔

تراث لغوی کے تحفظ کی کوششیں ہوئیں اور دخیل عجمی الفاظ سے اس کو پاک رکھنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو فتوحات اسلامیہ کے دوران یا اس کے بعد اندر آ گئے تھے ۔ ان کی صفائی کا کام بہت ہوا مگر یہ کام اس کارروائی سے بالکل جدا تھا جو یورپی استعمار نے عربی زبان کو مسمار کرنے کے لیے اس خیال کے ساتھ کی کہ یہ دین اسلامی کی زبان ہے اور اس کو برباد کرنے کی تدبیر اس دعوت کے ساتھ اور اس بھیس میں کرتا رہا کہ لہجات عامہ کو ، عامی لہجوں اور بولیوں کو تالیف و تصنیف اور کتاب و تحریر کی زبان بنایا جائے جیسا کہ برطانوی سیاستدان لارڈ ڈفرن نے مصر میں مطالبہ کیا تھا کہ تمام علوم کی تدوین عامی زبان میں ہو ، اور جیسا کہ فرانسیسی استعمار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسندوں نے الجزائر میں یہی چالیں اختیار کیں مگر یہ ساری چالیں اور یہ تمام استعماری تدبیریں اور ترکیبیں ناکامی و نامرادی سے دوچار ہوئیں جن کے بارے میں ہم گفتگو اس سے پہلے اسی بحث میں کر چکے ہیں۔

اور اب ہم اس گفتگو کی جانب منتقل ہوتے ہیں کہ عربی زبان کے پھیلاؤ میں کتنا اثر اسلام کا رہا ہے۔ یہاں ہم زبان و ادب کے بعض ائمہ کے اقوال مختصراً بیان کریں گے جن سے واضح ہو گا کہ عربیت کے ذریعے سے اسلام کے پھیلنے میں اور اسلام کے وسیلے سے عربیت کے پھیلنے میں کتنا بڑا تلازم اور کتنا ہی قوی تلازم ہے۔

مشہور امام اللغۃ " الازہری " سے ہم آغاز کرتے ہیں، وہ اپنی کتاب " تھذیب اللغۃ " کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ الحمد للہ .... اس نے ہم سب پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی وسیع چادر پھیلا دی ہے اور ہدایت فرمائی ہے۔ تدبر کرنے کی، اپنی تنزیل میں۔ تفکر سے کام لینے کی، اپنی آیات میں۔ ایمان لانے کی، اپنے محکمات و متشابہات پر۔ اور حقیقت کو تلاش کرنے کی، اپنے معنی و بیان میں اور تفحص و تفتیش سے کام لینے کی، اس عربی زبان میں۔ جس میں اس نے اپنی کتاب اتاری، اور ہدایت حاصل کرنے کا حکم دیا اس سے جو کچھ بصورت شرع و قانون اس کے اندر عطا کیا اور اپنی مخلوق کو اس کی جانب بلایا اور صراط مستقیم کی اس میں توضیح و تشریح کی۔ اور رہنمائی کی اس چیز کی طرف بھی جس کے ذریعے اس عصر کے لوگوں میں سے بہتوں پر ہم لوگوں کو لغات عرب کی معرفت میں فضیلت بخشی۔ یہ زبان عربی وہ ہے جس میں قرآن اترا اور محمد مصطفی نبی مرتضی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سنت وارد ہوئی۔

یہ التھذیب کے مقدمے کی عبارت ہے، زبان عربی کے مشہور اماموں میں سے ایک قلم کی نکلی ہوئی تا کہ ہم اس بنیادی و اساسی سبب کو نمایاں اور روشن کریں جو عربی زبان کی تدوین و تصحیح اور نشر و اشاعت کے اہتمام کا باعث ہوا۔ یاد رکھیے کہ وہ صرف " اسلام " تھا، اور صرف اسلام ہے۔ بصورت قرآن، بہ صورت سنت نبوی ﷺ، بہ صورت عبادت اور بہ صورت تشریع۔

اور خود قرآن مجید نے ..... ازہری اور ان کے جیسے علمائے لغت کے بیان سے پہلے .... عربی زبان کے لیے پورا اہتمام کرنے اور اس کے تراث علمی و ادبی کے موجب افتخار سمجھنے کے اصل بنیادی و اساسی سبب کو اور اس کی حقیقت کو نمایاں کر دیا تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اور عربوں پر اپنے احسان و کرم کا اظہار فرمایا ہے کہ ان کے اندر، انھیں میں سے اپنے رسول کو مبعوث کیا، ارشاد ہوا إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢﴾ "ہم نے اتارا ہے اس قرآن کو عربی کی صورت میں تا کہ تم لوگ سمجھ سے کام لو" اور فرمایا وَإِنَّهُۥ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُونَ ﴿٤٤﴾ "بلاشبہ یہ قرآن یاد دہانی ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور عنقریب آپ سب سے پوچھا جائے گا" (زخرف:44) اور فرمایا وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾ (النحل : 44) " اور ہم نے آپ کی طرف یاد دہانی اتاری ہے تا کہ اس چیز کو جو آپ کی طرف اتری ہے لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیجیے تاکہ وہ سب اس میں غور و فکر کریں۔"

لہٰذا قرآن کریم کا عربی زبان میں نازل ہونا جیسا کہ خود آیات قرآنی سے واضح ہے اس کی اہمیت اور افضلیت کی دلیل بھی ہے، اس کی تحریک کے اٹھنے کا باعث بھی ہے اور اپنے سب سے بڑے فضل اور سب سے نمایاں اثر کا حامل بھی ہے جو اس زبان کی نشر و اشاعت میں اور اس کو دوام بخشنے میں ظاہر ہے۔ نیز یہ زبان عربی، تمام زبانوں میں، بیان کے اعتبار سے بھی غنی ترین ہے اور برہان کے اعتبار سے بھی قوی ترین ہے۔ اسلام کی نشر و اشاعت میں اور اس کو لے کر آگے بڑھنے میں سرگرم معین و معاون وہ پہلے بھی رہی ہے، اور ہمیشہ رہے گی۔ اس بارے میں بطور دلیل اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ نے اپنے دین عام کے لیے جو آخری دین اسلام ہے اور جو ساری انسانیت کے لیے ہے اسی زبان کو اختیار کیا اور اس طرح خاص طور سے تمام عربوں پر اور عام طور سے تمام مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے۔

امام شافعی سے یہ قول مروی ہے کہ عربی زبان اپنی روش و رفتار کے اعتبار سے وسیع ترین اور الفاظ کے اعتبار سے کثیر ترین ہے، اس زبان کا جاننا عربوں کے نزدیک ویسا ہی ہے جیسا اہل فقہ کے نزدیک سنن کا جاننا۔

الازہری اپنے مقدمے میں کہتے ہیں کہ عربی زبان کا اتنا سیکھنا جو تنزیل ربانی سے وابستگی پیدا کرنے کے لیے کافی ہو عام مسلمانوں پر فرض ہے جو عامۃ الناس کی ضروریات دینی کے لیے کفایت کرے۔ زبان کا اور اس کے لغات کا وہ علم حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا جن کے ذریعے سے الکتاب یعنی قرآن مجید کے اندر جو کچھ بھی آیا ہے اس کا پورا عرفان ہو، پھر جو کچھ سنت میں ہے آثار میں ہے اور صحابہ و تابعین کے تفسیری اقوال میں غریب الفاظ کی بابت مذکور ہے، ان سب پر اچھی نظر ہو کیونکہ ان سے بے خبری ہو گی تو وہ گویا تمام علم الکتاب سے بے خبری ہو گی ...... الخ

پھر الازہری نے اپنی کتاب کی تالیف کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ ایک وہ نصیحت (بہی خواہی) ہے جو مسلمانوں کی جماعتوں کی طرف سے اہل علم پر واجب ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد " الدین النصیحۃ " میں بصورت رہنمائی وارد ہے (حضور ﷺ نے یہ جہت ذہنی و علمی عطا کی ہے کہ " دین سراپا بہی خواہی ہے ") یعنی ان کے دین نے ان کو مجبور کیا کہ عربی زبان کے بارے میں یہ کتاب لکھیں تا کہ لوگوں کو جو ضرورت اس ضمن میں ہے وہ پوری ہو ، ان کو فائدہ پہنچے اور اس عربی زبان کا دفاع بھی ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور جس میں سنن و آثار وارد ہوئے ہیں۔

اور استاذ العقاد رحمۃ اللہ ، استاذ العطار کی کتاب " الصحاح " کے مقدمے میں کہتے ہیں کہ " یہ بات بہت کہی گئی ہے کہ عربی زبان اس لیے باقی ہے کہ وہ قرآن کی زبان ہے ، یہ بات تو صحیح ہے اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے لیکن قرآن کریم نے اس زبان کو باقی اس لیے رکھا کہ اسلام پوری انسانیت کا دین ہے ۔ یہ دین وہ نہیں ہے جو کسی خاص شعب یا قبیلے تک محدود و مقصود ہو ۔ عبرانی مر گئی یہ بھی مذہبی تھی یا اس کی زبان تھی جس کی قوم اس دین و مذہب کی حامل تھی ۔ عبرانی زبان صرف اس وجہ سے مری کہ اس کی وہ مرونت مفقود ہو گئی جو اس کو انسانیت کی زبان بناتی اور تنگ نظری و عصبیت کے دائرے سے اس کو نکالتی جہاں اس کے فرزندوں نے اس کو پہنچا دیا ہے .....

پھر استاذ عقاد نے مزید کہا ہے کہ فضیلت انسانی یہ ہے جو نہ تو عربی و عجمی کے درمیان فرق پیدا کرے اور نہ قریشی اور نہ حبشی کے درمیان ، اور یہی فضیلت تھی جس نے عجم کے بیشار لوگوں کو اس زبان کی خدمت پر ابھارا اور اٹھایا جو اپنی عجمیت کے گوشوں سے نکلے ، اور اس پر غور و فکر کیا اور اس کی تہہ میں اترے ، یعنی وہ اپنی مادری و پدری زبانوں کے احاطے سے نکل کر آگے بڑھے کیونکہ یہ قرآن کریم اور کتاب اسلام کے ذریعے ان کی اپنی زبان تھی ، ان کے اور تمام مومنین کے درمیان مساوی درجے کی حامل۔

عربی زبان باقی رہے گی جب تک اس کے انصار و مددگار چاہیں گے کہ باقی رہے ، ہمارے اس عصر حاضر میں اس کے انصار و اعوان ختم نہیں ہوئے ہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بفضل خدا ان میں اضافہ ہو رہا ہے ، وہ سب ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہیں اور مختلف ممالک کے لوگ اس زبان کی خدمت و استحکام کے کام مل جل کر کر رہے ہیں ، وہ اپنے اپنے ممالک کے محل وقوع کے لحاظ سے مختلف سہی لیکن ضمائر " مضمرات اور النسہ (زبانوں) اور افکار کے مقاصد کے لحاظ سے متفق ہیں۔"

العقاد کی مراد اس سے یہ ہے کہ اسلام کا " انسانی " ہونا اور حکمتوں کی حامل تشریع اسلامی کا " عالمی " ہونا وہ چیز ہے جس نے عربی زبان کے پھیلاؤ میں مدد پہنچائی ہے یعنی اس زبان کو جو زبان ہے القرآن کی ، اس القرآن کی جس نے تمام مومنین میں ضمائر و النسہ و افکار کے مقصد و مراد کو پا لیا ہے خواہ وہ مومنین کہیں کے بھی ہوں اور ان کے ممالک دنیا کے کسی حصے میں واقع ہوں ، اور ڈاکٹر حسین نصار نے اپنی کتاب " المعجم العربی " میں لکھا ہے کہ عربی زبان دولت امویہ کی روانی کے سبب رواں دواں نہیں ہوئی یہ سارا فضل و کرم قرآن کریم کا ہے جس نے عربی زبان کو تقدس و جلال کے ہالے میں رکھ چھوڑا ہے اس کی وجہ سے ہر مسلمان اس کی خدمت میں یکساں غرق رہا خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کسی قومیت و نسل سے بھی تعلق رکھتا ہو اور اس کی اپنی زبان کوئی سی بھی ہو ۔ یوں یہ زبان زندہ سے زندہ تر ہوتی رہی اور لغوی قوم بہ قوم زبانیں اس سے متوارث ہوتی رہیں اور وہ براہ راست واسطہ و سبب جس کی بناء پر لغوی مطالعات و دراسات کا ظہور ہوا وہ دراسات دینی سے اس کا تعلق و ارتباط اور اس کی نشو و نما میں اس کا اتحاد ہے ۔ قرآن مجید عربی زبان کی سب سے بڑی کتاب ہے جو رسول عربی ﷺ پر اتاری گئی تا کہ وہ اپنی قوم کو سبیل رشاد کی جانب دعوت دیں ، تو یہ کتاب فطرتاً اسی قوم کی زبان میں تھی اور انہیں کے اسالیب کلام میں اس کا ہونا لازمی تھا۔

رسول اللہ ﷺ مرجع تھے تفسیر قرآن کا ۔ ان کے بعد صحابہ کرام مراجع ہوئے ، پھر وہ پہلی تحریک علمی مسلمانوں کے سامنے آئی جو ایک مختصر مدت میں ان تمام علوم پر حاوی اور ہمہ گیر ہو گئی جن سے عالم قدیم آشنا تھا ۔ قرآن سے متصل اول ظہور ان کتابوں کا ہوا جو " غریب القرآن " سے متعلق تھیں ، پھر ان کتابوں کا جو " غریب الحدیث " سے تعلق رکھتی تھی اور آخر الظواہر میں وہ چیزیں تھیں جن سے دراسات لغویہ کا پھیلاؤ ہوا ، ان کی تدوین علمی ہوتی اور بڑے بڑے علوم عربیہ ، اموی دور کے اواخر میں اور عباسی دور کے اوائل میں وضع ہوئے جیسے علوم القرآن ، علوم الحدیث ، الفقہ الاصول ، النحو ، ریاضی اور منطق اور فلسفہ اور کلام وغیرہ ......

ہم یہاں انہیں آراء اور نظریات پر اکتفاء کریں گے جو زبان و ادب کے بارے میں زمانہ قدیم اور زمانہ جدید کے ائمہ کے ہیں اور یہی حجت ہیں اس بات پر کہ اسلام کے پھیلاؤ میں عربی زبان کا ، عربی زبان کے پھیلاؤ میں اسلام کا ارتباط و تلازم کس قدر ہے اس لیے کہ عربی زبان اسلام ہی کی لسان مبین ہے اور اسلام اس زبان کا نہایت ہی سرسبز و شاداب چمن ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منشی عبد الرحمن حنان

یہودیوں کی ذلت اور حکومت

قرآن کریم کی روشنی میں

ایک اہم سوال

جب سے یہود کی نئی مملکت قائم ہوئی ہے۔ اور اس کی توسیع و ترقی کا سلسلہ چلا ہے۔ تب سے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال بار بار ابھر کر آتا ہے کہ یہودیوں کی قسمت میں تو قیامت تک کے لیے ذلت و خواری رکھ دی گئی تھی اور مسلمانوں سے قدم قدم پر فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کو دولت، امارات، سلطنت اور حکومت مل گئی ہے اور وہ ہر میدان میں مسلمانوں پر غلبہ پا رہے ہیں؟ اور ان کی مغضوبیت محبوبیت میں بدل رہی ہے اور جو محبوب تھے وہ مغضوب ہو رہے ہیں؟ کیا یہ صورت حال قرآن کریم کے اعلانات کے متضاد نہیں ہے؟

یہ سوال جتنا بظاہر اہم ہے۔ بہ نظر قرآن اتنا بے جا، روح قرآن کے منافی اور محض خوش فہمی پر مبنی ہے۔ مسلمانوں کو چونکہ مضامین قرآن پر نظر رکھنے اور ان پر غور و فکر کرنے کی عادت نہیں۔ اس لیے وہ اکثر روایات کو قرآن کریم کی آیات تصور کر کے غلط تاثر قائم کر لیتے ہیں اور جب کوئی واقعہ اس تاثر کے خلاف پیش آتا ہے تو اس وقت یہ پریشان ہونے لگتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟

جہاں تک ارشاداتِ قرآن کا تعلق ہے۔ چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی شاہد عدل ہے کہ آج تک کوئی بات قرآن کریم کے فرمودات کے خلاف واقع نہیں ہوئی، اگر بالفرض کوئی ایسی بات ہو بھی گئی ہو تو پھر سوچنا چاہیے کہ وہ قادر مطلق ہے ارحم الراحمین ہے، غفور و رحیم ہے۔ ہر طرح با اختیار ہے کہ جس وقت جو چاہے۔ سو کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مگر وہ جو کرتا ہے سنت اللہ کے مطابق کرتا ہے اور اپنے کلام کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ پریشانی محض اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس عالم الغیب کی نظر جتنی عمیق ترین، دقیق ترین اور خفیف ہوتی ہے۔ وہاں تک ہماری عقل و فکر کی رسائی نہیں ہوتی۔ اس لیے عدم واقفیت عدم رسائی،اور عدم فہمی کی وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں پریشانی بھی محض اسی وجہ سے ہے۔

بنی اسرائیل کی فضیلت

توریت، انجیل اور قرآن مجید نے جس حد تک بنی اسرائیل کی تاریخ پیش کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی بنی اسرائیل کی قوم ہی دنیا کی افضل ترین قوم تھی اور یہ فضیلت اس کے سوا دنیا کی کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہود صرف دنیا ہی میں افضل ترین قوم نہ تھی۔ عند اللہ بھی یہ محبوب ترین قوم تھی۔ اسی لیے قرآن کریم میں جتنی کثرت سے اس قوم کا ذکر ملتا ہے کسی اور قوم کا اتنا ذکر نہیں ملتا۔ یہ ذکر اکائیوں اور دہائیوں میں نہیں سینکڑوں میں ہے۔ کہیں بنی اسرائیل کے نام سے، کہیں اہل کتاب کے نام سے، کہیں آلِ عمران، آل یعقوب، آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے نام سے کہیں یہود کے نام سے اور کہیں ہادو کے الفاظ ہیں اور یہ ذکر صرف ان کی مغضوبیت تک محدود نہیں ان کی فضیلت کا بھی حامل ہے۔ مگر ان کی یہ اہمیت فضیلت، یہ فوقیت، دولت، امارات، حکومت کی بناء پر نہیں تھی، بلکہ خدائے واحد کی وحدانیت پر ایمان کامل رکھنے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرنے کی وجہ سے تھی۔ اس قوم نے عین اس زمانے میں توحید کا چراغ روشن اور اس کا علم بلند رکھا۔ جب دنیا میں ہر طرف کفر و شرک کی تیز اور تند آندھیاں چل رہی تھیں اور مفاد پرستی، بت پرستی اور مظاہر پرستی کا دور دورہ تھا۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا نے بڑے فخر کے ساتھ اپنے اسلاف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"بنی اسرائیل پر خاص فرض عائد ہوا تھا کہ توحید باری تعالیٰ کی دعوت دیتے رہیں، اور آفتاب پرستی، مہتاب پرستی اور کوکب پرستی کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔" (جلد دوم، ص 5)

گویا ان کے پسندیدہ کارنامے دو ہی تھے: (1) توحید کی تبلیغ اور (2) شرک کے خلاف جہاد! انہی دو باتوں کی ہر الہامی کتاب نے تاکید کی ہے۔ ہر نبی اور پیغمبر نے تعلیم دی۔ کیونکہ یہی دو چیزیں امن عالم کے احیاء و بقاء کی ضامن ہیں، ہسٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد 2 ص 3 سے پتہ چلتا ہے کہ

"دین توحید کی بنیاد ہی بنی اسرائیل میں پڑی۔"

اسی توحید پرستی کی وجہ سے یہ قوم عند اللہ محبوب اور عند الناس مقبول تھی۔ اس قرب الٰہی اور تعلق باللہ کی وجہ سے بنی اسرائیل میں انبیاء و رسل کا سلسلہ مسلسل چلتا رہا۔ اس پر ہر قسم کی روحانی اور مادی نعمتوں کی بارش ہوتی رہی جس کا ذکر حق تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٤٧﴾ (البقرۃ:47)

"اے بنی اسرائیل! میرا وہ انعام یاد کرو، جو میں نے تم پر کیا ہے اور تمہیں دنیا جہاں والوں پر فضیلت بخشی۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنی اسرائیل کی مغضوبیت

ان سب خوبیوں کے باوجود یہ قوم شیطان کے شر سے نہ بچ سکی اور یہ توحید کا دامن چھوڑ کر شرک کی دلدل میں پھنس گئی ۔ اس فخر و غرور میں کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اور مقرب الی اللہ ہیں ۔ یہودیوں نے احکام خداوندی کی نا فرمانی شروع کر دی ۔ حدود شریعت کو توڑنا شروع کر دیا اور پیغمبروں کو موت کے گھاٹ اتارنے لگے جس کا ذکر انجیل مقدس میں یہودیوں کے نبی عزقیل کی زبانی ان لفاظ میں ملتا ہے :

" مجھ کو وحی ہوئی ہے ۔ کہ اے ابن آدم ! جب بنی اسرائیل اپنے ملک میں رہتے تھے تو انہوں نے زمین کو اپنے اعمال اور افعال سے ناپاک کر دیا تھا ۔ ان کا طور طریقہ ایسا ہوتا تھا ۔ جیسے ایک آوارہ عورت کی قبیح حرکات ہوتی ہوں ۔ ہم نے اپنا غصہ اور عذاب نازل کیا ۔ خاص کر خون کی بناء پر جو انہوں نے اس سر زمین پر بہایا تھا اور ان اصنام کی وجہ سے ، جن کی پوجا سے انہوں نے اس خطہ ارض کو بلند کیا تھا ۔ ہم نے ان لوگوں کو مختلف اقوام میں منتشر کر دیا ۔ اور یہ دور دراز ملکوں میں بکھر گئے ۔ (عزقیل ، 35 : 16 : 36)

قرآن کریم نے اس واقعہ کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے :

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾ (البقرۃ:61)

" ان یہودیوں پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گی ہے اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے ۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے انکار کرتے رہتے تھے ۔ انبیاء کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے ۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ نا فرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ۔ گویا قرآن کریم کے الفاظ میں اس محبوب قوم پر رضا الٰہی کے دروازے اس لیے بند کیے گئے کہ

1 اسی کے ہاتھ یسعیا نبی ، زکریا نبی ، یحیٰی نبی قتل ہوئے تھے ۔ ان کے علاوہ انہوں نے اپنی دانست میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل ہی کیا تھا۔

2 احکام خداوندی کی نا فرمانی۔

3 حدود شریعت سے تجاوز۔

یہودیوں کے سوا جتنی قوموں کا قرآن کریم میں زیر عذاب آنے کا ذکر ملتا ہے سب کا یہی جرم تھا کہ وہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کرتی تھیں اور شرعی حدود توڑ دیتی تھیں ۔ انہیں ایسے عذاب دیے گئے کہ وہ اسی وقت تباہ و برباد کر دیئے گئے ۔ یہودیوں کی طرح کسی قوم کو در بدر ، قریہ بہ قریہ ، ملک بہ ملک ذلیل و خوار نہیں کیا گیا ۔ کیونکہ کوئی اور قوم قتل انبیاء کی مرتکب نہ ہوئی تھی ۔ یہودیوں سے چونکہ اپنی نوعیت کا سنگین جرم سرزد ہوا ۔ غالباً اسی وجہ سے ان کے حصہ میں قیامت تک لیے ذلت و رسوائی آئی۔

خدا دشمنی کا آغاز

طلوع اسلام سے قبل یہودی سر زمین عرب میں آباد تھے زراعت اور صنعت و حرفت پر ان کا قبضہ تھا ۔ یہ ہر ممکن طریق سے عربوں کو زیر اثر رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے ۔ توریت اور انجیل میں چونکہ نبی آخر الزماں کی آمد کی خبریں اور نشانیاں آ چکی تھیں یہودیوں کو اپنی انتہائی نا فرمانیوں اور بد کرداریوں کے باوجود یقین تھا کہ جس طرح سابق انبیاء بنی اسرائیل سے پیدا ہوتے چلے آتے ہیں ۔ نبی آخر الزماں بھی ان ہی میں سے پیدا ہو گا اور نبوت و ہدایت کا موروثی اعزاز انہی کے حصہ میں آئے گا ۔ اس لیے یہ اپنی برتری جتانے کے لیے بڑی دلچسپی سے عربوں کو نبی آخر الزماں کی آمد کی خبریں سناتے تھے اور ان کی نشانیاں بتلاتے رہتے تھے ۔ جس کی وجہ سے اکثر عرب قبائل حضور نبی کریم ﷺ کی آمد کے مشتاق و منتظر تھے لیکن جس وقت مدینہ میں جہاں یہودیوں کی اکثریت تھی ۔ بعثت نبوی کی خبر پہنچی اور انہیں پتہ چلا کہ تاج نبوت اور اعزاز نبوت سے بنی اسرائیل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا گیا ہے اور نبی آخر الزماں (ﷺ) بنی اسماعیل میں پیدا کیے گئے ہیں ۔ تو اس سلسلے میں ان کی ساری دلچسپی ، دشمنی میں بدل گئی اور انہوں نے مغرور متکبر نا فرمان شیطان کی طرح عہد کیا کہ وہ قرآن اور صاحب قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور جب تک زندہ رہیں گے مسلمانوں کو دین حق سے برگشتہ کرتے رہیں گے ۔ جس کی خبر قرآن کریم مسلمانوں کو ان الفاظ میں دی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾ (النساء:44)

" تم نے نہیں دیکھا کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا ۔ وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو جاؤ ۔"

غیر مسلموں کا نظریہ

یہ اسی گمراہی کا نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے شیطان کی طرح اسلام کی خفیہ اور اعلانیہ مخالفت شروع کر دی ۔ اس سلسلہ میں اگرچہ یہودیوں کو ہر میدان میں ناکامی ہوئی اور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکستیں کھانی پڑیں ۔ مگر مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کے تقاضوں کے تحت فاتح ہونے کے باوجود شکست خوردہ یہودیوں اور عیسائیوں سے انتہائی شرافت ، اخلاق ، مروت ، رواداری اور ہمدردی کا سلوک کیا ۔ مگر اس کے جواب میں انہوں نے ہمیشہ خباثت ، بد اخلاقی ، بے مروتی ، خود غرضی اور احسان فراموشی کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثبوت دیا۔ جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر صدمہ پہنچا۔ تو دلوں کے خفیہ بھید جاننے والے مولا کریم نے ان کے خفیہ منصوبہ کا یوں راز یوں طشت ازبام کر دیا کہ

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ (البقرۃ:120)

" یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز خوش نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ آپ کے مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں۔"

ملت کے معنی مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ جیسے ملت ابراہیم یا ملت یہود! کفر خواہ کسی قسم اور کسی نوع کا ہو۔ ایک ہی ملت کے حکم میں ہے: " ان الکفر کلہ ملۃ واحدۃ " اس لیے کمیونسٹ، ہنود، یہود اور نصاریٰ سب کے سب اسلام کے مقابلہ میں ملت واحد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے نظریاتی اختلافات کے باوجود خدا دشمنی، اسلام دشمنی اور مسلم کشی میں ہم مسلک و ہم مشرب ہیں۔ یہ مسلمانوں سے اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے۔ جب تک مسلمان ان کی تہذیب و تمدن اور ان کے عقائد و نظریات کو اپنا نہ لیں۔یہی وجہ ہے کہ

1 ہندوستان کے ہندؤں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ آئے دن ان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ ان کی جائیدادیں نذر آتش کی جا رہی ہیں۔ جبر و تشدد کے ذریعے انہیں ہندو بننے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور جب تک کوئی مسلمان ہندو نہ بن جائے، ہندو اس سے خوش نہیں ہوتے۔

2 جن ممالک میں عیسائیوں کی حکومت ہے، وہاں بھی مسلمان کم و بیش ایسے ہی حالات سے دو چار ہیں۔ انہیں عیسائیت قبول کرنے کے لیے طرح طرح کے مصائب اور مشکلات کا شکار بنایا جاتا ہے اور جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ وہاں عیسائی خود پہنچ کر رفاہی اداروں کی آڑ میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسلامی ممالک کے اندر عیسائیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔

3 کمیونسٹ ممالک کے اندر مسلمانوں کی حالت اور بھی ابتر ہے۔ انہیں وہاں کسی قسم کی مذہبی آزادی حاصل نہیں۔ یہاں تک ان کی مساجد تک کو مقفل رکھا جاتا ہے اور جب کبھی وہاں سے کسی اسلامی وفد کا گزر ہوتا ہے۔ تو صرف ان کی آمد پر ان کے تالے کھول دیے جاتے ہیں۔ وہاں کی تعلیم، تبلیغ، اور تربیت چونکہ سراپا لا دینی ہے۔ اس لیے ان ممالک کی مسلمان نسل نو تو خود بخود بے دین بن رہی ہے اور آثار قدیمہ کے طور پر وہاں جو گنتی کے چند مسلمان باقی رہ گئے ہیں۔ انہیں مختلف طریقوں سے ختم کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ان کی سر زمین پر خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے۔

4 جو اسلامی ممالک سامراجی تسلط سے آزاد ہو چکے ہیں۔ وہ دگنا عذاب میں مبتلا ہیں۔ امریکی یورپی قومیں ان کے درمیان منافرت پھیلانے۔ اس خلیج کو وسیع کرنے میں شب و روز لگی رہتی ہیں اور اقتصادی امداد اور فوجی معاہدوں کے ذریعے انہیں مغلوب اور مفلوج بنانے کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔ اشتراکی طاقتیں یا حکومتیں اپنے ذرائع و وسائل کے ذریعہ وہاں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور سوشلزم پھیلانے کے لیے فضاء ساز گار کرتی رہتی ہیں۔ ان حقائق کے باوجود مسلمان پھر بھی انہیں اپنا حلیف، ہمدرد، معاون اور مدد گار، دوست اور مونس سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم نے کھلے لفظوں میں بتلا دیا ہے کہ یہ غیر مسلم تمہارے کبھی دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تو اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ خدا کی طرف سے مسلمانوں کے لیے کوئی خیر و برکت نازل ہو۔ یا انہیں دینوی یا اخروی صلاح و فلاح پہنچے۔

مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ (البقرۃ:105)

" ان اہل کتاب میں سے یا مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہیں۔ وہ ذرا بھی اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہو۔"

غیر مسلموں کی سرشت

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے باخبر رکھنے کے لیے صرف مذکورہ بالا قرآنی اعلانات پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان کی سرشت کو بھی بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے کہ لوگ غداری بے وفائی، نافرمانی، سرکشی اور عہد شکنی کے عادی ہیں۔ اس لیے ان کے وعدہ پر حتی الوسع اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

أَوَكُلَّمَا عَٰهَدُوا۟ عَهْدًا نَّبَذَهُۥ فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ (البقرۃ:100)

" یہ کیا ہے؟ کہ انہوں نے جب کبھی کوئی عہد کیا ہے۔ تو انہی میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے اس کو توڑ ہی پھینکا ہے۔"

اور اس کے مقابلہ میں قرآن کریم نے اصرار کیا ہے کہ تمہیں کفار، ہنود، نصاریٰ یا کمیونسٹوں کے وعدہ پر اعتبار کرنے کی بجائے خدا کے وعدوں پر یقین کرنا چاہیے۔کیونکہ:

لَا يُخْلِفُ ٱللَّهُ وَعْدَهُۥ (الروم:6)

" اللہ تعالیٰ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

وَعْدَ ٱللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾ (النساء:122)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کون سچا ہو سکتا ہے ۔"

اللہ کے وعدوں کو نظر انداز کر کے غیر اللہ کے وعدوں پر اعتماد کرنا جو صرف خدا کے منکر ہی نہیں خدا کے دشمن بھی ہیں ۔ خود فریبی نہیں تو کیا ہے ؟ ان سے مسلمانوں کی مدد کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے۔

اگر یہ لوگ کسی وقت یا کسی شکل میں مسلمانوں کی طرف دست اعانت و تعاون بڑھاتے بھی ہیں تو وہ ازراہ خیر خواہی ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے تحت ان کی اپنی ذاتی اغراض اور سیاسی مفادات ہوتے ہیں اور اگر وہ پورے ہوتے دکھائی نہیں دیتے ۔ تو وہ فی الفور طوطا چشمی اختیار کر لیتے ہیں ۔ جس کا مظاہرہ امریکہ نے ہند و پاکستان کی جنگ میں اور روس نے یہودیوں اور عربوں کی جنگ میں کیا ہے۔

کفار دوستی

اس لیے حق باری تعالیٰ نے ایک نص قطعی کے ذریعہ اسباب کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی ہے کہ خدا کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ یہ خدا دشمنی ہے۔جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَٱلْكُفَّارَ أَوْلِيَآءَ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ (المائدۃ:57)

" اے ایمان والو ! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے ۔ وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے اور ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ ! اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو ۔"

اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ اور کفار سے مراد ہندو اور کمیونسٹ ہیں ۔ ان کا کام اسلام کا مذاق اڑانا ، مسلمانوں کی نظروں میں اس کی اہمیت گرانا ، اپنے مذہب ، عقیدہ ، تہذیب اور تمدن کو بڑھانا اور مسلمانوں کے دلوں سے کفر کی نفرت کو نکالنا ہے ۔ تا کہ وہ اس کی طرف راغب اور اس سے مانوس ہو جائیں ۔ اس غرض کے لیے وہ ان کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں ۔ دوستی بڑھاتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ کیونکہ ان کا مقصد حیات ہی خدا کے نام لیواؤں کو خدا کا منکر بنانا اور انہیں ان کے دین سے منحرف کرنا ہے۔

" وَلَا يَزَالُونَ يُقَٰتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ ٱسْتَطَٰعُوا۟ ۚ (البقرۃ:217)

" کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر قابو پائیں تو تم کو تمہارے دین سے ہی منحرف کر دیں ۔"

چنانچہ اسی غرض کے لیے انہوں نے لا دینی اور فحش لٹریچر تعلیمی اداروں ایمان اور حیاء سوز فلموں کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ اسلام کے خلاف نفرت اور کفر و شرک کے ساتھ محبت پیدا کر دی ہے ۔ جس کی وجہ سے مسلمان اعلانیہ اور فخریہ ان کی طرح سود کھانے سود کھانے ،رشوت لینے ، شراب پینے ، زنا کرنے اور جوا کھیلنے کو اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں ، ان کی زبان بولنے میں عزت اور ان کا لباس پہننے میں فخر محسوس کرتے ہیں ۔ اسلامی شعار چھوڑ کر ان کی تہذیب و تمدن پر فریفتہ رہتے ہیں ۔ ایسے مسلمانوں کے متعلق قرآن کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو قولاً فعلاً ہنود ، یہود ، نصاریٰ اور کیونسٹوں کے دوست ہوں گے حق باری تعالیٰ ان ہی میں داخل اور شامل سمجھے گا اور انہیں میں ان کا شمار کرے گا ۔ اس دوستی تعاون اور موالات کی بدولت وہ ان سے اپنا رشتہ توڑے گا اور ان پر عزت و بصیرت کے دروازے بند کر کے انہیں ذلت و نکبت کے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ (المائدۃ:51)

" اے ایمان والو ! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔ اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا ۔ وہ انہی میں شمار ہو گا ۔"

لَّا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ ٱللَّهِ فِى شَىْءٍ (آل عمران:28)

" مومنوں نہ چاہیے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو اپنا دوست بنائیں ۔ تو جس نے ایسا کیا تو پھر خدا کے ساتھ اس کا کوئی سروکار نہیں۔"

مسلمانوں کے خلاف منصوبے

یہودی اگرچہ بغض و عناد اور حسد کی وجہ سے قرآن کریم اور اسلام پر ایمان نہ لائے ۔ مگر انہوں نے اسے اپنی کتاب کا مصداق پا کر اس کی ان باتوں کو اپنانا شروع کر دیا ۔ جن کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو ضعف اور نقصان پہنچایا جا سکتا تھا ۔ مثلاً انہوں نے قرآن کریم میں پڑھا کہ یہ اپنے ماننے والوں کے لیے تو رحمت : " و رحمۃ المؤمنین " اور نہ ماننے والوں کے لیے زحمت ہے :" و لا یزید الظالمین الا خسارا " (بنی اسرائیل:82) تو یہودی مسلمانوں کو قرآن کے ذریعے ہی مغضوب بنانے کے لیے اس امر کے درپے رہے کہ

1 جس طرح بھی ممکن ہو ۔ انہیں ان بری عادتوں کا عادی بنایا جائے جن سے قرآن نے ان کو منع کیا ہے اور ان اچھے کاموں کے کرنے سے باز رکھا جائے ۔ جن کو اختیار کرنے کا قرآن نے حکم دیا ہے۔

2 مسلمانوں کو اپنا دوست بنا کر ان کے دل سے خدا اور رسول کی محبت اور کفر و شرک سے نفرت نکالی جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3 مسلمان کو اپنی عادات اپنی روایات اور اپنی تہذیب و تمدن کا گرویدہ بنایا جائے تاکہ یہ بھی ان طرح مغضوب ہو جائیں اور قرآن کریم کے اعلان کے مطابق عند اللہ مسلمانوں کا بھی شمار انہیں میں ہونے لگے۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے کتنے پاپڑ بیلے، ان کی تفصیل کے لیے مستقل دفتر کی ضرورت ہے ۔ البتہ جن اصولوں پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ تحریک چلائی گئی ہے۔وہ یہ تھے

1 خدا اور انسان کا تعلق منقطع کرنے کے لیے یہودیوں نے کمیونزم کی بنیاد رکھی اور اس کے ذریعے یہ عالمگیر تحریک چلائی کہ خدا کا سرے سے وجود ہی نہیں ۔ اس تحریک کے ذریعے خدا کو خود اس " گھر " سے نکالنے کے لیے عرب حکمرانوں کو سوشلزم کا گرویدہ بنایا تاکہ جہاں سے " آفتاب " اسلام طلوع ہوا تھا ۔ وہیں سے اس کا غروب شروع ہو جائے اور خدا کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے ان میں اسلام کے خلاف اتنی کثرت سے لا دینی لٹریچر پھیلایا کہ خود مسلمانوں کے اندر کیمونزم اور سوشلزم کے پرستار پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

2 تعلق باللہ منقطع کرنے کے لیے انہوں بلطائف الحیل مسلمانوں کے دل و دماغ سے قرآن کریم کا یہ بنیادی تقاضا محو کرا دیا کہ خدا نے انسان کو انی جاعل في الارض خلیفة کے اعلان کے تحت اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ تسخیر کائنات کا فریضہ ادا کرنے کے لیے خدائی احکامات کے مطابق نظام زندگی چلائے ۔ اس کی بجائے انہوں نے مسلمانوں کے ذہنوں میں عالموں ، واعظوں ، مبلغوں کے ذریعہ یہ بات بٹھا دی کہ وہ تو " و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون " کے تحت صرف عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ۔ دنیا سے ان کا کوئی سروکار نہیں ۔ اس طرح انہیں رہبانیت کی راہ پر لگا کر ، اخلاق ، معاشرت ، معاملات وغیرہ میں احکامات قرآنی پر چلنے سے روک دیا گیا۔

3 تعلق باللہ کا تیسرا سب سے بڑا ذریعہ جہاد تھا ۔ جس کی بدولت مسلمان دنیا پر حکمران رہے ۔ مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے کے لیے انگریزوں نے ہندوستان پر حکمرانی کے دور میں اپنے ایک خود کاشتہ ، خود ساختہ پرداختہ نبی کے ذریعہ صدیوں سے بند شدہ نبوت کا دروازہ کھلوایا اور اس سے یہ فتویٰ جاری کرا دیا کہ اس آزادی کے زمانے میں جہاد کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ایک دوسرے سے دوستانہ روابط قائم کرنے اور تعلقات بڑھانے کا دور ہے اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے دل و دماغ سے جہاد کا تصور نکال کر ان کے ہاتھ سے تیغ و تفنگ چھین لی اور طاؤس و رباب دے دیے تاکہ اس کی روحانی نہ سہی نفسانی تسکین کا سامان تو ہوتا رہے۔

4 مسلمانوں کو غلام ، مغلوب و مفلوج بنانے کے لیے ان میں یہ غلط تاثر پیدا کر دیا گیا کہ سائنسی دور کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی سے ہوا ہے جس کا قرآن مخالف ہے ۔ حالانکہ سائنسی علوم کا آغاز تو نزول قرآن کے وقت سے ہو چکا تھا ۔ جو دنیا کو تسخیر کائنات کے لیے انظروا ، تفکروا ، تدبروا کے سائنسی اصولوں کی طرف توجہ دلا رہا تھا ۔ انہیں انسانیت ، حیوانیات ، معدنیات ، حیاتیات ، طبیعات ، برقیات ، فلکیات ، ارضیات ایسے سائنسی علوم کے تذکرے سنا رہا تھا ۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو سائنس کے میدان سے بے دخل کرکے آرٹ کے میدان میں دھکیل دیا اور خود سائنس کے میدان پر قبضہ کر کے اسلحہ سازی اور اسلحہ فروش کے اجارہ دار بن گئے ۔ اس طرح جہاد کا جذبہ مٹانے کے بعد جہاد کا سامان ہی ان کے پاس نہ رہنے دیا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ہر لحاظ سے نہتے ہو چکے ہیں ۔ ان کے دلوں میں نہ قرآن رہا ہے اور نہ ان کے ہاتھوں میں تلوار رہی ہے اور یہ اپنی نا فرمانیوں ، سرکشیوں ، بد اعمالیوں کی وجہ سے اسی سطح پر پہنچ گئے ہیں جس سطح پر پہنچ کر یہودی مغضوب ہوئے تھے تو اس وقت یورپ نے یہودیوں کے دلوں سے عیسائیوں کے خلاف نفرت دور کرنے کے لیے اپنی مذہبی کتب اور روایات کے خلاف یہ فتوئی صادر کر دیا کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں تھے اور عیسائی حکومتوں نے یہودیوں کی دامے ، درمے ، قدمے ، شخنے اعانت کر کے ان سے عربوں پر حملہ کرا دیا۔

سہ روزہ جنگ

یہودیوں نے عربوں کے خلاف جنگ اسی برق رفتاری سے جیتی ، جس برق رفتاری سے یہی عرب ، اسلام اور دین سے وابستگی کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں کو تاریخی شکستیں دیتے رہے اوائل جون 1967ء میں لڑی جانے والی جنگ اگرچہ کفر و اسلام کی جنگ نہ تھی ۔ یہودیوں اور عربوں کی جنگ تھی ۔ جو وطنیت اور قومیت کی بنیاد پر لڑی گئی مگر یہودیوں نے یہ جنگ گزشتہ جنگوں کی طرح اسرائیلی نقطہ نظر سے ، اسلام کے خلاف لڑی اور عربوں کو شکست دے کر مسلمانوں کو دنیا میں ایسا ذلیل و رسوا کیا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

مشرق وسطی میں جو خونیں ڈرامہ کھیلا گیا ۔ دشمنان اسلام اس کے لیے صدیوں سے زمین تیار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر رہے تھے اور ان کی دانست میں بمشکل اب اس کے لیے زمین تیار ہوئی تھی ۔ چنانچہ وہ ڈرامہ جو عنقریب پاکستان اور عالم اسلام میں کھیلا جانے والا ہے ۔ اس کی وہاں صرف ریہرسل کی گئی جس کا نتیجہ ان کے لیے خاطر خواہ اور حوصلہ افزا نکلا ۔

یہاں جو کچھ ہوا قرآن مجید کے بنیادی اصولوں کے مطابق ہوا ہے ۔ اس میں نہ یہودی کی کوئی رعائت کی گئی ہے ۔ نہ عربوں پر کوئی ظلم روا رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ۔ انسان خود ظالم ہے اور اس پر جو مصیبت آتی ہے ۔ وہ بالفاظ قرآن خود اس کے اپنے ہاتھ سے کمائی ہوئی ہوتی ہے ۔ خدا کی نظر میں نہ افراد کی کوئی اہمیت ہے اور نہ اقوام کی کوئی وقعت ہے ۔ اس کے نزدیک تو تمام تر اہمیت و وقعت اس دینی نظام کو حاصل ہے جس کے مطابق اس نے انسانوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اس لیے جو بھی اس کے ضابطہ حیات کے مطابق دانستہ یا نا دانستہ زندگی بسر کرے گا ۔ وہی عند اللہ معزز و مکرم ہو گا اور فتح و نصرت پائے گا اور جو اس کے احکامات کو بھلا دے گا۔اسے وہ بھی بھلا دے گا۔

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبۃ:67)

" چنانچہ حسن شاہ والی مراکش نے اس جنگ میں عربوں کی شکست کے اسباب کا صحیح تجزیہ کیا اور فرمایا ہے کہ

" ہماری اس تاریخی شکست کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم نے خدا سے رشتہ توڑ لیا ہے ۔ اس لیے خدا نے بھی ہم سے منہ موڑ لیا ہے ۔ اپنا رشتہ توڑ لیا ہے اور ہماری بد اعمالیوں ، ہماری غلط کاریوں ، ہمارے گناہوں اور ہمارے باہمی نفاق کی ہمیں سزا دی گئی ہے ۔"

اور مقطع کے بند کے طور پر اسرائیلی وزیر اعظم نے کہا کہ خدا نے ہماری توبہ کو قبول کر لیا ہے ۔ ہمارے گناہ معاف کر دیے ہیں ۔ اس لیے ہمیں فتح و نصرت سے نوازا گیا ہے۔

مسلمانوں کی خوش فہمی

خدا کے احکام اور قرآن پاک کے اصولوں سے انکار و انحراف کر کے ، محض مسلمان ہونے کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے امداد و نصرت کی توقع رکھنا پرلے درجے کی حماقت ہے حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس بات کا کہیں بھی وعدہ نہیں کیا کہ وہ مسلمانوں کو محض مسلمان کہلانے کی وجہ سے ، عمل صالح کیے بغیر ، دوسری قوموں پر غلبہ و تسلط یا فتح و نصرت بخشے گا ۔ قرآن کریم میں جہاں بھی مسلمانوں کے لیے کامیابی اور فتح یا امداد و اعانت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ایمان اور عمل کے ساتھ مشروط ہے ۔ غیر مشروط کہیں بھی نہیں کیا ۔جیسا کہ ان آیات کریمہ سے واضح ہے :

1-و الله العدة و الرسوله و للمؤمنين

" عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔"

2-و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنين

" تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔"

3-و لن يجعل الله للكافرين علي المؤمنين سبيلا

" اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غالب نہ کرے گا۔"

4-وعد الله الذين آمنوا منكم و عملوا الصلحت ليستخلفنهم في الارض

" تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور ٹھیک عمل کریں ۔ ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ ان کو زمین پر حکومت عطا کرے گا۔"

اور ان جیسی دوسری بے شمار آیات قرآنی کی رو سے ہر فتح ہر کامرانی اور ہر کامیابی کے لیے محض نام کا مسلمان ہونا کافی نہیں بلکہ صاحب ایمان و عمل ہونا بھی ایک شرط ہے ۔ مومنوں کی قرآن کریم نے مندرجہ ذیل نشانیاں بیان کی ہیں :

1 حق تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر یقین کامل رکھتے ہیں اور ان میں قطعاً شک نہیں کرتے (الحجرات)

2 . اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں (ایضاً)

3 اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں (الانفال)

4 جس قدر رزق انہیں عطا کیا جاتاہے ۔ اسی پر وہ قناعت کرتے ہیں ۔ یعنی رشوت یا دوسرے نا جائز ذرائع سے انحصار نہیں کرتے (ایضاً)

5 نماز پابندی وقت کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں (انفال) و (مومنون)

6 ہر نوع کی لغویات سے احتراز اور اجتناب کرتے ہیں اور پاک و صاف رہتے ہیں (مومنون)

7 اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی زنا کاری اور شہوت رانی کے قریب نہیں جاتے (ایضاً)

8 امانت میں خیانت نہیں کرتے (ایضاً)

9 اور اپنے قول و قرار سے منحرف نہیں ہوتے (ایضاً)

10 اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی مخلوق پر خرچ کرتے رہتے ہیں (البقرہ)

گویا ایمان کی تکمیل کے لیے صرف عبادات ہی کافی نہیں ہیں ۔ اخلاق ، معاشرت اور معاملات کا قرآن کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ بھی اجزائے دین ہیں اور قرآن پاک نے ان کی صحت پر بڑا زور دیا ہے ۔ اس لیے انسان صرف مسلمان کہلانے سے مومن نہیں بن جاتا ۔ اور نہ فتح و نصرت کا مستحق ہو جاتا ہے بلکہ مومن بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر ایمان کے تمام اجزا بکمالہ موجود ہوں اور اس کے اعمال

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ان کا اظہار ہو ۔ جب وہ سیدھے راستہ پر آ جائے گا تو پھر اسے کوئی خوف اور غم نہ ہو گا ۔ بلکہ دنیا خود اس سے خائف ہو گی اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گی ۔ ان حقائق کی روشنی میں ہر مسلمان اپنے گریبان میں جھانک کر بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ مومن ہے یا محض نام کا مسلمان ہے ۔ اگر قرآن پاک کی رو سے وہ مومن نہیں رہا تو پھر وہ فتح و نصرت کے خواب کیوں دیکھ رہا ہے ؟

مسئلہ جزا و سزا

حق باری تعالیٰ ظالم نہیں عادل ہے ۔ وہ " انی لا اضیع عمل عامل منکم " کے اصول کے تحت کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتے بلکہ " فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ۔ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ " کے ضابطہ کے تحت ذرہ برابر نیک کام کرنے والے کو بدلہ دیں گے اور رائی بھر برا کام کرنے والے کو برا بدلہ دیں گے ۔ جزا و سزا کے مسئلہ میں ہنود ، یہود ، نصاریٰ اور مسلمان کی کوئی قید نہیں اس کے اصول سب کے لیے یکساں ہیں ۔ فرق صرف زمان و مکان کا ہے ۔ کہ غیر مسلموں کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ اسی دنیا میں مل کے رہے گا اور آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہ ہو گا اور مسلمانوں کو دنیا آخرت دونوں جگہ جزا ملے گی ۔ اس اصول کی رعایت سے حق تعالیٰ نے یہودیوں کی ذلت و مسکنت کے ساتھ ہر جگہ یہ استثنیٰ بھی لگا دی کہ اگر ان میں سے کوئی بھی اچھا کام کرے گا تو وہ بھی ضرور اس کا اجر پائے گا کہ سنت اللہ یہی ہے اور یہ کسی کی خاطر بدلا نہیں کرتی " لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا"

قرآن کریم کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ بسا اوقات جزئیات کے ضمن میں بڑی بلاغت و حکمت کے ساتھ بڑے بڑے اہم کلیات بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیتا ہے ۔ قرآن کریم میں یہودیوں کی مسکنت و ذلت کا جہاں جہاں بھی ذکر آیا ہے ۔ وہیں اسی امر کی تشریح بھی کر دی گئی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اس کا اجر ملے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

(البقرۃ:62)

" البتہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ، اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے ۔ سو ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور ان کے لیے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اس آیت کریمہ میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ رحمت اور مغفرت کی راہیں ان سب کے لیے کھلی ہیں ۔ جو تائب ہو کر رجوع الی اللہ کر لیں سورہ آل عمران کی آیت نمبر 112 میں اس استثناء کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ

" اور ان پر ذلت چسپاں کر دی گئی ہے ۔ خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں ما سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو۔"

حبل من اللہ سے مراد ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اللہ کی طرف رجوع کر لیں اور اس کی پناہ میں آ جائیں اور حبل من الناس یہ ہے کہ کسی بڑی حکومت یا جماعت سے کوئی معاہدہ کر کے اس کی پناہ حاصل کر لیں متذکرہ بالا آیات کریمہ میں یہودیوں کو صرف ذلیل کرنے کا ذکر ہے ۔ مگر سورہ اعراف کی آیت نمبر 167 سے پتہ چلتا ہے کہ ذلت و رسوائی کے علاوہ ان پر ایک دوسرا عذاب بھی نازل ہوتا رہے گا ۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

" جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان یہودیوں پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھے گا ۔ جو انہیں شدید سزا میں مبتلا رکھے گا بے شک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے اور وہ بڑا مغفرت والا اور رحمت والا ہے۔"

عہد نبوی ہی میں یہودیوں پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ بعثت نبوی اور نزول قرآن کے بعد بھی اگر وہ اس پر ایمان نہ لاتے اور اپنی مسلسل گستاخیوں اور نا فرمانیوں پر مصر رہے تو قیامت تک وہ ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے اور ان پر کوئی نہ کوئی جابر قاہر شخص مسلط کیا جاتا رہے گا ۔ جو ان پر زمین کی وسعتیں تنگ کر دے گا اور وہ دنیا کے کسی خطہ میں انہیں سکون و اطمینان کے ساتھ نہ رہنے دے گا ۔ جیسے ہٹلر نے جرمنی میں یہودیوں کو ناک چنے چبوائے یا اس سے پہلے دوسرے لوگ ان پر ظالم بنے رہے ۔ لیکن مذکورہ بالا اجتماعی یا انفرادی عذاب کے اعلان کے ساتھ ساتھ ہر جگہ استثناء کا ذکر بھی موجود ہے ۔ کہیں فلهم اجر هم عند ربهم کے الفاظ میں کہیں بحبل من اللہ کی شکل میں ، کہیں بحبل من الناس کی صورت میں کہیں غفور الرحیم کے اشارہ میں تاکہ اگر وہ اپنے حالات کو بدلنا چاہیں تو بدل لیں اور دائمی مغضوبی اور مقہوری سے بچ جائیں ۔ یہ اشارے اور کنائے قرآن کریم سے اس بات کی ضمانت ہیں کہ جونہی یہودی اپنے عقائد اپنے فرائض اور اعمال خدا کی خواہش کے مطابق کر لیں گے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغفرت و رحمت انہیں اپنی پناہ میں لے لیگی اور انہیں ان کے نیک اعمال کا اجر و ثواب دے دیا جائے گا۔

اس لیے یہودیوں کے متعلق مسلمانوں کا یہ تصور اور تاثر بالکل غلط ہے اور روح قرآن کے خلاف ہے کہ یہودی قیامت تک مسلسل اور متواتر ذلیل و خوار یا زیر عتاب رہیں گے اور کسی صورت میں بھی ان پر رحمت و مغفرت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔[1]

سہ نکاتی منصوبہ

یہودی بھی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ اگر وہ اپنی حالت بدل لیں تو عذاب کی حالت بھی بدل جائے گی اور انجیل مقدس بھی انہیں اپنے پر معاصی حالات کو بدلنے کی صورت میں یہ خوشخبری سنا رہی تھی۔

" اس دن جب ہم تم کو برائیوں سے پاک و صاف کریں گے ۔ ہم تم کو شہروں میں بھی مقیم کر دیں گے ۔ بن آباد ہو جائیں گے اور بنجر زمین کاشت ہو جائے گی ۔ حالانکہ اب تمام راہروروں کی آنکھوں کے سامنے غیر آباد ہیں اور وہ کہیں گے کہ زمین جو برباد تھی ۔ اب باغ عدن کی مثال ہے اور اجڑے ہوئے شہر آباد ، محفوظ و مسکون ہیں ۔ " (ایزاکیل 35: 16،36)

اس لیے یہودی دیوار گریہ سے لپٹ لپٹ کر رو رو کر توبہ و استغفار کرتے رہتے تھے اور اپنی عظمت رفتہ کی واپسی کے لیے یہ دعا کرتے رہتے تھے کہ

"Renew our days as they once were."

اور اپنے حالات بدلنے کی فکر میں لگے رہتے تھے ۔ اس غرض کے لیے یہودی مفکرین نے 1898ء اور 1905ء کے درمیان کئی خفیہ کانفرنسیں کیں اور ان میں مندرجہ ذیل سہ نکاتی منصوبہ تیار کیا جس کی نقل آج بھی برٹش میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہے :

1. To provide a permanent home to the Jews.
2. To obtain monetary control over the world.
3. To destroy the Islamic Countries.

یعنی انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہودیوں کے لیے ایک مستقل وطن کا انتظام کیا جائے ، دنیا کے اقتصادی اور مالی نظام پر قبضہ کیا جائے اور اسلامی ممالک کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اس منصوبہ پر انتہائی دانشمندی کے ساتھ عمل کرتے ہوئے یہودیوں نے بیسویں صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی میں ہی یورپ اور امریکہ پر اپنا اتنا اخلاقی ، سیاسی اور معاشی اقتدار اور دباؤ حاصل کر لیا کہ ان کی خوشنودی حاصل کیے بغیر وہاں کی حکومتوں کے لیے کوئی قدم اٹھانا نا ممکن ہو گیا ۔ انگلینڈ اور امریکہ میں ان کو بادشاہ گر کی حیثیت حاصل ہو گئی ۔ جس کا اندازہ صرف اسی ایک امر سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ کے صدارتی انتخابات کے لیے 270 ووٹوں میں سے 169 ووٹ یہودیوں کے ہیں ۔ یہودیوں نے بڑی بڑی حکومتوں کو اپنے زیر اثر لانے کے علاوہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دنیا کی عظیم سائنسی لیبارٹریوں ، اسلحہ ساز کارخانوں ، اشاعتی ، صحافتی تجارتی ، صنعتی ، نشریاتی اداروں اور فلمی نگار خانوں پر بھی قبضہ جما لیا اور ان کے ذریعہ اسلامی ممالک اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو مٹانے کے درپے رہے۔

مذہب سے وابستگی

یہودیوں کی ذلت و خواری کی وجہ مذہب سے لا تعلقی تھی ۔ صدیوں در بدر ٹھوکریں کھانے کے بعد انہوں نے نجات کے لیے پھر مذہب کے دامن میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ لا دینیت ترک کر کے مذہبیت اختیار کرنے لگے اور اپنی ارض موعود فلسطین میں واپسی کے خواب دیکھنے لگے کہ 1917ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے صحرائے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کا اعلان کر دیا کیپٹن ممتاز ملک جو اسرائیلی حکومت کے وقت موجود تھے اور تین سال تک وہاں کے حالات کا مطالعہ و مشاہدہ کرتے رہے ۔ لکھتے ہیں کہ

" اعلان بالفور کے تحت یہ طے پایا گیا تھا کہ ہر مہینہ 30 ہزار یہودی فلسطین میں داخل ہوا کریں گے لیکن 1939ء میں یورپ کی جنگ عظیم شروع ہونے پر جب ملکوں ملکوں سے سمٹ کر یہودیوں کا ریلا فلسطین پر شروع ہوا۔ تو تین ہزار ماہانہ کوٹہ کاغذ پر ہی رہ گیا اور ہر ماہ 10 اور 12 ہزار کی تعداد میں در آنے لگے ۔ تین ہزار تو باقاعدہ کاغذ کی بناء پر فلسطین کی بندرگاہ پر اتر جاتے اور باقی ہزاروں یہودسے بھرے ہوئے جہاز فلسطین کی بندرگاہوں سے پہلے ہی بین الاقوامی سمندر کے کسی ساحل پر لنگر انداز ہو جاتے اور وہ یہودی رات کی تاریکی میں چھوٹی بڑی کشتیوں میں اتر کر یا تیر کر سمندر سے ساحل پر جا پہنچتے اور دن بھر پہاڑوں کے غاروں میں

---

[1] جہاں تک مغفرت کا تعلق ہے تو وہ رسالت محمدی ﷺ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں اور اگر یہودی نبوت محمدی ﷺ کا اقرار ہی کرلیں تو پھر وہ یقیناً دائمی رحمت الٰہی کے مستحق ٹھہریں گے، ایسی صورت میں وہ یہودی کہاں رہے ؟ جبکہ اللہ رحمت عامہ انسانی دنیا کے مادی پیمانوں پر فیصلے کرتی ہے، لیکن یہاں بھی یہودیوں کا تعلق سے اللہ رب العزت کا فیصلہ مختلف ہے وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ کافیصلہ الٰہی اٹل ہے۔یہودی ریاست کی تشکیل اصلاً قرب قیامت کی صریح علامت اور بین دلیل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون " مسجد اقصیٰ کا حق تولیت " مطبوعہ مجلہ الواقعۃ شمارہ نمبر 2 مئی 2012ء (تنزیل)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھجور کے درختوں کے جھنڈوں میں کھیتوں میں ریت کے ٹیلوں کی اوٹ میں چھپے رہتے اور راتوں رات سفر کر کے یہودیوں کی بستیوں کا رخ کرتے سینکڑوں دیگر حادثات کا شکار ہو جاتے پھر بھی ہزاروں گرتے پڑتے یہودیوں کی بستیوں تک پہنچ جاتے ۔" (نوائے وقت)

یہودیوں نے اپنی ارض مقدس پر واپس آنے کے لیے صرف یہی تکلیفیں ہی برداشت نہ کیں ۔ بلکہ انہوں نے اپنے وہ وطن چھوڑے جہاں وہ عرصہ دراز سے آباد تھے ۔ اپنا مدتوں کا چالو سارا کاروبار چھوڑا ۔ اپنے گھر کا ہر طرح کا عیش و آرام چھوڑا اور سینکڑوں ہزاروں میلوں دور دراز کے سفر کی صعوبتیں محض اپنی مذہبی وابستگی کی بناء پر برداشت کیں ۔ جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کا شعار تھا ۔ ورنہ فلسطین کے غیر آباد بنجر اور ریتلے میدان میں ان کے لیے کیا رکھا تھا ؟

قرآن و انجیل سے استفادہ

اپنی ارض موعود پر پہنچنے کے بعد یہودیوں نے سب سے پہلے غیطو نامی مجلس عمل قائم کی ۔ قومی تعمیر و ترقی کے لیے اس کے تحت ایک بیت المال قائم کیا ۔ جو یہودی بھی باہر سے آتا ۔ وہ کمال اخلاص امانت اور دیانت کے ساتھ اپنا تمام سرمایہ بیت المال میں جمع کرا دیتا ۔ اپنی علمی ، فنی ، یا ذہنی اور قلبی قوتیں غیطو کے حوالے کر دیتا ۔ اور پورے اتحاد ، تنظیم اور یقین کے ساتھ وطن کی آبادی اور استحکام کے لیے مصروف ہو جاتا جس قرآن پاک کو ہم نے زینت طاق بنا رکھا ہے ۔ یہودیوں نے اس سے اور انجیل مقدس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے عربی اور عبرانی زبان جاننے والے ماہر علماء پر مشتمل ایک خاص ریسرچ سنڈیکیٹ قائم کیا ۔ اس نے قرآن کریم میں پڑھا کہ عاد وثمود پر آگ اور پتھروں کی بارش کا عذاب نازل کیا گیا تھا ۔ اس تذکرہ پر غور و فکر کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس زمین کے نیچے ضرور تیل ہو گا ۔ اس لیے پہلے پتھر برسائے گئے تا کہ زمین میں گہرے گڑھے پڑ جائیں پھر آگ برسائی تا کہ تیل کو فوراً آگ لگ جائے اور یہ قوم جل بھن کر کباب بن جائے ۔ چنانچہ اس تحقیق کی روشنی میں ماہرین طبقات الارض نے سروے کر کے اس سر زمین کا سراغ لگایا ۔ اسے کھودا تو اس کے نیچے واقعی تیل موجود پایا جسے وہ اپنے مصرف میں لا رہے ہیں ۔ انجیل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تانبے کی کانوں کا قصہ پڑھ کر بحیرہ روم کے کنارے انہیں تلاش کر ڈالا ۔ ان سے سالانہ دو لاکھ ٹن تانبہ نکال رہے ہیں ۔ حضرت داود علیہ السلام کی چراگاہ کا کھوج نکال کر اسے کھودا اور اس کے نیچے سے وہ ہزاروں سالہ پرانا تاریخی بند ڈھونڈ نکالا جس میں وہ بارش کا پانی جمع کر کے اپنی چراگاہ کو آبپاش کرتے تھے ۔ انہوں نے اس بند کی مرمت کر کے اس سے اپنے باغات سیراب کرنا شروع کیے ۔ یہ سارے انعامات اس تدبر و تفکر کے تھے جن کی قرآن کریم قدم قدم پر دعوت دے رہا ہے ۔ ان سابقہ کامیابیوں کی روشنی میں یہودیوں نے صحرائے سینا پر قبضہ کرتے ہی اس کا سروے شروع کر دیا اور اپنی فتح کے ڈیڑھ ماہ کے اندر ان کے ماہرین طبقات الارض نے انکشاف کیا کہ اس علاقہ میں کم از کم ساڑھے تیرہ کروڑ ٹن تیل کے علاوہ کروڑوں ٹن کوئلہ ، خام تانبہ ، خام لوہا ، فاسفیٹ ، میگنیشیم اور دوسری معدنیات موجود ہیں ۔ حالانکہ یہ علاقہ مدتوں مسلمانوں کے قبضہ میں رہا مگر انہوں نے تسخیر کائنات کے قرآنی مطالبہ کی طرف کبھی بھی توجہ ہی نہ دی اور ان کی عدم توجہی کی وجہ سے یہ دولت دشمنوں کے قبضے میں چلی گئی ۔

تنظیمی جہاد

یہودیوں نے ایک قلیل عرصہ میں سائنسی اصولوں پر اپنے وطن کو آباد و شاداب کرنے کے لیے جس اتحاد تنظیم اور یقین کے ساتھ جہاد کیا ۔ اس کے نتائج نہایت ہی حیرت انگیز بر آمد ہوئے اور کیپٹن ممتاز ملک کے قول کے مطابق یہودیوں نے :

" بنجر زمین کوڑیوں کے مول عربوں سے خرید کر ٹریکٹروں اور بل ڈوزروں کی مدد سے ہموار کر کے قابل کاشت بنائی ۔ ٹیوب ویل نصب کیے ۔ مردہ زمینوں کو درست کرنے میں مصروف رہنے لگے ۔ تو عورتیں اور بچے مکانات تعمیر اور گھریلو صنعتوں سے متعلق سر گرمیوں میں لگ گئے اور انہیں آنکھوں نے دیکھا کہ ہم تین چار سال پہلے فوجی نقل و حرکت کے سلسلہ میں جن ایسے علاقوں سے گزر چکے ہیں ۔ جہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا اور ان ٹیلوں پر عرب تربوز کے بیج یا مکئی اور گیہوں کے بیج پھینک دیتے تھے اور اگر بارش ہو جائے تو اچھی بری فصل پیدا ہو جاتی تھی ۔ وہی ریت کے ٹیلے اور صحرا ، مالٹے ، ناشپاتی ، خوبانی اور دیگر ثمر آور اشجار کے باغات میں تبدیل ہو چکے تھے ۔ ان باغات سے ملحق فروٹ انڈسٹری کی فیکٹریاں قائم ہو چکی تھیں ۔ جن میں لڑکے لڑکیاں اور عورتیں دن رات پھل اور میووں کی اشیاء تیار کرتی تھیں اور اس صنعت پر یہودیوں کی مکمل اجارہ داری قائم ہو چکی تھی ۔ چنانچہ اتحادیوں کی افواج متعینہ مشرق وسطیٰ کی کینٹینوں ، ٹافی شاپس ، نیوی آرمی ، ائر فورس انسٹی ٹیوٹ کی دکانوں میں مشروبات ، شرابیں ، اچار ، چٹنیاں ، مربے ، کیک ، جام اور ڈبوں میں بند ہر قسم کی اشیاء انہیں یہودیوں کی فیکٹریوں سے جاتی تھیں ۔ اس کے علاوہ انہوں نے رضا کاروں اور لیبر زکور کے نوجوانوں کی فوجی تربیت بھی شروع کر دی اور جب 1948ء میں اسرائیلی حکومت قائم ہوئی تو وہاں پہلے سے صنعت و حرفت بھی موجود تھی ۔ تعلیمی ادارے کالج اور اسکول بھی موجود تھے ۔ اسلحہ کی فیکٹریاں ، بینک ، تجارتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنڈیکیٹ بھی موجود تھے ۔ فوج بھی تیار تھی ۔ آبپاشی صنعت و حرفت ، زراعتی کانکنی سے متعلق تمام اسکیمیں اور منصوبے پہلے سے تیار تھے جو حکومت کے حوالے کر دیے گئے۔

بیس سالہ موازنہ

اسرائیلی حکومت کے قیام 1948ء سے لے کر 1967ء کے وسط تک کے درمیانی بیس سالہ عرصہ میں یہودی اپنی حکومت کے استحکام اپنی سلطنت کی توسیع اور اپنی ملت کی تعمیر و ترقی کے لیے تن من دھن سے تگ و دو کرتے رہے اور یہ ہر نوع کی مادی قوت یعنی جدید ترین اسلحہ جمع کرتے رہے اپنی فضائیہ کو بڑھاتے رہے اور اپنے تمام وسائل کو کام میں لاتے رہے ۔ مگر مسلمان اس دوران میں لا دینی تعلیم و تربیت حاصل کرنے مغربی تہذیب و تمدن کو اپنانے عیش و عشرت کا سامان در آمد کرنے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے ، اپنوں کا گلا کاٹنے ، حصول اقتدار کے لیے سازشیں کرنے اور انقلاب برپا کرنے میں مصروف رہے۔

یہاں تک کہ " یوم حساب " آ پہنچا ۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ہر لحاظ سے اب اس سطح پر پہنچ چکے ہیں ۔ جہاں سے مغضوبیت و مقہوریت کی سرحدیں شروع ہو تی ہیں اور فتح و نصرت اور عزت وعظمت کے دروازے بند ہو چکے ہیں ۔ تو اس وقت انہوں نے اسلامی ممالک پر پہلی کاری ضرب لگانے کی تیاری مکمل کر لی ۔ ان کے پاس اب حملہ کے لیے صرف مادی طاقت ہی نہ تھی روحانی قوت بھی موجود تھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے حملہ کرنے سے پہلے خدا کی خوشنودی اور تائید حاصل کرنے کے لیے سارا دن روزہ رکھا ، رات بھر تورات کی تلاوت کرتے رہے ، گریہ وزاری کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی اور اپنی فتح کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔ سوموار کا سورج بھی طلوع نہ ہونے پایا تھا کہ پانچ جون کی صبح پر دھند لکا چھایا ہوا تھا کہ یہودی اپنی ساری کی ساری فضائی قوت کے ساتھ مصر اور شرق اردن کے آسمان پر قابض ہو گئے اور بیک وقت ان دونوں ملکوں کی فضائیہ پر جدید ترین خفیہ ہتھیاروں سے حملہ کر کے صرف پانچ منٹ کے اندر اسے مفلوج کر کے یہ جنگ جیت لی اور اللہ کی بجائے ، اللہ کے دشمنوں پر بھروسہ کرنے والوں نے اپنا حشر اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا اور دنیا قرآن کریم کے اس ارشادات کی صداقت کی قائل ہو گئی کہ خدا کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ ۔ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔

فراست فاروقی

اس جنگ کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کا وہ قبلہ اول بھی ان چھن گیا ۔ جو یہودیوں کی عدول حکمیوں ، نا فرمانیوں اور سرتابیوں کی وجہ سے یہودیوں سے چھین کر مسلمانوں کے حوالے کیا گیا تھا اور اب بعینہ ان ہی حالات میں مسلمانوں کا قبلہ اول مسلمانوں سے چھین کر یہودیوں کو واپس کر دیا گیا ہے ۔ اس روز بد کو بیت المقدس کے فاتح اول فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چشم فراست عین فتح بیت المقدس کے موقع پر دیکھ رہی تھی ۔ جس کا ذکر انہوں نے اسی وقت عربوں سے خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں کر دیا تھا :

" تم لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل سب سے زیادہ حقیر اور سب سے کم تھے ۔ اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت دی ۔ اب اگر تم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو اللہ تمہیں ذلیل کر دے گا " (ابن کثیر)

چنانچہ پونے چودہ سو سال بعد آپ کا یہ ارشاد گرامی حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آ گیا اور دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ اسلام کو چاہنے والے خدا نے اسلام چھوڑ کر نیشنلزم اور سوشلزم کی پناہ لینے والے عربوں کو برسوں میں نہیں ، مہینوں میں نہیں ، دنوں یا گھنٹوں میں نہیں صرف منٹوں میں یہودیوں کی فضائیہ کے ہاتھوں مفلوج و مغلوب کر دیا اور تین دنوں کے اندر انہیں دنیا میں ایسا ذلیل و رسوا کر دیا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے ۔ قرآن نے سچ کہا ہے کہ جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت نہیں کرتے ۔ قرآن پاک کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور اپنی حالت نہیں بدلتے وہی دنیا میں ذلت پاتے ہیں۔

جنگ کی اہمیت

مشرق وسطی میں جو کچھ ہوا ۔ وہ قوموں کے عروج زوال کے قرآنی اور فطری قوانین کے عین مطابق ہوا ہے یہ جنگ کئی دیر پا اثرات چھوڑ گئی ہے اور کئی عبرت آموز سبق دے گئی ہے جو صدیوں تک محسوس ہو تے رہیں گے ۔ قرآنی نقطہ نظر سے یہ جنگ سہ گونہ اہمیت کی حامل تھی

1 تشریعی قوانین کے تحت یہودیوں کو ان کی گریہ وزاری کی توبہ و استغفار ان کی دین سے وابستگی اور ان کی اطاعت الٰہی کی جزا ملنی لازمی تھی تا کہ ان کی نیکیوں کا حساب اسی دنیا میں بے باق کیا جائے ۔ اس لیے انہیں ان مسلمانوں پر تاریخی اور مثالی فتح و نصرت بخشی گئی ، جو ان خوبیوں کے حامل نہیں رہے تھے۔

2 تکوینی ضابطہ کے مطابق یہودیوں کو ابھی نا قابل معافی گناہوں اور جرموں مثلاً قتل انبیاء وغیرہ کی سزا بھگتنی باقی تھی ۔ جو انہیں اجتماعی شکل میں ملنی تھی اور اس کے لیے ان کا ایک جگہ اکٹھا ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ مخبر صادق (ﷺ) کے اس ارشاد گرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ " جب یہود کو نیست و نابود کرنے کا وقت آئے گا اور ان کو اللہ تباہ کرنا چاہے گا تو وہ ایک مجتمع ہو جائیں گے اور وہ اجتماعی طور پر ہی نیست و نابود کیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے اور اگر کوئی یہودی پتھر کے پیچھے بھی جا چھپے گا ، تو اللہ تعالیٰ اس پتھر کو بھی قوت اظہار دے گا اور وہ پکارے گا کہ میری اوٹ سے اس یہودی کو نکالو اور اس شیطان کا خاتمہ کر دو۔" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیلی حکومت اور سلطنت کے قیام کا مقصد یہودی قوم کو ایک جگہ جمع کرنا تھا تا کہ وقت مقررہ پر اجتماعی عذاب نازل کر کے نام و نشان تک ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

3 اس جنگ میں عربوں کو شکست دلا کر اور اس کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو ذلیل و خوار کر کے غیرت دلائی تھی کہ اگر انہوں نے خدا اور رسول کی اطاعت نہ کی اور قرآن پاک کو دستور حیات نہ بنایا تو ان کا بھی یہی حشر ہو گا ۔ اور پھر ان کی جگہ حق تعالیٰ کوئی دوسری قوم لے آئے گا " و ان یستبدل قوماً غیرکم "، جو ان جیسی نہ ہو گی "ثم لا یکونوا امثالکم"، بلکہ اسے خدا سے عشق ہو گا اور خدا کو اس سے محبت ہو گی "یحبھم و یحبونہ !"، وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان ہو گی " اذلۃ علی المومنین " ، خدا کے دشمنوں پر بھاری ہو گی " اعزۃ علی الکافرین " اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والی ہو گی " یجاھدون فی سبیل اللہ " اور وہ کسی بات سے خائف ہونے والی نہیں ہو گی " و لا یخافون لومۃ لائم" (المائدۃ)

چونکہ ہم میں یہ خوبیاں باقی نہیں رہیں اس لیے کچھ عجب نہیں کہ زود یا بدیر ہماری جگہ تاتاریوں کی طرح وہ قوم نہ لے آئے جو قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں اسلام کے کنارے اور ہمارے سرہانے پہنچ چکی ہے !

ایک لمحہ فکریہ

جب سے یہ سہ روزہ جنگ ختم ہوئی ہے ۔ ارباب علم و فضل کا سارا زور قلم اسرائیلیوں ، امریکیوں ، انگریزوں اور روسیوں کی بے وفائیوں اور غداریوں کا شکوہ کرنے یا عربوں کے قصور گنوانے پر لگا ہوا ہے ۔ جہاں تک یہودیوں عیسائیوں اور کمیونسٹوں کا تعلق ہے ۔ یہ ہمارے دوست نہیں بلکہ بقول قرآن کریم ہمارے دین و ایمان اور ملک و ملت کے دشمن ہیں ۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے عقیدہ اور اپنے ملکی و ملی تقاضوں کے مطابق کیا ہے اور اسلام دشمنی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے ۔ اس لیے ان سے گلہ و شکوہ بالکل بے جا ہے۔

باقی رہا عربوں کا سوال جنہیں اس وقت تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے ۔ ان کا قصور کوئی ہم سے مختلف نہیں۔ خدا اور اسلام سے ان کا تعلق بھی برائے نام تھا اور ہمارا بھی برائے نام ہے ۔ دین کی نہ انہیں فکر نہ ہمیں فکر ، جہاد کا جذبہ نہ ان میں تھا نہ ہم میں ہے ، جدید ترین اسلحہ نہ ان کے پاس تھا ، نہ ہمارے پاس ہے ، سامان حرب و ضرب کے لیے وہ بھی غیروں کے محتاج تھے ہم غیروں کے دست نگر ہیں ، ملکی و ملی ترقی کے لیے وہ بھی دوسروں پر تکیہ کیے ہوئے تھے اور ہم بھی غیروں کی امداد پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں ، اپنے پاؤں پر نہ وہ کھڑے تھے نہ ہم کھڑے ہیں ۔ وہ بھی خود پرستی ، خود نمائی اور خود غرضی میں گرفتار تھے ہم بھی انہیں میں مبتلا ہیں ۔ عیاشی ، آرام طلبی اور بے عملی جیسے ان میں عام تھی ویسے ہی ہم میں بھی پائی جاتی ہے ۔ غرض کے ان کے اور ہمارے حالات زندگی میں بنیادی طور کوئی فرق نہیں ۔ حالات کم و بیش یکساں ہیں اس لیے دوسروں کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے سے پہلے ہمیں خود اپنے گریبان میں بھی جھانکنا ہو گا کہ جو الزام ہم دوسروں پر لگا رہے ہیں ۔ کہیں اس کے مرتکب ہم تو نہیں۔

قرآن — انسانیت کی کتاب

"دنیا میں یقیناً بے شمار کتابیں لکھی گئیں لیکن وہ تمام کتابیں مختلف علم و فن پر مشتمل تھیں ۔ یہ کتابیں طبقۂ انسانی کے کسی خاص طبقے کے لیے لکھی گئیں جو انسان کے مختلف علمی ، فکری اور طبعی خصائص سے تعرض کرتی ہیں ۔ مذہب ، فلسفہ ، تاریخ ، جغرافیہ ، نجوم ، فلکیات ، سوانح ، معاشیات ، عمرانیات ، سیاسیات .... وغیرہا پہلوؤں میں سے کسی پہلو یا چند پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں لیکن قرآنِ کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جو انسانیت کی کتاب ہے ۔ ایسی کتاب ہے جو ہر فرد نوع انسان کے لیے لکھی گئی ہے ۔ دنیا میں ایسی کوئی دوسری کتاب ہی نہیں جس نے انسانیت کی کتاب ہونے کا دعویٰ کیا ہو سوائے قرآن کریم کے ۔ جو (یا ایھا الناس) کہہ کر ہر فرد نوع انسانی کو مخاطب کرتی ہے تاہم (یا ایھا الذین آمنوا) کہہ کر اپنے احکام صادر کرتی ہے۔"

ماخوذ از: " ہم قرآن کریم کا مطالعہ کیوں کریں؟" از محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر ساجد اسد اللہ

برصغیر کے پہلے مسیحی اردو ترجمہ قرآن کا تعارفی جائزہ

دنیا کی کوئی علمی زبان مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن کریم کے ترجمہ سے خالی نہیں ۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اردو ، جس کا شمار دنیا کی کم عمر ترین علمی زبانوں میں ہوتا ہے ، میں قرآن کریم کے تراجم جس کثرت سے ہوئے ہیں اس کی مثال کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی ۔ بلکہ عربی زبان کے تفسیری سرمایہ کے بعد سب سے زیادہ تراجم قرآنی اردو میں پائے جاتے ہیں ، جن کی تعداد 700 ذکر کی گئی ہے[1]۔ کمیت کے اس شرف کے ساتھ ساتھ ان تراجم کو نکات علمیہ ، تنوع ، اسلوب زبان دانی اور ادبیت کے کئی پہلوؤں سے بھی برتری حاصل ہے ۔

اردو کے اس موقر ذخیرہ تراجم قرآنی میں برصغیر کے مسلم علماء کے ساتھ ساتھ ہندو ، سکھ اور عیسائی غیر مسلم مترجمین کے نام بھی سامنے آتے ہیں ۔ یہ ایک امر مسلّم ہے کہ ترجمہ مترجم کے عقیدہ اور مسلک کی غمازی کر رہا ہوتا ہے ۔ ثانی الذکر غیر مسلم مترجمین کی اکثریت زبان دانی سے قطع نظر Translators are Traitors (ان المترجمین مخربین) کی عملی تصویر پیش کرتے ہیں ۔ اس ضمن میں مسلم نقطہ نظر سے ہٹ کر قرآنیات پر لکھنے والے مسیحی اہل قلم کا نام خصوصی طور پر سامنے آتا ہے[2]۔

برصغیر کے کلامی ادب میں شامل مسلم مسیحی مناظراتی ادب کا ایک معتد بہ حصہ مسیحی تراجم قرآنی پر مشتمل ہے ، جس میں پادری عماد الدین ، پادری احمد شاہ ، سلطان محمد پال اور پادری جے علی بخش کے تراجم قرآنی شامل ہیں[3]۔ یہ سبھی مترجمین اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے بپتسمہ لینے والے ہیں ۔ پادری عماد الدین اور پادری احمد شاہ کے تراجم قرآنی مکمل جبکہ موخر الذکرین کی جزوی تفاسیر مع ترجمہ ہیں ۔ ان میں " ترجمہ قرآن بہ اردو زبان " از پادری عماد الدین کو زمانی تقدم حاصل ہے ۔ نیز یہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ " مولوی " سے ملقب یہ مسیحی مترجم عربی زبان پر عبور اور علوم اسلامیہ میں رسوخ رکھتا تھا بلکہ ارتداد سے قبل اکبر آباد کی مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتا رہا ہے[4]۔اس پس منظر کے ساتھ یہ ترجمہ قرآن کافی اہمیت کا حامل ہے۔

حالات زندگی : پادری عماد الدین (1830ء — اگست 1900ء)

عماد الدین نے 1830ء کو پانی پت[5] میں ایک مسلم گھرانے میں آنکھ کھولی[6]۔لیکن چھتیس

---

1 سہ ماہی " فکر و نظر " اسلام آباد (خصوصی اشاعت : برصغیر میں مطالعہ قرآن) ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد ، 1999ء ، (اعجاز فاروق اکرام ، ڈاکٹر ، برصغیر میں مطالعہ قرآن- تراجم و تفاسیر)، ص 85

2 ان مسیحی تراجم و قرآنیات کے مقاصد کو ڈاکٹر سفیر اختر صاحب ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں : "[برصغیر میں] عیسائیوں نے قرآن کریم کے حوالے سے جو قلمی تحریری کام کیا ہے اس کا مقصد قرآن پاک کے صحیح مترجمین و مفسرین کے مقاصد سے بہت مختلف تھا اور خاصی حد تک نا زیبا اور پست مقصد تھا پادریوں کی ان کاوشوں کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ قرآن کریم کے منزل من اللہ ، کتاب ہدایت اور خدا کے آخری پیغام ہونے کی بہر صورت (معاذ اللہ) تردید کی جائے ۔ اس کی صداقت و تعلیمات پر یقین و عقیدہ کو مسلسل کمزور کیا جائے اور اس کوشش کے نتیجے میں مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے کی جدوجہد عام ہو سکے یہ حقیقت ہے کہ مشنریوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوا اور ان کے چھاپے ہوئے ترجموں اور تفاسیر قرآن کو مسلمانوں میں کبھی بھی پذیرائی اور قبول عام حاصل نہیں ہوا ۔" (سہ ماہی " عالم اسلام اور عیسائیت " اسلام آباد ، دسمبر 1993ء (اختر راہی ، مسیحی اہل قلم کے اردو تراجم و تفاسیر قرآن)، ص 4)

3 ترجمہ قرآن بہ اردو زبان از پادری عماد الدین ، (نیشنل پریس ، امرتسر 1884ء) ، صفحات 403، ترجمہ قرآن (اردو) از پادری احمد شاہ ، (زمانہ پریس ، کانپور 1915ء) ، ص 805 ، تفسیر قرآن از پادری جے علی بخش ، (مرکنٹائل پریس ، لاہور 1935ء) ، صفحات 872 ، سلطان التفاسیر ، پادری سلطان محمد پال ، (ایم کے خان مہان سنگھ ، لاہور ، س ن) ، صفحات 481

4 صابری ، امداد ، جہاد آزادی کے روشن چراغ المعروف فرنگیوں کا جال ، دہلی ، 1979ء ، ص 161 - 162

5 حسن اتفاق سے برصغیر کے مسلم مسیحی مناظراتی ادب میں جگہ پانے والی تحریروں میں سے تین اہم مصنفین کا تعلق پانی پت سے ہے مسلم نمائندگی کرنے والے مولانا الطاف حسین حالی کا تعلق بھی پانی پت سے تھا جنہوں نے پادری مذکور کی دو کتب " ہدایت المسلمین " اور " تاریخ محمدی " کے جواب میں بالترتیب " تریاق مسموم " اور " تاریخ محمدی پر ایک منصفانہ نظر " کے عنوان سے قلم اٹھایا ۔ جبکہ نو متقد مسیحی ماسٹر رام چندر بھی پانی پتی ہی تھے جس کی نقد قرآن پر "

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال کی عمر میں کئی فکری مراحل سے گزرنے کے بعد دین اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے 1866ء میں عیسائیت کا چولا پہن لیا ۔ ان مراحل میں دین محمدی میں تشکیک، تصوف کے ذاتی تجربے، رہبانیت اور سب مذاہب کو واہیات گردانا شامل ہے[7]۔ مسیحی الہیات کے حکیم (Doctor of Divinity) کا عہدہ حاصل کرنے کے بعد ستر سال کی عمر میں اگست 1900ء کو آنجہانی ہو گئے[8]۔

پادری موصوف کا خاندانی پس منظر خاصا متنازعہ ہے ۔ موصوف اپنی سوانح عمری "واقعات عمادیہ" میں اپنا نسب نامہ ہانسی شہر کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین سے جوڑتے ہیں[9] جبکہ خود پادری صاحب کے بڑے بھائی اس پر سخت نقد کرتے ہوئے اسے جھوٹ گردانتے ہیں۔[10]

اس متنازعہ نسب نامہ کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان کی خاندانی حیثیت اور سماجی مرتبہ و مقام پر بھی دو رخی تصویر سامنے آتی ہے ۔ مسیحی تحریروں سے مترشح ہوتا ہے کہ پادری عماد الدین حکمرانوں کے مقرب رئیس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے[11]، لیکن اس کے برعکس مسلم تحریروں میں ان کے خاندانی پس منظر کی تصویر اس سے میل نہیں کھاتی ۔[12]

تحریف قرآن" اور " اعجاز القرآن " نامی تحریریں موجود ہیں۔

6 لاہز ، عماد الدین ، واقعات عمادیہ ، (پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی ، لاہور س ن) ، ص 1 ، پادری ای ایم ویری نے سن پیدائش 1865ء نقل کیا ہے ، جو کہ غلط ہے ۔ Wherry, The Muslim Controversy (The Christian Litratuer Society Madras 1905) P 15۔ کیونکہ موصوف 1854ء میں آگرہ میں پادری فنانڈر (1865ء) اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی (1891ء) کے درمیان ہونے والے معروف مناظرے میں موجود تھے ۔ (برکت اللہ ، پادری ، صلیب کے علمبردار ، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی ، لاہور) ، ص 19

7 پادری صاحب کا عیسائیت قبول کرنے کا فکری سفر دین اسلام کے بارے تشکیک سے شروع ہوا ۔ موصوف اپنی سوانح عمری میں رقمطراز ہیں : " (کالج میں پڑھائی کے) ان ایام میں کئی عیسائیوں کی صحبت کے سبب مجھے دین محمدی پر شک پڑ گیا تھا " (واقعات عمادیہ ، ص 4) ، تصوف کے متعلق پادری مذکور لکھتے ہیں : " اس علم سینہ کو تصوف کہتے ہیں اور بڑے بڑے دفتر کتابوں کے محمدی عالموں نے اس علم میں قرآن و حدیث سے اور اپنی عقل سے اور ہنود کے بیدانت اور رومیوں و عیسائیوں اور یہودیوں و مجوسیوں کی رسموں سے اور رہبان و مجاریب کی عادت سے انتخاب کر کے لکھ رکھی ہیں ۔" (ایضاً ، ص 5) ، اس کا تجربہ یوں دل میں آ گیا کہ سب مذاہب واہیات ہیں جسم کو آرام دینا چاہیے ۔ (ایضاً ، ص 11)

8 واقعات عمادیہ ، ص 22 ، فرنگیوں کا جال ، ص 163 ، اپورل پاؤل کو تاریخ وفات 1899ء لکھنے میں تسامح ہوا ہے ۔ Powell, Avril A, Muslims and Missionaries in Pre-Munity India (Curzon Press Ltd Uk 1993) P 133

9 " پس واضح ہو کہ اپنے حسب نسب کی بابت مجھے اس قدر معلوم ہے کہ ہمارے بزرگ ہانسی شہر کے باشندے تھے ۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ شہر ہانسی میں بارہ قطب ہیں ۔ ان میں سے ایک قطب جن کا نام شیخ جمال الدین ہے ۔ ان کے بیٹے شیخ جلال الدین تھے ۔ ان کے کے بیٹے شیخ فتح محمد تھے ان کے بیٹے مولوی محمد سردار ہوئے ان کے بیٹے مولوی محمد فاضل تھے ان کے بیٹے مولوی محمد سراج ہوئے ان کا بیٹا میں ہوں ۔" (واقعات عمادیہ ، ص 1)

10 " فرنگیوں کے جال " ، ص 161 - 162 پر اس نسب نامہ کی صحت اور " دعوی اخلاف قطب " کا جائزہ یوں لیا گیا ہے : " پادری عماد الدین کے حقیقی بھائی لکھتے ہیں : " پادری عماد الدین نے ایک کتاب واقعات عمادیہ لکھی ہے جس میں اپنا نسبی سلسلہ حضرت جمال الدین قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاتے ہیں ۔ اگر کوئی ہندوستانی اس واقعہ کی تحقیق کرے تو ان کی یہ تحریر باطل ٹھہرے گی ۔ اگر عماد الدین کو اپنا نسب بدلنا تھا تو شیخ جمال الدین سے نہ جوڑتے ۔ ان کو یہ سلسلہ کسی حواری فرضی طمطاؤس یا پلوس (پولس) سے ملانا چاہیے ۔ کیونکہ اگے کوئی محقق تحقیق کرے گا تو ان کو ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا (منشور محمدی ، بنگلور ، یکم شوال / 15 نومبر 1874ء) "

11 پادری اے ٹھاکر داس کے مطابق : " (پادری عماد الدین کے) والد ماجد مولوی سراج الدین صاحب ابھی حیات ہیں جو شہر پانی پت کے رئیسوں میں شمار کیے جاتے ہیں ۔" (ٹھاکر داس ، مسیح کے نو رتن ، مسیحی اشاعت خانہ ، لاہور 1995ء ، ص 10) اسی طرح اپورل پاؤل رقم طراز ہیں :

"His Grandfather, Maulavi Muhammad Sirdar, had been called to nearby Paniput to minister to the Afghan chaif, his father, Maulavi Ghulam Muhammad Khan and Muhammad Siraj-ud-Din received similar esteem from the local chief (Process to Religious Conversion movement in South Asia " : Continuities and Change 1800 - 1900 ed.Geoffry A oddie, Curzon Press, Uk 1997) p.37

برصغیر کے مشہور مناد پادری ای ایم ویری لکھتے ہیں :

"The Rev.Imad-ud-din D.D , of the C.M.S. Amritsar , know generally as Molvi Imad-ud-din , Lahiz claimed descent from a celebrated Muslim saint, Qutab Jamal , a scion of a royal family of Persia"

12 امداد صابری لکھتے ہیں : " پادری عماد الدین ذات کے تیلی تھے ۔ ان کے والد نے یہ پیشہ ترک کر دیا ۔ ہزاروں آدمی پانی پت کے رہنے والے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں اور جب مدرسہ میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ سوال غور طلب ہے کہ اس مترجم قرآن کا اپنا سلسلہ نسب بدلنا اور مسیحی تحریروں میں پشتی رئیس ظاہر کرنا، ان کے اپنے Complex (احساس کمتری) کا شعوری اظہار ہے یا کہیں نئے مذہب میں نئی برادری کی طرف سے نئے تشخص کا تقاضا تو نہ تھا؟ آخر طبقہ اشراف سے ناطہ جوڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ۔ اس دور میں تبشیری سرگرمیوں کے عمیق مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اس وقت مسیحی تنظیموں کی طرف سے مخالف پر نفسیاتی وار کر کے اسے مرعوب کرنا خاص ہتھیار تھا ۔ ہندوستان کے پس ماندہ علاقوں میں مخصوص سماجی پس منظر کی بناء پر کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے کا ایک معیار اشرافیہ کے ہاں قبولیت بھی تھا ۔ چنانچہ ان لوگوں نے اشرافیہ طبقہ کو خاص طور پر ہدف بنایا جس میں انہیں کچھ نہ کچھ کامیابی بھی ہوئی[13] ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے نو مسیحی افراد کو بتکلف اشرافیہ ظاہر کیا گیا ہو تا کہ عام آدمی کو ذہنی طور پر مرعوب کر کے اسے آسانی سے شکار بنایا جا سکتا۔

آپس میں ہنستے اور مذاق کرتے تھے تو ان کو تیلی کا لونڈا کہا جاتا تھا ۔" اس بات کی تصدیق قلمی میدان میں ان پر کسی گئی پھبتیوں سے بھی ہوتی ہے ۔" پادری صاحب نے جب " ہدایت المسلمین " لکھی تو جواب دینے والوں نے اپنے جواب میں (ان کے تیلی ہونے کے) اس نسلی رشتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے ۔ وہ طعناً فرماتے ہیں : کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی ، جہاں میں رشک مزعفرا گر کلی ہو جائے ، تو کیا عجب ہے کہ تیلن بکاؤلی ہو جائے (فرنگیوں کا جال ، ص 162)

13 اس حوالے سے Avril Powell کے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں مختلف مقامات پر بعض اشارات ملتے ہیں۔ Powell,Avril A, Muslims and Missionaries in Pre-Munity India (Curzon Press Ltd.Uk 1993)

عماد الدین نے ابتدائی تعلیم کے بعد بغرض تحصیل علم اپنے بڑے مولوی کریم الدین کے پاس اکبر آباد رخت سفر باندھا ۔ وہاں عماد الدین نے کالج میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ علماء و صلحاء سے علوم دینیہ کا حصول کیا اور اسی دوران چند مسیحیوں کی صحبت سے یہ اثر ہوا کہ اپنے دین کے بارے میں دل میں شک بیٹھ گیا۔

اس کے بعد بقول اے ٹھاکر داس ، انہیں تصوف اور رہبانیت کا شوق دامن گیر ہوا :

" انہیں تصوف کا شوق دامن گیر ہوا اور فقراء و اولیاء کے پاس معرفت کی غرض سے جانے لگے ۔ الغرض یہ نوجوان آنکھیں بند کر کے سمندر تصوف میں غوطہ زن ہوا ۔ ایک خیال اسی وقت سے دنیا ترک کرنے کا ایسا دل میں آیا کہ سب چھوڑ چھاڑ جنگل کو نکل گیا ۔"[14]

پادری عماد الدین کا تصوف اور رہبانیت کا سفر دس سالوں پر محیط ہے اور اس عرصہ میں وظائف ، اذکار ، چلّے اور (خود ساختہ) عملیات[15] کے تجربوں کا نتیجہ اسلام سے دوری اور قلبی سکون کھونے کی شکل میں سامنے آیا۔

" لیکن میری روح نے آرام نہ پایا بلکہ دن بدن خود بخود تجربہ کاری کے سبب شریعت محمدی سے متنفر ہونے لگا ۔"[16]

---

14 ٹھاکر داس، مسیح کے نورتن، ص 71

15 پادری صاحب کے مذکورہ ان تجربوں میں قصیدہ غوثیہ ، چہل کاف ، حزب البحر ، کشف قبور ، مراقبہ ، وجد کی محفلیں ، باعتقاد صوفیوں کا تکنا ، گیروے کپڑے پہن کر فقیر کا روپ سدھارنا ، پیادہ بے سر و سامان دو ہزار کوس کا سفر شامل تھا ۔ ایک بار بارہ روز بے سلا کپڑا پہن ، ایک زانو پر بر لب جاری نہر بآواز بلند ورد کرنا ، جَو کا آٹا ، بے نمک حلال کھانا ، نہ کسی آدمی کو چھونا نہ بے وقت بات کرنا ، سوا لاکھ بار اسم الجلال (اللہ) لکھ کر آٹے کی گولیوں میں لپیٹ مچھلیوں کو کھلانا بھی شامل تھا۔(واقعات عمادیہ ، ص 6 - 9)

16 واقعات عمادیہ ، ص 10

اس دوران لاہور منتقل ہونے کا موقع ملا ۔ مذہب کے بارے میں تشکیک اور اضطراب و تفکر کی حالت میں مسٹر میکن تاش ہیڈ ماسٹر نارمن سکول لاہور ، کی صحبت میسر آئی تو ان سے انجیل پڑھنا شروع کی ۔ اس مسیحی مناد کی کوشش رنگ لائیں اور انجیل متی کے ساتویں باب تک پہنچتے پہنچتے اپنے مذہب کے بارے میں کامل شک دل میں پیدا ہو گیا ۔ موصوف کے اپنے الفاظ میں:

" میکن تاش صاحب سے کہا آپ براہ مہربانی مجھے انجیل کو سمجھ کر پڑھائیں اور میں خوب تحقیق کروں گا ۔ انہوں نے بڑی خوشی سے انجیل پڑھانا شروع کر دیا ۔ متی کے ساتویں باب تک پڑھ کر مجھے دین محمدی پر شک پڑ گیا ۔"[17]

جس کا منطقی انجام یہ نکلا کہ اپریل 1866ء (جس سال برصغیر کے سرخیل پادری فینڈر ہندوستان چھوڑ کر گیا) امرتسر جا کر چرچ مشن میں پادری رابرٹ کلارک (م 1900ء) کے ہاتھ بپتسمہ لے لیا اور مسیحی مذہب میں شامل ہو گئے۔[18]

بپتسمہ پانے کے بعد دو سال تک سرکاری ملازمت پر مامور رہے ۔ پھر باقی زندگی امرتسر کلیساء میں تبشیری سرگرمیوں میں گزاری ۔ لیکن کلیسائی خدمت کے آخری سالوں میں امرتسر کی فضا ان کے لیے غیر موزوں رہی اور (اپنے ہی مسیحی) حاسدوں کی عیب جوئی اور دوستوں کی بے وفائی کے سبب کلیساء کی خدمت سے الگ ہو گئے۔

مذہبی زندگی کے نئے دور میں پادری فینڈر کی تحریروں[19]، پادری رابرٹ کلارک کی صحبتوں

---

17 ایضاً، ص 12

18 واقعات عمادیہ ، ص 12

19 پادری فینڈر کی ان تحریروں کے متعلق مدراس یونیورسٹی کے فیلو ایل بی جونز کی رائے ہے کہ " ڈاکٹر فینڈر کی ایک کی ہے کہ اسلام کی تعلیم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور علمی مذاکرات نے ایک نئے عماد الدین کو جنم دیا۔ اسلامی علوم پر دسترس اور رسوخ کے پس منظر میں اپنے سابقہ مذہب (اسلام) کا مطالعہ صرف تنقیدی حوالے اور تنقیص کے پہلو سے ہونے لگا جس کا مقصد وحید مسیحی مذہب کو سچا ثابت کرنا تھا۔ برطانوی مشنریز کے تحت کلیسا کی خدمت میں یہ نو مسیحی پادری "شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار ثابت ہوا۔"

پادری عماد الدین نے مختلف موضوعات پر 53 کتب لکھیں۔ ان میں سے چند اہم کتب یہ ہیں:

1 ہدایت المسلمین (مطبع نور، لاہور 1868ء)
2 تحقیق الایمان (مطبع آفتاب، لاہور 1868ء)
3 تواریخ محمدی (کرسچین نالج سوسائٹی، پنجاب پریس امرتسر، عموماً اسے تاریخ محمدی سے موسوم کیا جاتاہے مگر جس طباعت تک راقم الحروف کی رسائی ہوئی اس کے ٹائٹل پر تواریخ محمدی مرقوم ہے)
4 حیات المسلمین (مطبوعہ لاہور 1866ء)
5 واقعات عمادیہ (پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور، س ن)
6 اردو ترجمہ قرآن (نیشنل پریس امرتسر، 1894ء)
7 تفسیر متی
8 تفسیر اعمال
9 نغمہ طنبوری

پادری موصوف کے اسلوب تحریر کے متعلق "فرنگیوں کے جال" میں مرقوم ہے:

" طرز تحریر نہایت بھونڈا تھا اور دل شکن قلم کے مالک تھے۔ مہذب تخیل سے بہت کم پالا پڑا تھا۔ ان کی طرز نگارش نے خاص طور پر مسلمانوں کے دل بہت دکھائے۔ یہ بات ان کے ساتھی مشنری بھی مانتے تھے۔"[20]

پادری عماد الدین نے اپنے اردو ترجمہ قرآن کی نسبت "ہدایت المسلمین" اور تنقید القرآن" میں قرآن پر کھل کر تنقید کی ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہدایت المسلمین میں اعجاز عیسوی (مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مطبوعہ 1853ء آگرہ)، عقوبت الضالین اور مولوی سید محمد صاحب کی تنزیہہ الفرقان کا جواب دیتے ہوئے الزامی انداز اختیار کیا ہے جبکہ تنقید القرآن میں اپنی خواہش کے مطابق معانی کشید کر کے ایسے عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن سے قرآن اور اسلام کے بارے اچھی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ نیز پادری صاحب نے اپنی تصنیف "تحقیق الایمان" میں بھی جمع تدوین قرآن، اعجاز القرآن اور قرآنی پیشین گوئیوں پر قلم اٹھایا ہے۔

پادری ای ایم ویری رقم طراز ہے:

"He turns the enemys guns upon the Quran. He proved the language and style of the Quran are not incomparable as claimed by Moslems. The contradictions and interpolations of Quran were exposed."[21]

ترجمہ قرآن ب اردو زبان از پادری عماد الدین (نیشنل پریس، امرتسر، 1894ء، بار اول)[22]

اردو رسم الخط میں یہ اشاعت 304 صفحات پر مشتمل ہے جس میں مقدمہ 2 صفحات جبکہ اختتام پر 9 صفحات کا اشاریہ اور صحت نامہ (تصحیح اغلاط) بھی شامل ہے۔

یہ ترجمہ بدون متن معری ہی طبع ہوا ہے۔

چونکہ انجیل مقدس کے اصل متن کی عدم دستیابی کی بنا پر مسیحی معاشرہ میں فقط ترجمہ انجیل (یونانی، لاطینی یا انگریزی) زیادہ رواج پا گیا تھا، غالباً اس پس منظر میں مسیحی اہل قلم کی طرف سے قرآن کو بائبل کی طرح بدون متن پیش کرنے کی یہ شعوری کاوش ہے۔[23]

اس پہلے مکمل مسیحی ترجمہ قرآن کا سبب پادری موصوف دیباچہ کے ابتداء میں یوں بیان کرتے ہیں:

" از طرف بندہ مترجم عماد الدین لاہز واضح ہو کہ یہ ترجمہ قرآن کا عربی سے اردو میں بمراد فائدہ عام جو میں نے لکھ (لکھ) دیا اس

اور حضرت محمد ﷺ کے خیال و عادات پر نکتہ چینی کے بغیر مسیحی ایمان پر نہیں لکھ سکتا تھا یا لکھنا نہیں چاہتا تھا" (تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہندوستان، مدیران خصوصی: سید فیاض و ڈاکٹر عبادت بریلوی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ج 4، ص395)

20 فرنگیوں کا جال، ص 163

21 Wherry,E. M,Islam and Christianity in India and For East (Fleming H. Revell Company, London 1907), P164

22 بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس) اس کا ایک اور ایڈیشن رومن رسم خط میں کلکتہ سے ... میں شائع ہوا۔ (القرآن فی کل اللسان، ادارہ عالمگیر تحریک قرآن، حیدر آباد دکن، طبع ثالث 1366ھ)، ص 6-7

23 یہ امر واقعہ ہے کہ الہامی کتب کے پیرو کاروں کے ہاں ایک تقدس اور احترام کے ساتھ ان کتب پر ایمان ہوتا ہے۔ مسیحی کار پردازوں کی طرف سے اشاعت تراجم قرآنی سے قبل مسلمانوں کے ہاں بغیر متن کے معری ترجمہ قرآن کی اشاعت کی روایت موجود نہ تھی۔ ایسی اشاعت میں قرآنی تقدس کا احساس مفقود رہتا ہے۔ زیر بحث ترجمہ دیکھ کر بھی قرآنی احترام تقدس کا قطعاً احساس نہیں ہو پاتا۔ مسلم عقیدہ کے مطابق الفاظ قرآنی منزل من اللہ ہیں جبکہ غالب مسیحی عقیدہ یہ ہے کہ انجیل کے الفاظ من و عن الہامی نہیں بلکہ الہام و کشف کو انسانی الفاظ میں ڈھالا گیا ہے۔ (فینڈر، سی جی، میزان الحق، (پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور 1962ء)، ص 164) اس لیے الفاظ اتنے اہم نہیں جبکہ مسلم عقیدہ کے مطابق قرآنی الفاظ کلام الٰہی ہونے کی بناء پر خاص تقدیس کے حامل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا پہلا سبب مرزا غلام صاحب قادیانی کا وہ قول ہوا[24] جو انہوں نے مسٹر آتھم سے کہا کہ (قرآن کو بتوجہ دیکھیں) ...... شاید مرزا صاحب کا منشا یہ ہو کہ ہندوستان کے عام خاص سب مسیحی بتوجہ دیکھیں۔ مگر وہ عربی نہیں جانتے کیونکر بتوجہ دیکھ سکتے ہیں۔ کیا وہ عربی سیکھہ (سیکھ) کے دیکھیں ایسی تکلیف عقلاً و نقلاً جائز نھین (نہیں) کہ غیر ملک کے لوگوں کو دیجائے۔ چاہیے کہ قرآن کے حامی اس کا ترجمہ کر کے کھیں (کہیں) کہ سب لوگ بتوجہ دیکھیں مگر ان کی طرف اب تک عام فہم عبارت میں اس کا ترجمہ نہ ہوا۔ دو لفظی ترجمے دو معزز بزرگوں (شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادر) سے ہوئے جو عربی خوانوں کے فائدے کے لیے ہیں عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ جب سے ہندوستان میں اسلام آیا اب تک عام فہم عبارت میں قرآن کا ترجمہ انھوں نے نہ کیا[25] اور فی الحال علماء محمدیہ زور تفسیریں لکھنے پر بہت ہے مگر محققین بانصاف صرف متن دیکھنے کے محتاج ہیں تا کہ مدعی کا خالص دعوی پھلے (پہلے) سنین پھر گواہوں کی چستی یا سستی جو کچھ ہو تفسیروں سے دریافت کر کے اپنی تمیزوں سے اپنے لیے آپ فیصلہ کریں۔ لیکن مجھے امید نہیں رہی کہ علماء محمدیہ کا قرآن کا عام فہم ترجمہ عربی سے الگ کر کے کبھی رائج کرینگے شاید یہ نمونہ دیکھ کے کچھ کریں تو اچھا ہے۔ اب تک اہل اسلام اس فطری قانون سے آگاہ نہیں ہوئے کہ جب تک الہامی کوئی کتاب لوگ اپنی مادری زبان میں نہیں پڑھتے اس کی نشیب و فراز ان کی روحوں پر ہر گز منکشف نہیں ہوا کرتی۔ پس ان کی طرف سے نا امید ہو کے یہہ ان کا بوجہہ (بوجھ) تمام ہندوستان کے فائدہ کے لیے بینے اٹھایا اور مرزا صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی کہ قرآن کو دوبارہ نہ صرف بتوجہ دیکھا بلکہ بتوجہ اس کا ترجمہ کیا۔"[26]

اپنے ماخذ ترجمہ کے حوالے سے پادری صاحب رقم طراز ہیں:

" (یہ) ترجمہ لکھتے وقت کتب مفصلہ ذیل میز پر میرے سامنے تھے۔ (۱) لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا (۲) کچھہ لفظی با محاورہ دہلی ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب کا (۳) فارسی ترجمہ آقا جمال صاحب مجتہد ایران کا ہے جو سالگذشتہ (سال گذشتہ) میں درمیان بمبئی کے چھپا عمدہ ہے اور فصیح اور نہایت صحیح ہے۔ (۴) تفسیر جلالین (۵) تفسیر قاضی بیضاوی (۶) تفسیر الفوز الکبیر (۷) تفسیر مدارک التنزیل (۸) تفسیر حسینی۔ یہ تفسیر بہت عمدہ اور جامع ہے کہ بہت سی تفسیروں کے خیالات اس میں جمع ہیں (۹) تفسیر اتقان فی علوم القرآن (۱۰) قاموس در علوم لغت (۱۱) منتہی الارب در لغت (۱۲) صراح "[27]

- ہر سورت کے آغاز میں عدد سورت، نام، مکی، مدنی اور تعداد آیات و رکوع مندرج ہے۔ مثلاً: (۲) سورہ بقرہ مدنی ہے آیات 286 رکوع 40
- " بسم اللہ الرحمن الرحیم " کا ترجمہ " اللہ رحمن رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں " 113 سورتوں کی بجائے سورت توبہ سمیت 114 سورتوں کے شروع میں دیا گیا ہے۔
- آیات کے نمبر انجیل کی طرح اختتام کی بجائے شروع آیت میں دیے گئے ہیں۔
- نیز آیات کے نمبر شمار فلوگل Flugel کے 1834ء میں لیپزگ (Leipzig) جرمنی سے شائع کردہ قرآن کریم کی ترتیب سے ہیں۔ جو کہ ہمارے ہاں متداول مصاحف سے مختلف ہے۔ اس میں تعداد آیات تو

---

24 مرزا صاحب نے سابقہ مسلم اور نو مسیحی پادری عبداللہ آتھم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ آپ لوگ کبھی انصاف کی پاک نظر کے ساتھ قرآن کریم کو نہیں دیکھتے۔ (قادیانی، غلام احمد، مرزا، جنگ مقدس، (قادیان)، ص 151

25 پادری صاحب کا یہ دعوی تاریخی حقائق کے خلاف ہے کیونکہ اس وقت تک قرآن پاک کے کئی ایک تراجم ہو چکے تھے مگر منظر عام پر کم آئے تھے اس کی ایک وجہ اس دور تک جاری مسلم علماء کے ہاں یہ ایک نزاعی بحث تھی کہ قرآن کریم کا ترجمہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ عام طور پر قیاس کیا جاتا ہے کہ علمائے دین کی مخالفت ترجمہ و تفسیر کے کام میں مانع رہی " فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرسٹ کی نگرانی میں مسلم علماء نے جو ترجمہ قرآن کیا اس کے بارے مرقوم ہے۔" شروع ترجمہ میں خلقت نے اس بات میں بہت سی شورش کی تھی کہ بنا اس ترجمے کی ہوتی ہے نہایت دین و آئین سے بر خلاف ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی میں ہوتا ہے آخرش جو اہل علم تھے انھوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے۔ (ڈاکٹر سید حمید شطاری، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ 1914ء تک، حیدر آباد 1982ء، ص 194) مسلم ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس منعقدہ 28 دسمبر 1888ء (لاہور) میں ڈپٹی نذیر احمد نے کہا: " میرے مذہب میں قرآن کا ترجمہ گناہ ہے کیونکہ کہ ترجمہ میں معجزہ بیانی نہیں آ سکتی۔" کیونکہ ان کے خیال میں " اگر ہم قرآن کو اصل زبان میں سمجھتے ہوتے تو ہم اس سے کہیں بہتر مسلمان ہوتے جیسے اب ہیں " بعد ازاں ان کی یہ رائے بدل گئی اور انہوں نے خود با محاورہ شگفتہ زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جو 1896ء میں شائع ہوا۔ (صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر، مولوی نذیر احمد دہلوی احوال و آثار، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1971ء، ص264–265)

26 عماد الدین، ترجمہ قرآن سب اردو زبان، (نیشنل پریس، امرتسر 1894ء) ص 1

27 ایضاً، ص 2

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یکساں ہے لیکن آغاز و اختتام آیت میں فرق ہے۔ مقالہ میں آیات کے نمبر طبع ہذا کے مطابق ہے۔

➢ متن کے باہر "ع" سے پارے کے رکوع کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے اوپر رقم رکوع مندرج ہے مگر آیات رکوع اور سورت کے رکوع کے نمبر کا اظہار نہیں کیا گیا۔ تیسویں پارے میں سورۃ النازعات کے بعد رکوع نمبر نہیں دیئے گئے۔

➢ ہر رکوع نئی سطر سے شروع کیا گیا ہے۔

➢ آغاز پارے کا اظہار متعلقہ آیت الفاظ کو تحت الخط یعنی ان پر ایک لائن کھینچ کر کیا گیا ہے۔

➢ اگرچہ اس وقت فورٹ ولیم کالج اور سر سید کی تحریک کے نتیجہ میں معاصر مذہبی ادب میں آسان انشاء پردازی اور اردو محاورہ کا استعمال راہ پا چکا تھا۔ لیکن ہندی، عربی اور فارسی ترکیبات کے عام استعمال کی وجہ سے ترجمہ ہذا میں یہ اسلوب نہیں پایا جاتا۔

➢ رسم الخط کے حوالے سے اکثر "ھ" کی بجائے "ہ" اور "ں" کی بجائے "ن" کا مشاہدہ عام ہے۔ مثلاً کچھہ، یھ، کھیں، پھلے، سنین، وغیرہ یہی وجہ ہے کہ مقالہ ہذا میں اس ترجمہ کی منقول عبارات کو بعینہ اسی رسم الخط میں نقل کیا گیا ہے۔

➢ زبان دانی کے اعتبار سے اپنے دور کی تحریروں کے ہم پلہ ہے۔

نمونہ ترجمہ

➢ (۱) الم اس کتاب میں کچھ شک نھیں ہے اہل خوف کے لیے ہدایت ہے (۲) جو اندیکھے (ان دیکھے) پر ایمان لاتے اور نماز[28] پڑھتے اور جو کچھہ (کچھ) انکو ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔[29]

➢ سورۃ اخلاص مکی ہے آیات 4 اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ (۱) تو کہہ اللہ ایک ہے (۲) اللہ بے نیاز ہے (۳) اسنے کوئی نہیں جنا اور نہ وہ خود جنا گیا (۴) اور اسکا ہمسر کوئی نہیں۔[30]

➢ بعض اوقات مفردات کے معانی ہندی محاورہ یا الفاظ میں کیے ہیں۔ حالانکہ معاصر مسلم و مسیحی تحریروں میں ان الفاظ کے مترادف آسان اردو الفاظ مستعمل تھے۔ جیسے: اندادا: ہمتا، وقودھا: بالن، رغدا: محظوظ ہو کے کہاؤ (کھاؤ)

➢ ترجمہ میں قوسین کا اظافہ کر کے توضیحات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ "اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحیی کی جو خدا کا کلمہ (یعنی عیسی) کا مصدق اور ایک سید ہے اور عورتوں سے پاک اور ایک نبی ہو گا۔" (آل عمران: 38)

➢ بعض دفعہ ان قوسین میں آیات کا سیاق و شان نزول بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

➢ "تو کیا سمجھتا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں سے کچھہ اچھبا تھے۔ (یھ وہ بعض عیسائی کہلاتے ہیں جو بعہد دقیانوس پہاڑ کی غار میں چھپے تھے جب مسیحی مارے جاتے تھے۔)" (الکھف: 18) "وہ اپنی خواہش کا پیرو ہے اسکا کام از حد گذشتہ ہے (وہ امیہ بن خلف یا عنیہ بن حفص تہا کہ صحبت سے حضرت کی منع کرتا تہا۔)" (الکھف: 23)

➢ بعض جگہ محذوف الفاظ کا ترجمہ قوسین میں کیا گیا ہے۔ "پہر اسکے بعد ایک سال یہ آیگا جس میں لوگ بارش پائیں گے اور (انگور) نچوڑیں گے۔" (یوسف: 94)

➢ بعض جگہ آیات میں مستعمل عربی الفاظ و تراکیب کو اسی طرح ترجمہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ "اے مسلمانوں تم (محمد کو) راعنا نہ کہا کرو وانظرنا کہا کرو۔" (بقرہ: 104) "کیا ان کافروں نے نہ دیکھا کہ آسمان اور زمین رتق تھے (یعنی شیء واحد) پھر ہمنے انہیں فتق کر دیا (یعنی جدا جدا)۔" (انبیاء: 31)

➢ ترجمہ میں فارسی تراکیب کا عام استعمال ہے۔ "مشرق اور مغرب خدا کی ہے جدھر تم منہ کرو ادھر خدا کا مونہہ ہے خدا فراخ دانندہ ہے۔" (بقرۃ: 115)

➢ ترجمہ میں ہندی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ "جو خدا کے سوا انداد (ہمتا) ٹھہراتے ہیں۔" (بقرۃ: 158) "اور جو مورث مرد یا عورت کلالہ ہو یعنے کہنڈی چہری (کُھنڈی چُھری) یعنے

---

28 پادری صاحب کے ہم سفر، اسلام سے ارتداد کرتے ہوئے نو مسیحی سلطان محمد پال نے اپنی تفسیر میں یہاں الصلوۃ کا ترجمہ دعا کیا ہے۔ "اور جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو دعا پر ثابت قدم رہتے ہیں۔" (پال، سلطان محمد، سلطان التفاسیر، ایم کے خاں مہان سنگھ، لاہور، س ن)، ص 22

29 ترجمہ قرآن بہ اردو زبان، ص 3

30 ایضاً، ص 294

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوت نپوت جسکے نہ باپ ہے نہ بیٹا اور خصم والیوں کا لینا بھی حرام ہے۔" (نساء: 15)

➢ جہاں قرآن نے مسیحی عقائد پر تنقید کی ہے وہاں مسیحی مترجم خاموشی سے بلا کسی تعلیق کے گذر جاتے ہیں۔ "اے اہل کتاب اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو اور خدا کی نسبت صرف حق بات بولو۔ مسیح ابن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اسنے مریم کی طرف ڈالا تھا اور روح ہے اس میں سے (یعنی خدا میں سے) پس تم اللہ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز آؤ تمہارا بھلا ہو گا۔" (النساء: 169) "وہ کافر ہیں جو مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ مسیح بن مریم اور اس کی ماں کو اور سب کو جو زمین میں ہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون اس کے ارادہ کو روک سکیگا۔" (المائدۃ: 19)

➢ بعض اوقات ترجمہ میں اردو محاورات کا استعمال کیا گیا ہے۔ "اور جو نصیحت انھیں ملی تھی اس سے حظ اٹھانا بھول گئے۔" (المائدۃ: 16)

➢ سورۃ النساء آیت 170 کے ترجمہ میں کتابت کی غلطی کی وجہ ترجمہ میں تبدیلی آ گئی ہے۔ "مسیح کا بندہ ہونے سے ہرگز برا نہ مانیگا اور نہ مقرب فرشتے" جو کہ دراصل "مسیح اس کا بندہ ہونے سے ہرگز برا نہ مانیگا" تھا۔

➢ بعض جگہ قوسین میں مسلم عقائد کے خلاف توضیحات درج ہیں۔ "اور تجھے گمراہ پایا (کہ سب کے ساتھ بت پرست تھا) (العیاذ باللہ) پھر ہدایت کی (اسلام کی) اور تجھے محتاج پایا (جب مکہ میں تھا) پھر تونگر کر دیا (مدینہ میں) (الضحی: 6-7)

➢ اسی طرح بعض جگہ عربی الفاظ کا معنوی اعتبار سے اردو میں غلط مفہوم ادا کرنے والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں "اے اہل کتاب ہمارا رسول (محمد) بیان سنانے کو تمہاری طرف اس وقت آیا ہے جبکہ رسولوں میں گھاٹا (گھاٹا) پڑ گیا تھا۔" "اللہ نے بھی مکر کیا اور اللہ مکاروں میں اچھا مکار ہے۔"

آخر میں 7 صفحات پر مشتمل ایک انڈیکس بعنوان "فہرست بعض مضامین قرآن معہ بعض اشارات بحث طلب" کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔ نقد مسیحیت پر مبنی قرآنی مقامات کا ترجمہ کرتے ہوئے پادری صاحب بلا تعلیق اس مقام سے گزر گئے لیکن قرآن کے بارے میں اپنی فکر کو اس فہرست میں عیاں کیا ہے۔ قرآنی بیانات کا ایک پادری کی نظر سے مفہوم کشید کرتے ہوئے یہاں تحریف معنوی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس اشاعت کا یہ حصہ مسیحی نقطہ نظر سے مفید مطلب ہے۔ اس میں شامل بعض عنوانات ملاحظہ ہوں۔

تثلیث کو نہ مانو، نساء 69، مائدہ 177، تثلیث کیا شئے ہے اللہ سے الگ عیسٰی و مریم کو بھی خدا ماننا تثلیث ہے مائدہ 116 – 120 (66،67)

رحمن۔ یہہ لفظ حضرت نے کلیسا سے لیا عرب میں مروج نہ تھا اہل مکہ نہیں جانتے اور نہیں مانتے کسی اہل کتاب خبردار سے پوچھ کہ رحمن کیا ہوتا ہے۔ رعد 29، مریم 29 و انبیاء 37، فرقان 60 – 61 [31]

زہری قریشی نے مباحثہ میں محمد کو بند کر دیا اسپر قریش نے تالیاں بجائیں۔ زخرف 57 [32]

آیات قرآنی پر جب لوگ غور کریں تو محمد (ﷺ) کو پاس سے ہٹنا چاہیے ورنہ شیطان بہلا دیگا۔ (نعوذ باللہ) (انعام: 60) [33]

سدرۃ المنتہی (نجم 14) غالباً یہہ مطلب مکاشفات 2 : 22 سے بتصرف لیا ہے۔ [34]

عیسائی لوگ قیامت تک کافروں کے اوپر غالب رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ ہے (آل عمران: 48) [35]

شیطان نبیوں کے خیالوں میں بوقت نبوت کچھ ڈالدیا کرتا ہے (حج 51 – 52) [36]

وحی یا الہام شیطان سے بھی ہوا کرتا ہے یعنی شیطان بھی وحی کرتا ہے (انعام 121، 113، 112) وحی یا الہام جو اللہ سے ہے اس کی تین قسمیں ہیں (شوریٰ 50) اور تینوں قسموں میں صرف دوسری قسم کا الہام محمد کو ملا ہے (51) قرآن کے کسی مقام سے ثابت نہیں کہ پہلی اور دوسری قسم کے الہام میں سے کچھ بھی کبھی محمد کو ملا ہو آیت میں تیسری قسم پر انحصار ہے۔ اسلیے رسول کریم کا قول کہلایا ہے اور واضح رہے کہ یہ تیسری قسم الہام کی غیر مقبول ہے۔ [37]

دعوی نبوت سے پہلے حضرت نے قریش کو خوب ٹٹول لیا تھا کہ اگر کوئی نبی ان میں اٹھے اور کوئی کتاب ان میں بھی نازل ہو وہ مانیں گے یا نہیں اور انہوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ مانیں گے جب دعوی نبوت ہوا تو اب نہیں مانتے ہیں (فاطر، صافات 167) [38]

---

31 ایضاً، ص 299

32 ایضاً

33 ایضاً، ص 279

34 ایضاً، ص 300

35 ایضاً

36 ایضاً

37 ایضاً، ص 303

38 ایضاً، ص 301

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر متنفس گنہگار ہے (نحل ، فاطر) عصمت انبیاء کا خیال قرآن سے نہیں صرف مسیح یسوع کی عصمت کا اقرار قرآن کرتا ہے (آل عمران 32 ، 21) کہ اسے اور اس کی والدہ کو شیطان نے نہیں چھوا۔[39]

مثل قرآن ، قرآن کی مثل لاؤ (یونس 39 -40) کس چیز میں مانند لاویں ایسی عبارت لائیں یا مطالب وہ کہتا ہے ایسے مطالب لاؤ (طور 34)[40]

لوگ بے فائدہ فصاحت لفظی مانگتے پھرتے ہیں کوئی عیسائی اس پر توجہ نہ کرے ۔ قرآن ہرگز فصاحت لفظی کا مدعی نہیں ہے ایک لفظ بھی ایسا دعویٰ نہیں دکھاتا ۔ عبارت کے اعتبار سے اہل عرب نے صاف کہا کہ ہم اس قرآن کی مانند بنائیں گے ۔(انعام 93)[41]

برصغیر کے اولین مسیحی اردو قرآنی ترجمہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دلچسپ بات یہ سامنے آئی ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلم مسیحی مناظراتی ادب بہت وقیع اور وسیع ہے جس میں طرفین کی طرف سے اسلام اور عیسائیت پر متنوع تحریریں سامنے آئیں اور اسی ضمن میں مسیحی اہل قلم کے قرآن کریم کے تراجم و تفسیر بھی منصہ شہود پر ظاہر ہوئے ۔لیکن اس کے مقابلہ میں اگرچہ بہت سے مسلم علماء نے بائیبل کی ثقاہت کے حوالے سے اس کے داخلی اور خارجی پہلو پر قلم اٹھایا لیکن ترجمہ و تفسیر بائبل پر مسلم کام نہ ہونے کے برابر ہے ۔ اس سلسلہ میں مسیحی نقطہ نظر سے غیر معتبر انجیل برنباس کے اردو ترجمہ از مولوی محمد حلیم انصاری[42] اور جزوی تفسیر بائبل " تبين الكلام في تفسير التوراة و الانجيل علي ملة الاسلام " از سر سید احمد خاں (1898ء)[43] کے سوا اور کوئی مسلم کاوش معروف نہیں ہے ۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم علماء کی اکثریت بائیبل میں تحریف لفظی کے قائل تھی اس لیے انہوں نے اسے در خور اعتناء ہی نہیں سمجھا ۔ صاحب " موج کوثر " جان آرنلڈ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں :

" اگر تفسیر بائیبل کا کام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہو جائے تو پھر عیسائیوں کو یہ ثابت کرنا دشوار نہ ہوگا کہ اگر انجیل صحیح ہے تو (نعوذ باللہ) قرآن ضرور جھوٹ ہے۔"[44]

برصغیر کے اولین مسیحی اردو قرآنی ترجمہ کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ بائبل کی ثقاہت پر معترض ہونے کے باوجود مسلم علماء نے کلیسا کے ہاں رائج بائبل سوسائٹیوں کے کردہ تراجم پر اعتماد کیا ۔ جبکہ اس کے بر عکس مسیحی منادین فرقہ بندی اور عدم فصاحت کے آڑ لے کر مسلمانوں کے کردہ تراجم پر اعتماد کرتے دکھائی نہیں دیتے ۔ مثلاً پادری ای ایم ویری شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کی نسبت منادین کے لیے عماد الدین کے کردہ اس ترجمہ کو بہتر گردانتے ہیں[45]۔ اگر کلیسا کو مسلمانوں میں متداول تراجم پر اعتماد نہیں تھا تو چاہیے تھا کہ کلیسا کی زیر نگرانی ایک مستند ترجمہ کا اہتمام کیا جاتا اور مسلم مترجمین کی غلطیوں کو آشکار کرتے ۔ دوسری طرف مسیحی کار پردازوں کی زیر نگرانی مسلم علماء کا کردہ ترجمہ قرآن بوجوہ منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا ۔ یوں ان حالات میں بظاہر انفرادی کاوش اور کلیسا کے نگرانی سے ماوراء کردہ تراجم مسلم قارئین کے نزدیک قابل اعتناء نہیں۔

اللہ کا ڈر اور اکل حلال

" امام احمد بن حنبل کے دور میں چند لوگوں نے علمائے کرام سے پوچھا کہ قرآن میں حکم ہے اللہ سے ڈرو ، تو دل میں یہ ڈر کیسے پیدا کیا جائے ؟ مختلف علماء نے مختلف جواب دیئے ۔ حضرت امام موصوف نے فرمایا کہ اللہ کا ڈر صرف اکل حلال سے پیدا ہوتا ہے اور ہمارے ہاں اکل حلال کا کال ہے ۔ طعام حرام عام ہے ۔ فارسی کے ایک شاعر نے کہا تھا :

اے زر تو خدا نہ ای و لیکن بخدا
قاضی الحاجات وستار العیوب است

لٰہذا ہر ایک اس قاضی الحاجات اور ستار العیوب کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے۔

غرض حکومتی چھوٹی بڑی کرسی کا متمکن ہو یا درباروں اور آستانوں کا مسند نشین ، سب " انا ربکم الاعلیٰ " کا نمونہ ہیں اور عوام حقوق عبودیت ادا کر رہے ہیں ۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کو ان کی خفیہ کمین گاہوں میں تلاش کیا جاتا ہے ۔ اقتدار کے ایوانوں اور حکومتی اداروں میں ڈھونڈا جائے تو زیادہ کامیابی ہو۔ لٹیروں کو لوٹوں کا نام دیا گیا ہے ۔ مگر یہ لوٹے لڑھکتے ہیں تو بھی قومی مفاد اور جمہوریت کی پاسداری کے لیے اور پھر بھی عوام کی عقیدت میں کمی نہیں آتی وہ کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتی ! ۔"

جناب ابو الحسن کی کتاب " افلا تعقلون "
جلد دوم سے ماخوذ

---

39 ایضاً ۔

40 ایضاً ، ص 302

41 ایضاً ، ص 302

42 انصاری ، محمد حلیم ، مولوی ، انجیل برنباس (اردو) (کشمیر بک ڈپو ، لاہور ، 1916ء) ، صفحات 369

43 سر سید احمد خاں ، تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ و الانجیل علی ملۃ الاسلام ، (غازی پور) یہ جزوی تفسیر بائبل تین جلدوں میں شائع ہوئی ۔ دس مقدموں پر مشتمل پہلی جلد 1862ء اور توریت کی کتاب پیدائش کی تفسیر پر محتوی دوسری جلد 1856ء میں طبع ہوئی جبکہ 1887ء میں سامنے ہونے والی تیسری جلد انجیل متی باب اول تا باب پنجم کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

44 محمد اکرام ، شیخ ، موج کوثر ، (ادارہ ثقافت اسلامیہ ، لاہور) ، ص 84

45 Wherry, The Muslim Controversy, p.vi (Preface)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالحسن

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُوْلُواْ الْأَلْبَٰبِ

(اور حقیقت یہ ہے کہ تعلیم حق سے دانائی حاصل نہیں کرتے مگر وہی جو عقل و بصیرت رکھتے ہیں)

پاکستان میں دینی مدارس کی بہتات ہے۔ اساتذہ عالی مقام، علمائے کرام، مفتیانِ عظام و واعظان شعلہ بیان کی مردم شماری مشکل ہے بلکہ ممکن نہیں۔ ٹی وی نے ہر ناظر کو عالم بنا دیا ہے، گزشتہ دو صدیوں کے دوران کے بعض تراجم و تفاسیر میں کچھ فروگزاشتیں تھیں جنہیں دور کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اب مصیبت یہ آئی کہ جہل مرکب کے مجسمے، اسلامیات کی جعلی اسناد کے حامل خود ساختہ ڈاکٹر، پروفیسر، علامہ "صاحبانِ علم دین" کے ساتھ ہاتھا پائی میں مصروف ہیں ارباب اقتدار کا تو ہر معاملہ میں خواہ سیاسی و معاشی ہو یا مذہبی دعویٰ ہے

سارے عالم پہ ہوں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

یہ اور بات ہے کہ وہ نہیں شرماتے مگر ان کا فرمایا ہوا خود ان سے شرماتا ہے۔ ان حالات میں رمق برابر قرآنی روح کسی ذی روح انسان میں نظر نہیں آتی مکتب و مسجد میں تلاش کرو یا مذہبی و سیاسی جماعت میں سراغ لگانے کی کوشش کرو۔ پارلیمنٹ اور دیگر ادارے تو وہ مقامات ہیں "رہتے ہیں منتخب ہی جہاں روزگار کے" جہالت، دنایت، منافقت کے مکمل ترین نمونے یہاں موجود ہیں۔

معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داری علمائے حق پر ہے۔ علمائے حق قرآن پیدا کرتا ہے۔ پھر قرآن ہے لیکن علمائے حق نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ نام نہاد علماء اور دینی مدارس کے سربراہ در حقیقت بازار مذہب کے آڑھتی دار ہیں ان کی شخصیت میں نہ علم کی خوشبو ہے نہ عالم کی خوبو۔ ان ہی کے متعلق کہا گیا:

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
ہیں مئے ناب کے دلال قدح خوار نہیں

شیخان کی ایک حدیث کا ترجمہ ہے: "اللہ تعالیٰ عطاء کردہ علم کو یوں نہ اٹھائے گا بلکہ عالموں کو اٹھالے گا اور علم بھی باقی نہ رہے گا۔ جاہل باقی رہ جائیں گے ان سے فتویٰ پوچھا جائے گا تو علم کی بناء پر نہیں بلکہ اپنی رائے سے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔" ہماری قوم کے جاہل عوام جاہل خواص کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں اور اس لیے بھی کہ قرآن کا صحیح جلوہ نظروں سے اوجھل ہے۔ قرآن جو ذہن، جو اندازِ فکر پیدا کرنا چاہتا ہے وہ ناپید ہے۔ غور کریں گے کہ کیوں ہے۔ غیر عربی داں مسلمانوں کا قرآن سے تعارف، اس کا مطالعہ تراجم و تفاسیر کے ذریعے ہے بدقسمتی سے تراجم و تفاسیر بھی مسلک کی تقسیم کا شکار ہیں۔ تراجم و تفاسیر کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے ایک بات واضح کردوں کہ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ ترجمہ و تفسیر کا کام انتہائی محنت طلب کام ہے صبر و شکیب، استقامت، قربانی اور جہد مسلسل کا طالب ہے اس لیے ہر مترجم و مفسر احترام کا مستحق ہے۔ اللہ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے اور ان کی بخشش کا ذریعہ بنائے لیکن ان کی خوبیوں کے اعتراف کے باوجود ان کی خامیوں سے اعراض نہیں کرسکتے۔ ایسا کرنا قرآن سے عدم وفاداری ہوگا۔ شخصیت پرستی، بت پرستی کی ایک شکل ہے اس سے اجتناب ایمان کا تقاضا ہے۔

قرآن کا متن تو اللہ کا کلام ہے ترجمہ و تفسیر مترجم و مفسر کی ذہنی استعداد، فہم اور علمیت کا اظہار ہے۔ ذہنی استعداد اور فہم میں ہر ایک یکساں نہیں لہٰذا تراجم و تفاسیر میں اختلاف کا پیدا ہونا ضروری تھا اور اختلافات موجود ہیں۔ پھر قرآن کے منشاء حقیقی کو سراغ لگانے کے لیے مترجم و مفسر اور ان کاوشوں کا تنقیدی جائزہ لینا ضروری ہے۔ تدبر، غور و فکر لازمی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ قرآن سراسر کلام ہے۔ کلام کے فہم یا سخن فہمی کی چند بنیادی شرائط ہیں۔ محض زبان سے واقفیت اور بول چال اور لکھنے کی صلاحیت کافی نہیں۔ زبان پر عبور، اس کے ادب کا ذوق اور محاسن کا شعور درکار ہے۔ اردو مترجمین و مفسرین میں سوائے ایک کے کسی کی مادری زبان عربی نہیں حتیٰ کہ خود مادری زبان اردو کے علم و ادب کی دنیا میں ان کا کوئی بلند مقام نہیں۔ اردو کے ادیبوں میں ان کا شمار نہیں۔ ان کی نثر پر انگلی رکھی جاسکتی ہے۔ عربی قواعد پر ان کی گرفت نہیں۔ ان کے ہاں تفسیر کے متعین اصول نہیں۔ یہ محض الزامات نہیں۔ اس کی تفصیل ملاحظہ کریں تاکہ معلوم ہوجائے کہ متداول تراجم و تفاسیر میں کیا خامیاں ہیں۔ عقیدت کے پردے ہٹا کر حقیقت کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کریں۔ عقیدت کو حقیقت کا حریف نہ بنائیں۔ دامن قرآن پر ڈالی گئی سلوٹیں دور کرنا کیا ہر مسلمان کی ذمہ داری نہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا ابو الکلام آزاد نے صرف اردو ہی نہیں قرآن کے دیگر زبانوں میں تفاسیر کے نقائص کی طرف اشارہ کیا ہے ان کے مجمد (3) نقائص حسب ذیل ہیں:

(1) رفتہ رفتہ اس کے (قرآن کے) مطالعے و فہم کا ایک نہایت پست معیار قائم ہوگیا۔ یہ پستی صرف معانی و مطالب ہی میں نہیں ہوئی بلکہ ہر چیز میں ہوئی۔ حتیٰ کہ اس کی زبان، اس کے الفاظ، اس کی تراکیب اور اس کی بلاغت کے لیے بھی نظر و فہم کی کوئی بلند جگہ باقی نہ رہی۔

(2) قرآن کی صحتِ فہم کے لیے عربی لغت و ادب کا صحیح ذوق شرطِ اول ہے۔ بے شمار الجھاؤ محض اس لیے پڑ گئے کہ عربیت کا ذوق سلیم باقی نہ رہا اور جس زبان میں قرآن نازل ہوا تھا اس کے محاورات و مدلولات سے یک قلم بُعد ہوگیا۔

(3) مذاہبِ فقہیہ کے مقلدوں میں تحزب و تشیع کے جذبات تیز ہوئے تو اپنے اپنے مسائل کی بیچ میں آیات قرآنیہ کو کھینچنے لگے۔ اس کی کچھ فکر نہ تھی کہ لغت عربی کے صاف صاف معانی اسلوب بیان کے قدرتی مقتضاء، عقل و بصیرت کا واضح فیصلہ کیا کہتا ہے۔ تمام تر کوشش یہ تھی کہ کسی طرح قرآن کو اپنے امام کے مذہب کے مطابق کر دکھائے۔[1]

آگے مباحث میں ان تین امور کی جانچ پرتال ہو جائے گی۔ چند دیگر امور کا جائزہ لیں قرآن سورہ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے۔ سورہ فاتحہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے۔ بعض صحابہ و تابعین بسم اللہ الرحمن الرحیم کو سورہ فاتحہ کی پہلی آیت شمار کرتے تھے۔ ہم بھی تراجم و تفاسیر کے جائزے کی ابتداء "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کرتے ہیں۔ مولانا مودودی اور مولانا آزاد نے اپنے ترجمے میں رحمن و رحیم کے اصل الفاظ قائم رکھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی، رحمٰن کا ترجمہ "بڑے" مہربان، مولانا محمود الحسن نے "بے حد" مہربان، مولانا احمد رضا خاں نے "بہت" مہربان کیا ہے۔ بڑا، نہایت، بے حد، بہت کے الفاظ کا کیا جواز ہے؟ اس کی کچھ تشریح مولانا مودودی اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے کی ہے۔ مولانا عثمانی نے ترجمہ نہیں کیا۔ مولانا محمود الحسن کے ترجمے کی بنیاد پر تفسیر لکھی۔ مولانا مودودی اور مولانا عثمانی دونوں کا خیال ہے کہ رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ مولانا عثمانی فرماتے ہیں رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔

مولانا مودودی کا بھی خیال ہے کہ رحمن عربی میں بڑے مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ کہ رحمن و رحیم مترادف ہیں۔ انہوں نے مترادفات کی چند اردو مثالیں بھی دی ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔ دونوں حضرات نے ادب و لغت کی کوئی سند کوئی ثبوت نہیں دیا۔ دونوں کو مغالطہ ہوا۔

دونوں الفاظ رحمن و رحیم نہ مبالغے کے صیغے ہیں نہ مترادف۔ کسی زبان میں مبالغہ کا صیغہ نہیں اگر رحیم مبالغہ کا صیغہ ہے تو حکیم، علیم، خبیر، بصیر، سمیع، قدیر وغیرہ بہت سے اسماء حسنیٰ میں مبالغہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس مبالغہ ہی مبالغہ ہے۔ نعوذ باللہ اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا۔ اچھا اگر یہ رائے غلط ہے تو قرآن کا منشاء حقیقی کیسے معلوم ہو؟ ایک اور مکتب خیال پر غور کریں۔ پھر خود فیصلہ کریں۔

مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں: "الرحمن الرحیم دونوں رحم سے ہیں۔ عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت و نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان و شفقت کا ارادہ جوش میں آ جائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل، احسان سب کا مفہوم داخل ہے اور مجرد محبت لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔ اگرچہ دونوں اسم رحمت سے ہیں لیکن رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ عربی میں، فعلان کا باب عموماً ایسے صفات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو محض صفات عارضہ ہوتے ہیں۔ جیسے پیاسے کے لیے عطشان، غضبناک کے لیے غضبان، سراسیمہ کے لیے حیران، مست کے لیے سکران۔ لیکن فعیل کے وزن میں صفتِ قائمہ کا خاصہ ہے۔ یعنی عموماً ایسے صفات کے لیے بولا جاتا ہے جو جذبات و عوارض ہونے کی جگہ صفات قائمہ ہوتے ہیں مثلاً کریم کرم کرنے والا، حکیم حکمت والا، پس الرحمٰن کے معنی یہ ہوئے وہ ذات جس میں رحمت ہے اور الرحیم کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس سے ہمیشہ رحمت کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ہر آن و ہر لحہ تمام کائنات خلقت اس سے فیضیاب ہو رہی ہے۔ رحمت کو دو الگ الگ اسموں سے کیوں تعبیر کیا گیا، اس لیے کہ قرآن خدا کے تصور کا جو نقشہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور چھائی ہوئی صفت رحمت ہی کی صفت ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے تمام تر رحمت ہی ہے۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (156:7)"

میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔"

پس یہ ضروری تھا کہ خصوصیت کے ساتھ اس کی صفتی اور فعلی حیثیتیں واضح کر دی جائیں۔"[2]

اب عربی قواعد پر عبور اور دسترس کی ایک اور مثال دیکھیں۔ علماء کرام جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر میں عربی قواعد کے کسی اصول کا غلط حوالہ بھی دیتے ہیں تو اس سے ان کی علیت کا رعب تو پڑتا ہی ہے کیونکہ قواعد عربی نہ جاننے والے اپنی لاعلمی سے اسے صحیح سمجھنے اس سے مرعوب و متفق ہونے پر مجبور ہیں۔ قرآن پر اعتقاد

---

1 ترجمان القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد

2 ترجمان القرآن: 62/1 مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا احترام بھی اثر ڈالتا ہے مگر عوام غلطی کا ادراک نہیں کر سکتے۔ حالانکہ کہ اکثر صورتوں میں اگر چاہیں تو ادنیٰ غور و فکر اور تھوڑی سی سعی و کاوش سے حقیقت جان سکتے ہیں۔ مگر کون چاہے اور کیوں چاہے؟ حسبِ ذیل تحریر پڑھیں اور غور کریں۔

" پھر یہ مصدر (تواصی) باب تفاعل سے ہے جس کے خواص میں ایک تو باہمی اشتراک ہے اور دوسرے شدت و مبالغہ "[3]

عربی قواعد کی شاخ " صرف " میں 15 مخصوص ابواب ثلاثی ہیں۔ علاوہ اور ابواب کے یہ باب دراصل " سانچے " ہیں جن میں الفاظ ڈھلتے ہیں۔ حروف ثلاثی (تین حروف) مختلف سانچوں میں ڈالیں اور ایک مصدر حاصل کر لیں پھر اس مصدر کے مشتقات سے فعل، فاعل، مضارع وغیرہ حاصل کریں۔ مثال کے طور پر تین حروف (ق، ب، ل) کو باب مفاعلہ میں ڈالیں، مقابلہ کا مصدر حاصل ہو گیا۔ باب تفاعل میں ڈالیں مصدر تقابل حاصل ہو گیا، باب افعال میں ڈالیں مصدر اقبال حاصل ہوا، باب استفعال میں ڈالیں مصدر استقبال حاصل ہو گیا۔ ہر باب کے مصدر کا ایک خاصہ ہوتا ہے۔ باب مفاعلہ میں دو افراد باہم ایک ہی کام کرتے ہیں اس باب کے اردو میں مستعمل الفاظ مقاتلہ، مراسلہ، مباحثہ، معاونت، مفاخرت پر غور کریں۔ دو افراد باہم برسرپیکار ہیں، آپس میں خط و کتابت کر رہے ہیں، ایک دوسرے سے بحث کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں۔ دوبدو ڈینگیں مار رہے ہیں۔ مگر باب تفاعل کا خاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کام کر رہا ہے دوسرے پر اس کا اثر پڑ رہا ہے یا نہیں پڑ رہا ہے مگر دوسرا وہ کام نہیں کر رہا ہے۔ اس باب کے الفاظ تغافل، تجاہل، تساہل، تعارف، تناول، تعاقب، تجاوز پر غور کریں یہ بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ ان میں وہ شراکت بالکل نہیں ہے جو باب مفاعلہ کے الفاظ میں ہے۔ شدت و مبالغہ کا کوسوں پتہ نہیں، شدت و مبالغہ کی تہمت سے یہ باب بالکل بری ہے۔ یہ قواعد عربی سے لاعلمی کا مظہر ہے۔ قرآن کی تفسیر ایسی غلطیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ تفاسیر میں اس غلطی نے سورۃ العصر کا مفہوم غارت کر دیا تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

تفسیری نوادر میں سے ایک مثال ملاحظہ کریں۔

رسول ابن رسول ابن رسول حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن عظمت و عصمت پر مفسرین نے حملہ نہیں کیا، مگر کیچڑ اچھالا۔ مختصر کیفیت دردِ دل یہ ہے کہ قید خانے میں دو قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ آپ نے تعبیر بتانے سے پہلے توحید کی دعوت پیش کی پھر تعبیر بتائی۔ جس شخص کے تعلق سے بتایا کہ وہ رہا ہو کر پھر بادشاہ کے دربار کے ایک مقرب عہدے پر بحال ہو گا اس سے کہا" اذكرني عند ربك " اپنے آقا کے پاس جاؤ تو میرا ذکر کرنا۔ حضرت یوسف کے اس قول کا شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے بہت برا منایا، اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" جب وہ قید خانے سے نکلا تو فرمایا اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک شخص بے قصور قید خانہ میں برسوں سے پڑا ہے۔ مبالغہ کی ضرورت نہیں میری جو حالت تو نے مشاہدہ کی ہے بلا کم و کاست کہہ دینا۔"

پھر یوں تبصرہ فرمایا: " ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں پڑنا چاہیئے بلکہ ابن جریر اور بغوی نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ فانساه الشيطان ذكره ربه کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع کرتے ہیں گویا " اذكرني عند ربك " کہنا ایک غفلت تھی جو یوسف علیہ السلام کو عارض ہوئی۔ انہوں نے قیدی کو کہا اپنے رب سے میرا ذکر کرنا حالانکہ چاہیئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے بے شک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات بن جاتی ہیں۔ جو عوام الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے منصبِ عالی کے اعتبار سے وہی ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان و ابتلاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں انتہائی عزیمت کی راہ چلیں چونکہ یوسف علیہ السلام کا، " اذكرني عند ربك " کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اس لیے عتاب آمیز تنبیہ کی گئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی۔ "

مولانا کی یہ تحریر کسی فوجداری مقدمہ میں وکیل استغاثہ کا طرزِ لیے ہوئے ہے۔ مولانا مودودی بھی بنیادی طور پر ان مولانا سے متفق ہیں۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں: " فرمایا " اذكرني " اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو یعنی میری تعلیم و دعوت بعنوانِ مناسب اس کا تذکرہ کر دیجیو۔ ممکن ہے پیام حق کام کر جائے۔ "

کس کی رائے پیغمبرانہ کردار سے مطابقت رکھتی ہے؟

مولانا اگر سوچتے کہ اگر یوسف علیہ السلام رہا شدہ قیدی کی پیام رسانی پر رہا ہو جاتے تو کیا ہوتا۔ تھے عزیز مصر کے زر خرید غلام، واپس اسی کے پاس بھیجے جاتے اور وہاں عزیز مصر کی شوقین اور ضدی بیگم تو موجود تھی۔ مشیت الٰہی کا فیصلہ تو ہو چکا تھا کہ قید خانے سے نکلیں تو شاہی محل میں۔ غلام کی حیثیت سے نہیں معزز مہمان کی حیثیت سے رہیں۔ غور کریں تو اور بھی پہلو نمایاں ہوتے ہیں لیکن اختصار کے پیشِ نظر اسی پر اکتفاء کرنا ہے کہ کیونکہ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کی باری ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت 124 میں ارشاد ہوا:

[3] کتاب راہِ نجات سورۃ العصر کی روشنی میں از ڈاکٹر اسرار احمد، طبع ششم نومبر 1984ء، خدام قرآن لاہور: 58

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَإِذِ ٱبْتَلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَـٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّى جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِى ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿١٢٤﴾

آیت کا ترجمہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یوں کیا ہے:

" اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں میں آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، عرض کی اور میری اولاد سے، فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"

ابتلیٰ کا ترجمہ مولانا تھانوی نے امتحان لیا کیا ہے۔ شاہ عبد القادر، مولانا محمود الحسن، مولانا احمد رضا خاں، مولانا مودودی، مولانا آزاد نے آزمایا کیا ہے۔ امام کا ترجمہ مولانا تھانوی نے مقتداء، شاہ عبد القادر، مولانا محمود الحسن، مولانا احمد رضا خاں، مولانا مودودی نے پیشوا کیا ہے۔ مولانا آزاد نے ترجمے میں اصل لفظ امام کو قائم رکھا ہے۔ تفاسیر میں صرف 3 تفسیروں کا مختصر ذکر کریں گے۔

آیت پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت حاصل تھی۔ ان کو کچھ باتوں میں آزمایا گیا۔ الٰہی آزمائشوں میں پورے اترے تو نبوت کے علاوہ ایک منصب عطا فرمایا گیا "انسانوں کا امام"۔ کسی اور نبی کے تعلق سے یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ آزمائشوں کی تفصیل تو آیت میں بیان نہیں کی گئی۔ البتہ وقائع ابراہیمی قرآن میں دیگر مقامات پر بیان ہوئے۔ بہر حال آزمائشیں اتنی سخت اور شدید تھیں کہ ان پر پورا اترنے پر ایک منفرد منصب عطا فرمایا گیا۔ اب دیکھیں ہمارے مفسرین کے پاس آزمائشوں کا کیا تصور ہے جنہیں حضرت ابو الانبیاء خلیل اللہ کی طرف منسوب کیا گیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی آزمائش کی تشریح یوں کرتے ہیں:

" جیسے حج کے افعال اور ختنہ اور حجامت اور مسواک وغیرہ۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان احکام کو اللہ کے ارشاد کے موافق اخلاص کے ساتھ بجالائے اور سب کو پوری طرح سے ادا کیا۔ جس پر لوگوں کے پیشوا بنائے گئے۔"

مطلب یہ کہ چند احکام تھے ان کا پورا کرنا آزمائش تھی۔ حضرت ابراہیم نے حج کے افعال انجام دیئے۔ ختنہ کروائی، حجامت بنوائی اور مسواک سے منہ صاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر پیشوا بنا دیا۔ اللہ کی مرضی جس کو جو چاہے دے۔ مگر آزمائشوں کی یہ فہرست نامکمل تھی اس میں وغیرہ کا ابہام تھا۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے ابہام دور کر دیا فرماتے ہیں:

" خدائی آزمائش یہ ہے کہ بندے پر کوئی پابندی لازم فرما کر دوسروں پر اس کے کھرے کھوٹے ہونے کا اظہار کر دے۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آزمائش کے لیے واجب کی تھیں ان میں مفسرین کے چند قول ہیں قتادہ کا قول یہ ہے کہ وہ دس چیزیں یہ ہیں (1) مونچھیں کتروانا (2) کلی کرنا (3) ناک میں صفائی کے لیے پانی استعمال کرنا (4) مسواک کرنا (5) سر میں مانگ نکالنا (6) ناخن ترشوانا (7) بغل کے بال دور کرنا (8) زیر ناف کی صفائی (9) ختنہ (10) پانی سے استنجاء۔ یہ سب چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واجب تھیں اور ہم پر ان میں سے بعض واجب ہیں بعض سنت۔"

اس تفسیری شاہکار پر تبصرہ کا حق الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔ شاید آہوں اور آنسوؤں سے ہو جن معصوموں کو آزمائش اور آسائش کا فرق معلوم نہ ہو ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ فرہاد و قیس قد و گیسو کی آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ امام احمد بن حنبل اور سید قطب دار و رسن کی آزمائشوں میں کامیاب ہوئے مگر ہمارے علماء کو آزمائش کا شعور ہی نہیں ان کے متعلق اکبر الٰہ آبادی نے کہا ہے:

خود اپنی ریش میں الجھے ہوئے ہیں حضرت واعظ
بھلا ان کو بتوں کے گیسوئے پر خم سے کیا مطلب

مولانا آزاد نے لکھا تھا:

" انہوں نے (مفسرین) نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔"

آخر میں مولانا مودودی کی تشریح دیکھیں، " تفہیم القرآن" میں فرماتے ہیں:

قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام سخت آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے، جن سے گزر کر حضرت ابراہیم نے اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کیا تھا کہ انہیں نوع انسانی کا امام و رہنما بنایا جائے جس وقت حق ان پر منکشف ہوا اس وقت سے مرتے دم تک ان کی پوری زندگی سراسر قربانی ہی قربانی تھی۔ دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے ان میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انہوں نے حق کی راہ میں نہ جھیلا ہو۔"

اللہ تعالیٰ مولانا مودودی کو اجر عظیم عطا کرے۔

اب ذرا قواعد کی بے قاعدگی پر ایک نظر ڈالیں۔

یوسف علیہ السلام قید میں تھے۔ بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر کوئی نہ بتا سکا۔ جس قیدی کو حضرت یوسف علیہ السلام نے رہائی کی پیشین گوئی کی تھی، اس نے بادشاہ کا خواب قید خانہ میں قید یوسف علیہ السلام کو سنایا اور آپ کی تعبیر بادشاہ کو بتائی گئی۔ وہ اتنا مطمئن ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے لانے کا حکم دیا، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام ایک سزا یافتہ قیدی کی حیثیت سے رہائی پر رضامند نہیں ہوئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بے گناہی کی تصدیق ہو جائے۔ معاملہ کی تصدیق تک قید خانے سے باہر آنے سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکار کر دیا۔ بادشاہ نے عورتوں کو طلب کیا۔ پوچھ گچھ کی۔

سورہ یوسف، آیات 51 تا 54 میں ہے:

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَٰوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِۦ ۚ قُلْنَ حَٰشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوٓءٍ ۚ قَالَتِ ٱمْرَأَتُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْـَٰٔنَ حَصْحَصَ ٱلْحَقُّ أَنَا۠ رَٰوَدتُّهُۥ عَن نَّفْسِهِۦ وَإِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّى لَمْ أَخُنْهُ بِٱلْغَيْبِ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى كَيْدَ ٱلْخَآئِنِينَ ﴿٥٢﴾ ۞ وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِىٓ ۚ إِنَّ ٱلنَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِٱلسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىٓ ۚ إِنَّ رَبِّى غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٣﴾ وَقَالَ ٱلْمَلِكُ ٱئْتُونِى بِهِۦٓ

"کہا تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کر لو۔ وہ بولیں حاشاللہ۔ ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی۔ (یہ سن کر) عزیز کی بیوی بھی (بے اختیار) بول اٹھی: جو حقیقت تھی، وہ اب ظاہر ہو گئی۔ ہاں! وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے۔ بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ اسے معلوم ہو جائے (یعنی یوسف کو معلوم ہو جائے کہ) میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی اور اس لیے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی کامیابی کی راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی۔ آدمی کا نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے والا ہے۔ مگر ہاں اس حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے اور پھر بادشاہ نے حکم دیا یوسف کو میرے پاس لاؤ۔"

آیات کا ترجمہ ہم نے مولانا آزاد کا درج کیا ہے۔ اس لیے کہ اس سلسلے میں ان کی کوئی تشریح نہیں ہے۔ ترجمہ کی صحت پر انہیں اتنا اعتماد ہے کہ تشریح کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن دیگر علماء کو اس ترجمے سے اختلاف ہے۔ یہ بات مصدقہ، مسلمہ اور مستند ہے کہ دربار میں بادشاہ تھا، عورتیں تھیں جن میں امراۃ العزیز بھی تھی۔ یوسف علیہ السلام نے عورتوں کے تعلق سے کہا تھا۔ امراۃ العزیز کے متعلق نہیں کہا تھا۔ آیات میں 2 بار قال ہے۔ یعنی قواعد کے لحاظ سے کہا ایک مراد واحد، صیغہ فعل ماضی یعنی بادشاہ آیت 51 میں قلن ہے۔ کہا عورتوں نے صیغہ فعلن، جمع مؤنث، آیات 51 میں ایک بار ہے قلت، کہا ایک عورت نے واحد مؤنث یعنی زلیخا۔ اسم ایک ہی ہے، یوسف۔ ضمیر کئی ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت 51 بادشاہ اور عورتوں بشمول امراۃ العزیز کی گفتگو ہے۔ آیت 54 بادشاہ کا یوسف علیہ السلام کو قید سے لانے کا حکم ہے۔ لیکن آیات 52، 53 میں حضرت یوسف کا قول ہے جو دربار میں نہیں، قید خانے میں تھے۔ ضمیر کا مرجع وہی اسم ہو سکتا ہے جس کا ذکر ہو چکا۔ دربار میں عزیز مصر کا نام آیا ہی نہیں۔ مولانا تھانوی، مولانا مراد آبادی، مولانا عثمانی اور مولانا مودودی، سب کا یہی خیال ہے کہ آیت 52، 53 حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔ لیکن یہ فہم عام اور قواعدِ زبان دونوں کے خلاف ہے۔ مولانا تھانوی اور مولانا مراد آبادی کوئی توجیہ نہیں کرتے۔ مولانا عثمانی ترجمے میں "یوسف نے کہا" لکھتے ہیں۔ تشریح میں فرماتے ہیں، وہ بھی تنبیہ کے ساتھ:

"حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر وغیرہ نے ذٰلک لیعلم انی لم اخنہ سے غفور الرحیم تک زلیخا کا قول قرار دیا یعنی زلیخا نے انا راودتہ عن نفسہ کا اقرار کر کے کہا اس اقرار و اعتراف سے عزیز کو یہ معلوم کروانا ہے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بڑی خیانت نہیں کی۔ بے شک یوسف کو پھسلانا چاہا تھا، مگر میری مراودت ان پر کارگر نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اس کا پردہ فاش ہو کر رہتا کیونکہ خدا خائنوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ہاں میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی۔ جتنی غلطی مجھ سے ہوئی ہے، اس کا اقرار کر رہی ہوں۔ دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ ان سے تو یوسف جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابو عثمان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے لیکن لیعلم اور لم اخنہ کی ضمیریں بجائے عزیز کے یوسف کی راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لیے کرتی ہوں کہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط بات نہیں کی۔ نہ اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم"

آیت 52 شروع ہوتی ہے ذٰلک سے یعنی ایک ضمیر اشارہ سے۔ یعنی "یہ"۔ یہ لفظ سابقہ جملے کا متکلم کہہ سکتا ہے یا مخاطب۔ یہ اپنی بات کی مزید وضاحت کے لیے امراۃ العزیز کہہ سکتی تھی، یا کسی اعتراض کے لیے بادشاہ۔ آداب گفتگو کی مبادیات سے واقف کوئی عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے جو حضرت مولانا نے نہیں سمجھی۔ دیگر یہ کہ اس سارے معاملے میں عزیز مصر کا کوئی دور کا تعلق نہیں تھا۔ جتنی غلطی مجھ سے ہوئی یعنی شروع کی دست درازی، اس کا اقرار کر رہی ہوں۔ دوبارہ اس کے اقرار کی ضرورت نہیں تھی۔ انکار کر چکی تھی۔ عزیز جان چکا تھا۔ یہ بہت پہلے ابتدا میں عزیز کے محل میں ظاہر ہو چکا تھا۔ پھر حضرت یوسف قید کر دیے گئے۔ مزید خیانت کی کوئی گنجائش تھی ہی نہیں۔ لہٰذا اخنہ کی ضمیر عزیز کی طرف رجوع نہیں ہو سکتی۔ یوسف علیہ السلام کی قید کے لیے لگائے گئے الزام کی تفتیش ہو رہی تھی۔ امراۃ العزیز نے اعتراف کیا کہ وہ بے قصور تھے۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حق تھا کہ بے گناہی مانی جائے۔ امراۃ العزیز نے حضرت یوسف کے حق میں سچائی بیان کی کوئی خیانت نہیں کی۔ اگر سچ بیان نہ کرتی تو خیانت ہوتی۔ اب ذرا مولانا مودودی کے شان کلام کا مشاہدہ کریں فرماتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"بات غالباً حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت کہی ہوگی جب قید خانہ میں آپ کو تحقیقات کے نتیجہ کی خبر دی گئی ہوگی۔"

جملہ میں دوبار "ہوگی" کی بے یقینی سے بیان شروع ہوتا ہے۔ یہ مان لیا گیا کہ وہ دربار میں موجود نہیں تھے۔ گفتگو میں شریک نہیں تھے۔ قید خانہ میں دربار کی بیتی گئی روداد معلوم کی تو جو کچھ قید خانے میں کہ قرآن نے اسے بادشاہ اور امراۃ العزیز کی دربار کی گفتگو میں شریک کر دیا۔ کیا یہ قرآن کی بلاغت اور "شانِ کلام" کی شان میں گستاخی نہیں؟ پھر فرماتے ہیں:

"بعض مفسرین جن میں ابن تیمیہ، ابن کثیر جیسے فضلاء بھی شامل ہیں، اس فقرے کو حضرت یوسف کا نہیں، بلکہ عزیز کی بیوی کے قول کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ فقرہ امراۃ العزیز کے قول سے متصل آیا ہے اور بیچ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ انہ لمن الصادقین پر امراۃ العزیز کی بات ختم ہوگئی اور بعد کا کلام حضرت یوسف کی زبان سے ادا ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر دو آدمیوں کے قول ایک دوسرے سے متصل واقع ہوں اور اس امر کی صراحت نہ ہو کہ یہ قول فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا، تو اس ضرورت میں لازماً کوئی قرینہ ایسا ہونا چاہیئے جس سے دونوں کے کلام میں فرق کیا جا سکے اور یہاں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہی ماننا پڑے گا کہ الْـَٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ سے لے کر إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ تک پورا کلام امراۃ العزیز کا ہی ہے لیکن مجھے تعجب ہے کہ ابن تیمیہ جیسے دقیقہ رس آدمی تک کی نگاہ سے یہ بات کیسے چوک گئی کہ شان کلام بجائے خود ایک بہت بڑا قرینہ ہے جس کے ہوتے کسی اور قرینہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ پہلا فقرہ تو بلاشبہ امراۃ العزیز کے منہ پر پھبتا ہے، مگر کیا دوسرا فقرہ بھی اس کی حیثیت کے مطابق نظر آتا ہے؟ یہاں تو شان کلام صاف کہہ رہی ہے کہ اس کے قائل حضرت یوسف علیہ السلام، نہ کہ عزیز مصر کی بیوی۔ اس کلام میں جو عالی ظرفی، جو فروتنی اور جو خدا ترسی بول رہی ہے، وہ خود گواہ ہے کہ یہ فقرہ اسی زبان سے نکلا ہوا نہیں ہو سکتا جس سے هَيْتَ لَكَ نکلا تھا، جس سے مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا نکلا تھا اور جس سے بھری محفل کے سامنے یہ تک نکل سکتا تھا کہ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَآ ءَامُرُهُۥ لَيُسْجَنَنَّ۔ ایسا پاکیزہ فقرہ تو وہی زبان بول سکتی ہے جو اس سے پہلے مَعَاذَ ٱللَّهِ إِنَّهُۥ رَبِّىٓ أَحْسَنَ مَثْوَاىَ کہہ چکی تھی۔ جو رَبِّ ٱلسِّجْنُ أَحَبُّ إِلَىَّ مِمَّا يَدْعُونَنِىٓ إِلَيْهِ کہہ چکی تھی۔ جو وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّى كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ کہہ چکی تھی۔ ایسے پاکیزہ کلام کو یوسف علیہ السلام کے بجائے امراۃ العزیز کا کلام ماننا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کوئی قرینہ اس امر پر دلالت نہ کرے۔ اس مرحلے پر پہنچ کر اسے توبہ، ایمان اور اصلاح نفس کی توفیق نصیب ہوگئی تھی اور افسوس ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔"

مودودی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ

1 امارت کے نشے اور جوانی کے سرور و شور میں کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے تو برسوں بھی اس کی حق گوئی پر بھروسہ نہ کیا جائے، تاوقتیکہ اس کے قلب ماہیت کا کوئی مستند ثبوت مہیا نہ ہو اور مودودی صاحب کو تقریباً 37 صدیوں قبل ایک عورت کی بے راہ روی سے برسوں بعد بھی راہ راست پر آنے کا ثبوت نہیں ملا، اس لیے وہ اس عورت کی نیک چلنی اور صدق بیانی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ خواہ قواعد زبان کا گلا گھونٹنا پڑے اور فہم عامہ کا خون کرنا پڑے۔

2 ابن تیمیہ اور ابن کثیر کا صرف حوالہ دینا کافی ہے۔ ان کی تردید کی ضرورت نہیں۔ صرف ماننے سے انکار کر دیں۔ اس ادا کو ہٹ دھرمی کہا جاتا ہے۔

3 شان کلام کی مبہم اصطلاح کی لغت و ادب میں کیا سند ہے؟ شان کلام کا معیار کیا ہے؟ اس کا تعین کون کرے؟ قرآن کو کلمۃ العلیاء، کلمۃ الحسنیٰ، کلمۃ الطیبۃ کے الفاظ بیان کرتا ہے۔ ہم حسن کلام سنتے آئے ہیں۔ شان کلام تو صرف مودودی صاحب کے کلام میں نظر آئی۔ یعنی ایسا شاندار کلام جو قواعد زبان کی پابندی کرنا اپنے شان کی خلاف سمجھے۔

اس میں شک نہیں کہ زلیخا کے بیان میں "شان کلام" ہے۔ یعنی خیالات کی پاکی ہے۔ لیکن یہ شان کلام کس کی پیدا کردہ ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام کی مظلومیت، عظمت، حسن کردار کے جادو کی اور جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے پیغمبرانہ کردار کا جادو زلیخا کے سر پر چڑھ کر بولے تو کیا تعجب ہے؟ پیغمبرانہ کردار کی اثر انگیزی سے بڑھ کر اور کیا قرینہ چاہیے؟

مولانا آزاد کا بیان یہ ہے:

" سرگزشت کی نمایاں شخصیت امراۃ العزیز کی ہے۔ سب سے پہلے وہ موقع سامنے آتا ہے جب اس نے حضرت یوسف کو دعوت عیش دی اور ناکام رہی۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِۦ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَن رَّءَا بُرْهَـٰنَ رَبِّهِۦ (آیت 24) اور جب پردہ فاش ہوگیا اور شوہر سامنے کھڑا پایا تو اپنی ذلت و رسوائی برداشت نہ کر سکی۔ جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا اور کس کے سر؟ اس کے سر جس کی محبت و شیفتگی کی مدعی بنی تھی۔ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوٓءًا إِلَّآ أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (آیت 25) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی محبت میں کچی تھی اور ہوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ کیونکہ اگر محبت کامل ہوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسوائی سے نہ ڈرتی اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی۔ لیکن پھر جب کچھ دن گزر گئے تو معلوم ہوتا ہے اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا۔ اب بھی اسے دنیا کے سامنے اقرار محبت کرنے میں عار تھا۔ لیکن لائمات کے سامنے صاف صاف اقرار کر لیا:

وَلَقَدْ رَٰوَدتُّهُۥ عَن نَّفْسِهِۦ فَٱسْتَعْصَمَ (آیت 32)

ساتھ ہی محبت اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کام جوئیوں پر محبوب کی مرضی کو ترجیح دیتی۔ اس لیے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاہا۔

وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَآ ءَامُرُهُۥ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ ٱلصَّٰغِرِينَ (آیت 32)

لیکن پھر جب وقت آیا کہ عشق کی خامیاں پختگی اور کمال تک پہنچ گئیں تو اب نہ ننگ و جھجک باقی رہی تھیں نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ۔ جوں ہی سنا کہ یوسف کے معاملے میں پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ بے پردہ اور صریح اعلان کر دیا:

ٱلْـَٰٔنَ حَصْحَصَ ٱلْحَقُّ أَنَا۠ رَٰوَدتُّهُۥ عَن نَّفْسِهِۦ وَإِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ (آیت 51)

"وہ تو سر تا سر سچا ہے۔ جو کچھ بھی قصور تھا، میرا تھا۔ اب اقرار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ہوتا تھا اور نہ عشق کی ذلت و رسوائی رہی تھی۔ اب تو ہر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے، محبوب ہی کی طرح محبوب ہو گئی تھی۔ محبت کی خامی و پختگی کے یہ مراتب قدرتی ہیں اور عام ہیں۔ جب کبھی اور جہاں کبھی بھی آئے گی، ان تین حالتوں میں سے کوئی حالت ضرور ہو گی۔ خام بودم، پختہ شدم، سوختم۔"[4]

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ زلیخا کے معاملہ میں ضمیر کے مرجع میں کوئی اختلاف ہو تو کیا قیامت ٹوٹ پڑی کہ لمبی چوڑی بحث ہو؟ اس سے قرآن پڑھنے والوں کے عقیدہ، عمل، ایمان پر کیا برا اثر پڑا؟

عرض ہے کہ لغت کے صحیح استعمال اور قواعد کی پابندی کا تعلق ہر آیت سے ہے۔ دیگر آیات میں عقیدہ بھی ہے، احکام بھی۔ مقصد یہ بتلانا ہے کہ اردو تراجم میں مترجمین نے لغت سے بے گانگی اور قواعد سے بے اعتنائی برتی تو عربی آیات کا صحیح ترجمہ اور مفہوم کی ادائی ممکن ہی نہیں اور ہماری قوم کو اس کا احساس ہی نہیں کہ ترجموں میں کیا کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ حتیٰ کہ اسرائیلی روایات نے اردو کی انتہائی متداول تفاسیر میں جگہ پالی اور بعض مشہور و اکابر علمائے کرام تک اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

سورہ ہود کی آیت 120 میں انبیاء سابقین کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے فرمایا:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾

"اور (اے پیغمبر) رسولوں کی سر گزشتوں میں سے جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں (یعنی جن جن اسلوبوں سے ہم سناتے ہیں) تو ان سب میں یہی بات ہے کہ تیرے دل کو تسکین دے دیں اور پھر ان کے اندر تجھے امر حق مل گیا (یعنی سچائی کی دلیل مل گئیں) اور موعظت (کہ نصیحت پکڑنے والے نصیحت پکڑیں گے) اور یاد دہانی ہوئی مومنوں کے لیے۔"

نصیحت، عبرت، یاد داشت کے لیے قدرت کے تاریخی قوانین کے استنباط کے بجائے مفسرین نے خیالی گھوڑا پیدا کر کے اللہ کے مقرب فرشتے روح الامین جبرئیل علیہ السلام کو گھڑ سواری کی زحمت دی۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کب، کہاں اور کیوں گھوڑا لانے کی ضرورت ہوئی؟

درائے دجلہ و فرات کی وادی اور دریائے نیل کی وادی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل مصر علوم و صنائع کا مرکز، شہریت و تہذیب اور امارت کے خصائص کا حامل تھا۔ مصری شہنشاہیت مضبوط معیشت، لائق منتظمین، منظم فوج، ماہر کاریگر، عوام اور حکمرانوں کی یکجہتی، محل و مندر کے اتحاد کی بنیادوں پر قائم تھی۔ مصر کے اطراف کے علاقے، بنجر ریگستان یا چراگاہیں تھے جو خانہ بدوشوں اور چرواہوں کی آبادیوں پر مشتمل تھے۔ وہاں کے باشندے تجارت و ملازمت کے لیے مصر کا رخ کرتے جہاں عظیم الشان اہراموں اور مندروں کی تعمیر کے لیے بے روزگار مزدوروں اور کاریگروں اور غلاموں کی بہت ضرورت تھی۔ اس طرح مختلف قبیلوں اور نسلوں کی معتد بہ آبادی مصر میں بس گئی تھی۔ ان میں بنی اسرائیل بھی تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سولھویں یا سترہویں صدی قبل مسیح میں مصر آئے۔ مصر کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی محسن و مقتدر شخصیت کی وجہ سے عزت و احترام سے بسائے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً چار سو سال کا عرصہ ہے۔ اس عرصہ میں بنی اسرائیل عزت و احترام کی جگہ غلامی اور ذلت کی زندگی گزار رہے تھے۔

انسانی معاملات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پرندوں کی مثال دی۔ ہم بھی جسمانی اور ذہنی غلامی کی تشریح کے لیے پروندوں کی مثال لیں۔ ایک پرندہ پابند قفس ہے۔ قفس کی تیلیوں کے درمیان سے نکلنے کی ناکام کوشش کرتا رہتا ہے۔ قفس کا دروازہ کھلا پائے تو فوراً اڑ جاتا ہے۔ ایک اور پرندہ قفس میں کچھ دن رہنے کے بعد اپنے مالک سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ کھلا چھوڑ دیا جائے

4 ترجمان القرآن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو بھی نہیں جائے گا ۔ وہ گرفتار الفت صیاد ہے اور فخر سے خوش فہمی میں رہتا ہے کہ

ہوں گرفتار الفت صیاد
ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

غلام عزت نفس کے احساس سے قطعی محروم رہتے ہیں ۔ ان کے مفلوج ذہن اور مجروح روح کو کوئی حاجت نہیں رہتی ۔ صرف جسمانی آسائشوں کا حصول ان کا مقصد حیات رہ جاتا ہے ۔ عزم و ہمت کی روح کچلی جاتی ہے ۔ غلاموں میں فطری رجحان رہتا ہے کہ آقاؤں کی اطاعت کریں ۔ ان کے عادات و اطوار کی ممکنہ حد تک نقل کریں ۔ آقاؤں کی شان و شوکت اور قوت و اقتدار سے مرعوبیت آقاؤں سے مرغوبیت کی طرف مائل کر دیتی ہے ۔ اپنا مذہب نہ چھوڑیں تو بھی حکمرانوں کے مذہب کا طوق ان کے گلے میں پڑ کر ان کے مذہب کی گردن دبائے رکھتا ہے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید میں مصریوں کو دی ہوئی توحید کی تعلیم بت پرستی کی آمیزش سے ویسی ہی ہو گئی تھی جس طرح ہمارا عقیدہ توحید ہندوؤں کے شرک اور بت پرستی سے خلط ملط اور لتھڑا ہوا ہو گیا اور ابھی تک ہے ۔ فرعون کے سرداروں نے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا:

أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ
(مومنون: 47)

" کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں (موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام) پر ایمان لائیں ؟ حالانکہ ان کی قوم ہماری پرستار (عابدون) ہے ۔"

مولانا آزاد نے عابدون کا ترجمہ پرستار کیا ہے ۔ مولانا مودودی نے " ہماری قید " کیا ہے ۔ عثمانی صاحب " تابعدار " اور مراد آبادی صاحب نے " بندگی " کیا ہے ۔

اور ثبوت ملیں گے کہ بنی اسرائیل کو مصری بت پرستی سے رغبت تھی ۔ وحشت نہیں تھی ۔ کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ بنی اسرائیل اور دیگر محکوم قوموں نے اپنی غلامی سے نکلنے کی کوئی کوشش کی ہو ۔

فرعون نے اور استبدادی قوتوں کی طرح اپنے اقتدار کے دوام کے لیے مختلف محکوم گروہوں کو آپس میں لڑائے رکھا اور ساتھ ہی محکوم قوموں کے چند افراد کو اپنی نوازشوں سے نوازا ۔ انہیں بڑے عہدے دیئے ۔ ان ہی کے ذریعے ان کے ہم قوم افراد پر ظلم کرتا رہا ۔ قرآن میں ہے : " ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا ۔" الی فرعون و ہامان و قارون ۔ ہارون و قارون فرعون کے دست و بازو تھے ۔

برطانیہ کی حکومت کے زمانے میں ہماری قوم کے ایمان فروش قارون " سر " اور " خان بہادر " کے خطاب سے نوازے گئے ۔

جسمانی غلامی تو صاف نظر آتی ہے ذہنی غلامی کے دیکھنے کے لیے ایمان کی سوچ ، عقل کی آنکھ درکار ہے ۔ خود اپنی حالت پر غور کریں ۔ ان کنتم تعقلون ۔

اپنے اقتدار کا احساس دلاتے رہنے اور محکوموں کے حوصلوں کو پست رکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ محکوم قوموں کے مردوں کو قتل کیا جاتا رہے اور عورتوں کو زندہ رکھ کر حسب مرضی استعمال کیا جائے ۔ ابناء کم و یستحیون نساء کم ۔ یہ تاریخ کا ایک اصول ہے ۔ امریکہ پاکستانیوں کی مدد سے پاکستانیوں کو ڈرون حملوں میں قتل کرتا ہے ۔ افغان مسلمانوں کو قتل کر رہا ہے ۔ کیا یہ پاکستانی اور افغان ابناء کم میں شامل نہیں ؟ اور کیا ملک کے دیہی علاقوں میں چھوٹے فرعون یعنی وڈیرے " کیوں " کے ساتھ اسی " فرعونی سنت " پر عمل نہیں کر رہے ہیں ؟

مصر کے ان حالات میں مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾ (قصص : 5)

" ہماری مشیت یہ ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین پر حد کمزور کر دیا گیا تھا اور انہیں اقتدار کا وارث بنائیں ۔"

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطائے نبوت کے ساتھ ہی یہ حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جائیں اور کہیں " فارسل معنا بني اسرائیل و لا تعذبھم " بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کر دے اور ان پر سختی نہ کر ۔

سوال یہ ہے کہ صدیوں سے آباد بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر مصر کے شمال مشرق میں واقع سنائی کے بنجر علاقے میں چلے جانے کے حکم میں کیا مصلحت تھی ؟ اس بارے میں قرآن میں واضح طور پر نہیں بتلایا گیا ۔ کچھ اشارات ملتے ہیں جن کی بنیاد پر مورخین کے مباحث ہیں ۔ آگے کچھ حوالہ دیں گے ۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس گئے ۔ بنی اسرائیل کو جانے دینے کے مطالبہ کے ساتھ ہی کہا کہ میں اپنے رب کی طرف سے بینات (آیات ، معجزے) لایا ہوں ، ید بیضا اور اژدھا بننے والے عصا کے مشاہدہ سے فرعون یقینی طور پر متاثر اور خوف زدہ ہوا ۔ وہ اور اس کے سردار اسے جادو سمجھ کر اپنے جادوگروں سے مقابلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوے کے ابطال کا فیصلہ کیا ۔ جادوگر طلب کیے گئے اور وہ نہ صرف ہارے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے ۔ فرعون کے سرداروں نے فرعون سے پوچھا کیا موسیٰ علیہ السلام کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے ؟ اس نے گھمنڈ سے کہا ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ وہ ہماری طاقت تلے دبے ہوئے ہیں اور ہم ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں کو ذلیل کرتے رہیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مہلت مل گئی اور وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے (یعنی خروج مصر کے لیے) کاموں میں مصروف ہو گئے۔ تربیت کے مراکز قائم کرنے، اپنی علیحدہ قومی و مذہبی شناخت کا احساس پیدا کرنے کے لیے اللہ نے حکم دیا کہ اپنے گھر قبلہ رخ بناؤ اور ان میں نماز قائم کرو۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٧﴾ (یونس، آیت 87)

" اور ہم موسیٰ اور اس کے بھائی (ہارون) پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں مکان بناؤ اور اپنے مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو۔ نیز (ان میں) نماز قائم کرو اور جو ایمان لائے ہیں، ان کو کامیابی کی بشارت دو۔"

اور ان سے ایام اللہ کا ذکر کرو یعنی حق و باطل کی کشمکش کے انجام کے فیصلہ کن دنوں کے واقعات سناؤ۔ انہیں فتح کی نوید دو تاکہ حوصلے بلند رکھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم نے قوم میں کچھ بیداری پیدا کی لیکن طویل غلامی اور محکومی کی پیدا کردہ تن آسانی سہل انگاری، زور آزمائی سے گریز، عزم و ہمت کی مردنی نے وہ امنگ اور ولولہ پیدا نہیں کیا کہ بخوشی تکلیفیں اٹھاتے۔ فرعون کے مظالم بڑھتے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی:

قَالُوٓا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِنۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾ (سورہ اعراف، آیت 129)

" قوم کے لوگوں نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں۔ موسیٰ نے کہا قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں ملک میں اس کا جانشین بنائے اور پھر دیکھے (اس جانشینی کے بعد) تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں۔"

آیت کی خاص بات یہ ہے: فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا اتنا اثر ہوا کہ

فَمَآ ءَامَنَ لِمُوسَىٰٓ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِۦ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّن فِرْعَوْنَ وَمَلَإِي۟هِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْأَرْضِ وَإِنَّهُۥ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ (یونس: 83)

" موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر صرف ایک گروہ جو اس کی قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا۔ وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتا ہوا کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک مصر میں بڑا ہی سرکش بادشاہ تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ظلم و استبداد میں بالکل چھوٹ تھا۔"

معلوم ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں سے فرعون کے مظالم سے نجات پانے کے لیے بنی اسرائیل کے علاوہ دیگر مظلوم و محکوم قومیتوں کے چند افراد بھی مصر چھوڑنے پر آمادہ ہوئے اور یہ بھی اشارے ملتے ہیں کہ مصر میں ہی سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس طرح وابستہ تھا کہ بنی اسرائیل کے عوام میں وہ جانا بوجھا قابل اعتبار شخص تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ مصر میں آمد کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کتنے سال خروج سے قبل مصر میں قیام کیا۔ اندازہ ہے کہ 5 سے 10 سال وہ مصر میں رہے۔ آخر کار حکم ہوا۔

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِى فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَٰفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿٧٧﴾ (طٰہٰ: 77)

" اور پھر دیکھو ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اب میرے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) نکال لے جا۔ پھر سمندر میں ان کے گزرنے کے لیے خشکی کی راہ نکال لے۔ نہ تو تعاقب کرنے والوں سے اندیشہ ہو گا، نہ کسی اور طرح کا خطرہ۔"

آیت بالا میں یہ نہیں کہ صرف اپنی قوم یا بنی اسرائیل کو راتوں رات نکال لے میرے بندوں کو فرمایا یعنی دوسرے آمادہ خروج لوگوں کو بھی۔

وَجَٰوَزْنَا بِبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُۥ بَغْيًا وَعَدْوًا (یونس: 90)

" اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت کریں۔"

سورہ الشعراء 52 تا 66 میں ارشاد ہوا:

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِىٓ إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٥٢﴾ فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حَٰشِرِينَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَٰذِرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَخْرَجْنَٰهُم مِّن جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَٰهَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾ فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَٰٓءَا الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَٰبُ مُوسَىٰٓ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ كَلَّآ ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ فَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ
مُوسَىٰٓ أَنِ ٱضْرِب بِّعَصَاكَ ٱلْبَحْرَ ۖ فَٱنفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ
فِرْقٍ كَٱلطَّوْدِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ
ٱلْءَاخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ أَجْمَعِينَ
﴿٦٥﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا ٱلْءَاخَرِينَ ﴿٦٦﴾

" اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل ۔ تم سب پیچھا کیے جاؤ گے ۔ فرعون نے شہروں میں کارندوں کو بھیج دیا (کہ بنی اسرائیل پر نگرانی رکھیں) یہ کہہ کر کہ یقیناً یہ گروہ تعداد میں کم ہے اور اس پر یہ ہمیں غضبناک کر رہے ہیں اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ، ان سے چوکنا رہنے والے ۔ بالآخر ہم نے انہیں باغات سے ، چشموں سے اور خزانوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے نکال باہر کیا ۔ اس طرح ہوا اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا ۔ پس فرعونی سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکلے ۔ پس جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا " یقیناً ہم پکڑ لیے گئے " موسیٰ نے کہا " ہرگز نہیں ، یقین مانو ۔ میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا ۔ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا اپنی لاٹھی مار ۔ پس اس وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک لا کھڑا کیا اور موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو نجات دی اور پھر سب دوسروں کو ڈبو دیا۔"

بنی اسرائیل کے تعلق سے قرآن کی درج کردہ آیات کے الفاظ کی چلمن سے حقیقت جھانک لی کہ آزادی کے لیے جو تڑپ ، ایثار و قربانی اور جانثاری پر اکساتی ہے ، وہ بنی اسرائیل میں پیدا نہیں ہوئی تھی ۔ جو کچھ انہوں نے کیا ، حالات کے جبر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مضبوط شخصیت کے اثر سے کیا ۔ پھر بھی صدیوں سے اپنا ، اپنے بزرگوں کو جما جمایا گھر چھوڑنا ، مانوس مقام سے نا معلوم منزل طرف کوچ کرنا ، ایسا کام تھا جس کی اللہ نے سورہ الاعراف کی آیت 137 میں تعریف کی ۔ خروج مصر تاریخ کا عجیب و غریب ، عظیم اور بے مثال واقعہ تھا ۔ وقت کے سب سے بڑے جابر ، طاقتور حکمران کو اس کی فوج سمیت ذلت ناک شکست و بربادی سے دوچار کرنے کا باعث وہ گروہ تھا جو حکمران کا محکوم تھا ، کمزور تھا ، نہتا تھا جو مشیت الٰہی کی تکمیل کا ذریعہ بنایا گیا۔

بہر حال بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے نکلے ۔ اب وہ آزاد تھے ۔ جسمانی طور پر ہی سہی ، لیکن آزاد تھے ۔ لیکن سنائی میں ابھی منزل مقصود تک نہیں پہنچے تھے کہ :

فَأَتَوْا۟ عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰٓ أَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ
قَالُوا۟ يَٰمُوسَى ٱجْعَل لَّنَآ إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ ۚ

(اعراف : 138)

" وہاں ان کا گزر ایک گروہ پر ہوا کہ اپنے بتوں پر مجاور بنا بیٹھا تھا ۔ بنی اسرائیل نے کہا : اے موسیٰ ! ہمارے لیے ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا ان لوگوں کے لیے ہے ۔"

بنی اسرائیل غلامی کے دور میں ضعف ایمانی کی بیماری میں مبتلا تھے ۔ حضرت موسیٰ انہیں اس مرض سے نجات دلانا چاہتے تھے ، لیکن مصر سے خروج سے قبل وہ اپنے پیغمبر سے مختصر دور تربیت میں مکمل اکتساب فیض نہیں کر سکے ۔ پیغمبرانہ تعلیم و تربیت کے ذہنی سرایت کا عمل (Inclucation, indoctrination) مکمل نہ ہوا تھا ۔ مصری تمدن ، مصری معاشرتی اقدار ، مذہبی عقائد اور ورثہ ابراہیمی گڈمڈ ہو گئے تھے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قیام مصر کے مختصر دور میں خروج سے قبل ورثہ ابراہیمی کی تطہیر کی کوشش کی ۔ خروج پر مصری قانون و معاشرتی اقدار کے نفاذ کی قوت ختم ہو چکی تھی ۔ لیکن نئے نظام کے لیے احکام الٰہی کا نزول نہ ہوا تھا ۔ ایک ذہنی خلاء پیدا ہوا ۔ انسان جس ماحول میں جیتا ہے ، اس کی جسمانی ضرورت کے لیے مناسب آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے ، اسے ملتی ہے ، لیکن ذہنی ضروریات کے لیے بھی مخصوص غیر مادی آب و ہوا نا گزیر ہے ۔ مذہبی عقائد ، معاشرتی اقدار و قانون ، رسم و رواج ، ذہنی ماحول کی آب و ہوا ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت بنانے کی درخواست اس ذہنی خلاء کی وجہ سے تھی اور اسی ذہنی خلاء کو دور کرنے حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر گئے جس کا ذکر آگے آئے گا ۔ عقیدہ توحید کے وارثوں کی بتوں سے الفت صرف اس مخصوص دور سے مختص نہیں ۔ ہم خود اپنے حال پر غور کریں ۔ بتوں کی شکلیں بدل سکتی ہیں بت پرستی کا ذہن وہی رہتا ہے ۔ پتھر سے بت بنے بتوں کے بجائے ہم پتھروں سے بنی قبر کو عرق گلاب سے غسل دیتے ہیں ۔ یہ غسل طہارت ، غسل صحت ، غسل جنابت اور غسل میت سے الگ ایک " غسل مبارک " ہے ۔ پھر غسل یافتہ پتھروں پر قرآنی آیات سے مزین چادر سے ان پتھروں کی " ستر پوشی " کرتے ہیں ۔ شاید ان قبروں کو بھی خانہ کعبہ کی قسم سے سمجھتے ہیں ۔ صرف جاہل ہی نہیں ، نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ ، روشن خیال افراد بھی اس نیک کام کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔ قرآن کہتا ہے اللہ نے آدم و حوا کو جنت میں ایک درخت کے قریب بھی نہ جانے کا حکم دیا تھا دونوں نے خلاف ورزی کی اور درخت کا پھل کھایا دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ درختوں کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پتوں سے ستر پوشی کرنے لگے ۔ ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کے لیے دینی علوم و احکام شجر ممنوعہ ہیں کسی کام کو دین سمجھ کر کرتے ہیں یا کہتے ہیں ان کے ذہن برہنہ ہو جاتے ہیں تو وفاقی و صوبائی وزراء تاویل، تشریح و تردید کے پتے فراہم کرنے کے کار ثواب پر لگ جاتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے سرزنش کی ۔ اپنے مقام پر پہنچے ۔ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ نئے احکام کی شدید ضرورت ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ قوم کا ایک طبقہ ابھی اعتقاد میں کچا ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ مصر سے خروج کی تحریک میں سامری ان کا شریک تھا لیکن دعوت ابراہیمی کا دل سے پیرو نہیں بنا تھا ۔ آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو قوم پر نگران مقرر کیا اور پہاڑ پر تشریف لے گئے ۔ آپ کے غیاب میں بنی اسرائیل نے (بقول ان کے) مصر سے لائے ہوئے زیور پھینک دیے (فقذفنھا : آیت 87) اس سے جو سونا فراہم ہوا، سامری نے اس سے ایک بچھڑا بنایا۔ اس میں ایک کل لگا دی کہ ہوا کے نفوذ سے ایک آواز نکلتی تھی ۔ ایک بے معنی آواز اور حضرت ہارون نے روکا، مگر مصری بت پرستی سے مانوس عوام نے کہا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نئے احکام کے ساتھ واپسی تک پوجا پر قائم رہیں گے ۔ اس بارے میں جو کچھ کہا اور کیا وہ تاریخی قوانین کے استنباط کا مواد فراہم کرتا ہے۔

جب کسی معاشرے کے حالات انقلاب کے متقاضی ہوتے ہیں تو مختلف نظریات کے لوگ باہمی اختلافات دبا کر ایک مقصد کے لیے متحد ہوتے ہیں ۔ وہ یہ کہ موجودہ نظام سے نجات سے حاصل کی جائے، لیکن جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو معاشرے کی نئے خطوط پر تشکیل کے معاملے میں اختلافات ابھر کر سامنے آتے ہیں ۔ فرعون سے نجات کے بعد خروج کرنے والوں کو یہی صورت حال پیش آئی ۔ سامری نئے معاشرہ کی تشکیل مصری بت پرستی کے مذہب پر مبنی معاشرے کے نمونے پر کرنا چاہتا تھا ۔ بنی اسرائیل کے چند لوگ بھی مخالف نہ تھے ۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے نئے حاصل شدنی احکام الٰہی کی بنیاد پر چاہتے تھے ۔ ابن خلدون نے تاریخ ایک اصول یہ بتلایا ہے کہ ہر انقلاب کے بعد ایک خانہ جنگی ہوتی ہے ۔ عملی طور پر نہ ہو تو نظریاتی طور پر ہوتی ہے۔

تاریخ کا یہ قانون زمان و مکان کا پابند نہیں ۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے واقعات بہت ملتے ہیں ۔ خانہ جنگی نہ ہو تو بھی اختلافات مسائل پیدا کرتے ہیں ۔ حالیہ تاریخ میں روس کے اسٹالن اور ٹراٹسکی کی مثال ہے ۔ انقلاب روس کے بانی لینن کے انتقال کے بعد اسٹالن اور ٹراٹسکی میں آویزش شروع ہوئی جو ٹراٹسکی کے قتل پر ختم ہوئی ۔ ٹراٹسکی کیونزم کے بین الاقوامی کردار پر زور دیتا تھا ۔ اسٹالن کیونزم کو روسی قوم پرستی کے تحت پروان چڑھانا چاہتا تھا۔

محکوم قومیں غلامی کے دور میں یہ سمجھتی ہیں کہ حاکموں کی برتری ان کے مذہب کے اصولوں، طور طریقوں کی افادیت کی وجہ سے ہے، اس لیے غلامی اور مرعوبیت ان کی نقل پر مجبور کرتی ہے ۔ وہ اپنی جداگانہ ثقافت و مذہب کو حکمرانوں کے مذہب و ثقافت سے ہم آہنگ کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کرتے ہیں ۔ دور نہ جائیں اپنی ہی حالیہ تاریخ پر نظر ڈالیں ۔ 1857ء کے المناک واقعات میں نیم جان مغل اقتدار تاریخ کے قبرستان میں دفن ہو گیا تو قوم کی از سرنو شیرازہ بندی کے لیے سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء کی قیادت سامنے آئی ۔ سر سید احمد خان آج بھی پاکستانی قوم کے ہیرو ہیں ۔ ان کے تعلق سے "گفتہ آید در حدیث دیگراں۔"

مولانا ابو الحسن علی ندوی اپنی کتاب "اسلامی ممالک میں اسلامیات اور مغربیت کی کشمکش" میں لکھتے ہیں :

"انہوں (سر سید) نے متوسط درجہ کی دینی تعلیم پائی تھی اور دینی علوم اور کتاب و سنت پر ان کی نظر گہری نہیں تھی ۔ وہ انگریزوں سے اس طرح متاثر ہوئے جس طرح کوئی مغلوب غالب سے ۔ کوئی کمزور طاقت ور سے ۔ انہوں نے شخصی طور پر انگریزی تہذیب اور طرز معاشرت کو اختیار کر لیا اور دوسروں کو بھی بڑی گرمجوشی سے اور قوت سے اس کی دعوت دی ۔ سفر انگلستان کے بعد ان کا نقطہ نظر خالص مادی ہو گیا ۔ وہ مادی طاقتوں اور کائناتی قوتوں کے سامنے بالکل سرنگوں نظر آنے لگے ۔ وہ اپنے عقیدے اور قرآن مجید کی تفسیر بھی اسی بنیاد پر کرنے لگے ۔ انہوں اس قدر غلو سے کام لیا کہ عربی زبان و لغت کے مسلمہ اصول و قواعد اور اجماع و تواتر کے خلاف کہنے میں ان کو باک نہ رہا ۔ چنانچہ ان کی تفسیر نے دینی حلقوں میں سخت برہمی پیدا کر دی ۔ سر سید کے قریبی رفیق کار مولانا الطاف حسین حالی، مصنف "حیات جاوید" بھی یہ لکھنے میں مجبور ہو گئے کہ "سر سید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائیں اور بعض مقامات پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں ۔" سر سید اور ان کے ساتھیوں نے فتوے دیے کہ انگریز کے خلاف بغاوت اسلام کے احکام کے خلاف ہے۔"

سر سید کی غلامانہ ذہنیت قوم میں سرائیت کر گئی اور پھر اسی غلام ذہن کی قوم کے سر پر 1947ء میں آزادی تھوپی گئی ۔ قیام پاکستان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے قبل " تعمیر قوم " کی کسی کوشش کا تصور تک نہ تھا عمل کیا ہوتا ؟ نتیجہ یہ ہوا کہ غلام ذہن جب آزادی کے تخت پر بیٹھے تو لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا ۔ غلام ذہن کو صرف لوٹ مار کی آزادی ملی ۔ جیسا کہ اٹھاریوں صدی کے ایک انگریز ڈرامہ نگار نے کہا :

Corrupted freemen are the worst slaves .

پھر آج تک پتا نہ چلا کہ موجودہ درد ناک شرمناک ذلت ناک صورتحال کی اصل وجہ کیا ہے ۔ اس مرض کے الٰہی علاج کا نسخہ یہ ہے کہ اقتدار کے حصول سے قبل ایک جماعت ایسی تیار ہو جائے جس کی سوچ جس کے اقوال جس کے اعمال ان کے نظریات کے سانچے میں ڈھلے ہوں ۔ اس جماعت کے افراد کا کردار ان کے نظریات کا عملی نمونہ ہو۔ رسول کریم ﷺ نے مکی زندگی میں 13 سال تعلیم و تربیت میں مصروف رہے ۔ ذکر ھم بایام اللہ پر عمل کرتے رہے ۔ تزکیہ عمل جاری رکھا ۔ مدینہ میں اقتدار ملا تو اس کا استعمال آپ ﷺ نے اور صحابہ نے کس طرح کیا ، وہ انسانی تاریخ کا بے مثال تجربہ ہے ۔

اب آیات قرآنی کے سہارے آگے بڑھیں ۔ تین آیات سورۃ طٰہٰ 85,84,83 وقائع موسوی میں بہت اہم ہیں ۔ انہیں درج کرتے ہیں اور پہلے ان آیات میں بیان کردہ واقعات سے قبل کے حقائق دیکھیں۔

موسیٰ علیہ السلام اپنی منزل پر پہنچے ۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو ، بہر حال عارضی سہی ، وہ ایک ٹھکانہ تھا ۔ وہاں سے انہیں اکیلے پہاڑ پر جانا تھا ۔ پوری قوم کو نہیں ۔ انہیں موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کا انتظار کرنا تھا ۔ انہوں نے اپنے بھائی کو نگران مقرر کیا ۔ ساری تحریک کے دوران دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت میں جو وزن ، جو اثر تھا ، وہ حضرت ہارون میں نہیں تھا ۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر شریک نبوت کیے گئے تھے ۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے پہاڑ پر تشریف لے گئے۔وہاں اللہ نے پوچھا:

وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَن قَوۡمِكَ يَٰمُوسَىٰ ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمۡ أُوْلَآءِ عَلَىٰٓ أَثَرِي وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضَىٰ ﴿٨٤﴾ قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۢ بَعۡدِكَ وَأَضَلَّهُمُ ٱلسَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾

ان آیات کے دو ترجمہ ملاحظہ ہوں :

مولانا مودودی : اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے پہلے لے آئی اس نے عرض کیا ۔ وہ بس میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں ۔ میں جلدی کر کے تیرے حضور آ گیا ہوں ۔ اے میرے رب ! کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے ۔ فرمایا: اچھا تو سنو! ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔

مولانا آزاد : اے موسیٰ ! کس بات نے تجھے جلدی پر ابھارا اور تو قوم کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا وہ مجھ سے دور نہیں، میرے نقش قدم پر ہیں اور اے پروردگار ! میں نے تیرے حضور آنے میں جلدی کی کہ تو خوش ہو ۔ فرمایا: مگر ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کی استقامت کی آزمائش کی اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا۔

ان تین آیات کے صرف ترجموں میں سے ان کی بلاغت ، لطافت اور حکمت کا کماحقہ اظہار نہیں ہوتا ؟

اللہ علام الغیوب ہے ، پیغمبر نہیں ہیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے موسیٰ ! تمہیں تو ابھی اپنی قوم میں رہنا تھا۔ تم نے یہاں آنے میں کیوں جلد بازی کی ؟ اس سوال میں ایک لطیف شفقت آمیز تہدید یا ناپسندیدگی پنہاں تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کی اور صفائی پیش کی ۔ میرے رب ! میں قوم کو چھوڑ کر اس لیے حاضر ہوا کہ میری قوم میری پیروی پر جمی ہوئی ہے ۔ میرے زیر اثر ہے ۔ میرے نقش قدم پر قائم ہے ۔ اس لیے ان کے درمیان رہنے کے بجائے ضروری سمجھا کہ پہلے حصول احکام کے لیے حاضر ہوں اور پھر تیری خوشنودی بھی حاصل ہو ۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے ناواقف تھے کہ ان کے غیاب میں کیا کیا ہو سکتا تھا اور کیا ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہمارے قانون کے مطابق ہم نے تمہاری آزمائش کی (فتنہ) ۔ ہم نے ان کو فتنہ میں مبتلا کیا ۔ آزمائش کی ۔ قرآن میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے قوانین فطرت کے تحت ہونے والے کاموں کو اپنی ذات کی طرف نسبت دی ۔ کیونکہ قانون اسی کے بنائے ہیں جیسے جعلنا ، نزلنا، خلقنا، ارشاد ہوا........ وَهُوَ ٱلَّذِي جَعَلَ ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَ خِلۡفَةً (الفرقان: 62)۔دن رات کی گردش ایک اٹل قانون کے تحت ہے ۔ فَيُضِلُّ ٱللَّهُ مَن يَشَآءُ وَيَهۡدِي مَن يَشَآءُ (ابراہیم : 4) انسان کی ہدایت و ضلالت بھی ایک قانون کے تحت ہے ۔ یہاں مطلب یہ تھا کہ قوم کی حالت اس بات کی متقاضی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مضبوط شخصیت ابھی اپنی قوم کے درمیان ہی رہتی ۔ خدا کا ایک عالمگیر قانون ہے جس کا روز مشاہدہ ہوتا ہے کہ نباتات و حیوانات میں نوزائیدہ بہت زیادہ توجہ نگہداشت اور تحفظ کے محتاج رہتے ہیں ۔ ورنہ ان کی نشو و نما ہی کو نہیں ، وجود کو بھی خطرات لاحق رہتے ہیں ۔ اندرونی کمزوریوں یا بیرونی دباؤ سے ۔ انسانی معاشرہ کے اجتماعی معاملات میں تنظیموں اور تحریکوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد سے 17 سال تک جواہر لال نہرو کی قیادت میسر ہوئی ۔ پاکستان میں 3 سال بعد مضبوط شخصیت ختم ہو گئیں ۔ نتائج سامنے ہیں ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور مؤرخ Arnold Toyenbee آرنلڈ ٹوائن بی نے سرسبز پروان چڑھنے والی تہذیبوں کا سراغ لگایا۔ یہ قانون وہاں بھی کار فرما نظر آیا۔ تو اس کے ساتھ ان تہذیبی غنچوں پر بھی حسرت کی نگاہ ڈالی جو بن کھلے مرجھا گئے۔ اس نے Arrested Civilization (اسیر تہذیب) اور Abortive Civilization (اسقاطِ تہذیب) کی اصطلاحات استعمال کیں اور مثالیں دینے کے ساتھ ساتھ وجوہات بتائیں۔

یہاں بھی یہی ہوا۔ مصر کی غلامی سے نجات پانے والی بنی اسرائیل کی نوزائیدہ قومیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مضبوط شخصیت کی موجودگی کی ضرورت مند تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی استقامت پر اعتماد کو ٹھیس پہنچی تو صدمہ غم و غصہ سے بھرے ہوئے واپس اپنی قوم میں آئے۔ قوم سے بچھڑے کی پرستش کی بابت پوچھا۔ انہوں نے عذر لنگ پیش کیا۔ کہا کہ انہوں نے سونے کے زیورات پھینک دیئے تھے جو سامری نے اٹھا کر بچھڑا بنایا۔ اپنے بھائی حضرت ہارون کی سختی سے سرزنش نہیں کی۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے باز پرس کی (آیت: 95)۔ سامری نے جو جواب دیا، وہ آیت (سورہ طٰہٰ:96) میں بیان ہوا۔ اسی آیت 96 میں بعض مفسرین کو حضرت جبریل علیہ السلام اور ان کا گھوڑا نظر آیا۔ حالانکہ آیت میں نہ جبریل علیہ السلام کا نام ہے اور نہ گھوڑے کا ذکر۔ ہم سیاق و سباق کے لحاظ سے تشریحی ترجمہ کرتے ہوئے آگے بڑھ کر وقائع موسوی کے اختتام تک پہنچیں گے۔ پھر اس آیت کا مفسرین کی تشریحات کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: "سامری! تجھے اس بارے میں کیا کہنا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے وہ کچھ دیکھا جو اوروں نے نہیں دیکھا تھا (مجھے وہ سجھائی دیا جو اوروں کو کچھ نہیں سجھائی دیا) پس میں نے کی پیروی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی میں کچھ حصہ لیا۔ پھر اسے چھوڑ دیا۔ میرے جی نے یہی سجھایا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری پر جھوٹ یا سازش کا الزام نہیں لگایا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ ایک گمراہ سوچ کا لازمی طور پر پیدا کردہ گمراہ عمل تھا۔ نہ اسے قید کیا نہ موت کی سزا دی۔ اسے جماعت سے باہر کر دیا اور حکم دیا کہ کوئی اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھے۔ وہ زندگی بھر لوگوں کی نفرت کا شکار رہے۔ اس کی زندگی موت سے بدتر ہو۔ خود ہی بولتا پھرے کہ میں اچھوت ہوں۔ انہوں نے گمراہ کے ساتھ یہ سلوک کیا لیکن گمراہی کے نشان سونے کے بچھڑے کو راکھ بنا کر دریا برد کرنے کا حکم دیا۔

سامری کے اس واقعہ کے اثرات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تا عمر رہے۔ قوم کے لیے من و سلویٰ کا انتظام ہوا۔ پانی کا انتظام ہوا، مگر قوم میں روح حریت پیدا نہیں ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر قناعت نہیں کرسکتے۔ ہمیں سبزی، گیہوں، دال، پیاز، لہسن مہیا کرو جو مصر میں دستیاب تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا افسوس! غذا کی لذت کے لیے قومی آزادی کو قربان کرنا چاہتے ہو۔ من و سلویٰ آج کے دور میں ہمارے لیے بیرونی ملکوں کی معاشی پابندیوں کی مانند ہیں۔ دوسری چیزیں جن کی فرمائش ہوئی، انہیں بیرونی امداد کے مماثل سمجھیں۔ توریت میں ہے کہ خدا سے فریاد کرتے۔ خدایا! تو نے ہمیں مصر سے کیوں نکالا؟ کیا اس لیے کہ ہم کنعانیوں کی تلوار سے ختم ہو جائیں؟ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مصر واپس چلے جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیں۔ (گنتی: باب 14: 2)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ ملک خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔ جاؤ قبضہ کر لو۔ کہنے لگے موسیٰ! وہاں بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں۔ جب تک وہ وہاں رہتے ہیں۔ ہم قدم رکھنے والے نہیں۔ دو لوگوں نے سرزنش کی تو کہا موسیٰ! تم تل گئے ہو تو تم اور تمہارا خدا لڑے۔ مسلسل تگ و دو ضائع ہوتی نظر آئی۔ مصر سے خروج سے مصر کے باہر پھیلے ہوئے مختلف قبائل کو جن میں سے اکثر مصر کے باج گزار تھے، ایک قوم بنا کر مصر کے باب الداخلہ یعنی ایشیاء سے مصر کے راستے پر قبضہ کرنے کا مقصد فوت ہوتا نظر آیا تو مایوسی کے عالم میں آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

رَبِّ إِنِّي لَآ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي ۖ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۛ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

(المائدہ:25 – 26)

" موسیٰ علیہ السلام نے کہا خدایا میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔ پس تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں فیصلہ کر دے۔ اللہ کا حکم ہوا کہ جب ان لوگوں کی محرومیوں کا یہ حال ہے تو اب چالیس برس تک وہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی۔ یہ اس بیابان میں سرگرداں رہیں گے۔ تم نافرمان لوگوں کی حالت پر غمگین نہ ہو۔"

بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک حسرت ناک باب ختم ہوا۔ کیا ہمارے لیے اس میں کوئی عبرت و موعظت ہے؟ قوم کے نجات دہندہ محسن حضرت موسیٰ کی وہ کیسی دل شکستگی مایوسی اور غمگینی تھی انہوں نے اپنی ہی قوم سے علیحدگی کی دعا مانگی اور اللہ نے تسلی دی کہ غم نہ کرو ہم انہیں سزا دیتے ہیں۔

قرآن میں سب سے زیادہ ذکر وقائع موسوی کا ہے اور کئی احادیث میں رسول کریم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ مسلمان ان تمام برائیوں میں مبتلا ہوں گے جن میں یہودی مبتلا تھے۔ اس لحاظ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے یہودیوں کی تاریخ پڑھنا ضروری ہے ۔ مگر ہمارے مفسرین کی تاریخ دانی مضحکہ خیز ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری برائیاں یہودیوں کے متعلق بیان کردہ برائیوں سے کئی گنا زیادہ تھیں اور ہیں۔ بنی اسرائیل نے فرعونوں کی غلامی سے نجات پائی ۔ وہ فرعونوں کی زمین میں باہر سے آئے تھے ۔ غلام بیرونی باشندے تھے ، آقا مقامی ۔ آج ہم امریکا کے غلام ہیں ۔ اس سے پہلے انگریزوں کے غلام تھے ۔ ملک ہمارا تھا ۔ اپنے ہی ملک میں بیرونی قوتوں کے غلام رہے ۔ آقا باہر سے آیا تھا ۔ فرعون کی غلامی سے نکلتے وقت بنی اسرائیل کی جو اخلاقی و ذہنی حالت تھی ، اس کا موازنہ ہماری 1947ء کی حالت سے ہی کر دیکھو ۔ آج بھی جس ذہنی پستی ایمان باختگی کردار کی بربادی نے غلام بنایا تھا کیا اس میں کوئی کمی ہوئی ۔ بنی اسرائیل کی آوارہ گردی چالیس سال میں ختم ہوئی ۔ ہم 65 سال کے بعد بھی اپنے ہی ملک میں حیران ، پریشان ، پامال ، آزاد غلام ہیں ۔ ہمارا آقا امریکی فرعون ہزاروں میل دور سے اپنے قارونوں کے ذریعے ہم پر حکومت کر رہا ہے اور ہم اس ذہنی غلامی پر شاداں و نازاں ہیں ۔ جی جان سے قربان ہیں ۔ وہاں ایک سامری تھا ۔ یہاں ہر گدی نشین مجاور سامری ہے ۔ وہاں ایک سامری کا ایک سونے کا بچھڑا تھا ۔ یہاں پر ہر قدم پر سونے کا نہیں پتھر کا بچھڑا ہے ۔ پتھروں سے سونا کمایا جا رہا ہے ۔ ہر سیاست دان ایک سامری ہے ۔ بت بناتا نہیں ، خود بت بن بیٹھا ہے ۔ اپنی پوجا کروا رہا ہے ۔ ایک بے غیرت بنانگ دہل کہتا ہے کہ اس کی جماعت کے قائد کے خلاف کچھ بولنا "کفر" ہے ۔ ذہنی غلامی کی بین علامت عزت نفس کے احساس سے محرومی ہے ۔ ہمارے صدر کو بھی اس سے استثنا نہیں ہے ۔ اسے استثناء صرف فوجداری جرائم کی دارو گیر سے چاہیے۔

اب آخر میں حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کو تلاش کریں ۔ سورہ طٰہٰ کی آیات 95 ، 96 میں ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿٩٦﴾

ان دو آیات کے دو قسم کے ترجمے درج کیے جاتے ہیں ۔ پھر الفاظ کے معنوں کا تعین کریں گے اور پھر تفسیر بھی پیش کریں گے تاکہ قارئین خود صحیح غلط کا انتخاب کرلیں۔

ترجمہ مولانا تھانوی : (پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے) کہا: اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے ؟ اس نے کہا مجھ کو ایسی چیز نظر• نہیں آئی جو اوروں کو نظر نہیں آئی تھی ۔ پھر میں نے اس فرستادہ (خداوندی کی سواری) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) اٹھالی تھی ۔ سو میں نے وہ مٹی (اس قالب کے اندر ڈال دی اور میرے جی کو یہی بات پسند آئی)۔

ترجمہ مولانا آزاد: پس موسیٰ نے (سامری سے) کہا سامری یہ تیرا کیا حال ہوا؟ کہا میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی ۔ اس لیے اللہ کے رسول کی پیروی میں میں نے بھی کچھ حصہ لیا تھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ (کہا کیوں؟) میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سجھائی۔

پہلے آیت 96 کے الفاظ کا جائزہ لیں:

1- بصـــرت ، فیبصروا

بصر کے 31 مشتقات قرآن میں ہیں ۔ اردو میں بھی قوت باصر ، بصیرت ، بصارت ، تبصرہ ، بصائر مستعمل ہیں ۔ بصارت اور بصیرت کے فرق سے اردو دان بھی واقف ہیں ۔ قرآن بصارت کو صرف کسی مادی چیز کے دیکھنے یعنی بینائی کے عمل کے لیے استعمال نہیں کرتا ، بلکہ غیر مادی چیز کے دیکھنے یعنی بینائی کے عمل کے لیے استعمال نہیں کرتا، بلکہ غیر مادی چیزوں کی حقیقت ، انجام جاننے ، سوچنے ، سمجھنے کے معنی میں بھی استعمال کرتا ہے ۔ اردو اور انگریزی میں بھی بصارت اور دیکھنا انہی معنوں میں مستعمل ہے ۔ اردو میں کہتے ہیں میں تمہارا انجام دیکھ رہا ہوں ۔ حالانکہ انجام سامنے نہیں ہے ۔ حسب ذیل آیات دیکھیں۔

1 قَدْ جَاءَكُم بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾ (الانعام : 104) " تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس علم و دلیل کی روشنیاں آ چکی ہیں (جہل و نادانی کا کوئی عذر باقی نہ رہا) ۔ پس اب جو کوئی دیکھے اور سمجھے تو اس کا فائدہ خود اسی کے لیے ہے اور جو کوئی اپنی آنکھوں سے کام نہ لے اور اندھا ہو جائے تو اس کا وبال اسی پر آئے گا ۔ اے پیغمبر کہہ دو ۔ میں تم پر پاسبان نہیں (علم کی دلیل کی روشنی سے مراد کوئی مادی چیز نہیں) ۔"

2 فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ﴿٥﴾ بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ ﴿٦﴾ (قلم: 5 – 6) "پس اب تو دیکھے گا اور یہ بھی دیکھیں گے کہ ہم میں کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے (یعنی معلوم کرلیں گے)۔"

3 خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرۃ:7) "ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی، آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔" (آنکھوں پر پردہ پڑجانا، سوجھ بوجھ کے قابل نہ ہونا)۔

2- قبض

قبض ، قبضہ ، مقبوضہ ، قابض ، اردو میں بھی مستعمل ہے ۔ قرآن میں اس کے مشتقات ایک ، ایک بار استعمال ہوئے ہیں۔

1 وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾ (البقرۃ:245) "تنگی اور کشایش دونوں کا رشتہ اللہ ہی کے ساتھ ہے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2 ثُمَّ قَبَضْنَٰهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ (الفرقان: 46) " پھر ہم نے اسے (سایہ) کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔"

3 أَوَلَمْ يَرَوْا۟ إِلَى ٱلطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَٰٓفَّٰتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا ٱلرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُۥ بِكُلِّ شَىْءٍۭ بَصِيرٌ ﴿١٩﴾ (الملک: 19) " کیا یہ اپنے اوپر کھولے ہوئے اور سمٹتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھتے؟ انہیں رحمٰن ہی فضا میں تھامے ہوئے ہے۔ بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔"

4 وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ (التوبۃ: 67) " خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں (مٹھیاں بند رکھتے ہیں)۔"

5 وَٱلْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ (الزمر: 67) " ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی۔"

3-اثر

اردو میں بالکل عربی معنوں میں استعمال کی طرح ہے۔ زیر اثر ہونا، پیروی کرنا، نقش قدم پر چلنا، دوا کا اثر، صحبت کا اثر، قیامت کے آثار، آثار قدیمہ، اثر کیفیت اور کمیت میں مادی اور معنوی ظہور رکھتا ہے۔

1 سِيمَاهُمْ فِى وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ ٱلسُّجُودِ ۚ (الفتح: 29) " (اللہ کے فضل ورضامندی کی) جستجو کا اثر ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے۔"

2 فَٱنظُرْ إِلَىٰٓ ءَاثَٰرِ رَحْمَتِ ٱللَّهِ كَيْفَ يُحْىِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَآ ۚ (الروم: 50) " رحمت الٰہی کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ اسے زندہ کرتا ہے۔"

3 إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ (الزخرف: 22) " ہم اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل کر راہ یافتہ ہیں۔"

4-رسول

رسول کا لفظ قرآن میں سو سے زائد بار استعمال ہوا۔ اس میں سے پچاس سے زائد بار ال کے ساتھ الرسول بھی آیا ہے۔ رسول کا لفظ (بغیر ال) پیغمبر کے لیے بھی آیا ہے۔ فرشتہ کے لیے بھی۔ سورہ دخان، آیت 17 میں رسول کریم سے متفقہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ سورہ تکویر، آیت 19 میں رسول کریم سے فرشتہ جبریل مراد ہیں۔ لیکن جہاں الرسول ہے وہاں صرف پیغمبروں کے لیے ہے اور سوائے ایک جگہ کے۔ جہاں وہ سورہ یوسف میں بادشاہ کے حضرت یوسف کے پاس بھیجے گئے شخص کے لیے آیا ہے۔ باقی ہر جگہ الرسول صرف پیغمبروں کے لیے آیا ہے۔ ایک بھی جگہ الرسول فرشتہ کے لیے نہیں ہے۔

فعصي فرعون الرسول و اتبعنا الرسول، اطيعوا الرسول يقول الرسول وغیرہ۔ ہر جگہ الرسول سے مراد پیغمبر ہیں۔

5-نبذ

نبذ کے دس مشتقات قرآن میں استعمال ہوئے۔ آیت زیر بحث میں فنبذتھا آیا ہے۔ اس کے معنی کسی مادی چیز کا کسی مادی چیز پر ڈالنا ہی نہیں ہے۔ آیات ذیل دیکھیں:

1 أَوَكُلَّمَا عَٰهَدُوا۟ عَهْدًا نَّبَذَهُۥ فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ (البقرۃ: 100) " جب کبھی ان لوگوں نے اتباع حق کا کوئی عہد کیا تو کسی نہ کسی گروہ نے ضرور اسے پس پشت ڈال دیا۔" (نبذ) پس و پشت ڈالنا۔

2 نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ (البقرۃ: 101) " ان لوگوں میں سے ایک گروہ کہ کتاب الٰہی رکھتے تھے، کتاب الٰہی اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا، گویا اسے جانتے ہی نہ تھے۔"

3 سورہ آل عمران (آیت: 187) میں بھی سورہ بقرہ کی آیت کے الفاظ " فنبذوہ وراء ظھورھم " آئے ہیں۔

4 وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَٱنۢبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ ۚ (سورہ انفال: 58) " لیکن اگر تمہیں اس قوم سے دغا کا اندیشہ ہو، ان کا عہد ان پر الٹا دو (یعنی عہد فسخ کردو)۔"

5 إِذِ ٱنتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا (مریم: 16) " مریم گھر کے آدمیوں سے الگ ہوگئی۔"

آیت کے تمام الفاظ کے مختلف استعمال قرآن سے درج کیے گئے۔ کہیں جبریل علیہ السلام یا ان کے گھوڑے کے لیے کوئی لفظ نظر ہی نہیں آیا۔ اب مختلف تفاسیر درج کرتا ہوں۔ قارئین خود نتیجہ اخذ کریں۔

1-مولانا اشرف علی تھانوی

" اس نے کہا مجھ کو ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے پر چڑھے ہوئے جس روز دریا سے پار اترے ہیں کہ بمصلحت نصرت مومنین و اہلاک کفار کے آئے ہوں گے اور تاریخ طبری میں سدی سے بہ سند نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل موسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ حکم لے کر گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے کہ آپ طور پر جاویں تو اس وقت سامری نے دیکھا تھا) پھر میں نے اس فرستادہ (خداوندی کی سواری) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (بھر خاک) اٹھالی تھی (اور خود بخود میرے قلب میں یہ بات آئی کہ اس میں تحصیل حیات کا ہوگا) سو میں نے وہ مٹھی (خاک اس قالب کے اندر ڈال دی) اور میرے جی کو یہی بات (بھائی اور) پسند آئی۔"

2-مولانا شبیر احمد عثمانی

" موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر۔ یہ حرکت تو نے کس وجہ سے کی؟ اور کیا اسباب پیش آئے کہ بنی اسرائیل تیری طرف جھک پڑے؟ سامری نے کہا مجھ کو ایک ایسی چیز پر نظر پڑی جو اوروں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں دیکھی تھی یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ (جبریل) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ شاید یہ اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا۔ اس حالت میں جبریل دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے تاکہ ایک کو دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے، یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابقہ کی بناء پر سمجھ لیا کہ یہ جبریل ہیں۔ ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھا لی۔ وہ ہی اب سونے کے بچھڑے میں ڈال دی کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاک پا میں یقیناً کوئی خاص تاثیر ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے۔ اس میں مٹی پڑی برکت کی۔ حق و باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی طرح کی روح اور آواز اس میں ہوگئی۔ ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہیے۔ اس سے بت پرستی بڑھتی ہے (تنبیہ)۔ آیت کی جو تشریح اوپر بیان ہوئی صحابہ و تابعین اور علمائے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ بعض زائغین نے اس پر جو طعن کیے ہیں اور آیت کی دور از صواب تاویلیں کی ہیں، ان کا کافی جواب صاحب روح المعانی نے دیا ہے۔ یہاں اس قدر بسط کا موقع نہیں۔ من شاء فلیراجعہ۔"

مولانا اپنی تفسیر کو صحابہ و تابعین اور علمائے مفسرین کی طرف منسوب کرتے ہیں، لیکن ایک کا بھی نام نہیں بتاتے اختلاف رائے رکھنے والوں کو "زائغین" (ٹیڑھے دماغ والے) کے خطاب سے نوازتے ہیں۔ نہیں جانتے کن کن کو اس خطاب نا صواب سے نواز رہے ہیں۔ وہ مرحوم ہیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

3- مولانا نعیم الدین مراد آبادی

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَٰسَٰمِرِيُّ ﴿٩٥﴾ کا ترجمہ ہے: "موسیٰ علیہ السلام نے کہا اب تیرا کیا حال ہے اے سامری"۔ تشریح ہے: "تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی وجہ بتا؟"

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِۦ کا ترجمہ ہے: "بولا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہیں دیکھا۔" فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ ٱلرَّسُولِ کا ترجمہ ہے: "تو ایک مٹھی بھر لی فرشتے کے نشان سے" تشریح ہے: "یعنی میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور ان کو پہچان لیا۔ وہ سب اسپ حیات پر سوار تھے۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں ان کے گھوڑے کے نشان قدم کی خاک لے لوں۔" فَنَبَذْتُهَا کا ترجمہ ہے: "پھر اسے ڈال دیا۔" تشریح ہے: "وہ بچھڑے میں جس کو بنایا تھا۔"

4- مولانا مودودی

"اس آیت کی تفسیر میں دو گروہوں کی جانب سے عجیب کھینچ تان کی گئی ہے۔ ایک گروہ جس میں قدیم مفسرین اور قدیم طرز کے مفسرین کی بڑی اکثریت شامل ہے، اس کا یہ مطلب بیان کرتا ہے کہ "سامری نے رسول یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو گزرتے دیکھ لیا تھا اور ان کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھالی تھی اور یہ اسی مٹی کی کرامت تھی کہ جب اسے بچھڑے کے بت پر ڈالا گیا تو اس میں زندگی پیدا ہوگئی اور جیتے جاگتے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگی۔" حالانکہ قرآن یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ فی الواقع ایسا ہوا تھا۔ وہ صرف یہ کہہ رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باز پرس کے جواب میں سامری نے یہ بات بنائی۔ پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مفسرین اس کو ایک امر واقعی اور قرآن کی بیان کردہ حقیقت کیسے سمجھ بیٹھے۔"

"دوسرا گروہ سامری کے قول کو ایک اور ہی معنی پہناتا ہے۔ اس کی تاویل کے مطابق سامری نے دراصل یہ کہا تھا: "مجھے رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام یا ان کے دین میں وہ کمزوری نظر آئی جو دوسروں کو نظر نہیں آئی۔ اس لیے میں نے ایک حد تک تو اس کے نقش قدم کی پیروی کی، مگر بعد میں اسے چھوڑ دیا۔" یہ تاویل غالباً سب سے پہلے ابو مسلم اصفہانی کو سوجھی تھی، پھر امام رازی نے اس کو اپنی تفسیر میں نقل کر کے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور اب طرز جدید کے مفسرین بالعموم اس کو ترجیح دے رہے ہیں لیکن یہ حضرات اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ قرآن معموں اور پہیلیوں کی زبان میں نازل نہیں ہوا ہے بلکہ صاف اور عام فہم عربی مبین میں نازل ہوا ہے جس کو ایک عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے کے مطابق سمجھ سکے۔ کوئی شخص جو عربی زبان کے معروف محاورے اور روز مرہ سے واقف ہو، کبھی یہ نہیں مان سکتا کہ سامری کے اس مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لیے عربی مبین میں وہ الفاظ استعمال کیے جائیں گے جو آیت زیر تفسیر میں پائے جاتے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں سے کسی لفظ کے وہ مختلف مفہومات تلاش کر لینا جو مختلف محاوروں میں اس سے مراد لیے جاتے ہوں اور ان میں کسی مفہوم میں استعمال نہ کرے گا، زبان دانی تو نہیں ہو سکتا۔ البتہ سخن سازی کا کرتب ضرور مانا جا سکتا ہے۔"

"اس قسم کے کرتب فرہنگ آصفیہ ہاتھ میں لے کر اگر کوئی شخص خود ان حضرات کی اردو تحریروں میں یا آکسفورڈ ڈکشنری لے کر ان کی انگریزی تحریروں میں دکھانے شروع کر دے تو شاید اپنے کلام کی دو چار ہی تاویلیں سن کر یہ حضرات چیخ اٹھیں۔ بالعموم قرآن میں ایسی تاویلیں اس وقت کی جاتی ہیں جبکہ ایک شخص کسی آیت کے صاف اور سیدھے مطلب کو دیکھ کر اپنی دانست میں یہ سمجھتا ہے کہ یہاں تو اللہ میاں سے بڑی بے احتیاطی ہوگئی۔ لاؤ میں ان کی بات اس طرح بنا دوں کہ ان کی غلطی کا پردہ ڈھک جائے اور لوگوں کو ان پر ہنسنے کا موقع نہ ملے۔"

"اس طرز فکر کو چھوڑ کر جو شخص بھی اس سلسلہ کلام میں اس آیت کو پڑھے گا، وہ آسانی کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ یہ سمجھ لے گا کہ سامری ایک فتنہ پرداز شخص تھا جس نے خوب سوچ سمجھ کر ایک زبردست مکر و فریب کی اسکیم تیار کی تھی۔ اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ سونے کا بچھڑا بنا کر اس میں کسی تدبیر سے بچھڑے کی سی آواز پیدا کر دی اور ساری قوم کے جاہل اور نادان لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا بلکہ اس پر مزید یہ جسارت بھی کی کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ایک پُر فریب داستان گھڑ کر رکھ دی۔"

" اس نے دعویٰ کیا کہ مجھے وہ کچھ نظر آیا جو دوسروں کو نظر نہ آتا تھا اور ساتھ ساتھ یہ افسانہ بھی گھڑ دیا کہ رسول کے نقش قدم کی ایک مٹھی بھر مٹی سے یہ کرامت صادر ہوئی ہے۔ رسول سے مراد ممکن ہے کہ جبریل ہی ہوں جیسا کہ قدیم مفسرین نے سمجھا ہے، لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ اس نے رسول کا لفظ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال کیا تھا تو یہ اس کی ایک اور مکاری تھی۔ وہ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذہنی رشوت دینا چاہتا تھا تاکہ وہ اسے اپنے نقش قدم کا کرشمہ سمجھ کر پھول جائیں اور اپنی مزید کرامتوں کا اشتہار دینے کے لیے سامری کی خدمات مستقل طور پر حاصل کر لیں۔"

قرآن اس سارے معاملے کو سامری کے فریب کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے۔ اپنی طرف سے بطور واقعہ بیان نہیں کر رہا ہے کہ اس سے کوئی قباحت لازم آتی ہو اور لغت کی کتابوں سے مدد لے کر خواہ مخواہ سخن سازی کرنی پڑے۔"

5- مولانا ابوالکلام آزاد

" گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔ مصری اپنے دیوتا حورس کا چہرہ گائے کی شکل کا بناتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ کرہ ارض ایک گائے کی پشت پر ہے۔ جب سامری نے دیکھا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی سے مضطرب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا: "مجھے سونے کے زیور لا دو۔" پھر انہیں گلا کر بچھڑے کی ایک مورتی بنا دی۔ مصری مندروں کی خفیہ کاریگریاں اسے معلوم تھیں۔ اس نے مورتی کے اندر ہوا کے نفوذ و خروج کی ایسی کل بٹھا دی کہ اس سے ایک طرح کی آواز نکلنے لگی۔"

" سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معتقد ہو گیا تھا لیکن اسرائیلی توحید پر اس کا دل جما نہیں تھا۔ چند دنوں اسی طریقے پر کاربند رہا، پھر منحرف ہو گیا۔ اسی لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: "یہ تو نے کیا کیا؟" تو اس نے کہا: بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ مجھے ایسی بات سجھائی دی جو دوسروں کو نہیں سوجھی، یعنی بچھڑا بنانا۔ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا میں نے رسول کی پیروی میں تھوڑا بہت حصہ لے لیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا۔ یعنی گو میں نے آپ کی پیروی میں چند قدم اٹھائے تھے، مگر میرا دل اس پر جما نہیں تھا۔ وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي کیا کروں! میری طبیعت کا ایسا ہی تقاضا ہوا۔ میں آپ کے پیچھے چل نہ سکا۔"

"عربی میں جب کہیں گے " قبضت قبضة اي شئ قليل و القبضة والقدر المقبوض " (ابن سیدہ) اردو کا بھی محاورہ ہے۔ میں نے تو صرف ایک ہی مٹھی اٹھائی ہے، یعنی بہت تھوڑا حصہ لیا ہے۔"

" یہودیوں نے اپنی قومی بریت کے لیے یہ کہانی گھڑی تھی کہ گوسالہ پرستی کے معاملے میں ایک روحانی طاقت کا ہاتھ کام کر رہا تھا، ورنہ ہمارے اسلاف کیوں ایسی گمراہی میں پڑتے۔ وہ کہتے تھے: " بچھڑے کی گویائی اس مٹی کا معجزہ تھا جو حضرت جبریل کے گھوڑے کے سموں سے پامال ہوئی تھی۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کے آگے آگے جبریل جا رہے تھے اور زندگی کے فرشتے پر سوار تھے جس نے گھوڑے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس گھوڑے کے سم جس جس مٹی پر پڑتے تھے، اس میں زندہ کر دینے کی خاصیت پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ بات کسی نے نہیں دیکھی، لیکن سامری نے دیکھ لی۔ پس اس نے بچھڑا بنا کر اس میں (آب حیات کی جگہ) اس خاک حیات کی ایک مٹھی ڈال دی۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ زندہ ہو کر بولنے لگا۔"

" افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کہانی تفسیر کی روایتوں میں بھی داخل ہو گئی اور " اثر الرسول " کا مطلب یہ بنا لیا کہ " جبریل کے نقش قدم " کی ایک مشت خاک سامری نے اٹھالی تھی لیکن یاد رہے کہ یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسی تفسیر کرنا قرآن کے اس مقام کو تمسخر انگیز حد تک بے معنی بنا دیتا ہے۔"

" اولاً قرآن نے اس معاملہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے اور یہ بات بلاغت قرآنی کے صریح خلاف ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو قیاس اور قرینے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا، بیان نہ کرے اور پھر اچانک صرف اثر الرسول کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دے۔"

" ثانیاً قرآن میں جہاں کہیں بھی بغیر اضافت و اسناد کے " الرسول " کہا گیا ہے، اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے یعنی پیغمبر۔ پس یہاں الرسول سے فرشتہ سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا۔"

" ثالثاً ایسا سمجھنا صریح قرآن کو جھٹلانا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کہیں یہ نہیں کہتا کہ بچھڑے کی مورتی میں زندگی پیدا ہو گئی تھی بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ یعنی ایک بے جان دھڑ تھا جس سے آواز نکلتی تھی۔ اگر ایک ملکوتی کرشمے نے اسے زندہ کر دیا ہوتا تو قرآن اسے عِجْلًا جَسَدًا کیوں کہتا۔"

" رابعاً قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ اس مورتی میں کوئی بات نہ تھی۔ محض ایک شعبدہ تھا کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے استعجاب و تاثر کو ان کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حد درجہ بے وقوفی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا یعنی ان عقل کے اندھوں نے اتنی بات بھی نہ دیکھی کہ اگر یہ کوئی زندہ وجود ہے تو ان کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا۔ خالی بھاں بھاں کیوں کرتا رہتا ہے؟ پھر اگر مفسروں کی یہ کہانی مان لی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کا یہ بیان یک قلم غلط ہے کیونکہ اس میں تو ایک ملکوتی معجزہ تھا۔ اس کے اندر تو جبریلی زندگی کی ایک روح دوڑ رہی تھی۔"

" خامساً یہ کہانی خود اپنی بناوٹ میں نا قابل تسلیم ہے اگر فی الحقیقت کوئی ایسا ملکوتی مظاہرہ ہوا تھا اور بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ کے یہی معنی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ سامری کی روحانی بصیرت تمام بنی اسرائیل سے حتیٰ کہ حضرت ہارون سے بھی کہ پیغمبر تھے، بڑھی ہوئی تھی کیونکہ یہ کرشمہ الٰہی کوئی اور نہ دیکھ سکا۔ صرف اسی کی نگاہ حقیقت شناس کام کر گئی۔ بلکہ کہنا پڑے گا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھی ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی یہ بات نہ پا سکے۔ لیکن کیا ایسا مانا جا سکتا ہے؟ حمزہ، کسائی اور اعمش کی قرات میں بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ کی جگہ "بالمثناۃ الفوقانیۃ" ہے۔ اگر یہ قرات اختیار کر لی جائے تو صریح مطلب یہ ہوگا کہ میں نے وہ بات دیکھ لی جو تم بھی نہ دیکھ سکے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نہ دیکھ سکے۔ پھر کیا بصیرت کو اس کہانی پر لے جانا صحیح ہو سکتا ہے؟"

" سادساً پھر خود ہی مفسر عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ کی تفسیر میں یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "خوارہ کان بالریح لانہ کان عمل فیہ خروقاً فاذا دخلت الریح فی جوفہ قار و لم یکن فیہ حیاۃ" یعنی اس میں زندگی نہ تھی محض ہوا کے نفوذ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگتی تھی پھر جب یہ تفسیر بھی موجود ہے تو کون سی وجہ ہے کہ خواہ مخواہ حضرت جبریل علیہ السلام کو گھسیٹا جائے اور فرشتوں کو گھوڑا بننے کی زحمت دی جائے۔"

" سابعاً جن روایتوں کی بناء پر یہ کہانی چلی ہے اگر ان کے متن سے قطع نظر کر لی جائے تو باعتبار اسناد کے بھی لائق اعتناء نہیں۔ سب سے زیادہ زور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم کی روایت پر دیا جاتا ہے جس میں حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن وہ بھی مجروح ہے اور حاکم کی تصحیح کی جو قدر و قیمت ہے وہ ہم امام ذہبی کی زبان سے سن چکے ہیں۔"

حاصل کلام

اب تک جن آیات کا جائزہ لیا گیا ان سے طرز تفسیر اور ان کی علیت کا اظہار ہوا۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ بعض مفسرین کتنے اغلاط اور مغالطوں کے باوجود پُر اعتماد ہیں۔ اصغر گونڈوی نے کہا تھا:

صوفی کو ہے مشاہدہ حق کا ادعا
صدہا حجاب دیدہ بینا لیے ہوئے

یہ تفسیر کے چند نمونے ناظرین کو صرف دعوت فکر دینے کے لیے ہیں تاکہ تدبر فی القرآن کے حکم الٰہی کی تعمیل ہو اور متداول تفاسیر کے چند منفی پہلو واضح ہو جائیں اور اصلاح کی طرف توجہ ہو۔

قرآن کی نسبت صاحب قرآن کا اعلان تھا:

"ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضیع بہ آخرین۔" (مسلم)

" اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ قوموں کو رفعت بخشے گا اور اس کی ناقدری کرنے والوں کو ضائع کرے گا (کرائے گا)۔"

ہم اس وقت قعر مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ پھر کیا ہم قرآن کی ناقدری کے مرتکب نہیں ہیں؟ بلاشبہ پاکستانی قوم کو قرآن سے بے انتہا لگاؤ ہے۔ عقیدت ہے۔ برصغیر میں مسلم دورِ حکومت کی تاریخ میں کسی دور میں اتنے حفاظ نہیں رہے ہوں گے جتنے آج ہیں۔ تجوید پر جو توجہ آج ہے پہلے شاید نہیں تھی۔ یہ بات باعث فخر ہے، پھر کیا اس سے قرآن کی قدر دانی کا حق ادا ہو رہا ہے؟ نزول قرآن کا مقصد پورا ہو رہا ہے؟ کتنے حافظ چند آیات کا مطلب سمجھتے ہیں؟ قرآن فہمی کا معیار تو دیکھ چکے ہیں۔ اردو تراجم و تفاسیر میں اغلاط ہی نہیں لغویات و خرافات کی بھرمار ہے۔ سورہ بقرہ اور سورہ طٰہٰ کی تفسیروں کے ضمن میں تفسیری چراگاہوں میں جادو کی گائے جادو جگاتی نظر آتی ہے۔ اسپ حیات بھی پھرتا نظر آتا ہے۔ کس نے اس طرف توجہ کی۔ مدحت رسول کی نیکی مسلمہ ہے۔ نعت خوانوں کی کمی نہیں جن میں سے بعض کے فخریہ کئی البم نکل کر ثواب کا سامان کر رہے ہیں، آمدنی کا بھی ذریعہ ہیں۔ خواتین نعت خواں بھی ٹی وی کے اسٹیج پر نغمہ سرا نظر آتی ہیں ان کے متعلق ہی اکبر الہ آبادی نے کہا تھا۔

انہیں ذوق عبادت بھی ہے گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں ان کے منہ سے نعتیں ٹھمریاں بن کر

چشم و گوش کی ضیافت کا تو سامان ہے مگر اسوہ رسول کی پیروی کا کیا حال ہے۔ علم حدیث کی کسمپرسی کا کوئی پُرسان حال نہیں۔

بلاشبہ ہم قعر مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ ایمانی، اخلاقی، ذہنی لحاظ سے قوم کا ارذل، پست ترین طبقہ حکمران ہے۔ اسلامی جمہوریہ کے ایک سابق شرم ناآشنا وفاقی وزیر تعلیم کے پاس قرآن کے 40 پارے ہیں۔ ایک جہالت مآب مختلف الزامات میں لت پت سابق وزیر داخلہ سورہ اخلاص پڑھنا نہیں جانتے۔ حب رسول کے دعویدار عوام اور علماء اوصاف رذیلہ کے حامل ٹھگوں کے اس ٹولے کے زیر سایہ چین کی بانسری بجا رہے ہیں ان کے بلاوے پر حاضر خدمت ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ انہیں نہ دین کی توہین کا احساس ہے نہ اپنی بے حسی اور بے غیرتی کا۔ کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری قوم اندھی ہے ؟ نہیں ۔ آنکھیں ہیں مگر گمراہی کی ایک شکل قرآن نے سورہ حج کی آیت 46 میں بتلائی ہے :

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

" جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں (جو کہ سروں میں ہیں) دل اندھے ہو جایا کرتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔"

آج کے علماء کے تمول و رہن سہن کو دیکھ کر مغل دور کے امراء مفلس معلوم ہوتے ہیں ۔ " خلق خدا کی گھات میں رند و فقیر و میر و پیر " جاہل عوام سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کے مداح، کارکن، معتقد پیروکار نہیں پجاری ہیں ۔ انہیں پوجتے ہیں ان کے حکم پر جانیں لینے اور دینے پر مستعد ہیں۔ عوام ہی نہیں ، علماء بھی اس کارِ خیر میں شریک ہیں ۔ ہر سیاسی جماعت کا ایک علماء و مشائخ کا شعبہ wing ہے ۔ حسب دل خواہ مناسب فتوے حاصل کرنے کے لیے ارباب اقتدار عشائیے پر مدعو کرتے ہیں تو علماء و مشائخ مکلف عماموں اور پگڑیوں میں آراستہ میز کرسی پر براجمان ، وعظ سنتے ہیں ، روحانی غذا بھی مل جاتی ہے اور جسمانی بھی ۔ مرزا رفیع سودا نے کہا تھا :

کمال کفر ہے اے شیخ ایسا کچھ کہ اس بت نے
پرستش سے مرے پیدا کیا جلوہ خدائی کا

جاہل مریدوں نے سجادہ نشیں پیروں کی پوجا کرتے ہوئے انہیں بت بنا دیا۔ تاریخ گواہ ہے بت میں خدائی کا جلوہ پیدا ہوتا رہا ہے ۔ اب جنت بھی پیر کے نام ہبہ ہوگئی ہے ۔ درگاہوں میں بہشتی دروازے نصب کر دیئے گئے ۔ سارے ملک میں معبودانِ باطل اور خود ساختہ خداؤں کی تسبیح و تہلیل کا غلغلہ ہے اور ایک امتیازی خصوصیت ملک کی یہ ہے کہ یہاں ہر سیاسی جماعت کا مقتول شہید کا درجہ حاصل کر لیتا ہے ۔

قرآن نے بعثت رسول کریم ﷺ کے دور کو دورِ جاہلیت قرار دیا۔ اس دورِ جاہلیت کی تمام گمراہیوں ، بدکاریوں کی تفصیل تاریخ نے محفوظ کر لی ۔ چن چن کر ان بد اعمالیوں کی فہرست بناؤ ۔ ایک شخص کئی شادیاں کرتا تھا۔ اس کے مرنے پر بیٹے سگی ماؤں کو چھوڑ کر سوتیلی ماؤں کو اپنے تصرف میں لاتے تھے ۔ بچیوں کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا ۔ بیٹی دوسرے مرد کے تصرف میں جائے تو ان کی انا کو ٹھیس پہنچتی تھی ، وغیرہ وغیرہ ۔ یہ اس قوم کا حال تھا جن میں قرآن ابھی نازل نہیں ہوا تھا ۔ اب اپنے معاشرہ کی بد اعمالیوں کی فہرست بنا کر موازنہ کرو ۔ خدارا بتاؤ کس معاشرے میں تین سال کی معصوم بچیوں کو اغوا کر کے زنا کر کے قتل کر کے لاش ویرانوں میں پھینک دی جاتی تھی ۔ چار سالہ لڑکے کو اغوا کر کے بد فعلی کے بعد قتل کیا جاتا تھا۔ کاروکاری ، ونی ، پسند کی شادی پر جوڑے کے قتل کو کس معاشرہ میں قبولیتِ عامہ حاصل تھی ۔ کب اور کہاں باپ قریب البلوغت بیٹیوں کو دولت مند بوڑھوں کے ہاتھ بیچ کر زندہ درگور کرتا تھا ۔ تفصیل لکھی جائے تو لکھنے والے کے خون کے ساتھ قلم کی سیاہی بھی خشک ہو جائے ۔ یہ اس معاشرہ کا حال ہے جس کے پاس قرآن ہے ۔ معاشرہ کی اصلاح کے لیے انبیاء کے وارث الآمرون بالمعروف و الناھون عن المنکر علماء حق کہاں ہیں جو ورثہ رسالت کا تحفظ کریں اور اگر ہیں تو یہ گمراہی کیوں ہے کیا اندھیرے اور اجالے میں صلح ہو گئی؟ ناموس رسالت کے تحفظ کا ایک لازمی جز اور تقاضا ورثہ رسالت کی حفاظت بھی ہے رسول کریم ﷺ کی دعوتی زندگی کا بڑا حصہ مکہ میں گزرا اس دور میں تعلیمات کا زور توحید ، رسالت اور آخرت کی جواب دہی پر تھا ۔ انہیں بنیادوں پر مدینہ میں احکام شرع کی عمارتیں تعمیر ہوئیں آج کے

ہمارے معاشرے میں بھی ان بنیادوں پر توجہ کی ضرورت ہے جو متزلزل ہوگئی ہیں ۔ توحید میں شرک کی آمیزش ہوگئی عبادات میں سودے بازی شریک ہوگئی دین جنس تجارت اور ذریعہ روزگار ہوگیا علم و عمل باہم شیر و شکر ہیں ۔ ایمان ، دنیا دار علماء میں نہیں ہوتا اور علم تو پاس نہیں پھٹکتا۔ علماء اور اہلِ ثروت کے پاس ایمان ایثار و قربانی کا مطلب صرف عید الاضحیٰ پر اپنی طرح تنومند ، لحیم شحیم بکروں ، بیلوں کی قربانی رہ گیا ہے ۔ اجتماعی قربانی کے اہتمام سے ثواب دارین بھی مل جاتا ہے اور جانوروں کی کھال بھی ۔

الٰہی ! یہ تیرے ناتواں بندے کدھر جائیں

کتابیات

1 بیان القرآن ، مولانا اشرف علی تھانوی
2 کنز الایمان ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی
3 خزائن العرفان معروف بہ تفسیر نعیمی ، مولانا نعیم الدین مراد آبادی
4 ترجمان القرآن ، مولانا ابو الکلام آزاد
5 تفہیم القرآن ، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی
6 تفسیر عثمانی ، مولانا شبیر احمد عثمانی
7 راہ نجات تفسیر سورہ عصر ، ڈاکٹر اسرار احمد
8 اسلامی دنیا میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

" جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں (جو کہ سروں میں ہیں) دل اندھے ہو جایا کرتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔" (الحج)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو عمار سلیم

صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فریاد

قران مجید فرقان حمید کی سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 30 کے الفاظ ہیں وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا ﴿٣٠﴾ جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ " رسول (ﷺ) نے کہا ! اے رب بے شک میری قوم نے اس قران کو نظر انداز کر رکھا تھا۔" اس آیت مبارکہ کے سیاق و سباق کے مضامین پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قران اس وقت کا نقشہ کھینچ رہا ہے جب قیامت قائم ہو چکی ہوگی۔ تمام نفوس اللہ کی بارگاہ میں صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ نیکو کاروں کو ان کی ایمان پر گامزن رہنے اور اللہ کے احکامات کی بجا آوری اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی پیروی کے نتیجہ میں اعلیٰ درجات اور جنت عطا کی جا رہی ہوگی۔ اسی طرح کافروں اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کو ان کے کیے کی سزا مل رہی ہوگی۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ابرار خوش ہوں گے تو کفار سخت پشیمانی اور پریشانی میں ہوں گے۔ لوگ کف افسوس مل رہے ہوں گے کہ اے کاش ہم نے رسول کی بات مان لی ہوتی اور ان گمراہیوں میں نہ پڑے ہوتے، فلاں کی تقلید نہ کی ہوتی اور رسول کی بات کو سچ مانا ہوتا تو آج یہ خرابی کا دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس دن ہر ایک پر یہ واضح ہوجائے گا کہ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ یعنی اس روز حقیقی حکومت صرف حضرت رحمٰن کی ہوگی۔ اللہ جل شانہ' کا جلال اور شاہانہ رعب و سطوت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوگا اور وہ تمام کافرین و مشرکین جن کو اعتماد تھا کہ وہ اللہ کو کسی نہ کسی طور راضی کر لیں گے آج اپنی اس حماقت پر خود ہی نادم ہوں گے۔ اپنی گذشتہ زندگی پر بھرپور پچھتاوا ہوگا اور وہ سب افسوس بے سود ہوگا کیونکہ وقت واپس نہیں پلٹے گا اور اپنے ہاتھ سے کمائے ہوئے اعمال اس دن اپنا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ کافروں کا اس دن اپنے ہاتھوں کو کاٹ کھانا اور گئی زندگی کے سر پھرے اعمال کو چھپا لینا ممکن نہ ہوگا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو عالم الغیب ہیں، وہ تمام باتیں جو ہو چکیں ان سے بھی واقف ہیں اور وہ ساری باتیں جو آئندہ ہونے والی ہیں ان سے بھی کما حقہ' واقف ہیں۔ قرآن مجید کا اکثر مقامات پر یہ اسلوب بھی رہا ہے کہ وہ کام جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ہیں ان کو بھی وہ اس طرح بیان کرتا ہے جیسے ہو رہے ہوں یا ماضی میں واقع ہو چکے ہوں۔ قرآن اپنے مخاطب (یعنی انسان) کو زمان و مکاں کی قیود سے نکال کر ایک ایسی جگہ پہنچا دیتا ہے جہاں سے ہر چیز صاف اور واضح نظر آنے لگے۔ اس سورۃ مبارک کی ان آیات میں بھی کچھ اسی قسم کے ماحول کی عکس بندی ہے اور وہ سب کچھ جو ابھی ہوا ہی نہیں ہے عقل و خرد رکھنے والوں کو اس کی جھلک دکھائی جا رہی ہے کہ اس دن حساب کتاب کس طرح ہوگا اور اس مثال کے ذریعہ رسول کے پیغام کو نہ ماننے والوں کو تنبیہ کی جا سکے اور ان کی ہدایت کے لیے ان کے قلوب پر چوٹ لگائی جا سکے۔ اس دن جب حق قائم ہوگا تو کسی کے لیے کوئی حجت باقی نہیں رہے گی۔ گناہ گار جب اپنے گناہ کا اقرار نہیں کریں گے اور اپنے نامہ اعمال کو نہیں مانیں گے تو ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی پھر ان کے ہاتھ، ان کے پاؤں اور ان کی جلد، ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ پھر ان کے غلط اعمال پر مہر ثبت ہو جائے گی اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کے اوپر ان ہی جیسے لوگ گواہی دینے کے لیے بلائے جائیں گے۔ پوری کی پوری امت اپنے رسولوں کو جھٹلائے گی تو ان کے اوپر امت وسط گواہ ہوگی۔

اسی تناظر میں یہاں یہ واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کے روز صاحب قران سید المرسلین خاتم النبیین نبی آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ اے اللہ میری قوم نے بھی اس قرآن اور اس کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اس پر عمل کرنے سے گریز کرتی رہی۔ آیت مبارک کو اگر سرسری نظر سے دیکھیں تو یہی لگتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قوم یعنی گروہ قریش اور دیگر عرب قبائل کی شکایت فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بھی قرآن کا مذاق اڑایا، اس کا ٹھٹھا کیا اور اس کو جادو، ہزیان اور پتہ نہیں کیا الا بلا کہتے رہے۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ جب حضور نے اپنے شہر میں اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دی تو انہوں نے اس قرآن کا خوب دل بھر کے مذاق اڑایا۔ ایسے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ کی بارگاہ میں یہ شکایت یقیناً حق بجانب ہے اور ان مشرکوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہذیان بکنے والوں کی گرفت کے لیے بہت ہی کافی گواہی ثابت ہوگی ۔ قرآن کریم فرقان حمید کی مختلف تفاسیر جو بڑے بڑے علماء نے تحریر کی ہیں ان میں تقریباً سب کا رجحان اسی طرف ہے کہ یہ شکایت عملاً آپ ﷺ اپنی قوم کی طرف ہی کر رہے ہیں مگر اس کے ایک رخ میں خود حضور علیہ السلام کا اپنی امت کی طرف اشارہ بھی ہے ۔ علامہ عماد الدین ابن کثیر اس ضمن میں یہ لکھتے ہیں :

" قیامت کے دن اللہ کے سچے رسول آنحضرت ﷺ اپنی امت کی شکایت جناب باری میں کریں گے کہ نہ یہ لوگ قرآن کی طرف جھکتے تھے نہ رغبت سے قبولیت کے ساتھ سنتے تھے بلکہ اوروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے تھے ۔ جیسے کہ کفار کا مقولہ خود قرآن میں ہے کہ وہ کہتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا (فصلت:26) اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل کرو ۔ یہی اس کا چھوڑ رکھنا تھا ۔ نہ اس پر ایمان لاتے تھے اور نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ، نہ اس پر عمل تھا ، نہ اس کے احکامات کو بجا لاتے تھے ، نہ اس کے منع کردہ کاموں سے رکتے تھے ۔ بلکہ اس کے سوا اور کلاموں میں مشغول و منہمک رہتے تھے یعنی شعر ، اشعار ، غزلیات ، باجے گاجے ، راگ راگنیاں وغیرہ ۔ " (تفسیر ابن کثیر اردو ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی)

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی مشہور تفسیر میں لکھا کہ " آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا ، اس میں تدبر نہ کرنا ، اس پر عمل نہ کرنا ، اس کی تلاوت نہ کرنا ، اس کی صحیح قراءت کی طرف توجہ نہ دینا ، اس کے احکام سے اعراض کر کے دوسری لغویات اور حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا ، یہ سب صورتیں درجہ بہ درجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں ۔" (ماخوذ از "درس قرآن" از جناب محمد احمد صاحب)

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں : " آیت سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مہجور اور متروک کر دینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار کا ہی کام ہے ۔ مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں ۔ سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : " جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا کہ نہ اس کی تلاوت کی نہ اس کے احکامات میں غور کیا ، قیامت کے دن قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا ۔ اب اس کے اور میرے معاملہ کا فیصلہ فرمائیں ۔" (معارف القرآن، تفسیر سورۃ الفرقان)

تدبر القرآن میں مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کے بارے میں رقم کرتے ہیں : " .... ایک طرف تو قرآن کو جھٹلانے والے خود اپنی بدبختی پر سر پیٹیں گے تو دوسری طرف نبی ﷺ بھی اپنے رب سے شکوہ کریں گے کہ اے رب میں نے تیری کتاب پوری دلسوزی کے ساتھ اپنی اس قوم کے سامنے پیش کی لیکن ان لوگوں نے اس کی قدر نہیں کی بلکہ نہایت ناقدری سے ٹھکرا دیا ۔ حضور ﷺ کا یہ شکوہ ان اشقیاء کے تابوت میں آخری کیل ہوگا جس کے بعد ان کے لیے زبان کھولنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی ۔"

اوپر کی گفتگو کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں جو شکایت اپنی قوم کے بارے میں ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنے قبیلہ قریش اور عرب کے لوگوں سے متعلق بھی ہے اور اس جگہ قوم سے مراد حضور پاک ﷺ کی امت سے بھی ہے ۔ اسلام کی اشاعت کے دور میں آپ ﷺ کو آپ کی قوم نے جو تکلیفیں پہنچائیں اور جس طرح آپ کا ، قرآن کا اور آپ کی دعوت کا مذاق اڑایا گیا وہ تو معلوم ہی ہے ۔ جن لوگوں نے نہیں مانا ان کا حشر تو یقیناً قرآن شریف کی مختلف بیان کردہ آیات کی روشنی میں ہی ہوگا اور حق تو یہ ہے کہ مجھے ان لوگوں کے لیے جو اپنی سرکشی اور کفران میں غرق رہنے کے بعد ختم ہوگئے ذرا بھی ہمدردی ہے اور نہ ان کے لیے سوچنے کی مہلت ۔ ہاں البتہ جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور آپ کے احکامات کے آگے اپنا سر جھکا دیا اور قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر حضور اکرم ہادی برحق کی معیت اور نگرانی میں اپنی زندگی کو استوار کر لیا ، وہی تو وہ لوگ ہیں جو روشن ستارے ہیں ۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور پاک ﷺ کے وہ تربیت یافتہ صحابہ کرام اور پھر ان صحابہ سے تربیت یافتہ گروہ نے اسی قرآن کی بدولت اپنی زندگیوں کو کس طرح روشن کیا کہ رہتی دنیا تک آنے والوں کے لیے روشنی کا مینار اور زندگی گزارنے کا معیار بن گئے ۔ ان ہی کی زندگی ہے جو ہمارے لیے نمونہ ہے ۔ ان کے معیار کو اپنانا ہی ہمارا مطمح نظر ہونا چاہئے ۔ یعنی یہ کہ اگر آپ ﷺ کو اپنی امت سے شکایت ہوگی تو یقیناً یہ پاک صاف اور روشن لوگ ان میں نہیں ہوں گے کیونکہ وہ تو جانثار تھے اپنے رسول کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہا دینے والے تھے ۔ وہ تو رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ہیں ۔ ان سے کیا شکایت ۔ انہوں نے نہ تو قرآن کو چھوڑا اور نہ ہی اسے متروک سمجھا ۔ یقیناً وہ لوگ جن کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکایت آں جناب ﷺ اپنے رب کے آگے کریں گے۔وہ بعد کے لوگ ہی ہوں گے جو اقرار تو حضور ﷺ کی رسالت کا کریں گے مگر کام ایسے کریں گے جو ان (ﷺ) کی دل آزاری کا ہوگا۔حضور اکرم ﷺ کا یہ قول بھی تو ہے "میرا زمانہ سب سے بہتر زمانہ ہے اس کے بعد اس کے بعد آنے والے لوگوں کا اور اس کے بعد ان کے بعد آنے والے لوگوں کا۔" یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا آج کا موجودہ دور یقیناً دنیا بھر کی خرابیوں اور اسلام کے بتائے ہوئے راستوں سے انتہائی دوری کا دور ہے۔ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اپنی اخلاقی گراوٹ اور اخلاقی پستی کا اندازہ کریں تو اس میں کوئی شک بھی باقی نہیں رہتا کہ معاملہ واقعی ایسا ہی ہے۔

اپنے اردگرد نظر دوڑائیں اور اپنے گھر سے اور اپنے خاندان کے افراد سے شروع کریں اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ لوگ کس حد تک قرآن سے نزدیک ہیں۔کون سے لوگ ہیں جو قرآن کی تلاوت باقاعدگی سے کرتے ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جو اس کی تلاوت کے ساتھ اس کے مطالب کو سمجھنے کے لیے ترجمہ و تفسیر کا سہارا لیتے ہیں؟ ان میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو ان آیات کا مطلب سمجھ کر ان پر غور کرتے ہیں، ان پر تدبر کرتے ہیں اور پھر کتنے لوگ ہیں جو ان احکامات قرآنی کو اپنی زندگی پر لاگو کرتے ہیں اور ان کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ آپ کا یہ سروے یقیناً ایک انتہائی مایوس کن نتیجہ پیش کرے گا۔ہم میں سے اکثر و بیشتر لوگوں نے قرآن پڑھا ہی نہیں ہے۔نہ ان کو قرآن پڑھنا آتا ہے نہ انہوں نے کبھی اس کی طرف توجہ کی ہے۔کچھ لوگ آپ کو ایسے بھی مل جائیں گے جنہیں اپنی اس خامی کا احساس تو ہو گیا ہے مگر وہ اس خامی کو دور کرنے میں تذبذب کا شکار ہیں۔یہ ہچکچاہٹ ہے کہ اب اس بڑی عمر میں مولوی کے آگے زانو تہہ کر کے بچوں کی طرح قرآن پڑھنا کیا سیکھیں۔پھر آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ کچھ لوگ تو واقعی مسجد میں مولوی صاحب کے آگے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ ہجے کر کے بچوں کی طرح قرآن پڑھنا سیکھنے لگے۔کچھ حضرات آپ کو ملیں گے جو کسی کے آگے بیٹھ کر سیکھنا نہیں چاہتے اور انہیں اپنی ذات پر یقین ہے تو وہ اٹک اٹک کر خود سے قرآن پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔بچپن میں جو کبھی پڑھا تھا وہ اتنے عرصہ میں بھول بھال گیا تھا اب اسے دوبارہ زندہ کر رہے ہیں۔حق تو یہ ہے کہ آفرین ہے ان تمام لوگوں پر جو عمر ڈھل جانے کے بعد اپنی اس خامی کو دور کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ کچھ ہی عرصہ گزرے گا کہ یہ لوگ نہ صرف روانی سے تلاوت کلام پاک کرنے لگ جائیں گے بلکہ ان شاء اللہ اپنی کوششوں اور احساس کے اس بوجھ تلے ان الفاظ کے مطلب سمجھنے کی طرف بھی مائل ہو جائیں گے۔میرا ایمان ہے کہ جو پورے خلوص کے ساتھ کوشش شروع کر دے علم کو حاصل کرنے کے لیے اس کا شمار اللہ تعالیٰ غافلوں میں اور مداہنت کرنے والوں میں نہیں کریں گے۔یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے توفیق دے دی اور وہ سیدھے راستے پر لگ گئے اور یہ بھی امید کی جا سکتی ہے کہ جلد ہی وہ لوگ اس قرآن کے احکامات کو اپنی زندگی پر لاگو کرنے میں بھی غفلت نہیں کریں گے۔

اوپر ذکر کیے گئے لوگ آج ہمارے معاشرے میں بہت کم ہیں۔اکثریت ان لوگوں کی ہی ہے جو مسلمان ہونے کے ناطے قرآن کو مانتے بھی ہیں، اس کا احترام بھی کرتے ہیں مگر نہ قرآن پڑھتے ہیں، نہ اس کا مطلب سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرنا تو بہت بعید از قیاس بات ہے۔آپ اس بات پر میرے ہم خیال ہوں گے کہ آج کا دور شیطانی اور دجالی دور ہے۔شیطان نے اپنے مکر و فریب کا جال پھیلا رکھا ہے اور اس کا سب سے بڑا اشاعتی ادارہ ہمارا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا ہے۔ اس شیطانی کارروائی نے آج کے معاشرے کو مادر پدر آزاد معاشرہ بنا دیا ہے۔جتنا گناہ ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ سے بانٹا اور پھیلایا جا رہا ہے وہ ہمارے نوجوانوں کو اپنے مذہب اور اپنی اسلامی اقدار سے دور بہت دور لے جا رہا ہے۔

قرآنِ کریم سے اعراض کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ لوگ اسے استفادے اور ہدایت کی غرض سے پڑھنے کی بجائے محض اپنے مطلب کی بات نکالنے کے لیے پڑھیں۔اس میں معنوی تحریفات کا ارتکاب کریں۔خود بدلنے کی بجائے قرآن کو بدلنے کا عمل مذموم انجام دیں۔کچھ ہی دنوں پہلے مجھے اطلاع ملی کہ ایک صاحب یہ پرچار کرتے پائے گئے کہ قرآن تو پندرہ سو سال پہلے کے جاہلوں کے لیے اتارا گیا تھا۔ہم تو کھلے ذہن کے پڑھے لکھے مہذب اور ترقی یافتہ لوگ ہیں اچھائی اور برائی سے بہت اچھی طرح واقف ہیں اس لیے اب اس قرآن کو نہ پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سے کوئی ہدایت مل سکتی ہے۔اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق وہ کرو جو معاشرہ اور انسانیت کی بھلائی کے لیے مفید ہو۔استغفر اللہ من ذلک۔آپ خود سوچیں کہ کیا ایسے لوگ مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں؟ کیا یہ لوگ حضور نبی اکرم صاحب السلام و التسلیم کے لیے دکھ اور ایذا پہنچانے والے نہیں ہیں؟ کیا ان کے خلاف آقائے نامدار ﷺ کی اللہ کے حضور میں شکایت بجا نہیں ہوگی؟ اللہ ہمیں ایسے بھٹکے ہوئے گروہ سے اور ان کی تعلیمات سے محفوظ رکھیں۔آمین

آج کا مسلمان یہ تو مانتا ہے کہ قران میں جو ہدایات ہیں وہ اس کی اور اس کے معاشرے کی بھلائی اور ترقی کی ضامن ہیں اور ان پر عمل میں فلاح اور کامیابی ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ وہ اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہے۔یہ معلوم ہے کہ جھوٹ بولنا، دھوکہ دہی کرنا، غیبت کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور اس جیسی دیگر چیزوں پر عمل کو قرآن نے سختی سے منع کیا ہے مگر کتنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی لوگ ہیں جو یہ جاننے کے بعد بھی ان پر عمل پیرا ہیں ؟ کیا ہمارے معاشرے میں یہ تمام برائیاں تمام و کمال کی حد پر نہیں پہنچی ہوئی ہیں ۔ ان باتوں اور احکامات کا علم ہونے کے باوجود ان برائیوں پر عمل کرتے رہنا بلکہ ان پر مُصر رہنا قرآن کے احکامات سے روگردانی اور اس کی تحقیر نہیں ہے ؟ قرآن کو چھوڑ دینا اگر یہ نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟ ان اعمال کے کرتے رہنے کے ساتھ قرآن کی عزت ہمارے دلوں میں موجود بھی رہے تو ایسی عزت کس کام کی اور یہ عزت ہمیں اس انجام سے کیسے بچائے گی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی فریاد اور شکایت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر کی جائے گی ۔ اے کاش کہ مسلمان ہوش میں آ جائے ۔ دنیاوی فائدوں اور یہاں کی بھلائی ، آسائش اور آرام کی بجائے ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب اور ذلت و رسوائی سے نجات حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے۔

اللہ رب العالمین یقیناً بہت رحیم ہیں ، بڑے ہی کرم کرنے والے ہیں ، سمندروں کی جھاگ سے بھی زیادہ گناہ ہوں تو انہیں معاف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں ۔ ہم اپنے گناہوں کی زیادتی سے آسمانوں اور زمین کی وسعتوں کو ڈھانپ دیں پھر بھی اگر وہ چاہیں گے تو پلک جھپکتے ہی ان کو معاف کر سکتے ہیں اور ان کی بادشاہت اور ان کی بڑائی میں نہ کوئی کمی ہوگی نہ رخنہ پڑے گا ۔ آج کا مسلمان اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے ۔ اللہ تو ہمیں ضرور معاف کر دے گا ۔ میری دعا اپنے لیے بھی اور آپ سب کے لیے بھی یہی ہے کہ ایسا ہی ہو اور اللہ ہم سب کو بلا حساب کتاب معاف کر دیں ۔ آمین ۔ مگر حقیقت کی نظر سے دیکھیں تو کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم چاہے جتنی بھی سرکشی کر لیں ، ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیا ، عید کے دن یا جمعہ کی نماز پڑھ لی تو بس اب معافی ہی معافی ہے ؟ جناب ہم تو ایسا اپنی سرکش اولاد کے لیے بھی نہیں کر سکتے جس کو ہم نے وہ سب کچھ نہیں دیا ہے جو اللہ ہمیں دے رہا ہے ۔ سرکشی اور نا فرمانی ، احکامات سے روگردانی اور ان کا بجا نہ لانا ایک بالکل مختلف معاملہ ہے اس کا بھول چوک سے کوئی تعلق نہیں ۔ ہم اللہ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا رہیں اور پھر اگر اس میں ہم سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ہم معافی کے خواستگار ہو سکتے ہیں اور مغفرت کی امید رکھ سکتے ہیں مگر صریح گمراہی میں پڑے رہنے اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے بغیر اس کی رحمت کی امید رکھنا کہاں کی دانائی ہے ۔ خواب غفلت سے جاگنے کا وقت ہے اور اپنے اعمال کو سیدھا کرنا وقت کی انتہائی اہم ضرورت ، ورنہ پشیمانی اور ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت اور خواری مقدر ہو جائے گی۔

آیئے اس بات کا اعادہ کریں کہ ہم ایسی تمام حرکتوں سے تائب ہو جائیں جو رسول اکرم نبی محترم ﷺ کی شکایت کی وجہ بن جائے ۔ قرآن مجید فرقان حمید جو انسان کے لیے راہ ہدایت ہے ہماری زندگی میں مرکزی حیثیت کا حامل ہونا چاہیے ۔ اس کے احکامات پر دل و جان سے عمل کرنا ہمارے لیے اولین ترجیح ہونی چاہیے ۔ اس کا علم حاصل کرنا ، اس کی درست تلاوت کرنا ، اس کا مطلب سمجھنا ، اس کو یاد کرنا ، اس کو روزانہ پڑھنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس پر انتہائی دیانت سے عمل کرنا اور اس کو اپنی زندگیوں پر لاگو کر لینا ہی ہمارے لیے راہ نجات ہے اور ہمیں اس ذلت سے بچانے کا باعث ہو سکتا ہے جو قیامت کے دن حضور اقدس ﷺ کی شکایت اور فریاد کے بعد ان ظالموں پر عذاب کی صورت میں ٹوٹ پڑے گا ۔ اے کاش کہ ہم مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ قرآن میں جو بیان ہوا ہے وہ حق ہے اور اللہ نے ہمیں پہلے سے ہی یہ بات بتا کر متنبہ کر دیا ہے کہ قیامت کے دن رسول فریاد کریں گے اور اپنی امت کی شکایت کریں گے ۔ کوئی سر پھرا قرآن کے اس بیان کے بعد بھی اس کو داستان اور قصہ یا جھوٹ موٹ کا ڈراوا سمجھے تو یقیناً وہ بڑا ہی عاقبت نا اندیش شخص ہوگا ۔ ایمان والوں کو اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنی امت کی قرآن کو بھول جانے کی حرکت پر شدید غم میں ہونگے کہ انتہائی رحم دل اور امت کے بے اندازہ خیر خواہ ہونے کے باوجود آپ اللہ کے آگے فریاد کریں گے اور پھر یہ کہ وہ تو اللہ کے محبوب ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ اس فریاد اور شکایت کے بعد اپنے محبوب کی دلجوئی نہیں کرے گا ؟ یقیناً کرے گا اور اس کا اندازہ کوئی انتہائی کم عقل شخص بھی لگا سکتا ہے کہ یہ اللہ کے غیض و غضب پر منتج ہوگا پھر وہ لوگ جو اس جرم کے مرتکب ہوں گے ان پر اللہ کا عذاب کیسے ٹوٹ پڑے گا اور ان کا کیا حال ہوگا ؟ کون اس دن ان کے کام آئے گا اور کون ایسا ہوگا جو اللہ کے جوش انتقام کو کم کر وا سکے گا ۔ اللہ سے التجا ہے کہ ہمیں ایسے برے انجام سے بچا لیں۔

آیئے ہم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ان تمام باتوں سے دور رہنے کی کوشش کریں جو ہجران قرآن کا باعث ہیں ۔ اس دنیا میں ہم اپنی انتہائی کوشش کر لیں کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں کہ جس کی بدولت نبی رحمت سرکار دو عالم ﷺ اپنے رب کے حضور ہماری شکایت کریں اور پھر ہمارا ٹھکانا دوزخ میں ہو جائے ۔ اے اللہ امت محمدی کو اپنے رسول کی محبت عطا فرما ان کے احکامات اور ان کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ پر کامل ایمان اور ایقان کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما ۔ ہجران قرآن جیسے گناہ سے محفوظ رکھ اور کم از کم ہمیں ان لوگوں میں ہونے سے بچا لے جو تیرے غضب کا شکار ہوں گے ۔ آمین یا رب العالمین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد اسماعیل شیرازی

قرآن کریم کا تقاضا اور ہمارا اجتماعی روّیہ

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

رب کائنات کا ہم مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ کرہ ارض پر بسنے والے ہر انسان پر یہ بہت بڑے فضل اور کرم کی انتہا ہے کہ جس نے ہمیں اپنے کلام پاک کے ذریعے ظلمت اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایک روشن راستہ دکھایا اور ہمیں جینے کی وہ راہ بتائی کہ جس پر عمل پیرا ہو کر کل روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرخرو ہو سکیں۔ اللہ پاک نے اپنے کلام کو پوری انسانیت کے لیے اتنا آسان اور سہل نازل فرمایا ہے کہ کوئی بھی آدمی اگر خلوص نیت اور ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے مطالعہ کرے تو نا ممکن ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ ایک شخص جب ہدایت کے الہامی روّیوں کو اخذ کرتا ہے تو اس کی زندگی بھی انہیں سانچوں میں ڈھلنے لگتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے لوگوں کو کتاب کے نام پر ایسا مقدس تحفہ نہیں دیا جو محض تبرک بن کر رہ جائے بلکہ اس کا اصل مقصد زندگیوں کو نکھارنا تھا اس کے مقدس کلمات میں ایسی تاثیر رکھی جو ذہن و فکر کے گوشوں اور انسانی اعمال و روّیوں کو مقصدیت عطا کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ (القمر:17)

" اور ہم نے بلاشبہ قرآن کو سہل کر دیا تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ کیا کوئی ہے اس سے نصیحت حاصل کرنے والا ؟"

ذرا غور کیجیے ! اس بات پر کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سے مخاطب ہے کہ ہم نے اس کلام یعنی قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ تاکہ لوگ اس پر تدبر کریں اور ہدایت سے مشرف ہوں۔ قرآن پاک ایک مکمل ضابطہ حیات ہے زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ اللہ پاک نے اس میں انسان کی زندگی میں آنے والے ہر مسائل کے حل بتا دیے ہیں تاکہ انسان کو اپنی زندگی میں کوئی بھی مسئلہ در پیش ہو تو اس کو ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن پاک سے رجوع کرے۔ اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو رسول کی پوری زندگی اسوہ بنا دی تا کہ ان کے نقش قدم کی پیروی کرکے منشاء الٰہی کو سمجھا جا سکے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بھی تو ویسا ہی روّیہ اختیار کریں جیسا کہ ہمیں حکم ملا ہے، لیکن افسوس کہ آج ہم نے کلام باری تعالیٰ کو صرف خیر و برکت اور گھر کی زینت کے طور پر سجا کے رکھ دیا ہے، جبکہ قرآن پاک کا تقاضا ہم سے کچھ اور ہے۔ موجودہ معاشرے میں اگر ہم مشاہدہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ کس کس طرح قرآن پاک کے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے ؟ آج ایسے ایسے مفکرین قرآن پیدا ہوگئے ہیں جن اجتہادی فتووں سے دین ایک تماشہ بن کر رہ گیا ہے۔ کلام پاک سے ایسے ایسے مسائل نکال کر بیان کیے جاتے ہیں کہ شاید اس سے قبل کسی نے بیان نہیں کیے۔ یہ قرآن پاک کے ساتھ ایک گھناؤنا مذاق نہیں تو اور کیا ہے ؟ آج جس طرح ہم نے مسلمان ہونے کے باوجود قرآن پاک کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے، شاید آج سے چودہ سو سال قبل ابو جہل اور ابو لہب نے بھی نہ رکھا ہو۔ انہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی جبکہ آج منافقت کی روش اختیار کی جا رہی ہے۔

سب سے زیادہ افسوسناک امر تو یہ ہے کہ یہ قرآن پاک ہمیں ہدایت کے لیے عطا کیا گیا تھا نہ کہ اس کو گلے کا تعویز بنا کر یا اس میں سے کچھ آیات کو کاٹ چھانٹ کر بطور نقش در و دیوار پر سجانے کے لیے۔ جس کے دل نے جو چاہا قرآن پاک کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا، بجائے یہ کہ ہم خود اپنے آپ کو قرآن کے مطابق بناتے، ہماری آج کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح قرآن کو ہم اپنے مطابق بنا لائیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ آج ہم نے مکمل طور پر قرآن پاک سے انحراف کیا ہوا ہے۔ جب کوئی کلام خداوندی سے انحراف کا مرتکب ہوتا ہے تو گویا اس نے اللہ پاک کو چیلنج کیا، جس کے نتائج بہت نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی کتاب " محاضرات قرآنی " کے خطبہ پنجم " علم تفسیر ایک تعارف " میں بیان فرماتے ہیں:

" جب کسی قوم میں وحی الٰہی سے انحراف پیدا ہوتا ہے تو عموماً اس کے دو بڑے بڑے اسباب ہوتے ہیں۔ آغاز میں زیادہ تر انحراف نیک نیتی ہی کے راستے سے ہوتا ہے۔ بد نیتی سے شروع شروع میں بہت کم لوگ انحراف کرتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ نیک نیتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی غلط راستہ اختیار کر لیا ، یہ احساس کیے بغیر کہ یہ راستہ غلط ہے اور اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے ۔ پھر بعد میں آنے والے اس پر آگے بڑھتے چلے گئے اور یہ دلیل دیتے رہے کہ شروع شروع میں جن لوگوں نے یہ راستہ اختیار کیا تھا وہ تو بڑے نیک لوگ تھے ۔ حالانکہ نیک آدمی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے ۔ غلطی سے صرف پیغمبر مبرا ہیں ، ان کے علاوہ ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ شروع شروع میں یہودیوں اور عیسائیوں کے نیک نیت لوگوں نے کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہو ۔ لیکن بعد میں آگے چل کر وہ اتنی بڑی اور بھیانک غلطی بن گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو مغضوب علیہم اور دوسرے کو ضالین قرار دیا۔ "[1]

ہمیں سوچنا چاہیے کہ کہیں ہم بھی تو ویسا عمل نہیں کر رہے جو پہلے لوگوں نے کیا تھا اور کہیں ہمارا شمار بھی انہی لوگوں میں تو نہیں ؟ آج کی اس صدی میں ہر تیسرا آدمی مفسر قرآن نظر آتا ہے ۔ چودہ سو سال قبل اتنے مفسر قرآن پیدا نہیں ہوئے جتنا کہ اس صدی میں پیدا ہو گئے ہیں ۔ مفسر قرآن ہونا تو بہت دور کی بات ہے جیسا ہمارا رویہ قرآن کے ساتھ ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں خادم قرآن ہونے کا شرف بھی عطا کر دے تو یہ ہمارے لیے باعث فخر بات ہو گی ۔ دوسرا المیہ یہ ہے کہ ہمارا وہ طبقہ جو خود کو دین اسلام کا ٹھیکدار سمجھتا ہے صرف چند سکوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کو کمائی کا ذریعہ سمجھ کر کھا رہے ہیں چند سکوں کی خاطر قرآن پاک کی آیات کو بیچا جا رہا ہے ، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرۃ: 78 — 79)

" پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شریعت تصنیف کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کر لیں ۔ پس ہلاکت ہے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور ہلاکت ہے جو وہ اس سے کماتے ہیں ۔ "

آج ہمارے بعض مفسر ایسے بھی ہیں جنہوں نے قرآن پاک سے بیت المقدس کو یہودیوں کا حق قرار دے دیا ، نکاح متعہ کو سند جواز عطا کر دیا ، مسلمان عورتوں کی اہل کتاب مردوں سے نکاح کا جواز ثابت کیا ، مرد و زن کی دوستی اور اختلاط کے ثبوت اکٹھے کیے ، کچھ نے رجم کو ساقط قرار دیا اور بعض نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ سود بھی قرآن سے ثابت ہے اور یہ جائز ہے ۔ (نعوذ باللہ)

ہم مسلمانوں پر نزول قرآن کی وجہ کیا تھی ؟ ہمیں اس کا ادراک کرنے کی ضرورت ہے ۔ اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے تب ہی یہ قرآن روز حشر ہمارے لیے شفاعت کرے گا ورنہ ہم اس کے مجرم ٹھہریں گے ۔

بقول محمد تنزیل الصدیقی الحسینی :

" آج تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ قرآن مسلمانوں کی کتاب ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ قرآن تو انسانوں کی کتاب ہے اور حاملین قرآن کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ انسانیت کو اس کی متاع گم گشتہ لوٹا دیں ۔ "[2]

مگر افسوس کہ ہم نے تو اسے اپنی کتاب بھی نہ سمجھا تو اسے انسانیت کے لیے " ارمغان ہدایت " کیا بناتے ۔ انسانیت کی سب سے بڑی امانت کے امین ہم مسلمان ہیں جو خود ہی اس کی خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں ۔

اگر ہم مسلمانوں کا قرآن پاک سے ساتھ یہی سلوک رہا اور ہم نے اپنے آپ کو بدلنے کی کوئی کوشش نہ کی تو اللہ کی یہ سنت ہے کہ ایسی قوم کو نشان عبرت بنا دیتا ہے ۔ قبل اس کے کہ اللہ کے عذاب کا کوڑا ہم پر برس جائے ہم اپنے آپ کو قرآن کے مطابق ڈھال دیں جو قرآن کہے صدق دل سے تسلیم کر لیں ۔

کامیابی اور کامرانی کا سارا وعدہ اللہ رب العزت نے اپنے نیک بندوں سے کیا ہے نہ کہ محض نام کے مسلمانوں سے ۔ اگر آج ہم بحیثیت مجموعی ناکام و نامراد ہیں تو اس کی وجوہات اور اسباب پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے ؟ قرآن قوموں کو عروج و زوال عطا کرتا ہے ۔ اس کی ہدایت کو ماننے والے عروج و کامرانی کی منزلیں طے کرتی ہیں اور اسے پس پشت ڈال دینے والے مبدل بہ زوال ہو جاتے ہیں ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس کی ہدایات سے اپنی زندگیوں کو آراستہ کیا تو انسانی تاریخ کا سب سے کامیاب معاشرہ تخلیق ہوا ۔ وہ کوئی اور نہیں ہمارے ہی اسلاف تھے ۔ لیکن آج ہم اس پستی میں کیوں ہیں ؟

وجہ صاف ظاہر ہے قرآن کریم سے دوری اور اس کے پیغامات سے چشم پوشی ۔ جب ہم قرآن کے صحیح مخاطب بن جائیں گے تو نصرت و کامیابی کے سارے وعدے بھی ہمارے حق میں پورے ہوں گے ۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآنی تقاضوں کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

---

[1] محاضرات قرآنی، ص 173

[2] اسلام اور عصر جدید، ص 77

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

history has gone through a process of meditation as it is a method to achieve control over thoughts, probe into certain matters not otherwise approachable, refinement of self and understanding of Allah the Almighty. We Muslims are supposed to to be meditating by simply reciting the name of Allah which can elevate the personality to a higher level, but this seems to be an old story now. No one is serious enough to look into this aspect except those who are guided by by someone who takes the responsibility of of their acts and trains tnem through a process of making the realize their self and the powers endowed within and the methods to utilize these powers in understanding of Allah and the His creations in a positive manner.

CONCLUSION

The description of the secret societies given above does neither cover all such Satanic influences present, nor describes all their methodology. My humble effort was to make the reader that the organizations that are awaiting the coming of Anti-Christ are not sitting idle. They are paving the way for their ultimate leader They sit down to plan strategies and implement them with such ferocious vigour by first making the masses believe the acts to be right and then by compelling them to enforce it in their lives through malice, black mail and other such forces.

We have been made to believe by these imperialist powers that we human are not capable of doing anything by ourselves. They have propagated the theory to the point of acceptance that it is to our utmost benefit to implement their systems in our lives, lo and behold; we are following it in true letter and spirit. We have closed our eyes from facts and our faculties of reasoning and judging to arrive at a conclusive decision has been marred and sealed by these forces leaving us dumb founded. Being unable to interpret their designs and plans for our destruction, we have accepted what they are teaching us and implementing whatever they command. It is time that we know our history, our religion and start looking into things objectively and the light of the Divine Command and guidance and implement what is beneficial in this life and in the hereafter, and that is the ultimate goal. This could only be possible by becoming a Muslim that Iqbal wanted us to be, "A person with dignity and honour". We have to only ask for help from Allah and fear none. We have to make a decision and stand up for Allah and His bestowed system explained in the Qura'n. If we liberate our souls from the system of Dajjal, then each and every Muslim can seek guidance from our beloved Prophet Huzoor Nabi-e-Karim (SAW) exactly in the same way that the Sahaba-e-Karam (RA) used to benefit. It is all about having the Talab inside. We must remember that our actual life begins at the end of this life which could be made hilarious if we accept sufferings here in obeying Allah and His Prophet (SAW). THE END HERE IS THE BEGINNING THERE.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

understand what He wishes us to do and forbids us to refrain from. This is an in between the physical needs and the needs above human requirements of this world that glides him to the spiritual lands. A human mind acts perfectly if all above mentioned conditions are met. The mind is being deceived by mass propaganda over the television and other media objects to subconscious feeding of information. We are being fed through news channels, TV programs that keep us away from learning, studying, researching into newer things. History has been manipulated to benefit a few people only. People are lead to believe that it is only religion and religious scripts that puts man against man, religion makes you hate others and shows you path of vengeance to shed blood of fellow human beings. So they enlighten human beings to become one society, remove differences and follow the path of prosperity, peace and harmony. But the things that they do not let you realize that God has sent the religion that teaches you much higher level of attainment. Today history does not discuss the greatest, mightiest, humblest and most advanced of all the civilization of Khilafat-e-Rashida. We are repeatedly told of Romans, Greeks, Russian Communism, the shining democracy of UK, the all powerful Presidential Democracy of USA, the lovely Canton System of Switzerland... and so on. But where is the Muslim Dynasty that proved to be the best among all of them and proved to be the best system of governance ever produced by mankind. Our history has been cramped and they do not want us to study and follow the true Islamic Model that was followed 1500 years ago. Because of its effective governance when it is adopted, would cause the death of credit based Riba (Interest) of capitalism.

f. **The Soul that is Supreme** is also under attack. It is nothing physical but spiritual and something out of the worldly things. The perfection of the soul is the ultimate need of human creation. The elevation of the soul grants the man to a position where he becomes the Vice Regent of Allah the Supreme. This can be achieved when all other points mentioned above are met within the purview of the teachings of all the Prophets of Allah and His unadulterated Divine Books. The first thing done by Satan was to make people alter the divine books so that original transcript is lost and then put the followers on to a path which is in total negation to the guided and straight way to sanctity and self esteem. This was the best the devil could think to misguide Allah's servants. No light, No guidance, No salvation and the soul goes down to the lowest of the low. The only means to elevate the soul is by Zikre Ilahi which is the remembrance of Allah. Us human have almost abandoned the Zikr from our lives. We know that every great man in

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

it is Halal (permitted) a becomes a cause of blessing from Allah the Almighty. It also plays a part in spiritual elevation of a person. This has been maliciously cut down by our enemies through propagation of a relationship between individuals outside the bonds of matrimony. Fiery and explosive advertisements, films, talk shows and such other matters have been purposefully patronized by them to kill all the bonds and promote satisfaction of desire through illegal means. These illegal means are readily available and also do not bind anyone into any respectable bondage.

b. **Next is stomach.** It is elevated by consuming Halal food and by avoiding alcohol, consuming blood (whereas steaks and other dishes are served a mix of animal blood). This Halal food has to enter the body with halal money obtained from resources permitted by Allah alone which will elevate your spiritual self. WE have been pushed to eat junk food with the fancy names of KFC, McDonalds, and Pizza etc. All these junk food destroy our body and gives us neither health nor peace of mind.

c. **Third in line is heart.** Human heart is the base of "HAQ" which is "JUST", compassion, love respect and emotions. We have been taught by worldly systems to fight for every thing as the survival of the fittest is the sole agenda for attainments in life. We slash our competition and hurt every one around us because we are taught to only look for our own benefits, our own success, our own well being and our own comfort. Compassion soft heartedness, love, respect, caring and sacrificial emotions have no place in this cut throat system. Slowly and gradually we are being poisoned so as to close our eyes from what is right and "HAQ". This malice takes us away from Allah and His commandments. Imagine what you understand by "Being Heartless", that is what we are heading to be.

d. **Then comes in the throat.** This is the means through which we express our feelings and communicate with each other. We pass on our feelings of love, emotions, rage, hatred, compassions etc through the tones, volumes and gestures. But through the means of communication adopted by us under the present system of the advancement of science and technology, our usage of throat is being minimized. We do not communicate with our throats any more, we send e-mails, we listen to songs, we even dedicate songs to express our sentiments and feelings. We talk in false languages and mostly rubbish.

e. **The human mind which is the marvel of creation** is the next in the line of attack. This is the tool granted to man to keep his physical self in order and the tool to achieve higher self conscience, the means to know the creator and

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

A Very Interesting Quote

"Man was held prisoner in the Garden of Eden by an unjust manipulative God, who did not tell man that he could attain the same level of powers like Him. It was man who went against the wishes of God to become a rebel. Adam thus illuminated the human beings and consequently was thrown out of the heavens. This implies that through the gift and illumination of intellect, he empowers everyone to become a god."

This is the reason why all the powerful and learned intellectuals feed us through their tools of mass deception. We are fed with lies and brain washed, and these people carry out their heinous agenda of challenging the Utmost Creator. That is why Titanic was called "Un-Sinkable", space shuttle was named "Challenger" and we all know the fate of these so called great men made machines. Strange enough these people are so deluded that they still consider themselves all powerful against every thing.

Sun's cycle is of 11 years. The speech by George W Bush Senior was delivered on 9th September 1990, and exactly after 11 years WTC destruction takes place. Does it make sense? Sun god, Lucifer (Satan), numerology (11 a specific number challenging God), ghost faces in the rubble of destruction, Mega Rituals of Satanic nature. Watch the movie "Fight Club" where in the end the sphere is destroyed and subsequently a lot of sky scrapers come down including WTC in the same fashion.

G. W. Bush junior's grand father as described above wrote the book of laws when he was visiting and meditating at the great king's chamber of Giza Pyramid. He claimed to have been contacted by a being called Aoz or Oz, and all these characters are clearly visible in the movie "Wizard of Oz".

When we communicate with each other, we use words and gesturesto add meanings to our communication. When these groups talk and communicate with each other, they use numbers, images and certain shapes of objects. So in their definition number 10 is denoted as God that is the reason why most big players wear T-Shirts with number 10.

Human Body

Our enemy knows us better than we do ourselves. Human body is the only body when stretched can fit into a circle or in a square. The square represents the Physical Realm and the circle, the Spiritual Realm. We have to achieve harmony between both. Out of all the schools of thoughts, following are the most accepted and logical spiritual points in a human body which is under attack by the enemy. These devilish groups aim at destroying the MAN in every respect and then overpower him to act as slaves willing to obey readily. We look into them one by one,

a. **The lowest of all emotions is sex** which is very powerful and easily instigated. When the physical relation takes place within the wedlock,

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

brick road they travel through a circular portal and reach three pyramids of Giza, behind these pyramids is a structure of sphere and above it twin towers of the shape of WTC. People dance around it anti clock wise in a ritualistic style.

Why Mimic Kaabah?

It is because they are challenging Allah or they are signifying the future destruction of Kaabah (as sign of the end times)

Coming back to the discussion made earlier, we know there are several energy points on earth. When two ley lines cross each other or when the energy is originated from the earth, it flows in a spiral clockwise motion. We human also release energy. But there is something very different about Kaabah, the Holy Mosque in Makkah. It has the most amount of energy passing through it making it the most powerful energy point on this earth. It is also the most visited place on earth. The energy flowing from Kaabah is counter clock wise (exactly in the same direction that we perform our round trip around it). We are bounded to this dimension of time and space and in order to leave this bond you have to leave the time and space bond. The circumambulation around Kaabah helps one to break away from worldly chains and elevate ones self spiritually.

We know that there are seven spiritual planes. When dealing with our own dimensional beings we talk to each other and we use words to communicate. When the Elites or Illuminati or Freemason talk to cross boundry beings they use numbers and images, which is known as sacred numerology and sacred geometry. This means that each number and shape is given a meaning like 10 is Alpha and Omega which means "God", where as 11 or 101 is a number above God and 9 + 1 + 1 is like skipping 10 or skipping God. So in the United States, when you are in an emergency, who do you remember, God? No sir, you skip Him and call 911. So the incidence of 9/11 was a mega ritual and following could be the four major reasons.

a. Challenging God and make Satan happy.
b. Signify the destruction of Kaabah.
c. Assertion of a New World Order.
d. To create the darkest and most powerful star gates on earth.

All the dates, numerology, speeches, rituals add up to this event. Twin Towers the two pillars of Solomon. In a synagogue the two pillars at the entrance was called "The Gate". This is why this formula is followed around the globe for buildings in twins. Another target of 9/11 was a Pentagon, the shape of the Satanic Star. It is interesting to note that in this satanic ritual the targets were a "Star" and a "Gate". It is said that "ISIS" was released as an effect of butchering and burning alive 2,300 persons present in WTC when it was attacked.

Every thing that we hold, see and think is fake. It is all pre embedded in our system. We have been brain washed by these people. We have become Robots of machinery where big fish eats small ones, a part of satanic model of Darwinism.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

where he was voted by men to be so adorned and by doing so the whole religion was catapulted into something else. Modern day Christians can not see that those who murdered Jesus Christ PBUH (according to their belief) were Jews and Romans who later spread the teachings of Jesus PBUH with a mix of Roman belief. Go to any Church and you can easily spot sun, eye, pyramid or the figure of Jesus Christ PBUH and a sun over his head. The pyramid of power ends in Jerusalem and Rome represents Vatican and subsequently Torah was substituted with human written Talmud, while Injeel (Bible) by New Testaments. Allah denounced the leadership of Jews and bestowed His final word in Qur'an and took the responsibility of upholding and protecting it from all amalgamations and falsifications.

These secret societies are Traffickers of Information, as they strive to own media and information institutions so as to what comes to us as news is decided by them to trickle down. The information received by breaching the dimensional barriers, of which Illuminati is supposed to be the "Gate Keeper", they aim to hold the key energy points on earth. We know that all the ancient wonders were built over these points and to hold the key to these energy points or vortex points to open necessary star gate for a cross dimensional communication and cross dimensional energy shifts. A crossing of two energy points or fields is represented by a cross. But a star gate can be opened when two energy points are the basis needed to opening of a vortex. When two Xs are intersecting, the other dimensional gate can be opened, one for earthly dimension and the other for some other dimension. This as such springs the 8 pointed stars.

Alister Crowley is branded as the most evil man of 20^{th} century. He was the maternal grandfather of Barbara Bush, wife of former president Bush Senior. Alister Crowley wrote famous *Hymn to Pan* (Pan was the god of shepherds). On 9/11 President Bush reading "My Pet Goat" from this book which is known to be banned for its ritualistic undertones dedicated to the satanic entity of Pan. Bush, the grand son of Crowley, read the books holding it upside down, (another example of satanic and black magic ritual). The words of that book were being chanted by the classroom (by the innocent children) when the attacks were taking place.

Before we move forward, we know that between the Twin Towers there was a sphere, and this is how its significance is described by Wikipedia, "Sphere Elt was meant to symbolize world peace through world trade and was placed at the centre of a ring of fountains and other decorative touches designed by Trade Centre architect Minosuru Yamasaki to mimic the 'E'. Elt set to rotate once every 24 hours, and its base became a popular lunch spot for workers in the trade centre on days with good weather." If you have seen the movie "Wizards of Oz (1978 version), Emerald City is connected to New York and upon arrival at the end of the yellow

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Satanic temple to rule the world. Presently 80% of Israel is owned by Rothschild, the same people who financed world wars and holocaust. The false messiah will have to come and take over from the place where the true Messiah has to come. They have never realized that their first prophet was Hazrat Moosa PBUH, who brought them out of Pharaohs' kingdom and established them in Palestine. Strange enough, it is King Solomon's seal that shows in their flag. Why? Two major reasons for that, one, they do not consider King David and King Solomon (Peace be upon them both) to be the prophets of Allah. Hazrat Sulaimanu PBUH was the king over men as well as over the djinns. Consider the flag of Israel. Two stripes on top and bottom indicate the River Nile and Euphrates and in the middle is the star of David which represent the cross over dimensions. The triangles are overlapping each other (this is a signified figure that Freemason use which signifies combination of earthly and heavenly powers). The Zionist is announcing that they will use every power in their grasp to uphold the name and work of Satan.

c. <u>*Eye of Horus*</u>. The story of both Jesus and Horus (Eagle god of war) are similar as described in the film "Secret Rulers of the World". The makers of that movie tried to paint from all angles that all the Prophets were no more than myths. An important question to ask, "Why this fabricated Jesus story has been based on Horus, a pagan deity?" I shall explain it. As the legend goes, after Horus's father Osiris was murdered by his brother Set, he fought with Set for the throne of Egypt. The fight resulted in one eye becoming injured but Horus won the battle and became the "one eyed sun god". Horus was eventually merged with "Ra" (another Egyptian god), to become "Ra-Horakhty", the ruler of all Egypt. This became interpreted as the one god for Egyptians and all other gods were different with respect to this one god. This one eyed god was referred by them as "Son of god", or "Light of the world", "Ruler of all". Similar words are used by Church and Bible for Jesus Christ PBUH. Has the Church deceived the followers into in directly worshipping a one eyed sun god? Sun the day, "Sunday" is being named after Horus and is the religious day for Christians. Looks like a world wide conspiracy is being formed to accept the one eyed Dajjal as the true Messiah. The pagan Christians has manipulated the true persona of Jesus PBUH into being a representation the sun in order to allow their followers to indirectly worship the sun. Honouring Sunday gives homage to Satan as sun worshippers did in the past. Jesus PBUH was never considered as a god or the son of god until 325 AD (that is after Council of Nicaea)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

4) *Skeptical.* Skeptics tend to doubt that Ley Lines were planned or made by ancient cultures, and argue that apparently Ley Lines can be explained without resorting to extraordinary or pseudoscientific ideas.

The ley lines and their intersection points are believed by some to resonate a special psychic or mystical energy, often including elements such as geomancy, drowsing or UFOs, stating that for instance UFOs travel along Ley Lines (in the way that one might observe that cars use roads and highways). Thus belief postulates that points on lines have electrical or magnetic forces associated with them.

b. Space Time Vortex. These are the energy points on Ley Lines which connect to the parallel dimension. We all know with reference to The Qura'n that the djinns exist, and for Muslims, crossover interference or use between cross dimensional regions is not allowed. We have no historical evidence that our Prophet PBUH ever used djinns for any of his worldly works. The Holy Qura'n mentions that the evils of djinns and mankind assist each other in obtaining their wicked intentions and none of them shall have any reward in the hereafter for any of the good works that they have ever done. The assistance of the Satan to humans is thus confirmed. Muslims refrain from this cross dimensional usage but there is no restrictions or guidance available to non-muslims, as such these Satanic worshippers use this devilish power to call on these devilish and powerful djinns for the achievements of their dirty works. In order to achieve their desires they practice some rituals that take place on certain dates. The energy released by the effects of their Satanic rituals and blood sacrifice opens the "Star Gates" to invite and call upon these evil beings. Checkered floors represent the cross dimensional travel. An investigating intellect can see such signs all over. The common pattern is every where, eg the all seeing eye, checkered patterns, pyramids and gates. This knowledge is never transmitted in written form, but passed through symbols, rituals and architecture. Presently digging is in progress under the Al-Aqsa Masjid. This is not in search of any temple, but this is a ritual of destroying one of the oldest house of Allah and then raising a new temple for worship of their idol gods. They would observe here the Satanic sacrifice and to diminish the land where name of Allah is being taken for centuries to finally convert the place into a temple of Satanic worship. They wish to do so whereby their false messiah, the king of the kings, we know as Dajjal or Anti-Christ will be welcome in this

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Please bear in mind that Illuminati was raised as separate organization. Some of the members became Freemasons afterwards and the concept of "One World Government" came into being. Right now Illuminati is the highest order of Freemasons where only few illuminated ones know the secret and design the destiny of the world.

These secret societies and cults have always been there and their historical references can be traced back to Babylonian era. All the strings could be connected together. Now look at some of the most favorite pagan and ancient gods (which are nothing other than satanic djinns of greed and destruction). Some of them are , Horus (Sun god of ancient Egypt), Annunaki, the green Pharaohs, Mayan serpent god Kukulkan, Greek gods , blue Hindu god Shiva with a serpent round his neck, blue baby god Krishna sitting on a checkered floor (Checkered floor is found in every Freemasonry Lodge and stands as a hallmark of this organization). These checkered floors are very important to understand as they would be the design factor of future plans.

Now that we have developed some understanding of how things go about, let us look into some other interesting factors:

a. Ley Lines. The Wikipedia describes the Ley Lines as , " Ley Lines are hypothetical alignment of a number of places of interest. Their existence was suggested in 1921 by amateur archeologist Alfred Watkins in his book *Early British Trackways* . "The existence of alignments between sites is easily demonstrated. However the causes of these alignments are disputed. There are several major areas of interpretations,

1) *Archeological.* A new area of archeological study, Archaeo-Geodesy, examines as practiced in ancient times and evidenced by archeological remains. One major aspect of modern geodesy is surveying. As interpreted by geodesy, the so called Ley Lines could be the product of ancient surveying, markings or commonly travelled pathways. Numerous societies, ancient and modern, employ straight lines between points of use, archeologists have documented these traditions. Modern surveying also results in placement of construction lines on the landscape. It is reasonable to expect human constructional activity areas to reflect human use of these lines.

2) *Cultural.* Many cultures use straight lines across the landscape. In South America often such lines are directed towards mountain peaks. There are examples of lengthy lines made by ancient cultures.

3) *New Age.* New Age occultists claim ley lines are sources of power or energy.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

djinns work with ordinary people the big ones work with people with greater power.

It is an established fact that the Freemason and Illuminati practice devil worshiping but European and American researchers have not been able to answer the how and why. Let us look in to the claim I made above and reconcile our thoughts to childhood days where we all are aware that in the pre Islamic era and even now in modern day Hindu religion human sacrifice is still being done where a virgin's blood or even an innocent child's blood is spilled to please goddess "Kali" and "Lat" or "Manat". This is a ritual which is still being practiced by various societies in the modern times. The elite of the world gather together annually in US at Monte Rio, California and this collection is known as Bohemian Groove. This is what Wikipedia says about this group, " *Since the founding of the club, the Bohemian Groove's mascot has been an owl, symbolizing Knowledge. A statue of an owl stands at the head of the lake in the groove, the owl shrine was designed by sculptor and two times club president Haig Patigian and built in the 1920's. Since 1929 the owl shrine has served as the backdrop of the yearly Cremation of Care Ceremony. The club's patron saint is John of Nepomuk, who, legend says suffered death at the hands of a Bohemian monarch rather than disclose the confessional secrets of the queen. A large wood carving of St. John in cleric robes with his index finger over his lips stands at the shore of the lake in the groove, symbolizing the secrecy kept by the grove's attendees through out its long history.*"

Even if we assume that whatever said above is correct then why this club is only open to the top brass of the world with members like Bush senior and junior, Henry Kissinger, Jimmy Carter, Rothschild, Rockefeller etc. What is so secret that they are doing there which the world print and electronic media is not permitted to cover?

The answer came in 1986 when an American journalist, Alex Jones crashed their party, made videos of these elites dressed in red, blue, black and white robes worshiping the owl and performing the sacrificial rituals. These elites when confronted by media about their activities , did not only fail to answer all the questions asked but also got very upset even with the mention of the report.

When we Muslims see an star falling, we are taught to recite " لاحول ولا قوة الا بالله" We believe that these evil djinns are fired at with these shooting stars when they try to eavesdrop and spy the angels in the heavens. Logic is that these beings cannot enter the heavens and they wander about the outer periphery to listen to what the angels were talking about and when they get some bit of it they falsify and exaggerate what they heard and immediately return back to their human friends and update them. Since these people know things of extra ordinary value and only a few of them have the advanced level of knowledge therefore they call themselves as "Illuminated Ones" or in simple language "Illuminati"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

imparted by Haroot and Maroot (with the leave of Allah) to use it in a way that looked like magic.

It is also said in some references that in order to eradicate this evil Hazrat Sulaiman PBUH ordered the collection of these manuscript from across his kingdom and buried them under his throne or may be kept under it (Allah knows the best).

The Era of Templar Knights

Then came the era of Crusades where we know the role of Templar Knights who were raised to protect the pilgrims visiting the Holy City. They used to take all the precious belongings of pilgrims and protect them on their journey and returned all of these valuables to them upon reaching the Holy City of Jerusalem. It started off simply like this and then their services added to the level where pilgrims could get a receipt against their valuables deposited with Templars and its worth could be collected anywhere in Europe. This kicked off the modern day Banking.

Templar Knights are also associated with the discovery of Holy Grail (there are many myths and stories surrounding it). We can assume that they actually found something, but what they found was not any Holy Grail, but it was that manuscript and tablets buried by Hazrat Sulaiman PBUH. The reason we are saying this is that on Friday October 13th 1307, Templars were charged for worship of devil, practicing of ancient Kabala (Jewish Magic, the one stated above) and for practicing sodomy and other unlawful acts. They were burned alive on stakes and were not allowed burial. Please note that the incidence took place some 200 years after the Crusade and the Templar had by then established a strong banking system and King Phillip-IV of France was under heavy debts of Templar. After this punitive activity against the Templar, both the King as well as Pope Clement V of the Church died within the next year. Remaining Templar went under ground as it was time for a change of strategy.

Rebirth of Templar Knights

Templar then reappeared during the independence war of Scotland in early 16th century around 1514, where they aided Scottish side against English armies and helped them strengthened their grasp and in return got complete safety and freedom to perform their acts unhindered. They changed their names to FREEMASONS and freemasonry was born from there. They now started performing covertly with great care and secrecy.

We know from our cnild hood days that magic and black magic are acts of evil where the person has to start from devil worships, recites the verses of Holy Quran incorrectly or from end to start thus giving it Satanic meanings and as a result of this, the devil gets happy and he helps the person with the powers to carry out his work. These powers are none other than the devil djinns coming under control and performing these works and tasks. In return evil price has to be paid continually by humans through various means. As the small and ordinary

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1. Are they doing any nation building work or bringing the Ummah on one platform?
2. Are they trying to teach the people something about how to obey the orders of Allah and stream line their lives?
3. Is Islam about yelling and crying "Naat" and Quran in good voices over television?
4. Have they ever educated masses about Islamic concept of governance?
5. Did they ever teach people on Islamic economic system?
6. How many people know that Muslim expeditions reached American subcontinent before Columbus?
7. How many people have been told that American Cherokee tribes were Muslims, but they today stand converted, why?
8. How many people know that Muslims made the first aircraft design in Muslim Spain and carried out successful testing even before Leonardo Di Vinci was born?

Muhammad SAW's Ummah does not require re-run of manipulated Quranic translations, or a 12 hours run of Mehfil-e-Naat broadcasted on Television. We want people to wake this nation up and ask it to stop thinking and start acting to correct their lives and bring it in line with Islamic teachings and unite the Ummah into one unified force that would be un-pierce able, UN-penetrate able and un-breakable.

Historical Aspects of These Satanic Groups

Let us take a look in the history of these groups. Some of the facts are already established and easily could be found with some little research on internet whereas others are logical conclusions of the events that took place in the past.

<u>Haroot and Maroot.</u> (Surah Aal-i-Imran, Verse-102)

Allah sent two angels Haroot and Maroot to the land of Babylon to test its people. They were deputed to teach those who were willing, a special knowledge that could be used to for both good and evil purposes. They always warned people before imparting with the subject knowledge that they had been sent as a test for them and advised them not to fall prey to temptations of misusing the knowledge. The Satan (from both Jinn and men) who used to teach magic to people learnt it and tempted other people to learn it to create rifts between husband and wife. It was at the time of Hazrat Sulaiman (May Peace and Blessings of Allah be on him) and the devils from jinn and men taking advantage of the knowledge taught by the two angels falsely propagated that Hazrat Sulaiman PBUH had taught magic to them. Since Hazrat Sulaiman PBUH ruled over Jinns (good and evil) it became easy for the disbelievers to spread the tale. Qur'an clearly says that Hazrat Sulaiman PBUH did not commit Kufr by teaching magic and the Satan twisted the knowledge

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Actual mission of all these groups and societies could be summarized to achieve following objectives as a whole. These smaller objectives are the phases of a mass canvas which is the final aim of subjugation of the mankind into one block under the subservience of one master for whom the entire world is being worked at. A grasp of the subject, "Signs of the last day", allows a believer to so penetrate reality to be capable of responding appropriately to many other unique and mysterious events unfolding in the strange age. The grasp of reality would explain,

- Contemporary Globalization in which all of mankind is being absorbed into one essentially Godless and decadent global society.
- The emergence of world government and a universal political dictatorship which makes mockery of state sovereignty.
- An interconnected global usury based economy that spawns unprecedented permanent global poverty and unheard of permanent wealth.
- A bogus and fraudulent international monetary system of non redeemable paper currency which makes it possible for some to fraudulently enrich themselves at the expense of others when they thus create wealth out of nothing. In addition when currencies loose their (fictitious) values, they cause the loss of the many to become the gain of the few.
- The imminent establishment of a new international monetary system of one global cashless electronic currency, controlled by a universal centrally controlled banking system subservient to the State of Israel.
- A feminist revolution transforming the "night" (Symbolizing the female) into "day" and in the process causing the disintegration of the family.
- Mega sporting events and entertainment extravaganza such as Olympic Games, World Cup Football and Cricket, Miss World and Miss Universe beauty contests and US Presidential elections that function as brilliantly conceived and designed distractions which effectively detract attention from the ominus reality of the modern age. Specially the Television (including Islamic Channels) that distort reality and brain washes those who uncritically absorb lies, in the case of Islamic channels its 5% of skillfully delivered poison. This claim may be unpalatable to many but actually the so called Islamic channels are not doing any favour to Islam nor even putting the correct Islamic view point to the viewers. Take the Islamic channels running in Pakistan and simply observe the following whereby the replies to all these will come as negative:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Their Modus Operandi

The method of their approach to a God fearing man is by portraying one, or all of the following ways,

1. False Religious Front. The group deceptively pretends to believe in Allah and the Last Day " "آمنا بالله و با ليوم الآ خر-------و من الناس من يقول" (Surah Al-Baqarah verses 8-9 , 14). This could be translated to mean, ".....And from the men are those who say that we believe in Allah and the last day, but they are not believers. They are deceiving Allah and those who are believers...." This is the approach of **Free Masons.**

2. Uncommon Articles of Faith. The group is too proud to share the straightforward faith of ordinary people whom they call "Stupid".
" "و اذا قيل لهم آمنوا كما آمن الناس قالوا انومن كما آمن السفهآء---" (Surah Al-baqarah, verse 13) . This could be translated to say, "And when they are asked to believe as the believers did, they say, should we believe as the stupid did?" This is how the modern day **Illuminati** think.

3. Mentally Twisted. The members of this group have mental and spiritual disease (Sick Heart) which Allah causes to become worse, " فی قلوبهم مرض فزاده الله مرضا------ " (Surah Al-Baqarah, Verse 10) This could be translated to say, " There is sickness in their hearts and Allah increases in their sickness." This may include wrapped logic, bizarre rituals and sexual perversion which happens to be the hallmark of **Bohemian Club (Groove) / Skull and Bones.**

4. Falsified Mission Statement. This group falsely claims to have a positive and constructive mission in the society. " و اذا قيل لهم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون " (Surah Al-Baqarah, Verse 11-12). This could be translated to say, " And when they are asked to refrain from spreading mischief on earth, they say that they were the reformers." This is practiced **by all above.**

5. Secret Meetings, Conspiracies. Leading members of the group hold regular meetings with the top leaders to renew allegiance and discuss activities. " و اذا خلوا الا شياطينهم قالوا انا معكم---" (Surah Al-Baqarah, Verse 14 and 16. Also see Surah Aal e Imran **Verse** 119-120) This could be translated as "And when they return to their Satans they say to them, we are with you."
This strategy is **practiced by all of them.**

6. Top Leaders are Satans. Leading members report to the top leader whom Allah identifies as Satan. " و اذا خلوا الا شياطينهم-----" (Surah Al-Baqarah, Verse 14). This is translated as, "And when they retreat to their Satans". This is the first mention of the word Satan in the Holy Book. It happens to be in the plural form. In the next two sections, I will discuss who these Satans are, and how they recruit, motivate and lead the fasad groups.

Could all these events be occurring by accident?

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

DSECRIPTION OF SECRET SOCIETIES IN HOLY QUR'AN

By Khurram Salim

Secret Societies

Ever since Satan was denounced by Allah for his disobedience, he became the enemy of man and his offspring. He wowed infront of Allah to misguide the human kind so as to prove to Allah that His creation was not worth assigning the post of vice regency. He immediately set about to ensure that Adam Peace Be upon Him, was thrown out of the heaven. He succeeded and ever since has not ceased to rest even for a while from his goal. He picks up people who are slightly slackened in their belief and manages to off track them from the right path. He has played his cards with great efficiency and has a majority of misguided people who follow him with his commandments. Allah also never stopped in showing the right path to His servants and continually sent His Prophets with guidance to put the humanity back on track.

The tussle between evil and truth has remained a prominent feature of human society. Earlier, the Satan deviated men from obeying Allah through making him worship the things that he dreaded like beasts, serpents, weather, fire etc or the things that he adored being beneficial like cow, some trees, the sun, the moon and like wise. As the society matured in intellect, he also changed his plans and approached human intellect scholarly. Allah the all knowing, all wise kept warning the Adamites from falling prey to satanic delusions. These days the Satan has made up a group of such like dedicated servants in his cause who knowingly and willfully obey him. The sole aim of these groups and societies is to pave the way for the forthcoming great evil of Dajjal, so that he could gain control over the entire world right at the appearance without a time delay. Some of the satanic societies that are Performing within the human race today could be named as,

- Freemason
- Illuminati
- Bohemian Club
- Skulls and Bones, etc

The Holy Qur'an has been very clear and vocal in not only warning its followers but also by indicating their ways and means in which they perform. We can see in the beginning of Surah Al-Baqarah of the Qur'an, Allah depicts a group of people who collectively practice fasad (mischief). He describes their false mission statement, their strange beliefs, their mode of operation (Modus Operandi), their organizational structure, and He even names their secret master minds. As it turns out, these verses actually describe Gog and Magog and other fasad groups that work for them.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

like thereof and call your witness (supports and helpers) besides Allah, if you are truthful."(Al-Baqara 23)

The revelation of this ayah has parsed from fourteen centuries but still its claim is established. So, just only this ayah is enough for the vanity of this book. If infidels could do nothing but they at least brought a surah like it then its perfection and divinity could suffer a stair. On the other hand, is .... the stability of this claim not THE reason of prophecy at all?

A vast number of famous poets and writers were born. People try to follow their style of speaking and mode of writing and even get success in it. But, the Glorious Qur'an is only the unique book that human reason is totally unable to bring an example like it.

CONCLUSION:

Thus, after the study content of religions scriptures representative by famous religions of the world and after the divinity of claimant of the Glorious Qur'an, this fact has reached the proof and ascertainment that the Glorious Qur'an is only the book which is a role model and the source of guidance for humanity which is equally practicable in each time for every region of the earth. Deceits of this world can never make the Qur'an ineffective, and geographical changes cannot impede the message of enforcement practically.

The Glorious Qur'an is only the book of guidance which is established practicable and readable on base of these fundamental points.

1. The Glorious Qur'an is the only book of which was written for every human kind. There is no another book except for the Glorious Qur'an which has claimed to be the book of every man kind.
2. The Glorious Qur'an claims that it was revealed from Allah (سبحانہ تعالٰی) and he will himself safeguard it.
3. From the time of Qur'an revelation right to the present day, a number of people have learnt it by heart with authentic words whereas no another book has found yet which was memorized with pronunciation by any single mean.
4. The original text of the Glorious Qur'an is still the same as it was before fourteen centuries ago.
5. The Qur'an was revealed in arabic language. Arabic language is still fresh and alive perfectly while there is no another prophetic book which language is alive today.
6. As the literal and significant testimony of the Glorious Qur'an is stable likewise, the life of the man upon whom the Glorious Qur'an was revealed is the most fulgent and brilliant. No one is like the prophet صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم whose all aspects of life are evident and free from the historical aggression except the personality of Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم.
7. The Glorious Qur'an is only the book which teachings were acted upon in the life of the inspirer of the book.
8. The Glorious Qur'an is only the book which claims to be the final book of Allah and Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم is the last messenger of Allah upon whom the Glorious Qur'an was revealed.
9. Only the Glorious Qur'an claims that, no another book similar to the Glorious Qur'an can be written whether by using all powers of men. At present, the revelation of the Qur'an has elapsed fourteen centuries still the claim is established.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2 The scrpture which was rendered by baha u has no concern with the Glorious Qur'an. The Glorious Qur'an is the live miracle of knowledge and wisdom. Whereas the book of Baha-u-llah merely a burdon on belief and prophecy.

3 When Prophet Mohammad passed away from this world, at that time, more than one lac people granted and conceded him by their heart and soul as a universal guide and leader. This strength is the best proportion of population in accordance of that time. whereas' the strength of those who inspired Bah'ai belief was still so fewer I spite of passing out twelve centuries of Prophet Mohammad.

4 Prophet Mohammad prospered upon him hostiles by the will of Allah. He achieved the ranks of the head of the state and still more than one and half billion Muslims get ready every time to die for the honor and dignity of Prophet Mohammad. While Baha-u-llah was always defected byhis enemies till his last breath of life. Neither in his life nor after his death the satisfactory of Bah'ai pominion could put into practice.

5 In point of fact, Prophet Mohammad is all holding in his perviousness as as much that its abolishment needs a pervasive power more than it, But Baha-u-llah was unsecceeded to respect such a pervasive power.

In light of my limited knowledge,I will say that, on the Bah'ai teachings one religion cannot be applied. Bha'ai religion is unable to fulfil the components of a religion. Truely, it is a political movaement which is now a play game in hand of agent.

A DOUBT FOR THE CLAIM OF QUR'AN PRESERVATION AND ITS ANSWER

A question is raised here that the Glorious Qur'an claims that:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

"Verily, we, it is we who have sent down the Dhikr (i.e The Qur'an) and surely, we will guard it". (From cos)

While, now a days, opponents of Islam are publishing the perverted copies of the Glorious Qur'an. If we look at it as discord of abolition we will find a dozen copies of the Holy Qur'an. Does this discord of abrogation not hurt the claim of preservation the Glorious Qur'an? Instead, Allah (S.W.T) has promised to safeguard the Glorious Qur'an. The attack of opponents upon its preservation can never hurt its safeguard. Several perverted copies could not extinguish its originality. The original text is existent and it is the claim of its safeguard the claim of the Qur'an preservation cannot hurt for any reason as long as the Qur'an will be existent.

Then, it should be borne in mind, there is no Muslim deweling on this earth can favor these perverted copies so that demonstration with these perverted copies is for no rhyme and reason. So keeping all this in view these perverted copies are nothing but piece of papers.

Claim Of Uniqueness Of Holy Quran:

The Glorious Qur'an has such a claim which provides the ebivence of its Prophetic perfection.

Allah (سبحانہ و تعالیٰ) says that Glorious Qur'an

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾

"And if you (Arab, Pagan, Jews and Christians) are in doubt concerning that which we have sent down (i.e. Quran) to our slave (Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم) then bring a surah of the

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

2. Arabic language is still a live with its literal and poetic loveliness. It is a universal language. The grammar of Arabic language is quite same as it was before. The Qur'an is the only prophetic book which was sent down in universal language of the world.

3. The Glorious Qur'an was revealed upon that sacred person who is the most corspicious and noblest. There is no one except for Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم who is the most warifest and shining. The time of living of Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم is evident. His childhood, his adolesceve and his old age ARE evident. The salient features of his sacred life and its particulars are known. His state of condition at the time of revelation is known. The names of his sacred caliphs, his HEROIC DEEDS and efforts, varing sides of his life are known. Which teachings were given by subsequent books could not come into practice. On the contrary, the Glorious Qur'an fulfils this condition as well.

Thus, if any book can accomplish the natural condition so as to be divine and sacred book, then and only then, that is the Glorious Qur'an. Still, it is misconceived that the Glorious Qur'an is the book of Muslims and Islam is the religion of Muslims. However, the Glorious Qur'an tells itself powerfully that it is the book of humanity and Islam is the religion of human beings. Except for, the Glorious Qur'an, no book has claimed like that.

Accordingly, the study of the Glorious Qur'an is necessitated because of assurance. The Qur'an is the book which let us know that it is the last book of the creator of mankind and Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم is the last Prophet and messenger upon whom the Glorious Qur'an was revealed and this is the evident point of fact that, the last book (The Qur'an) will be integral as well as demands of guidance and solution.

Bahá'í Religion:

Which books have been analyzed in previous pages? They were before the Glorious Qur'an. Let us check out revolution which appeared in reference to the prophetic book on the religious beliefs after the revelation of the Holy Qur'an.

After the prophecy of Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم and reventation of the Glorious Qur'an, Baha-u-llah was the man who nulified the previous divine law and claimed to RENDER new teachings and doctrine. We need to know the personality of Baha-ul-llah in order to know his back ground. He was the principal pupil of Ali Mohammad Baab. Ali M. Baab was born in 1819 A.D. he was belonged to Iran. He claimed to be the Prophet Mehdi (علیہ السلام) where arrival was reported by Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم. Baha-u-llah also accepted this invitation. In consequence Ali. M. Baab came under increased persecution and torture due to his claim by the BIGOTED slias. Even though he was killed on 9th July in 1850 A.D. at that time, he was just thirty one yaers old. Baha-u-llah who was the pricipal pupil of Ali M. Baab, was born in November 1817 A.D. Politically, Baha-u-llah was belonged to a influential family. He accepted tha "Baabi" invitation. However, after the murder of Ali M. Baab, he made his center of exertions his own proclaimed prophecy instead of "Baabi Notion's". He AFFIANCED various prediction of Baab upon him.

The gist of the Bah'ai teachings is that, Baha-u-llah confirmed all prophets even though he confirmed the Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم too despite that he said that the divine law of Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم has been abolished along with his arrival. It is a

Big claim which was made by him. There is natural measurment to check out this claim. Let's cast a glance on some facts.

1 Baha-u-llah conceded that Prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ وسلم is the veracious messenger of Allah (S.W.T). Its obivios that a prophet cannot be liar. Prophet Mohammad told by divinity that he is the last prophet of Allah with a little ponderance it becomes evident that baha u llah is false i n his claim.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

percepts are seen on it. Keeping all there in view, his nothing could be said on his life time struggles and its efforts and results with SURETY.

At present, this religion is getting too strange and extinct. So, it is useless to hope for illumination from an extinct candle.

TRIPITAKA (Pali Canon):

Tripitaka is the divine book of adherents of Buddhism. But as the S. Radhakrishnan did not represent any new canon in Geeta. So, in the similar way, Gautama Buddha did not represent any new divine law. In fact, he rendered the same doctrines besides some points which are the nature of distinction of Vedic religion.

Tripikata is surely the divine book of the bearers of Buddha religion, but this book was not accumulated in COURSE of life of Gautama Buddha. But, it was actually calculated when the life of adherents started to get victim of ANTAGONISM and perplexity after the Gautama Buddha. In such a condition, his high minded and dignified caliphs put the teachings doctrine of Gautama Buddha in order with the help of their memory. In consequence, the claim of Tipikata to be a pure prophetic book cannot be accomplished or perfect at all. Moreover, the teachings of his book n ostly resist to the moral values of human kind.

Although, the salient features and the time of living can be found al little of Gautama Buddha. But his text was not delivered ever by his handed. Hence, Tripikata can never be the healing of the distress of humanity as well.

TAO-TE-KING (or TAO TEH CHING):

THE BASIC book of Taoism is "Tao-Te-King". The founder of this book is "Laozi".

1 It is a short text which consists of almost 5000 signs of Chinese words of writing. The language of the book has intensive abridgment and metaphor, because of that it is hard to understand the spirit of lesson.

2 The Chinese language could not be ever popularized outside the china. So to speak that this religion was only for the Chinese and then and only then it was restrained to China.

3 Laozi was born in 604 A.D in china. His circumstances are obscured. However, it is evident that he won the overseen and superintendant of a royal library. He was monastic by nature and wanted to evade from WORLDLY tumults. At last, he decided to lead a monastic life. He gave people Tao-Te-King before going which do the rule of practice of Taoism at this time no one could aware about his end of life.

Thus, the melodiousness of Taoism could only be to China.

THE GLORIOUS QUR'AN:

Now, we will analyse the Glorious Qur'an accordingly to there three natural conditions.

1. The Glorious Qur'an was revealed in Arabic language and the revealer of thisbook himself claimed openly that:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون

"Verily, we, it is we who have sent down the Dhikr (i.e The Qur'an) and surely, we will guard it". (From cos)

Then, world is observing the manifestation of its safeguard in reality. Since the age of revelation of Glorious Qur'an till now a garl many people have preserved the Qur'an in their heart & mind. This is the only book which is learnt by heart with pronunciation. Evidently, there is no book similar to the Glorious Qur'an that has been learnt by heart so far with these rules and conditions by any human kind. Though, more than 14 centuries have elapsed as yet it is REMAINING intact with its original divine text.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

biography, accomplishment and the way of living of S. Radhakrishnan from any means of authentic information.

OLD TESTAMENT:

Old Testament is consisted of divine books of Prophet Moses علیہ السلام and other prophets from children of Israel. Which comprise up to two durable books, the Torah and the Psalms of David and several scripts? There scripts are rites of practice of Jews and so sacred and respectable for Christians.

1 These books were revealed in Hebrew language. In this time, we cannot find the original and complete text of these books. Which varing copies are found of Old Testament, they have a vast number of contradictions all together. So, the conformity of these books is not in hold of any research scholar.

2 So many alteration and changes have been made in Hebrew language and the continuity of this language cannot be representing today.

3 The torah was sent to Prophet Moses علیہ السلام and the zaboor (Psalm) was sent to David علیہ السلام. Besides, it comprises the revealed text of Prophet Jonah, Prophet Solomon, Prophet Zkariya (**Zechariah**), Prophet Daniyal (Daniel), Prophet Ayyub (Job) and Prophet Habqooq علیہم السلام. Prophet Moses علیہ السلام is the most luminous person in all of them. It is beyond doubt, except for prophet Mohammad صلی اللہ علیہ و آلیہ و سلم , Prophet Moses علیہ السلام is the man whose account of living are found the most. Even so, so many aspects of his life are not evident. (Above all, the lesson of his life is not specified distinctly. We can say that we have known the feature of this life but not the detailed facts; namely, he got married but how was his marital life? We do not know. He was endowed with children but how many children did he have? And what kind of father he was? His teachings influenced upon a good many people in his time but how many companions of great worth did he have? Who were closed to him? He was the guide and leader of his nation but what amendments did he perform for the living of nation? All of this is not evident. What kind of ruler he was? History does not take us to a satisfactory answer.

Furthermore, the lost lives of remaining sacred persons are much more in obscurity. Thus, the missing of original text of 'old testament', mutual confronting of existent copies, uncertainty of its inspirer's history are such aspects which do not make it compulsory to study for every mankind.

AVESTA (Book of the Law):

The original scripture of observes of Zoroastrianism is "Pazand". Although, we are deprived of its review. At this time, the sacred book of Parsees is "Avesta". This book is comprising upto five parts. In its first book of "yasra"; the past which is named by the 'Gathas', is consisted of sayings and inspirations of Zoraster. And nothing but this the part in reality that can be considered divine. Because just Zoroaster's biography and other facts were discussed in remaining parts.

1 First of all, this question is raised that, where is the Pazand? Then, where is the original form of text of Avesta? Where is its real prophetic text and what place it is preserved?

2 Which was its original language? As it is not known at all. Therefore, in this way the question of eternity of this language goes in vain.

3 This book was revealed upon Zoroaster. The life of Zoroaster is covered in darkness. It could not DECIDED yet what was his time of living. More than one

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3 Upon whom the book was revealed, his character should be come out with credit in his own accomplishment and history so as to present the prophetic role model of prophetic teachings.

Let as inspect the divine books existing on this earth upon this survey.

New Testament:

We can see that New Testament (Bible) which is observed by one and half millions Christian as their rule of practice but, as a point of fact, Bible does not fulfil these three natural conditions:

1 New Testament actually revealed in Hebrew language but, now, New Testament is not existent in its original revelation language. Consequentially, the testimonial position of it (Bible) has hurt a lot. Apart from that there is also resistance and contradiction in the four scripture of Bible which is considered authenticated.

2 Hebrew language has lost itself in the black book of history and society. How many copies of Hebrew literature and poetry can be rendered today? That is the loss of this language which effect the eternity of it.

3 This sacred book was sent to Prophet Isa (علیہ السلام) whose early thirty years are not known. There is only few years' account which is unable to represent the history by itself.

Veda:

There are four main Vedas, Rig Veda, Yajar Veda, Sam Veda and Atharva Veda. It is too hard to a Hindu research scholar that he could prove that in which time there books were revealed? Which is the original language of their books? And, who are those personalities upon who these books were revealed? As if, the Veda in knew the most ancient book of the world. But, the research scholars are not able to let us know the good and evil of this ancient book.

1 These four scriptures of Vedas are not existent in their original form. It is said that these scriptures were revealed in Sanskrit language. But then, no one knows, where the complete and original text of their books is.

2 Well, if we believe that, Sanskrit is the language of their divine books. But, where is this language itself at present? So, the fact is that, Sanskrit language has lost it eternity and learning.

3 The inspirer of their scriptures are Agni, Vaya, Adhitya and Angra. But, who are they infected? This question is covered as hidden secret.

It is a pity that the most sacred book of Hinduism cannot be made essential in order to study for every human kind.

Bhagwad Geeta:

In Hinduism, Bhagwad Geeta is second sacred book.

1 However, this book is also not existent in its original form and perfect state of condition.

2 This book was sent in Sanskrit language as well, which state of condition has been mention before.

3 Bhagwad Geeta was sent to S. Radhakrishnan, Who was ordained with kingdom and prophecy accord with Hinduism. Though, he did not represent any new divine law in Geeta. He spent his whole life in light of Vedic teachings. Infect philosophy of religion as described in Geeta. There is nowhere found the

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

Why should we study the glorious Quran?

Written by: Mohammad Tanzeel al-Siddiqi al-Husaini
Translate by: Ambreen Siddiqui

بسم الله الرحمٰن الرحيم ، الحمد لله رب العالمين ، و الصلاة و السلام على سيد المرسلين ، و على آله و اصحابه اجمعين ، و العاقبة للمتقين ۔ اما بعد !

In the name of Allah, most gracious, most merciful

Praise is to Allah, the cherisher and sustained of the worlds, and peace and blessings of Allah on the truthful Messenger and the rewards of the hereafter to the righteous.

There were a large number of writers in this colourful bloomy world who accumulated their literary treasures in form of books. A good many books were written in each language in every region of the world, which cannot be calculated in number. In the presence of their countless books, why is the Glorious Quran just only the divine book which is established essential to be recited, perceived, understood and then acted upon it by every humankind-

Why should we study the Glorious Quran? This is such a true question whereof answer is required according to the natural and intellectual philosophy.

Infect, which so many books were written in the world, all were consisted of different art and knowledge. They were written for the particular category of human kind which resist to the various literary, instinctive and thoughtful characteristics of mankind. Although, they are enclosed in some aspects of religion, theology, philosophy, history, geography, astrology, astronomy, biography, economics, sociology, politics and so on. Despite that, the glorious Quran is just only the book of humanity which has been written for every human being. There is no another book like the glorious Quran which claims to be the book of humanity. This is the only book which calls out every man by saying, 'Oh! Mankind' (یا ایھا الناس), however, calls upon orders by asking, 'Oh! Who you believe' (یا ایھا الذین امنو).

Religion and belief are the natural need of mankind. There is no one who is not obligated of any religion and is not bearer of any specific belief. Even though, if we ponder upon those who do not believe in any religion and do not pray to God this type of ideology is also just like showing a religion or belief.

All the adherent of religion give the value to their divine books as same as the Muslims give to the Glorious Quran. A Christian who thinks preserver to prophet Isa (علیہ السلام) in regard to obtaining salvation, A Hindu who prostrate himself to idols, A Jew who is waiting for a preserver in regard of obtaining salvation for the descendent of prophet David (Dawood) (علیہ السلام) , A worshipper of Zoroaster, A Buddha who is in search of salvation and a follower of Taoism, They all are rightful to ask that why should every relevant of mankind must read the Glorious Quran? Why should they not study the New Testament (Bible), Vedas, Bhagwad Geeta, Old Testament, Avesta and so forth? These books are as divine to their adherent and observer as the Glorious Quran for the Muslims.

But if, the study of their divine scriptures is necessitated, Even so, the Glorious Quran is just only the miraculous book of which study is must. In so far as there is nowhere written in there scriptures that they were sent for humanity, on the other hand, if there divine books are prophetic in reality, than, These must be some natural conditions in order to make these books essential for study due to their prophecy. Namely,

1 The book must be existed in the original language and read state of condition in which it was revealed so as the testimony can be stable.

2 The language must be preserve in which the book was revealed, its literature and poetry must be alive so that the eternity of the prophetic book can be proved.

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بسم الله الرحمن الرحيم

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

والعصر إن الإنسان لفي خسر إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما